اوکاں

ریحان یونس

انتساب

میرا پہلا ناول

میرے والدین کے نام،

جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ میرے خوابوں کے نام کر دیا

اور جن کی دعائیں ہمیشہ میرا سہارا ہیں۔

پیش لفظ

زندگی انسان کو بے شمار آزمائشوں سے گزارتی ہے۔ وہ اس سے بہت کچھ چھین لیتی ہے، مگر اس کے بدلے میں بہت کچھ عطا بھی کرتی ہے۔ اس کہانی میں بھی ہر کردار اپنی اپنی آزمائش سے گزرتا ہے۔ کوئی کچھ کھو دیتا ہے، تو کسی کو وہ نعمت مل جاتی ہے جس کی قدر اسے وقت گزرنے کے بعد محسوس ہوتی ہے۔

اس ناول میں بہت سے کردار ہیں اور میں نے ہر کردار کو اس کی اپنی خوبصورتی، کمزوری اور احساسات کے ساتھ پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ کچھ کردار ایسے ہوتے ہیں جو آہستہ آہستہ قاری کے دل میں جگہ بنا لیتے ہیں۔ اگر اس ناول کو پڑھتے ہوئے آپ کسی کردار کے احساسات میں کھو جائیں، اس کے درد کو محسوس کریں یا اس کے الفاظ آپ کے دل میں اتر جائیں، تو میں سمجھوں گا کہ میرے لکھنے کا مقصد پورا ہو گیا۔

اس ناول کو لکھتے ہوئے مجھے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ قلم رک گیا اور الفاظ ساتھ چھوڑ گئے، مگر میں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی کوشش جاری رکھی۔ بالآخر مسلسل محنت کے بعد یہ ناول مکمل ہوا۔

سب سے پہلے میں اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، جس نے ہر قدم پر میری رہنمائی فرمائی اور مجھے یہ سفر مکمل کرنے کی توفیق عطا کی۔

اس کے بعد میں اپنی بہت ہی پیاری چھوٹی بہن کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں، جس نے اس ناول کی تکمیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے میری بہت مدد کی۔ ہم اس کہانی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے، خیالات کا تبادلہ کرتے۔ اس کی رائے اور تعاون میرے لیے بے حد قیمتی رہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت کی ہر کامیابی، خوشی اور آسانی عطا فرمائے، آمین۔

— ریحان یونس

باب اول

احساس

میں کون ہوں۔۔۔؟
ایک نادان انسان۔۔۔
اپنی نادانیوں کے حصار میں جیتا ہوا انسان۔۔۔
ایک سوال۔۔۔
ایک جواب۔۔۔
ان دونوں کے درمیان بھٹکتا ہوا انسان۔۔۔
ٹھوکروں سے گرا ہوا انسان۔۔۔
گر کر ٹوٹتا ہوا انسان۔۔۔
سنبھل کر خود کو پہچانتا ہوا انسان۔۔۔
کبھی زمین پر بکھر جانے والا انسان۔۔۔
کبھی آسماں کو چھو لینے والا انسان۔۔۔
جان کر بھی انجان رہنے والا انسان۔۔۔
حقیقت سے منہ موڑ لینے والا انسان۔۔۔
میں کون ہوں۔۔۔؟
ایک قیدی۔۔۔
خواہشات کا قیدی۔۔۔

اوکاڑہ پاکستان کا ایک شہر جو گاؤں کی سادگی اور شہر کی چہل پہل دونوں کا امتزاج ہے۔ اوکاڑہ کا نام "اوکاں" نامی ایک درخت سے ماخوذ ہے۔ جو اس علاقے میں بکثرت پایا جاتا تھا، لیکن اب وہ درخت یادوں میں باقی ہے۔

اوکاڑہ سکندر روڈ کے دونوں اطراف دو نہریں بہتی ہیں — پانی کی لہروں کے ساتھ جھومتے درخت، جن کی چھاؤں نے پوری سڑک کو اپنی بانہوں میں لے رکھا ہے۔ ان درختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے ایک ٹھنڈی، خاموش، سکون بھری ہوا دل تک اتر جاتی ہے۔ وہاں سے گزرنے والا ہر شخص لمحے بھر کے لیے جیسے کسی اور ہی دنیا میں کھو جاتا ہے۔ سکندر روڈ کی نہر کے کنارے ایک پرانا پل ہے۔ پل کے نیچے پانی ہر چیز سے بے فکر تیزی سے بہہ رہا ہوتا ہے۔ لہریں زور سے ستونوں سے ٹکرا کر جھاگ بناتی جاتی ہیں۔ پل کراس کرتے ہی سڑک دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ بائیں جانب ایک کچی راہ گاؤں کی طرف مڑتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی نہر چلتی ہے۔ جس کا پانی گاؤں کی زمینوں کو زندگی دیتا ہے۔ راستے کے دونوں طرف امرود کے باغات اور ہری بھری فصلیں لہلہاتی نظر آتی ہیں۔ دور جاتے ہی آبادی شروع ہو جاتی ہے۔

اسی دوپہر آسمان پر بادلوں کی ہلکی چادر تنی تھی۔ ہوا میں ایک خوشگوار نمی تھی۔

سیف مسجد سے ظہر کی نماز ادا کر کے باہر نکلا۔ چہرے پر ایک پر سکون، چمک اور وجود میں ایک باوقار عاجزی۔ پچیس برس کی عمر میں اس کے چہرے پر سنجیدگی اور ٹھہراؤ ایک ساتھ جھلک رہا تھا۔ مہرون رنگ کے سوٹ میں اس کا گندمی رنگ نکھر رہا تھا۔ گہری بھوری آنکھوں میں نرمی تھی۔ ہلکی سی شیو اور مضبوط نقش اسے پرکشش بنا رہے تھے۔ بال پیچھے کو سلیقے سے جمائے ہوئے، آستینیں کف سے فولڈ اور کلائی میں بندھی گھڑی سورج کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ وہ دھیرے قدموں سے چلتا ہوا ہاجرہ بی کے گھر کی طرف بڑھا۔

دروازے کے باہر ایک پرانا درخت تھا۔ جس کے نیچے ہاجرہ بی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کا سانولا چہرہ وقت کی جھریوں سے بھرا ہوا، مگر ان جھریوں کے بیچ بھی ایک سکون اور روشنی چھپی تھی۔ درخت کے ساتھ ایک بھینس بندی ہوئی تھی اور پیچھے ایک چھوٹا سا گھر — جس میں صرف ایک کمرہ، اگے چھجا اور دروازے کے ساتھ ایک واش روم۔ نو سال پہلے شوہر کے مرنے کے بعد، ہاجرہ بی نے اس گاؤں میں لوگوں کے گھروں کے کام اور بھینس کا دودھ بیچ کر اپنی ساری زندگی اس چھوٹے سے مکان میں گزار دی۔

سیف قریب آیا۔ آہستہ سے سلام کیا، سر جھکاتے ہوئے۔

السلام علیکم، ہاجرہ بی۔۔۔

ہاجرہ بی نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور محبت سے اس کے سر پر رکھ دیے۔

وعلیکم السلام، بیٹا۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔

طبیعت کیسی ہے؟ سیف نے چارپائی کے کنارے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

اللہ کا بڑا کرم ہے۔ ہاجرہ بی نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔۔۔

خیر مبارک بیٹا۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ ہاجرہ بی کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔

آخر آپ کی دو خواہشات میں سے ایک خواہش پوری ہو ہی گئی۔ اللہ نے آپ کو اپنے گھر بلا لیا۔ سیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہاجرہ بھی ہلکا سا مسکرائی۔

ہاں بیٹا۔۔۔ اللہ نے کرم کیا ہے مجھ غریب پر اور میں اپنے اللہ سے کبھی مایوس نہیں ہوئی۔ مجھے یقین ہے—کہ وہ میری دوسری خواہش بھی پوری کر دے گا۔

انشاءاللہ۔۔۔ سیف نے سر نیچے جھکاتے ہوئے کہا۔

انشاءاللہ۔۔۔ ہاجرہ بی نے دہرایا۔

کس دن کی فلائٹ ہے؟

تین تاریخ کی ہے۔

مطلب پرسوں۔۔۔

کس کے ساتھ جائیں گی؟ سیف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

سارا کام ولید نے کروایا ہے۔ اس کے امی ابو بھی جا رہے۔ ان کے ساتھ ہی جاؤں گی۔

سیف نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

کچھ دیر دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ درختوں کے بیچ سے گزرتی ہوا ان کے درمیان سے ہو کر نکلی جیسے وقت خود رک کر ان کی باتیں سن رہا ہو۔ پھر سیف نے آہستہ سے اٹھ کر اجازت لی۔ دھوپ درختوں کی چھاؤں سے چھن چھن کر اس کے قدموں کے ساتھ چل رہی تھی۔

دور جاتے ہوئے سیف کے وجود میں اب بھی وہی وقار اور عاجزی جھلک رہی تھی۔

✦ ✦ ✦

لاہور کے مضافات میں ایک چھوٹا سا گاؤں جس میں مٹی سے بنے ایک گھر کا لکڑی کا دروازہ نیم وا تھا۔
دروازے سے جھانک کر دیکھو تو بائیں جانب ایک چھوٹا سا واش روم اس کے ساتھ کپڑے دھونے کی جگہ اور کچھ فاصلے پر اوپر جاتی تنگ سی سیڑھیاں۔ سیڑھیوں کے نیچے کچن جس کے برابر دو کمرے اور ان کے سامنے ایک چھجا۔
دروازے کے دوسری طرف ایک چھوٹی سی بیٹھک بنی ہوئی تھی اور صحن میں دو چارپائیاں بچھی تھیں۔ ان میں سے ایک چارپائی پر گلابی رنگ کا فراک پہنے، دو چھوٹی پونیاں بنائے، کالی آنکھوں والی تین سالہ زویا خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا خوف اور معصومیت اکٹھی جھلک رہی تھی۔ پاس والی چارپائی پر اس کی دادی نیم دراز تھی۔ مگر کان کمرے کی طرف لگے تھے۔
کیسا ظالم انسان ہے۔۔۔بیچاری کی زندگی برباد ہو گئی۔
آوازیں سن کر ساتھ والے گھر کی ہمسائی نگینہ نے دیوار کے اس پار سے آہ بھری۔ چہرے پر افسوس تھا۔ دل میں بے بسی۔ وہ واقعی ہمدرد تھی — لیکن ہمدردی اکثر صرف دل تک ہی رہ جاتی ہے، آواز نہیں بن پاتی۔
کمرے کے اندر فضا بوجھل تھی۔ دروازے کے دائیں طرف لکڑی کی دو کرسیاں رکھی تھیں۔ بائیں جانب ایک پرانی الماری اور عین سامنے ایک بیڈ۔ کرسیاں کے سامنے سفید رنگ، بکھرے بالوں اور سرخ آنکھوں والی مریم کھڑی تھی — ستائیس برس کی، مگر چہرے پر دکھوں نے عمر سے کہیں زیادہ برس لکھ دیے تھے۔
تم کہہ رہے ہو، تم نے اُسے بیچ دیا؟
مریم کی لرزتی ہوئی آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر رک سی گئی۔
سامنے کھڑا وہاب، گہری رنگت، کلین شیو چہرہ، مگر بڑی بڑی مڑی ہوئی مونچھوں کے ساتھ — اپنی بھاری آواز میں بولا۔
ہاں۔۔۔
یہ ایک لفظ مریم کے لیے قیامت تھا۔ اس کے آنسو بے قابو ہو کر بہنے لگے۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گی۔
وہاب وہ کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ہماری آٹھ سال کی بیٹی تھی۔ مریم نے وہاب کے قریب آ کر اس کا گریبان پکڑا۔
وہاب، تمہیں اللہ سے خوف نہیں آیا؟
وہاب نے جھٹکے سے مریم کے ہاتھ ہٹائے اور ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا۔
مریم لڑکھڑا کر زمین پر گری — اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، گال پر انگلیوں کے نشان ابھر آئے۔

وہاب نے جھک کر اس کے بال مٹھی میں پکڑے۔ چہرہ اپنے قریب لایا۔

وہ بیٹی نہیں، بوجھ تھی۔۔۔ بوجھ۔۔۔

یہ کہہ کر وہاب دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

مریم وہیں زمین پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

باہر صحن میں وہاب نے ماں کے پاس جا کر بیٹھتے ہی کہا۔

ایک تو بیٹا پیدا نہیں کر سکی، اوپر سے مجھ پر چڑھ دوڑتی ہے۔

وہاب کی ماں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

اس کمبخت کو دو چار اور لگا کر اچھے سے دماغ درست کر کے آتا۔

یہ باتیں زویا نے سنی تھیں۔ وہ آہستہ سے اپنی چارپائی سے اتری، ننگے پاؤں صحن عبور کر کے کمرے میں گئی اور ماں کے پاس بیٹھ گئی۔ مریم نے اسے گلے لگا لیا۔ اس کے آنسو زویا کے نرم بالوں میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔

بچے معصوم ضرور ہوتے ہیں، مگر بے حس نہیں۔ وہ سب کچھ محسوس کر لیتے ہیں۔

رات کے سائے چھانے لگے۔ فضا میں مغرب کی اذان گونجنے لگی۔

وہاب کی ماں نے تھکن بھرے لہجے میں اس سے کہا۔

بیٹا، اس کمبخت نے تو اب کمرے سے باہر نہیں نکلنا تو جا اور مجھے قیمے والا نان لا دے، میرا بڑا دل کر رہا ہے کھانے کو۔

جی اماں۔۔۔

وہاب کہتا ہوا نان لینے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاب قیمے والے دو نان لے کر آیا تو دونوں ماں بیٹے نے مل کر ساتھ بیٹھ کر کھایا۔

مریم نیچے زمین پر بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔ زویا ماں کی گود میں روتے روتے سو گئی تھی — نہ جانے رات کے کس پہر زویا اٹھ کر رونے لگی۔ مریم نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ جلائی۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ کمرہ روشن ہوا تو دکھ کی لکیریں اور نمایاں ہو گئیں۔ مریم اس کو اپنے ساتھ کچن میں لے آئی۔ مریم نے کچن کی لائٹ جلائی اور فریج کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے فریج کا دروازہ کھولا۔ فریج میں دودھ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس کی انکھیں بھر ائی۔ اس نے فریج سے دودھ نکالا اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ مریم کو دو نوالے نان کے ملے۔ مریم کی آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے زویا کو نان کے دو نوالے اور ساتھ میں دودھ گرم کر کے دیا۔ پھر خود خاموشی سے بیٹھی گئی۔

کیسا نصیب لے کر آئی ہیں میری بیٹیاں۔۔۔
کیا وہ بھی میرے جیسی زندگی گزارے گی؟
مریم اپنی سوچوں میں گم ہو گئی۔۔۔

✦ ✦ ✦

عبدالرحمن ہاؤس کے مین ڈور کھلتے ہی سامنے ایک کشادگی کا احساس ہوتا تھا۔ دروازے کے دائیں، بائیں اور سامنے تین تین کمرے، ان کے آگے چھجے اور چھجوں کے نیچے بنے آٹھ ستون۔بیچ میں ایک بڑا سا صحن — جہاں دن کی روشنی نرم سا لمس دیتی تھی۔

دروازے کے دائیں جانب سب سے پہلے ڈرائنگ روم، اس کے ساتھ گیسٹ روم پھر کچن اور کچن کے ساتھ اوپر جانے والی سیڑھیاں۔ ان کے ساتھ ایک خوبصورت سا سٹڈی روم اور آگے سب بیڈ رومز ترتیب سے بنے ہوئے تھے۔ کچن کے عین سامنے صحن میں اترنے کے لیے چند سیڑھیاں بنی تھیں۔ انہی سیڑھیوں کے ساتھ ایک جھولا لگا ہوا تھا۔

سیف نے گیٹ کھولا اور گھر کے اندر قدم رکھا۔ چاولوں کی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ وہ مسکراتا ہوا سیدھا کچن کی طرف بڑھ گیا۔

کچن کی ایک سائیڈ پر چمکتے کاؤنٹرز لگے تھے اور دوسری طرف ڈائننگ ٹیبل۔ جہاں صفا بیٹھی تھی۔ بائیس برس کی عمر میں اس کے چہرے پر ایک خاص ٹھہراؤ اور معصوم سی سنجیدگی تھی۔ گندمی رنگت، بال جوڑے میں بندھے، گہری بھوری آنکھوں میں نرمی اور سادگی، نیلے رنگ کی شلوار قمیض پہنے وہ عام سے حلیے میں بھی غیر معمولی خوبصورتی رکھتی تھی۔

السلام علیکم!

سیف کہتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

وعلیکم السلام!

صفا نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور اٹھ کر پلیٹ میں چاول نکالنے لگی۔

سیف نے چاروں طرف دیکھا پھر چاولوں کی بھاپ اٹھتی پلیٹ کی طرف۔

بہت زبردست خوشبو آرہی ہے۔ تم نے بنائے ہیں کیا؟

سیف نے جیب سے موبائل نکال کر ایک نظر اسکرین پر ڈالی۔

جی، آپ کھا کر بتائیں کیسے بنے ہیں۔ صفا نے پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

سیف نے پہلا چمچ لیا، تھوڑا چبایا۔
ہمم۔۔۔ اچھے بنے ہیں۔ سچ میں تم نے ہی بنائے ہیں؟
صفا نے ایک ابرو اٹھائی، ظاہر سی بات ہے۔
مجھے یقین نہیں آرہا۔
آپ نہ کریں یقین۔ صفا کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی اور کچن سمیٹنے لگی۔
دادی کے پاس نہیں گئے؟ صفا نے مڑے بغیر پوچھا۔
صبح گیا تھا۔ سیف نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
دوبارہ کب جانا ہے۔؟
ان شاءاللہ، کل۔۔۔ سیف نے مختصر سا جواب دیا۔
صفا خاموش ہو گئی۔
کچھ دیر بعد وہ واپس آکر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی۔
بھائی، مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔
ہمم۔۔۔ سیف کی نظریں اب بھی موبائل کی اسکرین پر تھیں۔
صفا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔
کیا بات ہے؟ سیف نے بغیر دیکھے پوچھا۔
پہلے موبائل سائیڈ پر رکھیں۔
ایسی بھی کون سی بات ہے؟
ادھر دیکھیں، میری طرف۔ صفا نے جھٹ سے موبائل اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔
اچھا چلو، بولو۔۔۔
سیف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
میں چاہتی ہوں۔۔۔ آپ شادی کر لیں۔
سیف نے حیرت سے آنکھیں چھوٹی کیں، ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری۔
تمہیں کہاں سے شادی کا خیال آگیا؟

بس آگیا نہ خیال، اب آپ شادی کر لیں۔ میں نے لڑکی بھی ڈھونڈ لی ہے۔
ارے واہ، کون ہے وہ؟ سیف کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ ابھری۔
بہت اچھی لڑکی ہے۔ آپ اُسے جانتے بھی ہیں۔ صفا کے لہجے میں جوش تھا۔
ایسی کون سی لڑکی ہے جسے میں بھی جانتا ہوں؟ سیف نے چونک کر کہا۔
مومنہ۔۔۔
صفا کے لبوں پر شرارتی سی مسکراہٹ تھی۔ مومنہ اور صفا بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ انہوں نے اسکول اور کالج دونوں ساتھ گزارے تھے۔
وہ تمہاری دوست؟ سیف کا چہرہ بالکل بے تاثر ہو گیا۔
جی بھائی۔
میرا ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔
بھائی۔۔۔ پلیز مان جائیں۔ صفا نے اس کا بازو پکڑا۔
دیکھیں میں سارا دن گھر میں اکیلی ہوتی ہوں، اگر وہ آجائے گی تو میرا دل لگا رہے گا۔
نہیں، میرا ابھی کوئی ارادہ نہیں۔
بھائی میں نے مومنہ سے کہہ دیا ہے کہ کل تمہارے گھر آرہی ہوں اور میں ہمدان انکل سے بات کرکے ہی آؤں گی۔
تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ وہ کیا سوچیں گے؟ اور ارحم کیا سوچے گا میرے بارے میں؟
سیف کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا۔ صفا اور مومنہ کی دوستی سے ہی ارحم اور سیف کی دوستی ہوئی تھی۔
بھائی پلیز، میرے لیے مان جائیں۔
صفا۔۔۔
اگر امی ہوتیں تو پھر بھی آپ ایسے ہی کرتے؟
صفا کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ وہ جانتی تھی، جب سیف کوئی بات نہیں مانتا تو وہ اس کی کمزوری — ماں کا ذکر — چھیڑ دیتی تھی۔
سیف نے گہری سانس لی اور اس کی طرف دیکھا۔
صفا، یہ کوئی چیز نہیں ہے کہ تم ضد کرو اور میں مان جاؤں۔

بھائی بس آپ رہنے دیں، آج اگر امی زندہ ہوتیں تو میں ان سے ہی بات کرتی۔ پھر دیکھتی کہ آپ کیا کر لیتے۔
چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔
سیف نے نظریں نیچی کیں، پھر آہستہ سے کہا۔
اگر انہوں نے انکار کر دیا تو؟
صفا کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔
نہیں، وہ انکار نہیں کریں گے۔ مجھے یقین ہے۔
تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟
کیونکہ وہ آپ کو پسند کرتی ہے۔
صفا کے چہرے پر چمکدار مسکراہٹ تھی۔ صفا مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اٹھ گئی۔
بھائی کی دکھتی رگ کا پتہ ہے مجھے۔ اس نے سرگوشی کی۔
پیچھے سیف وہیں بیٹھا رہ گیا، خاموش، الجھا ہوا اور شاید کسی ان دیکھی سوچ میں گم۔
پھر سیف کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔ اس کے چہرے پر سرخی اتر آئی۔

✦ ✦ ✦

ہمدان ہاؤس کا ٹی وی لاؤنج گھر کے عین درمیان میں واقع تھا۔ دائیں طرف گیسٹ روم، بائیں جانب ڈرائنگ روم — دونوں کے دروازے آمنے سامنے۔ ڈرائنگ روم کے ساتھ ہی ٹی وی لانج آگے ایک بیڈ روم جس کے ساتھ لان کی طرف جاتا ہوا دروازہ۔ بیڈ روم کے روبرو دوسرا کمرہ اور اس کے پہلو میں کچن۔ اگر گھر کو باہر سے دیکھا جائے تو پورچ کی دائیں، بائیں اور پچھلی سمت لان نے گھیر رکھا تھا اور مکان عین درمیان میں ایک خوبصورت جزیرے کی طرح ایستادہ تھا۔
ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر چوبیس برس کا ارحم الٹی پلٹی مارے بیٹھا تھا۔ گندمی رنگت، سفید ٹی شرٹ، کالے رنگ کا ٹراؤزر، بال پیچھے کو سیٹ کیے، کلائی پر سیاہ گھڑی اور ہاتھ میں پلیٹ لیے بڑے مزے سے پیزا کھانے میں مصروف تھا۔
اسی لمحے بیڈ روم کا دروازہ کھلا۔ بائیس برس کی مومنہ باہر آئی — گندمی رنگت، کالی شلوار قمیض، گلے میں ڈھلکا دوپٹہ، بال جوڑے میں بندھے، آنکھوں میں سیاہ چمک، ہونٹوں کے اوپر ایک چھوٹا سا کالا تل جو اس کی سادگی کو مزید دلکش بنا رہا تھا۔
وہ آئی، پیزا کا ایک سلائس اٹھایا اور ارحم کے برابر بیٹھ گئی۔
اس کے پیسے نکالو۔ ارحم نے کیچپ پلیٹ میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

تم نے کون سا اپنے پیسوں کا منگوایا ہے۔ مومنہ نے فوراً جواب دیا۔
اپنے پیسوں کا ہی منگوایا ہے۔ ارحم نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔
بس کرو ارحم – اتنے تم اچھے، کیچپ دو ادھر۔ مومنہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔
کیچپ کے الگ پیسے لگیں گے۔
ادھر پکڑاؤ – میرے ساتھ فضول بحث نہ کرو۔
اسی وقت ٹی وی لاؤنج کا دروازہ کھلا۔ ہمدان صاحب اندر آئے – گندمی رنگت، ہلکے بال، آف وائٹ شلوار قمیض پہنے ان کے ساتھ جامنی رنگ کی ہلکی سی قمیض شلوار میں اسماء تھیں۔ جن کے دوپٹے کا کنارہ ان کے سر سے سرکتا ہوا کندھے پر ٹک گیا تھا۔
اندر آتے ہی اسماء نے بچوں کو پیزا کھاتے دیکھا تو دیسی ماؤں کا مخصوص جملہ ادا کیا –
روٹی تہاڈے نانگدی نئی، تے چسکے جنے مرضی لوا لو۔
ہمدان صاحب کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
اماں۔۔۔ آپ بھی کھا لیں بہت مزے کا ہے۔
ارحم اور مومنہ نے بیک وقت کہا۔
مجھے نہیں کھانا۔ اسماء نے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا اور صوفے پر بیٹھ گئیں۔
ابا۔۔۔ آپ کھا لیں نا۔ مومنہ نے نرمی سے کہا۔
ہاں بھائی، میں تو کھاؤں گا۔ ہمدان صاحب نے پلیٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔
اسماء نے بے اختیار سر دائیں بائیں ہلایا۔ جیسے کہنے کو بہت کچھ ہو مگر کہہ نہ سکیں۔
مگر اسماء چپ چاپ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں اور ہمدان صاحب پلیٹ اٹھائے کمرے میں چلے گئے۔ ان کے جانے کی دیر تھی کہ بچوں کے سوالوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی –
اماں سب سے پہلے کس کے گھر گئے تھے؟ اماں پھوپھو کے گھر سے کیا کھایا؟ تایا ابو کے گھر سے کیا کھایا؟ چچا کے گھر سے کیا کھایا؟ سب کیا کر رہے تھے؟ کیا کیا باتیں ہوئیں؟
اسماء ہر سوال کا جواب دے رہی تھیں، کبھی مسکرا کر، کبھی بس "ہوں" کہہ کر۔

اگلی صبح مومنہ نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ کمرے سے باہر نکلی۔ ٹی وی لاؤنج میں اسماء بیٹھی کسی صبح کے شو میں محو تھیں۔

اماں۔۔۔ چائے بنا دیں۔ مومنہ نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جمائی لی۔

جاؤ، خود بنا لو۔

اماں بنا دیں نا۔۔۔

صبح میں نے تمہیں اٹھایا تھا نا۔ جب سب ناشتہ کر رہے تھے۔ تب تمہاری آنکھ نہیں کھل رہی تھی۔ اب جاؤ اور خود بناؤ۔

اماں۔۔۔ بس آج بنا دیں۔

اسماء نے غصے سے ایک نظر مومنہ پر ڈالی پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

چند لمحوں بعد وہ چائے کا کپ رکھتی بولیں۔

یہ لو۔۔۔

مومنہ نے اونگھتے ہوئے کپ اٹھایا۔

اماں۔۔۔ آج صفا آ رہی ہے۔ کچھ باہر سے منگوا لیں۔

کب آ رہی ہے؟

شام کا کہہ رہی تھی۔

ارحم کو فون کر دو – جو جو منگوانا ہے آتے ہوئے لے آئے گا۔ اسماء نے ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا وہ بازار گیا ہے؟

ہمم۔۔۔

آج تو اس سے کافی کچھ منگوا لیتی ہوں۔ صفا دل میں سوچتے ہوئے مسکرائی۔

اماں ہارون بھائی اور حرا ابھی کہاں پر ہے؟

مومنہ نے جیسے کچھ یاد آنے پر پوچھا۔

ہارون صبح تمہارے ابا کے ساتھ زمینوں پر چلا گیا تھا اور حرا کل تمہارے تایا کے گھر ہی رک گئی تھی۔

کب واپس آئیں گی؟

ہارون کہہ رہا تھا۔ کہ کل آجائے گی۔
مومنہ چپ کر کے چائے پینے لگی۔
السلام علیکم!
کل والی شلوار قمیض کندھے پر سفید اور کالی ڈوبیوں والا صافہ، ہاتھ میں ایک پارسل لیے ہمدان صاحب ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئے۔
وعلیکم السلام!
اسماء اور مومنہ نے ایک ساتھ کہا۔
پارسل مومنہ کے سامنے رکھتے ہوئے ہمدان صاحب مومنہ کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔
یہ کیا ہے؟ اسماء نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
مومنہ کا کوئی پارسل آیا ہے۔
پتہ نہیں یہ کیا منگواتی رہتی ہے. ابھی دو دن پہلے اس کے دو پارسل آئے تھے.
اسماء نے غصے والی نگاہ سے مومنہ کو دیکھا۔
اماں جو چیز چاہیے ہوتی ہے وہ ہی منگواتی ہوں. یہ کچھ سکن کیئر پرڈکٹس ہیں بس ۔ مومنہ نے پارسل کھولتے ہوئے کہا۔
رہتی نہیں تم اتنی سکن کیئر کرنے والی۔
کچھ نہیں ہوتا، میری بیٹی کو کچھ نہ کہا کرو۔ ہمدان صاحب نے مومنہ کے سر پر ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔
مومنہ نے اپنے ابا کی طرف پیار سے بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ دیکھا۔
آپ نے ہی اسے سر پر چڑھایا ہوا ہے۔
مومنہ مجھے پانی کا گلاس لا کر دو۔ ہمدان صاحب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
جی ابا۔۔۔ مومنہ کھڑی ہو گئی۔
اسماء دوبارہ سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی.
انہیں بخوبی علم تھا کہ ہمدان صاحب نے مومنہ کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ بحث ختم ہو جائے، مگر ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ضرور آگئی تھی۔

✦ ✦ ✦

پرندوں کے چہچہانے کی آواز ہوا میں گونج رہی تھی۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ نیلے آسمان پر مختلف رنگ بکھرے ہوئے تھے اور ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ کریم کلر کا سوٹ، ہاتھ میں گولڈن کلر کی گھڑی، بال پیچھے سلیقے کے ساتھ سیٹ کیے ہوئے – سیف نے اپنی بائیک ڈیرے کے دروازے کے سامنے کھڑی کی۔ اس نے ڈیرے کے سامنے، پانی کے نالے کے ساتھ کچھ فاصلے پر درخت کے نیچے چارپائی پر برہان کو اکیلے بیٹھے دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔

برہان۔۔۔ سیف نے اس کو آواز دی۔

برہان نے اپنا سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو اس کو سیف نظر آیا۔ وہ اس کے قریب آیا۔

السلام علیکم!

گندمی رنگ، سیاہ آنکھیں، بال ماتھے پر بکھرے ہوئے، ٹراؤزر شرٹ پہنے، سترہ سالہ برہان نے آکر سلام کیا۔

وعلیکم السلام!

آجاؤ اندر۔۔۔ سیف نے ڈیرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

دروازہ کھلا تو سامنے ڈیرے کی ترتیب واضح ہوئی۔ بائیں جانب دو کمرے اور ساتھ ہی نوکر کے لیے بنایا گیا ایک چھوٹا سا واش روم۔ ذرا آگے اصطبل اور اس کے سامنے مہمان خانہ – تین کمروں پر مشتمل آگے چھجا، ایک چھوٹا سا واش روم اور ساتھ ہی دائیں طرف پھیلا ہوا سبزہ زار۔ دیوار کے ساتھ قطار درختوں کی تھی۔ جن کے نیچے چارمڈا کرسیاں اور ایک لکڑی کی میز رکھی تھی۔

موسم کافی خوشگوار تھا۔ سیف اور برہان وہاں جا کر بیٹھ گئے۔

اختر۔۔۔ سیف نے سامنے کمرے کے باہر چارپائی پر بیٹھے اختر کو آواز دی۔

جی بھائی۔

سانولا رنگ براؤن شلوار قمیض پہنے اختر نے کہا۔ اختر کے والد سیف کے والد کے پاس کام کرتے تھے۔ انہوں نے ان کو رہنے کے لیے جگہ دی ہوئی تھی۔ اختر اور سیف کا بچپن ایک ساتھ ہی گزرا۔ اختر کے والد کے گزر جانے کے بعد اختر ان کے پاس کام کرنے لگا۔

دو کپ چائے لے آؤ۔ سیف نے اختر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

جی بھائی۔

چچا بتا رہے تھے کہ تمہارا کالج میں داخلہ ہو گیا۔

جی بھائی۔ برہان نے سنجیدہ سے انداز میں کہا۔

کون، کون سے مضامین پڑھ رہے ہو۔

انگلش، اُردو، اسلامیات اختیاری، اسلامیات لازمی، تاریخ اسلام اور کمپیوٹر۔

برہان، سیف کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

اختر نے چائے لا کر میز پر رکھ دی اور واپس چلا گیا۔

مضامین تو سارے اچھے ہیں۔ سیف نے آگے بڑھ کر برہان کو چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے کہا۔

برہان چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے نیچے گھاس پر دیکھنے لگا۔

کیا ہوا ہے؟

برہان نے سر اٹھا کر سیف کی طرف دیکھا۔

اتنے گم سم کیوں ہو؟

برہان نے اپنا سر دائیں بائیں ہلایا۔

کوئی بات ہے تو مجھ سے شئیر کر لو۔ سیف نے اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

نہیں، کچھ نہیں۔ برہان نے دوبارہ سے سر جھکا لیا۔

ادھر دیکھو میری طرف۔۔۔ سیف کی نظریں اس کے چہرے پر ہی تھی۔

اس نے سر نہیں اٹھایا۔

برہان۔۔۔ سیف نے نرم لہجے میں دوبارہ سے کہا۔

برہان نے سر اٹھایا اور سیف کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھی۔ برہان نے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔

سیف نے فوراً سے آگے بڑھ کر ایک بڑے بھائی کی طرح اس کو اپنے سینے سے لگایا۔ برہان بری طرح رونے لگا۔

برہان ایک چھوٹے بچے کی طرح رو رہا تھا۔ جیسے ایک بچہ ضد پوری نہ ہونے پر روتا ہے۔ اس کی سسکیوں میں درد تھا۔ وہ بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔ سیف نے اس کو رونے دیا تاکہ اس کا دل ہلکا ہو جائے۔ برہان کافی دیر تک سیف کے سینے اور بازو میں منہ چھپا کر روتا رہا۔ جب اس کا دل ہلکا ہو گیا تو اس نے رونا بند کر دیا لیکن وہ سیف سے الگ نہیں ہوا، شاید وہ اسی طرح چھپ کر رہنا چاہتا تھا یا شاید اس کو کوئی سہارا چاہیے تھا۔

کبھی کبھی انسان کو بس ایک سوال کرنے والا چاہیے ہوتا ہے۔ جس کے سوال کے جواب میں وہ سب کچھ کہہ دے۔
برہان اب سکون محسوس کر رہا تھا۔
جاؤ، منہ دھو کر آؤ۔
سیف نے اس کو نرمی کے ساتھ خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ سیف کے سینے والی جگہ سے کپڑے بھیگ گئے تھے۔
یہ لو — منہ صاف کرو۔
برہان منہ دو کر واپس آیا تو سیف نے جیب سے اپنا رومال نکال کر دیا۔
برہان نے منہ صاف کر کے رومال میز پر رکھ دیا۔
جب برہان کی حالت تھوڑی بہتر ہوئی تو سیف نے پُرسکون انداز میں اس سے دوبار سوال کیا۔
بتاؤ کیا بات ہے؟
برہان نے لمبی سانس اندر کھینچی اور بولنا شروع کیا۔
بھائی۔۔۔ میرے دوستوں نے مجھے غریب کہہ کر چھوڑ دیا۔ سب کے پاس اچھے اور مہنگے موبائلز، کپڑے اور بائیکس ہیں۔۔۔ وہ مل کر باہر کھانا کھانے جاتے ہیں۔ میرے پاس۔۔۔
وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔
میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے تو میں ان کے ساتھ نہیں جاتا۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ برہان ٹھہر ٹھہر کر بات کر رہا تھا۔ اس کی نظر ابھی بھی زمین پر ہی تھی۔ وہ سیف سے نظریں ملانا نہیں چاہتا تھا۔
جب ان کو پتا چلا کہ میرے ابا کی گاؤں میں ایک چھوٹی سی دوکان ہے تو سب نے مل کر میرا مزاق بنایا۔ برہان کی آنکھیں دوبارہ سے نم ہونے لگی۔ اس کی آواز کھوکھلی ہونے لگی۔ برہان چپ کر گیا۔ وہ دوبار سے رونا نہیں چاہتا تھا۔
ادھر دیکھو میری طرف۔
برہان نے سیف کی طرف دیکھا۔
میں تم سے کچھ سوالات پوچھو؟ سیف نے پرسکون انداز میں کہا۔
برہان نے ہاں میں اپنا سر ہلایا.
جس گھر میں تم رہتے ہو — کیا وہ تم لوگوں کا اپنا ذاتی گھر ہے؟
برہان نے حیران ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ سیف کی طرف دیکھا اور پھر "جی بھائی" کہاں۔

کیا تم لوگ گھر میں تین وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھاتے ہو؟

برہان نے سنجیدہ سے لہجے میں "جی بھائی" کہا۔

عید الفطر پر نئے کپڑے اور نئے جوتے پہنتے ہوں؟

جواب پھر سے "جی بھائی" آیا۔

کیا تم لوگ عید الاضحی پر قربانی کرتے ہو؟

جی بھائی۔

جب تم لوگوں کا دل کرتا ہے۔ تم باہر سے کھانا منگوا کر کھاتے ہو؟

جی بھائی۔

تو پھر تم غریب کیسے ہوئے؟

اس بار برہان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔

تم غریب نہیں ہو۔ اس دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے پاس یہ سب آسائشیں نہیں ہیں، جو تم لوگوں کے پاس ہیں۔

جو کچھ تمہارے دوستوں کے پاس ہے۔ تمہیں ان کی خواہش ہے۔ کیا کبھی تم نے یہ سوچا ہے کہ جو تمہارے پاس ہے۔ وہ بھی کسی کی خواہش ہو سکتی ہے۔ اپنی قیمت دوسروں کے معیار سے مت ناپو۔

برہان اپنے خاموش چہرے کے ساتھ سیف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دوسری بات — دنیا ایک فریب کا سامان ہے۔ یہ سب چیزیں تو اس دنیا میں انسان کا دل بہلانے کے لیے ہے اور انسان کو اس دنیا میں اپنا دل بہلانا نہیں چاہیے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔

سیف بول رہا تھا اور برہان اس کو سن رہا تھا۔

اور دیکھو تم نے غلط کیا نا۔ وہ تمہیں چھوڑتے، اس سے پہلے تمہیں ان کو چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ ایسے لوگ ٹوکسک ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو صرف دوسروں کے سٹیٹس سے مطلب ہوتا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی زندگی سے ایسے لوگوں کو نکال دیں۔ ایسے لوگوں کا آپ کی زندگی پر کوئی حق نہیں۔ ایسے لوگوں کو ہمیشہ نظر انداز کرنا چاہیے۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو وہ آپ کو ہرٹ کریں گے، جیسے کہ انہوں نے تمہیں کیا۔

سیف نے اپنی بات نرم لہجے میں کہتے ہوئے مکمل کی۔

برہان سیف کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے کہا کچھ نہیں، شاید اس کے پاس کچھ کہنے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔

چلو اب تم مجھے یہ بتاؤ— کہ تم ایسے دوستوں کے لیے دوبارہ رو گے۔

نہیں۔۔۔ ہربان نے گیلی آواز میں کہا۔

تمہارے آنسو بہت قیمتی ہے۔ یہ فضول لوگوں کے لیے بہنے نہیں چاہیے۔ سیف نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔

ہوا میں موذن کی آواز گونجنے لگی۔

نماز پڑھنے چلیں؟ سیف نے برہان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا.

برہان نے سر ہلایا۔

آجاؤ۔

سیف نے برہان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ دونوں مسجد کی سمت روانہ ہو گئے۔

اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔

موذن کی آواز ہوا میں ابھی بھی گونج رہی تھی۔

✦ ✦ ✦

دروازہ آدھا کھلا تھا۔ شام کے سائے پورچ پر اتر رہے تھے۔ صفا پورچ میں سے ہوتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ صوفے پر مومنہ بیٹھی ہوئی تھی۔ صفا کی آنکھیں چمک اٹھی۔ اس کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ آئی۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی صوفے کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ لمحے بھر کے توقف کے بعد وہ مومنہ کے کان کے قریب جھکی اور ہلکی سی مگر خوفناک آواز نکالی—

بھاااااووو۔۔۔

مومنہ ایک زوردار چیخ کے ساتھ اچھل کر صوفے سے اٹھی۔ موبائل ہاتھ سے چھوٹا اور فرش پر جا گرا۔ چند لمحے کے لیے اس کا سانس جیسے رک گیا ہو۔ آنکھیں پھیلی ہوئیں، دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

صفا بے قابو ہو کر ہنس پڑی جبکہ مومنہ ابھی تک صدمے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ مومنہ نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور سانس بحال کرنے کی کوشش کی۔

تم کتنی بدتمیز ہو صفا۔۔۔

مومنہ نے غصے اور خوف کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

صفا اب بھی ہنس رہی تھی۔

یار تم اکیلی اتنے سکون سے بیٹھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔تو اس لیے میں نے تمہیں ڈرا دیا۔

مومنہ نے منہ بنایا مگر اس کے ہونٹوں کے کناروں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

کچھ دیر بعد دونوں بیڈ پر بیٹھی باتوں میں مگن تھیں۔ مومنہ کی ہنسی کی آواز پھر سے معمول پر آگئی تھی۔ اسی دوران اسماء کمرے میں داخل ہوئی۔بیڈ کی دائیں جانب صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسماء نے کہا۔

ارے صفا بیٹا۔۔۔ تم نے تو کچھ لیا ہی نہیں، کچھ لو نا۔

نہیں، نہیں آنٹی میں نے پہلے ہی بہت زیادہ کھا لیا ہے۔ اب بس ہو گئی ہے۔ صفا نے مسکرا کر جواب دیا۔

اسماء نے پلیٹ کی طرف دیکھا۔

کہا تم نے کچھ کھایا ہے۔ ویسے کا ویسے ہی سارا کچھ پڑا ہوا ہے۔

آپ مومنہ سے پوچھ لیں۔ میں نے کھا لیا ہے۔ کیوں مومنہ بتاؤ؟ صفا نے مومنہ کی طرف دیکھا۔

بس تھوڑا سا کھایا ہے۔ مومنہ نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

صفا نے فوراً اسے گھورا۔ مومنہ نظریں چرا گئی۔

اسی لمحے صفا کا لہجہ تھوڑا سنجیدہ ہو گیا۔

آنٹی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔

بولو بیٹا، کیا بات ہے۔

آنٹی مجھے اکیلے میں بات کرنی ہے۔

اسماء نے ایک لمحے کو اسے دیکھا پھر مومنہ کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

مومنہ نے حیرت سے صفا کی طرف دیکھا۔

ایسی بھی کیا بات ہے جو اکیلے میں کرنے والی ہے۔ جیسے دل میں کئی سوال اٹھ رہے ہوں۔ مگر خاموشی سے باہر چلی گئی۔

اب کمرے میں صرف صفا اور اسماء بیگم تھیں۔ فضا میں ایک عجیب سا سکوت چھا گیا۔ صفا کے ہاتھ پسینے سے نم تھے۔ اس نے دل کی دھڑکن کو قابو میں کرنے کے لیے ایک گہری سانس لی۔

آنٹی آپ کو تو معلوم ہے کہ امی، ابو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور دادی بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ اس کی آواز بھاری تھی۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے یا دادی ٹھیک ہوتی تو مجھے یہ بات خود کہنے کے لیے نہیں آنا پڑتا، وہ خود آتے۔

اسماء بیگم نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

آنٹی میں آج، آپ کے پاس مومنہ کا پروپوزل لے کر آئی ہوں، بھائی سیف کے لیے۔

صفا کے لب لرزے مگر الفاظ صاف تھے۔

کمرے کی فضا جیسے تھم گئی۔ اسماء بیگم کی آنکھوں میں حیرانی کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ چند لمحے بول ہی نہ سکیں۔

آپ اس بارے میں انکل سے بات کر لیں اور مومنہ سے بھی پوچھ لیں۔ صفا نے مدھم آواز میں کہا۔

اس کے ساتھ ہی صفا کا فون بجنے لگا۔ صفا نے فون کی طرف دیکھا تو سیف کا نام جگمگا رہا تھا۔

بھائی سیف لینے آ گئے ہیں۔ میں چلتی ہوں۔ صفا نے فون کاٹتے ہوئے کہا۔

اسماء کے چہرے پر حیرانی واضح نظر آ رہی تھی۔

صفا نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنا بیگ اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی اسماء بھی کھڑی ہو گئی۔ صفا ان سے گلے مل کر کمرے سے باہر نکلی تو آگے مومنہ کھڑی تھی۔ صفا نے باہر نکل کر اپنا سانس بحال کیا۔

موبائل کی سکرین دوبارہ سے روشن ہوئی۔ اس نے دوبارہ سے فون کاٹ دیا۔

بھائی سیف آ گئے ہے، میں چلتی ہوں۔ اس نے مومنہ کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

بھائی سیف تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔۔۔

صفا نے مومنہ سے الگ ہوتے ہوئے آہستہ سی آواز میں کہا۔ ایسا کہ اس کے علاوہ کوئی اور سن نہیں سکتا تھا۔

مومنہ جیسے پتھر کا مجسمہ بن گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

صفا آگے بڑھ گئی، مگر اس کے لبوں پر وہی خاموش مسکراہٹ باقی رہی۔

دروازے کے پار صفا باہر نکل گئی، مگر پیچھے مومنہ وہیں کھڑی تھی — بے حرکت، مبہوت، جیسے زمین کے ساتھ جڑ گئی ہو۔

✦ ✦ ✦

ہیٹر کی مدھم سی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ زردی مائل روشنی دیواروں پر ٹھہری ہوئی تھی۔ گندمی رنگ، بڑی بڑی آنکھیں، ہلکی داڑھی، بال ماتھے پر بکھرے ہوئے، کندھے پر شال لیے ویل چیئر پر پچیس سال کا احمد کھڑکی سے باہر دور ایک بلب کی روشنی کو دیکھ رہا تھا۔ رات کی سیاہی میں ہلکی ہلکی برف گر رہی تھی۔

گندمی رنگ، سیاہ آنکھیں، لونگ کوٹ پہنے، سر پر اون کی ٹوپی لیے، تئیس سال کی ایشال کمرے میں داخل ہوئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ہیٹر کی گرم فضا نے اس کے بدن کو چھوا اور اس نے بے اختیار ایک گہری سانس لی۔

بھائی آپ کو بیڈ پر لٹا دوں؟

ایشال نے نرمی سے پوچھا اور لائٹ آن کر دی۔ روشنی پھیلتے ہی کمرے کے سائے پیچھے ہٹ گئے۔

احمد نے ہاں میں سر ہلایا۔

کیا سوچ رہے ہیں، بھائی؟ ویل چیئر کو بیڈ کی طرف لے جاتے ہوئے ایشال نے پوچھا۔

تم نے ابو سے بات کی کیا؟

کس بارے میں؟ ایشال نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

یہی کہ ہمیں پاکستان نہیں جانا چاہیے۔

نہیں بھائی، ابا۔۔۔

جو تم چاہ رہی ہو وہ کبھی نہیں ہوگا۔ کیا تم فادی بھائی اور ابو کو جانتی نہیں ہو؟ تم یہ یاد رکھنا کہ اگر ہم پاکستان گئے — تو وہی سب کچھ ہوگا جو ڈھائی سال پہلے ہوا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ برا ہوگا۔ احمد نے ایشال کی بات کاٹتے ہوئے سنجیدہ سے انداز میں کہا۔

میں۔۔۔ میں کیا چاہ رہی ہو؟ اس نے مدھم لہجے میں کہا، مگر چہرے کی گھبراہٹ چھپ نہ سکی۔

احمد نے ایک لمحے کے لیے ایشال کی طرف دیکھا۔

میں تمہارا بھائی ہوں۔ میں تمہیں اچھے سے جانتا ہوں، ایشال اور تمہیں بھی بہت اچھے سے پتہ ہے کہ تم کیا چاہ رہی ہو۔ ابو نے فیصلہ کر لیا ہے، جانے کا۔ اب وہ کسی کی نہیں سننے والے۔

اس نے احمد کو احتیاط سے بیڈ پر لٹایا، کمبل اس کے سینے تک کھینچا اور اس کے چہرے پر ایک لمحے کو نگاہ ٹک گئی — اس بھائی پر جو اب بھی وقت کے کسی زخم میں اٹکا ہوا تھا۔

احمد چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں خلا تھا، جیسے وہ کسی اور زمانے میں جا چکا ہو۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

ایشال آہستہ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے کھیلتی رہی — پھر زیرِ لب بولی —

مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

اس کے لب تھوڑے کانپے مگر آواز مضبوط تھی۔

بس چند دن کی خاموشی۔۔۔

بس چند دن کا انتظار۔۔۔

بس چند دن۔۔۔

ایشال خود سے کہہ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر روشنی اور سایہ ایک ساتھ پڑ رہے تھے، شاید وہ خود بھی نہیں جانتی تھی — کہ یہ چند دن — اس کے دل پر ایک نئے طوفان کی دستک ہیں۔

✦ ✦ ✦

کمرے کی دائیں جانب دروازے کے بالکل ساتھ میز کے اوپر ٹی وی پڑا ہوا تھا۔ سامنے چارپائی بچھی تھی۔ جس پر وہاب بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ دروازے کے بائیں جانب مریم صوفے پر بیٹھی زویا کو کھانا کھلا رہی تھی۔ آج وہاب کی ماں گھر پر نہیں تھی۔ مریم کی آنکھیں ابھی بھی سوجی ہوئی اور لال تھیں۔ چہرے پر تھکن اور دل پر ایک بوجھ سا تھا۔ پاس میں بیٹھا وہاب ٹی وی کے چینل بار بار بدل رہا تھا۔ اس نے اچانک ریموٹ سے انگلی ہٹائی اور نیوز چینل پر رک گیا۔

ٹی وی سے رپورٹر کی تیز آواز گونجی۔۔۔

ایک کوڑا چننے والے گروپ کو آج صبح کوڑے کے ڈھیر سے آٹھ سالہ بچی کی لاش ملی ہے۔۔۔

مریم کو نہ جانے کیوں فراح کا خیال آیا۔ اس کا ہاتھ لرز گیا۔ ہاتھ ہوا میں ٹھہر گیا۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔

رپورٹر کی آواز میں ذرا بھی نرمی نہیں تھی۔ اس نے بے رحمی سے اپنی بات جاری رکھی۔

بچی کے جسم پر جلنے کے نشانات پائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی، جسم کے کئی اعضا غائب ہیں اور پھر لاش کو بے دردی سے پھینک دیا گیا۔

مریم نے اپنی پوری ہمت جمع کر کے ٹی وی کی طرف دیکھا۔ مریم کا سانس بند ہونے لگا۔

نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بڑبڑائی۔ اس کے لبوں سے نکلے لفظ کمزور تھے مگر دل چیخ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، جیسے برسوں کے روکے ہوئے دکھ نے راستہ پا لیا ہو۔

ٹی وی پر تصویر بدلی — اسکرین پر ایک چھوٹی بچی کی دھندلی سی تصویر آئی اور پھر مریم کے منہ سے ایک چیخ نکلی —

فراح۔۔۔

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ صوفے سے اٹھ کر ٹی وی کی طرف لپکی، جیسے تصویر کے اندر سے اپنی بچی کو چھو لے گی۔

میری بچی۔۔۔ میری فراح۔۔۔

مریم نے ٹی وی کی اسکرین پر ہاتھ رکھا مگر اس کے وجود سے بس سرد شیشے کا لمس ملا۔

زویا ماں کے چہرے پر بہتے آنسو دیکھ کر خود بھی رونے لگی۔

وہاب تیزی سے اٹھا اور دروازہ بند کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ باہر والے یہ شور نہ سنیں، شاید وہاب کو اللہ سے زیادہ اللہ کے بندوں سے ڈر لگتا تھا۔

وہاب تمہیں اللہ پوچھے، وہاب تمہارا کچھ نہ رہے۔

اس کی آواز لرز رہی تھی۔ تم کن درندوں کو میری بیٹی دے آئے تھے؟ مریم گھٹنوں کے بل بیٹھی چیخ رہی تھی۔ ہر لفظ میں بددعا تھی، ہر آنسو میں خون گھلا ہوا تھا۔

تمہیں رحم نہیں آیا۔

آنسوں ابھی بھی جاری تھے اور دل درد میں۔ اس کا گلا خشک ہو رہا تھا۔

وہاب تمہیں اللہ سے ڈر نہیں لگا۔۔۔

وہاب کی آنکھوں میں نہ شرمندگی تھی، نہ دکھ، بس ایک سرد بے حسی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر مریم کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اسے گھسیٹ کر صوفے پر پٹخ دیا۔

چپ رہو۔۔۔

اس کے لہجے میں وہ سفاکی تھی جو انسان نہیں درندہ برتتا ہے۔

وہاب نے باہر نکل کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ کمرے میں ماں کی سسکیوں اور بچی کی ہچکیوں کی آوازیں باقی رہ گئیں۔ وہاب نے دونوں ماں بیٹی کو اسی کمرے میں بند کر دیا تاکہ ان کی آواز باہر نہ نکلے، لیکن مریم کی آواز اس کی ہمسائی نگینہ ہمیشہ سے سنتی آئی تھی۔

مریم چیخ رہی تھی، رو رہی تھی، درد میں تھی، لیکن اس کی کوئی سننے والا نہیں تھا۔ اس کی کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ اس کو کوئی دلاسہ دینے والا نہیں تھا۔

ماما۔۔۔

زویا نے آہستہ سی آواز میں کہا، لیکن اس سے آگے زویا کے الفاظ اس کے منہ میں ہی دم توڑ گئے۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ ماما نہ روئیں۔

ماں باپ کو بے بسی سے روتا دیکھنا، اولاد کے لیے بہت تکلیف دے ہوتا ہے۔ چاہے وہ زندگی کے کسی بھی حصے میں ہو۔ یہ تکلیف انسان کی ہر تکلیف پر بھاری ہوتی ہے۔

وہاب، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے ایک ماں سے اس کی اولاد کو دور کر دیا۔

میرا اللہ تم سے اس کا حساب ضرور لے گا۔۔۔ وہاب اس کا حساب میرا اللہ تم سے ضرور لے گا۔۔۔

وہ بار بار کہہ رہی تھی۔

وہاب دروازے کے باہر کھڑا سب سن رہا تھا، مگر اس کے چہرے پر اب بھی کوئی تاثر نہیں تھا۔ جیسے گناہ کا بوجھ بھی اس کے ضمیر سے رخصت ہو چکا ہو۔

✦ ✦ ✦

گلی میں بچوں کے شور کی آواز گونج رہی تھی۔ چمکتے چہرے، دوڑتے قدم، ہنسی کے چھینٹے فضا میں گھلے ہوئے تھے۔ کچھ بچے کرکٹ کھیل رہے تھے اور کچھ ہاتھ میں کنچے لیے جوش سے کھیل دیکھ رہے تھے۔

اوٹ، اوٹ، اوٹ — گلی میں سب بچوں کی آواز ایک ساتھ گونجنے لگی۔

نہیں۔۔۔ یہ اوٹ نہیں تھا۔ پہلی بال تو پلے بال ہوتی ہے۔ عدیل نے شور میں اپنی آواز اونچی کرتے ہوئے کہا۔

اوٹ ہے، کوئی پلے بال نہیں تھی، اب میری باری۔ فرحان نے ہنستے ہوئے عدیل کے ہاتھ سے بلا چھین لیا۔

اب فرحان کریز پر تھا۔ وسیم نے پیچھے سے دوڑ لگائی، بازو گھماتے ہوئے پوری طاقت سے گیند پھینکی۔ بلے سے گیند ٹکرا کر ہوا میں اڑتی ہوئی پروین آنٹی کے گھر کی دیوار کے پار جا گری۔ سب کی نظریں گیند کی پیروی کرتے ہوئے واپس فرحان کی طرف آئیں۔

چند لمحوں کے لیے گلی میں خاموشی چھا گئی – پھر پروین آنٹی کے گھر سے گالیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ سب بچے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔

سیف گھر کے باہر کھڑا ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ تھی – جیسے وہ ان دنوں کو یاد کر رہا ہو جو کبھی اس کے اپنے بھی تھے۔

السلام علیکم!

سیف کے کانوں میں آواز گونجی۔ آواز نے سیف کے خیالوں کا تسلسل توڑا۔

وعلیکم السلام جہانگیر چچا۔۔۔

سیف نے مسکراتے ہوئے ان سے ہاتھ ملایا اور پھر آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

بڑے سے پورچ میں پہلے ٹریکٹر اور آگے گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی سے کچھ فاصلے پر مین ڈور اور اس سے آگے کچھ فاصلے پر ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ ڈرائنگ روم کی چاروں سائیڈ کی دیواروں کے ساتھ صوفے اور درمیان میں ایک ٹیبل پڑا ہوا تھا۔ دروازے کی دائیں جانب والے صوفے کی ایک جانب جہانگیر چچا اور دوسری جانب سیف بیٹھ گیا۔

کیا حال ہے، بیٹا؟

میں ٹھیک ہوں چچا۔۔۔ آپ سنائیں؟

بس اللہ کا کرم ہے۔

بیٹا تمہاری دادی کا کیا حال ہے؟

بس چچا ڈاکٹروں نے تو دعا کا ہی کہا ہے۔

انشاءاللہ۔ اللہ بہتر کرے گا۔

انشاءاللہ چچا۔

صفا بٹیا کا کیا حال ہے؟

چچا وہ بھی ٹھیک ہے۔

ماشاءاللہ۔ جہانگیر چچا نے نرمی سے کہا۔

چچا چائے پئیں گے یا پانی۔ سیف نے موبائل کی سکرین پر انگلیاں چلاتے ہوئے پوچھا۔

نہیں۔۔۔ کچھ نہیں بیٹا۔

جہانگیر چچا کے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں الجی ہوئی تھی۔ آنکھیں زمین پر، چہرے پر تذبذب، جیسے وہ کوئی بات کہنے سے جھجک رہے ہوں۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

چچا آپ بیٹی کی شادی کر رہے ہیں؟

سیف نے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا یا پھر چچا کا بھرم رکھتے ہوئے۔

ہاں بیٹا۔

چچا کسی جگہ پر؟

رینالہ میں۔

کیا نام ہے لڑکے کا؟

اویس۔۔۔ ذمی دارہ کرتا ہے۔

چچا آپ نے ان لوگوں کے بارے میں اچھے سے پتہ کروا لینا تھا۔ سیف نے ذرا توقف کے بعد کہا۔

کافی لوگوں سے پتہ کروایا ہے۔ اچھے لوگ ہیں۔ باقی سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

انشاءاللہ۔ سب بہتر ہوگا۔

چچا کچھ کہنا چاہ رہے تھے مگر الفاظ لبوں تک نہیں آرہے تھے۔

چچا کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیے گا۔

بیٹا، اسی سلسلے میں آیا ہو۔ جہانگیر چچا کی آواز میں لرزش تھی۔

اگر کچھ رقم مل جاتی ادھار، شادی کے لیے۔۔۔ بیٹا جلدی ہی واپس کر۔۔۔

چچا کتنی رقم چاہیے۔ سیف نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

تین ساڑھے تین لاکھ۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ سیف نے دروازہ کھولا۔ سامنے صفا چائے اور بسکٹ لیے کھڑی تھی۔

چیک بک لا دو۔ سیف نے آہستہ سی آواز میں چائے کی ٹرے پکڑتے ہوئے کہا۔
اچھا بھائی۔ صفا نے دروازہ بند کر دیا۔
چچا چائے۔
سیف نے میز پر ٹرے رکھی اور اس میں سے چائے کا کپ اٹھا کر چچا کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔
دروازے پر دوبارہ سے دستک ہوئی۔ سیف نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور صفا کے ہاتھ سے چیک بک پکڑ کر واپس صوفے پر بیٹھ گیا۔
چچا آپ ٹینشن نہ لیں سب کچھ ہو جائے گا۔
سیف نے چیک نکالا، رقم لکھی، دستخط کیے اور چچا کی طرف بڑھایا۔
یہ لیجیے چچا اور اگر مزید ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دیجیے گا۔
چچا نے چیک دیکھا۔بیٹا اتنے پیسے نہیں چاہیے۔۔۔
چچا یہ کوئی ادھار نہیں ہے۔ آپ میری طرف سے شادی کا تحفہ سمجھ کر رکھ لیں۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
نہیں بیٹا۔۔۔ جہانگیر چچا کی آنکھیں نم ہونے لگی۔
چچا، آپ بیٹا بھی کہتے ہیں اور پھر یہ سب کچھ بھی۔
مگر بیٹا۔
اگر مگر کچھ نہیں چچا آپ بس رکھ لیں۔
شکریہ بیٹا۔۔۔
جہانگیر چچا نے نم آنکھیں اور بھاری آواز کے ساتھ کہا۔
چچا چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ سیف نے اپنا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔
کچھ دیر کے بعد سیف برتن لے کر کچن میں آیا۔ صفا ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سیف صفا کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔
کون تھا؟ صفا نے سیف کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
جہانگیر چچا آئے تھے۔ سیف نے موبائل کی سکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔
خیریت تو تھی؟

اقراء کی شادی ہے تو میں نے کچھ رقم دے دی۔
کیا انہوں نے خود رقم مانگی۔۔۔؟
نہیں، وہ بات کرنے میں جھجک محسوس کر رہے تھے – تو میں نے خود بات چھیڑ دی۔
آپ کو انتظار کر لینا چاہیے تھا – اگر وہ رقم کا کہتے تو پھر آپ رقم دے دیتے۔
سیف نے نظریں اٹھائیں۔
مانگنا کس کو اچھا لگتا ہے، صفا۔۔۔
اگر آپ کو دوسروں کی مشکل کا احساس ہو جائے تو آپ کو خود اس مشکل کو حل کرنے میں پہل کرنی چاہیے – نہ کہ آپ اس چیز کا انتظار کریں کہ وہ خود آپ سے اس بات کا ذکر کریں۔ ہر کسی کی عزت نفس ہوتی ہے۔ ہمیں اس کی عزت نفس کا خیال کرنا چاہیے۔ اگر آپ کسی کی عزت نفس کا خیال کریں گے تو کل کو آپ کی عزت نفس کا خیال بھی رکھا جائے گا۔ ہمیں دوسروں کے لیے دل نرم اور بڑا کرنا چاہیے۔
بیٹی کے باپ پر تو یہ لمحات بہت بھاری ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ساری زندگی کی جمع پونجی کے ساتھ اپنے دل کا ٹکڑا بھی کس کے حوالے کرنے کی تیاری کر رہا ہوتا ہے۔
سیف نے اپنی بات پرسکون انداز میں مکمل کی.
صفا نے اپنی نظریں نیچے جھکا لیں، جیسے کہ اپنی بات پر شرمندگی محسوس کر رہی ہو۔

✦ ✦ ✦

ٹی وی لاؤنج میں بیڈ روم کی دیوار والے صوفے پر ہمدان صاحب اور ان کے ساتھ اسماء بیٹھی ہوئی تھی۔ سائیڈ والے صوفے پر ارحم بیٹھا ہوا تھا۔
نیوی بلو شلوار قمیض، بال ماتھے پر کلائی میں سلور گھڑی پہننے، ہارون – اس کے ساتھ پنک کلر کی شلوار قمیض، ہلکا سا میک اپ سر پر دوپٹہ ہاتھ میں بیگ لیے حرا، ٹی وی لانج میں داخل ہوئی۔
السلام علیکم!
دونوں نے ایک ساتھ کہا۔
وعلیکم السلام!
دوسری طرف سے جواب بھی ایک ساتھ آیا۔

حرا نے آگے بڑھ کر پہلے اسماء اور پھر ہمدان صاحب سے پیار لیا۔ دونوں اب کے ہمدان صاحب کے بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے۔

بھائی صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟ اسماء نے نرمی سے پوچھا۔

چچی اب تو پہلے سے کافی بہتر ہے۔

دوبارہ چیک کروایا یا نہیں؟ اب کے سوال ہمدان صاحب کی طرف سے تھا۔

نہیں پرسوں چیک کروانے جانا ہے۔

صحیح۔ ہمدان صاحب نے سر ہلایا۔

کچھ رسمی باتوں کے بعد، ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

مجھے تم سب سے ایک بات کرنی ہے۔ ہمدان صاحب نے اپنی نظریں سب کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

جی ابا جی۔۔۔ ہارون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

بیٹا، صفا آئی تھی، سیف کا رشتہ لے کر مومنہ کے لیے۔ تم لوگوں کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟

کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔ ارحم کے چہرے پر حیرت، ہارون کے چہرے پر سوچ کے آثار۔

ابا جی آپ نے کیا سوچا ہے؟ ہارون نے پوچھا۔

سیف اچھا لڑکا ہے۔ پڑھا لکھا، سلجھا ہوا، خوبصورت، ہمارے سامنے بڑا ہوا ہے۔ میرا نہیں خیال کے انکار کرنا چاہیے

وہ رکے۔۔۔

لیکن جو ڈھائی سال پہلے ہوا وہ بات مجھے تنگ کر رہی ہے۔

ابا جی وہ بات تو کب کی ختم ہو چکی ہے اور یہ تو پکا پتہ بھی نہیں ہے۔ کہ وہ سب انکل عبداللہ نے کروایا بھی تھا یا نہیں۔ ویسے بھی وہ سب تو اب پاکستان میں ہے بھی نہیں۔ ہارون نے سنجیدہ سے انداز میں کہا۔

سارا گاؤں کہتا ہے۔ کہ یہ عبداللہ نے ہی کروایا تھا۔

ابا جی کہنے میں اور کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ اب کے ارحم نے کہا۔

تم ہی بتاؤ۔ تمہاری تو سیف سے بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ کیا اس نے کبھی کچھ نہیں کہا؟

میں نے ایک بار بات کی تھی۔ اس نے کہا، کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا – کیونکہ مجھے خود اس بارے میں نہیں پتا۔ اگر میں اس بارے میں کچھ کہتا ہوں تو یہ الزام لگانے والی بات ہو جائے گی۔

پھر میں چپ کر گیا دوبارہ اس سلسلے میں، میری کوئی بات نہیں ہوئی۔

ابا جی، ارحم ٹھیک کہہ رہا ہے۔

اگر یہ سچ ہوا تو یہ سب دوبارہ بھی ہو سکتا ہے۔

ابا جی آپ دیکھ لیں جیسے آپ کو ٹھیک لگے۔

ٹی وی لاؤنج میں کچھ پل کے لیے خاموشی چھا گئی۔

پھر ہاں کہا دیتے ہیں۔ کچھ سوچتے ہوئے ہمدان صاحب نے کہا۔

ابا جی میرے خیال میں ایک بار مومنہ سے بھی پوچھ لینا چاہیے۔ ہارون نے نرمی سے کہا۔

مومنہ سے تمہاری امی پوچھ لیں گی۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔

ویسے یہ ہے کہاں پر؟ ہمدان صاحب نے پوچھا۔

کمرے میں ہے۔

ارحم جاؤ مومنہ کو کہو کہ چائے بنا دے۔

جی ابا۔ ارحم نے فوراً سے کہا۔

میں بنا دیتی ہوں۔ حرا نے کھڑی ہوگئ۔

نہیں مومنہ بنا دے گی۔

چچی میں بنا دیتی ہو۔

ارے نہیں بیٹا۔ تم چینج کر کے آؤ، پھر ساتھ بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔

حرا اور ہارون اوپر چلے گئے۔

ارحم نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا لگا۔ مومنہ سامنے بیڈ پر ہیڈفون لگائے بیٹھی تھی۔ اپنے جہاں میں گم۔

سارا دن اے سی اون کر کے بیٹھی رہتی ہو۔ ارحم نے اس کے ہیڈفون اتارے۔

کیا مسئلہ ہے تمہارا؟ مومنہ نے تپ کر کہا۔

چائے بنا کر دو۔

جاؤ جا کر خود بنا لو، مجھ سے نہیں بنتی۔

ابا نے کہا ہے۔

جھوٹ مت بولو، میں نہیں بنا رہی۔

ٹھیک ہے، میں جا کر ابا کو کہہ دیتا ہوں۔

ہاں، ہاں، جاؤ کہہ دو۔

ابا وہ کہہ رہی ہیں۔۔۔

ارحم نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی۔ کہ پیچھے سے مومنہ بھاگتی ہوئی ائی۔

ابا ابھی بنا کر دیتی ہوں۔ اس نے دروازہ پکڑتے ہوئے کہا۔

آیا مزا۔۔۔ ارحم مسکرا کر کہتا ہوا صوفے کی طرف بڑھ گیا۔

ایک تو اس کے دانت بند نہیں ہوتے۔ دل کر رہا ہے کہ دانت توڑ دو۔ مومنہ آہستہ آواز میں کہتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔

کچھ دیر کے بعد ہارون اور حرا نیچے آ گئے۔ اب ٹی وی لاؤنج میں سے باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھی۔

السلام علیکم!

مومنہ چائے کی ٹرے لیے آئی۔

وعلیکم السلام!

حرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آپی، کیسی ہیں؟

الحمدللہ ٹھیک۔ تم کیسی ہو؟

میں بھی ٹھیک ہو۔ مومنہ نے سب کو چائے دیتے ہوئے کہا۔

چائے کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ لاؤنج میں سب چائے پیتے ہوئے باتیں کرتے رہے اور پھر آہستہ آہستہ سب اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

مومنہ برتن دھو کر جاؤ۔ اسماء نے مومنہ کو کمرے میں جاتے دیکھ کر کہا۔

لو، اماں — اب میں برتن دھوؤں۔ مومنہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
نئیں، اپنے پیو نوں صاد لا۔
اماں۔۔۔
اماں کو تھوڑا لمبا کرتے ہوئے مومنہ برتن اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔
کچھ دیر کے بعد مومنہ برتن دھو کر لوٹی تو اسماء نے دوبارہ سے آواز دی۔
مومنہ۔۔۔
جی۔ مومنہ نے صوفے کے پیچھے سے کھڑے ہو کر کہا۔
ادھر آ کر بیٹھو۔
جی۔۔۔ مومنہ اکتائے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ دونوں کا چہرہ ایک دوسرے کی طرف تھا۔
تمہارے ابا چاہتے ہیں۔ کہ اب تمہاری شادی کردی جائے۔ اسماء نے دھیرے سے کہا۔
اماں۔۔۔ یہ اچانک آپ کو شادی کا خیال کہاں سے آیا، مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔
اسماء مسکرا دی۔
دیکھو مومنہ، بیٹیاں جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔
تو امی میں کون سا پچاس سال کی ہو گئی ہوں۔
اسماء کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
صفا، سیف کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنے کے لیے آئی تھی۔
مومنہ کے چہرے پر ایک لمحے کو حیرت کی لہر دوڑی۔
او اچھا تو یہ بات تھی جو میڈم اکیلے میں کر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں فوراً سے خیال آیا۔
بھائی سیف تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ پھر اس کے ذہن میں فوراً سے دوسری بات آئی۔
تمہارے ابا کی طرف سے تو ہاں ہے۔ انہوں نے مجھے تم سے تمہاری مرضی پوچھنے کا کہا ہے۔ اسماء کی آواز نے اسے واپس حقیقت میں کھینچ لیا۔
اماں میں آپ سب کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔
اسماء کی آنکھوں میں نرمی تھی۔

جب میری امی نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے بھی یہی کہا تھا۔ ہر لڑکی یہی کہتی ہے۔ کوئی بھی اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔

اماں۔۔۔

اسماء نے مومنہ کا ہاتھ تھاما۔

ٹھیک ہے اماں۔۔۔ جیسا آپ کو ٹھیک لگے۔ مومنہ آہستہ سے بولی اور اٹھ کر چلی گئی۔

اسماء نے اس کے جاتے ہی آنکھوں میں آیا پانی صاف کیا۔ شاید انہیں اپنی ماں یاد آگئیں تھیں۔ ماں باپ کے بغیر زندگی ہمیشہ ادھوری رہتی ہے۔

مومنہ کمرے میں داخل ہوئی۔ ٹھنڈی ہوا نے اس کے چہرے کو چھوا۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس نے موبائل اٹھایا۔ اسکرین پر ایک تصویر کھلی — اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، پھر ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر آگئی۔ اس نے تصویر کو سینے سے لگا لیا۔ ایک گہری سانس لی اور آنسو پونچھ لیے۔ وہ خوشی کے آنسو تھے، شاید کسی خواب کے پورا ہونے کی امید نے ان کو چمکا دیا تھا۔

✦ ✦ ✦

باہر دھندلی شام کا نور کھڑکی کے پردوں سے چمٹ کر اندر آرہا تھا۔ ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر چھیالیس سالہ عبداللہ صاحب خاموشی سے بیٹھے تھے — سانولا رنگ، چہرے اور ہاتھوں پر باریک باریک جھریاں، سفید شلوار قمیض اور شال میں ملبوس، چمکدار خالی سر اور کلین شیو چہرہ۔ موبائل کی نیلی روشنی ان کی سیاہ آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے چمک پیدا کرتی اور پھر ڈھل جاتی۔

صوفے کے دوسرے کنارے پر ستائیس سال کا فہد بیٹھا تھا — سانولا رنگ، سر پر چھوٹے چھوٹے سے بال، ہلکی داڑھی اور سیاہ گہری آنکھیں ٹی وی پر جمی ہوئی۔

گندمی رنگ، سیاہ شلوار قمیض کے اوپر اف وائٹ سویٹر، کالی آنکھیں بال پونی میں باندھے چھبیس سال کی عریشہ چائے لے کر لاؤنج میں داخل ہوئی۔ ہوا میں چائے کی خوشبو گھل گئی۔

ابو۔

عریشہ نے چائے کا کپ دیتے ہوئے کہا۔

ایشال اور احمد کو بھی بلا لو۔ عبداللہ صاحب نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

جی اچھا۔

بھائی۔

فہد نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے چائے کا کپ لیا۔ ایشال اور احمد کو آتا دیکھ کر عریشہ رک گئی۔

احمد کی ویل چیئر عبداللہ صاحب کے بالکل سامنے تھی۔ ایشال سائیڈ والے سوفے پر بیٹھ گئی۔ عریشہ نے ایشال اور احمد کو چائے دی اور پھر خود ایشال کے بالکل سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

ایشال نے چائے کا ایک لمبا سپ لیا اور پرسکون آواز میں بولی۔

ہم پاکستان کب جا رہے ہیں؟

اس کے سوال میں بے فکری تھی مگر دل کے اندر چھپی ہوئی امید۔

احمد نے اس کی طرف دیکھا۔

اگلے ہفتے۔

عبداللہ صاحب نے اپنے ہاتھ میں چائے کے کپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ الفاظ سیدھے تھے مگر لہجہ بھاری۔ کمرہ ایک پل کے لیے سکوت میں ڈوب گیا۔

ہم پاکستان کیوں جا رہے ہیں؟ یہاں بھی تو رہ سکتے ہیں۔ سوال احمد نے کیا۔

کیوں نہ جائیں — وہاں گھر ہے ہمارا اور —

وہ رک گئے، شاید وہ جملہ جو دل میں بیٹھا تھا زبان پر آنے سے پہلے ڈگمگا گیا —

اور میری ماں بھی تو پاکستان میں ہے۔

ڈھائی سال کے بعد ماں کی یاد کیسے آگئی۔

احمد کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

عبداللہ صاحب کی نظروں کا رخ بدلا۔ اب ان کی نظریں احمد کے چہرے پر تھیں۔

یہ کس قسم کی بات کر رہے ہو۔ فہد فوراً سے بولا۔ اس کی آواز میں کڑواہٹ تھی۔

احمد کی نظریں پھر بھی عبداللہ صاحب کی طرف تھیں، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ ہمیشہ سے مجھے یاد تھیں۔ ایک کھوکلی اور بے معنی وضاحت۔

آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ آپ کے اندر کے شر کو سکون نہیں مل رہا۔ آپ کی اور اس کی اب بس ہو چکی ہے۔ اب آپ اور شر پھیلانے کے لیے پاکستان جانا چاہتے ہیں۔ احمد کا لہجہ سخت ہو رہا تھا۔

اپنی زبان سنبھال کر بات کرو۔ احمد۔ فہد کا لہجہ اب سخت تھا۔

عبداللہ صاحب اگلے لمحے کے لیے ساکت ہو گئے۔ انہوں نے تھوڑا سا جھک کر چائے کا کپ میز پر رکھا — ان کے ماتھے کی شکنیں گہری ہو چکی تھیں۔

میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے۔ کہ میں نے وہ سب کچھ نہیں کیا تھا۔ عبداللہ صاحب نے اب کے غصے کے ساتھ کہا۔ ان کے ماتھے پر شکن واضح ہو رہے تھے۔

آپ دوسروں کو بے وقوف بنا سکتے ہیں مجھے نہیں۔

ایشال اور عریشہ خاموشی کے ساتھ ان کے چہرے دیکھ رہی تھی۔

تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ فہد کپ میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

آپ کا کیا مسئلہ ہے؟ میں آپ سے بات نہیں کر رہا۔ احمد نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

ابو آپ اس کا لہجہ دیکھ رہے ہیں؟ فہد نے عبداللہ صاحب کی طرف دیکھا۔

تم نے جو سمجھنا ہے سمجھتے رہو۔ ہم پاکستان جا رہے ہیں بس۔

تو پھر آپ مجھے اور ایشال کو یہاں چھوڑ جائیں۔ میں پاکستان نہیں جانا چاہتا۔ احمد کے لہجے میں ابھی بھی سختی تھی۔

ایشال نے بڑی بڑی آنکھیں کرتے ہوئے احمد طرف دیکھا۔

ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی، رہو تم ادھر۔ عبداللہ صاحب نے پیچھے صوفے کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

ابو ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے۔ بھائی ابھی غصے میں ہے۔ ایشال کہتے ہوئے کھڑی ہو گئی اور احمد کی ویل چیئر کو کمرے کی طرف لے گئی۔

سب کی نظریں ایشال اور احمد پر تھی۔

بھائی، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ایشال نے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

تم مجھے بتاؤ، تمہیں کیا ہے؟

تمہیں میں نے پہلے بھی بتایا تھا۔ جو تم چاہ رہی ہو وہ کبھی نہیں ہوگا۔ وہ تمہارا کبھی نہیں ہو سکتا۔ فادی بھائی اور ابو ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔ احمد ذرا سخت، مگر بے بسی سے بول رہا تھا۔

ایشال کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

تم ابھی تک خاموش صرف اس لیے ہو، کیونکہ تمہیں پتہ ہے کہ اگر تم نے کچھ کہا تو ابو تمہیں یہاں ہی چھوڑ جائیں گے۔

ایشال اٹھ کر احمد کے سامنے گھٹنوں کے بل آکر بیٹھ گئی اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے دل کی باتیں چھپانے کی کوشش کی مگر ہر لفظ دھڑکتے ہوئے دل سے باہر آرہا تھا۔

ہاں، ایسا ہی ہے۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے بس یہاں سے ایک بار نکلنا ہے۔ اس کے بعد مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

اور آپ ایسا نہ کہا کریں۔ مجھے درد ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے، جیسے آپ میرے دل پر بھاری پتھر رکھ رہے ہیں۔ میرے دل کو مٹھی میں لے کر دبا رہے ہیں۔ مجھے درد ہوتا ہے۔ آپ ایسا نہ کہا کریں۔ وہ میرا ہے۔

ایشال دھیرے سے کہہ رہی تھی۔

میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ میں نے اس کے علاوہ کبھی کسی کا نہیں سوچا۔ میں نے اسے بہت چاہا ہے۔ میں نے ہمیشہ اسی کی چاہ کی ہے۔ میں نے بہت انتظار کیا ہے۔

اس کے الفاظ میں سچائی اور طفیل محبت کا عجیب سا امتزاج تھا — صاف، بے باک اور دردناک۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اپنے بھائی کو کسی چھوٹے بچے کی طرح سمجھا رہی تھی۔

ایشال وہ تمہیں غیرت کے نام پر مار دیں گے۔ احمد نے نرم مگر ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

تم میری چھوٹی بہن ہو۔ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں تمہیں کھو نہیں سکتا۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ تمہیں پتہ ہے۔ امی نے جاتے وقت مجھ سے کیا کہا تھا؟

ایشال خاموش رہی۔ احمد نے بولنا جاری رکھا۔

ایشال کا بہت خیال رکھنا۔ اس کو کبھی اکیلا نہ چھوڑنا — احمد کی آنکھیں بھیگنے لگی۔

ایشال اٹھ کر سامنے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باند لیے۔

ایشال پلیز۔۔۔

احمد نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ منت کر رہا تھا۔ ایشال نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ احمد نے اپنے ہاتھ جوڑے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہتا ہوا اس کی جھولی میں گر رہا تھا۔ وہ درد میں لگ رہا تھا۔ وہ بے بس تھا۔

پلیز۔۔۔

بھائی۔۔۔
ایشال نے آگے بڑھتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔
ایشال۔
باہر سے فہد نے آواز دی۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔
میں کچھ نہیں کہوں گی، لیکن آپ روئے نہیں پلیز۔ ایشال کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئی۔
تم باز نہیں آؤگی — وہ تمہیں مار دیں گے ایشال — وہ تمہیں مار دیں گے اور میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔
احمد بے بسی کے ساتھ سرگوشی کر رہا تھا۔ بے بسی بھی کیسی چیز ہے۔۔۔
اس نے اپنے سر کو پیچھے گرا لیا۔
جی بھائی۔ ایشال نے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
اب کیا پٹیا پڑھا رہا تھا تمہیں؟ فہد نے سخت لہجے میں سوال کیا۔
کچھ نہیں بھائی۔ ایشال نے آہستہ سی آواز میں کہا۔
اس کو اچھے سے سمجھا دو۔ کہ زبان سنبھال کر بات کیا کرے۔
بھائی، وہ ابھی غصے میں ہیں، ٹھیک ہو جائیں گے۔
اپنا غصہ اپنے تک محدود رکھا کریں — دوسروں پر نہ نکالا کرے۔
بس کر دو فہد، چھوڑ دو اس بات کو۔ عبداللہ صاحب اونچی آواز میں کہتے ہوئے کمرے میں چلے گئے۔
سارے موڈ کا ستیاناس کر دیا ہے۔
فہد بھی کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔
پیچھے ایشال اور عریشہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

✦ ✦ ✦

اگلی صبح کمرے کا دروازہ کھلا تو باہر سے آتی سورج کی نرم کرنیں اندر آئیں۔ کمرہ ایک مدھم روشنی سے بھر گیا، جیسے رات بھر کا دکھ دھیرے دھیرے اجالے میں پگھل رہا ہو۔ کمرے میں سناٹا تھا اور اس سناٹے کے بیچ مریم صوفے کے ساتھ زمین پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر اداسی کی ایک گہری تہہ جمی ہوئی تھی۔ آنکھیں سوجی ہوئیں اور سرخ، جیسے رات بھر روئی ہو۔ بال بکھرے ہوئے اور چہرے کی زردی تھکن دکھ کی کہانی کہہ رہی تھی۔

اس کی گود میں زویا کا سر رکھا ہوا تھا — وہ سو نہیں رہی تھی بس خاموش تھی، شاید وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں ٹھیک نہیں ہے۔ اس کی ماں درد میں ہے۔ وہ بس اپنی چھوٹی سی خاموشی سے مریم کے درد کا سہارا بننے کی کوشش کر رہی تھی۔

دروازے کی چرچراہٹ نے خاموشی توڑ دی۔ وہاب اندر داخل ہوا — چہرہ سخت، آنکھوں میں اجنبیت، مگر آج شاید کچھ بدل گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دو نان اور ایک پلیٹ چنے کی تھی۔ وہ خاموشی سے مریم کے سامنے رکھ کر واپس پلٹ گیا۔ دروازہ آدھا کھلا چھوڑ گیا۔

زویا نے سر اٹھایا اور ایک لمحے کو دروازے کی طرف دیکھا، پھر بلکل ماں کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے ایک نظر ناشتے کو دیکھا اور پھر ایک نظر ماں کو۔ زویا نے آگے بڑھ کر اپنے ننھے ہاتھوں سے ایک نوالہ بنایا اور پھر اپنا ننھا سا ہاتھ ماں کے منہ تک لے گئی، جیسے التجا کر رہی ہو۔ ماما کھا لیں۔۔۔

اس کا نوالے والا ہاتھ دیکھ کر مریم کے لب تھر تھرا گئے، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ مریم نے اس کے ننھے ہاتھ سے نوالہ لے کر اسی کے منہ میں ڈال دیا اور اس کے ننھے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما پھر اپنے سینے سے لگا لیے۔ زویا نے اپنی چھوٹی سی ہتھیلی ماں کے ہاتھوں سے آزاد کی اور ماں کے گالوں پر بہتے آنسو صاف کیے، جیسے وہ دنیا کی سب سے بڑی تسلی ہو۔

ناشتہ ختم ہونے کے بعد مریم نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس نے چہرہ دھویا، دوپٹہ سیدھا کیا اور گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف ہو گئی، مگر اندر کا بوجھ اب بھی وہیں تھا، جیسے دل کے کسی کونے میں چپکا ہو۔

کچھ دیر کے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ مریم نے دروازہ کھولا تو سامنے نگینہ کھڑی تھی۔

السلام علیکم!

نگینہ نے مسکرا کر کہا۔

وعلیکم السلام!

مریم نے اندر آنے کے لیے راستہ دیتے ہوئے جواب دیا۔

کافی دن ہو گئے تھے۔ میں نے سوچا کہ چکر لگا آؤں۔

کمرے کے آگے چھجے کے نیچے چارپائی پر نگینہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ مریم بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

نگینہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی، فراح کا سن کر دل دہل گیا۔ اس کی تصویر دیکھ کر تو رات بھر نیند نہیں آئی۔ کوئی باپ اتنا ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟

مریم نے نظریں جھکا لیں۔ زمین کی طرف دیکھتی رہی، جیسے جواب زمین کے اندر کہیں دفن ہو۔
تم بہت کمزور لگ رہی ہو، کیوں اس جہنم میں اپنی زندگی ضائع کر رہی ہو۔ یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتی۔
مریم کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
میں کہاں جاؤں گی، یہی میرا واحد ٹھکانہ ہے۔
نگینہ نے آگے ہو کر اس کا ہاتھ تھاما۔
اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا دے گا۔ تم یہاں سے ایک بار نکل کر تو دیکھو۔
مریم کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔ میں اپنی بچی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔
اس کو بھی ساتھ ہی لے جاؤ۔ کون کہہ رہا ہے کہ اس کو یہاں چھوڑو۔
میں اپنی بچی کے ساتھ کہا در بدر کی ٹھوکریں کھاتی پھروں گی۔
وہاب جیسے انسان کا کوئی بھروسہ نہیں جو فراح کے ساتھ ہوا، اگر کل کو اس نے زویا کے ساتھ کرنے کی کوشش کی، تو کیا کرو گی۔ نگینہ کا لہجہ سخت مگر درد بھرا تھا۔
مریم کا دل جیسے ایک لمحے کو رک گیا۔ اس نے سہم کر نگینہ کو دیکھا۔
میں نے یہ تو کبھی — کبھی سوچا ہی نہیں۔ میرے دماغ میں یہ بات کیوں نہیں آئی۔ اس کے ذہن میں خیال آیا۔
تمہاری ساس نظر نہیں آرہی۔ نگینہ کی آواز سن کر مریم اپنے خیالوں سے باہر آئی۔
وہ اپنے کسی رشتے دار کے گھر گئیں ہیں۔
نگینہ نے آہ بھری۔۔۔
مریم، میری مانو تو یہاں سے چلی جاؤ۔ بہنوں والا مشورہ دے رہی ہوں۔
ابھی وہ بات مکمل بھی نہیں کر پائی تھی کہ دروازہ زور سے کھلا۔ وہاب اندر داخل ہوا — بھاری قدم اور بھاری نظروں کے ساتھ۔ اس کو دیکھ کر نگینہ کھڑی ہو گئی۔
اچھا میں چلتی ہوں اب، پھر کبھی چکر لگاؤں گی۔ یہ کہتے ہوئے باہر کی طرف چلی گئی۔
وہاب خاموشی سے کمرے میں چلا گیا۔ مریم نے ایک لمحے کو اس کی پشت کو دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ دوبارہ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی، مگر دل کی دھڑکن اب پہلے سے تیز تھی۔

✦ ✦ ✦

کچن میں پراٹھوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سیف اندر داخل ہوا۔
امید ہے کہ آج پراٹھے اچھے کھانے کو ملیں گے۔ سیف نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
صفا نے مسکراتے ہوئے اس کے سامنے پراٹھا اور چائے لا کر رکھ دی۔ پراٹھا نہ تو گول تھا، نہ ہی چورس اور کناروں سے جلا ہوا تھا۔
یہ تم ہر بار کوئی نئی شیپ ایجاد کر لیتی ہو۔ سیف نے صفا کی طرف دیکھ کر کہا۔
بھائی اچھے تو بنے ہیں، کھا لیں چپ کر کے۔ صفا نے جواب دیا۔
سیف نے پہلا نوالہ لیا تو چہرے پر عجیب سا تاثر ابھرا۔ پراٹھا اندر سے کچا تھا۔
اچھے بنے ہیں نا۔۔۔ صفا نے چائے کا کپ سیف کے آگے رکھتے ہوئے پوچھا۔
جی بہت اچھے بنے ہیں— ہمیشہ کی طرح۔ سیف نے تنز کرتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے پراٹھا سائیڈ پر کر دیا اور چائے پینے لگا۔
کسی کو قدر ہی نہیں ہے، نہ کھائیں آپ۔ صفا نے آنکھیں ٹیڑھی کرتے ہوئے کہا۔
اسی لمحے سیف کے موبائل کی سکرین روشن ہوئی۔ عمر، سکرین پر نام جگمگا رہا تھا۔
سب خیریت ہو۔ سیف نے سرگوشی کرتے ہوئے فون اٹھایا۔
ہیلو۔۔۔ بھائی۔۔۔ آپ جلدی سے ہسپتال آجائیں۔
سب خیریت تو ہے۔
جی بھائی سب خیریت ہے۔۔۔ دادی کو ہوش آگیا ہے۔۔۔ دوسری طرف سے خوشی سے بھرپور آواز سنائی دے رہی تھی۔
سیف کے چہرے پر ایک خوشی کی لہر آئی۔
اچھا میں ابھی آتا ہوں۔ دادی کا خیال رکھو۔ سیف نے فون بند کر دیا۔
کیا ہوا بھائی؟ صفا نے فکر مندی سے پوچھا۔
دادی کو ہوش آگیا ہے۔ میں ہسپتال جا رہا ہوں۔ سیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔
یا اللہ تیرا شکر ہے۔ صفا کے چہرے پر خوشی کی لہر آئی۔
بھائی میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟

نہیں تم گھر پر رہو۔ پتہ نہیں وہاں کتنا وقت لگتا ہے۔
سیف جلدی سے کہتا کھڑا ہوا۔
ناشتہ تو کر لیں۔
یہ جلے اور کچے پراٹھے کا؟ سیف نے الفاظ پر دباؤ دیتے ہوئے کہا۔
اتنی مشکل سے میں نے بنایا ہے۔ صفا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
لیکن اچھے پھر بھی نہیں بنے۔ سیف قہقہہ لگاتے ہوئے باہر نکل گیا۔
صفا نے ایک گہری سانس لی اور پھر اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے اختر کا نمبر ملایا۔ گھنٹی بجتی رہی اور بند ہو گئی۔ اس نے دوبارہ سے فون ملایا۔ دوسری بار فون اٹھا لیا گیا۔
السلام علیکم، باجی۔۔۔
وعلیکم السلام!
اختر، گھر آجاؤ، مجھے کچھ چیزیں منگوانی ہیں اور ساتھ میں سکینہ کو بھی لے آنا۔
جی باجی۔ تھوڑی دیر تک آجاتے ہیں۔
ٹھیک ہے، ذرا جلدی۔
جی باجی۔
صفا نے فون بند کر کے پراٹھے کا نوالہ لیا۔
یہ تو سچ میں کچا ہے۔
اس نے پراٹھا سائیڈ پر کیا اور چائے پینے لگی۔
اف — اب مہمان آئیں گے تو کتنا کام کرنا پڑے گا۔ صفا خود سے بڑبڑائی۔
کھڑکی سے آتی سورج کی مدھم سی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ہوا میں دوائیوں کی بو تھی۔ کھڑکی کے سامنے بیڈ پر خدیجہ بیگم لیٹی تھیں — گندمی رنگ، سفید بال، سیاہ آنکھیں اور چہرے پر جھریاں۔ آنکھوں میں حیرت اور چمک جو کہ شاید زندگی میں واپس لوٹنے کی تھی۔
سانولا رنگ، کالی شلوار قمیض، چھوٹے چھوٹے گھنگریالے بال، کالی چھوٹی چھوٹی آنکھیں عمر ڈاکٹر کے ہاتھ پر جمائے کھڑا تھا۔

سفید لیب کوٹ، گلے میں اسٹیتھیسکوپ پہنے ڈاکٹر پرچی کے اوپر کچھ لکھ رہا تھا۔
یہ لے میں نے کچھ دوائیاں لکھ دی ہیں۔ آپ ان کا باقاعدگی کے ساتھ استعمال کریں۔ دو تین دن میں ڈسچارج کر دیں گے۔

ڈاکٹر نے عمر کو پرچی دیتے ہوئے کہا۔
ہم گھر کب جا سکتے ہیں۔ عمر نے نرمی سے پوچھا۔
ڈاکٹر نے عمر کی طرف دیکھا۔ عمر کو محسوس ہوا کہ اس نے کوئی بے وقوفانہ بات کی ہے۔
ایک دو دن میں ڈسچارج کر دیں گے۔
جی بہتر ڈاکٹر صاحب۔ عمر نے اپنی نظریں چراتے ہوئے کہا۔
دروازہ کھلا تو سیف اندر داخل ہوا۔ اس کی نظریں سیدھی دادی کے چہرے پر جا ٹھہریں۔
خدیجہ بیگم کی نظریں سیف کے چہرے پر پڑی۔
مبارک ہو مسٹر سیف، آپ کا پیشنٹ پہلے سے بہتر ہے۔ ڈاکٹر نے سیف کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

سیف نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر ہلا دیا۔
اب مٹھائی کب کھلا رہے ہو۔
ڈاکٹر نے سیف کے کندھے کو دبایا۔

آج ہی۔۔۔
ڈاکٹر مسکراتے ہوئے باہر چلا گیا۔
سیف نے آگے بڑھ کر دادی کے جھریوں والے ہاتھ کا بوسہ لیا، پھر دادی کے سر پر ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔
خدیجہ بیگم نے اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ سیف کے چہرے کو چھوا۔ ان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ ان کے لب کپکپا رہے تھے۔ دونوں کے چہرے پر حیرت اور خوشی دونوں کے ملے جلے جذبات تھے۔
تینوں کی ہو گیا وا، کنا بدل گیا وا۔
سیف ہلکا سا مسکرایا۔
باقی سارے کتھے واہ؟

دادی گھر پر ہیں۔ آپ گھر چلے پھر سب سے مل لیجیے گا۔
سارے ٹھیک واہ؟ کسے نوں زادہ سٹاتے نہیں لگیاں ۔ خدیجہ بیگم کو اپنا ایکسیڈنٹ والا واقعہ یاد تھا۔
سیف ایک پل کے لیے ساکت ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنا سر اٹھا کر عمر کی طرف دیکھا۔
دادی میں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔ آپ آرام کر لیں۔
خدیجہ بیگم نے اس کی بازو فوراً سے پکڑ لی۔
میری گل دا جواب دے پہلے۔
کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ سیف ایسے چپ کھڑا تھا، جیسے اس کے منہ میں زبان نہ ہو۔
دادی۔۔۔
بول وی۔۔۔
خدیجہ بیگم کے لہجے میں خوف تھا، ڈر تھا۔ وہ پریشان ہو رہی تھیں۔
دادی۔۔۔ ایکسیڈنٹ میں دادا اور ابا۔۔۔ نہیں رہے۔
اس کی زبان اٹک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پانی چمکنے لگا لیکن اس نے اندر جذب کر لیا۔
خدیجہ بیگم نے بے اختیار اس کا بازو چھوڑتے ہوئے اپنا ہاتھ سینے کے اوپر رکھا۔ ان کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی — اتنی تیز کے سیف اور عمر بھی سن سکتے تھے۔
دادی آپ۔۔۔ آپ کوما میں چلی گئی تھیں۔ آپ کو ڈھائی سال کے بعد ہوش آیا ہے۔
خدیجہ بیگم سن ہو کر رہ گئیں۔ سیف خدیجہ بیگم کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔
کچھ دیر کے بعد خدیجہ بیگم کی آنکھوں سے روانگی کے ساتھ آنسو بہنے لگے۔ وہ کافی دیر تک روتی رہی۔ سیف ان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھا رہا۔
سیف کا فون بجنے لگا۔ اس نے اپنی جیب سے موبائل نکال کر دیکھا اور اٹھ کر باہر آگیا۔ اس نے فون کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے صفا کی آواز سنائی دی۔
کیسی طبیعت ہے دادی کی؟
کافی بہتر ہے، لیکن رو رہی ہیں۔ دادا اور ابا کا سن کر۔
آپ نے بتانا نہیں تھا ابھی۔

وہ ضد کر رہی تھی تو مجھے بتانا پڑا۔

اچھا گھر کب آ رہے ہیں؟

ابھی میری ڈاکٹر سے بات نہیں ہوئی، پوچھ کر بتاتا ہوں۔

یاد سے بتا دیجیے گا۔

اچھا۔

سیف نے فون کاٹ دیا۔

سیف اب کے ڈاکٹر کے کیبن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر پیچھے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

ابھی دو تین دن کے بعد ہی ڈسچارج کریں گے۔

کیا ہم ان کو آج ہی گھر نہیں لے جا سکتے؟

میں تو احتیاط کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ کچھ دن یہاں رک جائیں۔

آپ فکر نہ کریں، ہم اچھے سے ان کا خیال رکھیں گے۔

چلیں، پھر میں ابھی ان کو ڈرپ لگا دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ گھر لے جائیے گا۔ ابھی وہ کمزور لگ رہی ہیں۔ ڈرپ کے بعد اچھا محسوس کریں گی اور آپ ان کو زیادہ سے زیادہ فروٹس کھلائیں۔

جی ٹھیک ہے۔

سیف کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ اپنی جیب سے موبائل نکالا اور سکرین پر انگلیاں چلاتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔

جی بھائی۔

صفا کی آواز سنائی دی۔ پیچھے سے سکینہ کی آواز آ رہی تھی۔

ہم دوپہر دو ڈھائی بجے تک پہنچ جائیں گے۔

چلیں ٹھیک ہے۔

صفا باجی، سارا سامان آگیا ہے۔ سکینہ نے کہا۔

تم جاؤ، جا کر گوشت دھو، میں آ رہی ہوں۔ صفا نے کہا۔

جی باجی۔
سیف نے فون بند کر دیا۔

✦ ✦ ✦

مومنہ بیڈ پر بیٹھی ہیڈ فون لگائے ہلکی آواز میں گنگنا رہی تھی۔ کمرے میں مدھم سا میوزک گونج رہا تھا کہ اچانک گانا بند ہوا اور موبائل کی رنگ ٹون بج اٹھی۔ اسکرین پر نامعلوم نمبر جگمگا رہا تھا۔
یہ کس کی کال آگئی ہے؟ اس نے بڑبڑاتے ہوئے فون کان سے لگایا۔
میم آپ کا پارسل آیا ہے۔ میں آپ کے گھر کے باہر کھڑا ہوں۔
اس کو دوسری طرف سے مردانہ آواز سنائی دی۔
جی بس، میں ابھی آئی۔
مومنہ نے جلدی سے جواب دیا اور فون بند کر کے باہر کی طرف دوڑی۔ وہ لان سے ہوتے ہوئے گیٹ تک پہنچی۔ دروازہ آدھا کھولا، پارسل پکڑا اور فوراً واپس مڑ گئی۔ دروازہ بند کرتے ہی بے صبری سے پیکنگ پھاڑنے لگی۔ اندر سے چمکتی ہوئی جیولری نکلی۔
اللہ۔۔۔ کتنی پیاری ہے۔ مومنہ خوشی سے بولی۔
مومنہ کے موبائل پر نوٹیفکیشن کی ٹنگ کی آواز آئی۔ اس نے موبائل کی سکرین کی طرف دیکھا اور نوٹیفکیشن پر کلک کیا تو صفا کی چیٹ اوپن ہو گئی۔
دادی کوما سے باہر آگئی ہیں۔ ان کو ہوش آگیا ہے۔
سکرین پر لکھا ہوا نظر آرہا تھا۔ مومنہ کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔ اس کی انگلیاں اسکرین پر چلنے لگی۔
یہ کب ہوا؟
یہ تو بہت اچھی بات ہے۔
میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں۔ اس نے لکھتے ہوئے سینڈ کا بٹن دبایا.
میسج سینڈ کر کے وہ مسکراتی ہوئی لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔ ٹی وی لاؤنج میں سامنے صوفے پر اسماء اور حرا بیٹھی ہوئی تھی۔ مومنہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔
اماں، صفا کی دادی کوما سے باہر آگئی ہے۔ ان کو ہوش آگیا ہے۔

کب ؟

اسماء نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔ حرا نے بھی تجسس کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

پتہ نہیں، امی ابھی اس نے یہی بتایا ہے۔

چلو، یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اللہ نے اپنا کرم کیا ہے۔

پھر اسماء کی نظر مومنہ کے ہاتھ میں موجود ڈبے پر پڑی۔

یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

کچھ نہیں اماں۔

مومنہ نے فوراً چیزیں پیچھے چھپاتے ہوئے کہا۔ حرا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

پھر کچھ منگوایا ہوگا اور کام ہی کیا ہے۔ اسماء نے ہلکی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

مومنہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کھانا کھانے کے بعد سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ہمدان صاحب بولے۔

مومنہ ذرا چائے تو بنا دو۔

جی ابا۔

اور کس کس نے پینی ہے؟ مومنہ نے سب کی طرف اپنی نظریں گھما کر پوچھا۔

سب کا جواب ہاں میں تھا، سوائے اسماء کے۔

مومنہ کچن میں چلی گئی۔

آپ بہت زیادہ چائے پینے لگ گئے ہیں۔ یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اسماء نے ہمدان صاحب سے کہا۔

کیا کروں سکون ہی نہیں ملتا چائے کے بغیر۔

بس کردیں ہمدان صاحب، دو دن چائے نہیں پئیں گے تو خود ہی طبیعت سیٹ ہو جائے گی۔

بیگم طبیعت تو آپ سیٹ کر ہی دیتی ہیں، میں تو سکون کی بات کر رہا ہوں۔ ہمدان صاحب نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

ہارون اور حرا دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگے۔ ارحم نے پہلے ابا کو اور پھر ہارون کو دیکھ اس کے چہرے پر بھی مدھم سی مسکراہٹ تھی۔

لو دیکھو بھلا میں نے آپ کو کیا کہہ دیا ہے جو آپ اس طرح کہہ رہے ہیں۔ اسماء نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔
بیگم، آپ کیا نہیں کہتی۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ واضح ہو رہی تھی۔
میں کچھ بھی کہہ دوں تو آپ کونسا مان لیتے ہیں۔ اسماء نے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔
بیگم آپ حکم کریں، ہم تابعدار۔ ہمدان صاحب نے اسماء کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔
اسماء نے اپنا ہاتھ فوراً پیچھے کیا اور سامنے بیٹھے بچوں کو دیکھا۔
بیگم آپ تو غصہ ہی کر گئیں۔ ہمدان صاحب کھل کر مسکرائے۔
آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔
مومنہ کچن کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی مسکرا رہی تھی۔
تم تو چائے لے آؤ، یہاں کھڑی ہو۔
اسماء کی نظر اس پر پڑی تو اونچی آواز میں بولی۔
کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔
اسماء نے طنزاً ارحم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ارحم نے فوراً سنجیدہ چہرہ بنا لیا۔
پھر وہ تھوڑا رکی، جیسے کوئی فیصلہ کر لیا ہو۔
خالہ خدیجہ کو ہوش آگیا ہے۔ میں سوچ رہی تھی۔ ان کے گھر جا کر ان سے مل آئیں اور رشتے کے لیے بھی ہاں کر آئیں۔
کچن میں کھڑی مومنہ کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے رک گیا۔
کب ہوش آیا؟ ہمدان صاحب نے پوچھا۔
آج صبح ہی۔
مومنہ سے پوچھ لیا ہے کیا؟
جی پوچھ لیا ہے۔
کب جانا ہے؟
کل شام کو چلیں گے۔ حرا اور ہارون تم دونوں بھی ہمارے ساتھ چلنا۔
ٹیک ہے اماں۔ ہارون نے کہا۔

ارحم گھر پر ہی مومنہ کے ساتھ روکے گا۔
مومنہ چائے لے آئی۔ ہوا میں چائے کی خوشبو گھل گئی۔ سب چائے پینے میں مصروف ہو گئے۔
تم نے اپنے لیے نہیں بنائی۔
نہیں ابا، میرا دل نہیں کر رہا تھا۔
اپنی ماں کی طرف دیکھ کر دل خراب ہوگیا۔
ہمدان صاحب نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے ٹیڑھی آنکھ کے ساتھ اسماء کو دیکھا۔
اسماء ان کی طرف کھا جانے والے نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ باقی سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

✦ ✦ ✦

کچن میں ہلکی آنچ پر گوشت پک رہا تھا۔ مصالحوں کی خوشبو آہستہ آہستہ پورے گھر میں پھیل چکی تھی۔ صفا چمچ سے سالن کو ہلا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سکینہ کھڑی تھی۔
صفا باجی، کھیر بن گئی ہے۔
چلو، اب اسے ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دو اور بادام کاٹ لو۔ صفا نے نرم لہجے میں کہا۔
سکینہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
صفا باجی، دادی کو کتنی دیر بعد ہوش آیا ہے؟
ڈھائی سال کے بعد۔
صفا نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔
آپ کو دیکھ کر لگ رہا ہے کہ آپ ان سے بہت پیار کرتی ہے۔
ہاں، بہت زیادہ۔۔۔
صفا نے سادہ سا جواب دیا۔
اسی لمحے صفا کو پورچ میں سے گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔
صفا چونک گئی، آ گئے وہ— یہ کہتے ہی وہ جلدی سے دوپٹہ سنبھالتی باہر بھاگی۔
سیف نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ دادی کا ہاتھ تھاما اور آہستہ آہستہ انہیں باہر نکالا۔

خدیجہ بیگم گاڑی سے باہر نکلی۔ وہ چند پل کے لیے وہاں ٹھہر گئیں۔ ان کی نظریں گھر کی دیواروں پر پھسلتی چلی گئیں، جیسے برسوں بعد گھر کو دیکھ رہی ہوں۔

دادی۔۔۔

صفا کی لرزتی آواز فضا میں گونجی۔

خدیجہ بیگم کی نظریں صفا کے چہرے تک آئیں۔ اگلے ہی لمحے صفا ان کے قریب تھی، ان کے ہاتھوں کو تھام چکی تھی، پھر وہ جیسے ضبط توڑ بیٹھی — ان کے سینے سے لگ گئی۔ صفا کے آنسو بے اختیار بہنے لگے، جیسے برسوں کا بوجھ، جدائی کی ساری تھکن، ایک پل میں نکل گئی۔ صفا کو عجیب قسم کا سکون محسوس ہو رہا ہے، جیسے وہ بہت دیر سے ان کے لیے ترس رہی تھی اور کیوں نہ ترستی انہوں نے اس کو ماں بن کر پالا تھا۔

میری دھی۔۔۔

خدیجہ بیگم کی آواز بھی بھیگ چکی تھی۔ وہ اسے ماں کی طرح سینے سے لگائے کھڑی تھی، جیسے وہ لمحہ صدیوں کی جدائی کے بعد ملا ہو۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہونے کو تیار نہیں تھیں، جیسے زمانہ ان کے درمیان رکا ہوا۔ انسان اپنوں سے دور ہو تو دوبارہ ان سے ایسے ہی ملتا ہے جیسے وہ صدیوں کے بعد مل رہا ہو۔

کنی وڈی ہو گئی واں۔

خدیجہ بیگم نے صفا کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

صفا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

صفا، دادی کو اندر تو جانے دو، پھر روتی رہنا۔ سیف کی آواز نے فضا کو کاٹ دیا۔

صفا نے آنسو صاف کیے، دادی کا ہاتھ تھاما اور انہیں آہستہ آہستہ اندر لے گئی۔

صفا ان کو اپنے کمرے میں لے گئی — دروازے کے سامنے بیڈ تھا۔ دائیں جانب کارنر صوفہ اور اس کے آگے میز جبکہ بائیں طرف ڈریسنگ اور الماری ایک ترتیب سے جڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی صفا نے تکیے سیدھے کیے، سیف نے دادی کو بیڈ کی ٹیک کے ساتھ بٹھایا۔ صفا ان کے قریب بیٹھ گئی، ان کا ہاتھ تھامے۔

خدیجہ بیگم نے صفا کے چہرے پر دوبارہ سے ہاتھ پھیرا — جیسے یقین کر رہی ہوں کہ یہ واقعی وہی صفا ہے، جسے انہوں نے ماں بن کر پالا تھا۔

کنی کمزور ہو گئی واں۔۔۔ کھاندی پیندی نہیں ایں؟

صفا ہلکا سا مسکرائی، دادی ٹھیک تو ہوں میں۔

دادی کھانا لے آؤں آپ کے لیے، میں نے آپ کا پسندیدہ پلاؤ بنایا ہے، سالن اور کھیر بھی۔

میرا دل نئی کر رہا۔

خدیجہ بیگم کی آنکھیں کہیں دور دیکھ رہی تھیں۔ پھر یکدم بولیں۔

عبداللہ کتھے واہ؟ انو نئی دسیا؟

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ صفا نے نظریں جھکا لیں۔

دادی، وہ امریکہ میں ہے۔ سیف نے آہستہ سے کہا۔

خدیجہ بیگم نے کچھ نہیں کہا۔ بس ادھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ وہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ کتنا کچھ بدل گیا ہے — نہ شوہر، نہ بیٹے اور نہ ہی پرانی زندگی۔

سیف ان کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کی تکلیف اور ان کے اندر کے خالی پن کو محسوس کر سکتا تھا۔ جس نے اپنوں کو کھویا ہو وہ محسوس کر سکتا ہے۔ وہ محسوس کر ہی لیتا ہے اور وہ محسوس کر رہا تھا۔

سکینہ کھانا لے کر ائی۔

سکینہ کی آواز پر خدیجہ بیگم اپنے خیالوں کی دنیا سے واپس آئی۔

دادی، کیسی طبیعت ہے آپ کی؟

خدیجہ بیگم نے پہلے سکینہ اور پھر صفا کی طرف دیکھا، جیسے وہ پوچھ رہی ہوں، یہ کون ہے؟

دادی، یہ سکینہ ہے، اختر کی بیوی۔ صفا نے فوراً کہا۔

میں ٹھیک آں، تو اپنا سنا۔

دادی، میں بھی ٹھیک ہوں۔

وہ خاموش ہو گئی۔

صفا نے سیف کو کھانا دیا اور خود بھی پلیٹ میں چاول ڈال کر دادی کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے چاولوں کا چمچ دادی کے منہ کے پاس کیا۔ خدیجہ بیگم نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

میرا دل نئی کر رہا۔

دادی تھوڑا سا کھا لیں، اپنا چہرہ دیکھیں، پیلا پڑ رہا ہے اور آپ اتنی کمزور ہو گئی ہیں۔

صفا نے دادی کو زبردستی تھوڑا سا کھانا کھلایا۔
کھانا کھانے کے بعد سیف نے دادی کو دوا دی اور ساتھ میں صفا کو سمجھایا کہ کون کون سی دوا کب دینی ہے۔
خدیجہ بیگم دوا کے زیر اثر نیم دراز ہو گئی۔
میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں، دادی کا خیال رکھنا۔ کوئی بھی پریشانی ہو تو فوراً سے فون کر دینا، میں آ جاؤں گا۔
جی بھائی۔
سیف وہاں سے چلا گیا۔
صفا باجی، سارا کام ہو گیا ہے، میں جاؤں۔
سکینہ اندر داخل ہوئی۔
ہاں چلی جاؤ اور ڈائننگ ٹیبل پر کھانا اور کچھ پھل پڑے ہوئے ہیں وہ بھی لیتی جاؤ۔
جی باجی۔
سکینہ کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔
صفا نے دادی کے بالوں میں انگلیاں چلانا شروع کر دی، جیسے وہ بچپن میں چلایا کرتی تھی۔ بالوں کو علیحدہ کرنے کے لیے۔ چپ چاپ، خاموشی کے ساتھ، بس محبت کی لہر میں ڈوبی ہوئی۔
رات گئے سیف گھر لوٹا۔ آہستہ سے دروازہ کھولا — دادی اور صفا دونوں سو رہی تھیں۔ وہ دبے قدموں کچن میں گیا، کھانا گرم کر کے کھایا اور پھر صحن کی سیڑھیوں پر آ بیٹھا۔
باہر آسمان سیاہ تھا۔ ہوا میں ہلکی سی ٹھنڈک تھی۔ سیف ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر آسمان کو دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر خاموش اداسی تھی، جیسے وہ دل ہی دل میں اللہ سے کچھ کہہ رہا ہو۔
اس کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی—

✦ ✦ ✦

ڈائننگ ٹیبل پر سب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ باہر سرد ہوا چل رہی تھی، جو کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا کر مدھم سا شور پیدا کر رہی تھی۔ کمرے کی فضا میں ایک انجان سی سنجیدگی تیر رہی تھی۔ عبداللہ صاحب نے چمچ پلیٹ میں رکھا، ایک گہری سانس لی اور سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔
امی کو ہوش آ گیا ہے۔

چند لمحوں کے لیے جیسے وقت رک سا گیا۔ سب کی نظریں بیک وقت ان کے چہرے پر جم گئیں۔ حیرت، خوشی اور بے یقینی سب کچھ ان آنکھوں میں ایک ساتھ جھلک رہا تھا۔ عبداللہ صاحب کی نظریں سب کے چہرے پر تھیں، شاید وہ کچھ الفاظ سننے کے منتظر تھے، مگر کمرے میں خاموشی بدستور قائم رہی۔ کوئی کچھ نہ بولا۔

عبداللہ صاحب نے پھر آہستہ سے کہا۔

چودہ تاریخ کی فلائٹ ہے۔

تم سب اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دو اور اگر کچھ چیزیں لینی ہوں تو جا کر لے آؤ۔

سیف نے بتایا؟ فہد نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

عبداللہ صاحب کا ہاتھ ایک لمحے کو رکا، پھر مختصر سا جواب دیا۔

عقیل نے۔

کمرے میں دوبارہ سے خاموشی چھا گئی۔

احمد نے نظریں اٹھائیں اور ایشال کی طرف دیکھا۔

ایشال سر جھکائے پلیٹ میں چمچ چلا رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ کسی اور خیال میں کھو گئی تھی۔

باہر کی ہوا اب ذرا تیز ہو چکی تھی اور اس کی سرسراہٹ اندر کی خاموشی میں گھل کر ایک ان کہی بات کہہ رہی۔

✦ ✦ ✦

موسم بدل رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ نیلے آسمان پر بادلوں نے سورج کو دھندلا کر رکھا تھا۔ فضا میں ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ ڈیرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

آرہا ہوں بھئی۔۔۔ اختر نے آواز دیتے ہوئے دروازہ کھولا تو سامنے برہان کھڑا تھا۔

سیف بھائی ہیں کیا؟

ہاں، آجاؤ۔

برہان آہستہ قدموں سے اندر آیا۔ اس کی نگاہ پہلے ڈیرے میں کھڑی بڑی گاڑی پر پڑی، پھر اس نے لان میں رکھے ہوئے درجنوں ڈبے دیکھے۔ سیف ان کی گنتی میں مصروف تھا، جبکہ عمر انہیں گاڑی میں رکھ رہا تھا۔

السلام علیکم، سیف بھائی۔۔۔

وعلیکم السلام!

بیٹھو۔۔۔ میں ابھی آیا۔ سیف نے نرم لہجے میں کہا۔

برہان درخت کے نیچے رکھی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ مسلسل ان ڈبوں کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سیف آیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

کیسے ہو، برہان؟

میں ٹھیک ہوں بھائی، آپ سنائیں؟

الحمدللہ، میں بھی ٹھیک۔ گھر میں سب کیسے ہیں؟

جی سب ٹھیک ہے۔

برہان کی نظریں بار بار ڈبوں کی طرف جا رہی تھیں۔ آخر وہ رک نہ سکا — اس نے نا چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

بھائی۔۔۔ ان ڈبوں میں کیا ہے؟

سیف کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

ان میں کچھ ضرورت کی چیزیں ہیں، جیسے کپڑے، راشن وغیرہ۔

اتنے زیادہ ڈبے؟

یہ تو ابھی بہت کم ہیں۔

کس کو دیں گے آپ، یہ سب؟

کچھ ضرورت مند لوگ ہیں، انہی کو۔

سیف نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر برہان سے پوچھا۔

تم چلو گے؟

برہان نے فوراً سے ہاں میں سر ہلایا۔

پیچھے سے عمر کی آواز آئی۔

بھائی، سارے ڈبے رکھ دیے ہیں۔

گاڑی باہر نکالو، میں ابھی آتا ہوں۔

جی بھائی۔ عمر نے اونچے، مگر نرم لہجے میں کہا۔

سیف نے جیب سے موبائل نکالا، کسی کو کال ملائی۔
ہم لوگ نکلنے لگے ہیں۔ وقت پر پہنچ جانا۔
اوکے۔ دوسری طرف سے بھاری سی آواز آئی اور فون بند کر دیا گیا۔
کچھ دیر بعد گاڑی ایک میدان میں جا کر رکی۔ سامنے تنگ گلیاں، خستہ حال مکانات اور چھتوں سے لٹکتی ہوئی چادریں۔
سیف نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور نیچے اترا۔ برہان بھی اس کے پیچھے اترا۔
پیچھے سے عمر اور اختر اتر کر آگے آئے۔ اختر کے ہاتھ میں دو ڈبے تھے۔
تم دونوں پیچھے والے راستے سے سکول پہنچو۔ سیف نے اختر کے ہاتھ سے ڈبے پکڑتے ہوئے ہدایت دی۔
جی بھائی۔
سیف اور برہان تنگ گلی کی طرف بڑھے، جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے، سڑی ہوئی بدبو نے ان کا استقبال کیا۔ زمین پر پھیلا ہوا کچرا، بہتی نالیاں، ٹوٹی ہوئی دیواریں، آدھے گرے دروازے — ہر چیز غربت اور بے بسی کا چہرہ بنی ہوئی تھی۔
برہان نے بے اختیار ناک پر ہاتھ رکھا۔ سیف آگے چلتا گیا۔
گھر کے باہر دروازے میں بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بدن پر پرانے اور میلے کپڑے تھے۔ لوگ ان دونوں کو ایسے دیکھ رہے تھے، جیسے وہ کسی اور دنیا سے آئے ہوں۔ ایک گلی میں سے کہیں گلیاں نکل رہی تھی۔ کافی گلیاں پار کرنے کے بعد سیف ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے رکا۔ گھر کافی خستہ حالت میں تھا۔ سیف نے دروازے پر دستک دی۔
اندر سے ایک لڑکی کی آواز آئی۔
جی، کون؟
لڑکی نے دروازے سے باہر جھانکا۔
یہ کچھ سامان ہے، رکھ لیں۔ سیف نے ڈبے آگے بڑھائے۔
کہاں سے آئے ہیں؟
پیچھے سے کسی خاتون کی آواز سنائی دی۔
اللہ کی طرف سے۔
سیف کے لبوں سے یہ الفاظ نکلے تو برہان حیران سا رہ گیا۔
پھر آپ کون ہیں؟ لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سیف کے چہرے پر نرمی تھی۔

میں تو بس اللہ کا ایک گنہگار بندہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

برہان ایک لمحہ وہیں رکا رہا۔ پھر سیف کے پیچھے چل دیا۔

لڑکی اب ڈبے اٹھا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد دونوں ایک اسکول کے سامنے پہنچے۔ سکول کے باہر پولیس کا ایک ڈالا کھڑا تھا۔ ڈالے کے ساتھ ٹیک لگائے دو پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ اسکول کافی اچھی حالت میں تھا۔ برہان نے سکول کے باہر آکر اپنے ناک سے ہاتھ ہٹایا۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔ یہاں سے بدبو نہیں آرہی تھی۔ سیف نے آگے بڑھتے ہوئے ان کے ساتھ سلام لیا اور پھر سکول کے اندر چلا گیا۔ سکول کے اندر گراؤنڈ میں بہت سے لوگ دو قطار بنائے کھڑے تھے۔

اس لائن میں سب کو ایک ایک ڈبہ دینا، دوسری لائن میں، میں ڈبے دیتا ہوں۔

سیف نے برہان کو ڈبے تھماتے ہوئے کہا۔

جی بھائی۔ برہان نے کہا۔

دونوں نے تقسیم شروع کر دی۔

ہر چہرے پر شکر گزاری تھی، مگر ہر آنکھ میں محرومی کی کہانی چھپی تھی۔ پولیس اہلکار کھڑے نگرانی کر رہے تھے کہ کہیں کوئی جھگڑا نہ ہو جائے۔

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ جب سب واپس ڈیرے پر پہنچے، سب نے ہاتھ منہ دھونے کے بعد لان میں بیٹھ کر چائے پی اور کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ عمر اور اختر وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

برہان نے کچھ سوچتے ہوئے سیف کی طرف دیکھا۔

بھائی، آپ صرف ایک گھر میں خود گئے، باقی سب میں کیوں نہیں؟

سیف نے گہری سانس لی۔

کیونکہ اس گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔ صرف دو خواتین رہتی ہیں۔ اس لیے میں خود گیا تھا۔

کیا آپ پہلے بھی وہاں جاتے ہیں؟

ایک بار گیا تھا، سروے کرنے۔

کیا آپ نے سب کے گھروں میں سامان دیا؟

ہاں، وہاں پر موجود سب کو۔
برہان کی نظریں خالی تھیں۔
وہ لوگ اتنی بری جگہ پر کیسے رہتے ہوں گے؟
وہ جگہ اتنی بری تو نہیں۔۔۔
برہان چونک گیا۔
کیا۔۔۔ کیا آپ کو وہ جگہ بری نہیں لگی؟
نہیں۔۔۔
سیف نے سادہ سا جواب دیا۔ اس کے لہجے میں ٹھہرا ہوا درد تھا۔
کیوں؟ برہان کے لہجے اور آنکھوں میں حیرانگی تھی۔
کیونکہ میں اپنے فلسطینی بھائیوں کو نہیں بھولا۔
وہ ان سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ وہاں بھوک ہے، پیاس ہے، موت ہے۔ پتہ نہیں ایک منٹ میں کتنے لوگ شہید ہوتے ہوں گے۔ ان کی زندگی کا ہر پل درد اور ڈر میں گزر رہا ہے۔
کیا تم ٹی وی، موبائل یا اخبار پر ان کو نہیں دیکھتے؟
برہان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔
میں بچوں کے رونے کی سسکیاں، وہ دھماکے نہیں بھولا جن میں لوگ آسمان کی طرف اچھل کر زمین پر آگرتے ہیں۔ ہم سب تو ایسے بدبخت لوگ ہیں۔ جنہیں ان کی فکر نہیں، نہ دکھ۔ ہم اپنی عیش و عشرت میں گم ہیں اور وہاں انسانیت تڑپ رہی ہے۔
اس کی آواز لرزنے لگی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ آنکھوں میں نمی تھی اور سانس بھاری ہو گئی تھی۔ اس نے سر جھکا لیا۔ وہاں خاموشی چھا گئی۔

✦ ✦ ✦

سیف گھر میں داخل ہوا۔ کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم ٹھہر گئے۔ اندر سے آوازیں آرہی تھیں۔
سارے گاؤں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایکسیڈنٹ عبداللہ نے کروایا تھا۔
سیف نے آواز پہچان لی — ارم آنٹی۔

ہاں بہن، ہم بھی یہی سوچ رہے تھے۔ ایسا بھی کیا لالچ کہ اپنے ہی باپ اور بھائی کو مروا دیا۔
یہ کنزا آنٹی کی کڑوی آواز تھی۔
سیف کے چہرے پر ناگواری کے آثار ابھرے۔
اب جو ہونا تھا ہو گیا، آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ بچ گئیں، باقی اللہ جانے والوں کو جنت میں جگہ دے۔
اب کی بار، ندا آنٹی بولی۔
سیف نے کچن سے نکلتی صفا کو دیکھا تو وہ خود کمرے میں داخل ہو گیا۔
السلام علیکم!
سب نے چونک کر سر اٹھایا۔
وعلیکم السلام، بیٹا۔۔۔
کمرے میں موجود سب خواتین نے جواب دیا۔
سیف کی نظر سب سے پہلے دادی کے چہرے پر پڑی۔ ان کے چہرے پر زندگی کے آثار مدھم تھے جیسے خوشیاں ان سے روٹھ گئی ہوں۔
اسی وقت صفا بھی اندر آئی تو سیف خاموشی سے باہر نکل آیا۔
کچھ دیر کے بعد سیف کچن میں داخل ہوا۔ کچن میں ہلکی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سیف کے بال نم تھے، کپڑے ہلکے بھیگے ہوئے — وہ ابھی نہا کر آیا تھا۔
سکینہ چولہے کے پاس مصروف تھی۔ اس نے سیف کی طرف دیکھا۔
بھائی، کھانا لگا دوں؟
نہیں، اب رات کو ہی کھاؤں گا۔ سیف نے موبائل کی اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔
اسی لمحے صفا اندر آئی۔
سکینہ، جا کر کمرے سے برتن لے آؤ۔
جی باجی۔ سکینہ کمرے کی طرف گئی۔
بھائی، دادی بہت چپ چپ سی ہیں۔ بات کرو تو بس مختصر سا جواب دیتی ہیں۔ صفا نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے کچھ پریشانی کی حالت میں کہا۔

سیف نے موبائل سائیڈ پر رکھا۔
تم فکر نہ کرو۔ وقت کے ساتھ بہتر ہو جائیں گی۔
اس نے دھیرے سے بولا۔
اور جب کوئی دادی سے ملنے آئے، تو ان کے پاس ہی بیٹھ جایا کرو۔ انہیں اکیلا نہ چھوڑو۔
جی بھائی۔
سکینہ کچن میں داخل ہوئی۔ اسی وقت ڈور بیل بجی۔
سکینہ دروازہ کھولنے جا رہی تھی کہ سیف نے اس کر روک دیا۔
میں دیکھ لیتا ہوں۔
جی بھائی۔
سکینہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔
دروازہ کھلا — سامنے ہمدان صاحب کھڑے تھے، چہرے پر مسکراہٹ لیے۔۔۔
السلام علیکم!
وعلیکم السلام!
سیف کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ سیف نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور ایک طرف ہٹ کر انہیں اندر آنے دیا۔
پہلے اسماء آئیں، اسماء نے محبت سے سیف کے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر حرا نے سلام کیا۔
سیف نے مؤدبانہ انداز میں سر جھکا کر جواب دیا۔ آخر میں ہارون داخل ہوا، ہاتھ میں مٹھائی اور پھلوں کی ٹوکری پکڑے۔
مٹھائی اور پھلوں کی ٹوکری دیکھ کر سیف کے دماغ میں چراغ سا جل اٹھا۔
ہارون نے پھلوں کی ٹوکری آگے بڑھائی، سیف نے وہ تھام لی۔
ہارون سے گلے ملا، پھر سب کو دادی کے کمرے میں لے گیا۔
کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ سیف نے باقی کی لائٹس اون کر کے کمرے کو روشن کر دیا۔ خدیجہ بیگم کے چہرے پر اب بھی بیماری کی زردی باقی تھی۔
سب نے ان سے پیار لیا، خیریت دریافت کی۔

دروازے کی دائیں طرف صوفے پر ہمدان صاحب اور اسماء بیٹھے تھے اور دروازے کے سامنے حرا اور ہارون۔ سیف نے ٹوکری میز پر رکھی اور خود دادی کے پاس بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔ کمرے میں باتوں کا شور گونجنے لگا۔ کچھ دیر بعد صفا اندر آئی — اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ماحول میں خوشی کی ہلکی سی لہریں دوڑ گئیں۔ چند لمحوں بعد صفا، چائے، بسکٹ، رول، کباب اور نمکو کی ٹرے لے کر آئی۔ چائے کی بھاپ اور مصالحوں کی خوشبو پورے کمرے میں پھیل گئی۔ کچھ دیر ہنسی مذاق چلتا رہا، پھر ہمدان صاحب نے اسماء کی طرف دیکھا۔ اسماء نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

سیف بیٹا ادھر آؤ۔

ہمدان صاحب نے اپنے ساتھ خالی جگہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

سیف بیڈ سے اٹھ کر ہمدان صاحب کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔ اب سیف ہمدان صاحب اور اسماء کے درمیان میں بیٹھا تھا۔

ہمدان صاحب نے اپنی جیب سے پیسوں کا لفافہ نکال کر سیف کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

صفا بیٹا، ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔ ہمدان صاحب نے اب صفا کی طرف دیکھ کر کہا۔

لمحہ بھر کو سیف جیسے پتھر کا ہو گیا، پھر ایک انجانی خوشی نے اس کے اندر دھڑکنوں کو تیز کر دیا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری — شرمیلی سی، دبکی ہوئی۔ ارے یار، سیف تو شرما گیا —

صفا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ بھائی کی خوشی کے رنگ میں رنگ گئی۔

خدیجہ بیگم نے صفا کی طرف دیکھا۔

دادی، یہ سیف بھائی اور مومنہ کے رشتے کی بات کر رہے ہیں۔ صفا نے دادی سے آہستہ سے کہا۔

ایک پل کے لیے خدیجہ بیگم جیسے کھو گئیں۔ انہیں احساس ہوا — کہ ارحم اور مومنہ تو ان کے ساتھ نہیں آئے۔

اسماء نے مسکراتے ہوئے سیف کے سر پر پیار دیا۔

بہت بہت مبارک ہو۔

ہارون کھڑا ہو گیا۔ سیف فوراً کھڑے ہو کر اس سے گلے ملا اور پھر واپس بیٹھ گیا۔

اب آپ لوگ بتائیں، منگنی کی رسم کب رکھیں؟ ہمدان صاحب نے بات آگے بڑھائی۔

انکل، میں ان رسموں کے حق میں نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں بس سادگی سے نکاح ہو اور پھر ولیمہ۔

اسی لمحے خدیجہ بیگم کی آواز کمرے میں گونجی – کوئی ویاہ نئی ہوے گا۔
سب چونک گئے، چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
وہی آواز پھر اٹھی – میرا مطلب اے سی، ویاہ گج واج کے ہوے گا۔ سارے پنڈ نوں پتا لگے، خدیجہ دے پوتے دا ویاہ وا۔
سب کے چہرے دوبارہ سے کھل اٹھے۔
دادی سادگی سے سب کچھ کر لیتے ہیں۔
میں جو کہہ دتا، اوہی ہووے گا۔ تے نالے کڑیاں دے وی بوت ارمان ہندے نیں۔
مگر۔۔۔
بھائی مان جائیں۔ صفا فوراً سیف سے بولی۔
اسماء نے مسکرا کر سیف کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
چلیں، جیسے آپ سب کی مرضی۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
اب ہم تاریخ ہی طے کرنے آئیں گے۔
ہمدان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔
تسی جیدو مرضی اوّ سو بسم اللہ، پر تاریخ آج ہی طے کر کے جاؤ۔ آج کی دن وا۔
خدیجہ بیگم کے لہجے میں پرجوش زندگی لوٹ آئی تھی۔
اتنی جلدی؟ ہمدان صاحب حیران ہوئے۔
دادی اتنی جلدی کس بات کی ہے۔ سیف نے نرم لہجے میں کہا۔
دادی، آپ ابھی مکمل ٹھیک بھی نہیں ہوئیں، اتنی جلدی کیوں؟ صفا نے بھی پریشانی سے کہا۔
چپ کر، تینوں کی پتا۔
خدیجہ بیگم نے جھڑک دیا۔
خالہ ہمیں بھی تیاری کرنی ہوگی، بیٹی کو خالی ہاتھ نہیں بھیج سکتے۔
کی تیاری کرنی اے؟ سانو تاں کجھ وی نئی چاہی دا۔
وہ ٹھہری۔۔۔

میرا کی پتہ، میں کیدو مرجاواں۔ میں تے آکھیا سی ویاہ ویکھ لاواں گی۔ خدیجہ بیگم کی آنکھوں میں چمک اور نمی ایک ساتھ تھی۔

دادی، اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔ صفا نے تیزی سے کہا۔

خالہ، ایسی باتیں نہ کریں۔ اللہ آپ کو لمبی عمر دے۔ اسماء نے بھی محبت سے کہا۔

ہمدان صاحب نے خاموشی سے اسماء اور پھر ہارون کی طرف دیکھا، جیسے کہ وہ پوچھ رہے ہوں کہ کیا کرنا چاہیے؟

اسماء نے اپنے کندھے اچکائے، ہارون نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے ہاں میں سر ہلایا۔

آج اتوار ہے تو پھر ہم اگلے اتوار نکاح رکھ لیتے ہیں۔

ا ہوئی نہ گل۔ اتوار نو نکاح تے سوموار نو ولیمہ۔ خدیجہ بیگم نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

انکل، میں آپ پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس لیے آپ کو کچھ بھی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے ہمارے پاس اور اگر آپ جلدی نکاح کرنے کے حق میں نہیں ہے تو مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔

سانوں کجھ وی نہیں چاہی دا۔ ایہہ ساری دنیا داری دیاں چیزاں نیں۔ تسی جِنا مرضی کر لو، ایہہ دنیا خوش ہون والی نہیں۔

لوکیاں نوں خوش کرنا اوکھا کم اے۔ گج واج کے نال ویاہ کرن دا مقصد اے، کہ بچے خوش ہو جان۔ لوک کہندے نیں دو جوڑے دے کے کُڑی سانوں دے دو، سانوں اوہ دو جوڑے وی نہیں چاہیدے۔

خدیجہ بیگم نے نرم انداز میں کہا۔

سب کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ ماحول میں ایک انوکھی روشنی بھر گئی۔

یہ تو آپ لوگوں کا بڑا پن ہے۔ ہمدان صاحب بولے۔

صفا نے مٹھائی آگے کی۔

چلیں، منہ میٹھا کر لیں۔

سب نے مسکراتے ہوئے مٹھائی منہ میں ڈالی۔

باتوں باتوں میں شام اتر آئی۔

ہمدان صاحب اٹھے، اب ہم اجازت لیتے ہیں۔

انکل، کھانا کھا کر جائیے گا۔ سیف نے فوراً سے کہا۔

نہیں بیٹا، مومنہ اور ارحم انتظار کر رہے ہوں گے۔
ادا کدہ، روٹی کھا کے جائیو۔ خدیجہ بیگم بھی کھڑی ہو گئیں۔
ہمدان صاحب نے جلدی سے ان کا بازو پکڑا۔
آپ بیٹھیں، آپ کی طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے۔
میں تے ہن بالکل ٹھیک آں۔
ان کے چہرے پر نئی زندگی چمک اٹھی تھی۔ سب کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔
آنٹی بیٹھ جائے۔ صفا نے کہا۔
نہیں بیٹا، پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔ اسماء نے نرم لہجے میں کہا۔
دروازے تک سب ان کو الوداع کرنے آئے۔
باہر رات ہو چکی تھی، ہوا میں ٹھنڈک گھل گئی تھی۔
حرا آگے بڑھی تو خدیجہ بیگم نے اسے پیار کیا اور زبردستی اس کے ہاتھ میں کچھ پیسے تھما دیے۔
پہلی واری تو ساڈے کار آئی اے۔
حرا نے منع کیا مگر وہ باز نہ آئیں۔
باہر جاتے ہوئے سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی اور خدیجہ بیگم کے چہرے پر ایک اطمینان۔

✦ ✦ ✦

برہان گھر کی طرف جا رہا تھا۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ اندھیرے میں جب وہ ڈیرے کے قریب پہنچا تو اس نے سیف کو وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ روشنی کی ہلکی سی جھلک میں اسے سیف کے ہاتھ میں لائیٹیں دکھائی دی۔ برہان وہیں رک گیا۔ تجسس کے مارے دیر تک سیف کو گھورتا رہا، یہاں تک کہ سیف اندھیرے میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سارا راستہ وہ خیالات میں گم رہا۔
گھر کے دروازے پر پہنچ کر وہ کچھ لمحے رک گیا۔ اس کو بے اختیار خستہ حال مکانات اور بدبودار گلیاں یاد آئی۔ برہان اپنے گھر کو دیکھنے لگا۔ دیواروں کی سفیدی، کھڑکیوں کے گرد پلاسٹر، سب کچھ صاف ستھرا تھا۔ اس نے گلی میں ایک نظر دوڑائی۔
اس کے لبوں پر بے اختیار ایک جملہ پھسل گیا۔

ہمارا گھر اور گلی کا ہر گھر کتنی اچھی حالت میں ہے۔

اس نے نظریں جھکا کر زمین دیکھی۔ گلی بلکل صاف تھی۔ نہ کوئی کچرا، نہ بدبو۔ کچھ دیر وہ یونہی چپ چاپ اردگرد دیکھتا رہا پھر آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

اندر ہلکی پیلی روشنی تھی۔ برہان نے دودھ کا گلاس پیا اور خالی گلاس چارپائی کے نیچے رکھ دیا۔ کمرے سے باہر نکلتے ہی اس کی نظر سامنے کرسی پر پڑی، جہاں اس کے کپڑوں کا ڈھیر لگا تھا۔

اچانک اسے کل صبح کی بات یاد آگئی — ایک انکہی تلخی جیسے دل میں پھر سے جاگ اٹھی۔

برہان کچن کی طرف گیا۔ اس کے ابو چٹائی پر بیٹھے انڈے کے ساتھ روٹی کھا رہے تھے۔ برہان بھی خاموشی سے ان کے پاس جا بیٹھا۔

اس کی امی نے مسکراتے ہوئے اس کے آگے پلیٹ رکھی۔

یہ لو، تمہارے لیے انڈا بریڈ بنائی ہے۔ تمہیں پسند ہے نا؟

برہان نے کچھ نہ کہا۔ صرف سر جھکا کر کھانے لگا۔

اس کے ابو نے ہاتھ دھوئے، چائے کی پیالی ادھوری چھوڑ کر باہر کی طرف جانے لگے۔

کہاں جا رہے ہیں؟ چائے تو پی لیں۔ برہان کی امی نے آواز دی۔

برہان کے ہاتھ دکان پر بھجوا دینا۔

وہ دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

برہان، جس دن تم گھر پر ہوتے ہو اس دن اپنے ابا کے ساتھ دکان پر بیٹھ جایا کرو، وہ دن بھر اکیلے ہوتے ہیں۔

برہان کی امی نے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے کہا۔

امی، مجھے ابو سے پیسے لے دیں، میں نے نئے کپڑے لینے ہیں۔ برہان نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

تمہارے پاس اتنے کپڑے ہیں۔ کل ہی میں نے تمہاری الماری صاف کی ہے۔ ان میں سے کئی تو تم نے پہنے بھی نہیں ہیں۔ وہ دیکھو، کرسی پر رکھے ہیں۔

امی، مجھے وہ سب پسند نہیں۔ آپ وہ کپڑے کسی کو دے دیں۔

ایسے کیسے دے دوں؟ ان میں سے بہت سے نئے ہیں۔

امی مجھے نہیں پسند۔ اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔

امی نے آہ بھری۔

اچھا، جاؤ پہلے اپنے ابا کو چائے دے آؤ۔

برہان چائے لے کر باہر گیا، مگر لوٹا نہیں۔ اس کی چائے ٹھنڈی ہو گئی اور وہ سیدھا گراؤنڈ پہنچ گیا۔ کھیل کے بیچ اسے صبح والے بچے یاد آئے — وہی جو دروازے کے پاس بیٹھے پرانے اور میلے کپڑوں میں تھے۔ اس کے دل میں ایک چبھن سی اٹھی۔ احساسات جیسے آپس میں الجھ گئے ہوں۔

وہ چھت پر چلا گیا۔ چھت پر تین چارپائیاں بچھی تھیں — پہلی اور آخری خالی، درمیان والی پر اس کے ابو سو رہے تھے۔ برہان خاموشی سے سب سے آخر والی چارپائی پر جا کر لیٹ گیا۔

نہ جانے کیوں، اسے غزہ کے لوگ یاد آنے لگے۔

ہر طرف پھیلی ہوئی تباہی، اس کے ذہن میں گھومنے لگی۔ زخمی، معزور اور بے بس انسان، اس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔ خالی برتن پکڑے ہوئے بھوک سے نڈھال بچے اس کے دل کو تکلیف دینے لگے۔ عورتوں کے رونے کی سسکیاں، گولیاں چلنے اور دھماکوں کی آوازیں، سب کچھ ایک ساتھ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔

اس کی آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ بے بسی کے عالم میں اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، لیکن آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو تکیے میں گم ہو گئے۔

اس کا دل بے چین تھا اور ایک ادھوری درد کی لہر اس کے اندر ہر لمحہ بڑھ رہی تھی۔

رات ٹھنڈی تھی، مگر اس کے اندر ایک عجیب سی گرمی تھی — شرمندگی، احساس اور شاید تبدیلی کی کوئی پہلی چنگاری۔

✦ ✦ ✦

ٹی وی لاؤنج کی روشنیاں مدھم تھیں۔ مومنہ اور ارحم دونوں اپنے موبائل فون میں مگن تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو ریلز بھیج رہے تھے اور پھر ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اونچا قہقہہ لگا رہے تھے، جیسے ہی باقی سب اندر داخل ہوئے، دونوں نے جلدی سے موبائل سائیڈ پر رکھ دیے۔ نگاہیں ایک دوسرے سے ملیں، ہنسی دبائی گئی، لاؤنج میں ایک چھوٹی سی خاموشی پھیل گئی۔ سب لوگ صوفے پر آ کر بیٹھ گئے تو مومنہ فوراً پانی لینے چلی گئی۔

کچن سے گلاسوں کی چھنک سنائی دی۔ وہ ٹرے میں پانی کے گلاس رکھ کر واپس آئی۔

اتنے سارے انتظامات اتنی جلدی کیسے ہوں گے؟ اسماء نرم لہجے میں بولی۔

مومنہ نے ٹرے میز پر رکھی۔

کس چیز کے انتظامات؟

مومنہ بیٹا، ادھر آؤ۔ ہمدان صاحب نے اپنے ساتھ خالی جگہ پر ہاتھ رکھا۔

مومنہ آہستہ سے آکر بیٹھ گئی۔

ہمدان صاحب نے ایک سانس میں پانی پیا، گلاس میز پر رکھا اور نرمی سے بولے۔

بیٹا، ہم نے شادی کی تاریخ طے کر دی ہے، اگلے اتوار کو تمہارا نکاح اور سوموار کو ولیمہ ہے۔

چند لمحوں کے لیے حال میں جیسے ہوا رک گئی۔ مومنہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے فوراً سے اماں کی طرف دیکھا۔ اسماء اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے، تمہارے نصیب روشن ہوں۔ ہمدان صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

آمین۔ سب نے بیک وقت کہا۔

مومنہ خاموشی سے اٹھی اور کمرے کی طرف چلی گئی۔

ابا، آپ ٹینشن نہ لیں، سب کچھ ہو جائے گا۔ ہارون نے نرمی سے کہا۔

میں سوچ رہا ہوں کہ جس مارکی میں، میری شادی ہوئی تھی پھر سے وہی بک کروا لیتے ہیں۔ کھانے پینے کا سارا انتظام وہی لوگ دیکھ لیں گے اور رہی لین دین کی بات وہ اماں، حرا اور مومنہ دیکھ لیں گی۔

ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن دعوت نامے؟ ہمدان صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

ابا، کارڈ آن لائن بھیج دیتے ہیں، چھپوانے میں بہت وقت لگ جائے گا۔ ارحم نے فوراً کہا۔

ہارون کی شادی کی لسٹ میرے پاس رکھی ہے، انہی میں سے خاص خاص لوگوں کو بلا لیتے ہیں۔ زیادہ بھیڑ کی ضرورت نہیں۔ اسماء بولی۔

ٹھیک ہے، مومنہ سے پوچھ لو، اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوگا۔

جی ابا۔

میں ذرا مومنہ کو دیکھ لو۔ اسماء کہتے ہوئے صوفے سے گھڑی ہو گئی۔

اسماء دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔

مومنہ بیڈ پر بیٹھی تھی، اس کے چہرے پر آنسوؤں کے ہلکے نشان تھے۔ اسماء پاس آکر بیٹھی تو مومنہ نے فوراً سر ماں کی گود میں رکھ دیا۔

اماں۔۔۔ آپ لوگوں کو اتنی جلدی کیا تھی؟ اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

اسماء نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

بیٹا، سیف کی دادی کہہ رہی تھیں کہ شادی جلدی کر لیں۔ ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی آئیں اور تمہیں اپنے گھر لے جائیں۔ پھر تمہارے ابا نے ان کی بات مان لی۔

اماں، میں آپ سب کے بغیر کیسے رہوں گی؟

آنکھوں سے بہتے آنسو چادر میں جذب ہوتے گئے۔

دروازہ کھلا، ہمدان صاحب اندر آئے۔ اسماء نے دروازے کی طرف دیکھا۔

میری بیٹی کیوں رو رہی ہے؟ انہوں نے مومنہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

ابا۔۔۔ مومنہ سسک اٹھی، میں آپ سب کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی۔

ہمدان صاحب نے اس کے آنسو صاف کیے۔

بیٹا، سیف اور اس کے گھر والے بہت اچھے ہیں۔ وہ تمہارا خیال رکھیں گے۔

انہوں نے مومنہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ مومنہ نے ان کے دل کی دھڑکن سنی — وہ بہت دھیمی تھی۔

اور تم تو میری بہادر بیٹی ہو نا؟ ایسے نہیں روتے۔

ہمدان صاحب کی آواز میں لرزش تھی اور اگلے ہی لمحے ان کی آنکھوں سے بھی پانی بہہ نکلا۔

مومنہ نے ان کے آنسو پونچھے، ہلکی سی ہنسی میں کہا۔

آپ لوگ مجھے چپ کروانے آئے تھے، خود رو رہے ہیں۔

ہمدان صاحب ہلکا سا مسکرائے، مگر آنکھوں میں نمی باقی رہی۔

تم اتنی بڑی کب ہو گئی، پتہ ہی نہیں چلا۔ وقت کتنی جلدی سے گزر جاتا ہے۔

مومنہ، بھائی کہہ رہے ہیں چیزوں کی لسٹ بنا لو۔۔۔ ارحم اندر آیا۔ اس نے سب کی طرف دیکھا۔

ارے واہ، یہاں تو بہت پیار بانٹا جا رہا ہے۔ ہم تو کسی کھاتے میں نہیں آتے۔

آجاؤ تم بھی۔ اسماء نے بازو پھیلائے۔

ارحم بھی مسکرا ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔
چلو، سامان کی لسٹ بنا لو۔ ہمدان صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔
میں ذرا آرام کر لوں۔
ان کے ساتھ اسماء بھی باہر چلی گئیں۔
مومنہ نے اپنے آنسو پونچھے۔
بھائی ہارون بول رہے ہیں کہ سامان کی لسٹ بنا لو۔
جاؤ، ڈائری لے کر آؤ۔
ارحم جلدی سے گیا اور واپس آیا۔
فوٹوگرافر اور ڈی جے والا ضرور ہونا چاہیے۔ میرے لیے الگ فوٹوگرافر ہونا چاہیے، جو بس میری پکس بنائے۔ مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔
ابھی کچھ دیر پہلے تم رو رہی تھی۔۔۔ شاید؟
جو میں کہہ رہی ہوں، وہ کرو۔ زیادہ بحث نہیں کیا کرو۔
اچھا، تم مجھے یہ بتاؤ کہ مینیو میں کیا ہونا چاہیے؟
تمہیں تو بس کھانے کی فکر رہتی ہے۔
اچھا نہ بتاؤ، پھر ابا جی اور بھائی اپنی مرضی کا کھانا بنوا لیں گے۔
ہمم۔۔۔
مینیو میں۔۔۔ کباب، چکن روسٹ اور۔۔۔ میٹھے میں گلاب جامن ضرور ہونے چاہیں۔ مومنہ نے اوپر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
بس، یہی تو اصل والی مومنہ ہے۔ ارحم نے ہنس کر کہا۔

✦ ✦ ✦

آج موسم کچھ بوجھل سا تھا۔ آسمان صبح سے روٹھا بیٹھا تھا — کبھی بوندیں ہلکی برستی تھیں، کبھی چھتوں پر تیز بارش بجنے لگتی۔ ہوا میں مٹی، نمی اور ٹھنڈک کا عجیب سا سنگم گھل گیا تھا۔

دوپہر ڈھلے جب سیف ڈیرے سے گھر لوٹا تو پورے گھر میں الو کے پراٹھوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ خوشبو ایسی تھی جسے سیف برسوں سے پہچانتا تھا — یہ خدیجہ بیگم کے ہاتھ کے پراٹھوں کی تھی۔ سیف کے چہرے پر نرمی سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ سیدھا کچن کی طرف بڑھا۔ اندر صفا چائے بنا رہی تھی اور خدیجہ بیگم ڈائننگ ٹیبل پر آرام سے بیٹھی تھیں۔

السلام علیکم! سیف نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

وعلیکم السلام! دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

کیسی طبیعت ہے دادی؟ سیف نے پیار سے پوچھا۔

میں تے ٹھیک آں، تو کتھے گیب آں، کوئی انتظامات نہیں کرنے؟

دادی آپ بتائیں، کیا کرنا ہے؟

دادی نے تو صبح سے ہی سارے خاندان کو فون کر کے شادی کی خبر دے دی ہے۔ صفا مسکراتے ہوئے بولی۔

سیف نے مسکرا کر دادی کی طرف دیکھا اور نرم لہجے میں کہا۔

دادی آپ اور صفا کل بازار چلی جائیں، شاپنگ کر لیجیے گا۔ کھانے وغیرہ کا انتظام میں خود کر لوں گا۔

ٹووی نال چل۔ دادی نے فوراً کہا۔

نہیں دادی، میں کل لاہور جا رہا ہوں۔

بھائی، ہم بھی ساتھ چلتے ہیں، وہاں سے ہی شاپنگ کر لیں گے۔ صفا نے پرجوش لہجے میں کہا۔

سیف نے پراٹھے کا نوالہ لیا اور مزے سے بولا۔

ہمم۔۔۔ دادی، بہت دنوں بعد ایسا خستہ پراٹھا کھایا ہے۔

صفا نے آنکھیں سکیڑ کر کہا۔

میری تو آپ نے کبھی تعریف نہیں کی۔

کیا تمہارے جلے ہوئے پراٹھوں کی تعریف کروں؟ سیف نے ہنستے ہوئے چوٹ کی۔

دادی، آپ دیکھ رہی ہیں نا اسے؟ صفا نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

خدیجہ بیگم نے مسکراتے ہوئے صفا کے سر پر ہاتھ سہلایا۔

سیف، میری دھی نوں تنگ نہ کر۔

دادی سچ میں، اس کے پراٹھے آدھے کچے اور آدھے جلے ہوتے تھے۔
دادی نے بات بدلنے کے انداز میں کہا۔
چھڈ، مینوں دس، لاہور کی کرن جانا؟
دادی، یونیورسٹی میں کچھ کام ہے۔
میں تے صفا وی نال جاواں گیاں۔
دادی، آپ وہاں کیا کریں گی؟ سیف نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔
شاپنگ کریں گے۔ صفا نے فوراً جواب دیا۔
نہیں، یہاں سے شاپنگ کر لو۔
دادی۔۔۔ صفا نے دادی کو دیکھتے ہوئے لمبا سانس لیا۔
میں وہاں یونیورسٹی جاؤں گا یا تم لوگوں کے ساتھ شاپنگ کروں گا؟
دادی، ہم مومنہ کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔ وہ اپنی پسند کی شاپنگ کرلے گی، آخر بعد میں استعمال تو اسی نے کرنی ہیں اور اگر وہ گئی تو ارحم یا ہارون بھائی بھی ساتھ ہوں گے۔
پھر آپ کو کوئی ٹینشن نہیں ہوگی۔ صفا نے سیف کی طرف دیکھا۔
واہ، اتنے اچھے آئیڈیاز کہاں سے آتے ہیں تمہارے ذہن میں؟
میں جینیس ہوں نا۔ صفا نے اتراتے ہوئے کہا۔
کچھ نہیں ہونے والا، آرام سے یہیں سے شاپنگ کرو۔
خدیجہ بیگم نے صفا کی طرف دیکھ کر کہا۔
تو مومنہ نال گل کر لا، ادے نال ہی جاواں گے۔
دادی، آپ بھی اس کا ساتھ دے رہی ہیں؟ مومنہ کے گھر والے کیا سوچیں گے؟
کچھ بھی نہیں سوچے گے۔ انہوں نے بھی ہارون بھائی کی شادی کی شاپنگ حرا آپی کے ساتھ ہی کی تھی۔
ہارون اور حرا کی بات اور تھی۔
صفا تو جا۔ خدیجہ بیگم نے صفا سے کہا۔
صفا مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

سیف نے دادی کی طرف دیکھا۔

دادی، آپ واقعی اسے بہت سپورٹ دیتی ہیں۔

تو چپ کر جا سیف۔ دادی نے ہلکے غصے میں کہا۔

پھر خدیجہ بیگم بولیں۔

تری خالہ دے نال میری گل ہوئی سی، او ہفتے والے دن آری وا۔ تے اپنے سارے کم پہلے مکاء، فیر مہمان آنا شروع ہو جان گے۔

اچھا دادی۔ سیف نے کہا اور ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ گیا۔

شادی دا سدا کنو کنو دینا وا؟ دادی نے اچانک پوچھا۔

سیف نے جیب سے لسٹ نکالی، میں نے کارڈز آن لائن بنوا لیے تھے۔ یہ لسٹ آپ دیکھ لیں۔

ذرا دکھا مینوں۔

صفا واپس کچن میں داخل ہوئی۔

انہوں نے پہلا نام پڑھا، عبداللہ رحمان۔۔۔ پڑھتے پڑھتے ان کی آواز رک گئی۔ چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ آنکھوں میں پرانی یادوں کی دھند اتر آئی۔

سیف نے فوراً محسوس کیا—دادی کے اندر کوئی پرانی چوٹ جاگ اٹھی تھی۔

اے دا نام کاٹ دو۔ خدیجہ بیگم نے آہستہ مگر ٹھوس لہجے میں کہا۔

سیف اور صفا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، مگر خاموش رہے۔

پھر وہ بولیں، اے "لامیہ" دا نام وی کاٹ دو۔

کیوں دادی؟ صفا نے حیرت سے پوچھا۔

منوں بہت زہر لگ دی اے۔ دادی کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔

سیف اور صفا ہنس دیے۔

دادی، اب تو بات بھول جائیں۔ وہ تو دادا کی کزن ہیں، اتنی پرانی باتیں یاد رکھنا اچھا نہیں۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

دادی کے چہرے پر وہی پرانی یاد چھا گئی—چائے کا کپ، دادا کا ہاتھ اور لامیہ کی فکر مندی۔ ایک لمحہ، وہ ایک لمحہ دادی کو یاد رہ گیا۔

نئیں بلانا انو۔

دادی، وہ ہر خوشی غمی میں ہمیں بلاتی ہیں۔

اپنی مرضی کر لو۔ دادی نے لسٹ واپس رکھتے ہوئے کہا۔

سیف نے ان کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولا۔

دادی، تایا ابو کو بلا لیتے ہیں نا۔ اگر نہیں بلائیں گے تو دل دکھے گا۔

نئیں سیف۔۔۔ ان کی آواز میں تھکن تھی۔

دادی، ہم بلا لیتے ہیں۔ آنا یا نہ آنا ان کی مرضی ہے۔ صفا نے آہستہ کہا۔

میں اک دفعہ کہیا وانا، نئیں۔ دادی نے غصے میں کہا۔

کچن میں خاموشی چھا گئی۔

چلیں دادی، آپ باقی نام پڑھیں۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

مگر خدیجہ بیگم وہاں سے اٹھ گئیں۔ صفا پیچھے جانا چاہتی تھی مگر سیف نے روک لیا۔

ابھی انہیں تھوڑا اکیلا رہنے دو۔

جی بھائی۔

کچھ دیر بعد صفا بولی۔

خالہ سے بات ہوئی تھی وہ کہہ رہی تھی کہ ہفتے کی صبح آجائیں گے۔

سارے اکٹھے آئیں گے؟

شاید۔

پھر صفا نے ہنستے ہوئے کہا۔

بھائی، وہ سب تو اتنے خوش ہیں، جیسے ان کی اپنی شادی ہو۔

سیف کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

اور گلا بھی کر رہے تھے کہ اتنی جلدی شادی رکھ لی، ہم نے چار پانچ دن پہلے آنا تھا۔

تو دادی نے کہا کہ اب آجاؤ، ہم کون سا آپ کو باہر نکال رہے ہیں۔

کافی دیر کے بعد آرہے ہیں تو ہم ہفتے کی رات کے لیے کچھ پلان کر لیتے ہیں۔ سب خوش ہو جائیں گے۔

بھائی، ڈھولکی منگوا لو۔

ٹھیک ہے۔ سیف نے جواب دیا۔

صفا نے خوشی سے اس کے بازو پر سر رکھا۔ یہ اس کا بچپن سے معمول تھا – جب بھی خوش ہوتی، بھائی کے بازو کے ساتھ آ لگتی۔

سیف نے پیار بھری نگاہوں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

سب کچھ لکھ لو۔ کل جب جائیں تو وہیں سے خرید لینا۔

جی بھائی۔ صفا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

✦ ✦ ✦

ٹی وی لاؤنج میں مومنہ اور حرا صوفے پر بیٹھی کسی ڈرامے میں گم تھیں۔ کچن سے برتنوں کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔ اسماء وہاں مصروف تھیں۔ مومنہ نے موبائل سائیڈ پر رکھا اور اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ کچن میں داخل ہوئی تو اسماء سلاد کاٹنے میں مگن تھی۔ سنک میں برتنوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ مومنہ نے بازو موڑے اور خاموشی سے برتن دھونا شروع کر دیے۔

مومنہ، صفا کی دادی کا فون آیا تھا۔

اسماء نے سلاد کاٹتے ہوئے کہا۔ وہ چاہ رہی ہیں تم ان کے ساتھ جا کر اپنی مرضی سے شاپنگ کر لو۔

آپ نے کیا کہا؟ مومنہ نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

ہاں کہہ دیا میں نے۔

کب جانا ہے؟

سیف کل لاہور جا رہا ہے اپنے کسی کام سے۔ صفا نے کہا ساتھ چلتے ہیں۔

کون کون جا رہا ہے؟

تم سب چلے جانا۔ میں اور تمہارے ابا گھر پر ہی رہیں گے۔

آپ بھی چلیں نا۔

نہیں اور بہت سے کام ہیں یہاں۔ تم لوگ جا کر شاپنگ کر لو اور اگر کوئی سوٹ اچھا لگے تو میرے اور اپنے ابا کے لیے بھی لے آنا۔

ٹھیک ہے۔ مومنہ نے مسکرا کر کہا۔
اور ہاں، صفا نے ڈھوکلی بھی رکھی ہے۔ ہم سب کو بلایا ہے۔ اسماء نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔
یہ سنتے ہی مومنہ کے چہرے پر چمک آ گئی۔
اللہ۔۔۔ کتنا مزا آئے گا۔ وہ خوشی سے بولی۔ اس کے دل میں جیسے لڈو پھوٹنے لگے۔
برتن دھو کر وہ کمرے میں گئی تو ارحم بیڈ پر بیٹھا مزے سے لیز کھا رہا تھا۔ بیڈ پر اور بھی کئی کھانے کی چیزیں بکھری تھیں۔
مومنہ اس کے پاس آ کر بیٹھی۔ ارحم نے فوراً وہ ساری چیزیں سائیڈ ٹیبل کے دراز میں رکھ دیں۔
اتنی بھی بھوکی نہیں ہوں کہ تمہاری چیزیں اٹھا لو۔ مومنہ نے ناک سکوڑ کر کہا۔
ہمم۔۔۔ پتہ ہے مجھے۔ بس موقع ملے تو سیدھی حملہ آور ہو جاؤ۔ ارحم نے چبا چبا کر کہا۔
مومنہ چپ ہو گئی، مگر اس کی نظریں بار بار ارحم کے ہاتھ میں موجود پیکٹ پر جا رہی تھیں۔
آخرکار ضبط جواب دے گیا۔
بندہ پوچھ ہی لیتا ہے۔ مومنہ نے اچانک لیز کا پیکٹ کھینچ لیا۔
مومنہ واپس کرو۔ ارحم نے ہاتھ بڑھایا، مگر دیر ہو چکی تھی۔
مومنہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور مٹھی بھر بھر کے لیز کھانے لگی۔ چند سیکنڈ بعد پیکٹ خالی تھا۔
یہ لو۔ اس نے خالی پیکٹ ارحم کے سامنے اچھالتے ہوئے کہا۔
ارحم نے کشن اس کو مارا۔
کیا بدتمیزی ہے، تمہارے پاس اور بھی تو ہیں۔ مومنہ نے کشن واپس پھینکتے ہوئے کہا۔
اور تم نے جو کیا وہ بدتمیزی نہیں؟ ارحم نے دوبارہ کشن اٹھایا۔
مومنہ نے فوراً ٹانگ سے اس پر حملہ کیا۔
ارحم بچ گیا۔
مومنہ نے دوسری بار کوشش کی — پھر بھی وہ بچ نکلا۔
ارحم اب بیڈ کے کنارے پر تھا۔ اس نے مومنہ کی طرف کشن پھینکا، مگر مومنہ نے ایک اور وار کیا اور — اور ارحم بیڈ سے نیچے جا گرا۔
آہہ۔۔۔ وہ درد سے بولا۔ اس کی آواز میں غصہ تھا، چہرے پر تپش۔

مومنہ ہنسی روک نہ سکی۔
ہاہاہا۔۔۔ وہ بے اختیار قہقہہ لگانے لگی۔
ارحم نے پاس رکھا جوتا اٹھایا اور سیدھا اس کی طرف پھینکا۔
جوتا مومنہ کے بازو پر لگا۔ ارحم ہنسنے لگا۔
ارحم، تمہیں تمیز نہیں ہے؟
اس نے جوتا واپس پھینکا، مگر ارحم بچ گیا۔
پہلے خود کو دیکھو۔ موٹی کالی بھینس، چڑیل، ڈائن، ارحم نے غصے سے القابات کی بارش کر دی۔
میں تمہیں بتاتی ہوں۔
مومنہ تپ کر اٹھی اور ارحم کو دھکا دیا۔ وہ صوفے پر جا گرا۔
اگلے ہی لمحے دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ بال، کشن، چیخیں۔ سب کچھ ایک ساتھ ہوا۔
میرے بال چھوڑو۔
پہلے تم چھوڑو۔
پہلے تم نے پکڑے تھے۔
نہیں، تم نے۔
اور پھر مومنہ نے ایک ہاتھ آزاد کر کے ارحم کے ہاتھوں پر ناخن مارے۔
چڑیل۔۔۔ ارحم چلایا اور بدلے میں اس کے ہاتھ پر کاٹ لیا۔
مومنہ کی چیخ بلند ہوئی۔ دونوں کے چہرے لال ہو گئے۔
باہر سے اسماء اور حرا دوڑتی ہوئی آئیں۔
اف خدایا۔ اسماء نے دونوں کو بال پکڑے بیٹھے دیکھا۔ مومنہ کے بالوں کا آدھا حصہ پونی سے باہر نکل چکا تھا۔
چھوڑو ایک دوسرے کو۔ اسماء نے دونوں کو الگ کیا۔ تم دونوں میں شرم ہے بھی یا نہیں؟
اماں اس نے لڑائی شروع کی تھی۔ ارحم بولا۔
میں نے؟
میں تو کچھ نہیں کر رہی تھی، یہ خود بدتمیزی کر رہا تھا۔ مومنہ نے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

بس، ارحم تم دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھو۔
میں کیوں جاؤں؟
اماں، اسے باہر لے جائیں۔ مومنہ نے انگلی دکھاتے ہوئے کہا۔
چپ کرو دونوں۔ اسماء نے ارحم کا بازو پکڑا اور اسے کمرے سے باہر لے گئیں۔
کمرے میں اب صرف مومنہ اور حرا رہ گئیں۔ حرا کمرے کی حالت درست کرنے لگی۔
آپی، میں کمرہ صاف کر لیتی ہوں۔ مومنہ نے دھیرے سے کہا۔
کوئی بات نہیں۔ حرا نے مسکرا کر سامان اٹھایا اور باہر چلی گئی۔
مومنہ آئینے کے سامنے جا کر اپنی پونی درست کرنے لگی۔ ہاتھ پر اب بھی کاٹ کا نشان تھا۔
کتنی زور سے کاٹا ہے۔ وہ بڑبڑائی۔
باہر سے ارحم اور اسماء کی آوازیں آ رہی تھیں
مومنہ نے ایک لمبی سانس لی، پھر مسکرا کر بولی، ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔
اس نے دراز کھولی، سلنٹی نکالی، اور کھانے لگی۔
اہہہ۔۔۔ دوسروں کی چیزیں کھانے کا تو الگ ہی مزہ ہے۔ آنکھیں بند کر کے اس نے کہا جیسے سکون کی دنیا میں ہو۔
چند لمحے بعد وہ ہنسی، خود سے بولی—
لڑائی کرنے کا تو مزہ ہی کچھ اور ہے۔

✦ ✦ ✦

آسمان پر کالے بادلوں نے جیسے قبضہ کر لیا تھا۔ بوندیں ہلکے ہلکے زمین پر گر کر سڑکوں کو چمکدار کر رہی تھیں۔ ہوا میں نمی اور خوشبو گھلی ہوئی تھی۔ سردی بڑھ چکی تھی اور فضا میں زندگی کا شور بسا ہوا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب کھانے پینے کے سٹالز سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ کافی اور چائے کی خوشبو بارش کی بوندوں کے ساتھ مل کر ایک الگ سا منظر بنا رہی تھی۔
بلیک اوور کوٹ، سر پر سیاہ ٹوپی، جس میں سے چند گھنے اور لمبے بال جھانک رہے تھے۔ ہاتھ میں شاپنگ بیگ، چہرے پر ہلکی مسکراہٹ لیے ایشال چلتی جا رہی تھی۔ سرد ہوا اس کے گالوں کو چھو کر لال کر رہی تھی۔
تم نے یہ پرفیوم کس کے لیے لیا ہے؟

براؤن کوٹ، سر پر سیاہ ٹوپی، ہاتھ میں شاپنگ بیگ لیے ساتھ چلتی عریشہ نے پوچھا۔
مجھے اچھا لگا تو لے لیا۔
لیکن یہ تو مینز پرفیوم ہے۔
ضروری تو نہیں کہ صرف مینز ہی استعمال کریں۔
عریشہ نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ دونوں کے سانسوں سے نکلتا دھواں سرد فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔ چند قدم آگے بڑھ کر عریشہ نے کافی شاپ کے سامنے قدم روکے۔
آؤ کافی پیتے ہیں۔
اوکے۔ ایشال نے مسکرا کر کہا۔
چلتے چلتے ایشال کی نظر کافی شاپ کے ساتھ لگے ایک سٹال کے بورڈ پر جا ٹھہری — پام ریڈر — بورڈ پر پام ریڈر لکھا تھا۔
ایشال کے قدم ٹھہر گئے۔ وہاں چند لوگ کتابیں دیکھ رہے تھے۔ سٹال کے پیچھے ایک خوبصورت پاکستانی لڑکی مسکراہٹ کے ساتھ آنے والوں کا استقبال کر رہی تھی۔ یہ منظر ایشال کے لیے نیا نہیں تھا۔ وہ جب بھی یہاں سے گزرتی، اس بورڈ پر نظریں ضرور ٹھہرتیں۔ لیکن آج دل کچھ مختلف محسوس کر رہا تھا۔ آج وہ اپنی قسمت جاننا چاہتی تھی۔
کیا ہوا؟ عریشہ نے پوچھا۔
تم کافی لے آؤ، میں یہیں ہوں۔ ایشال نے نظریں سٹال سے نہ ہٹائیں۔
ٹھیک ہے۔ عریشہ شاپ کے اندر چلی گئی۔
ایشال آہستہ آہستہ سٹال کی طرف بڑھی۔ دماغ میں احمد کی باتیں گونج رہی تھیں۔
جو تم چاہ رہی ہو، وہ کبھی نہیں ہوگا۔ وہ تمہارا کبھی نہیں ہو سکتا۔ فادی بھائی اور ابو ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔
اس نے اپنی قسمت جاننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ احمد کی باتوں نے اس سے فیصلہ کروا لیا تھا۔ محبت اس کی قسمت میں ہے یا نہیں۔ وہ جاننے کے لیے آگے بڑھ گئی تھی۔
جو تم چاہ رہی ہو وہ کبھی نہیں ہوگا۔ وہ تمہارا کبھی نہیں ہو سکتا۔ فادی بھائی اور ابو ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔
اس کے قدم رک گئے۔ ذہن سے سارے خیالات جھٹک گئے۔ اس کی نظریں اب لڑکی کے چہرے پر ٹھہری ہوئی تھی۔
ہیلو میم، ہاؤ کین آئی ہیلپ یو؟

لڑکی کے چہرے پر ایک ہلکی مگر پر اعتماد مسکراہٹ تھی۔
مجھے اپنی قسمت جاننی ہے۔ ایشال نے سنجیدگی سے کہا۔
لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا۔
ایشال نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔
چند لمحوں بعد لڑکی کا چہرہ بدل گیا۔ اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے نظریں اٹھا کر ایشال کی آنکھوں میں دیکھا ۔مگر وہاں خاموشی تھی، ایک خالی سا وجود۔
ایشال کی آنکھوں میں تعجب تھا۔ اس نے لڑکی کی انکھوں میں دیکھا۔
وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہ جان گئی تھی۔ لڑکی کی آنکھیں، اس کے ہاتھ میں محبت کے لکیروں کی طرح خالی تھی۔ ایشال کا دل دھڑک اٹھا، جیسے کسی نے دل کے اندر ٹھہرے پانی میں پتھر پھینک دیا ہو۔ اس کی سانسیں بھاری ہو گئیں، سینے میں درد سا اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ اس کا وجود ٹھنڈا پڑنے لگا۔ اس کو درد محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جان گئی تھی۔
پیچھے سے عریشہ کی آواز گونجی۔
ایشال۔۔۔
وہ چونکی۔ اپنا ہاتھ فوراً پیچھے کھینچا۔
لڑکی نے نظریں جھکا لیں۔
ایشال نے ایک لمبی سانس لی، اپنے اندر اترتی نمی کو روکنے کی کوشش کی اور چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجالی۔
میں کچھ کتابیں دیکھ رہی تھی۔ یہ والی اچھی لگ رہی ہے۔ اس نے ایک کتاب کی طرف اشارہ کیا۔
پڑھتی تو تم ہو نہیں، پھر لے کر کیا کرو گی؟ عریشہ نے ہنستے ہوئے کہا اور کافی کا کپ اسے پکڑایا۔
ہاں۔۔۔ ایشال نے بمشکل مسکرا کر جواب دیا۔
چلو پھر چلتے ہیں۔
ایشال نے جاتے جاتے ایک بار پھر سٹال پر موجود لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی ۔گہری اور خاموش نظروں سے۔
ایشال نے نظریں چرا لیں۔ وہ دونوں آگے بڑھ گئیں۔

پیچھے لڑکی ان کو جاتے دیکھ کر سرگوشی میں بولی۔
تم جلو گی۔۔۔
تم محبت کی آگ میں جلو گی۔۔۔
محبت کی آگ میں جلنے والے خاک ہو جاتے ہیں۔۔۔
محبت تمہیں خاک کر دے گی۔۔۔
تمہاری چاہ تمہیں خاک کر دے گی۔۔۔
تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔۔۔
شام ڈھل چکی تھی۔ ٹی وی لاؤنج میں سب لوگ ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ عریشہ سب کو شاپنگ دکھا رہی تھی۔ ایشال ایک طرف چپ چاپ بیٹھی تھی۔ نظریں خلا میں، سوچیں کہیں اور۔
عبداللہ صاحب کی نظر اس پر پڑی۔
ایشال۔۔۔
ایشال کی طرف سے کوئی جواب نہیں۔ سب نے ایشال کی طرف دیکھا۔
ایشال۔۔۔ اس بار آواز کچھ بلند تھی۔
ج۔۔۔ جی ابو؟ وہ چونکی۔
کیا ہوا ہے؟ اتنی گم سم کیوں بیٹھی ہو؟
کچھ نہیں ابو، بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔
تو جا کر آرام کر لو۔
جی ابو۔
ایشال آہستہ سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ عبداللہ صاحب نے سب کی طرف دیکھا۔
تم میں سے کسی نے کچھ کہا ہے اسے؟
نہیں ابو۔ سب نے بیک وقت جواب دیا۔
عبداللہ صاحب نے کچھ نہیں کہا۔ سب دوبارہ سے شاپنگ دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔
احمد کی نظریں اس دروازے پر ٹک گئیں جو ابھی ابھی بند ہوا تھا۔

ایشال بیڈ پر لیٹی تھی۔

دروازہ ہلکے سے کھلا۔

دروازہ کھولنے کی آواز پر اس نے جلدی سے اپنا چہرہ صاف کیا اور انکھیں بند کر لی۔

احمد کمرے میں داخل ہوا۔ آہستہ سے دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے سامنے لیٹی، ایشال کو دیکھا۔ احمد اپنی ویل چیئر بیڈ کے پاس لے آیا۔ وہ چند پل ایشال کو دیکھتا رہا۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔

ایشال۔۔۔ احمد نے آہستہ آواز میں کہا۔

ایشال نے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میں جانتا ہوں، تم جاگ رہی ہو۔

ایشال خاموش رہی۔

مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟

مکمل خاموشی۔

تمہیں اس طرح چھپ کر رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا بھائی ابھی زندہ ہے۔

ایشال کا شدت سے دل چاہا کہ سب کچھ کہہ دے۔ اپنے دکھ، اپنی کمزوری، اپنی محبت — سب کچھ، مگر زبان خاموش رہی۔

احمد کچھ دیر ایشال کو دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے وہیل چیئر موڑ لی۔

دروازہ بند ہونے کی آواز گونجی۔

ایشال نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

بھائی۔۔۔ اس کی آواز سسکیوں میں ٹوٹ گئی۔

میں آپ کو کیا بتاؤں۔۔۔

کمرے میں ایشال کی سسکیوں کی آواز گونجنے لگی —

✦ ✦ ✦

وہاب کمرے میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ریموٹ اس کے ہاتھ میں تھا مگر نظر کہیں اور بھٹک رہی تھی۔ مریم صوفے پر بیٹھی تھی، اس کی گود میں زویا کا سر رکھا ہوا تھا۔ زویا نیند کے آغوش میں جا چکی تھی۔ مریم نے نرمی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور پھر بڑی احتیاط سے اسے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئی۔

چلنے کی آہٹ سے زویا کی نیند ٹوٹ گئی۔ مریم نے فوراً سے تھپکی دے کر دوبارہ سلایا دیا، پھر کرسی پر رکھے کپڑوں کو تہہ کرنے لگی۔ اسی وقت ساتھ والے کمرے سے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

وہاب نے ٹی وی کی آواز کم کی، چارپائی سے اترا اور فون کی طرف بڑھا۔ جب تک وہ پہنچا، کال کٹ چکی تھی۔ اس نے فون اٹھایا، نمبر دیکھا۔ اس نے پہلی نظر میں ہی نمبر پہچان لیا – نمبر پہچانتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری۔

فون دوبارہ بجا۔ وہاب نے ایک لمحہ دروزے کی سمت دیکھا اور فون اٹھا لیا۔

مریم، اب بھی بیڈ پر کپڑے تہہ کر رہی تھی۔

ہیلو۔۔۔

دوسری طرف سے بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

السلام علیکم صاحب۔۔۔ وہاب نے کہا۔

وعلیکم السلام! صبح بچی کو وقت پر لے آنا۔ آدمی نے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کی بجائے سیدھا کام کی بات کی۔

جی جی صاحب، آپ فکر نہ کریں۔

مریم کے قدم جیسے زمین میں جم گئے۔ وہ دروازے کے پاس آکر ٹھٹک گئی۔

میں بچی کو وقت پر لے آؤں گا، آپ بس رقم تیار رکھیے گا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد پھر وہی آواز گونجی – صبح گیارہ بجے اور وعدہ خلافی کرنے والے کا انجام تم جانتے ہو۔

جی، جی ٹھیک ہے صاحب۔

فون بند ہو گیا۔

وہاب نے فون کو گھور کر دیکھا، جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو، مگر الفاظ اس کے لبوں تک پہنچنے سے پہلے ہی فون بند کر دیا گیا۔

وہ واپس بیٹھ گیا۔ ٹی وی چل رہا تھا، مگر اب وہ کہیں دور، بہت دور جا چکا تھا۔

مریم کے کانوں میں ہر لفظ ہتھوڑے کی طرح گونج رہا تھا۔

کیا وہاب زویا کو بھی بیچنے والا ہے؟

کوئی باپ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟

وہاب جیسا آدمی اپنی خواہشوں کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔

مریم خود سے ہی سوال کر رہی تھی اور خود سے ہی جواب دے رہی تھی — مریم کی نظریں زویا پر ٹھہر گئیں، مگر اگلے ہی لمحے اسے زویا کے ساتھ فراح دکھائی دی — وہی منظر، وہی معصوم چہرہ۔

فراح۔۔۔

مریم نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تاکہ چیخ باہر نہ نکل سکے، مگر آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کا سیلاب نہ رک سکا۔ وہ دھاڑے مار مار کر رونا چاہتی تھی۔ دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے سینہ چیر کر باہر آجائے گا۔ کمرے میں بس دھڑکنوں کی آواز تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ مریم کے کانوں میں نیوز رپورٹر کی وہ پرانی آواز گونجنے لگی — اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ مریم کا سارا وجود کانپنے لگا۔ پسینہ چہرے پر بہنے لگا۔ سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔ وہ بے آواز رو رہی تھی — بے آواز رونا جو سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وہ کسی کو اپنا درد بتا نہیں سکتی تھی۔ مریم تنہا کمرے میں بیٹھی کافی دیر روتی رہی۔ اس نے دوبارہ زویا کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔

کافی دیر کے بعد مریم اٹھ کر باہر صحن میں آگئی۔ آسمان پر چاند ٹھنڈی روشنی بکھیر رہا تھا۔ ہوا ہلکی، مگر کاٹ دار تھی۔ مریم نے لمبی سانسیں لیں۔ باہر کی ٹھنڈی ہوا — اسے سکون دینے لگی۔ وہ سیڑھیوں پر جا بیٹھی، سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔

اسی لمحے ساتھ والے گھر سے نگینہ کی آواز سنی۔ وہ شاید اپنے بیٹے ععابد کو کسی بات میں ڈانٹ رہی تھی۔ نگینہ چند جملے کہہ کر خاموش ہو گئی۔

مریم نے اپنا سر نہیں اٹھایا وہ ویسے ہی بیٹھی رہی۔

اچانک نگینہ کی بات دماغ میں گونج اٹھی۔

مریم، میری مانو تو یہاں سے چلی جاؤ۔ بہنوں والا مشورہ دے رہی ہوں — اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا دے گا۔

تم یہاں سے ایک بار نکل کر تو دیکھو۔ مریم نے اپنا سر نہیں اٹھایا۔

مریم ساری رات سو نہ سکی۔ خوف، بے چینی اور اندیشے نے اس کی نیند چھین لی تھی۔

صبح کی مدھم روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں اب بھی رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ مریم کچن میں بیٹھی زویا کو ناشتہ کروا رہی تھی۔ ناشتہ کرواتے ہوئے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ زویا معصومیت سے کھاتی جا رہی تھی، بے خبر، اس طوفان سے جو اس کی ماں کے دل میں اٹھ رہا تھا۔

ناشتہ کروانے کے بعد مریم آہستہ سے اٹھی اور کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں وہاب گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا — نو بج رہے تھے۔ مریم کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ہر سانس ایک خوف سے بھرا ہوا تھا۔ مریم نے دھیرے سے دروازے کی طرف قدم بڑھائے اور باہر نکل کر آہستگی سے کنڈی لگا دی۔ تالے کی ہلکی سی آواز پر اس کے جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔ دل جیسے پسلیوں سے باہر نکل آنے کو تھا۔ ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔

زویا، آجاؤ۔۔۔

مریم نے دھیمی آواز میں پکارا اور چادر کو درست کیا۔ زویا ننھے قدموں سے باہر آئی۔ مریم نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی، مگر جیسے ہی دروازہ کھولا — سامنے وہاب کی ماں کھڑی تھی۔ مریم کا رنگ ایک دم اڑ گیا۔ زویا کے چہرے پر بھی خوف کی لہر دوڑ گئی۔

کہاں کی تیاری ہے بی بی؟

وہاب کی ماں نے اندر آتے ہی مریم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ گرفت سخت تھی۔

کہاں منہ کالا کروانے جا رہی ہو؟

مریم نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوئی۔

بغیرت۔۔۔

بڑھیا کی زبان زہر اگل رہی تھی۔

مریم کے چہرے پر ایک لمحے کو سکوت چھا گیا، پھر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ ایک چنگاری ابھری۔

بغیرت ہوگی تم اور تمہارا پورا خاندان — اس کی آواز میں کانپتا ہوا حوصلہ تھا۔

اور رہی بات منہ کالا کرنے کی، وہ تو تمہارا پہلے سے ہے۔

وہاب کی ماں کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ابھی تمہاری زبان کھینچتی ہوں۔

وہاب۔۔۔ وہاب۔۔۔

وہاب کی ماں نے چیخ کر پکارا۔

مریم کا دل جیسے بند ہونے کو تھا— کہیں وہاب جاگ نہ جائے۔

اسی وقت نگینہ کی نظریں سیڑھیاں اترتے ہوئے وہاب کی ماں پر پڑی— وہ فوراً سمجھ گئی کہ معاملہ کیا ہے۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی اور آہستہ سے دیوار کے پار سے دیکھنے لگی۔

مریم کے اندر اب خوف کی جگہ غصے نے لے لی تھی۔ اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی، مگر بڑھیا کی گرفت مضبوط رہی۔ پھر اچانک مریم نے اپنا دوسرا ہاتھ اٹھایا اور وہاب کی ماں کے بالوں کو جکڑ لیا۔ ایک زوردار کھینچاؤ— آہہہ۔۔۔

وہاب کی ماں کی چیخ صحن میں گونج اٹھی، بڑھیا نے مریم کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے اپنے بالوں کو چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی۔

مریم کے اندر برسوں کا دبا ہوا دکھ، ذلت، اور بے بسی جیسے بہہ نکلا۔ اس نے بڑھیا کو بالوں سے پکڑ کر گھمایا— ایک، دو، تین چکر۔۔۔

زویا اپنے معصوم سے چہرے اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے سب طرف دیکھ رہی تھی۔

تم نے مجھے بہت ستایا ہے بڑھیا۔ مریم اپنے دل کا ابال نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

نگینہ کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ مریم نے دیوار کی طرف دیکھا تو نگینہ ہنس رہی تھی۔

نگینہ نے اپنی ہنسی کو بمشکل روکا۔

مریم اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ اس بڑھیا کو کمرے میں بند کرو اور یہاں سے چلی جاؤ، اس سے پہلے کے وہاب آجائے۔

وہاب تو اندر گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ اللہ جانے وہ پیسوں کے کون کون سے خواب دیکھ رہا ہوگا۔

مریم نے ایک جھٹکے سے وہاب کی ماں کو واش روم میں دھکا دیا۔

ہائے اللہ میں مر گئی۔ بڑھیا نہانے والی بالٹی سے ٹکرا کر زمین پر جا گری۔

نگینہ کے قہقہے کی آواز رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

اسی کے ساتھ تو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

مریم نے جلدی سے دروازے کو کنڈی لگائی۔ اندر سے بڑھیا دروازہ بجانے لگی—

کھولو۔۔۔ مریم۔۔۔ مریم۔۔۔ لیکن مریم اب اپنی چادر درست کر رہی تھی۔

مریم۔۔۔

نگینہ نے اسے پکارا۔ اس کے ہاتھ میں دوپٹے کا پلو تھا، نگینہ اس کی گرہ کھول رہی تھی۔
تمہارے پاس پیسے تو ہوں گے نہیں۔۔۔ یہ رکھ لو۔ اس نے نوٹ مریم کی طرف بڑھائے۔
مریم کچھ لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر نوٹ پکڑ لیے۔
بہت بہت شکریہ۔
جاؤ، دیر نہ کرو۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے۔
مریم نے سر ہلایا۔ زویا کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے باہر نکلی۔ دروازہ بند ہوا۔ مریم نے ایک نظر گلی میں دوڑائی، تالا لگایا اور زویا کو گود میں اٹھا لیا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا – اس کے لب ہلے۔
یا اللہ میری مدد فرما۔
یا اللہ میری اور میری بیٹی کی حفاظت فرما۔
یا اللہ مجھے میری منزل تک پہنچا دیں۔
مریم اور زویا، نگینہ کی آنکھوں سے اوجل ہو گئیں۔
اللہ تمہیں تمہاری منزل تک باحفاظت پہنچا دے۔ نگینہ دھیرے سے بولی، جیسے دعا میں اپنا دل رکھ دیا ہو۔
پیچھے سے ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ وہاب کی ماں نے دروازے کو لات ماری – دروازے کے اوپر جگہ پر رکھا ہوا ڈبہ اس کے سر پر آگرا۔
آہہہہ! ایک اور چیخ۔
مریم زویا کو اٹھائے تیز تیز قدموں سے چل رہی تھی۔ زویا کو سینے سے لگائے، اس نے پیچھے مڑ کر ایک بار بھی نہیں دیکھا۔ اس کے ارد گرد بہت سے لوگ گزر رہے تھے مگر اس کے قدم رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ سانس پھولنے لگی، چہرہ سرخ ہو گیا۔
زویا کبھی ماں کی طرف دیکھتی تو کبھی ارد گرد۔
مریم، مین روڈ پر پہنچی تو گاڑیوں کا شور کانوں سے ٹکرانے لگا۔ وہ کچھ دیر رکی، زویا کو نیچے اتارا۔
اسی وقت ایک رکشہ قریب آکر رکا۔
مریم نے رکشے کی طرف دیکھا۔ رکشے میں پہلے سے آگے ایک خاتون اور اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔
باجی، کہاں جانا ہے؟

مریم چند لمحے خاموش رہی۔ الفاظ اس کے گلے میں اٹک گئے۔

آپ کدھر جا رہے ہیں؟

لاہور۔

لاہور ہی جانا ہے۔ مریم نے جواب دیا۔

پیچھے بیٹھ جائیں۔

مریم نے زویا کو سنبھالتے ہوئے رکشے میں جگہ لی۔ اس نے چادر سے آدھا چہرہ ڈھانپ لیا۔ رکشے والے نے شیشے میں سے ایک نظر پیچھے کی طرف دیکھا اور پھر آگے سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔

رکشہ چلنے لگا۔ جیسے جیسے فاصلہ بڑھتا گیا، مریم کی سانس بحال ہونے لگی۔ دل کی دھڑکن آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد رکشہ ایک جگہ رکا۔ عورت اور لڑکا اتر گئے۔ مریم بھی اتر آئی۔ اردگرد اونچی عمارتیں، مصروف لوگ اور بے خبری کا سمندر تھا۔

لڑکے نے اپنی جیب سے پیسے نکال کر دیے۔

کتنے پیسے ہوئے؟ مریم نے پوچھا۔

اٹھ سو۔

لڑکے نے فوراً سے رکشے والے کی طرف دیکھا۔

ہیلو بھائی۔ مناسب پیسے لو۔ اٹھ سو کہاں سے ہو گئے۔

باجی آپ جہاں سے بیٹھی تھی۔ وہاں سے آپ کے تین سو روپے بنتے ہیں۔ لڑکا نرم لہجے میں مریم کی طرف دیکھ کر بولا۔

مریم دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

دو سواریاں ہیں وہ۔ رکشے والے نے بے دلی سے کہا۔

کوئی دو سواریاں نہیں ہے۔ ایک تو بچی ہے ساتھ۔ اب کے لڑکے کے ساتھ والی عورت بولی۔

مریم نے اپنی مٹھی کھول کر پیسے دیکھے۔ نگینہ نے اس کو دو ہزار روپے دیے تھے۔ ایک ہزار والا نوٹ اور باقی دو پانچ پانچ سو والے تھے۔

مریم نے پانچ سو کا نوٹ رکشے والے کی طرف بڑھایا۔

رکشے والے نے دو سو روپے مریم کو واپس کر دیے اور منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
لڑکا اور عورت دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔
مریم اپنے خاموش چہرے کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔ اس کی منزل کیا تھی۔ اس کو خود معلوم نہیں تھا۔
ماما میں تھک گئی ہوں۔ زویا نے کافی دیر چلنے کے بعد کہا۔
مریم نے اس کی طرف دیکھا – زویا اپنا چہرہ اوپر کی طرف اٹھائے پہلے سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مریم نے اس کو اٹھا لیا۔ چند قدم چلنے کے بعد، فٹ پاتھ پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔
ماما ہم کہاں جا رہے ہیں؟
مریم نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، لیکن جواب نہیں دیا۔
زویا ماں کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئی۔ اس نے دوبارہ کوئی سوال نہیں کیا۔ وہاں سے گزرتے ہوئے لوگ ایک پل کے لیے ان کو دیکھتے۔ مریم نے چادر کا پلو کھینچا، زویا کے چہرے پر ڈال دیا – جیسے دنیا کی نگاہوں سے بچا رہی۔

✦ ✦ ✦

آفس کا دروازہ بند تھا، مگر باہر کے شور سے اندازہ ہو رہا تھا کہ عمارت کے باقی حصے میں زندگی جاری ہے۔ کمرے کے عین وسط میں ایک کرسی رکھی تھی، جس کے میز پر چند فائلیں اور ایک قلم دھرا تھا۔ میز کی بائیں جانب کتابوں سے بھری ایک شیلف تھی اور دائیں طرف ایک بڑی کھڑکی، جہاں سے سورج کی نرم کرنیں اندر آ کر پورے آفس کو سنہری روشنی میں نہلا رہی تھیں۔
کھڑکی کے سامنے کالی شلوار قمیض پہنے، کف مڑے ہوئے، کلائی میں براؤن گھڑی، بال پیچھے کو جمائے سیف کھڑا تھا۔ اس کی نظریں نیچے گراؤنڈ پر جمی تھیں، جہاں کئی لڑکے اور لڑکیاں چھوٹے چھوٹے گروپس میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ درخت کے نیچے رکھی ایک بینچ پر ایک لڑکا اور لڑکی، ایک دوسرے میں گم باتیں کر رہے تھے۔ سیف کی نگاہیں کچھ دیر سے انہی پر ٹکی ہوئی تھیں۔
دروازہ کھلا – سیف نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔
گہری چاکلیٹی مگر چمک دار چہرہ، سیاہ ذہین آنکھیں اور گھنے گھنگریالے بال جو اوپر کی جانب ایک خوبصورت جُوڑے میں بندھے – گرے رنگ کی قمیض شلوار پہنے نور کمرے میں داخل ہوئی۔

دونوں کی آنکھیں ملیں اور ایک ہلکی مسکراہٹ نے خود بخود ان کے چہروں کو روشن کر دیا۔
ہمیشہ کی طرح خوبصورت۔۔۔
دونوں نے ایک ساتھ کہا، پھر ہنس کر نظریں جھکا لیں۔
آؤ، بیٹھو۔ نور کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیٹھ گئی۔
سیف نے دوبارہ ایک لمحے کے لیے نیچے گراؤنڈ کی طرف دیکھا — اب وہاں دو کی بجائے پانچ لوگ تھے۔
سیف نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر کرسی سنبھالی۔ اب دونوں ایک دوسرے کے عین سامنے بیٹھے تھے۔ سیف نور کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔
کیا دیکھ رہے ہو؟ نور نے مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔
کچھ تبدیلی نظر آ رہی ہے پہلے والی نور نہیں لگ رہی۔ سیف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
کیسی تبدیلی؟
سکون خوشی —
تمہارا وجود اندر سے پرسکون ہے۔ خوشی تمہارے چہرے سے جھلک رہی ہے۔ یہ خوشی ظاہری نہیں ہے۔ سیف نے دھیمی اواز میں کہا۔
میں جانتی تھی، تم محسوس کر لو گے۔ نور نے مسکراتے ہوئے کہا۔
نور کے چہرے سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔ وہ لمحہ بھر ٹھہری، پھر آہستگی سے بولی۔
میں نے آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا ہے۔
سیف کے چہرے پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے آثار نمودار ہوئے۔
واقعی؟
نور نے خاموشی سے سر ہلایا۔
یہ سکون اور خوشی اسی وجہ سے ہے۔ میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں اور وہ سچ میں خوش تھا۔
میں ہمیشہ سے چاہتا تھا کہ تم اسلام قبول کر لو۔ سیف نے دل سے مسکراتے ہوئے کہا۔
میں جانتی ہوں۔
وہ ٹھہری اور پھر نرم لہجے میں بولی۔

تم پوچھو گے نہیں یہ کب اور کیسے ہوا؟

سیف نے نفی میں سر ہلایا۔

کیوں؟ نور کی آنکھوں میں سوال تھا لیکن لب خاموش تھے۔

کیونکہ جب انسان اللہ کی راہ پر چل پڑے، تو اس سے سوال نہیں کیے جاتے۔ یہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان کے معاملات ہوتے ہیں۔ سیف اتنا کم ظرف نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان آئے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے — وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

چائے یا کافی؟

نہیں، کچھ نہیں۔

نور نے فون اٹھا کر دو کپ کافی کا آرڈر دیا، پھر بک شیلف سے ایک فائل نکالی اور سیف کی طرف بڑھائی۔

یہ کس چیز کی فائل ہے؟ سیف نے فائل پکڑی مگر کھولی نہیں۔

میں آج کل افریقہ کی ایک ایجنسی کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ وہاں اور یہاں پاکستان میں کچھ گروپس ایسے ہیں جو بچوں کو اغوا کرتے ہیں، یا خرید کر ان کے اعضاء بیچ دیتے ہیں۔

جیسے میں اور میری بہن اس کا شکار ہوئی تھیں — ایک لمحے کے لیے اس کی سانس رک سی گئی۔

ہم نے بہت سے گروپس پکڑے ہیں، کئی بچوں کو بچایا ہے، مگر بچے اتنی زیادہ ڈرگز کے زیر اثر رہ چکے ہیں کہ جسمانی اور ذہنی طور پر تباہ ہو چکے ہیں اور یہ صرف بچوں تک ہی محدود نہیں ہیں۔ یہ گروپس نوجوانوں کو بھی ڈرگز پر لگا کر ان کو اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر ان کا شکار بچے ہی ہوتے ہیں۔

سیف کو معلوم تھا، مگر نور وضاحت دے رہی تھی۔

میں چاہتی ہوں کہ تم ہماری مدد کرو، ہمیں سپورٹ کرو، تم ان بچوں کے لیے ڈونیشن دو۔

اس فائل میں ساری ڈیٹیلز موجود ہیں۔

پھر نور نے میز سے ایک اور فائل اٹھا کر سیف کی طرف بڑھائی۔

سیف نے فائل پکڑی مگر یہ فائل بھی کھولی نہیں۔

جس ایجنسی میں، میں کام کرتی ہوں۔ وہاں کی ایک لڑکی نے مجھ سے اپنے زندگی کے چند واقعات بیان کیے۔ میں نے اس کے تجربات پر اپنے خیالات لکھے ہیں۔ میں چاہتی ہوں تم اسے پڑھو۔

سیف نے فائل لی، مگر ابھی بھی کھولی نہیں۔

تم ہماری کلاس کی سب سے ذہین لڑکی تھی۔ مجھے نہیں لگتا کہ مجھے اس کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ نور کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

میں چاہتی ہوں کہ تم پھر بھی اس کو ایک بار پڑھو۔

جہاں پہلے کام کر رہی تھی وہ۔۔۔

وہاں بھی کام کر رہی ہوں۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ دونوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔

یس۔۔۔ نور نے کہا۔

کلرک دو کپ کافی لیے اندر آیا، خاموشی سے میز پر رکھ کر چلا گیا۔

میں پڑھ لوں گا، مگر شاید تھوڑا وقت لگے۔ میں آج کل ذرا مصروف ہوں۔

ٹھیک ہے، جب پڑھ لو، واپس دے دینا۔

اور اکاؤنٹ کی تفصیل بھیج دینا، جتنی ہو سکا میں ضرور مدد کروں گا۔

اسی لمحے سیف کا فون بجا۔ اس نے اپنی جیب سے موبائل نکال کر دیکھا۔

حارث۔۔۔ سکرین پر کا نام چمک رہا تھا۔ اس نے کال کاٹ دی۔

نور نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کافی اٹھائی۔

فون پھر بجا – سیف نے دوبارہ کال کاٹ کر موبائل سائلنٹ پر لگا دیا۔

شادی کی تقریب کب ہے۔

بارہ، تیرہ دسمبر۔

دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

یس۔۔۔ نور نے کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

لڑکی اندر داخل ہوئی، اس نے نور اور سیف کی طرف دیکھا۔

میم۔۔۔ میری اسائنمنٹ چیک کر لیں۔ لڑکی نے ذرا گھبراتے ہوئے کہا۔
میں نے آپ کو جو ڈیڈ لائن دی تھی، آپ اس سے ایک دن لیٹ ہو۔
سوری میم، کل میں ایبسنٹ تھی۔
نور نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، لڑکی نے بھی آگے ہوتے ہوئے اپنی اسسائنمنٹ نور کو پکڑا دی۔ نور نے فائل لی اور نرمی سے کہا۔
ٹھیک ہے آپ جاؤ، میں کل چیک کر کے دے دوں گی۔
تھینک یو میم۔ لڑکی مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔
تم اسائنمنٹ چیک کرتی ہو؟
میں "میم تتھا" تھوڑی ہوں۔
دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔ کلاس کی پرانی یادیں جیسے زندہ ہو گئیں۔ ان کی کلاس نے اپنی ایک میم کا نام بگاڑ کر "تتھا" رکھا ہوا تھا۔ وہ کبھی کبھار کلاس میں آتی اور آتے ہی ان کا پہلا فرض کلاس کی بے عزتی کرنا ہوتا۔ پھر اسسائنمنٹ دے کر چلی جاتی۔ وہ اسسائنمنٹ کبھی چیک نہیں ہوئی۔
کافی دیر تک ہنسی مذاق چلتا رہا، پھر سیف نے اجازت لی اور آفس سے باہر نکل آیا۔ دروازے کے قریب سیف ایک لڑکی سے ٹکرا گیا۔
اہ۔۔۔ ائی ایم ریلی سوری۔ سیف کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
لڑکی اسے جاتے دیکھتی رہ گئی۔
یہ ہینڈسم کون تھا؟ وہ اندر داخل ہوتے ہی بولی۔
نور نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
کسی کو تو چھوڑ دیا کرو، کتنی دل پھینک ہو تم۔
ارے یار، واقعی ہینڈسم تھا، مجھے تو پہلی نظر میں ہی پسند آگیا۔
وہ اس قابل ہے کہ اس کو ہر کوئی پسند کر سکتا ہے۔ نور نے مسکرا کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔
کیا کہا تم نے؟ اونچی آواز میں کہو—
کچھ نہیں، میں نے کچھ نہیں کہا۔

ویسے تم نے بتایا نہیں، کہ کون تھا؟

تم باز نہیں آؤ گی۔ نور نے اپنا سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے کہا۔

باہر سیف سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ نیچے وہی گروپ اب کافی کے کپ ہاتھوں میں لیے کھڑا تھا۔ ان میں سے ایک لڑکی کی نظر سیف پر پڑی۔

سیف۔۔۔

لڑکی نے آہستہ سی آواز میں کہا۔

سیف سیڑھیاں اتر چکا تھا۔

باقی چاروں نے سیف کو دیکھا۔

سیف۔۔۔ لڑکی نے دوبارہ سیف کو آواز دی۔

سیف کے قدم تھمے نہیں۔ وہ آواز سن کر بھی رکا نہیں – سیف بڑے بڑے قدم لیتا وہاں سے چلا گیا۔

✦ ✦ ✦

مال میں ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ شیشے کی دیواروں سے جھلملاتی روشنی جب فرش پر پڑتی تو ایسا لگتا جیسے پورا مال جگمگا رہا ہو۔ پانچ منزلہ عمارت میں ہر فلور پر الگ الگ برانڈز کے بورڈ چمک رہے تھے اور لوگوں کی چہل پہل نے ماحول کو مزید زندہ بنا دیا تھا۔

ہارون اور حرا آگے چل رہے تھے، صفا نے دادی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور ان کے پیچھے آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھی۔ مومنہ صفا کے ساتھ چل رہی تھی۔ سب کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگ تھے – جیسے ہر کوئی خوشی کو اپنے ساتھ سمیٹ کر چل رہا ہو۔

صفا، ادھر آؤ، یہاں سے کپڑے دیکھتے ہیں۔

مومنہ نے کہا اور ایک شاپ میں داخل ہو گئی۔ سب اس کے پیچھے اندر چلے گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی سب مختلف سمتوں میں بکھر گئے۔ کوئی شرٹس دیکھنے لگا، کوئی جیولری تو کوئی ڈریسز۔ ہارون حسبِ معمول صوفے پر جا بیٹھا، مومنہ موبائل نکال کر سنیپس بنانے لگی۔

مومنہ۔۔۔

حرا نے مومنہ کو پکارا، ہاتھ میں ایک خوبصورت ڈریس تھامے۔

مومنہ اس کے پاس آئی۔
یہ کیسا ہے؟
مومنہ نے حرا کے ہاتھ سے ڈریس لے کر دیکھنے لگی، پھر حرا کے ساتھ لگا کر دیکھا۔
بہت اچھا ہے اور آپ پر سوٹ بھی کر رہا ہے۔
لے لوں؟ حرا نے ڈریس کو دوبارہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔
لے لیں آپی، آج تو بھائی ہارون ساتھ ہیں، ان کی جیب خالی کروانے کا موقع روز روز تھوڑی ملتا ہے۔
حرا اور مومنہ دونوں نے ہارون کی طرف دیکھا۔ ہارون بیٹھا موبائل چلا رہا تھا۔
اب یہ میرا ہوا۔ دونوں نے ہنسی دبانے کی کوشش کی، پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیں۔
دوسری طرف صفا نے دادی کے لیے ایک ڈریس نکالا۔
دادی، یہ والا اچھا لگے گا آپ پر۔
مائیاں والا رنگ وا، میں تے نہیں لیندی۔ خدیجہ بیگم نے ناک چڑھاتے ہوئے جواب دیا۔
دادی، اچھا تو ہے۔
میں تاں کوئی چنگا جیا رنگ لاواں گی۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئیں، صفا ڈریس ہاتھ میں لیے ان کو جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی۔
اسی لمحے صفا کا فون بجا — اسکرین پر سیف کا نام جگمگا رہا تھا۔
ہیلو۔۔۔
کہاں ہو؟ دوسری طرف سے سیف کی آواز آئی۔
بھائی تھرڈ فلور پر ہیں ہم۔
شاپ سے باہر آؤ، میں آ رہا ہوں۔ سیف نے اوپر تھرڈ فلور کی طرف دیکھ کر کہا۔
صفا نے فون بند کیا، ڈریس واپس رکھا اور شاپ سے باہر نکل گئی۔ کچھ لمحوں بعد سیف اوپر آ گیا۔
کتنی شاپنگ ہو گئی؟ اس نے صفا کے پاس آ کر پوچھا۔
بس دادی کے کپڑے لینے والے اور مومنہ کی بارات کا ڈریس رہ گیا ہے۔ باقی سب تقریباً ہو گیا۔
جلدی کر لو، اندھیرا ہو رہا ہے، واپس بھی جانا ہے۔

آپ نے اپنی شاپنگ نہیں کی؟

میں نے کر لی ہے۔

کہاں سے؟

یونیورسٹی کے پاس سے۔

دونوں باتیں کرتے ہوئے واپس شاپ میں داخل ہوئے۔ سیف ہارون کے ساتھ بیٹھ گیا۔ صفا نے دادی کی طرف دیکھا۔ خدیجہ بیگم کالے رنگ کی ساڑھی ہاتھ میں لیے کھڑی تھیں۔ صفا فوراً دادی کے پاس گئی۔

دادی، یہ ساڑھی ہے۔ واپس رکھ دیں۔ صفا نے ان کے ہاتھ سے ساڑھی لے لی۔

میں ساڑھی ہی تے لینی وا۔

ہوں۔۔۔ صفا نے اپنے ہونٹوں کو گول کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

ادھر مینوں پھڑا۔ خدیجہ بیگم نے صفا کے ہاتھ سے ساڑھی کھینچ لی۔

دادی آپ ساڑھی پہنیں گی؟

ہاں، مینو کی وا؟

دادی آپ کچھ اور دیکھ لیں۔

تو اپنی وی لئی اے میں وی لاوا گی۔

دادی میری بات اور ہے۔

کی اور وا؟

صفا کو سمجھ نہیں آرہا تھا۔ کہ وہ دادی کو کیا کہے۔

دادی یہ نہیں لینی۔ صفا نے دادی کے ہاتھ سے ساڑھی لینے کی کوشش کی، مگر خدیجہ بیگم نے جھٹ سے کھینچ لی۔

میں آج لے کے ہی جاواں گی۔

دادی۔۔۔ صفا کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی۔

دادی آپ سے سنبھالی نہیں جائے گی۔

او میرا مسئلہ وا۔

دادی ساڑھی لینا ضروری ہے کیا؟

ہاں۔۔۔

سیف نے صفا اور دادی کی طرف دیکھا تو اٹھ کر ان کے پاس آگیا۔

کیا ہوا؟

دادی کالے رنگ کی ساڑھی لینے کی ضد کر رہی ہے۔ صفا نے اپنی مسکراہٹ دبا کر کہا۔

دادی۔۔۔ سیف نے زور دیتے ہوئے کہا۔

میں اج لے کے ہی جاواں گی۔

دادی اس عمر میں ساڑھی پہنی ہوئی اچھی نہیں لگے گی۔ بالاخر صفا کے دل کی بات زبان پر آگئی۔

دور فٹے منہ تیرے تے، کی وا میری عمر نو۔

سیف اپنی ہنسی روک نہ سکا۔

دادی، آپ سے سنبھالی نہیں جائے گی۔

اوہ میرا مسئلہ وا، ساری عمر تیرے دادے نے مینوں ساڑھی نہیں لین دتی، ہن تسی وی روکدی او۔ خدیجہ بیگم نے جواب دیا اور ساڑھی سینے سے لگا لی۔

صفا اور سیف ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔

کچھ دیر کی بحث کے بعد آخرکار دادی کی ضد کے آگے دونوں ہار گئے۔ صفا نے ان کے لیے ساڑھی خرید لی۔

کنے دی آئی وا؟ شاپ سے باہر نکلتے ہوئے خدیجہ بیگم نے پوچھا۔

پتا نہیں دادی، بھائی سیف نے بل دیا ہے۔ صفا کو معلوم تھا کہ وہ قیمت سننے کے بعد بکی بکی رہ جائیں گی۔

چل، ہُن بارات دا جوڑا لے لیئے۔

جی دادی۔

مومنہ دیا باقی چیزاں مکمل ہو گئیاں؟

جی دادی۔

مومنہ۔۔۔

خدیجہ بیگم نے مومنہ کو پکارا۔

جی دادی۔

پوت، جیڑی چیز پسند اوے، او لی لا۔

جی دادی۔ مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

بوتیک کے شیشے کے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی پھولوں کی خوشبو نے سب کو گھیر لیا۔ چاروں طرف نرم گلابی روشنی تھی، دیواروں پر سنہری نقش و نگار اور مینیکن پر جھلمل کرتے عروسی لہنگے چمک رہے تھے۔

مومنہ نے دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے دائیں بائیں دیکھا۔ ہر لہنگا اپنی چمک میں ایک کہانی سنا رہا تھا — کہیں سرخ موتیوں کی چمک تھی، کہیں سونے کے دھاگے کی روشنی۔

یہ دیکھو مومنہ۔۔۔ حرا نے خوشی سے ایک لہنگا اٹھایا، جس پر زری اور موتی سے باریک کام کیا گیا تھا۔ ہارون بھی اسی کے ساتھ کھڑا تھا۔

یہ والا بالکل تم پر جچے گا۔

مومنہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ لہنگا دیکھا۔

اچھا ہے، لیکن میں اس سے تھوڑا گہرا رنگ لینا چاہتی ہوں۔

سیف صفا کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ ایک گہرے مرون رنگ کے لہنگے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صفا نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ لہنگا دیکھ کر صفا کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔

مومنہ، حرا اور ہارون ان کے قریب آ گئے۔ سیف نے وہاں سے اپنی نظریں ہٹا لی۔

مومنہ وہ والا دیکھو۔ صفا نے انگلی سے لہنگے کی طرف اشارہ کیا۔

میں یہ سب گاڑی میں رکھ آتا ہوں، تم لوگ دیکھ لو۔ سیف نے کہا۔

میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ ہارون نے فوراً سے کہا۔

جی بھائی۔ صفا نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

سیف اور ہارون شاپنگ بیگز ہاتھ میں لیے وہاں سے چلے گئے۔ مومنہ سیف کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

بس کر دو بہن، نظر لگاؤ گی اب میرے بھائی کو۔

صفا نے مومنہ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

مومنہ نے شرماتے ہوئے نظریں جھکا لیں، صفا کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

سفید رنگ، سیاہ آنکھیں، چمکدار سیاہ لمبے اور گھنے بال، بلیک بیگی ٹراؤزر شرٹ، کلائی میں گھڑی، ہاتھ میں موبائل لیے میرال سیکنڈ فلور پر کھڑی تھی۔ وہ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی — جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔ اچانک اس کی نظریں نیچے کی طرف گئیں۔ اس نے مال سے باہر جاتے ہوئے سیف کو دیکھا۔ میرال کے قدم جیسے زمین میں دھنس گئے۔ آج تین سال بعد اس نے سیف کو دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو سب کچھ رک گیا — صرف سیف کا چہرہ جو یادوں کے پردے سے ابھر آیا تھا۔ اس کے سینے میں درد کی ایک لہر اٹھی۔

چلو میرال۔ وانیہ نے پیچھے سے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

میرال نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بھر خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

بہت مشکل سے چینج کروایا ہے۔ کر ہی نہیں رہے تھے، کہہ رہے تھے سات دن میں ہی تبدیل کروا سکتے ہیں۔۔۔

وانیہ بولتی جا رہی تھی، مگر میرال کی سماعتیں بند تھیں۔ چلتے چلتے وہ ایک لڑکے سے ٹکرا گئی۔ اس کا موبائل زمین پر جا گرا۔

سوری، لڑکا بولا اور تیزی سے آگے نکل گیا۔

میرال اریو اوکے۔ وانیہ نے جلدی سے پوچھا۔

میرال نے ہاں میں اپنا سر ہلا دیا۔

وانیہ نے شک بھری نظر سے اسے دیکھا۔

میرال نے اپنا موبائل اٹھایا اور آگے بڑھ گئی۔

رات کے گیارہ بجے سب مال سے باہر نکلے تو تھکن اور بھوک چہروں پر نمایاں تھی۔

بھائی، بہت بھوک لگی ہے۔ مومنہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ہارون اور حرا آگے، مومنہ اور صفا پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ صفا ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ سیف اور خدیجہ بیگم دوسری گاڑی میں تھے۔ ہارون نے انجن اسٹارٹ کیا، سیف کی گاڑی برابر میں آکر رکی۔

کھانا کھانے چلتے ہیں؟ ہارون نے شیشہ نیچے کر کے سیف سے کہا۔

ٹھیک ہے۔ سیف نے مسکرا کر جواب دیا۔

گاڑیوں کے انجن چل پڑے، روشنیوں سے جگمگاتی سڑک پر دونوں گاڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رواں ہو گئیں

✦ ✦ ✦

رات گہری ہو چکی تھی۔ سڑک پر بکھری روشنیوں کے درمیان اندھیرا بھی جیسے سانس لے رہا تھا۔ گاڑیاں گزر رہی تھیں، ان کے ہیڈلائٹس کبھی چمکتے، کبھی غائب ہو جاتے — بالکل مریم کے دل کی طرح جو ہر لمحے ڈوب رہا تھا۔ وہ فٹ پاتھ پر زویا کی انگلی تھامے چل رہی تھی۔ چادر سے آدھا چہرہ چھپایا ہوا، جیسے وہ اپنے اور زویا کے وجود کو ہر چیز سے چھپانا چاہتی ہو۔

اچانک ایک موٹر سائیکل اس کے سامنے آکر رکی۔ موٹر سائیکل پر دو آدمی سوار تھے۔ ایک آدمی نیچے اترا اور اس کے قریب آکر رک گیا۔

ایک رات کے کتنے پیسے لوگی۔

مریم کی سانس جیسے کسی نے روک لی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہوئی، زویا کو اپنے پیچھے چھپا لیا۔

ارے شرماؤ نہیں۔۔۔ آدمی نے آگے بڑھ کر مریم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔

مریم نے پوری قوت سے اس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا۔

آدمی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، آنکھوں میں خون اتر آیا۔

تمہاری یہ جرات — کہ تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ؟

مریم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ زویا کو تھامے تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ دل بے قابو دھڑک رہا تھا، سانسیں اٹک اٹک کر چل رہی تھیں۔ پیچھے سے قدموں کی آواز پھر سنائی دی۔ مریم نے مڑ کر دیکھا — وہی آدمی دوبارہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

مریم نے اسے زور سے دھکا دے دیا۔ آدمی اپنا توازن کھو بیٹھا اور فٹ پاتھ سے نیچے جا گرا۔

مریم نے زویا کو اٹھایا اور سڑک پار کرنے لگی۔ گاڑیاں تیز رفتاری سے گزر رہی تھیں۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ایک نظر پیچھے ڈالی — وہ آدمی دوبارہ اٹھ چکا تھا، اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خوف نے مریم کے قدموں کو تیز کر دیا۔ سامنے سے ایک گاڑی پوری رفتار سے آرہی تھی۔ مریم نے بے اختیار ہاتھ فضا میں اٹھایا اور چیخ ماری — گاڑی اس کے بالکل سامنے آکر رک گئی۔ مریم نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس کا سانس بحال ہوا۔ گاڑی کا دروازہ کھلا۔

آپ ٹھیک ہیں؟

ایک نوجوان لڑکا اس کے سامنے کھڑا تھا — چہرے پر فکر اور آواز میں نرمی تھی۔

مریم نے بمشکل سر ہلایا۔ انکھوں سے انسو بہنے لگے۔

سیف، سب ٹھیک وا؟ گاڑی کے اندر سے آواز آئی۔

جی دادی، سب ٹھیک ہے۔

سیف نے پلٹ کر دیکھا، خدیجہ بیگم آہستہ آہستہ ان کی طرف آ رہی تھیں۔ اس نے دوبارہ مریم کی طرف دیکھا۔ زویا رو رہی تھی۔ دونوں کو روتے دیکھ کر سیف کے دل میں درد کی لہر اٹھی۔

آپ رو کیوں رہی ہیں؟ سیف نے نرمی سے پوچھا۔

مریم نے پیچھے کی طرف دیکھا — وہ آدمی اب جا چکا تھا۔

سیف نے مریم کی نظروں کا تعاقب کیا — وہاں کوئی نہیں تھا۔ خدیجہ بیگم قریب آئیں۔

کی ہویا، پُتّر؟

مریم خاموش رہی، لبوں پر کوئی لفظ نہیں آیا۔

پتا نہیں دادی، شاید ڈر گئی ہیں۔ سیف نے آہستہ سے کہا۔

اتنے میں ہارون، مومنہ، صفا اور حرا بھی وہاں پہنچ گئے۔

صفا، جا پانی لے کے آ۔ خدیجہ بیگم نے کہا۔

صفا فوراً گاڑی کی طرف دوڑی، پانی لائی۔ حرا نے نرمی سے مریم اور زویا کو فٹ پاتھ پر بٹھایا۔ مریم نے پہلے زویا کو پانی پلایا اور پھر خود پیا۔ اس کے آنسو اب دھیرے دھیرے تھم رہے تھے۔

مومنہ زویا کے ساتھ بیٹھ گئی۔

آپ کہاں رہتی ہیں؟ ہم آپ کو وہاں چھوڑ دیتے ہیں۔ ہارون نے نرمی سے کہا۔

مریم کی آنکھوں میں خالی پن تیر گیا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

پُتّ، تیرا کار کتھے اے؟ اب کے خدیجہ بیگم نے نرمی سے پوچھا۔

میرا کوئی گھر نہیں ہے — سچ ہی تو کہہ رہی تھی اگر اس کا اپنا کوئی گھر ہوتا تو آج اس طرح آدھی رات کو سڑک پر دربدر نہ ہو رہی ہوتی۔ لفظ اس کے ہونٹوں سے نکلے تو جیسے ہوا میں ٹھہر گئے۔

سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ خدیجہ بیگم نے آگے بڑھ کر مریم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

ساڈے نال چل پُتّر۔۔۔ رات بہت ہو گئی اے۔

نہیں۔۔۔ مریم نے فوراً انکار کیا۔

جن سے آپ بھاگ رہی ہیں، ان سے کب تک بھا گیں گی؟ کم از کم اس ننھی پری کا تو سوچیں۔
سیف نے آہستگی سے کہا۔ وہ زویا کی طرف دیکھ رہا تھا۔
مریم نے زویا کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل سہمی سی بیٹھی ہوئی تھی۔ مریم نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ چلنے پر راضی ہو گئی۔ اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔ صفا، مریم اور زویا کو ساتھ لے کر سیف کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔
تقریباً پانچ منٹ کے بعد سیف نے ایک جگہ کھانا کھانے کے لیے گاڑی روکی۔ سب گاڑی سے اتر کر اندر داخل ہوئے۔ ہر طرف روشنیاں جگمگا رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد کھانا آیا تو اس کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ سب کے منہ میں پانی بھر آیا۔ سب نے جلدی سے کھانا، کھانا شروع کیا۔ مریم زویا کو کھانا کھلا رہی تھی۔ جب حرا نے دھیرے سے پوچھا۔
آپ کا کیا نام ہے؟
مریم کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے فضا میں ٹھہر گیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔
سب کی نظریں مریم کے چہرے پر ٹھہر گئی۔
م۔۔۔ مریم۔
اور یہ پیاری سی گڑیا کا؟ مومنہ نے مسکرا کر پوچھا۔
یہ میری بیٹی، زویا ہے۔
صفا نے زویا کے گال کھینچے۔
یہ تو بہت زیادہ کیوٹ ہے۔ اس نے نرمی سے کہا۔
سب کے چہروں پر مسکراہٹ آئی۔
بالکل ماں ورگی اے۔ خدیجہ بیگم نے پیار بھری نظر سے کہا۔ مریم کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
جی دادی۔
مریم نے صفا کی طرف دیکھا اور پھر زویا کی طرف۔
کیا زویا میری طرح دکھتی ہے؟ اس نے خود سے پوچھا۔ شاید کبھی کسی نے اس کو بتایا ہی نہیں۔
رات کے ایک بج چکے تھے۔ واپسی کا سفر خاموشی میں گزرا۔ زویا مریم کی گود میں سو گئی تھی، مریم کی نظریں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ باہر درخت پیچھے بھاگ رہے تھے – جیسے ماضی دور جا رہا ہو۔

تین بجے جب گاڑی گاؤں پہنچی، تو سناٹے میں بس پہرے دار کی سیٹی گونج رہی تھی۔ سیف نے دروازہ کھولا، لائٹیں جلائیں۔ مریم کی نظریں اس اجنبی مگر محفوظ گھر پر رک گئیں۔ سیف خدیجہ بیگم کو پکڑے اندر لے جا رہا تھا۔

آؤ، اندر آجاؤ۔

صفا نے نرمی سے کہا۔ وہ انہیں گیسٹ روم میں لے گئی۔ مریم نے زویا کو بیڈ پر لٹایا۔ صفا نے الماری سے اپنے کپڑے نکال کر دیے۔

آپ فریش ہو جائیں۔

مریم کپڑے پکڑ کر واش روم کی طرف چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد مریم واپس آئی تو صفا نے الماری میں سے رات کو لینے کے لیے ان کو چادر نکال کر دی۔

اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو سامنے والا کمرہ میرا ہے، آپ مجھے کہہ سکتی ہیں۔

مریم نے خاموشی سے سر ہلایا۔

اور کچن بالکل ساتھ ہے، کچھ چاہیے ہو تو لے لیجیے گا۔

صفا مسکرا کر دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

مریم نے زویا کے ماتھے پر بوسہ دیا اور بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ کھڑکی کے باہر چاند ادھورا تھا، مگر اس رات پہلی بار مریم کے دل میں سکون کی ایک مدھم سی کرن اتر آئی تھی۔

✦ ✦ ✦

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ ہلکی سی دھوپ کھڑکی سے اندر آ رہی تھی، گرد کے ذروں پر ٹھہر کر سنہری ہو رہی تھی۔ میرال صوفے پر بیٹھی — بکھرے ہوئے بال، سرخ آنکھیں، چہرے پر رات بھر کی بے خوابی کے آثار۔ وہ خاموشی سے باہر دیکھ رہی تھی، جیسے سورج سے روشنی نہیں، کوئی جواب مانگ رہی ہو۔

چند لمحے بعد اس نے موبائل اٹھایا۔ واٹس ایپ کھولی — سب سے اوپر نورالعین کا نام چمک رہا تھا۔ میرال نے چیٹ اوپن کی۔

کل میں نے سیف کو دیکھا۔ وہ یونیورسٹی آیا ہوا تھا۔

ایک لمحے کو میرال کی سانس رک گئی۔

یونیورسٹی۔۔۔ اس کے لبوں سے بس اتنا نکلا، میرال نے اپنی نظر موبائل سے ہٹا لی۔ اس نے باقی کے میسجز نہیں پڑھے۔ وہ کچھ دیر ساکت بیٹھی رہی۔

نور۔۔۔ میرال آہستہ سے بولی۔

ہاں، وہ نور سے ملنے آیا ہوگا، جیسے خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ صوفے سے اٹھی۔ انگلیاں تیزی سے موبائل کی اسکرین پر چلنے لگیں۔

ایک، دو، تین کالز—بیل بجتی رہی، پھر بند ہو گئی۔

پلیز، نور۔۔۔ کال اٹھاؤ۔۔۔

اس نے دوبارہ کال کی، مگر اس بار لائن کٹ گئی۔

کیا مصیبت ہے۔ میرال اچانک پھٹ پڑی۔ موبائل بیڈ پر پھینکا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا۔ وانیہ اندر آئی۔

میرال۔۔۔

میرال نے وانیہ کی طرف دیکھا۔

میرال، یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟

میرال کے لب کپکپائے۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

وانیہ فوراً اس کے قریب آئی، کندھے سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا۔

کیا ہوا ہے؟ اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

میرال نے بمشکل لب کھولے۔

میں پھر سے وہیں آ کر کھڑی ہو گئی ہوں۔۔۔

کیا مطلب؟ وانیہ کے چہرے پر فکر ابھر آئی۔

میں نے کل، مال میں سیف کو دیکھا تھا۔ میرال کی آواز بکھر گئی۔

سیف۔۔۔؟

ہاں۔

وہ وہاں کیا کر رہا تھا؟

پتہ نہیں۔۔۔ میرال کے الفاظ ٹوٹنے لگے۔
میں نے بہت مشکل سے خود کو سنبھالا تھا۔ بہت مشکل سے۔ میں چاہتی تھی کہ میں اسے بھول جاؤں، لیکن وہ۔ وہ پھر سامنے آگیا۔ جیسے وقت نے میرا مذاق اڑا دیا ہو۔
میرال ایک لمحے کے لیے ٹھہری۔
میں پھر وہیں آگئی ہوں۔
وانیہ کے دل میں درد کی لہر دوڑی۔ اس نے آہستہ سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔
شششش۔۔۔ بس، رونا بند کرو۔
اسی لمحے میرال کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے فوراً فون اٹھایا۔
ہیلو؟
دوسری طرف نور تھی۔ پیچھے شور تھا۔ شاید وہ کلاس روم کے باہر کھڑی تھی۔
کل سیف تم سے ملنے آیا تھا؟ میرال نے سیدھا سوال کیا۔
نور لمحہ بھر خاموش رہی، پھر دھیرے سے بولی۔
ہاں، آیا تھا۔
مجھے اس کے گھر کا پتا چاہیے۔
مجھے نہیں معلوم۔
وانیہ پریشان چہرہ لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
نور، پلیز۔۔۔ اس کے لہجے میں منت تھی۔
مجھے سچ میں نہیں معلوم۔ نور نے جلدی سے کہا اور فون بند کر دیا۔
میرال چند لمحے خاموش بیٹھی رہی، پھر آہستہ سے سر پکڑ لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
تم اس سے کیوں ملنا چاہتی ہو، میرال؟
میں اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ بس ایک بار۔
شاید اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے۔
پہلے رونا بند کرو۔ خود کو سنبھالو۔

میرال نے سر جھکا لیا۔
اس کے آنسو خاموشی سے گالوں پر بہتے رہے – جیسے دل کے اندر برسوں سے روکی ہوئی بارش آخرکار زمین پر آگری ہو۔
وانیہ میرال کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔

✦ ✦ ✦

باہر کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اندر سے کسی کی دبی دبی رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گھر کے بیچوں بیچ لوگ جمع تھے، چہرے سنجیدہ، فضا بوجھل۔ وہاب کی ماں چارپائی کے کنارے بیٹھی تھی – بال بکھرے، آنکھیں سرخ اور دونوں ہاتھ سر پر رکھے ہچکیوں سے کانپ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر پہلے کچھ لوگ وہاب کو اٹھا کر لے گئے تھے۔
ہائے میں برباد ہو گئی۔۔۔ میرا وہاب۔۔۔
اس کی آواز میں ایسا درد تھا کہ اردگرد کھڑے لوگ بھی سہم گئے۔
ڈائن۔۔۔ میرے گھر کو برباد کر گئی۔۔۔
وہ ہر لفظ کے ساتھ سر پیٹتی، مریم کو کوستی جا رہی تھی۔ اس کے دل میں جو طوفان اٹھ رہا تھا، وہ سب بغیر سوچے سمجھے زبان پر آ رہا تھا۔
صحن کے ایک کونے میں محلے کی عورتیں سر جوڑ کر کھڑی تھیں۔ سرگوشیاں فضا میں زہر کی طرح گھل رہی تھیں۔
برے کام دا برا انجام۔۔۔ مریم نوں رُلاندی سی، آج آپ رو رہی اے۔۔۔
ایک عورت نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
ہاں بہن۔۔۔ جب مریم کو فراح کے بارے میں پتا چلا تھا۔۔۔ وہ بھی ایسے ہی چیخی تھی۔ لیکن ترس؟ ترس تو انہیں کبھی آیا ہی نہیں۔
نگینہ نے اپنی چادر سنبھالتے ہوئے بات میں تیزی سے حصہ ڈالا۔
اہ۔۔۔ ساتھ کھڑی عورتوں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا، جیسے بات کی سنگینی مزید بڑھ گئی ہو۔
وہاب کی ماں پھر چیخی۔
پتہ نہیں میرا بیٹا کہاں ہوگا۔۔۔ کس حال میں ہوگا۔۔۔ میرا فرمانبردار بچہ۔
میں لٹ گئی۔۔۔ ہمارے منہ پر کالک مل کر چلی گئیں۔۔۔ ہائے میں برباد ہو گئی۔۔۔ میرا وہاب۔۔۔

نگینہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہاب کی ماں کی ہر بات کا جواب دے کر اس کی زبان بند کر دے، مگر ماحول اور وقت نے اسے روک رکھا تھا۔

ہائے میرا وہاب۔۔۔

نگینہ اچانک غصے سے پلٹی اور تیز قدموں سے جاتے ہوئے بولی۔

دفعہ دور کالا منہ، نیلے پیر۔ کم عقل۔

نگینہ کے جاتے ہی صحن میں ایک خاموشی اتر آئی۔

✦ ✦ ✦

صبح کی دھوپ آہستگی سے کھڑکیوں پر پھیل رہی تھی۔ کچن میں ٹوسٹ، انڈوں اور چائے کی خوشبو ایک مانوس سا سکون بکھیر رہی تھی۔ سب لوگ ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

مریم اور زویا کہاں ہیں؟ سیف نے چائے کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

بھائی، مریم زویا کو سلا رہی ہے۔ صفا نے نرم لہجے میں کہا۔

صفا، اتھے کھاندہ سواد ہی نہیں آندا۔

دادی اپنی چارپائی نہیں بھولتیں۔۔۔ بس اسے ہی یاد کر رہی ہیں۔ سیف نے ہلکا سا مسکرا کر جواب دیا۔

ہاں، ساریاں کڈ کے سین وچ رکھو۔ ویسے وی شادی نوں دو دن رہ گئے۔ پرونیاں واسطے چائے دیاں ہون گیا۔۔۔

دادی ابھی چار دن پڑے ہیں۔ صفا نے نرمی سے یاد دلایا۔

تو سکینہ نوں بلوا کے ساری صفائی کرا لا۔

جی دادی، بلواتی ہوں۔ صفا نے فوراً کہا۔

صفا، آج مریم اور زویا کو ساتھ لے جا کر ان کے کپڑے خرید لیتے ہیں۔ سیف نے نوالہ لیتے ہوئے کہا۔

جی بھائی۔

اسی لمحے دروازے کی بیل بجی۔ سیف اٹھا اور باہر گیا۔ دروازہ کھولا۔

سامنے بائیس سالہ حارث کھڑا تھا — گندمی رنگ، سرمئی آنکھیں، ماتھے پر بکھرے بال، ہلکی شیو، نیلے رنگ کی شرٹ اور بیگی پینٹ — ایک ہاتھ ٹرالی بیگ پر ٹکا ہوا۔ وہ ہمیشہ کی طرح بےنیازی میں بھی پرکشش لگ رہا تھا۔

سیف اس کو دیکھ کر ذرا حیران ہوا۔

نوکر، میرا بیگ اندر لے آؤ۔ حارث نے سرد لہجے میں کہا اور خود اندر چلا گیا۔

سیف نے بے اختیار سر جھٹکا۔

اگیا ڈرامے باز۔۔بیگ اندر لاتے ہوئے بڑبڑایا۔

حارث سیدھا کچن کی طرف گیا۔ جہاں اسے یقین تھا کہ سب وہی پر ہوں گے۔

ہیلو گائز۔ اس نے کچن کے دروازے سے زور سے آواز لگائی۔

صفا اور خدیجہ بیگم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ صفا نے ہنسی چھپانے کے لیے ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔

حارث آگے بڑھ کر خدیجہ بیگم کے پاس کھڑا ہوا، اس نے اپنی آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

آپ ذرا بھی نہیں بدلی۔ پہلے کی طرح ہی خوبصورت۔

حارث، جب بھی سیف لوگوں کے گھر آتا تو خدیجہ بیگم کی اسی طرح تعریفیں کرتا رہتا۔

خدیجہ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے ہنس کر کہا۔

ارے۔ بس رہنے دو۔

حارث نے جھک کر پیار لیا اور ان کے برابر بیٹھ گیا۔

سچ میں دادی۔۔۔

یہاں اور بھی لوگ موجود ہیں۔ صفا نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

حارث نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سیف واپس آبیٹھا۔

جناب کے تیور تو ساتویں آسمان پر پہنچے ہوئے ہیں آج۔

دادی، آپ مجھے اپنے ان پیارے ہاتھوں سے ناشتہ بنا کر دیں۔ حارث نے خدیجہ بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ہنّی بنا کے دِندی آں۔ دادی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

باقی سب نہیں آئے؟ سیف نے پوچھا۔

حارث خاموش رہا۔

کلا آیا وا؟ اب کی بار خدیجہ بیگم نے سوال کیا۔

جی دادی۔ باقی سب ہفتے والے دن آئیں گے۔
صحیح، دادی اٹھ کر دوسرے کاموں کی طرف بڑھ گئیں۔
سیف نے ہلکے سے گہرا سانس لیا۔
صفا، آج مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔ تم اس کے ساتھ بازار چلی جانا۔
جی بھائی۔ صفا نے سیف کی طرف دیکھ کر کہا۔
حارث نے نظریں ان دونوں پر گھمائیں۔
اور دھوبی کو جو کپڑے دینے ہیں، وہ بھی اس کو دے دینا، یہ دے آئے گا۔
جی بھائی۔
اور جو کھانے کا سامان لانا ہے وہ؟ صفا نے یاد دہانی کروائی۔
اختر آئے گا، اس کو کہنا — پھر یہ دونوں ساتھ جا کر لے آئیں گے۔
واٹ ڈو یو مین۔۔۔؟ دونوں لے آئیں گے؟
میں یہاں کام کروانے آیا ہوں کیا؟
سیف نے فوراً جوابی وار کیا۔
تو اور کیا؟ تمہیں مفت کی روٹیاں توڑنے کے لیے رکھ لیں؟
میں تو کوئی کام نہیں کروں گا۔
صفا اپنی ہنسی روک نہ سکی اور زور سے ہنس پڑی۔
شٹ۔۔۔ حارث نے اپنا ہاتھ میز پر مارا۔ اس کو سمجھ آ گئی۔ کہ یہ دونوں مذاق کر رہے ہیں۔
بول ہی پڑا آخر۔۔۔ سیف نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
دادی نے حارث کے سامنے ناشتہ رکھا۔ حارث نے پہلا نوالہ لیتے ہی آنکھیں بند کر لیں۔
ہمم۔۔۔ اف۔۔۔ کیا ذائقہ ہے آپ کے ہاتھ میں —
پہلے کھا تو لو صحیح سے، پھر تعریف کرنا۔ صفا نے چھیڑا۔
تو چپ کر۔ دادی نے صفا کے کندھے پر ہلکا سا تھپڑ مارا۔
سیف خاموشی سے چائے پیتا رہا۔

حارث ناشتہ ختم کر کے سیدھا سیف کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ دادی سکینہ کو گھر کے کام بتانے لگیں۔ صفا مریم کے پاس چلی گئی اور سیف زینوں پر جانے کے لیے نکل گیا۔

گھر میں ایک بار پھر زندگی اپنی رفتار سے چلنے لگی۔

✦ ✦ ✦

پرانے درخت کی گھنی چھاؤں تلے سیف خاموشی سے کھڑا چاروں طرف لہراتی سبز فصلوں کو دیکھ رہا تھا۔ ارد گرد ٹریکٹر اور ٹیوب ویل چلنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ درخت کے چند قدم آگے ایک گہرا کنواں تھا۔ درخت کے عین نیچے ارحم اور گاؤں کے پانچ چھ لڑکے ٹیوب ویل کے ٹھنڈے پانی میں نہاتے ہوئے قہقہے لگا رہے تھے۔ ٹیوب ویل کا پانی کھالیں میں سے بہتا ہوا فصلوں میں غائب ہو رہا تھا، جیسے زمین خود پیاسے ہونٹوں سے اسے پی رہی ہو۔ سکول کے بچے مٹی اڑاتے گھروں کی طرف جا رہے تھے۔ کچھ نے بیگ کندھے کے پیچھے لٹکایا ہوا تھا، کچھ نے اسے سینے پر ٹکا کر ڈول بنایا ہوا تھا اور کچھ بچے تو بیگز گھما گھما کر مقابلہ کر رہے تھے۔ سب کی شرٹ پینٹ سے باہر تھیں اور جوتوں پر مٹی کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی، مگر ان کے چہروں پر خوشی کی چمک تھی۔

تم بھی آجاؤ۔ ارحم نے پانی سے سر نکالتے ہوئے سیف کو آواز دی۔

سیف نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ نہ میں سر ہلایا۔

آجاؤ یار۔ اس بار ارحم کی آواز ذرا اونچی تھی۔

باقی لڑکوں نے بھی آنے کا کہا۔

نہیں۔۔۔ سیف نے دوبارہ سے نہ میں سر ہلایا۔

ارحم نے کچھ بڑبڑاتے ہوئے پانی سے نکل کر قدم پونچھے اور اگلے لمحے سب لڑکے اس کے ساتھ کھڑے تھے۔

تمہیں پیار کی زبان سمجھ نہیں آتی۔

ارحم نے سیف کو دائیں جانب والے بازو سے پکڑا۔ ان میں سے ایک لڑکے نے آگے بڑھتے ہوئے سیف کے بائیں جانب والے بازو کو پکڑا۔

نہیں کرو یار۔ سیف نے ارحم کی طرف منہ کرتے ہوئے کہا۔

ارحم نے ہنستے ہوئے اپنی گرفت مضبوط کی، دوسرے لڑکے بھی شرارت میں شامل ہو گئے۔

چلو، اب اس کی ٹانگیں پکڑو۔

ارحم نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
دو لڑکوں نے آگے بڑھ کر سیف کی دائیں جانب والی ٹانگ کو پکڑا۔
سیف نے اپنے آپ کو مشکل سے سنبھالتے ہوئے خود کو چھڑوانے کی ایک ناکام کوشش کی۔
باقی کے دو لڑکوں نے آگے بڑھتے ہوئے سیف کی بائیں جانب والی ٹانگ کو پکڑا۔ اگلے ہی لمحے سیف ہوا میں جھولتا ہوا چیخنے لگا جبکہ سب کے چہروں پر شرارتی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔
ارحم۔۔۔ نہیں کرو یار۔۔۔
اس کی آخری التجا ٹیوب ویل اور ٹریکٹر کے شور میں دب گئی۔
سب سیف کو ہوا میں لہراتے ہوئے ٹیوب ویل کے پاس لے گئے۔
نہیں کرو یار۔۔۔ چھوڑ دو۔۔۔ سیف نے دوبارہ سے التجا کی۔
چلو۔۔۔
ارحم نے اشارہ دیا اور سیف سیدھا ٹھنڈے پانی میں گرا۔ پانی اچھل کر دور تک چھینٹے چھوڑ گیا اور سب زور سے ہنستے ہوئے اپنی اپنی جگہ سے ذرا پیچھے کو ہٹے۔
سیف نے جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اپنا چہرہ پانی سے باہر نکالا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرے سے پانی صاف کیا۔ اب کے سیف کے بال اس کے ماتھے کے اوپر تھے۔ سیف سردی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ باہر نکلا اور فوراً ارحم کے پیچھے بھاگا۔
ارحم کھالے کے اوپر سے چھلانگ لگاتا ہوا فصلوں کی طرف بھاگ گیا اور سیف کھڑا اسے گھورتا رہ گیا۔ ارحم دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔
ارحم کا موبائل بجنے لگا۔ سیف نے ایک نظر کرسی پر رکھے موبائل کو دیکھا اور پھر ارحم کو۔
تمہارا فون آرہا ہے۔ سیف نے آواز لگائی۔
ارحم نے واپس آکر بھیگے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کرسی سے موبائل اٹھایا۔
بھائی۔۔۔ آپ فوراً گھر آجائیں۔ دوسری طرف سے مومنہ کی آواز آئی۔
سب خیریت تو ہے؟ ارحم چونکا۔
جی۔۔۔

اچھا آتا ہوں۔

جلدی۔۔۔ اور کال کاٹ دی گئی۔

کیا ہوا؟ سیف نے پوچھا۔

گھر بلا رہے ہیں — کوئی کام ہوگا۔

سیف اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

چل، میں چلتا ہوں۔ ارحم نے سیف کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

مجھے بھی گھر چھوڑ دینا۔

آجاؤ۔۔۔

دونوں بائیک پر بیٹھے اور دھول اڑاتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ پیچھے ٹیوب ویل کا پانی پھر چھینٹے مارنے لگا اور باقی لڑکے نئی شرارتوں کے ساتھ دوبارہ نہانے میں مصروف ہو گئے۔

✦ ✦ ✦

ارحم نے ٹی وی لاونج میں قدم رکھا تو سامنے مومنہ پرانے کپڑے پہنے، بال کیچڑ میں بے دھیانی سے باندھے، چھت سے جالے اتارنے میں مصروف تھی۔ وہ جیسے ہی میز سے نیچے اتری، اس نے تیزی سے آواز لگائی۔

اماں، ارحم آگیا ہے۔

سٹڈی روم سے نکلتی اسماء نے ارحم کی طرف دیکھا تو ارحم سنجیدہ لہجے میں بولا۔

کیا ہوا؟

مومنہ نے ہنسی دباتے ہوئے سر جھٹکا۔

کچھ خاص نہیں، بس اماں مجھ سے گھر کے کام کروا رہی تھیں تو میں نے سوچا، میں اکیلی کیوں کروں؟ تمہیں بھی ساتھ لگواتی ہوں، اس لیے کال کی تھی۔

ارحم کے ماتھے پر ناگواری کی لکیریں ابھر آئیں۔

ارحم تم جلدی سے پنکھے صاف کرنا شروع کرو۔ اسماء نے حکم سنایا۔

اماں، ابھی تو کافی دن پڑے ہیں، کر لیں گے آرام سے۔

نہیں۔ اسماء نے ہاتھ کمر پر رکھے۔

کل تمہاری پھوپھو آرہی ہے اور اب آہستہ آہستہ مہمان آنا شروع ہو جائیں گے۔ اس لیے جلدی سے کام پر لگ جاؤ۔ وہ ابھی سے کیا کرنے آرہی ہے۔

ارحم۔۔۔ اسماء نے ارحم کو گھورا۔

اماں کیا ہے۔ ایسے ہی آکر روک ٹوک شروع کر دیتی ہیں، یہ کام اپنے گھر میں کیا کریں۔ ارحم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

چلو، تم جلدی کام شروع کرو۔

اچھا، تھوڑی دیر بعد—

نہیں ابھی کرو، ابھی بہت سے کام پڑے ہیں، آج ہی نمٹانے ہیں۔

اماں، مہمانوں نے کون سا پنکھے کے اوپر بیٹھنا ہے۔

مومنہ بے اختیار ہنسی۔

اسماء کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

تیرے دانت بڑے نکلنے لگ گئے ہیں۔

ارحم نے ہونٹوں میں ہنسی دبائی، اماں کی دیسی ماں جاگ گئی۔۔۔

تیرے وی زبان زیادہ نہیں کھل گئی۔ اسماء نے غصے سے گھورا۔

مومنہ نے چپکے سے ارحم کو منہ چڑا دیا۔ ارحم نے تیکھا سا گھورا تو وہ شرارت سے زبان نکال کر مزید چڑانے لگی۔

جلدی توڑو آگے۔

اسماء نے ارحم کا بازو کھینچا۔

اب گھر کے پنکھے، کھڑکیاں، جالے اور پتہ نہیں کیا کیا صاف ہوگا۔

کچھ دیر کے بعد ارحم کچن میں کافی بنانے کے لیے چلا گیا۔

میری کافی۔۔۔

مومنہ نے ارحم کو کچن میں کھڑے کافی بناتے ہوئے دیکھا تو اس کی طرف لپکی اور اس کے ہاتھ سے کافی والا جار لے لیا۔

ایک چمچ ہی لوں گا، مر کیوں رہی ہو؟

نہیں دینی۔ مومنہ جار سینے سے لگا کر بولی۔
اپنے پیسوں سے لائی ہوں۔ تم بھی جا کر لے آؤ۔
ارحم نے آگے بڑھ کر جھٹکے سے جار چھین لیا۔
اماں۔۔۔ ارحم مار رہا ہے۔
توبہ استغفر اللہ، کتنے جھوٹ بولتی ہوں تم۔
میری کافی واپس کرو۔ مومنہ ارحم سے جار چھیننے کی کوشش کرنے لگی۔
نہیں دے رہا، کر لو جو کرنا ہے۔
ارحم نے اپنا ہاتھ ہوا میں بلند کر لیا۔
اماں۔۔۔
ہور اچی پنکو سارے محلے نو سناؤ۔ اسماء کچن میں آتے ہی بولی۔
اماں میری کافی نہیں دے رہا۔
اماں، میں صرف ایک چمچ لے رہا ہوں۔ ارحم فوراً صفائی دینے لگا۔
تو مر جائے گا، جے نہ پیے گا؟
اسماء بڑبڑاتی واپس مڑی ہی تھی کہ وہ ہمدان صاحب سے ٹکرا گئی جو اب کچن میں داخل ہوئے تھے۔
کیوں لڑ رہے ہو؟ آوازیں باہر تک جا رہی ہیں۔ وہ سخت لہجے میں بولے۔
کافی تو لڑن دے ا۔
اسماء ان کو ہمدان صاحب کے حوالے کر کے باہر نکل گئی۔
کچھ شرم کر لو تم دونوں۔۔۔ ہمدان صاحب نے دونوں کو گھورا۔
مومنہ اور ارحم خاموش ہو گئے۔
ہمدان صاحب دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ—
مومنہ نے اچانک دھاوا بول کر جار چھیننے کی کوشش کی، ارحم کے ہاتھ پھسلے اور جار زور سے فرش پر جا گرا۔
ہمدان صاحب نے ایک نظر دونوں کو ایسی ڈالی کہ دونوں ساکت ہو گئے۔ پھر سر جھٹک کر باہر چلے گئے۔
مومنہ نے غصے سے ارحم کے بازو پر مارا، تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔

ارحم قہقہہ لگاتا ہوا باہر نکلا۔

اچھا ہوا، تمہارے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

دروازے پر پہنچ کر وہ رکا، شرارت سے بولا۔

ویسے ایک بات بتاؤں؟ میں پہلے بھی تمہاری کافی چمچ بھر بھر کے دودھ میں ڈال کر پیتا ہوں۔

مومنہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

تم سے پیسے نکلوا کر رہوں گی، دیکھ لینا۔

ارحم ہنستا ہوا چلا گیا۔

مومنہ نے ٹوٹے ہوئے جار کو دیکھا اور سینے پر ہاتھ رکھا۔

ہائے اللہ۔۔۔ میری کافی۔۔۔

اس کی رونے والی شکل بنتی ہی جا رہی تھی۔

✦ ✦ ✦

سیف گھر کے اندر داخل ہوا۔ آستینوں کے کف وہ آہستہ آہستہ فولڈ کر رہا تھا۔ قدموں میں ٹھہراؤ تھا، مگر چہرہ جھکا ہوا۔ کف فولڈ کرنے کے بعد اس نے سر اٹھایا— اس کی نظر سیدھی دیوار پر بیٹھے مکاؤ پر جا ٹھہری۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کھل گئی۔

سیف نے آہستہ سے اپنے ہونٹ گول کیے، آنکھوں میں چمک ابھری— اگلے ہی لمحے، اس نے زور سے سیٹی ماری۔

ہوا میں اچانک ایک تیز سیٹی کی آواز گونجی۔ وہ آواز جیسے ہوا کو چیرتی ہوئی کانوں تک پہنچی ہو۔

کچن کے سامنے صحن کی سیڑھیوں پر بیٹھی زویا چونک کر سیدھی ہوئی، اس نے سیف کی طرف دیکھا، مگر سیف کی نظریں صرف مکاؤ پر جمی تھیں۔

مکاؤ نے آواز پہچان لی تھی۔ وہ ہلکا سا جنبش لیتا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے پَر پھیلائے، اوپر کے پَر نیلے آسمان جیسے گہرے اور ٹھنڈے— نیچے کے پَر چمکتے ہوئے سنہری زرد جیسے کسی صبح کا پہلا نور— اس کی چونچ مضبوط، سیاہ اور چمکدار تھی۔ آنکھوں کے گرد سفید ہلکی جلد کا دائرہ جس کے بیچ میں چمکتی سیاہ آنکھیں۔ ہر پَر کے ہلنے سے ایک نرم سی سرسراہٹ پیدا ہوئی۔

اگلے ہی لمحے وہ آکر سیف کے کندھے پر بیٹھ گیا۔ ہلکی سی ہوا اس کے پروں سے گزری اور سیف کے چہرے پر رنگوں کی جھلکیاں ناچ گئیں۔ مکاؤ نے اپنی چونچ سے سیف کے کالر کو ہلکے سے چھوا اور ایک مختصر سی کُوک نکالی۔

زویا اس منظر کو دم سادھے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت پھیل گئی۔ ایسے جیسے کوئی جادو اس کے سامنے ہو رہا ہو۔

سیف نے زویا کو دیکھا۔ نرمی سے اس کی طرف قدم بڑھائے، پھر اس کے قریب آکر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ زویا ہلکا سا پیچھے ہوئی۔

سیف نرم لہجے میں بولا۔

ڈرو نہیں۔۔۔ یہ کچھ نہیں کہتا۔

زویا کے لبوں پر ہلکی سی لرزش آئی۔ وہ چند لمحے تک مکاؤ کو دیکھتی رہی۔

سیف مکاؤ کو زویا کے قریب لے گیا۔ اس کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے اپنا سر ہلایا، جیسے کہہ رہا ہوں۔ اس کو ہاتھ لگاؤ۔

زویا نے نرمی سے مکاؤ کے پروں پر ہاتھ پھیرا۔ پَر مخمل کی طرح نرم اور گرم تھے۔

مکاؤ نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں، پھر سیف کے کندھے پر ہلکی سی چونچ ماری۔ زویا کے چہرے پر حیرت کے ساتھ مسکراہٹ ابھری۔

دیکھا؟ یہ کچھ نہیں کہتا۔ اور یہ بولتا بھی ہے۔

کب۔۔۔؟ زویا نے بے اختیار کہا۔

کبھی کبھار، جب اس کا دل ہو۔

سیف نے مکاؤ کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا۔

یہ زویا ہے۔ ہماری ننھی سی گڑیا۔

مکاؤ نے ایک آنکھ جھپکی، پھر نرم مگر صاف آواز میں کہا۔

زویا۔۔۔ زویا۔۔۔

زویا کی آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں۔ اس نے پہلے مکاؤ کی طرف دیکھا اور پھر سیف کی طرف۔

کچھ لمحے تک دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی، لیکن وہ خاموشی بھاری نہیں تھی — مکاؤ کبھی زویا کو دیکھتا اور کبھی سیف کو، جیسے وہ دونوں کے درمیان کسی پوشیدہ بندھن کا گواہ ہو۔

اسی خاموشی میں دروازے سے صفا کی آواز ابھری۔

زویا۔۔۔

سیف چونک کر پلٹا۔ صفا دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی تھی، لیکن اس کا چہرہ باہر صحن کی طرف نہیں تھا۔

اسی پل مکاؤ نے ایک تیز کُوک ماری۔ اس کے پَر ہوا میں پھیل گئے۔ رنگوں کی چمک ایک لمحے کو آنکھوں میں ٹھہر سی گئی — اور پھر وہ اڑ گیا۔

زویا نے گردن اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ مکاؤ نے صحن میں ایک چکر لگایا اور پھر آہستہ آہستہ آسمان کی نیلاہٹ میں گم ہو گیا۔ کچھ لمحے تک ہوا میں اس کے پروں کی سرسراہٹ گونجتی رہی — جیسے زویا نے وہ لمحہ یاد رکھنے کے لیے سانس روک لی ہو۔

صفا آہستہ سے آگے بڑھی، اس نے سیف کو دیکھا۔ سیف اپنی جگہ سے کھڑا ہو رہا تھا۔

بھائی، آپ کب آئے؟

ابھی تھوڑی دیر پہلے۔

زویا کی نظریں اب صفا کے چہرے پر ٹھہر گئی تھی۔

کھانا گرم کر دو؟

نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔

صفا نے زویا کو دیکھا، پھر آہستہ سے بولی۔

بازار چلیں؟ ورنہ دیر ہو جائے گی۔

ہاں، بس میں کپڑے تبدیل کر لو۔

جی بھائی۔

حارث کہاں ہے؟

بھائی، سو رہا ہے ابھی تک۔

سیف نے سر ہلایا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

زویا خاموشی سے صفا کے ساتھ چل پڑی – مگر اس کی آنکھوں میں ابھی تک مکاؤ کا رنگ تیر رہا تھا۔

روشنیوں سے جگمگاتے مال میں صفا اور مریم ڈریسز دیکھ رہی تھیں۔ ریکوں پر مختلف رنگوں کے ملبوسات ترتیب سے سجے تھے – کچھ نرم روشنیوں میں دمک رہے تھے، کچھ کپڑے اپنی تہوں میں جیسے کسی ان کہی کہانی کو چھپا رہے تھے۔ صفا ہر ذرا سی چیز پر خوشی سے مریم کی رائے پوچھتی، مگر مریم کی مسکراہٹ ہر سوال پر بس ایک لمحے ٹھہر کر بجھ جاتی۔ اس کی آنکھوں میں جھجک تھی، کچھ فاصلے پر سیف، دونوں کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ قریب ہی زویا کھڑی تھی – مگر اس کی نظریں بار بار آہستگی سے سیف کی طرف اٹھ جاتیں، جیسے اس کے دل میں کوئی نیا سا احساس جنم لے رہا ہو۔

سیف نے نرمی سے ہاتھ کے اشارے سے اسے بلایا۔

زویا ایک پل کو ٹھٹکی، پھر نظریں جھکا کر وہیں کھڑی رہی، اس کے لیے لوگ اور جگہ دونوں ہی اجنبی تھے – سب کچھ اس کے لیے نیا تھا۔

شاپنگ مکمل ہوئی تو سب کڈز سیکشن کی طرف بڑھے۔ زویا، مریم کی انگلی تھامے آہستہ آہستہ چل رہی تھی، جیسے ہی وہ سیکشن میں داخل ہوئے، اس کی نظر اچانک ایک سیاہ بچوں کی کار پر جا ٹھہری۔ وہ چند لمحے وہیں رک گئی – پھر دھیرے سے مریم کے ساتھ آگے بڑھ گئی، مگر اس کی آنکھیں ایک پل کو رک رک کر وہی منظر تلاش کرتی رہیں۔

صفا رنگوں کی چھوٹی سی دنیا میں کھو گئی تھی۔ وہ زویا کے سامنے مختلف ڈریسز لہرا رہی تھی۔

یہ دیکھو زویا – کتنا پیارا ہے نا؟

زویا نے نظریں ہٹائیں، مگر اس کے چہرے پر جھجکی ہوئی سی معصومیت تھی۔

صفا کی آنکھوں میں بچوں جیسی چمک ناچ رہی تھی۔ اسے بچوں کے کپڑے بہت پسند آ رہے تھے – چھوٹے، رنگین، ہلکی سی خوشبو میں لپٹے ہوئے۔ صفا ایک کے بعد ایک لباس زویا کو دکھاتی گئی۔ اس کی چھوٹی سی مسکراہٹ جیسے پہلی بار دل کی دیواروں پر روشنی کی کرن بنی۔ زویا اپنی کیفیت بیان کرنے لگی۔ اس کے چہرے سے اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ ہونے لگا۔ زویا کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی ایک ساتھ جھلک رہی تھی۔ شاید اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی اس کے لیے اتنا کچھ خرید رہا ہے۔ سیف اور مریم کچھ فاصلے سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ سیف کے چہرے پر اطمینان تھا اور مریم کے چہرے پر شرمندگی۔ مریم صفا کے چہرے کی خوشی دیکھ رہی تھی۔ صفا نے زویا کے لیے بہت سے کپڑے لیے۔ کپڑے لینے کے بعد صفا نے زویا کو کلر اور کچھ سٹوری بک لے کر دی۔

جب وہ سب شاپنگ مکمل کر کے نکلنے لگے تو زویا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہی سیاہ کار اب وہاں نہیں تھی۔ زویا کا چہرہ ایک دم اُتر گیا، مگر وہ خاموشی سے صفا اور مریم کے ساتھ چلتی رہی۔

سیف ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ گاڑی کے باہر روشنیوں کے تیز بہاؤ کے ساتھ شہر تیزی سے پیچھے جا رہا تھا۔ مریم کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی، نظریں باہر کے مناظر پر جمی تھیں، جیسے ہر منظر سے کوئی بات کہنا چاہتی ہوں مگر لفظ نہیں مل رہے۔ زویا پچھلی سیٹ پر صفا کے ساتھ بیٹھی اپنی نئی چیزوں کو بار بار دیکھ رہی تھی — کبھی کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتی، کبھی رنگوں کے ڈبے کو آہستہ سے کھول کر بند کر دیتی۔

بھائی آئس کریم کھائیں۔

زویا نے اپنا سر اٹھا کر صفا کی طرف دیکھا۔

نہیں۔۔۔ موسم بدل رہا ہے گلے خراب ہو جائیں گے۔ سیف نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا۔

بھائی۔۔۔ کچھ نہیں ہوتا۔

کچھ اور کھا لیتے ہیں۔۔۔ آئس کریم ضروری تو نہیں۔

بھائی۔۔۔ صفا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

سیف نے مسکراتے ہوئے سامنے سے نظریں ہٹائیں، پھر شیشے میں سے پیچھے بیٹھی صفا کی طرف دیکھا۔

اچھا ٹھیک ہے، بتاؤ کون سا فلیور؟

صفا کی آنکھوں میں خوشی چمک اٹھی۔

سٹرابری۔ اس نے فوراً جواب دیا۔

سیف نے گاڑی آہستہ سے سائیڈ پر لگائی۔

شاپ کے باہر لڑکا فورن گاڑی کی طرف آیا۔ اس نے نیلے رنگ کا ٹراؤزر شرٹ پہنا ہوا تھا اور سر پر نیلے رنگ کی ٹوپی لی ہوئی تھی۔

لڑکے نے جھک کر گاڑی کی کھڑکی پر دستک دی۔

ہیلو سر۔

سیف نیم مسکراتے ہوئے اپنا سر ہلایا۔

لڑکے نے مینیو کارڈ سیف کو دیا۔

چار سٹرابری کپ۔۔۔ سیف نے ایک نظر کارڈ کو دیکھ کر کہا۔

اور کچھ سر۔۔۔؟

نہیں۔

اوکے سر۔۔۔ لڑکا مسکراتے ہوئے واپس چلا گیا۔

کچھ دیر بعد لڑکا ائس کریم کے ساتھ واپس آیا۔ اس نے آئس کریم کے ساتھ نیپکن دیے۔

سیف نے شکریہ کہا اور لڑکے کو پیسے دی۔

گاڑی کے اندر اب میٹھی خوشبو پھیل گئی تھی – سٹرابری کی ٹھنڈک اور باہر جلتی سٹریٹ لائٹس کا عکس شیشوں پر جھلملانے لگا تھا –

خدیجہ بیگم بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ ان کی نگاہوں میں نرمی تھی۔ صفا ان کے قریب بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔ کبھی کوئی پرانی یاد چھیڑ دیتی، تو دونوں کی آنکھوں میں نمی تیر جاتی اور اگلے ہی لمحے کوئی ہلکی سی بات ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی۔

مریم اور زویا بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ زویا رنگوں والی کتاب پر جھکی، ایک صفحے پر نرمی سے کلر کر رہی تھی، پھر ہر بار سر اٹھا کر مریم کو دکھاتی۔ زویا کی آنکھوں میں خوشی جھلک رہی تھی، جیسے آج دنیا کی ساری رنگینیاں اسی کے ہاتھوں میں قید ہوں۔ مریم مسکرا کر اس کی بات کا جواب دیتی اور پھر اس کے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھتی، جیسے اس کی خوشی اس کے دل کی روشنی بن گئی ہو۔

سیف آہستہ سے اندر داخل ہوا۔ سامنے بیڈ پر حارث بیٹھا ہوا موبائل میں مصروف تھا۔ دروازہ کھلنے پر اس نے سر اٹھایا اور سیف کو دیکھا۔ سیف خاموشی سے بیڈ کے ایک کنارے جا کر لیٹ گیا۔ اس نے کوئی بات نہیں کی۔ کمرے میں چند لمحوں کے لیے عجیب سا سکوت چھا گیا۔ حارث نے چند لمحے انتظار کیا، پھر موبائل ایک طرف رکھ دیا۔

حد ہوتی ہے ویسے کسی چیز کی۔ حارث نے اپنی بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا۔

سیف کے لب ہلے، لیکن کہا کچھ نہیں۔

میں تم سے بات کر رہا ہوں۔

مجھ سے۔ سیف نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

جی حضور آپ سے۔

کیا ہوا۔۔۔؟
اوف۔۔۔ حارث نے اپنی گردن پیچھے گرا لی۔
کیا۔۔۔؟ سیف نے سوال کیا۔
تمہارے تیور تو شادی سے پہلے ہی بدل گئے ہیں – بعد میں پتہ نہیں کیا ہوگا۔
میں نے کیا کیا ہے؟ سیف نے اپنا چہرہ اب حارث کی طرف کر لیا تھا۔
تم دونوں بہن بھائی نے صبح سے حال تک نہیں پوچھا۔
تم خود ہی سارا دن کمرے سے باہر نہیں نکلے۔
انسان کمرے میں تو اکر پوچھ ہی سکتا ہے اور میں نے کل تمہیں کال کی تھی۔
کل۔۔۔ سیف نے سوچنے کی ایکٹنگ کی۔
او اچھا۔۔۔ میں ذرا مصروف تھا، جیسے کچھ یاد آنے پر کہا ہو۔
جی۔۔۔ جی۔۔۔ آپ ہی مصروف ہوتے ہیں، ہم سب تو فارغ ہیں۔
اس میں کوئی شک تو نہیں۔ سیف نے سرگوشی کی۔
حارث نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
دوبارہ بھی کال کر سکتے تھے۔ اس نے ایک لمحے کا وقفہ لے کر کہا۔
مجھے یاد نہیں رہا۔
ہاں، اب ہم آپ کو کہاں یاد آئیں گے۔
سیف کے چہرے پر ہلکی سرخی دوڑ گئی۔ وہ بے اختیار بلش کر گیا۔
لیکن میں تمہیں ایسے آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ حارث سیف کے ساتھ چپک گیا۔
پیچھے ہٹو، حارث۔ سیف نے اسے اپنے سے الگ کرنے کی کوشش کی۔
شادی کر رہے ہو اور بتایا بھی نہیں۔
تمہیں پتہ تو چل گیا نا۔ سیف نے فوراً سے جواب دیا۔
بہت دکھ ہوا ویسے مجھے۔
کس بات کا؟ شادی کرنے کا یا نہ بتانے کا۔

دونوں کا۔
کیوں تم نے کروانی تھی، کسی سے۔
نہیں – میں نے خود کرنی تھی۔
توبہ – استغفراللہ –
سیف نے اونچی آواز میں کہتے ہوئے اس کو اپنے سے الگ کیا اور بیڈ سے اٹھ گیا۔
ارے جانو، بات تو سنو نا – حارث نے پیچھے سے آواز لگائی، مگر سیف اب دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا۔
بھاڑ میں جاؤ تم۔
اور دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز نے ان کی شرارت کا اختتام کر دیا۔

✦ ✦ ✦

صبح کی دھیمی دھوپ صحن میں پھیل چکی تھی۔ ٹھنڈ کی کاٹ مدھم پڑ رہی تھی اور ہلکی سی حرارت دیواروں کو چھونے لگی تھی۔ عبدالرحمن ہاؤس کے صحن میں خدیجہ بیگم اپنی چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ سامنے سکینہ سٹڈی کے ساتھ والے کمرے سے چارپائی کھینچ کر باہر لا رہی تھی۔
اسی دوران کچن کا دروازہ کھلا۔ مریم اور صفا ہنستے ہوئے باہر نکلیں، کسی بات پر دونوں کے چہرے چمک رہے تھے۔ زویا بھی ان کے پیچھے چلتی آ رہی تھی۔
صفا۔۔۔
خدیجہ بیگم نے ذرا اونچی آواز میں پکارا۔
جی دادی۔
اِدھر آ، سکینہ دے نال منجیاں تواؤ۔
اچھا دادی۔
صفا، مریم کے ساتھ سیڑھیاں اتر آئی جبکہ زویا کچن کے دروازے پر رک کر سب دیکھنے لگی۔
کمرہ پورے کا پورا بکھرا ہوا تھا۔ بیڈ کے دائیں طرف زمین پر حارث کا کھلا ہوا بیگ پڑا تھا، جس میں سے نکالے گئے کپڑے صوفے پر بکھرے تھے۔ سائیڈ ٹیبل پر اس کے پرفیوم کی بوتلیں بے ترتیبی سے رکھی تھیں، جبکہ دوسرے سائیڈ ٹیبل پر رات کے کھانے کے برتن ابھی تک پڑے تھے، جیسے کمرہ وقت کے ہاتھوں تھم سا گیا ہو۔

سیف نے دروازے میں کھڑے کھڑے ایک نظر پورے کمرے میں دوڑائی، پھر گہری سانس لے کر بیڈ کے قریب آیا۔
حارث بدستور بے خبر سو رہا تھا۔
سیف نے جھک کر اس کی چادر ایک جھٹکے سے کھینچ لی۔
کیا ہے۔۔۔؟ سونے دو۔ حارث آنکھیں نیم وا کرتے ہوئے کراہا۔
جب سے تم آئے ہو، سو ہی رہے ہو۔
اچھا بس تھوڑی دیر اور سونے دو۔ اس کی آنکھیں بند تھی۔
اٹھو۔ بازار سے کچھ سامان لینا ہے۔
میں یہاں کام کروانے نہیں آیا۔
اپنی آنکھیں کھولو اور اکر باہر کی دنیا دیکھو۔ سیف کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔
اچھا۔۔۔ حارث نے چادر دوبارہ اوڑھ لی۔
پانچ منٹ میں تم مجھے باہر نظر آؤ۔ یہ کہہ کر وہ مڑ گیا۔
کمرے سے باہر نکلتے ہوئے سیف کی نظر زویا پر پڑی — جو کچن کے سامنے دروازے میں کھڑی سکینہ کو پانی کا پائپ کھولتے دیکھ رہی تھی۔ صحن میں کئی چارپائیاں بچھی تھیں۔ سیف آہستہ آہستہ زویا کے پاس آیا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور ہلکی سی مسکراہٹ ان کے چہروں پر پھیل گئی۔ سیف نے اپنے ہاتھ کی ایک انگلی آگے کی، زویا نے فوراً تھام لی۔ سیف نے اپنے قدم اگے بڑھائے۔ زویا سیف کے قدموں کی پیروی کرتے ہوئے صحن میں اتر آئی۔
ایک منٹ، میں ابھی آیا۔
سیف نے زویا کی انگلی چھوڑ دی اور تیز تیز قدموں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسٹڈی روم میں چلا گیا۔
زویا کی نظر سٹڈی روم کے دروازے پر تھی۔
چند لمحوں بعد دروازہ کھلا — سیف ایک کالے رنگ کی گاڑی لے کر باہر نکلا۔ یہ وہی گاڑی تھی، جو زویا نے مال میں دیکھی تھی۔ سیف نے زویا کی آنکھوں میں اس گاڑی کے لیے پسندیدگی دیکھ لی تھی۔ اس نے وہ گاڑی خرید لی تھی۔
زویا کی آنکھیں پھیل گئی۔ اس کے گال خوشی سے سرخ ہو گئے۔

سیف نے زویا کو اٹھا کر نرمی سے گاڑی پر بٹھایا۔ سٹیرنگ پر ہاتھ رکھ کر زویا خوشی سے چہکنے لگی۔ سیف کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ مریم، صفا، سکینہ اور خدیجہ بیگم مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ سیف اور زویا کو دیکھ رہی تھیں۔

زویا نے سٹیرنگ کو گھمانا شروع کیا۔ سیف نے پیچھے سے ریموٹ کے بٹن دبانا شروع کیے۔ گاڑی آگے پیچھے ہونے لگی۔ سیف زویا کو سٹیرنگ گھمانے کی ہدایات دینے لگا۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

سیف اور زویا کافی دیر تک اسی طرح ہی کھیلتے رہے۔

بس کر دو۔ کام کرن دوں بعد چوچلّا لیو۔

خدیجہ بیگم کی آواز پر سیف نے ان کی طرف دیکھا۔

سیف نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنا سر ہلایا۔

چلو اب ہم اس کو اندر رکھ دیتے ہیں – بعد میں چلائیں گے۔ یہ الفاظ سنتے ہی زویا کے چہرے کی خوشی مدھم پڑ گئی۔

نہیں۔۔۔ اس نے کسی بھی قسم کی تاخیر کیے بغیر کہا۔

ہم بعد میں چلائیں گے نا۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

نہیں۔

سیف کے اسرار کرنے کے بعد زویا مان گئی، لیکن اس کا دل بھاری تھا۔ سیف گاڑی واپس سٹڈی روم میں لے گیا۔

سکینہ پانی والا پائپ کھینچتے ہوئے لائی۔ اس نے چارپائی پر پانی ڈالنا شروع کیا۔ زویا چند لمحے سکینہ کو کھڑی دیکھتی رہی، پھر بھاگتے ہوئے چارپائی کے نیچے جا کر بیٹھ گئی۔ سکینہ جہاں جہاں پانی ڈالتی، زویا ایڑیاں گھسیٹتے ہوئے وہاں جا بیٹھتی۔

زویا۔۔۔ خدیجہ بیگم نے زویا کو آواز دی۔

بیمار ہو جاؤ گی۔

خدیجہ بیگم نے ایک لمحے کو ٹھہر کر کہا، لیکن زویا اپنی مستی میں گم ہو گئی تھی۔

میں اور سیف بھائی بھی بچپن میں اسی طرح کرتے تھے۔ صفا نے زویا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

میں بھی۔۔۔ مریم نے فوراً سے جواب دیا۔

صفا، اینوں باہر کڈ، بیمار ہو جاؤ گی۔

جی دادی۔۔۔ صفا مسکراتے ہوئے زویا کی طرف بڑھ گئی۔

✦ ✦ ✦

کمرے میں احمد اور ایشال کے سوا کوئی نہیں تھا۔

ہلکی مدھم روشنی میں احمد بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی ٹانگوں پر کمبل تھا اور ہاتھوں کی انگلیاں موبائل کی اسکرین پر تیزی سے چل رہی تھیں۔ اس کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

صوفے پر ایشال بیٹھی تھی۔ نظریں کہیں دور کسی اور دنیا میں گم—

احمد کے موبائل کی اسکرین پر سیف کا چیٹ باکس کھلا تھا۔

شادی کی بہت، بہت مبارک ہو۔

آخری میسج ٹائپ کرکے اس نے سینڈ کیا۔ ایک ہلکی سی ٹِک کی آواز آئی، میسج دوسری طرف جا چکا تھا۔ اس نے موبائل بند کیا اور سائیڈ پر رکھتے ہوئے اپنی گردن پیچھے گرا لی۔ ایک گہری سانس لی، پھر نظریں اٹھا کر ایشال کو دیکھا۔ چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

ایشال۔۔۔ احمد نے نرم لہجے میں پکارا۔

ایشال کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ جیسے سن ہی نہیں رہی تھی۔

ایشال۔۔۔ احمد نے اس بار ذرا بلند مگر پیار بھرے لہجے میں کہا۔

ایشال چونکی۔ نگاہیں گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

ادھر آؤ، میری بات سنو۔

ایشال ننگے پاؤں صوفے سے اتری اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے پاس آئی۔

جی بھائی۔۔۔

احمد نے پاس خالی جگہ پر ہاتھ رکھا۔

میرے پاس آکر بیٹھو۔

ایشال بیڈ پر احمد کے قریب بیٹھ گئی۔

احمد نے اسے خاموشی سے دیکھا، پھر آہستہ آواز میں بولا۔

کیا بات ہے؟ میں کئی دن سے دیکھ رہا ہوں کہ تم خاموش رہتی ہو—گم سم سی—کسی سے بات بھی نہیں کرتی۔ کھانا بھی اچھے سے نہیں کھاتی۔

ایشال کی آنکھوں میں نمی چمکی۔
کچھ نہیں بھائی۔۔۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔
مجھے بھی نہیں بتاؤں گی؟ اپنے بھائی کو بھی نہیں بتاؤں گی؟
ایشال کی آنکھوں کے کنارے بھر آئے اور پھر نمی بہنے لگی۔
بھائی – میرا دل بہت اداس ہے – امی بہت یاد آرہی ہیں۔۔۔ اس نے بمشکل الفاظ ادا کیے۔
ادھر آجاؤ۔
ایشال دھیرے سے اس سے لپٹ گئی۔ اس کے گرم آنسو احمد کے سینے پر گرتے گئے۔
احمد کچھ کہہ نہ سکا، ایشال نے درد ہی ایسا بیان کر دیا تھا جس کی دوا احمد کے پاس بھی نہیں تھی۔ ماں باپ کا بچھڑ جانا وہ گھاؤ ہے جو کبھی نہیں بھرتا۔ انسان چاہتے ہوئے بھی اس خلا کو پورا نہیں کر سکتا۔ ایشال سسکیوں میں رو رہی تھی اور احمد اسے تھامے بیٹھا تھا۔
احمد وجہ معلوم ہونے کے باوجود کچھ کہہ نہ سکا۔
دوسرے کمرے میں عبداللہ صاحب صوفے پر بیٹھے تھے۔ گردن پیچھے ٹکی ہوئی، چہرے پر تھکن اور آنکھوں میں نمی کا وزن۔ کچھ دیر بعد انہوں نے گردن اٹھائی اور ہاتھ میں پکڑی موبائل اسکرین کو دیکھا۔
اسکرین بند تھی تو خود ہی کا دھندلا سا عکس نظر آیا۔ اچانک موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ اسکرین پر فاروق کا نام چمکنے لگا۔ انہوں نے چند لمحے سوچا – پھر کال اٹھائی۔
ہیلو۔۔۔ ان کی آواز دھیمی تھی۔
السلام علیکم! دوسری طرف سے بے حد پرجوش آواز آئی۔
وعلیکم السلام!
کیا حال ہے؟
الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ؟
خدا کا بڑا کرم ہے۔ دوسری طرف کا جوش ابھی بھی ویسا ہی تھا۔
کب واپس آرہے ہو۔
چودہ تاریخ کی رات کو پاکستان پہنچ جائیں گے۔

ٹھیک ہے، پھر میں تم لوگوں کو لینے آؤں گا۔ کھانا میری طرف سے۔
نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔
ارے کیوں ضرورت نہیں ہے۔
اسی لمحے موبائل بند ہو گیا۔
عبداللہ صاحب نے موبائل کی سکرین کی طرف دیکھا اور پھر اس کو اون کرنے کی کوشش کیج، لیکن بیٹری ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔
دروازہ کھلا۔ فہد اندر آیا اور والد کے چہرے کی اداسی دیکھ کر فوراً پاس بیٹھ گیا۔
ابو۔۔۔ سب ٹھیک ہے؟ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔
عبداللہ صاحب نے ایک گہری سانس لی، چند لمحے خاموش رہے، پھر بولے۔
ہاں، سب ٹھیک ہے۔ اسی لمحے دروازہ کھلا۔ عریشہ اندر آئی۔
ابو، کھانا لگا دیا ہے۔ کھا لیں۔
اچھا بیٹا، آ رہے ہیں۔
وہ واپس مڑ گئی۔
عبداللہ صاحب صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ فہد بھی ساتھ اٹھا۔ دونوں خاموش قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

✦ ✦ ✦

ریسپشن پر ہلکی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کمپیوٹر کی مسلسل ٹِک ٹِک اس خاموشی کو توڑنے والی واحد آواز تھی۔ ریسپشنسٹ اپنے سامنے رکھی فائلوں میں گم تھی کہ اچانک دروازے کے باہر سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے اپنا سر اُٹھایا۔
میم۔۔۔
اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں پہچان کی جھلک اُبھری۔ وہ گھبراہٹ میں جلدی سے اپنی کرسی سے اٹھی۔
میم، ایک منٹ — پلیز رکیے۔ یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے پیچھے بھاگی۔
میم۔۔۔ رک جائیں۔

مگر ایشال، اس کی سن نہیں رہی تھی۔

دروازہ کھولا۔

دروازے کے اُس پار، شیشے کی میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا پچیس سالہ شہریار موجود تھا۔ گندمی رنگ، سیاہ گہری آنکھیں، سفید شرٹ جس کے آستین کہنیوں تک مڑے ہوئے تھے، بلیک پینٹ اور کلائی میں بندھی سادہ سی بلیک گھڑی۔ وہ آہستہ سے سیدھا ہوا اور سست روی سے سر اُٹھایا۔ چہرے پر سنجیدگی، آنکھوں میں ہلکی سی حیرت — جیسے کسی ایسے شخص کو دیکھ لیا ہو، جیسے دیکھنے کی اس نے کبھی امید نہیں کی تھی۔ کمرے میں لمحہ بھر کو مکمل خاموشی چھا گئی۔

سر۔۔۔ میں نے ان کو روکنے۔۔۔

ریسپشنسٹ ہانپتے ہوئے وضاحت دینے لگی۔

شہریار نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر دو انگلیاں ہلائیں، جیسے جانے کا اشارہ دیا ہو۔ وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔

شہریار کی نظریں اپنے سامنے کھڑی میرال ذوالفقار پر جمی تھیں۔ اس نے سفید لانگ قمیض، ساتھ پجامہ، بال اونچی پونی میں بندھے ہوئے، گلے میں دوپٹہ، ہاتھ میں بیگ۔ ہیلز کی وجہ سے اس کا قد پہلے سے زیادہ بلند لگ رہا تھا، مگر اس سب سے زیادہ نمایاں اس کی آنکھیں تھیں — سرخ، تھکی ہوئی، جیسے کئی راتوں کی نیند ان سے روٹھ چکی ہو۔

میرال ذوالفقار — یہ نام اس کے لبوں سے دھیرے سے نکلا۔

میرال آگے بڑھی، اپنا بیگ شیشے کی میز پر رکھا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

تم ٹھیک ہو؟

شہریار نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

ٹھیک ہوں۔ میرال نے بے دلی سے جواب دیا۔

تم ٹھیک سے سوئی نہیں ہو — تمہاری آنکھیں لال ہیں۔

میرال ایک لمحے کو حیران ہوئی۔ اس کی نظریں شہریار کے چہرے پر ٹِک گئیں، وہ اس توجہ کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

مجھے سیف کا ایڈریس چاہیے۔

میرال نے سنجیدہ لہجے میں کہا، شہریار کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے۔

شہریار کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔ سیف کا نام اس کے دل میں کسی پرانے زخم کی طرح چبھ گیا۔ پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری — ایسی مسکراہٹ جس میں درد تھا۔

میں نے کہا تھا نا – تم اسے ڈھونڈتے ہوئے میرے پاس آؤ گی اور آخر کار تم آ ہی گئی۔
مجھے سیف کا ایڈریس چاہیے۔
میرال نے اپنی بات دہرائی۔
آخر تمہاری انا ٹوٹ ہی گئی۔
مجھے سیف کا ایڈریس چاہیے۔
شہریار نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ میرال بار بار سیف کا نام لے رہی تھی اور ہر بار اس کے اندر کچھ ٹوٹتا جا رہا تھا۔
میرے پاس نہیں ہے۔ اس نے نظریں چرا کر کہا۔
میں نہیں مانتی۔ میرال نے فوراً کہا۔
تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے؟ شہریار نے دھیرے سے جواب دیا۔ وہ اب میرال کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔
کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔
اگر میں کہوں کہ کہیں سے ڈھونڈ کر دو؟
میں ہی کیوں؟
کیونکہ تم ڈھونڈ سکتے ہو۔
کیا تم میرا امتحان لے رہی ہو؟ اس نے نظریں ملائے بغیر کہا۔
نہیں۔۔۔
شہریار نے سر اُٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی، جسے وہ چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔
تم اس سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟ اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔
میں بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔
اگر تم بتانا ضروری نہیں سمجھتی تو میں بھی یہ ضروری نہیں سمجھتا۔
میرال خاموشی سے اٹھی، اس نے اپنا بیگ اُٹھایا۔
میں کل دوبارہ آؤں گی اور مجھے اس کا ایڈریس چاہیے۔
اس نے ایک نظر شہریار کے چہرے پر ڈالی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

شہریار اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ میرال اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس نے تھکن سے سر پیچھے کرسی سے ٹکا دیا۔ چہرے پر محبت میں ٹھکرائے جانے کا درد صاف جھلک رہا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی یادوں کا پردہ اس کے ذہن پر چھا گیا۔

✦ ✦ ✦

ہمدان ہاؤس میں آج خاصی گہما گہمی تھی۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور گھر کی فضا میں ایک عجیب سی چہل پہل تھی۔ مومنہ شیشے کے سامنے کھڑی بڑے اہتمام سے اپنا دوپٹہ درست کر رہی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

چلو، جلدی کرو۔ تمہارا میک اپ ہی ختم نہیں ہو رہا۔ ارحم ذرا اونچی آواز میں بولا۔

ذرا تمیز سے بات کیا کرو، ورنہ ابا کو بتا دوں گی۔

جاؤ، ابھی جا کر بتاؤ۔ ارحم نے لاپروائی سے جواب دیا۔

چلو، چلیں۔ مومنہ نے اپنا بیگ اُٹھایا۔

تمہارے جانے کے بعد اس گھر میں کتنا سکون ہو گا اور یہ کمرہ بھی میرا ہو جائے گا۔

ارحم نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔

جب میں یہاں آیا کروں گی تو اسی کمرے میں ڈیرہ ڈالوں گی۔

تمیں رہنے کون دے گا یہاں؟ ارحم ہنستے ہوئے دروازے سے باہر نکل گیا۔

وہ تو دیکھ ہی لیں گے۔ مومنہ دروازے پر کھڑی مسکراتے ہوئے بولی۔

مومنہ نے بیگ سے موبائل نکالا، انگلیاں اسکرین پر چلائیں اور فون کان سے لگا لیا۔ ارحم بھی دروازے کے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔

ہیلو۔ دوسری طرف سے صفا کی آواز آئی۔

تیار ہو گئی ہو؟

ہاں۔

اوکے، ہم نکلنے لگے ہیں۔

اوکے۔ یہ کہہ کر صفا نے فون بند کر دیا۔

ارحم نے قدم ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھائے تو مومنہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔
یہاں سے چلتے ہیں۔ وہ کمرے کے ساتھ والے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔
کیوں؟ ارحم نے حیرت سے پوچھا۔
اگے پھوپھو بیٹھی ہوں گی اور تمہیں پتہ ہے نا پھوپھو کا مزاج۔
ارحم خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا اور مومنہ اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئی۔
دوسری طرف۔۔۔
صفا، زویا کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ سے نیچے اتار رہی تھی۔
جلدی — جلدی —
ہم کہاں جا رہے ہیں؟ زویا نے معصومیت سے پوچھا۔
یہ تو ابھی پتہ چل ہی جائے گا۔ صفا نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
تینوں کمرے سے نکل کر صفا کے کمرے میں آئیں، جہاں خدیجہ بیگم صوفے پر بیٹھی تھیں۔
دادی، ہم جا رہے ہیں۔
کہڑے نال چلیاں وا؟
دادی، مومنہ ارحم کے ساتھ جا رہی ہے، تو ہم بھی ان کے ساتھ ہی جا رہے ہیں۔
اچھا، جلدی آجائیو۔ تیری خالہ بس آں والی اے۔ اسی لمحے باہر گاڑی کا ہارن بجا۔
اچھا دادی۔
یہ کہہ کر صفا نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ مریم اور زویا اس کے پیچھے پیچھے چل دیں۔
کچھ دیر بعد گاڑی ایک بڑے سے شیشے والے دروازے کے سامنے جا کر رُکی۔ مومنہ نے اگلا دروازہ کھولا اور باہر اُتری۔ پیچھے سے صفا، مریم اور زویا بھی نکل آئیں۔
صفا نے آگے بڑھ کر شیشے کا دروازہ کھولا۔ اندر ایک وسیع و عریض ہال تھا جو روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ایک جانب بڑے بڑے آئینے لگے تھے، جن کے سامنے کرسیاں رکھی تھیں۔ کرسیوں کے درمیان کیبن بنے ہوئے تھے، جہاں میک اپ کا سامان ترتیب سے رکھا تھا۔ کچھ لڑکیاں کرسیوں پر بیٹھی لڑکیوں کا میک اپ کر رہی تھیں اور کچھ ادھر ادھر مصروف گھوم رہی تھیں۔

السلام علیکم میم۔
ایک لڑکی مسکراتے ہوئے صفا کے پاس آئی۔ اس نے کالے رنگ کا ٹراوزر شرٹ پہن رکھا تھا۔
وعلیکم السلام!
صفا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
ہم نے آج کی اپائنٹمنٹ لی تھی۔ مومنہ نے آگے بڑھ کر کہا۔
جی میم، آپ آجائیں۔
مومنہ، زویا کو ساتھ لے کر صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ مریم، صفا کے ساتھ کھڑی تھی۔
میم، آپ آجائیں۔ لڑکی نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صفا سے کہا۔
نہیں، آپ پہلے ان کا ہیئر کٹ کر دیں۔
صفا نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
لڑکی نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر ہلایا۔
مریم نے حیرت سے صفا کی طرف دیکھا۔ صفا نے مسکراتے ہوئے اس کو کرسی پر بیٹھا دیا۔ وہ شیشے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ لڑکی نے اس کے سر سے دوپٹہ ہٹایا اور سائیڈ پر رکھ دیا، پھر اس کے بالوں کو پونی سے آزاد کر دیا۔
آپ کے بال بہت بھاری، ملائم اور چمکدار ہیں۔
لڑکی نے آئینے میں دیکھتے ہوئے تعریف کی۔ مریم نے آئینے میں سے لڑکی کی طرف دیکھا۔
ماشاءاللہ۔ صفا نے آہستہ سے کہا۔
کون سی کٹنگ کرنی ہے؟
بینگز ہیر کٹ کر دیں۔ صفا نے جواب دیا۔
لڑکی نے مریم کے بال شاور سے گیلے کرنا شروع کیے، درمیان سے مانگ نکالی اور پھر آگے سے تھوڑے سے باہر لیے۔
میم کتنی لینتھ رکھنی ہے۔ لڑکی نے پاس کھڑی صفا سے پوچھا۔
آنکھوں کے درمیان تک۔
جی میم۔
چند لمحوں بعد اس نے مہارت سے کٹنگ مکمل کر لی۔

میم، آپ دیکھ لیں۔
مریم نے آہستہ سے آنکھیں اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ اس کے کچھ بال ماتھے پر اور باقی کے بال پیچھے – سفید رنگ، سیاہ آنکھیں اور بھی نمایاں لگ رہی تھیں۔ وہ خود کو پہچان نہیں پا رہی تھی۔ اس نے بالوں کو آنکھوں سے ہٹا کر دوبارہ دیکھا، جیسے یقین کرنا چاہتی ہو کہ یہ وہی ہے۔ خوشی اور حیرت ایک ساتھ اس کے چہرے پر جھلک رہی تھی۔
صفا اور مومنہ دونوں صوفے سے اٹھ کر مریم کے پاس آگئی۔
ماشاءاللہ، بہت پیاری لگ رہی ہو۔ مومنہ فوراً بولی۔
سچ میں، بہت پیاری لگ رہی ہو۔ صفا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
مریم کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ائی۔
میم آپ آجائیں۔ دوسری لڑکی نے کرسی خالی ہونے پر مومنہ کو مخاطب کیا۔
مومنہ نے اپنے قدم لڑکی کی طرف بڑھا دیے۔ صفا اب مریم والی جگہ پر بیٹھ چکی تھی۔
مریم زویا کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ زویا کی آنکھیں مریم کے چہرے پر ٹھہر گئی۔ وہ مریم کی طرف دیکھ رہی تھی، شاید وہ بھی یقین کرنا چاہ رہی تھی کہ یہ واقعی میری ماما ہیں۔

✦ ✦ ✦

برہان کی امی کچن میں چولہے کے پاس بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔ برہان آہستہ سے اندر آیا اور ان کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔
جاؤ، پہلے یونیفارم بدل کر آؤ۔
کچھ نہیں ہوتا امی، آپ مجھے کھانا دے دیں۔ اس نے ذرا سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔
برہان کی امی نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی، پھر اس کے لیے سالن اور روٹی نکال دی۔ برہان نے خاموشی سے کھانا شروع کر دیا۔
بسم اللہ تو پڑھ لو پہلے۔ امی نے ٹوکا۔
برہان کے ہونٹ ہلے، جیسے وہ منہ ہی میں بسم اللہ پڑھ رہا ہو۔ کچن میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔
امی۔۔۔
برہان نے نظریں پلیٹ پر جمائے رکھتے ہوئے کہا۔ امی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
کالج والے ٹور لے کر جا رہے ہیں – میں نے بھی جانا ہے۔

کب جانا ہے؟
اگلے مہینے۔
اچھا۔۔۔
ابو سے دس ہزار روپے لے کر دے دیں، جمع کروانے ہیں۔
اس کی امی کے ہاتھ ایک لمحے کو رُک گئے۔
اتنے زیادہ پیسے؟
برہان نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔
امی، کہاں زیادہ ہیں؟ سب جا رہے ہیں، مجھے بھی جانا ہے۔
امی خاموش ہو گئیں۔
اور ابو سے کہیں مجھے موبائل بھی لے کر دیں۔
تمہارے ابو نے کہا تو تھا، جب پیسے ہوں گے تو لے دیں گے۔
امی، کتنی دیر ہو گئی ہے — آپ ہر بار یہی کہتی ہیں۔
امی نے آہ بھری۔ اچھا نا — لے دیں گے۔
برہان نے جلدی سے ہاتھ صاف کیے اور اٹھ کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔
پورا تو ختم کر لو، کھانا اندر نہیں چھوڑتے۔ امی نے پیچھے سے کہا۔
برہان بغیر کچھ کہے کچن سے نکل گیا۔
اسی لمحے اس کے ابو اندر داخل ہوئے۔
اسے کیا ہوا ہے؟ انہوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
کالج کا ٹور جا رہا ہے، اس کے لیے پیسے مانگ رہا ہے۔
کتنے؟
دس ہزار۔ برہان کی امی نے کھانا نکالتے ہوئے اس کے ابو طرف دیکھا۔
کب جانا ہے؟
اگلے مہینے۔

برہان نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے ان کی آواز سنی تو دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔

ٹھیک ہے، دے دوں گا۔

میں تو کہتی ہو، کہ منع کر دیں۔

کچھ نہیں ہوتا، ایک ہی ایک تو بیٹا ہے ہمارا۔ سب کچھ اسی کا ہی تو ہے۔

اور موبائل کا بھی کہہ رہا ہے۔

موبائل اس مہینے لینا تھا لیکن پیسے دوا پر لگ گئے، کوشش کروں گا اگلے مہینے تک لے دوں۔ کچن میں خاموشی چھا گئی۔

برہان نے آہستہ سے قدم پیچھے ہٹا لیے اور واپس کمرے میں آ گیا۔

وہ بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے دماغ میں ابو کے الفاظ گونجنے لگے۔

دوا پر پیسے لگ گئے۔

کس کی دوا؟ اس نے سوچ میں ماتھا سکوڑا۔

گھر میں تو کوئی بیمار نہیں — نہ امی، نہ ابو۔

آپی؟ یہ خیال اچانک اس کے ذہن میں آیا۔

نہیں — آپی تو پرسوں ہی واپس گئی ہیں۔ وہ تو بلکل ٹھیک تھیں۔

پھر کون؟

کس کی دوا پر پیسے لگ گئے؟

برہان انہی سوالوں میں الجھا، خاموشی سے چھت کو گھورتا رہ گیا — اس کے دل میں ایک انجانی سی بے چینی اترتی چلی گئی۔

✦ ✦ ✦

گاڑی دروازے کے باہر آ کر رُکی۔ مریم اور زویا گاڑی سے باہر نکلیں۔ مریم کی نظر سامنے کھڑے دو آدمیوں پر پڑی تو اس نے فوراً اپنا چہرہ دوپٹے سے ڈھانپ لیا۔ وہ گاڑی کے پاس کھڑی صفا کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

زویا نے تجسس سے سر اُٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا، جہاں چھت پر دو آدمی لائٹس لگا رہے تھے۔

صفا، وہ جو ڈریس ہم نے آرڈر کیا تھا، وہ آ گیا ہے۔

صفا گاڑی سے نکلتے ہوئے ایک لمحے کو ٹھہر گئی۔

ارحم، پیچھے ڈگی سے بیگ نکال کر دے دو۔ مومنہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
ارحم نے اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔ صفا بھی باہر آ گئی اور اس نے بھی احتیاطاً اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔
ارحم نے شاپنگ بیگ نکال کر صفا کو تھما دیا۔ وہ گھر پر ایک نظر ڈال کر واپس گاڑی میں بیٹھ گیا۔
صفا نے ہاتھ ہلا کر مومنہ کو خدا حافظ کہا۔ مومنہ نے بھی جواب میں ہاتھ ہلایا۔ پھر صفا، مریم اور زویا اندر کی طرف بڑھ گئیں اور ارحم گاڑی آگے لے گیا۔
اندر داخل ہوتے ہی ہنسی اور باتوں کی مدھم آوازیں ان کے کانوں میں پڑیں۔ تینوں سیدھا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھیں۔
دروازے کے بالکل سامنے والے صوفے پر خالہ عائشہ بیٹھی تھیں، جو صفا کی امی سے عمر میں بڑی تھیں۔ ان کے تین بچے تھے – حارث، مومل اور زوحل۔ مومل اور زوحل ان کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔
دوسرے صوفے پر ماموں خضر اور ممانی مہروش بیٹھی تھیں۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ علی اور احمد۔
دروازے کی بائیں جانب دیوار کے ساتھ صوفے پر حارث، علی اور احمد بیٹھے ہوئے تھے۔
دائیں جانب سب سے چھوٹے ماموں عاصم اور ممانی مہرو انبیٹھی تھیں۔ ان کے جڑواں بچے حمزہ اور مریحا قریب رکھی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔
السلام علیکم!
صفا نے اندر داخل ہوتے ہی خوش دلی سے کہا۔
وعلیکم السلام!
سب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایک ساتھ جواب دیا۔
صفا آگے بڑھی اور باری باری سب سے ملنے لگی۔ سب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
السلام علیکم!
مریم نے دروازے کے قریب سے آہستہ سے سلام کیا۔
وعلیکم السلام!
سب کی نظریں دوبارہ دروازے تک گئیں اور سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔
زویا، مریم کے ساتھ کھڑی سب کو دیکھتی رہی۔

مریم کی آواز پر حارث نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، مگر دوپٹے کی اوٹ میں اس کا چہرہ ٹھیک سے نظر نہ آسکا۔
اسی وقت سیف کرسی اٹھائے اندر داخل ہوا۔
مریم، زویا کو ساتھ لے کر کچن کی طرف چلی گئی۔ کچن میں کباب تلنے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے خدیجہ بیگم کو کپ سجاتے اور سکینہ کو کباب نکالتے دیکھا۔
آپ چھوڑ دیں، میں کر دیتی ہوں۔ مریم نے آگے بڑھ کر خدیجہ بیگم کے ہاتھ سے ڈش لے لی۔
جلدی جلدی کر۔ خدیجہ بیگم نے سکینہ سے کہا۔
جی دادی، بس ہو گئے۔
سکینہ نے کباب نکالتے ہوئے جواب دیا۔ مریم نے تیزی سے کپوں میں چائے ڈالنی شروع کی۔
مریم، تو چائے لے آئی۔
مریم نے گردن موڑ کر دیکھا – خدیجہ بیگم، زویا کو ساتھ لیے کچن سے باہر جا رہی تھیں۔
وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے چائے کے کپ ترتیب سے رکھے اور ڈش اُٹھا لی۔
باقی چیزیں بھی لے آؤ۔ اس نے سکینہ سے کہا۔
جی باجی۔
مریم آگے آگے چل رہی تھی اور سکینہ اس کے پیچھے۔
ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی سب کی نظریں مریم پر ٹھہر گئیں۔ اس نے ذرا جھک کر ڈش میز پر رکھی۔ اسی لمحے اس کا دوپٹہ سر سے پھسل کر کندھوں پر آگیا۔
حارث کی نظر پہلی بار اس کے چہرے پر پڑی۔ اس کی نظریں مریم کے چہرے پر ٹھہر گئی۔
سیف، ماموں خضر کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اس کے موبائل کی رنگ ٹون بجنے لگی۔ وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔
صفا، ممانی مہروا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ خدیجہ بیگم اندر آئیں، دروازے کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں اور زویا کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ صفا اٹھ کر سب کو چائے دینے لگی۔
مریم نے جلدی سے دوپٹہ درست کیا اور وہاں سے کھڑی ہو گئی۔
سکینہ نے آگے بڑھ کر باقی کی چیزیں میز پر رکھ دی۔
مریم، اتھے بہ جا۔ خدیجہ بیگم نے اسے جاتے دیکھ کر کہا۔

مریم ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔
یہ کون ہے؟ خالہ عائشہ نے پوچھا۔
خدیجہ بیگم نے مریم کی طرف دیکھا۔
اے میری تی مریم وا۔
مریم نے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
پھر زویا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔
تے اے میری چھوٹی تی زویا آ۔
خالہ عائشہ خاموش ہو گئیں۔
خدیجہ بیگم، مریم کو سب کے بارے میں بتانے لگیں۔ زویا خاموشی سے خدیجہ بیگم کی گود میں بیٹھی تھی۔
چائے۔۔۔
صفا نے حارث کو مخاطب کیا، جو مسلسل مریم کو دیکھ رہا تھا۔
وہ چونک کر صفا کی طرف متوجہ ہوا اور مسکراہٹ کے ساتھ کپ تھام لیا۔
صفا سب کو چائے دے کر واپس اپنی جگہ آبیٹھی۔ اس نے حارث کی نظروں کا تعاقب کیا — اس کی نظریں دوبارہ مریم پر ٹھہر چکی تھیں۔
صفا نے مریم کی طرف دیکھا، مریم اب نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ صفا کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔
اسی لمحے سیف ڈرائنگ روم میں داخل ہوا — مگر وہ اکیلا نہیں تھا۔
اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی — گہری چاکلیٹی رنگت، سیاہ بڑی آنکھیں، گھنے گھنگریالے بال جو اوپر کی جانب خوبصورت جوڑے میں بندھے تھے۔ چہرے پر سکون، لبوں پر ٹھہری ہوئی مسکراہٹ۔ وہ آج بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔
السلام علیکم!
اس کی آواز نے سب کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔
وعلیکم السلام!
سب نے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔
صفا فوراً اٹھ کر آگے بڑھی اور نور سے ملی۔ اسے اپنی جگہ بیٹھنے کا کہا۔

سب خاموشی سے اس کی خوبصورتی کو دیکھ رہے تھے۔

یہ نور فاطمہ ہے۔ سیف نے تعارف کروایا۔

نور نے سیف کی طرف دیکھا، مگر سیف کی نظریں اس پر نہیں تھیں۔

نور میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔ یہ پہلے افریقہ میں رہتی تھی، پھر پاکستان شفٹ ہو گئی۔ یہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی سب سے زیادہ ذہین اسٹوڈنٹ تھی اور یہ لاہور سے خاص شادی اٹینڈ کرنے آئی ہے۔

آخری جملہ سیف نے نور کی طرف دیکھ کر کہا۔

نور کی نظریں اس پر جمی تھیں۔ سیف کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

کچھ دیر تک ڈرائنگ روم باتوں کی آوازوں سے گونجتا رہا۔ پھر سب آہستہ آہستہ ڈھولکی کے لیے تیار ہونے چلے گئے۔ البتہ مرد حضرات وہیں بیٹھے رہے۔

✦ ✦ ✦

گرمی اور جلن کا شدید احساس اس کے وجود میں سرایت کیے جا رہا تھا۔ وہ ایک وسیع و ویران ریگستان کے عین وسط میں کھڑی تھی۔ آسمان پر سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا، جیسے اس کی تپش زمین ہی نہیں، روح تک جلا ڈالنا چاہتی ہو۔ سورج کی تیز دھوپ اس کے جسم پر انگاروں کی طرح برس رہی تھی۔ ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ تپتی ہوئی ریت اس کے پیروں سے ٹکراتی اور آگے بڑھ جاتی۔

پسینہ اس کی پیشانی سے بہہ رہا تھا اور آنکھوں میں بے نام سا خوف لرز رہا تھا۔ دل بے قابو ہو کر دھڑک رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی — دور دور تک انسان کا نام و نشان نہ تھا۔ بس سنسان ریگستان، ہوا کی مدھم سرسراہٹ اور گہری خاموشی، جو کانوں میں چبھتی جا رہی تھی۔

ایک انجانا سا ڈر اور عجیب بے بسی اس پر حاوی ہو رہی تھی۔ وہ اس قدر ساکت کھڑی تھی، جیسے اس کے ہونٹوں سے آواز چھن گئی ہو۔ لمحہ بھر کی ہچکچاہٹ کے بعد اس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنا دوپٹہ گلے سے نکال کر سر پر رکھا اور چہرہ ڈھانپ لیا، پھر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

چند قدم ہی چلی تھی کہ اس کا گلا خشک ہونے لگا۔ سانسیں بوجھل ہو گئیں اور تھکن اس کے وجود پر حملہ آور ہونے لگی۔ پورا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا اور پیاس کی شدت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اچانک اس کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ تپتی ہوئی ریت پر آ گری۔ تپتی ریت پر گرتے ہی وہ اونچی آواز میں چیخی۔

ایشال کی آنکھ اچانک کھل گئی۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے پردوں کے درمیان سے مدھم سی روشنی پھسلتی ہوئی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر اپنے اردگرد دیکھا اور پھر خود کو بیڈ پر پایا۔

اس کے جسم پر اب بھی گرمی کا اثر موجود تھا، سانسیں تیز تھیں اور پیشانی پسینے سے تر۔ اس نے فوراً اپنے اوپر سے رضائی ہٹائی، سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ ٹھنڈا پانی حلق سے اترتے ہی اسے کچھ سکون ملا۔

اس نے ہاتھ سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ ننگے پاؤں وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس پہنچی اور کھڑکی کھول دی۔ باہر سے آتی ٹھنڈی ہوا نے اس کے جسم کو چھوا تو جیسے اس کے اندر کی گھبراہٹ دھیرے دھیرے تحلیل ہونے لگی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اس سکون کو اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کیا۔

وہ اس احساس کو تھامے رکھنا چاہتی تھی—

✦ ✦ ✦

کمرے میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ میرال صوفے پر بیٹھی کھڑکی کے پار آسمان پر ٹنگے چاند کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ چاندنی پردوں سے پھسل کر کمرے میں بکھر رہی تھی، مگر اس کے دل کی تاریکی پر کوئی اثر نہ ڈال پا رہی تھی۔

دروازہ آہستگی سے کھلا اور وانیہ اندر داخل ہوئی۔

میرال ویسے ہی ساکت بیٹھی رہی، جیسے اس کے لیے وقت ٹھہر سا گیا ہو۔ وہ اپنے خیالوں کی بھول بھلیوں میں گم تھی۔ وانیہ خاموشی سے اس کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

میرال۔۔۔

وانیہ نے نرمی سے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا اور دھیمی آواز میں اسے پکارا۔

میرال نے دھیرے سے اس کی طرف دیکھا۔

کھانا کھا لو۔

میرا دل نہیں کر رہا۔

پلیز، میرال۔۔۔

مگر میرال نے دوبارہ نظریں کھڑکی سے باہر جما لیں۔ کچھ لمحے گزرے، پھر میرال نے جیسے ہمت جمع کی۔
میں آج شہریار کے آفس گئی تھی۔۔۔
وانیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
وہ آج بھی ویسا ہی ہے۔
وانیہ خاموش رہی۔
ایک نظر میں پہچان لینے والا — میرال ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئی، جیسے یادوں کی کوئی چبھن دل میں اتر گئی ہو۔
اس نے میری آنکھوں میں دیکھا اور مجھ سے سوال کیا۔
کیا؟ وانیہ نے بے اختیار کہا۔
میرال کے لبوں پر درد میں ڈوبی ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
تم ٹھیک ہو؟
تم نے کیا کہا؟ وانیہ کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔
اس نے میری بات پر یقین نہیں کیا — اس نے دوبارہ پوچھا۔
تم ٹھیک سے سوئی نہیں ہو — تمہاری آنکھیں لال ہیں۔
وانیہ نے ایک گہری سانس لی۔
تم اس کے پاس کیوں گئی تھی؟
محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر گئی تھی۔
وانیہ فوراً سمجھ گئی کہ میرال کیوں وہاں گئی تھی۔
میرال نے باہر چاند کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔
اسے آج بھی سیف کے نام پر درد ہوتا ہے۔
تمہیں کیسے پتا؟
محبت کرنے والے دل محسوس کر لیتے ہیں۔
وانیہ خاموش ہو گئی۔ کمرے میں پھر سے وہی بوجھل خاموشی پھیل گئی۔ کچھ دیر بعد وانیہ نے سوچتے ہوئے پوچھا۔
اس نے سیف کا ایڈریس دے دیا؟

اس نے کہا کہ اسے نہیں معلوم۔
ہو سکتا ہے، اس کو واقعی معلوم نہ ہو۔
جھوٹ — وہ جھوٹ بولتا ہے۔
وہ جھوٹ کیوں بولے گا؟
وہ ڈرتا ہے — کہ میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔
وہ تم سے بہت پیار کرتا ہے۔ وانیہ نے دھیمی آواز میں کہا۔
ہاں۔۔۔ میرال کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔
تم۔۔۔؟
ہم دونوں کے راستے الگ ہیں۔
میرال نے وانیہ کی بات کاٹ دی، شاید وہ جانتی تھی کہ وہ کیا کہنے والی ہے۔
تم تینوں کے راستے الگ ہیں۔
میرال نے آنکھیں بند کر لیں۔ پلکوں کے کناروں سے گرم آنسو بہنے لگے، مگر اس کی گردن ذرا سی بھی نہ مڑی۔ دل میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی۔
میں ایک بار اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ اس کی آواز بھاری ہو چکی تھی۔
ایک بار دیکھنے سے تم نے اپنا یہ حال کر لیا ہے، تو ملنے کے بعد کیا حال ہوگا؟ وانیہ نے نرمی سے کہا۔
میں اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔
میرال، خود سے جھوٹ بولنا بند کرو۔
میرال نے کوئی جواب نہ دیا۔ کہیں نہ کہیں وہ خود بھی جانتی تھی کہ وانیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔
وانیہ چند لمحے خاموش بیٹھی رہی۔
آؤ، باہر چلتے ہیں۔ اس نے میرال کا بازو تھام لیا۔
دل نہیں کر رہا۔ میرال نے کمزور سی آواز میں کہا۔
کچھ نہیں ہوتا، آؤ۔ وانیہ نے اسے زبردستی صوفے سے اٹھایا۔
اپنا موڈ ٹھیک کرو۔

یار، وانیہ۔۔۔

کوئی یار وار نہیں۔۔۔

وانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا، مگر اس مسکراہٹ کے پیچھے فکر چھپی ہوئی تھی۔

✦ ✦ ✦

آسمان پر چاند چمک رہا تھا اور اس کی چاندنی کی طرح عبدالرحمن ہاؤس بھی چمک رہا تھا۔ آج صحن پر جیسے روشنیوں کا راج تھا۔ ہر سمت لائٹس لگی ہوئی تھیں، جن کی نرم روشنی فرش پر بچھے سفید کلین پر پڑ کر دلکش منظر بنا رہی تھی۔ کچن کی سیڑھیوں کے سامنے صحن میں دو چارپائیاں رکھی تھیں، آج سیڑھیوں کے ساتھ جھولا خالی نہ تھا اور صحن کے عین درمیان تکیے بے ترتیب انداز میں پڑے تھے۔ پورے گھر میں گہما گہمی تھی۔ ہر کوئی تیار ہونے میں مصروف تھا۔

سیف کمرے سے باہر نکلا تو اس کی دادی خدیجہ بیگم کی نظر فوراً اس پر جا ٹھہری۔ انہوں نے اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا۔

ہلکے براؤن رنگ کی قمیض شلوار، بال پیچھے کی طرف سلیقے سے سیٹ، ہلکی شیو، کلائی میں براؤن گھڑی اور پاؤں میں براؤن کھیڑی — سیف آج غیر معمولی طور پر وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس کی گہری براؤن آنکھوں میں خوشی کی چمک صاف جھلک رہی تھی۔

خدیجہ بیگم اس کے قریب آئیں۔

ماشاءاللہ۔۔۔ ماں صدقے جاوے۔۔۔ اللہ لمبی زندگی دوے میرے پُت نوں، اللہ ہر مصیبت تے پریشانی توں بچائے۔

انہوں نے سیف کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما، اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ ان کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔

اَج اگر عبدالرحمن تے ملائکہ دُونے زندہ ہُندے، تاں کِنّا خوش ہُندے—

سیف نے فوراً دادی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

بڑا پیار ہو رہا ہے دادی، پوتے میں۔۔۔

اسی لمحے پیچھے سے آواز آئی۔

سیف نے پلٹ کر دیکھا۔ پیچھے زمل خالہ کھڑی تھیں۔ خدیجہ بیگم سیف سے الگ ہوئیں۔

السلام علیکم!

وعلیکم السلام!

سیف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ زمل خالہ نے اسے گلے لگایا اور سر پہ پیار دیا۔

خدیجہ بیگم بھی آگے بڑھیں۔

وعلیکم السلام!

زمل خالہ نے ان سے بھی پیار لیا۔

کیسی طبیعت ہے آپ کی؟

میں بالکل ٹھیک، تو اپنا سنا؟

الحمدللہ، میں بھی ٹھیک ہوں۔

سیف اب زمل خالہ کے شوہر سرفراز سے مل رہا تھا۔ ان کے ساتھ ان کی تین بیٹیاں ایزا، امایہ اور حنزہ اور بیٹا حیدر کھڑا تھا۔ سیف نے سب کے سروں پہ پیار دیا اور حیدر سے گلے ملا۔ خدیجہ بیگم سب کو ساتھ لے کر اندر کمرے کی طرف چلی گئیں، جبکہ سیف باہر کی جانب بڑھ گیا۔

باہر ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی اور کچھ کرسیاں رکھی گئی تھی۔ گھر کے سامنے دو جگہ آگ جل رہی تھی۔ مہمانوں کے لیے کھانا تیار ہو رہا تھا، ایک آدمی گول گپوں کی تیاری میں مصروف تھا اور دوسرا سیخوں میں بوٹیاں پرو رہا تھا۔ سیف ہاتھ پیچھے باندھے ان سب کا جائزہ لے رہا تھا۔

اختر۔۔۔

سیف نے آگ کے پاس کھڑے اختر کو آواز دی۔

اختر فوراً قریب آیا۔

جی بھائی۔

وہ پان والا نہیں آیا؟

بھائی، ابھی فون کیا ہے۔ کہہ رہا ہے بس پہنچ رہا ہوں۔

اور نان؟

وہ تھوڑی دیر تک آجائیں گے۔

کسی کو کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔

جی بھائی۔

اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟

نہیں بھائی۔

بہت بہت مبارک ہو بھائی۔ عمر نے آکر گلے ملتے ہوئے کہا۔

خیر مبارک۔ سیف نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

تینوں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ باتوں کے دوران سیف نے ایک نظر گلی میں دوڑائی۔ گلی میں گاڑیاں کھڑی تھیں۔ لائٹس کی روشنی میں بچے گاڑیوں کے پیچھے چھپ رہے تھے۔ بچے چھپن چھپائی کھیل رہے تھے۔ ان کی ہنسی اور گنتی کی آوازیں فضا میں گھلی ہوئی تھیں۔

سیف نے گلی کے دوسرے سرے سے آتی تین گاڑیوں کو دیکھا۔ پہلی گاڑی کو وہ فوراً پہچان گیا۔ گاڑی گھر کے سامنے آ کر رکی۔

شیشے کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے جیسے ہی باہر دیکھا، وہ ایک لمحے کو ساکت رہ گئی — بالکل برف کے مجسمے کی طرح۔

گاڑی کا اگلا دروازہ کھلا۔

نیلے رنگ کی قمیض شلوار اور کالے بوٹوں میں ملبوس ہمدان صاحب اترے۔ ان کے ساتھ اسماء باہر آئیں — پستہ رنگ کی قمیض شلوار، بال جوڑے میں بندھے، سر پر باریک دوپٹہ، کلائی میں دو کنگن اور ہاتھ میں بیگ لیے۔

دوسری گاڑی سے ارحم، اس کا کزن نوید اور تین لڑکیاں باہر نکلیں۔ ارحم اور نوید نے نیلے رنگ کی قمیض شلوار کے ساتھ کالے رنگ کے بوٹ پہن رکھے تھے جبکہ تینوں لڑکیوں نے ہلکے پیلے رنگ کی قمیض شلوار اور باریک دو پٹے اوڑھ رکھے تھے۔ آخری گاڑی سے ارحم کے تایا، تائی، چچا اور چچی بھی باہر آ گئے۔

چلو جلدی کرو، شادی کے بعد دیکھ لینا۔ حرا نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

حرا کی آواز پر مومنہ چونک کر ہوش میں آئی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی۔ وہ بے اختیار شرما گئی۔ وہ جلدی سے اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

کریم رنگ کی نفیس شارٹ قمیض، نیچے نرم جھالر والی فرشی شلوار، کندھوں پر پیچ رنگ کا باریک کام والا دوپٹہ، چہرے پر ہلکا سا میک اپ جو اس کی قدرتی خوبصورتی کو اور نکھار رہا تھا اور بالوں میں بندھی چھوٹی چھوٹی چٹکیاں اس کے

سراپے میں ایک معصوم سی شوخی گھول رہی تھیں۔ ہاتھوں پر لگی مہندی اپنی خوشبو اور رنگ کے ساتھ مہک رہی تھی جبکہ کلائیوں میں پہنی جھولتی چوڑیاں ہر جنبش پر مدھم سی آواز بکھیر رہی تھیں — مومنہ آج حد درجہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

حرا نے سکن کلر کی لمبی قمیض ساتھ میں پجامہ اور سر پر باریک دوپٹہ لیا ہوا تھا۔

سیف آگے بڑھا۔

السلام علیکم!

وعلیکم السلام!

ہمدان صاحب اور اسماء کی طرف سے فوراً جواب آیا۔

سیف، ہمدان صاحب سے ملا، پھر اسماء سے پیار لیا اور باقی مہمانوں سے ملا۔

مومنہ گاڑی سے باہر نکلی۔

اچانک سیف کی نظر مومنہ پر پڑی۔ اس نے آدھا چہرہ دوپٹے میں چھپا رکھا تھا۔ سیف ایک لمحے کو ٹھہر گیا۔ چہرے کی ہلکی سی جھلک ہی کافی تھی — وہ واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

سیف بھائی۔ حمزہ کی آواز پر وہ چونکا۔

صفا آپی بلا رہی ہیں۔

اچھا، تم مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں لے جاؤ، میں آتا ہوں۔

جی بھائی۔

سیف نے دوبارہ گاڑی کی طرف دیکھا، لیکن دیر ہو چکی تھی، حرا اور مومنہ آگے بڑھ چکی تھیں۔

حمزہ سب کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ کچھ ہی لمحوں میں خدیجہ بیگم بھی آپہنچیں۔ اسی دوران صفا اندر داخل ہوئی — کریم رنگ کی نفیس شارٹ قمیض، نیچے نرم جھالر والی فرشی شلوار اور کندھوں پر باریک کام والا کریم رنگ کا دوپٹہ اس کے وجود کو نہایت سلیقے سے سنوارے ہوئے تھا۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ اس کی قدرتی خوبصورتی کو اجاگر کر رہا تھا، بالوں میں بندھی چھوٹی چھوٹی چٹکیاں۔ ہاتھوں پر لگی مہندی کی خوشبو اور کلائیوں میں پہنی جھولتی چوڑیاں ہر حرکت کے ساتھ مدھم سی جھنکار بکھیر رہی تھیں۔ وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ صفا خوش دلی کے ساتھ آگے بڑھی، سب سے محبت سے ملی اور مومنہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

بہت زیادہ پیاری لگ رہی ہو۔ صفا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
تم بھی بہت زیادہ پیاری لگ رہی ہو۔ مومنہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
پیاری ہوں تو پیاری ہی لگوں گی نا۔
صفا نے پلکیں جھپکائیں، ہنسی کو ہونٹوں میں دبایا۔
مومنہ نے جواباً ٹیڑھی آنکھیں بنا کر اس کی طرف دیکھا اور اگلے ہی لمحے دونوں کی مسکراہٹیں ایک دوسرے میں گھل گئیں — ایک ایسی بے ساختہ خوشی، جو لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی۔
تمہاری خالہ اور ماموں نہیں ائے؟
وہ کل ائیں گے۔
اور تمہاری پھوپھو بھی نہیں آئیں؟
صفا نے سب پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر ذرا سا جھک کر سرگوشی میں پوچھا۔
نہیں۔۔۔ مومنہ نے زور دیتے ہوئے کہا۔
کیوں؟ صفا کی بھنویں ہلکی سی سمٹ گئیں۔
طبیعت ٹھیک نہیں ان کی۔ مومنہ نے چڑھانے والے انداز میں کہا۔
کیوں، کیا ہوا؟
کچھ نہیں، بس ڈرامے بازی — وہ کندھے اچکا کر بولی۔
تمہاری پھوپھو کی تینوں بیٹیاں تو یہاں پر ہیں، تو گھر میں ان کے پاس کون ہے؟
صفا نے اپنے سامنے بیٹھی مومنہ کی تینوں کزنز پر نظر ڈالی اور آہستہ سے کہا۔
ہارون بھائی کو چھوڑ کر آئے ہیں، وہ تو ارحم کو اپنے ساتھ رکنے کا کہہ رہی تھی۔
ارحم کو کیوں؟
ارحم سے اپنی بیٹی نادیہ کی شادی کے خواب دیکھ رہی ہیں۔
مومنہ نے اپنی کزن کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
نادیہ کون سی ہے ان میں سے؟ صفا نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
یہ جو درمیان میں بیٹھی ہے۔

ایک تو ان کی شکلیں آپس میں بہت ملتی ہیں، میں ہر بار بھول جاتی ہوں۔
تینوں بہت ہی تیز ہیں اپنی ماں کی طرح۔
اچھا چھوڑو، اپنا موڈ خراب نہیں کرو۔
مومنہ خاموش ہو گئی۔
کچھ دیر بعد صحن میں خواتین کھانے میں مصروف تھیں۔ مرد حضرات کھانا کھا کر باہر گلی میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ ہنسی اور باتوں کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔
عائشہ اور زمل خالہ کسی بات پر مسکراتے ہوئے کھانا کھا رہی تھیں۔ مہروش، مہروا اور مریحا گول گپے کھانے میں مصروف تھیں۔ خدیجہ بیگم سکینہ کو ہدایات دے رہی تھیں۔ اسماء ایک طرف کھڑی فون پر بات کر رہی تھی۔
حیدر، علی اور احمد ایک کونے میں کھڑے پان چبا رہے تھے۔
ہمیں بھی پان لا دو۔ زوحل اور ایرا نے آ کر کہا۔
لڑکیاں پان نہیں کھاتیں۔ حیدر نے کہا۔
کیوں؟ لڑکیوں کو کیا ہے؟ مریحا بولی۔
بوندی، تم چپ کرو۔ حمزہ نے چھیڑا۔
میرا نام بوندی نہیں، مریحا ہے اور کیوں چپ کروں میں؟ وہ چڑ گئی۔
میں تو بوندی ہی کہوں گا۔ علی اور احمد ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے۔
ٹھیک ہے، پھر میں بھی تمہارا کوئی نام رکھ دوں گی۔
رکھ دو، مجھے فرق نہیں پڑتا۔ حیدر نے اپنے کندھے اچکائے۔
یہ لو۔۔۔
اسی ہنسی مذاق کے دوران حمزہ پان سے بھری پلیٹ لے کر ان کے پاس آ پہنچا۔
سب نے ایک ایک پان اٹھایا اور دانتوں کے نیچے دبا لیا۔
ہمم۔۔۔ یہ تو کڑوا ہے۔ زوحل نے منہ بنا کر کہا۔
یہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ احمد ہنسا۔

اسی لمحے امایہ اور مومل بھی ان سب کے پاس آگئی۔ حیدر، امایہ اور زوحل مل کر ایک دوسرے کی تصویریں بنانے لگے۔ علی اور احمد ایک دوسرے کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ مریحا اور ایرا مزے سے پان چبا رہی تھی جبکہ زوحل اپنا منہ دھونے چلی گئی تھی۔ اس کو پان اچھا نہیں لگا تھا۔

چلو، سارے آجاؤ۔ خدیجہ بیگم کی آواز گونجی۔

سب نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ سب کو دھولکی کے لیے بلا رہی تھیں۔ سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

سیف نوں بلا کے لے آؤ۔

جی دادی۔ علی فوراً باہر چلا گیا۔

سکینہ، جا کے مومنہ، صفا تے مریم نوں بلا کے لے آؤ۔

جی دادی۔

صحن میں خوشیوں کی دھڑکن مزید تیز ہونے کو تھی۔

✦ ✦ ✦

شہریار سنسان سڑک پر آہستہ آہستہ چلتا جا رہا تھا۔ سڑک کی ویرانی جیسے اس کے دل کی کیفیت کی ترجمان تھی۔ چاندنی میں بنا، اس کا سایہ قدم بہ قدم اس کے ساتھ چل رہا تھا، جیسے اس کی تنہائی کا واحد ساتھی ہو۔ آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں، بال بکھرے ہوئے اور چہرہ تھکن اور کرب کی تصویر بنا ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں کا منظر کبھی کبھار دھندلا جاتا تو وہ بے اختیار ہاتھ سے آنکھیں ملتا، جیسے منظر کو صاف کرنے کی کوشش کر رہا ہو، مگر مسئلہ آنکھوں میں نہیں تھا — اس کے ذہن پر یادوں کا بھاری پردہ تن چکا تھا، جو ہر قدم کے ساتھ مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے سے یوں ہی چلتا جا رہا تھا، نہ جانے منزل کیا تھی۔

چند لمحے مزید چلنے کے بعد وہ گھٹنوں کے بل سڑک پر بیٹھ گیا۔ آنکھوں سے آنسو بے قابو ہو کر بہنے لگے۔ اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی — آسمان دھندلا پڑ چکا تھا یا شاید آنسوؤں نے اسے دھندلا کر دیا تھا۔

یا اللہ —

شہریار نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہاں ایک ایسا درد اٹھ رہا تھا جو سانس لینا دوبھر کر رہا تھا۔ آنسو تیزی سے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

یا اللہ —

وہ بمشکل بولا پا رہا تھا۔

اس کے الفاظ حلق میں اٹک رہے تھے، زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

یا اللہ۔۔۔ مجھے معاف کر دے۔۔۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔

یہ درد میری جان کیوں نہیں لے لیتا؟ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولا۔

دل ٹوٹنے کا درد کیسا ہوتا ہے — میں جان گیا ہوں۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے کو مسلنے لگا۔ درد کی شدت بڑھتی جا رہی تھی اور آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اس کی گونجتی ہوئی آواز ویران سڑک پر پھیلتی جا رہی تھی۔

یا اللہ —

مجھے اس درد سے آزاد کر دے۔

یا اللہ — یا اللہ — وہ گڑگڑا رہا تھا۔

میں کہاں جاؤں؟

میں کیا کروں؟

میری تکلیف کا ازالہ فرما دے۔۔۔

مجھے میرے گناہوں کی سزا اس طرح ملے گی، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں سب کچھ بھول گیا تھا — میں سب بھول گیا تھا۔

ایک سسکی اس کے سینے سے نکلی۔

یا اللہ میں بھٹک گیا تھا —

شہریار کے چہرے پر درد کی ہر لکیر نمایاں تھی۔ وہ اسی سنسان سڑک پر زمین پر بیٹھا بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ ویرانے میں، خاموش رات کے سناٹے میں، وہ اپنے رب کو پکار رہا تھا — بس وہی اس کی آخری امید تھا۔

✦ ✦ ✦

صحن میں باتوں اور قہقہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ خوشی جیسے ہر کونے میں رچ بس گئی ہو۔ آہستہ آہستہ سب لوگ ایک ہی جگہ پر جمع ہو گئے۔

خدیجہ بیگم صحن کے عین درمیان میں ڈھولکی لے کر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے سادہ سا لباس پہن رکھا تھا، مگر اس سادگی میں بھی ایک الگ ہی چمک تھی، جیسے خوشی نے خود ان کے وجود میں بسیرا کر لیا ہو۔

خدیجہ بیگم کی دائیں جانب سارے لڑکے ایک گروپ کی صورت میں بیٹھ گئے تھے۔ سیف اور حارث ذرا پیچھے کھڑے تھے۔

حارث نے سفید شلوار قمیض کے ساتھ کالے رنگ کی کھیڑی پہن رکھی تھی۔ اس کے بکھرے ہوئے بال اس کی وجاہت کو اور نکھار رہے تھے۔

بائیں جانب ساری لڑکیاں آکر بیٹھ گئیں۔ لڑکوں والی سمت عائشہ اور زمل خالہ بھی آبیٹھیں، جبکہ لڑکیوں کی طرف مومنہ کی امی، حرا، چچی فضا اور تائی کلثوم اپنی جگہ سنبھال چکی تھیں۔ ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، جیسے دلوں کی کیفیت آنکھوں میں اتر آئی ہو۔

اختر آکر سیف کے پاس کھڑا ہو گیا۔

بیٹھ جاؤ، تم بھی۔ سیف نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

جی بھائی۔ اختر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اسی لمحے کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھلا۔ سب سے پہلے سکینہ باہر نکلی۔ اس کے چہرے پر ایک ٹھہرا ہوا سکون تھا۔ اس کے پیچھے مریم اور زویا قدم بہ قدم آرہی تھیں، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے۔

مریم نے کریم رنگ کی نفیس شارٹ قمیض، نیچے نرم جھالر والی فرشی شلوار اور کندھوں پر باریک کام والا گلابی دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ تھا، چند بال آگے کی طرف چہرے پر بکھرے ہوئے اور باقی پیچھے جوڑے میں بندھے تھے۔ ہاتھوں پر لگی مہندی کے نقش اور کلائیوں میں پہنی جھلتی چوڑیاں اس کے سراپے میں ایک نرم سی دلکشی گھول رہی تھیں۔

زویا کا لباس بھی کچھ مختلف نہ تھا، بس اس کے انداز میں شوخی ذرا زیادہ جھلک رہی تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں پر مہندی کے ہلکے سے نقش بنے تھے اور کلائیوں میں چوڑیاں تھیں، جو ذرا سی جنبش پر کھنک اٹھتی تھیں۔

کچھ ہی لمحوں بعد صفا اور مومنہ بھی کمرے سے باہر نکلیں، کسی بات پر ہنستی ہوئی۔

سیف کی نظریں بے اختیار مومنہ پر ٹھہر گئیں۔ مومنہ کے چہرے پر ایک ایسی چمک تھی جو اسے اور بھی حسین بنا رہی تھی۔

ادھر حارث کی نظریں مریم پر جم گئیں۔ مریم زویا سے مسکرا کر کچھ کہہ رہی تھی اور حارث پلک جھپکنا تک بھول گیا تھا۔ دونوں کے لیے تو جیسے وقت ایک لمحے کو ٹھہر سا گیا ہو۔

ہیلووو۔۔۔

حمزہ نے دونوں کے چہروں کے آگے ہاتھ لہرایا۔ دونوں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

ہمم۔۔۔ حمزہ نے زور دے کر کہا۔

چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔ حارث نے جواب دیا۔

مومنہ لڑکیوں والی سائیڈ پر جا کر بیٹھ گئی، جبکہ صفا لڑکوں والی طرف آ گئی۔ زویا صفا کے بالکل برابر بیٹھ گئی اور مریم اس کے پیچھے۔

سیف کی نظریں اب بھی مومنہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔

ہیلو کیوٹی۔ احمد نے زویا کے گال کھینچتے ہوئے کہا۔

زویا نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر منہ موڑ کر دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔

سب سے آخر میں نور کمرے سے باہر آتی دکھائی دی۔ زمردی سبز لباس پر سنہری کڑھائی روشنیوں میں جگمگا رہی تھی۔ اس کی سیاہ رنگت ان روشنیوں میں اور نکھر آئی تھی۔ وہ دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی صحن میں داخل ہوئی۔

میں کس کی طرف ہوں؟ اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

آپ ہماری طرف آجائیں۔ مومل اونچی آواز میں بولی۔

اوکے۔ نور مسکراتے ہوئے اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

سکینہ خدیجہ بیگم کے عین سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ سب اپنی اپنی جگہ سنبھال چکے تھے۔ سکینہ نے شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ چمچ اٹھایا اور سامنے رکھے ڈھول پر ہلکی سی ٹھک بجائی۔ پھر ایک اور۔۔۔

چمچ کی تال ڈھول کی تھاپ میں ڈھلنے لگی اور ہنسی کی روشنی ہر چہرے پر بکھر گئی۔

خدیجہ بیگم نے بول چھیڑا تو ساتھ ہی تالیاں بجنے لگیں۔ ان کی آواز میں وہی پرانی مٹھاس تھی جو برسوں سے خوشیوں کے لمحوں کی گواہ رہی تھی۔

کالا ڈور یا کندیاں نال اڑتا یا اوئے

انہوں نے تال کی تھاپ پر آواز ملائی تو سب نے بے اختیار ساتھ دینا شروع کر دیا۔ صحن میں جیسے ایک لمحے میں جان آ گئی ہو۔ ہنسی، تالیاں اور ڈھول کی تھاپ ایک دوسرے میں گھل گئیں۔

کالا ڈور یا کندیاں نال اڑتا یا اوئے

کے چھوٹا دیورا بھابی نال لڑتا یا اوئے

تال کی رفتار بڑھتی گئی اور مسکراہٹیں خود بخود چہروں پر اترتی چلی گئیں۔

چھوٹے دیورا تیری دور پائی وے

نہ لڑ سونیا تیری اک پر جھائی وے

چمچ کی تھاپ ڈھول کی آواز میں گھلتی چلی گئی۔

چناں چوڑی دا نہ مکھن آندانی

لے جا پتہ اے میرا پہلا کھانڈا نئیں

فضا میں قہقہوں کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔

اوہ کالا ڈور یا کندیاں نال اڑتا یا اوئے

کے چھوٹا دیورا بھابی نال لڑتا یا اوئے

بول آگے بڑھا تو شرارت بھی ساتھ چل پڑی۔

ککڑی اوہ لیندی جیرتی کر کر کردی اے

کے سوہڑے نئیں جانا ساس بڑبڑ کردی اے

اس لائن پر سب نے مسکراتے ہوئے مومنہ کو دیکھا۔ اس کے چہروں پر جھجک اور شرارت ایک ساتھ جھلک رہی تھی۔

ککڑی اوہ لیندی جیرتی انڈے دیندی اے

سوہرا دے چرکا میری جتی سہندی اے

تالیاں مزید زور پکڑ گئیں۔

اوہ کالا ڈور یا کندیاں نال اڑتا یا اوئے

کے چھوٹا دیورا بھابی نال لڑتا یا اوئے

بول بدلتا گیا اور ساتھ ہی لہجہ بھی۔

ستھن چیت دیاں ملتانوں آیاں نیں

ماواں اپنیاں جینا رِیجا لایاں نیں

کمیضاں سلک دیاں اے دلیوں آیاں نیں

تساں بیگانیاں جینا گلاں لایاں نیں

صحن میں بیٹھے ہر چہرے پر خوشی کی روشنی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

اوہ کالا ڈور یا کندیاں نال اڑتا یا اوئے

کے چھوٹا دیورا بھابی نال لڑتا یا اوئے

بول ایک کے بعد ایک دل کو چھوتے چلے جا رہے تھے۔

سن لئی گل کسے تے پھبو میری نیں

جا کے پتر دے کن پھڑے ہنیری نیں

سن کے وٹ برتا ٹھولے نوں چڑھتا یا اوئے

لئی لگ مہیا ساڈے نال لڑتا یا اوئے

تالیاں، ہنسی اور آوازیں ایک دوسرے میں گھل گئیں۔

اوہ کالا ڈور یا کندیاں نال اڑتا یا اوئے

کے چھوٹا دیورا بھابی نال لڑتا یا اوئے

بول کی روانی تھمی نہیں۔

اوہ آکھے اناں دے اوس نے پھڑ لئی سوٹی اے

کے مڑ جا سوہنیا تیری چن جئی ووٹی وے

نندیاں وڈیاں دیاں نہ کدے سہارا نئیں

تُر جا پیکے نی میں رہنواں کنوارا نئیں

فضا میں شرارت بھری ہنسی بکھر گئی۔

اوہ کالا ڈور یا کندیاں نال اڑتا یا اوئے

کے چھوٹا دیورا بھابی نال لڑتا یا اوئے

بول کے اختتام پر خدیجہ بیگم ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئیں۔ جیسے سانس لینے کا وقفہ لیا ہو۔

گیت ختم ہوا تو سکینہ نے فوراً دوسرا شروع کر دیا۔

بلے بلے بھئی ٹور پنجابن دی

او جوتی کھل دی مروڑاں نئی او چل دی ٹور پنجابن دی

بلے بلے

اردگرد خوشی اور تالیوں کا شور اور بڑھ گیا۔ چمچ کی تھاپ تیز ہوتی گئی اور ساتھ ہی لڑکیاں بھی جھومنے لگیں۔

او بلے بلے نی ماں دیے ماں دیے موم بتیے

او بلے بلے نی ماں دیے ماں دیے موم بتیے

او سارے پنڈ وچ چانن تیرا او ماں دیے موم بتیے

بلے بلے بھئی ٹور پنجابن دی

او سارے پنڈ وچ چانن تیرا او ماں دیے موم بتیے

بلے بلے بھئی ٹور پنجابن دی

او بلے بلے نی ماں دیے ماں دیے موم بتیے

مومنہ کبھی کبھار نظریں اٹھا کر سیف کی طرف دیکھ لیتی۔ تالیاں بجاتے ہوئے اس کے ہاتھوں کی چوڑیاں چھن چھن کی آواز پیدا کر رہی تھیں۔

اچانک خدیجہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ ایک لمحے کے لیے تالیاں بجانے والے ہاتھ بھی تھم گئے۔

زویا کے گالوں پر سرخی دوڑ رہی تھی۔ وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے سب کی نقل کرتے ہوئے تالیاں بجا رہی تھی۔

کڑیو، تسی وی کوش بولو۔

خدیجہ بیگم نے صفا اور اس کی خالہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

عائشہ اور زمل خالہ نے ایک دوسرے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور پھر ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا۔ سکینہ نے ڈھول پر ہاتھ رکھا، پہلے تھاپ کو ذرا نرم رکھا، پھر اچانک رفتار تیز کر دی — جیسے صحن میں خوشی کا کوئی طوفان امڈ آنے والا ہو۔

آلو مٹر پکائے ہوئے نے

آلو مٹر پکائے ہوئے نے

ان کی آواز کے ساتھ ہی سب نے بے اختیار آواز ملانا شروع کر دی۔ تالیاں، قہقہے اور ڈھول کی تھاپ ایک دوسرے میں گھلنے لگے۔

ساڈے نالوں مٹر چنگے

جیڑے سینے نال لائے ہوئے نے

ساڈے نالوں مٹر چنگے

جیڑے سینے نال لائے ہوئے نے

عائشہ اور زمل خالہ خاموش ہوئیں تو تالیاں بھی لمحہ بھر کو تھم گئیں۔

مومل اور ایرا منہ ٹیڑے میڑے کرتے ہوئے سنیپ بنانے لگیں، جیسے کسی مقابلے میں ہوں۔ حمزہ نے ہنستے ہوئے موبائل نکالا اور ان کی ویڈیو بنانے لگا۔ علی انہیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

کڑی دی ماں کتھے اے؟

خدیجہ بیگم نے گردن گھما کر اسماء کی طرف دیکھا۔

لے ویکھ تاں سہی، پچھے لوک کے بیٹھی اے۔ چل ہن، تیری واری اے۔

اسماء کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسماء نے نفی میں سر ہلایا۔

چل سنک نہ۔

خدیجہ بیگم نے نرمی کے ساتھ، مگر قدرے اونچی آواز میں کہا۔

اسماء نے مسکراتے ہوئے بولنا شروع کیا تو صحن ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ صفا زویا کے چہرے پر جھلملاتی خوشی دیکھ کر بار بار اس کے گال چوم رہی تھی۔

باغ وچ آیا کرو

باغ وچ آیا کرو

کنگی شیشا میں دینی آں

تسی ٹنڈ لشکایا کرو

کنگی شیشا میں دینی آں
تسی ٹنڈ لشکایا کرو
ایک ساتھ سب کے ہنسنے کی آواز گونج اٹھی۔ اسماء نے شرماتے ہوئے چہرہ جھکا لیا۔
مریم پیچھے خاموش بیٹھی تالیاں بجا رہی تھی، اس کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔
حارث اسے دیکھ کر خود ہی بلش کر رہا تھا۔
سیف، ہاتھ پیچھے باندھے، مسکراتے ہوئے اس پوری رونق کو دیکھ رہا تھا — جیسے اس لمحے کو دل میں محفوظ کر رہا ہو۔
آپی صفا، بس کر دیں۔ اب ہم نے گانے چلانے ہیں۔ حمزہ نے صفا کے کان میں سرگوشی کی۔
اچھا۔ صفا نے رخ موڑ کر آہستہ آواز میں کہا۔
کلثوم، چل ہن توں وی بول۔
میں۔۔۔؟
ہاں، توں۔
کلثوم تائی نے گلا صاف کیا، ذرا سنبھل کر بیٹھیں اور پھر بولنا شروع کر دیا۔
کوئی کٹنی آں روح مایا
کوئی کٹنی آں روح مایا
اک سونا تو لگنائے
دوجا فر بھی تو مایا
اک سونا تو لگنائے
دوجا فر بھی تو مایا
صفا نے مسکراتے ہوئے سکینہ کی طرف دیکھا اور ہلکے سے ہاتھ کے اشارے سے اسے بس کرنے کا کہا، مگر سکینہ کہاں رکنے والی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک اور ہونٹوں پر چنچل سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے چمچ کو شوخی سے فضا میں گھمایا، جیسے کسی نئی شرارت کا اعلان ہو اور اگلا ٹپا پوری مستی کے ساتھ چھیڑ دیا — یوں جیسے خوشیوں کی لڑی ابھی ٹوٹنے والی نہ ہو۔
چٹا ککڑ بانیرے تے

چٹا ککڑ بانیرے تے

کاسنی ڈوپٹے والیے

منڈا عاشق تیرے تے

سکینہ نے مسکراتے ہوئے مومنہ کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر سے کہا۔

کاسنی ڈوپٹے والیے

منڈا عاشق تیرے تے

مومنہ نے ایک نظر سیف کی طرف دیکھا، سیف بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مومنہ شرما گئی۔

چمچ کی آخری تھاپ کے ساتھ ہی صحن تالیوں سے گونج اٹھا۔ سکینہ نے ہنستے ہوئے چمچ کو ہوا میں لہرایا، جیسے اس کامیاب ٹپے کی فتح کا اعلان کر رہی ہو۔

احمد، سپیکرز لے کر آؤ۔ حمزہ نے اونچی آواز میں کہا۔

سپیکرز کا نام سنتے ہی سب کا جوش جیسے قابو سے باہر ہونے لگا۔ قہقہے بلند ہو گئے اور آنکھوں میں چمک اتر آئی۔

مومل اور زوحل فوراً اپنی جگہ سے اٹھیں اور تیزی سے صفا کے پاس پہنچ گئیں۔ مومل نے آگے بڑھ کر صفا کا بازو تھاما۔ صفا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

بھائی سیف سے کہو کہ ہم نے ڈانس کرنا ہے۔

یہ سنتے ہی صفا کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

میں نے نہیں کہنا۔

پلیز۔۔۔ زوحل نے ذرا زور دے کر کہا۔

نہیں، بھائی سیف غصہ کریں گے۔

اس لیے تو پہلے پرمیشن لے رہے ہیں۔

تم خود جا کر بات کرو۔

پھر آپ بھی ساتھ چلیں۔

نہ بابا نہ۔

چلیں نا۔۔۔ مومل نے ضد کرتے ہوئے اس کے بازو کو ہلکا سا جھنجھوڑا۔

صفا کی آنکھوں میں شرارت کی چمک اتر آئی۔ وہ دونوں کے قریب جھکی اور سرگوشی میں بولی۔

دادی سے کہو – وہ سیف بھائی سے بات کر لیں گی۔

تینوں کے چہروں پر ایک ساتھ مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر خدیجہ بیگم کی طرف دیکھا، جو مومنہ اور اسماء کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں، صحن کی ساری خوشی انہی کے گرد گھوم رہی ہو۔

جلدی جلدی سیٹ کرو۔ علی کی آواز گونجی۔

اسی لمحے احمد سپیکرز لے آیا۔ علی، احمد اور حمزہ سب نے مل کر جلدی جلدی کرسیاں ترتیب سے سیٹ کرنا شروع کر دیں۔ کوئی کرسی کھینچ رہا تھا، تو کوئی سیدھی کر رہا تھا – سب کے چہروں پر ایک ہی جوش جھلک رہا تھا۔

حیدر نے موبائل نکالا اور سپیکرز کے ساتھ کنیکٹ کرنے لگا۔

آپ سب کرسیوں پر بیٹھ جائیں۔

احمد اور حمزہ ادھر اُدھر جا کر سب کو کہتے پھر رہے تھے۔

اسی دوران نوید اسماء کے قریب آیا اور جھک کر سرگوشی کی۔

چچی، ابو کہہ رہے ہیں کہ اب چلو، چلیں۔

اسی لمحے صفا، مومل اور زوحل تینوں خدیجہ بیگم کے پاس آ کھڑی ہوئیں – آنکھوں میں التجا، لبوں پر مسکراہٹ اور دل میں ڈانس کی اجازت کی امید لیے۔

ابھی تھوڑی دیر رک جاؤ۔ صفا نے مومنہ کے کان میں آہستگی سے کہا۔

اسی لمحے مومل اور زوحل خدیجہ بیگم کے پاس آ گئیں۔ دونوں نے پیار سے ان کا بازو تھاما اور انہیں ذرا فاصلے پر لے گئیں۔

دادی، بات سنیں۔۔۔

اسماء کی نظر مومنہ پر ٹھہر گئی۔

چلو چلیں۔

اماں، کچھ دیر رک جائیں۔۔۔

نہیں، بس چلو چلیں، حرا کو بلاؤ۔

حرا اس وقت مریم کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی اور صحن میں پھیلی رونق کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔

اماں۔۔۔ مومنہ نے پھر کوشش کی۔

رک کر کیا کرنا ہے؟

انٹی تھوڑی دیر رک جائیں۔ صفا نے نرم لہجے میں کہا۔

اسماء نے ایک لمحے کو مومنہ کی طرف دیکھا، پھر نوید کی جانب متوجہ ہوئیں۔

اپنے چچا سے کہو کہ کچھ دیر رک جائیں۔

جی، چچی۔ نوید فوراً باہر کی طرف بڑھ گیا۔

ادھر مومل نے ہمت جمع کی۔

دادی، ہم نے ڈانس کرنا ہے۔

ہاں تے کر لو۔

دادی، سیف بھائی نہیں مانیں گے، آپ کو پتہ تو ہے ان کا۔

میں اُنوں دیکھ لیندی آں۔

یہ کہتے ہوئے خدیجہ بیگم آگے بڑھ گئیں۔ مومل اور زوحل خوشی سے جھوم اٹھیں، جیسے ان کی آدھی جنگ وہیں جیت لی گئی ہو۔

حیدر نے آہستگی سے گانے چلا دیے۔ وہ بار بار گانے بدل رہا تھا، جیسے صحیح لمحے کا انتظار کر رہا ہو۔

اب صحن کا درمیان مکمل طور پر خالی ہو چکا تھا۔ سب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ خدیجہ بیگم، اسماء، صفا اور مومنہ ایک ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔ مریم صفا کے ساتھ بیٹھی تھی اور زویا اس کی گود میں سمٹی ہوئی تھی۔ ہر طرف سرگوشیاں، مسکراہٹیں اور بے قراری پھیلی ہوئی تھی۔

اسی دوران حیدر دوڑتا ہوا صفا کے پاس آیا۔ اس نے موبائل اس کے سامنے کیا۔ صفا نے موبائل کی اسکرین کی طرف دیکھا، پھر حیدر کی آنکھوں میں جھانکا۔ مومنہ بھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

جب میں آپ کو اشارہ کروں، تو آپ نے پلے کا بٹن دبا دینا ہے۔

ٹھیک ہے۔ صفا نے مسکرا کر کہا۔

حیدر وہاں سے ہٹ گیا اور صحن میں ایک بار پھر وہی سنسنی پھیل گئی – جیسے اگلے ہی لمحے کوئی یادگار منظر جنم لینے والا ہو۔

مومل اور زوحل صحن کے عین درمیان میں آکر کھڑی ہو گئیں۔ اردگرد کی ہلچل یکدم تھم سی گئی۔

حیدر کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس نے خاموشی سے صفا کو اشارہ کیا۔ صفا نے موبائل پر پلے کا بٹن دبا دیا۔

مُنڈیا، مُنڈیا

جیسے ہی بیس کی پہلی گونج فضا میں پھیلی، مومل اور زوحل دھیرے سے آگے بڑھیں۔ ان کی آنکھوں میں شوخی کی چمک تھی – زوحل کی نظریں مومل پر جمی تھیں اور مومل کی مسکراہٹ جیسے جواب میں کوئی چنگاری سلگا رہی ہو۔

گانا پورے صحن میں گونجا –

مُنڈیا دُپٹہ چَڈ میرا

مومل گھومتی ہے۔ اس کا دوپٹہ ہوا میں پھیل کر لہرا جاتا ہے۔ زوحل ہاتھ بڑھاتی ہے، مگر دوپٹہ اس کی انگلیوں سے پھسل کر فضا میں تیر جاتا ہے۔

سب ایک ساتھ شور مچا اٹھے۔

زویا بھی سب کی طرف دیکھ کر خوشی سے شور مچانے لگی۔ سیف نے زویا کی طرف دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیا۔

مومل اور زوحل ایک لمحے کو رک کر ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں، پھر مسکرا دیتی ہیں۔

نئیں شرماں دا گھونگھٹ لاھی دا، ہائے

مومل ایک قدم پیچھے ہٹتی ہے، چہرے پر مصنوعی جھجک۔

زوحل دوپٹے کے کونے پکڑ کر اپنا آدھا چہرہ ڈھانپ لیتی ہے، پھر آہستہ آہستہ مومل کے گرد چکر لگانے لگتی ہے۔

ہر چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔

ایزا اور مریحا ویڈیو بنا رہی تھیں، لڑکے ڈانس کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔

صفا اور مومنہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

خدیجہ بیگم اسماء سے کچھ کہہ رہی تھیں اور اسماء مسکرا کر آگے سے نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔

نئیں ایں ج ستانا چاہی دا

مومل اچانک دوپٹہ نیچے گرا دیتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں شرارت چمکتی ہے۔

زوحل چونک جاتی ہے – مومل آگے بڑھ کر انگلی اس کے سینے پر رکھ دیتی ہے۔

گڑئیے، گڑئیے

اب زوحل کی باری تھی – وہ مومل کے گرد چکر لگاتی ہے، اس کے بالوں کی ایک لٹ کو اشارے سے ہٹاتی ہے اور جھک کر اسے سلام کرتی ہے۔

گڑئیے، بدامی رنگ تیرا

زوحل کے چہرے پر نرمی اتر آتی ہے۔ وہ مومل کے قریب آتی ہے۔

دونوں ایک ہی رفتار میں چلتی ہیں – قدم در قدم، نظریں در نظریں۔

نئیں گھونگھٹ چ لُکانا چاہی دا، ہائے

مومل اپنا دوپٹہ ہٹا دیتی ہے۔

زوحل ہاتھ بڑھاتی ہے – مومل لمحہ بھر جھجکتی ہے، پھر اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے۔

نئیں سجن نوں ترسائی دا

ان کے دوپٹے آپس میں الجھ جاتے ہیں۔

فضا میں ایک بار پھر سب کی آواز گونجتی ہے۔

رُوکی، تُوں راہ میری روکی، ویکھن گے لوکی

زوحل مومل کے راستے میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ چہرے پر نرمی، آواز میں غرور۔

وہ مسکراتی ہے –

ہوواں گی بدنام، سجنا

دونوں ایک دوسرے کے گرد تیز گردش میں آتی ہیں۔

میں ہاتھ پئی جوڑاں، میں تینوں پئی موراں

مومل ہاتھ جوڑتی ہے، جھک کر شرارت سے مسکراتی ہے۔

زوحل اس کے ہاتھ تھام لیتی ہے اور دونوں ساتھ جھومنے لگتی ہیں۔

ناں مل سرِ عام، سجنا

دونوں ایک لمحے کے لیے پیچھے ہٹتی ہیں – نظریں ایک دوسرے میں قید، مگر فاصلہ برقرار۔

رولا، جے پَے گیا رولا، کریں ناں دل ہولا

اساں نئیں تیرا ساتھ چھڈنا

وہ ایک دوسرے کی طرف دوڑتی ہیں اور گھوم کر دائرہ مکمل کرتی ہیں۔

سن وے، سن وے

زوحل دو قدم آگے بڑھتی ہے، ہاتھ کان کے پاس لا کر جیسے کسی کو غور سے سننے کا اشارہ دیتی ہو۔ مومل پیچھے سے نرم مسکراہٹ کے ساتھ اس کی نقل کرتی ہے۔

سن وے سجن بے ایماناں

مومل اچانک زوحل کے سامنے آکر اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہے۔

ایہ رولا نئیں پینا چاہی دا

دونوں ایک ساتھ سر نفی میں ہلاتی ہیں۔ ان کے قدم ہم آہنگ ہو جاتے ہیں، تال کے ساتھ زمین کو چھوتے ہوئے۔

ہو، نئیں جگ نال اَڑّا لائی دا

زوحل بازو پھیلا کر دائرہ بناتی ہے، جیسے دنیا کو خود سے دور رکھ رہی ہو۔ مومل اس دائرے کے اندر آکر اس کے ساتھ کھڑی ہو جاتی ہے۔

منڈیاں

مومل شرارتی انداز میں زوحل کی طرف اشارہ کرتی ہے، صحن میں ہنسی اور سیٹیوں کی آواز گونج اٹھتی ہے۔

بیہنا، نی رَل کے بیہنا، ہمیشہ اِک رہنا

دونوں آہستہ آہستہ ایک ساتھ بیٹھتی ہیں، کندھے آپس میں ملتے ہیں، سر قریب آجاتے ہیں—حرکتوں میں قربت اور ساتھ کا وعدہ جھلکنے لگتا ہے۔

ایہ وعدہ اساں یاد رکھنا

زوحل اپنا ہاتھ دل پر رکھتی ہے، مومل اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیتی ہے۔ دونوں کی نظریں ایک لمحے کو ملتی ہیں۔

آئی وے جنج تیری آئی، وجے گی شہنائی

مومل کھڑی ہو کر گھومتی ہے، دوپٹہ فضا میں لہراتا ہے۔ زوحل تال کے ساتھ گھومتے ہوئے شہنائی بجنے کا منظر اپنے ہاتھوں سے بنا دیتی ہے۔

آوے گی اوہ وی رات سجنّا

دونوں آسمان کی طرف دیکھتی ہیں، پھر نظریں جھکا کر مسکراتی ہیں – جیسے کسی خواب کی رات کا تصور آنکھوں میں اتر آیا ہو۔

بیہنا، نی رَل کے بیہنا، ہمیشہ اِک رہنا

دوبارہ ایک ساتھ بیٹھ کر پھر اٹھتی ہیں، اس بار قدم اور بھی مضبوط، حرکات اور بھی ہم آہنگ – ساتھ نبھانے کا یقین صاف جھلکنے لگتا ہے۔

ایہ وعدہ اساں یاد رکھنا

مومل زوحل کی طرف ہاتھ بڑھاتی ہے، زوحل اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے۔ تالیاں تیز ہو جاتی ہیں۔

آئی وے جنج تیری آئی، وجے گی شہنائی

دونوں ایک ساتھ گھومتی ہیں، گھومتے گھومتے مرکز میں آ جاتی ہیں۔ دوپٹے، چوڑیاں، مسکراہٹیں – سب ایک منظر میں گھل جاتے ہیں۔

آوے گی اوہ وی رات سجنّا

دونوں ٹھہر جاتی ہیں، ہاتھ آپس میں جڑے ہوئے، سانس ہلکی سی تیز – چہروں پر ایسی مسکراہٹ جیسے پورا صحن اس لمحے کا گواہ ہو۔

بَلّیے عشق جدوں ہووے

مومل آگے بڑھتی ہے، زوحل کی طرف شوخ انداز میں ہاتھ بڑھا کر مسکراتی ہے۔

تے موقع نئیں گوانا چاہی دا

زوحل ہاتھ تھام کر ہلکا سا گھومتی ہے، دونوں کے قدموں کی تال ایک ہو جاتی ہے۔

نئیں سہرا مینوں لاؤنا چاہی دا

مومل نفی میں سر ہلاتی ہے، دوپٹے کو کندھوں سے سرکنے دیتی ہے۔

منڈیاں، منڈیاں

زوحل تالی بجاتے ہوئے مومل کے گرد ایک چکر لگاتی ہے۔

منڈیاں دوپٹہ چھڈ میرا

مومل دوپٹہ سنبھال کر شرارت سے زوحل کی طرف بڑھاتی ہے۔

نئیں شرماں دا گھونگھٹ لاہِی دا، ہائے

زوحل مصنوعی جھجک دکھاتے ہوئے پل بھر کو چہرہ ڈھانپ لیتی ہے۔

نئیں اِنّج ستانا چاہی دا

تالیاں، سیٹیاں، قہقہے — صحن خوشی سے گونج اٹھتا ہے۔

مومل اور زوحل ہلکی سانسوں کے ساتھ ہنستی ہیں۔

اسی کے ساتھ اگلا گانا شروع ہو جاتا ہے۔

حیدر، علی، احمد اور حمزہ پرجوش انداز میں مومل اور زوحل کی طرح صحن کے عین درمیان آ کر کھڑے ہو گئے۔ فضا میں ایک نیا جوش بھر جاتا ہے۔

مومل اور زوحل مسکراتی ہوئی واپس اپنی جگہ سنبھال لیتی ہیں اور باقی سب بھی اپنی نظریں اس نئے منظر پر جما لیتے ہیں۔

تو ہو گئی ون ٹو ٹُو ٹُو

گانے کی پہلی لائن پر علی سینٹر میں آتا ہے، دائیں پیر کے ساتھ زوردار اسٹمپ، دونوں ہاتھ کندھوں کی سطح پر اٹھا کر بیٹ کے ساتھ جھٹکا دیتا ہے۔ احمد اور حمزہ دونوں اطراف سے اس کے ساتھ ہم آہنگ ون ٹو اسٹیپ لیتے ہیں جبکہ حیدر پیچھے سے ہلکا اسپن لے کر فریم مکمل کرتا ہے۔

او کُڑئے واٹ ٹو ڈو

علی سوالیہ انداز میں ہاتھ پھیلاتا ہے، احمد گردن ہلا کر شوخی دکھاتا ہے، حمزہ کندھے اچکاتا ہے اور حیدر انگلی سے سامنے کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسے جواب مانگ رہا ہو۔

او ہو گئی منڈے دی

چاروں ایک ساتھ سینے پر ہاتھ رکھ کر فخر والا پوز لیتے ہیں، علی آگے بڑھ کر مضبوط اسٹانس لیتا ہے۔

تو ترُو ترُو

احمد تیز فٹ ورک کے ساتھ چھوٹے جمپس لیتا ہے، حمزہ زمین پر ایڑیوں کے ساتھ تیز تیز موومنٹ دیتا ہے، حیدر ہاتھ گھما کر رفتار بڑھاتا ہے، علی سب کو لیڈ کرتا ہے۔

پتنگاں ورگی

حیدر ہاتھ اوپر اٹھا کر پتنگ اُڑانے کا اشارہ بناتا ہے، احمد گردن پیچھے کر کے آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔

تو ایویں اُڑدی

حمزہ دونوں بازو پھیلا کر ہلکے قدموں سے آگے بڑھتا ہے، جیسے ہوا میں بہہ رہا ہو، علی اس کے گرد دائرہ بناتا ہے۔

سب کے ہنسنے کی آواز صحن میں گونجتی ہیں۔

او ہو گئی منڈے دی

چاروں دوبارہ اکٹھے ہو کر طاقتور اسٹمپ مارتے ہیں۔

تو ٹُرو ٹُرو

احمد اور حمزہ کراس اسٹیپس لیتے ہیں، حیدر اسپن کے ساتھ لائن بدلتا ہے، علی آخر میں ہاتھ زور سے نیچے مارتا ہے۔

بِلّا دے چل دی

کندھوں کی زوردار شیک — علی اور احمد آگے، حمزہ اور حیدر پیچھے ہم آہنگ موومنٹ۔

ایزا نے خوشی سے اونچی آواز میں سیٹی ماری۔

زویا نے اس شور میں سیٹی کی آواز پر چونک کر آسمان کی طرف دیکھا اور پھر اردگرد، شاید وہ آج پھر مکاؤ کو دیکھنا چاہ رہی تھی۔

سیف نور کے ساتھ بیٹھا کسی بات کی وضاحت کر رہا تھا اور نور مسکراتے ہوئے اس کی بات سنتی اور ساتھ ہی ڈانس پرفارمنس سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

ٹک ٹک توں کردی

سب زمین پر ہلکے اسٹمپ کے ساتھ بیٹ میچ کرتے ہیں، پاؤں سے ٹک ٹک کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

میک اَپ توں کردی یار

احمد آئینہ دیکھنے کا ایکٹنگ اسٹیپ کرتا ہے، حمزہ ہنستے ہوئے اسے چھیڑتا ہے۔

شور کی آواز ایک ساتھ فضا میں گونج اٹھی۔

انگریزی پڑھدی

حیدر کتاب کھولنے اور پڑھنے کا ڈرامائی موشن کرتا ہے، علی سر ہلا کر داد دیتا ہے۔

گِٹ پِٹ توں کردی

چاروں زبان اور ہاتھوں کی مزاحیہ موو منٹ سے کنفیوز، ایکسپریشن دکھاتے ہیں۔

جِمّے کوئین ساڑی وکٹوریا

علی سینٹر میں شاہانہ انداز سے چلتا ہے، احمد اور حمزہ جھک کر احترام کا پوز بناتے ہیں، حیدر تاج رکھنے کا ایکشن کرتا ہے۔

تو گھنٹی بِگ بینگ دی

چاروں ایک ساتھ ہاتھ اوپر لے جا کر ڈنگ جیسا ایکسپریشن دیتے ہیں۔

پورا لندن ٹھمکدا

چاروں بڑے دائرے میں گھومتے ہیں، کمر اور کندھے ایک ساتھ جھومتے ہیں۔

اوہ جُڈّو ناچے پہن دی

علی اور حیدر باڈی کنٹرول دکھاتے ہیں۔

پورا لندن ٹھمکدا

علی اسٹیج کے بیچ میں آکر بھاری قدموں کے ساتھ بھنگڑا اسٹائل میں کندھوں کو جھٹکا دیتا ہے۔ احمد دائیں طرف سے گھومتا ہوا آتا ہے اور زمین پر مضبوط اسٹمپ مارتا ہے۔ حیدر بازو پھیلا کر بڑے دائرے میں گھومتا ہے، جبکہ حمزہ پیچھے سے تالیاں بجاتا ہوا گروو میں شامل ہو جاتا ہے۔

تو گھنٹی بِگ بینگ دی

چاروں ایک ساتھ ہاتھ اوپر لے جا کر گھنٹی بجنے کا ایکشن کرتے ہیں۔ علی گردن ہلا کر بیٹ پکڑتا ہے، احمد ہاتھوں سے ڈنگ ڈنگ کا اشارہ بناتا ہے۔

پورا لندن ٹھمکدا

سب ایک قطار میں آجاتے ہیں۔ دائیں بائیں کراس اسٹیپس کے ساتھ کندھے ہلاتے ہیں۔ علی لیڈ میں ہے، باقی تین مکمل ہم آہنگی کے ساتھ اس کی نقل کرتے ہیں۔

اوہ جُڈّو ناچے پہن دی

حیدر گھٹنوں کے بل جھک کر بازو گھماتا ہے، جبکہ علی اوپر سے شاہانہ انداز میں سینہ تان کر موو منٹ مکمل کرتا ہے۔

پورا لندن ٹھمکدا

چاروں ایک ساتھ جمپ کرتے ہیں۔

ہائے / ہائے / ہائے

ہائے، پر ایک مختلف پوز – حیرت، شوخی، فخر۔

باقی سب بھی ساتھ ہی جھوم اٹھتے ہیں۔

آہا / آہا / آہا

مسکراتے ہوئے تالیوں کے ساتھ مختصر شفل اسٹیپس۔

اگلے ہی لمحے گانا بدل گیا۔

تالیاں، سیٹیاں، شور – پورا ماحول گونج اٹھا –

چاروں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔

گانا کیوں بدل گیا؟ علی نے کہا۔

باقی سب نے اپنے کندھے اچکا دیے۔

حارث نے صفا کی طرف دیکھا۔ صفا پہلے سے ہی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حارث نے شرارت سے آنکھ ماری تو صفا کے ہونٹوں پر بھی وہی شوخ مسکراہٹ آبیٹھی۔

گائز، لیٹس گو۔۔۔ حارث نے اونچی آواز میں اعلان کیا۔

حیدر، حمزہ، علی اور احمد نے ایک لمحے کے لیے حارث کی طرف دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے میں ایک ساتھ سیف کی طرف لپکے۔

پر پھول وول کرنے میں کول

تو بڑی تیز کتاری ہے

ڈھونگی سا، ایہہ بڑا ڈھیٹھ ہے

وائرل ہو گیا ایہہ ٹویٹ

گانا پوری آب و تاب سے جاری تھا۔

صفا اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک جھٹکے میں مومنہ کی کلائی مضبوطی سے تھام لی۔ مومنہ نے چونک کر سر اٹھایا اور صفا کے چہرے پر لکھی شرارت پڑھ لی۔

اسی لمحے حارث آگے بڑھا اور چند قدموں میں خدیجہ بیگم کے پاس جا پہنچا۔

دادی، آجائیں۔

خدیجہ بیگم نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا، جیسے اگلے لمحے ہونے والی شرارت بھانپ چکی ہوں۔

ادھر حیدر اور حمزہ نے سیف کے دائیں بازو کو تھام لیا، علی اور احمد نے بائیں جانب سے۔

سیف نے چونک کر سب کو دیکھا، مگر اگلے ہی لمحے چاروں نے زور لگا کر اسے کرسی سے اٹھایا اور ہنستے ہوئے گھسیٹتے ہوئے صحن کے درمیان لے آئے۔

آجاؤ۔۔۔

صفا نے سب کی طرف اشارہ کیا اور مومنہ کو بھی کرسی سے اٹھا کر اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی صحن کے بیچ لے آئی۔

حارث خدیجہ بیگم کو بھی صحن میں لے آیا۔

خدیجہ بیگم اپنے ساتھ مومنہ کی امی، چچی اور تائی کو بھی لے آئیں۔ پیچھے پیچھے مومنہ کی کزنز بھی آ گئیں۔

شگن تیری دی، لگن تیری دی

ہم نے کر لی تیاری ہے

نچدے نے سارے رل مل کے

آج ہل دل کے

لے سارے کے سارے نظارے

ادھر امایہ اور حنزہ، زمل خالہ کو زبردستی پکڑ کر لا رہی تھیں۔ مہریحا، نور، مہروا، مہروش اور عائشہ بھی ہنستے کھیلتے ساتھ آ ملیں۔

مومل اور زوحل مریم اور زویا کو ساتھ لے کر آ رہی تھیں۔

صحن قہقہوں اور شور سے گونج اٹھا۔ سب اب صحن کے عین درمیان میں تھے۔

حیدر نے اسپیکر کی آواز اور تیز کر دی۔

سیف اور مومنہ کو ایک ساتھ کھڑا کر دیا گیا، باقی سب ان دونوں کے گرد دائرہ بنائے کھڑے تھے۔

خسم نوں کھانے

حد پیا۔۔۔ حد پیا۔۔۔

جیسے ہی یہ بول گونجے، خدیجہ بیگم نے ایک جھٹکے سے ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ ان کی کلائیوں میں پہنی چوڑیاں بج اٹھیں۔ صفا، سیف اور مومنہ ہنستے ہوئے ہاتھوں سے چہرہ چھپانے لگے۔

ہلّو بڑے قرار

کرم نال آ ُو بڑے قرار، آہا

چڑھ چڑھ کے چوبار

کرم نال سویٹو آجا مار، آہا

چک دے

آہا، پر خدیجہ بیگم نے ایسا زوردار ٹھمکا لگایا کہ پورا صحن قہقہوں سے گونج اٹھا۔ پھر انہوں نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے، جیسے خوشی کے میدان میں فتح کا جھنڈا گاڑ دیا ہو۔

پھر انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے، جیسے کسی پرانی، شوخ جوانی کی یاد میں کھو گئی ہوں۔

منڈے پلینٹی، میرے لئی ہو گئے سینٹی

او تیرے لئی ہو گئے سینٹی

تیرے لئی میں سیٹ ہاں

اس گل دی گارنٹی

اسی لمحے اسماء آگے بڑھیں۔ انہوں نے خدیجہ بیگم کا ہاتھ تھاما اور انہیں گول گول گھمانے لگیں۔

اہ۔۔۔

سب کی آواز ایک ساتھ نکلی۔

مریم کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ زویا یہ منظر دیکھ کر خوشی سے چیخ اٹھی۔ اس کی ننھی، معصوم چیخ نے سب کی توجہ اس کی طرف کھینچ لی۔

سیف نے اسے دیکھ کر قہقہہ لگایا۔ صفا نے فوراً زویا کو اٹھایا اور پیار سے اس کے گال چوم لیے۔ حارث مریم کے قریب کھڑا مسکرا رہا تھا۔

سب نے ایک ساتھ ہاتھ فضا میں لہرانے شروع کر دیے۔ کمریں حرکت میں آگئیں اور سب خدیجہ بیگم کے ساتھ جھومنے لگے۔ ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ سیف اور مومنہ مسکرا رہے تھے۔

عبدالرحمن ہاؤس میں آج واقعی خوشیوں کی بارش ہو رہی تھی۔
حیدر اس منظر کو اپنے موبائل میں محفوظ کر رہا تھا۔
نچدے نے سارے رل مل کے
آج ہل دل کے
لے سارے کے سارے نظارے
زور زور سے شور وور کر
ڈی جے گانا بجانے آ
رُٹھ دے رُٹھ دے جیجا فُفّد
ہم نے سارے منانے ہاں
اسی لمحے علی باہر سے دوڑتا ہوا آیا۔ ایک ہاتھ میں موبائل اور دوسرے میں سیلفی اسٹک تھی۔ اس نے جلدی سے کیمرہ آن کیا اور موبائل سیٹ کیا۔
جلدی جلدی آجاؤ، مل کر ایک سیلفی لیتے ہیں۔ سب ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ ارحم بھی ان سب کے ساتھ شامل ہو گیا۔
علی نیچے بیٹھا، سیف اور مومنہ درمیان میں کھڑے ہو گئے اور باقی سب ان کے اردگرد۔
سمائل۔۔۔ اس نے اونچی آواز میں کہا۔
اسی کے ساتھ ایک ساتھ کئی پٹاخے چل اٹھے۔
آسمان رنگ برنگی روشنیوں سے بھر گیا اور اسی لمحے تصویر قید ہو گئی۔
حارث نے موبائل لے کر تصویر دیکھی۔
تصویر واقعی بہت خوبصورت تھی — سب کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے اور پیچھے آسمان پر رنگ بکھرے ہوئے تھے، جیسے خوشی خود فضا میں گھل گئی ہو۔
اماں۔۔۔
ارحم آہستگی سے اسماء کے قریب آیا۔
تایا ابو کہہ رہے ہیں کہ کافی دیر ہو چکی ہے، اب چلنا چاہیے۔

اسماء نے اثبات میں سر ہلایا اور خدیجہ بیگم کی طرف بڑھ گئی۔

خالہ، اب ہمیں اجازت دیں۔

ہور تھوڑی دیر رک جاو؟ خدیجہ بیگم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

نہیں خالہ، کافی دیر ہو چکی ہے۔

اچھا۔۔۔ رکو ذرا۔۔۔

خدیجہ بیگم نے جیسے سوچتے ہوئے کہا اور اسی لمحے آواز دی۔

صفا۔۔۔

صفا، نور کے ساتھ کھڑی باتوں میں مگن تھی۔ آواز سن کر اس نے چونک کر خدیجہ بیگم کی طرف دیکھا اور فوراً ان کے پاس آ گئی۔

صفا، پتر جا کھانا ڈ بیاں وچ پا دے۔

نہیں خالہ، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسماء نے فوراً منع کیا۔

کیوں ضرورت نئیں؟ صفا، پتر تو جا۔ خدیجہ بیگم نے ہلکی سی خفگی کے ساتھ کہا۔

جی دادی۔

صفا نے فوراً جواب دیا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

اسی دوران مومنہ اور حرا بھی چلتی ہوئی اسماء کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

حرا پُتر، ہارون کِتھے اے؟ نظر نئیں آ رہیا۔

دادی گھر میں، پھوپھو اکیلی تھی تو وہ ان کے پاس رک گئے۔

وہ کیوں نہیں آئیں؟

ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔

اللہ ان کو شفا دے۔

آمین۔ حرا نے آہستہ آواز میں کہا۔

کچھ دیر کے بعد صفا اور سکینہ واپس آئیں، دونوں کے ہاتھوں میں کھانے کے ڈبے تھے۔ صفا نے خاموشی سے ڈبے مومنہ کے ہاتھ میں تھما دیے۔ اسی لمحے مومنہ کی تائی اور چچی بھی آگے بڑھ آئیں۔ ان کے پیچھے ارحم اور اس کی کزنز آ گئیں۔

خالہ، اب ہمیں اجازت دیں۔

اسماء نے آگے بڑھ کر خدیجہ بیگم کو گلے لگاتے ہوئے نرمی سے کہا۔

سیف بھی میں آگیا۔ خدیجہ بیگم سب سے ملیں، کسی کے سر پر ہاتھ رکھا، کسی کو دعائیں دیں۔

باقی سب نے بھی سیف کے سر پر پیار دیا۔ آہستہ آہستہ سب کے قدم دروازے کی سمت اٹھنے لگے۔

مجھے ساری پکچرز شیئر کر دینا۔ مومنہ نے جاتے ہوئے صفا سے کہا۔

فری ہو کر دوں گی۔

صفا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔

باہر دروازے پر پہنچ کر ہمدان صاحب، ارحم اور باقی سب خدیجہ بیگم سے ملے۔ چند لوگ پیچھے کھڑے یہ منظر خاموشی سے دیکھتے رہے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مومنہ نے بے اختیار ایک نظر سیف کی طرف ڈالی۔

سیف پہلے ہی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کو نظریں ملیں اور اگلے ہی لمحے مومنہ نے نگاہ چرا لی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

انجن کی آواز کے ساتھ گاڑی آگے بڑھی اور اس کے پیچھے باقی گاڑیاں بھی ایک ایک کر کے چل پڑیں۔

سب نے انہیں الوداع کہا اور پھر اندر کی طرف لوٹ گئے۔

سیف باہر ہی کھڑا رہا۔ اس نے اختر کو آواز دی۔

اختر۔۔۔

جی بھائی۔ اختر فوراً اس کے پاس آگیا۔

یہ سارا سامان اٹھا کر اندر لے جاؤ۔

جی بھائی۔

اختر نے لکڑیاں اور کوئلے سمیٹنے شروع کر دیے، جبکہ سیف نے خود آگے بڑھ کر کرسیاں اٹھانا شروع کی۔

صفا، کھانا سارا فریج وچ رکھ دیو، میں ہن کمرے وچ جا رہی آں۔

جی دادی۔ صفا نے فوراً جواب دِتا۔

سب لئیے چائے وی بنوا۔

خدیجہ بیگم نے ایک لمحے کو ٹھہر کر کہا اور پھر آگے بڑھ گئی۔

جی دادی۔

مریحا، تم سب صحن میں بیٹھ جاؤ، میں ویڈنگ فیور باکس لے کر آتی ہوں، پھر سب مل کر ان میں چیزیں پیک کریں گے۔

مریحا نے اثبات میں سر ہلایا۔

صفا، سکینہ کو ساتھ لیے سٹڈی روم میں چلی گئی۔ صفا نے سٹڈی روم کا دروازہ کھولا اور کمرے کو روشن کیا۔

سٹڈی روم میں قدم رکھتے ہی ایک الگ ہی ماحول محسوس ہوتا تھا۔

دیواروں کے ساتھ بڑی بڑی کتابوں کی الماریاں تھیں، جن میں رنگ برنگی کتابیں نظم و نسق کے ساتھ رکھی گئی تھیں۔ الماریوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی سجاوٹی اشیاء اور پرانے قالین بھی سجائے گئے تھے، جو کمرے کو کلاسیکل اور دلکش بنا رہے تھے۔ دروازے کے بلکل سامنے ایک نرم اور آرام دہ صوفہ رکھا ہوا تھا، جس پر چند گدے اور تکیے رکھے گئے تھے۔ صوفے کے سامنے ایک لکڑی کی میز تھی، جس پر ڈبے رکھے ہوئے تھے اور کچھ ڈبے صوفے کے ساتھ نیچے خالی جگہ میں رکھے ہوئے تھے۔

سکینہ، یہ ڈبے اٹھا کر باہر لے جاؤ۔

صفا نے میز پر رکھے ہوئے ڈبوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سکینہ نے فوراً ایک ڈبے کے اوپر دوسرا رکھ دیا اور احتیاط سے انہیں اٹھایا۔ وہ ڈبے لے کر صحن کی سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ علی فوراً اس کی طرف دوڑا۔

لائیں مجھے دے دیں۔

علی نے سکینہ کے ہاتھ سے ڈبے لیے اور صحن کے درمیان میں رکھ دیے۔ وہاں مومل، احمد، حمزہ پہلے سے موجود تھے، سب سامان کے ساتھ انتظار کر رہے تھے۔

صفا بھی ڈبے اٹھائے اپنے راستے سے آ رہی تھی۔ علی نے اس کے ہاتھ سے بھی ڈبے لے لیے اور آسانی سے ترتیب دے دیے۔

باقی سب کہاں گئے؟
صفا نے ان پانچوں کو بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔
خالو سرفراز اور ماموں لوگ سب کمرے میں لیٹ گئے ہیں۔ ماما اور باقی سب کپڑے بدلنے چلے گئے ہیں۔
مومل نے صفا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
حمزہ، سٹڈی روم سے باقی کے ڈبے اٹھا لاؤ اور سکینہ سے کہو کہ جلدی سے سب کے لیے چائے بنا دے۔
صفا کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
حمزہ اور علی دونوں سٹڈی روم کی طرف روانہ ہو گئے۔
مومل نے ایک ڈبے کے اوپر سے ٹیب اتاری اور ڈبے کو کھولا۔ اندر بہت سارے چھوٹے چھوٹے ہلکے سفید رنگ کے نفیس ویڈنگ فیور باکس تھے، جن پر نرم سنہری حروف میں دلہن اور دلہے کے نام درج تھے۔ ڈبوں کے گرد لپٹی ہلکی گلابی ربن، نرمی سے بندھی ہوئی، اس دن کی خوشبو سمیٹے ہوئے جس دن دو دل ایک ہونے والے تھے۔
ربن کے کناروں پر لکھا ہوا "تھینک یو" محض ایک جملہ نہیں تھا بلکہ ان تمام رشتوں کے لیے ایک خاموش شکر گزاری تھی جو اس خوشی میں شریک تھے۔ یہ ویڈنگ فیور باکس صرف تحفے نہیں تھے، بلکہ یادیں تھیں— وہ یادیں جو مہمان اپنے ساتھ لے جائیں گے، اس دن کی مسکراہٹوں، دعاؤں اور محبتوں کی گواہی بن کر۔
علی اور احمد باقی کے ڈبے بھی لے آئے۔
امایہ اور حنزہ کسی بات پر مسکراتی ہوئی صحن کی طرف آ رہی تھیں کہ اسی لمحے پیچھے سے حارث بھی آن پہنچا۔
کیا بات ہے؟ بڑی مسکراہٹیں بکھیری جا رہی ہیں؟
حارث نے ہلکے سے طنز کے ساتھ پوچھا۔
آپ پہلے یہ بتائیں، آپ کب سے یہاں پر ہیں؟ حنزہ نے سوال کیا۔
کیوں؟ کیا ہوا؟
حارث نے بھنویں اچکائیں۔
آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں کہ آپ آ رہے ہیں، ہم بھی آپ کے ساتھ آ جاتے۔
حنزہ نے ہلکے سے شکوے کے ساتھ کہا۔
میرا تو اچانک ہی پلان بنا تھا اور میں آ گیا۔

باتوں ہی باتوں میں تینوں صحن تک آ گئے۔

صحن میں زوحل تمام ڈبے کھولے بیٹھی تھی۔ اردگرد کھانے پینے کی بے شمار چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ حیدر بڑی توجہ سے ڈرائی فروٹس ویڈنگ فیور باکسز میں ڈال رہا تھا، علی ایک ایک ڈبے میں چاکلیٹس اور کینڈیز ترتیب سے رکھ رہا تھا، جبکہ احمد شاہی میوہ اور کھجوریں سنبھال رہا تھا۔ حمزہ چھوٹے چھوٹے بسکٹ کے پیکٹ اور سونف ڈالنے میں مصروف تھا۔ امایہ اور حنزہ ایک طرف بیٹھ کر ربن باندھنے لگیں۔ حارث بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اس نے شاہی میوہ اٹھایا اور مزے سے کھانے لگا۔

اسی دوران اس کی نظر صحن میں آتی ہوئی مریم، زویا اور نور پر پڑی۔

دوسری جانب، صفا کمرے سے نکل کر سیدھا کچن کی طرف چلی گئی۔ کچن میں چائے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سکینہ کپ میں چائے ڈال رہی تھی۔ صفا نے احتیاط سے کپ ٹرے میں رکھے۔

میں یہ خالو اور ماموں کو دے کر آتی ہوں، تم دادی کو چائے دے آنا۔

صفا نے نرم لہجے میں کہا۔

جی، صفا باجی۔ سکینہ نے فوراً جواب دیا۔

صفا ٹرے اٹھائے وہاں سے چلی گئی۔

نور، مریم اور زویا ایک ساتھ آکر صحن میں بیٹھ گئیں۔ کچھ ہی لمحوں بعد سیف، ایرا، زوحل اور مریحا بھی ان کے پاس آ گئے۔ سیف خاموشی سے زویا کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا۔

بھائی۔۔۔ زویا کے ہاتھ میں شاہی میوہ اور چاکلیٹ تھی۔ اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ آگے بڑھایا۔

سیف نے مسکرا کر اس کے ہاتھ سے چاکلیٹ لے لی۔ بڑے اہتمام سے چاکلیٹ کھولی اور پھر زویا کو واپس تھما دی۔

زویا نے اپنا دل بڑا کرتے ہوئے آدھی چاکلیٹ اپنے پاس رکھی اور آدھی سیف کی طرف بڑھا دی۔ سیف نے بھی مسکراہٹ کے ساتھ وہ ٹکڑا لے لیا۔

چاکلیٹ کھاتے ہوئے زویا کے ہاتھ میٹھے اور ذرا سے گندے ہو گئے تھے۔ سیف نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور بڑے پیار سے اس کے ہاتھ صاف کر دیے۔ زویا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، آنکھوں میں ایک مانوس سی اپنائیت تھی، جیسے یہ چھوٹا سا لمحہ بھی ان کے رشتے کی گہرائی بیان کر رہا ہو۔

اسی دوران صفا اور سکینہ ہاتھوں میں چائے کی ٹرے لیے آئیں۔ گرم چائے کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ سب نے باری باری اپنا اپنا چائے کا کپ اٹھا لیا۔

سکینہ، اختر کہاں پر ہے؟ اس کو بھی چائے دے دو۔ صفا نے نرمی سے کہا۔

وہ تو جا چکا ہے۔

سیف نے صفا اور سکینہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

سکینہ نے لمحہ بھر کو توقف کیا، پھر ہلکی سی فکر اس کے لہجے میں اتر آئی۔

تو میں کس کے ساتھ جاؤں گی؟

تم آج یہیں رہ لو۔ یہ گھر بھی تو تمہارا اپنا ہی ہے۔

سکینہ خاموش رہی۔

اور یہ کیا بات ہوئی کہ اپنے بھائی کی شادی میں تم نے مہندی ہی نہیں لگائی؟ دیکھو، سب نے مہندی لگائی ہوئی ہے۔

بھائی، وقت ہی نہیں ملا۔ سکینہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

اب تو تم فارغ ہو، اب لگا لو۔

جی بھائی۔ سکینہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

مجھے مہندی لگانی آتی ہے، میں ابھی مہندی لے آتی ہوں—یہ کہہ کر مریحا فوراً اٹھی اور مہندی لینے کے لیے چلی گئی۔

یہ ڈانس کرنے کا کس نے کہا تھا؟

سیف کی آواز صحن میں گونجی تو لمحہ بھر میں خاموشی چھا گئی۔ لفظ ڈانس سنتے ہی سب کے چہرے یکایک سنجیدہ ہو گئے۔ جو نظریں ابھی ہنسی خوشی میں اٹھ رہی تھیں، وہ اگلے ہی لمحے جھک گئیں۔

شرم نہیں آئی تم لوگوں کو؟

سیف کی نگاہیں ایک ایک چہرے پر ٹھہرتی چلی گئیں، مگر کوئی آنکھ اس کی آنکھوں سے ملانے کی ہمت نہ کر سکی۔

میں تم سب سے پوچھ رہا ہوں۔

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد حیدر نے ہمت کر کے بات کی۔

بھائی، زوحل اور مومل نے کہا تھا کہ اجازت لے لی گئی ہے۔

سیف کی نظر فوراً زوحل پر جا ٹھہری۔

زوحل کس سے لی تھی اجازت؟
زوحل نے آہستہ سے نظریں اٹھائیں، پھر فوراً جھکا لیں۔
بھائی، دادی سے۔
سیف نے گہری سانس لی۔
تم سب کو معلوم ہے نا کہ مجھے یہ سب بالکل بھی پسند نہیں۔
اسی لمحے نور نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔
سیف، چھوڑ بھی دو نا۔ تم تو معصوم بچوں کے پیچھے پڑ گئے ہو۔
معصوم؟ اور یہ سب—
اچھا بس کرو۔ نور نے فوراً بات کاٹ دی۔
سیف خاموش ہو گیا۔ کچھ لمحوں بعد صحن میں پھر سے دھیمی دھیمی آوازیں لوٹ آئیں، جیسے فضا نے دوبارہ سانس لینا شروع کر دیا ہو۔
چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو نہیں ہے؟
چائے کا کپ ہاتھ میں لیے امایہ نے ذرا سا منہ بنا کر کہا۔
کیک اور بسکٹ ہیں۔
لے آؤ نا، امایہ نے فوراً سے کہا۔
اچھا۔ صفایہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔
اسی لمحے حارث بھی بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چند قدم کے فاصلے پر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا، جیسے اس مختصر سے وقفے کو بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا ہو۔
بڑی مشکل سے ملی ہے۔
مریحا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ میں مہندی تھامے کہا اور احتیاط سے سکینہ کے ہاتھ پر نقش بنانے لگی۔
زویا کی توجہ فوراً ان کی طرف ہو گئی۔ وہ خاموشی سے مریحا کے ہاتھوں کی مہارت اور سکینہ کی سمٹی ہوئی انگلیوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔
مریم اور نور آپس میں سرگوشیوں میں مصروف تھیں، ان کی ہنسی کبھی کبھار صحن کی فضا میں گھل جاتی۔

کچن میں صفا کیبنٹ کھولے کیک اور بسکٹ نکال رہی تھی کہ اسی لمحے حارث اندر آگیا۔ وہ آہستہ سے اس کے قریب آیا اور کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ صفا نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی۔

مجھے ایک بات پوچھنی ہے۔ حارث کی آواز میں ہچکچاہٹ تھی۔

ہمم – صفا نے بغیر دیکھے کہا۔

یہ مریم کب سے یہاں پر ہے؟

یہ سنتے ہی صفا کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے رخ موڑ کر حارث کو دیکھا، مگر حارث فوراً ہی نظریں چرا گیا۔

کیوں، کیا ہوا؟ صفا نے نرمی سے پوچھا۔

نہیں، بس ایسے ہی۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

تمہارے آنے سے ایک دن پہلے۔

اس کا شوہر کیا کرتا ہے؟

پتا نہیں۔

وہ کہاں سے ہے؟

پتا نہیں۔

حارث نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

پھر تمہیں پتا کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

اس بات کا کیا مطلب ہوا؟

صفا نے گہری سانس لی اور لمحے بھر کو رک کر بولی –

ہم لاہور شاپنگ کے لیے گئے تھے۔ واپسی پر اس کا ہماری گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔ وہ جلدی میں سڑک کراس کر رہی تھی، شاید کوئی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ زویا اور مریم دونوں بہت زیادہ گھبرائی ہوئی تھیں، رو بھی رہی تھیں۔ ہم نے مریم سے کہا کہ اپنے گھر کا پتا بتا دیں، ہم آپ کو گھر چھوڑ دیتے ہیں۔

وہ رکی۔۔۔

حارث اس کو دیکھ رہا تھا۔

مگر اس نے کہا کہ اس کا کوئی گھر نہیں ہے۔

حارث خاموشی سے سن رہا تھا اور صفا کیک پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

تو ہم انہیں اپنے ساتھ لے آئے۔

تم لوگوں نے اسے گھر آنے کو کہا اور اس نے فوراً مان بھی لیا؟

نہیں، پہلے نہیں مان رہی تھی۔

صفا نے آہستہ سے کہا اور اس کے لہجے میں ہلکی سی افسردگی اتر آئی۔

پھر بھائی سیف نے کہا کہ اس ننھی سی پری کے ساتھ کہاں جائیں گی — تب جا کر وہ مان گئی۔

اگر وہ کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوئی — میرا مطلب چور وغیرہ —

صفا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

کیا وہ تمہیں ایسی لڑکی لگتی ہے؟

ن۔۔۔ نہیں۔۔۔

تو پھر؟ صفا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

میں شادی سے پہلے کا آیا ہوا تھا، مجھے دونوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آئی تھی۔

کیا تم کمرے سے باہر نکلتے تھے؟ صفا نے سیدھا سوال کیا۔

نہیں۔۔۔ اس نے بے اختیار کہا۔

تو پھر وہ تمہیں نظر ہی کیسے آتی؟

یہ کہتے ہوئے صفا نے ٹرے اٹھائی اور خاموشی سے کچن سے باہر نکل گئی۔

حارث وہیں کھڑا رہ گیا۔ کچن میں خاموشی اتر آئی، بس دور سے ہنسی اور گفتگو کی ہلکی سی آوازیں آ رہی تھیں۔

✦ ✦ ✦

رات اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی اور فضا میں ایک عجیب سی بوجھل تھکن پھیلی ہوئی تھی۔

شہریار زمین پر بیٹھا تھا کہ اچانک فضا میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کی آواز گونجی۔ اذان کی آواز سنسان سڑک سے ٹکرا کر اس کے کانوں تک پہنچی۔ آواز بہت دور سے آرہی تھی، مگر دل کے بہت قریب اتر گئی۔ شہریار چونک کر ٹھٹھک گیا۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔

یہ فجر کی اذان تھی۔ وہی اذان جو اندھیری رات کے بعد نئی صبح کا اعلان کرتی ہے۔ شہریار کی زندگی میں بھی نئی صبح کا اعلان تھا۔

اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے آنسو پونچھے۔ سینہ اب بھی بوجھل تھا، مگر دل میں جیسے کسی نے آہستہ سے دستک دے دی ہو۔ اس نے گہرا سانس لیا اور زمین پر ہاتھ رکھ کر خود کو سنبھالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اذان کی آواز اب بھی فضا میں تیر رہی تھی۔

اس کے قدم بے اختیار گھر کی سمت اٹھ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا جا رہا تھا۔ سڑک اب بھی سنسان تھی، مگر آسمان کی سیاہی دھیرے دھیرے ہلکی ہو رہی تھی۔ مشرق کی طرف ایک مدھم سی روشنی پھیلنے لگی تھی۔

گھر کے دروازے پر پہنچ کر وہ لمحہ بھر رکا، اس کے سامنے ایک عالی شان عمارت کھڑی تھی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ سامنے ایک بڑا سا پورچ تھا، جس میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں، بالکل سامنے ٹی وی لاؤنج کا دروازہ تھا اور اس کے ساتھ بائیں جانب گیسٹ روم کا دروازہ بھی نظر آرہا تھا۔ دروازے کی دائیں جانب لان تھا۔

شہریار نے پورچ سے ہوتے ہوئے آہستہ آہستہ قدم بڑھائے اور ٹی وی لاؤنج کے دروازے تک پہنچا۔ اس نے دروازہ کھولا، سامنے ایک کشادہ اور آرام دہ ٹی وی لاؤنج تھا۔ لاؤنج کی دائیں جانب اوپر کی طرف سیڑھیاں جاتی تھیں۔ سیڑھیوں کے ساتھ ہی کمرے واقع تھے، جبکہ بائیں جانب گیسٹ روم کے ساتھ کچن تھا۔

ٹی وی لاؤنج میں صوفے کے پاس مسز اسد جائے نماز بچھائے بیٹھی تھیں۔ ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے اور لب ہلکی آواز میں رب سے ہم کلام تھے۔ فضا میں خاموشی تھی، بس ان کی دعا کی سرگوشی گونج رہی تھی۔

اچانک دروازہ کھلنے کی آہٹ سنائی دی۔ انہوں نے چونک کر نگاہ اٹھائی اور دروازے کی سمت دیکھا۔ جیسے ہی ان کی نظر شہریار پر پڑی، دعا کے لیے اٹھے ہاتھ کانپ گئے۔ لمحہ بھر کو وہ سن ہو کر رہ گئیں، پھر بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئیں۔ آنکھوں میں نمی اور دل میں ممتا سمیٹے، وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔

مسز اسد نے چند قدموں میں فاصلہ طے کیا اور شہریار کے سامنے آکر رک گئیں۔ ان کی نظریں شہریار کے چہرے پر جم گئیں۔ وہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں جو شہریار کہہ نہیں پا رہا تھا۔ آنکھوں میں بکھرا درد، چہرے پر جما ہوا سناٹا اور وجود پر چپکی ہوئی تھکن۔

شہریار۔۔۔ انہوں نے آہستہ سے اس کا نام پکارا۔

بس یہی ایک لفظ اور شہریار کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ وہ بے اختیار آگے بڑھا اور ماں کے سینے سے لگ گیا۔

مسز اسد نے فوراً اس کے سر کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ ان کی ہتھیلیاں اس کے بکھرے بالوں میں پھسل گئیں۔

میرا بچہ۔۔۔ ان کی آواز لرز گئی۔

شہریار کچھ نہ بولا۔ وہ بس ماں کے کندھے پر سر رکھے خاموشی سے روتا رہا۔

مسز اسد نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا۔ ان کی آنکھیں اب بھی نم تھیں، مگر چہرے پر ایک پرسکون ٹھہراؤ اتر آیا تھا۔

شہریار نے آہستہ سے سانس لیا۔

ممی۔۔۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔

مسز اسد نے کوئی سوال نہیں کیا۔ بس اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور نرمی سے سر ہلایا۔

انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما اور نرمی سے اسے کمرے کی طرف لے گئیں۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی ایک پُرتعیش خاموشی نے شہریار کو اپنے حصار میں لے لیا۔ دروازے کے عین سامنے ایک کشادہ بیڈ رکھا تھا، جس پر ملائم سفید چادر بچھی ہوئی تھی اور مخملی کشن ترتیب سے سجے تھے۔ اسی کے سامنے دیوار میں بنی بڑی شیشے والی کھڑکی تھی۔ جس پر گہرے رنگ کے بھاری پردے آویزاں تھے، جن کے درمیان سے صبح کی مدھم روشنی جھانک رہی تھی۔

دروازے کی دائیں جانب نفیس صوفہ سیٹ رکھا تھا، جس کے ساتھ شیشے کی سینٹر ٹیبل تھی۔ صوفوں کے نرم کشن اور ان کے رنگ کمرے کے وقار کو مزید ابھار رہے تھے۔ بیڈ کے بالکل سامنے لکڑی کا خوب صورت ڈریسنگ یونٹ تھا، جس کا بڑا سا آئینہ روشنی کو منعکس کر کے کمرے میں وسعت کا احساس پیدا کر رہا تھا۔

کمرے میں پھیلی ہلکی خوشبو، نفیس لائیٹس کی مدھم چمک اور ہر چیز کی بے عیب ترتیب اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ یہ کمرہ محض رہنے کی جگہ نہیں، بلکہ سکون اور شان و شوکت کا امتزاج تھا۔

مسز اسد نے تکیہ سیدھا کیا۔

لیٹ جاؤ، انہوں نے پیار سے کہا۔
شہریار نے خاموشی سے جوتے اتارے اور بستر پر بیٹھ کر خود کو پیچھے کی طرف چھوڑ دیا۔ جسم جیسے بوجھ سے آزاد ہو رہا ہو۔
مسز اسد نے اس پر چادر ڈال دی اور کچھ لمحے وہیں کھڑی رہیں۔ انہوں نے آہستہ سے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور دھیرے قدموں کے ساتھ باہر نکل گئیں۔ دروازہ آہستہ سے بند ہوا اور کمرے میں پھر سے خاموشی اتر آئی۔
شہریار کی پلکیں بوجھل ہو چکی تھیں، اس نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ذہن کے گوشے میں چھپی ہوئی ایک پرانی یاد اچانک روشن ہوئی۔۔۔
ریسٹورنٹ کے اندر روشنی نرم اور مدھم تھی، ہر کونے میں ہلکی روشنی کے عکس کھلتے اور مدھم سا، سایہ بنتے۔ دیواروں پر لگی پینٹنگز نہ صرف آنکھوں کو بھا رہی تھیں بلکہ ماحول میں ایک خاموش خوبصورتی بھی گھول رہی تھیں۔ فضا میں کھانے کی خوشبو آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی، جو دل کو سکون دینے کے ساتھ ساتھ بھوک کو بھی جگا رہی تھی۔ ہر میز پر بیٹھے افراد اپنی باتوں میں گم تھے، ہنسی کی نرم لہریں اور چمچوں کی ہلکی چھنکار ایک خوشگوار تال میل پیدا کر رہی تھی، جیسے ہر لمحہ ایک چھوٹا سا خوشی کا جشن ہو۔
سفید رنگت، کالی بڑی بڑی آنکھیں اور سیاہ بال کندھوں کے گرد نرم لہروں میں بکھرے تھے۔ پیلے رنگ کی قمیض شلوار اس کے وجود کو اور نکھار رہی تھی، جبکہ بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی میں پہنی انگوٹھی اس کے حسن میں ایک نفیس سا تاثر شامل کر رہی تھی۔
گندمی رنگ، سیاہ گہری آنکھیں، بال پیچھے کو جمائے ہوئے، سفید ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں سادگی تھی، مگر اس کے بیٹھنے کے انداز میں ایک ٹھہرا ہوا اعتماد۔
شہریار اور نتاشا ایک کونے کی میز پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اردگرد کی آوازیں مدھم پڑ چکی تھیں، وہ دونوں اپنی ہی دنیا میں قید تھے۔
تم نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا؟
نتاشا نے شہریار کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی سی فکر کے ساتھ پوچھا۔
ہمم۔۔۔ شہریار نے بے فکری سے جواب دیا۔
نتاشا کی آواز میں بے چینی در آئی۔

میرے گھر والے مجھے آگے پڑھنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ وہ میری شادی طے کرنے والے ہیں۔ تم اپنی ممی کو ہمارے گھر کب بھیجو گے۔

شہریار نے ایک لمحے کے لیے نظریں جھکا لیں، پھر نرمی سے نتاشا کے ہاتھ تھام لیے۔

پریشان مت ہو۔

پریشان کیسے نا ہوں؟

نتاشا فوراً سے بولی، آنکھوں میں ڈر صاف جھلک رہا تھا۔

میری جان، تمہیں بتایا تو تھا — ممی پاکستان میں نہیں ہیں، جیسے ہی وہ واپس آئیں گی، میں فوراً تمہارے گھر بھیج دوں گا۔

تم دو مہینوں سے یہی کہہ رہے ہو۔ وہ کب واپس آئیں گی؟

میری جان، نانا ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، جیسے ہی وہ بہتر ہوں گے، وہ واپس آجائیں گی۔

شہریار نے آہستگی سے کہا۔

اور اگر اتنے میں، میرے گھر والوں نے میری شادی کر دی تو؟

نتاشا نے لرزتی آواز میں کہا۔

ارے، ایسے کیسے کر دیں گے۔ شہریار نے فوراً کہا۔

نتاشا نے اس کی طرف دیکھا، آواز بھری ہوئی تھی۔

شہریار، میں تم سے بہت زیادہ محبت کرتی ہوں۔

آئی نو میری جان۔ شہریار نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے کہا۔

سر۔۔۔

اسی دوران ویٹر نے بل تھام کر آہستہ سے میز پر رکھ دیا۔ شہریار نے بل دیکھا، بٹوا نکالا اور بل ادا کر دیا۔

چلیں؟ شہریار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

نتاشا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دونوں ایک ساتھ اٹھے اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چل دیے۔

اچھا، تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کھانا کیسا لگا؟

اچھا تھا۔ نتاشا نے مختصر سا جواب دیا۔

دونوں بے دھیانی میں باتیں کرتے جا رہے تھے، جیسے اردگرد کی دنیا کچھ لمحوں کے لیے غیر اہم ہو گئی ہو۔
اچانک نتاشا کا قدم رک گیا — وہ سامنے سے آتی ہوئی ایک لڑکی سے ٹکرا گئی۔
اوہ، سوری۔ نتاشا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
نہیں نہیں، کوئی بات نہیں — میری بھی غلطی تھی۔
لڑکی نے فوراً خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور بنا رکے آگے بڑھ گئی۔
شہر کے اس کونے میں ہونے والا یہ معمولی سا ٹکراؤ، سب کے دلوں میں ایک نئے باب کی بنیاد رکھ چکا تھا — ایسا باب، جس کی سطریں ابھی لکھی جانی تھیں۔
شہریار نے ایک لمحے کے لیے لڑکی کو دیکھا اور پھر نتاشا کو۔
شہریار نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ آنکھیں کھلتے ہی، دماغ میں ابھرتی یاد، جیسے کسی لمحے کے لیے ٹھہر گئی۔
باہر سے گفتگو کی ہلکی سی آواز ابھری، اتنی مدھم کہ الفاظ سنائی نہیں دے رہے تھے، بس احساس باقی تھا۔ شہریار نے اپنی آنکھیں دوبارہ سے بند کر لیں۔
اسی لمحے کچن کی سمت سے برتنوں کی ہلکی سی کھنک سنائی دی۔ مسز اسد نے نرم آواز میں پکارا۔
ناشتہ تیار ہے، آ جائیں۔
آج یہیں پر ہی لے آؤ۔ ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھے مسٹر اسد نے نظر موبائل اسکرین سے ہٹائے بغیر جواب دیا۔
جی۔ مسز اسد نے آہستہ سے کہا۔
کچھ ہی دیر بعد ٹرے سنبھالتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ گرم چائے کی بھاپ فضا میں پھیل گئی۔ انہوں نے ناشتہ میز پر رکھا۔
مسٹر اسد نے موبائل سائیڈ پر رکھا اور آگے بڑھ کر چائے کا سپ لیا۔ مسز اسد بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئیں۔
شہریار کہاں پر ہے۔
مسٹر اسد نے پہلا نوالہ لیتے ہوئے اپنی بیوی صوبیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
وہ سو رہا ہے، شاید رات دیر تک جاگتا رہا ہے۔
مسز اسد کی نگاہوں میں فکر تھی۔

مسٹر اسد نے خاموشی سے سر ہلایا اور دوبارہ ناشتہ کرنے لگے، مگر ان کی توجہ اب پلیٹ سے زیادہ مسز اسد کے چہرے پر تھی۔

کچھ پریشان لگ رہی ہو تم؟

کچھ دیر کے بعد انہوں نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

مسز اسد نے چائے کا کپ ہاتھ میں تھامے ایک لمحہ توقف کیا، پھر آہستہ سے بولیں۔

شہریار کتنا بدل گیا ہے، پہلے جیسا کچھ بھی نہیں۔ کم بولتا ہے، دیر تک جاگتا رہتا ہے۔۔۔

کیا پھر سے کچھ ہوا ہے۔ مسٹر اسد نے فوراً سے پوچھا۔

نہیں۔۔۔ مسز اسد نے نظر جھکا لیں۔

مسٹر اسد نے گہرا سانس لیا۔

وقت کے ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے، صوبیہ اور وہ پہلے سے کتنا زیادہ بدل گیا ہے۔ انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے تھوڑا سا وقت چاہیے۔

تین سال ہو گئے ہیں۔۔۔ مسز اسد کی آواز بھیگنے لگی۔

پریشان نہ ہو۔ تھوڑا وقت لگے گا، لیکن سب ٹھیک ہو جائے گا۔

مسٹر اسد نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔

کیا کروں، ماں ہونا — پریشانی لگی رہتی ہے۔

میں سمجھ سکتا ہوں اور ہمیشہ تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ بس اللہ پر یقین رکھو۔

مسٹر اسد نے صوبیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مسز اسد نے اثبات میں سر ہلایا۔

✦ ✦ ✦

کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور اسماء قدم رکھتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ باہر کی مدھم روشنی کمرے میں داخل ہوئی، اسماء نے فوراً دروازے کے ساتھ بورڈ سے لائٹس جلا دیں۔ کمرہ ایک لمحے میں روشن ہو گیا، نرم روشنی ہر کونے میں پھیل گئی۔

مومنہ بستر پر بے خبری کی حالت میں سو رہی تھی، اس کے بال بکھرے ہوئے اور سانسیں آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ اسماء آہستہ آہستہ بستر کے قریب گئی۔

مومنہ۔۔۔ اٹھ جاؤ۔ اسماء نے نرم لہجے میں اس کو پکارا۔

مومنہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

مومنہ۔۔۔

اسماء نے تھوڑا سا جھک کر اسے آہستہ سا ہلایا۔

مومنہ نے آنکھیں کھولی، بھاری پلکیں جھپکائیں۔ کمرے کی روشنی میں اس کے چہرے پر نیند کے اثرات نمایاں تھے۔

ج۔۔۔ جی۔

اٹھ جاؤ اور آکر چائے بناؤ۔

اماں۔۔۔

مومنہ چونک کر اٹھ بیٹھی، نیند ابھی تک آنکھوں میں بسی ہوئی تھی۔

تمہاری پھوپھو کو ناشتہ دینا ہے، جلدی آجاؤ باہر۔

کیا مصیبت ہے۔

مومنہ نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اسماء خاموشی کے ساتھ باہر چلی گئی۔

ایک تو پھوپھو کو سکون نہیں آتا۔

مومنہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی بستر سے نیچے اتری اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

ٹی وی لاؤنج میں ہمدان صاحب اپنی بہن زینب کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔ ان کے پہلو میں ارحم بیٹھا تھا، خاموش مگر قدرے الجھا ہوا۔ بالکل سامنے والے صوفے پر مومنہ کی تینوں کزنز بیٹھی تھیں۔

نادیہ کی نظریں ارحم پر جمی ہوئی تھیں، بے حد گہری اور بے ساختہ۔

ارحم نے چہرہ جھکایا ہوا تھا، مگر وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ نادیہ کی نگاہیں اسی پر ٹھہری ہوئی ہیں۔

سارہ اور زارا موبائل میں مصروف تھیں، جیسے اردگرد کی ساری گفتگو اور فضا ان کے لیے غیر اہم ہو۔

السلام علیکم!

ٹی وی لاؤنج میں ہارون کی آواز گونجی۔
وعلیکم السلام!
سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔
کیسی طبیعت ہے، اب آپ کی؟ ہارون نے پھوپھو کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
اسی لمحے مومنہ کمرے سے باہر آئی۔
جب تک یہاں پر ہے، تب تک ٹھیک کہاں۔ مومنہ آہستہ سی آواز میں سرگوشی کرتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔
بس بیٹا، ٹھیک ہوں۔
ہارون نے اثبات میں سرہلایا۔
حرا ناشتہ کی ٹرے سنبھالتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ گرم کھانے کی خوشبو لمحوں میں فضا میں گھل گئی۔ اس نے آہستگی سے ٹرے میز پر رکھی اور بغیر کچھ کہے دوبارہ کچن کی طرف لوٹ گئی۔
مومنہ چائے کے لیے دودھ نکال رہی تھی۔
مومنہ تم چھوڑ دو— میں کر لیتی ہوں۔ حرا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
نہیں آپی۔۔۔ مومنہ نے فوراً سے جواب دیا۔
نہیں، تم ناشتہ کر لو۔ میں کر لیتی ہوں۔ حرا نے مسکرا کر کہا۔
مومنہ نے ایک لمحے کو رُک کر اسے دیکھا، پھر خاموشی سے دودھ رکھ دیا۔
مومنہ بسکٹ کہاں پر رکھے ہیں؟ اسماء کیبن کھول رہی تھی۔
اماں۔۔۔ اس کے ساتھ والے کیبن میں رکھے ہیں۔
اسماء نے کیبن سے بسکٹ نکالے اور پلٹ کر حرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
حرا، یہ بھی چائے کے ساتھ لے آنا۔
جی چچی۔
اسماء کچن سے باہر چلی گئیں۔ ٹی وی لاؤنج میں سب ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔ گفتگو اور برتنوں کی ہلکی آوازیں فضا میں گھلی ہوئی تھیں۔
اسماء نے ایک نظر میز پر ڈالی اور پھر مومنہ کو آواز دی۔

مومنہ۔۔۔

مومنہ فوراً سے باہر آئی۔

جی۔۔۔

یہ پانی لے آؤ۔

اسماء ارحم کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

مومنہ نے خاموشی سے جگ اٹھایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔چند لمحوں بعد وہ پانی سے بھرا جگ لے آئی، میز پر رکھ کر بغیر کچھ کہے واپس پلٹ گئی۔

اسی لمحے ڈور بیل بجی۔ سب کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئے۔

میں دیکھتا ہوں۔

ہارون کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے سعدیہ کھڑی تھی۔

السلام علیکم، بھائی۔

سعدیہ نے ہارون کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

سعدیہ نے موتیوں سے بھرا ہوا سوٹ پہننا ہوا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ دوپٹے سے ڈھانپ رکھا تھا، لیکن ہارون کو دیکھ کر اس نے نرم انداز سے دوپٹہ ہٹا لیا۔ اس کا چہرہ میک اپ سے سنوارا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔

وعلیکم السلام!

ہارون نے اس کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔

سعدیہ اندر داخل ہوئی تو ہارون نے دروازہ بند کر دیا۔

السلام علیکم!

سعدیہ نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے سب کی طرف دیکھا، پھر آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔

وعلیکم السلام!

سب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

حرا کچن میں کھڑی کپ میں چائے ڈال رہی تھی اور مومنہ پلیٹ میں بسکٹ نکال رہی تھی۔ دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔

تم اتنا زیادہ تیار ہو کر آئی ہو؟ مومنہ نے فوراً سے کہا۔

اوہائے – باجی شادی والا گھر ہے، اس لیے تیار ہو کر آئی ہوں۔ گھر میں مہمان آئیں گے اور پھر شادی ہال میں بھی تو جانا ہے۔

تم تو ایسے تیار ہوئی ہو، جیسے تمہاری ہی شادی ہو۔ حرا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

باجی میرا دن بھی آ ہی جائے گا۔ سعدیہ نے شرماتے ہوئے کہا۔

شادی کا سوچ کر ہی کتنا خوش ہو رہی ہے۔

مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

باجی کیوں خوش نہ ہوں۔ سعدیہ نے ٹیڑھی آنکھیں کر کے جواب دیا۔

اچھا، اچھا، خوش بعد میں ہونا، پہلے تم یہ برتن دھونا شروع کرو۔

جی باجی۔

حرا نے چائے اور بسکٹ ٹرے میں رکھے اور باہر چلی گئی۔

باجی، آپ نے مجھے اپنی شادی کا جوڑا نہیں دکھایا۔

دیکھ لینا آج۔

باجی، آج تو دیکھ ہی لوں گی، آپ نے مجھے پہلے نہیں دکھایا۔

غلطی ہو گئی حضور، معاف کر دیں۔

سعدیہ اونچی آواز میں ہنسی۔

حرا کچن میں داخل ہوئی۔

مومنہ اپنا سارا سامان وغیرہ رکھ لو، پھر جانا بھی ہے۔

میں نے رات میں ہی سارا سامان رکھ لیا تھا۔

ایک بار دوبارہ دیکھ لو، کوئی چیز رہ نہ گئی ہو۔

میں دیکھ لیتی ہوں – آپ نے ناشتہ نہیں کرنا۔

وہی کرنے لگی ہوں۔
باجی کہاں جانا ہے؟ سعدیہ نے حرا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
پالر۔۔۔ حرا نے مختصر سا جواب دیا۔
باجی، آپ کون سے پالر میں جاتی ہیں۔
بعد میں بتاؤں گی، ابھی جلدی جلدی کام کرو۔
حرا کہتے ہوئے کچن سے باہر نکلی اور مومنہ بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔
ارحم بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ مومنہ الماری سے سامان نکال کر بیڈ پر رکھ رہی تھی۔
ارحم۔۔۔
مومنہ نے ارحم کو پکارا۔
ارحم نے مومنہ کی طرف دیکھا۔
یہ سارے بیگز گاڑی میں رکھو۔
اچھا۔۔۔
اسی لمحے حرا اپنے بیگز لیے کمرے میں داخل ہوئی۔
ارحم، یہ بھی گاڑی میں رکھنے ہیں۔
حرا نے بیگ بیڈ پہ رکھتے ہوئے کہا۔
بھابھی اتنا سامان — مجھے تو لگ رہا، جیسے ہم گھر شفٹ کر رہے ہیں۔
تم بس اٹھاؤ، گنتی مت کرو اور جب تمہاری بیوی آئے گی نا، وہ تمہیں سب سمجھا دے گی — پھر پوچھو گی تم سے۔
ارحم نے بیگ کی طرف دیکھا، پھر حرا کے چہرے پر پھیلی معنی خیز مسکراہٹ پر نظر ڈالی۔
بھابھی، پہلے آتو جائے — پھر پوچھ بھی لیجئے گا۔
ارحم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بیگز اٹھانا شروع کیا۔
آجائے گی، فکر کیوں کر رہے ہو — اس کے بعد تمہاری ہی تو باری ہے۔
انشاءاللہ — وہ بڑبڑاتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا۔
حرا اس کی بات پر مسکرا دی۔ اسی لمحے مومنہ نے الماری بند کی اور حرا کی طرف دیکھا۔

حرا آہستہ قدموں سے باہر جا رہی تھی۔ مومنہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کو آنے والے دنوں کی جھلک تیر گئی — سامان سے بڑھ کر ذمہ داریوں کا احساس اور رشتوں کی نئی ترتیب۔

اسی لمحے اسماء کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کی نظر مومنہ پر جا کر رکی۔ مومنہ نے اسماء کی طرف دیکھا۔ اسماء نے آگے بڑھ کر مومنہ کو پیار کیا۔ ان کا دل بوجھل ہونے لگا۔ اسماء کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر مومنہ کا دل بھی بھاری ہو گیا۔

سارا سامان رکھ لیا ہے نا؟ اسماء نے صاف مگر نرم آواز میں کہا۔

جی۔ مومنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

چلو، جلدی کرو۔ ارحم دروازے پر کھڑے ہو کر بولا۔

مومنہ نے بے اختیار اپنی چادر درست کی۔

چلیں۔۔۔ حرا کمرے میں داخل ہوئی۔

اسماء حرا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

حرا بیٹے، کوشش کرنا کہ بارات کے آنے سے پہلے پہنچ جاؤ — زیادہ دیر نہ کرنا۔

جی چچی۔

مومنہ اور حرا دونوں کمرے سے باہر نکل آئیں۔

ارحم پہلے ہی گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں نے پچھلی نشست سنبھالی۔ ارحم نے سامنے والے شیشے میں ایک نظر پیچھے ڈالی، پھر گاڑی آہستہ سے آگے بڑھا دی۔

ارحم، آج یاد سے میرا موبائل ضرور لے آنا۔ کل بھی میں نے سنیپس اور پکس نہیں بنائی۔ مومنہ نے ارحم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کل تم صفا کے ساتھ پکس بنا تو رہی تھی۔ ارحم نے نظریں سڑک پر جمائے جواب دیا۔

ہاں، لیکن میں سنیپس نہیں بنا سکی۔

وہ کون سا ضروری ہیں۔ ارحم نے فوراً سے جواب دیا۔

تمہارے لیے ضروری نہیں ہوگی، لیکن میرے لیے ضروری ہیں۔

تمہارے لیے تو ہر فضول کام ضروری ہے۔

ارحم کے لہجے میں ہلکی سی شوخی تھی۔

گاڑی گلی کے نکڑ سے مڑی رہی تھی کہ اسی لمحے حرا نے شیشے کے باہر پیچھے گلی کی طرف نظر ڈالی۔ ایک گاڑی ان کے گھر کے دروازے کے سامنے آکر رکی۔

مجھے لگتا ہے، خالہ فاطمہ آگئی ہیں۔ اس نے فوراً کہا۔

مومنہ نے بھی شیشے سے باہر جھانکا۔

ہاں، یہ ان کی ہی گاڑی ہے۔۔۔

گاڑی آگے بڑھ گئی، گلی کا منظر غائب ہو گیا۔

✦ ✦ ✦

کمرے میں ایک چارپائی پر برہان اپنی امی کے ساتھ بیٹھا تھا، جبکہ بالکل سامنے والی چارپائی پر اس کے ابو موجود تھے۔ ان کی ناک پر عینک ٹکی ہوئی تھی اور ہاتھ میں کاپی اور پین تھامے بیٹھے تھے، جیسے کسی حساب کتاب میں مصروف ہوں۔

چائے پی لیں۔

برہان کی امی نے چارپائی کے نیچے رکھے کپ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اچھا۔۔۔

برہان کے ابو نے کپ لیا — ایک گھونٹ بھرا اور پھر عینک اتار کر احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لی۔

برہان، کل ولیمے پر تم چلے جانا۔ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

برہان نے چونک کر اپنے ابو کی طرف دیکھا۔

آپ خود چلے جائیں۔ اس سے پہلے کہ برہان کچھ کہتا، اس کے ابو فوراً بول پڑے۔

مجھے کل اپنے دوست کی طرف جانا ہے۔

خیریت؟ برہان کی امی نے فوراً چونک کر پوچھا۔

خیریت ہی ہے۔

کمرے میں ایک لمحے کے لیے خاموشی اتر آئی۔

عبداللہ اور اس کے بچے بھی آئے ہیں کیا؟

برہان کی امی نے چائے کا ایک سپ لیتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

نہیں۔۔۔

برہان کے ابو نے سادہ سا جواب دیا۔
ان کو شادی کا کہا تھا یا نہیں؟
ظاہر سی بات ہے کہا ہوگا۔
میں نے عقیل کو کہتے سنا تھا کہ وہ چودہ تاریخ کو واپس آرہے ہیں۔
برہان اس ساری گفتگو میں پہلی بار بولا تھا۔ اس کے امی، ابو دونوں نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔
شادی کے بعد کیوں آرہے ہیں؟
برہان کی امی کے لہجے میں اب تجسس صاف جھلک رہا تھا۔
کہیں واپسی کا سن کر ہی تو انہوں نے پہلے شادی نہیں کی؟ وہ ایک سوال پر اکتفا نہیں کر پا رہی تھیں۔
کوئی مجبوری ہوگی یا فلائٹ نہیں ملی ہوگی۔
انہوں نے چائے کا آخری سپ لیا، کپ چارپائی کے نیچے رکھا اور جیب سے عینک نکال کر دوبارہ ناک پر جما لی۔
اور تم کیوں اتنی دلچسپی لے رہی ہو؟
نہیں، میں تو بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔
تم عورتیں بھی نہ—
برہان کے ابو کچھ کہتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ اسی لمحے دروازے پر دستک کی آواز گونجی۔ برہان اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔
چند لمحوں بعد برہان واپس کمرے میں آیا۔
کون تھا؟ اس کے ابو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
ابو، لڑکا دکان کا سامان لے کر آیا ہے۔ پوچھ رہا تھا کہاں رکھوانا ہے۔
دوسرے کمرے میں میز پر چابیاں رکھی ہیں—دکان میں ہی رکھوا لو۔
جی، ابو۔
برہان دوبارہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ دروازہ بند ہوا تو خاموشی پھر سے لوٹ آئی۔
آپ نے اپنے ٹیسٹ نہیں کروانے جانا؟
کل جانا ہے۔ مختصر سا جواب۔

برہان کی امی نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی۔
اس لیے شادی پر نہیں جا رہے؟
برہان کے ابو نے جواب میں صرف سر ہلا دیا۔ نہ ہاں تھی اور نا ہی نہ — بس ایک تھکا ہوا اقرار۔
برہان کی امی نے کچھ کہنا چاہا، مگر لفظ زبان تک آ کر رک گئے۔ کمرے میں گھڑی کی ٹک ٹک دوبارہ سنائی دینے لگی۔

✦ ✦ ✦

صبح پوری طرح جاگ چکی تھی۔ ہر طرف مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ سورج کی نرم کرنیں قبرستان کی خاموش فضا پر آہستہ آہستہ پھیل رہی تھیں۔ ہلکی سی ٹھنڈی ہوا درختوں کے پتوں کو آہستگی سے ہلا رہی تھی اور رات کی نمی اب بھی مٹی پر ٹھہری ہوئی تھی۔ فضا میں ایک گہرا سکوت طاری تھا، جیسے ہر شے خاموشی کی زبان میں بات کر رہی ہو۔
سیف قبرستان کے بیچ کھڑا تھا۔ اس کے سامنے دو قبریں تھیں، جن کے درمیان ہلکا سا فاصلہ تھا۔ ہر قبر اپنے اندر ایک الگ خاموش کہانی سمیٹے ہوئے تھی۔
سیف کی آنکھیں بند تھیں، چہرے پر سنجیدگی اور دل میں ایک بوجھ سا ٹھہرا ہوا تھا۔ ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے۔ ہونٹ ہلکی جنبش میں تھے، مگر آواز صرف دل تک محدود تھی۔ دعا کے لمحوں میں اس کا دل ماضی کی یادوں سے بھرنے لگا۔ وہ لمحے، وہ چہرے، وہ لوگ — جو اب صرف ان قبروں کی خاموشی میں دفن تھے۔
اس نے دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیرے، پھر آہستہ سے اپنی آنکھیں کھولیں۔
نظر پہلی قبر پر ٹھہری، پھر قبر کے تختے تک گئی۔
سیف نے قبر کے تختے پر نام اور تاریخیں دیکھیں، وقت خاموشی سے گواہی دے رہا تھا۔
زوجہ عبداللہ رحمن ولد فضل الرحمان
تاریخ پیدائش: 30 دسمبر 1976
تاریخ وفات: 10 مارچ 2005
سیف کی نظریں دوسری قبر کی طرف گئیں اور پھر قبر کے تختے پر ٹھہر گئیں۔
زوجہ عبدالرحمن ولد فضل الرحمان
تاریخ پیدائش: 08 اکتوبر 1980
تاریخ وفات: 22 اگست 2003

سیف نے گہری سانس لی اور نظریں جھکاتے ہوئے نیچے جھک کر پھولوں کو اٹھایا، پھر آہستہ سے قدم بڑھائے۔ اس نے خاموشی سے پھول پہلی قبر پر رکھے، پھر دوسری قبر پر۔ پھولوں کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ سیف نے ایک نظر دونوں قبروں کو دیکھا اور بغیر پلٹے آگے بڑھ گیا۔

سیف دھیرے دھیرے قدم رکھ رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ دوبارہ رک گیا۔ اس کے سامنے دو اور قبریں تھیں۔ سیف کی نظر پہلے ایک قبر پر ٹھہری، پھر آہستہ آہستہ قبر کے تختے تک پہنچی۔ اس نے نام اور تاریخیں دیکھیں۔

عبدالرحمن ولد فضل الرحمان۔

تاریخ پیدائش: 23 فروری 1979

تاریخ وفات: 31 جولائی 2023

اس کی پلکیں ایک لمحے کو لرزیں۔ پھر اس کی نگاہ دوسری قبر کی طرف گئی اور وہاں جا ٹھہری۔

فضل الرحمان ولد محمد ثقلین

تاریخ پیدائش: 15 جولائی 1958

تاریخ وفات: 31 جولائی 2023

ایک ہی تاریخ—

سیف کا دل کسی انجانے درد سے بھر گیا۔

وہ دوبارہ آگے بڑھا اور خاموشی سے پھول ایک قبر پر رکھے، پھر دوسری پر۔ پھول رکھنے کے بعد اس نے نظریں جھکا لیں اور ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے۔

سیف نے آنکھیں بند کر لی۔ ہونٹوں پر ہلکی سی جنبش تھی، کچھ لمحوں بعد اس نے دعا ختم کی، اٹھے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیریں اور آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔

ایک آخری نظر قبروں پر ڈالی—پھر بھاری قدموں کے ساتھ آگے بڑھ گیا، جیسے پیچھے رہ جانے والی خاموشی اس کے دل میں اتر چکی ہو۔

سیف گھر میں داخل ہوا تو ہنسی اور باتوں کی ہلکی ہلکی سی آوازیں گونج رہی تھیں۔ سیف سیدھا کچن کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں سکینہ اور مومل ناشتہ تیار کرنے میں مصروف تھیں۔

ڈائننگ ٹیبل پر ایرا، حیدر، احمد اور علی ایک دوسرے کے کندھوں سے ٹیک لگائے، نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ بیٹھے تھے، جب کہ ان کے بالکل سامنے حنزہ اور حارث موجود تھے۔ ماحول میں ہلکی پھلکی شرارت گھلی ہوئی تھی۔

جلدی جلدی سب اپنی اپنی تیاری شروع کرو، ہمیں وقت پر پہنچنا ہے۔

حارث نے سیف کو دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

سیف کچن کاؤنٹر کے پاس رُک کر پانی پینے لگا۔

چلے جائیں گے، اتنی جلدی کس بات کی ہے؟ ایرا فوراً بولی۔

کسی کو زیادہ انتظار کروانا اچھی بات نہیں ہوتی۔ حارث نے ایرا کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں کہا۔

کون انتظار کر رہا ہے؟

ایرا نے حیرانی سے پوچھا۔ اسے ابھی تک سیف کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔

سیف۔۔۔

حارث نے ذرا سا جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

کس چیز کا انتظار؟

ایرا نے کندھے اچکاتے ہوئے پھر سوال کیا، وہ اب بھی بات کی تہہ تک نہیں پہنچی تھی۔

بے وقوف، حارث کہہ رہا ہے کہ سیف کو اپنی شادی کی بہت زیادہ جلدی ہے، اس لیے اس کو انتظار نہیں کروانا۔ جلدی جانا ہے اور جلدی واپس بھی آنا ہے۔

ایرا نے جھینپ کر اپنی زبان دانتوں کے نیچے دبا لی۔

کیوں، صحیح کہا نا میں نے؟ سیف نے حارث کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

یہ تو شروع سے ہی بے وقوف ہے۔

حیدر نے ایرا کے سر پر ہلکی سی ٹھپکی دی اور ہنستے ہوئے کچن سے باہر نکل گیا۔

مومل نے حارث اور ایرا کے سامنے چائے کے کپ رکھ دیے۔

باقی سب کہاں پر ہیں؟ سیف نے پوچھا۔

سب ناشتہ کر کے تیار ہونے چلے گئے ہیں۔

حمزہ کچن میں داخل ہوا تو لمحہ بھر کو فضا ٹھہر سی گئی۔ اس کی نظر سیدھی سیف پر جا ٹھہری اور ساتھ ہی حارث نے بھی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

بھائی سیف، باہر جا کر اختر کی بات سن لیں۔

اچھا۔ سیف کرسی سے اٹھا اور باہر چلا گیا۔

حمزہ نے نظریں حارث کی طرف موڑیں۔

بینک نہیں جانا؟

جانا ہے۔

کب جانا ہے؟

جاؤ، سیف کے کمرے سے گاڑی کی چابی لے آؤ۔ حارث نے کرسی سے ٹیک ہٹاتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے۔

حمزہ کے چہرے پر فوراً مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

مومل نے گردن موڑ کر حارث کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔

بینک کیا کرنے جانا ہے؟

بینک کیا کرنے جاتے ہیں؟ حارث نے جواب دینے کے بجائے سوال اچھال دیا۔

پیسے رکھوانے یا نکلوانے۔ مومل نے قدرے الجھن سے کہا۔

اور۔۔۔؟

حارث نے آنکھوں میں شرارت لیے سوال بڑھایا۔

اور۔۔۔

مومل نے بات پوری کرنے کے لیے سوچا ہی تھا—کہ اسی لمحے حمزہ کی آواز گونجی۔

چلو، چلیں۔

اس نے دروازے پر ہی رک کر ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔ انگلیوں کے درمیان گاڑی کی چابی چمک رہی تھی۔

مومل اس کی آواز پر چونک کر رک گئی۔

حارث فوراً اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے پیچھے ہی احمد اور علی بھی اٹھ کھڑے ہوئے، جیسے پہلے سے تیار بیٹھے ہوں۔

مومل وہیں کھڑی انہیں باہر جاتے دیکھتی رہ گئی۔

چاروں ایک ساتھ باہر نکلے تو سامنے ہی سیف اور اختر کھڑے نظر آئے۔ ان کے ساتھ دو اور لڑکے بھی تھے۔ سیف ہاتھ کے اشارے سے کچھ کہا رہا تھا جبکہ اختر خاموشی سے ایک طرف کھڑا سنتا جا رہا تھا۔

حارث کے قدم خود بخود تھم گئے۔

چلو بھی۔ علی نے اس کی بازو ہلکی سی کھینچتے ہوئے کہا۔

رک جاؤ — حارث نے نظریں سیف پر جمائے رکھیں — سیف کو بتا کر جائیں گے۔

بھائی سیف، منع کر دیں گے۔ علی نے دھیمی آواز میں کہا۔

بینک کا بول کر نہیں جائیں گے۔ حارث نے سادہ سے انداز میں کہا۔

پھر؟

حارث نے اس کے سوال کا جواب دیے بغیر قدم آگے بڑھا دیے۔ باقی تینوں وہیں کھڑے رہے۔

سیف اپنی بات ختم کر چکا تھا۔ دونوں لڑکے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ فضا ذرا ہلکی ہوئی۔

پھول کس گاڑی پر لگوانے ہیں؟ محارث نے قریب آکر پوچھا۔

میری گاڑی پر ہی لگوا لیتے ہیں۔ سیف نے بے فکری سے کہا۔

نہیں۔۔۔

حارث نے ذرا توقف کے بعد کہا۔

میں سوچ رہا تھا، میں اپنی گاڑی پر لگوا لیتا ہوں۔

ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی۔

حارث نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور چابی نکال کر سیف کی طرف بڑھا دی۔

یہ تمہاری گاڑی کی چابی۔

یہ تم اپنے پاس رکھو۔ اپنی گاڑی کی چابی دو — اختر پھول لگوا آتا ہے۔

نہیں، میں خود جاؤں گا۔

کیوں؟ اختر کو کیا ہے؟ سیف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

حارث کے لہجے میں نرمی کم اور فیصلہ زیادہ تھا۔

کچھ بھی نہیں۔ اختر میرے ساتھ جائے گا۔

حارث نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اختر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

سیف کی نگاہیں باقی تینوں پر جا ٹھہریں۔ وہ پہلے ہی سیف اور حارث کی گفتگو پر نظر جمائے کھڑے تھے۔ سیف کی نظر خود پر پڑتے ہی تینوں نے بیک وقت نظریں چرا لیں۔

وہ تینوں بھی ساتھ جانے کے لیے تیار دکھائی دے رہے تھے۔

نہیں۔ حارث نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

سیف نے اس کے چہرے کو دیکھا۔

حارث نے ایک لمحہ سیف کو دیکھا، پھر نگاہ اختر کی طرف موڑ کر کہا۔

آؤ، اختر— اور قدم آگے بڑھائے۔

اچھا۔۔۔ اختر نے جواب دیا۔

حارث کی آواز مدھم تھی، مگر فیصلہ اس میں واضح تھا۔

سیف اندر کی طرف پلٹ گیا۔ اسے جاتا دیکھ کر تینوں نے بیک وقت حارث کی طرف دیکھا۔

حارث نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں آنے کو کہا۔

تینوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور آگے بڑھ گئے— ان کے قدموں کے ساتھ ساتھ کہانی ایک نئے موڑ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد گاڑی بینک کے سامنے آکر آہستہ سے رکی۔ سڑک پر گاڑیوں کا شور، رکشوں کے ہارن اور لوگوں کی آوازیں مل کر ایک مانوس سی افراتفری بنا رہی تھیں۔ شیشے کے اُس پار بینک کی عمارت خاموش اور سنجیدہ کھڑی تھی، جیسے اندر داخل ہوتے ہی دنیا کا شور خود بخود کم ہو جاتا ہو۔ حارث نے گاڑی ایک طرف پارک کی اور انجن بند کیا۔

چلو۔۔۔

چاروں ایک ساتھ باہر نکلے۔

بینک کے اندر داخل ہوتے ہی ٹھنڈی ہوا نے ان چاروں کو گھیر لیا۔ باہر کا شور اچانک پیچھے رہ گیا۔ ایئر کنڈیشنر کی مسلسل آواز، کمپیوٹروں کی ہلکی ٹک ٹک اور قطار میں بیٹھے لوگوں کی سرگوشیاں فضا میں ایک خاص سنجیدگی بھر رہی تھیں۔

حارث نے ایک سرسری نظر چاروں کی طرف ڈالی اور سیدھا ٹوکن مشین کی طرف بڑھ گیا۔

حمزہ اس کے ساتھ ساتھ تھا، جبکہ احمد اور علی پیچھے رک کر لوگوں کا جائزہ لینے لگے — جیسے پہلی بار بینک آئے ہوں۔

ٹوکن لے لو۔ حارث نے مختصر سا کہا۔

حمزہ نے بٹن دبایا۔ مشین سے پرچی نکلی۔ اس نے نمبر دیکھا اور مسکرا کر جیب میں ڈال لی۔

شکر ہے، زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

وہ سب قطار میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سامنے شیشے کے پیچھے کیشیئر نوٹ گن رہا تھا۔ نوٹوں کی کھڑکھڑاہٹ واضح سنائی دے رہی تھی۔

پانچ لاکھ نکلوانے ہیں نا؟ علی نے آہستہ سے پوچھا۔

دس۔۔۔ حارث نے کہا۔

سو سو والی گڈیاں؟

ٹوکن اسکرین پر نمبر بدلا۔ ایک ہلکی سی بیپ فضا میں گونجی اور اسی کے ساتھ ان کا نمبر روشن ہو گیا۔

حمزہ نے فوراً پرچی نکالی، اسکرین سے نمبر ملایا اور اگلے ہی لمحے وہ اور حارث اٹھ کھڑے ہوئے۔ احمد اور علی بھی خاموشی سے ان کے پیچھے ہو لیے۔

کاؤنٹر کے سامنے پہنچ کر حارث نے شیشے کے پار پرچی سرکائی۔ کیشیئر نے سر اٹھا کر ایک نظر ان سب پر ڈالی — بس ایک رسمی سی نظر اور پھر کمپیوٹر کی اسکرین میں گم ہو گیا۔ کی بورڈ کی ٹک ٹک اب صاف سنائی دے رہی تھی، جیسے کمرے کی خاموشی کو کاٹ رہی ہو۔

شناختی کارڈ۔

آواز بے تاثر تھی، جیسے یہ سوال دن میں سو بار دہرایا جاتا ہو۔

حارث نے جیب سے کارڈ نکالا اور شیشے کے نیچے سے آگے بڑھا دیا۔ کیشیئر نے کارڈ لیا، اسکرین پر کچھ دیکھا، چند لمحے رکا — وہ لمحے حارث کو غیر ضروری طور پر طویل لگے۔

اخرکار کیشیئر نے دراز کھولی — نوٹوں کی گڈیاں باہر آئیں۔

ایک مخصوص ترتیب، ایک مخصوص رفتار۔ کھڑکھڑاہٹ کی آواز اب گنتی نہیں لگ رہی تھی—یہ وقت کو ناپ رہی تھی۔

کیشیئر نے سو روپے کے نوٹوں سے بنی پچاس ہزار کی موٹی گڈیاں سلپ کے ساتھ شیشے کے نیچے سے آگے سرکا دیں۔

گن لیں۔

حارث نے ایک سرسری سی نظر ڈال کر ہاتھ آگے بڑھایا اور گڈیاں اٹھا لیں۔ گڈیاں اٹھانے کے بعد اس کے قدم خود بخود پلٹ گئے، جیسے یہاں ایک لمحہ بھی زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ ہو۔

چلیں۔ علی نے فوراً کہا۔

یہ لو، یہ تم لوگ رکھو۔

حارث نے دو گڈیاں احمد کی طرف بڑھائی۔

احمد نے ہاتھ آگے بڑھایا اور گڈیاں تھام لیں۔

آج تم سب بھی امیر لگو گے۔ حارث نے کہتے ہوئے دو گڈیاں حمزہ کے ہاتھ میں تھما دی۔

ہم تو پہلے سے ہی امیر ہیں۔ علی نے بے ساختہ جواب دیا۔

حارث نے دو گڈیاں علی کی طرف بڑھائیں۔ علی نے ہاتھ آگے کیا—

اور اگلے ہی لمحے حارث نے گڈیاں فوراً پیچھے کھینچ لیں۔

علی نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

یار، تم تو پہلے سے ہی امیر ہو۔ حارث نے معنی خیز انداز میں کہا، آنکھوں میں ہلکی سی چمک لیے۔

فلحال کے لیے نہیں۔ علی نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے گڈیاں چھین لیں۔

تینوں نے ایک ساتھ اپنی مسکراہٹ دبا لی۔

دروازے پر کھڑا سیکیورٹی گارڈ انہیں دیکھ رہا تھا۔

حارث کی نظر اس سے ٹکرائی تو اس نے فوراً سنجیدگی اوڑھ لی۔

بینک سے باہر قدم رکھتے ہی ماحول کی سنجیدگی پیچھے رہ گئی۔ سڑک کی معمول کی چہل پہل دھیرے دھیرے ان کے اردگرد پھیل گئی۔

حارث نے ہاتھ میں پکڑی رقم کو ذرا سا سمیٹا، گرفت مضبوط مگر چہرہ مطمئن۔ وہ کسی عجلت کے بغیر گاڑی کی طرف بڑھا۔

اب گاڑی میں چلاؤں گا۔ احمد نے سڑک عبور کرتے ہوئے کہا۔

گاڑی کے پاس پہنچ کر حارث نے ایک لمحے کی توقف کے بعد چابی احمد کے ہاتھ میں تھما دی۔ اشارہ مختصر تھا، مگر اعتماد صاف جھلک رہا تھا۔

چلو۔۔۔

احمد نے ذرا بلند آواز میں کہا۔

پہلی بار چلا رہے ہو کیا؟ علی نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

جن کو کبھی کبھار چلانے کو ملے وہ ایسے ہی کرتے ہیں۔ حمزہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے علی کی بات کا جواب دیا۔

احمد نے دونوں کی طرف دیکھا۔

ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔

جلدی، دیر ہو رہی ہے۔ حارث نے موبائل پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

چند ہی لمحوں بعد انجن کی ہلکی سی گونج ابھر آئی اور گاڑی آہستہ آہستہ سڑک پر رواں ہو گئی۔ احمد نے اسٹیئرنگ موڑا اور شہر کے اس حصے کی طرف گاڑی ڈال دی جہاں رنگ اور خوشبو ایک دوسرے میں گھل جاتے ہیں — جہاں پھولوں کی مہک دوسروں سے لپٹ جاتی ہے۔

شیشوں کے باہر منظر آہستہ آہستہ بدلنے لگا۔ اندر ایک خاموش سا یقین پھیل گیا کہ سفر درست سمت میں ہے۔

حارث نے ہلکی سی حرکت کے ساتھ میوزک آن کر دیا۔ نرم دھن گاڑی کے اندر پھیل گئی۔

میں سوچ رہا تھا، پہلے کچھ کھا لیتے ہیں۔ حمزہ نے ذرا آگے ہو کر کہا۔

نہیں، پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔ حارث نے فوراً جواب دیا۔

مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ حمزہ کے لہجے میں ہلکی سی ضد تھی۔

تم نے ناشتہ نہیں کیا؟ احمد نے مڑ کر دیکھا۔

نہیں۔ مختصر سا جواب۔

گھر جا کر کھا لینا۔ حارث نے نرم آواز میں کہا

حارث بھائی۔۔۔ حمزہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
حارث نے اس کی طرف رخ کیا۔
حمزہ، ہمیں دیر ہو جائے گی۔
نہیں، زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ حمزہ نے ضد برقرار رکھی۔
احمد نے ایک لمحے کو آئینے میں ان سب کو دیکھا۔
حارث نے ذرا سا توقف کیا۔
احمد، رکو کہیں گاڑی۔
انجن کی آواز ہلکی پڑ گئی۔

✦ ✦ ✦

آسمان بادلوں کی گرفت میں تھا اور ہلکی ہلکی بارش خاموشی سے برس رہی تھی۔ بارش کی نمی نے سردی کو اور بھی تیز کر دیا تھا۔ کمرے میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔
احمد کھڑکی کے پاس اپنی ویل چیئر پر بیٹھا بھیگی ہوئی سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں باہر سڑک پر تھیں اور سوچیں کہیں بہت دور بھٹک رہی تھیں۔ جیسے وہ اس کمرے میں ہو کر بھی یہاں موجود نہ ہو۔
دروازے کے باہر ایک گاڑی آ کر خاموشی سے رکی۔ چند لمحوں بعد اس کا دروازہ کھلا۔ اندر سے تقریباً تیس سالہ ایک شخص باہر نکلا۔ اس کا رنگ صاف و سفید، سیاہ آنکھیں، بھورے بال، ہلکی سی داڑھی، پینٹ شرٹ کے اوپر سیاہ لانگ کوٹ اور انداز میں عجیب سی سنجیدگی تھی۔ اس نے بے نیازی سے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور آگے بڑھ کر گھر کی بیل دبا دی۔
بیل کی آواز نے کمرے کی خاموشی کو توڑ دیا۔ احمد چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آیا۔ اس نے گردن گھما کر کمرے میں دیکھا، مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ بیل دوبارہ بجی تو اس نے ویل چیئر کے بٹن پر ہاتھ رکھا اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔
عریشہ جلدی جلدی کچن سے نکلی۔ اس کے ہاتھ اب بھی گیلے تھے جنہیں وہ اپنی چادر سے صاف کرتی ہوئی دروازے تک پہنچی۔ اس نے دروازہ کھولا تو باہر کی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر داخل ہوا۔
السلام علیکم!

سامنے کھڑے شخص نے نرم مگر پُر اعتماد لہجے میں کہا۔
وعلیکم السلام!
عریشہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
اگلے ہی لمحے پیچھے سے احمد کی آواز گونجی۔
کون ہے؟
عریشہ نے فوراً مڑ کر دیکھا۔
ڈاکٹر عرفان ہیں۔
اس نے ہلکی سی آواز میں کہا اور سائیڈ پر ہٹ گئی۔ دروازہ ذرا سا اور کھول دیا۔ ڈاکٹر عرفان نے ہلکے قدموں سے دہلیز پار کی۔ اندر داخل ہوتے ہی باہر کی سرد ہوا کے مقابلے میں اندر کی ہلکی سی گرمائش نے ان کا استقبال کیا۔
السلام علیکم!
ڈاکٹر عرفان نے اندر آتے ہوئے نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
وعلیکم السلام!
احمد نے بھی مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
کیا حال ہے؟ ڈاکٹر عرفان نے نرم مگر پُر اعتماد لہجے میں پوچھا۔
الحمدللہ۔ ٹھیک۔ احمد نے آہستہ سی آواز میں جواب دیا۔
زبردست۔ یہ سن کر خوشی ہوئی۔
ان کی آنکھوں میں نرم ہمدردی اور پیشہ ورانہ اطمینان دونوں جھلک رہے تھے، جیسے وہ احمد کی ہر چھوٹی بہتری کو دل سے محسوس کر رہے ہوں۔
ڈاکٹر عرفان نے ویل چیئر کے پیچھے آکر ہینڈل تھامے اور ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھ گئے۔
عریشہ نے دروازہ بند کیا اور خاموشی سے لاؤنج میں آگئی۔ باہر کی سردی اب مکمل طور پر رک گئی تھی۔ کمرے میں صرف نرم روشنی اور بارش کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
ڈاکٹر عرفان نے ویل چیئر صوفے کے سامنے روک دی۔ انہوں نے اپنے سیاہ کوٹ کو احتیاط سے اتارا اور صوفے کی پشت پر رکھ دیا، آستینیں ہلکی سی موڑ لیں اور پھر خود احمد کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

ان کی نظریں احمد کے پاؤں پر جم گئیں اور ہاتھ بڑے نرمی سے احمد کی ٹانگوں پر رکھے۔
آج ہم ٹانگوں کی ورزش سے شروع کریں گے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔
پچھلے دو دن زیادہ حرکت نہیں ہوئی، اس لیے احتیاط ضروری ہے۔
احمد نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔
انہوں نے احمد کے پاؤں کو نرمی سے تھاما اور آہستہ آہستہ موڑنا شروع کیا۔ احمد کی ٹانگیں شروع میں سخت لگ رہی تھیں، مگر ڈاکٹر عرفان کی محتاط رہنمائی اور آہستہ حرکت کے ساتھ آہستہ آہستہ نرم ہونے لگیں۔ ہر موڑ، ہر سیدھی حرکت، پاؤں کی چھوٹی سی حرکت پر وہ محتاط رہتے، کبھی ہلکا سا حوصلہ دیتے، کبھی حرکت کی رفتار کم کر کے دھیان دیتے۔
احمد اپنی پوری توجہ ڈاکٹر عرفان کے ہاتھوں اور آواز پر مرکوز رکھے ہوئے تھا، جیسے جسم اور دماغ دونوں ایک ساتھ ورزش کر رہے ہوں۔
آپ لوگ پاکستان جا رہے ہیں؟
چند لمحوں بعد، ورزش کے دوران ڈاکٹر عرفان نے مسکرا کر پوچھا۔
جی ہاں۔ احمد نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا۔
آپ چائے لیں گے یا کافی؟
عریشہ، جو لاؤنج کے کونے میں خاموشی سے کھڑی تھی، آہستہ سے بولی۔
ڈاکٹر عرفان نے سر اٹھائے بغیر نفی میں سر ہلا دیا۔
احمد نے ذرا سا سر اٹھا کر عریشہ کی طرف دیکھا مگر ٹانگوں کی حرکت جاری رہی۔
عریشہ خاموشی سے کچن کی طرف چلی گئی۔
ڈاکٹر عرفان ہر لمحے اپنی پوری توجہ کے ساتھ ہر موومنٹ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔
اب صرف بارش کی ہلکی آواز، مدھم روشنی، احمد اور ڈاکٹر عرفان کے درمیان خاموشی، مگر مضبوط رشتے کی فضا چھائی ہوئی تھی۔
کچھ دیر بعد انہوں نے احمد کی ٹانگ آہستہ سے سیدھی کر کے چھوڑ دی۔
بس، آج کے لیے کافی ہے۔

احمد نے گہرا سانس لیا۔ بدن کی تھکن اب واضح تھی مگر چہرے پر پہلے سے زیادہ سکون آگیا تھا۔
ڈاکٹر عرفان نے قریب پڑا کشن اٹھا کر اس کی ٹانگوں کے نیچے رکھ دیا۔
اس طرح رکھیں گے تو خون کی روانی بہتر رہے گی۔
وہ ہمیشہ کشن رکھتے اور یہ جملہ ادا کرتے پھر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔
اسی لمحے عریشہ کافی لے کر واپس آئی۔ اس نے کپ آہستگی سے میز پر رکھے اور احمد کی طرف ایک نظر ڈالی۔
ڈاکٹر عرفان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ انہوں نے کپ اٹھایا، مگر پینے سے پہلے ایک لمحے کو احمد کی طرف دیکھا، جیسے اس کی کیفیت کا اندازہ لگا رہے ہوں۔
اچانک دروازے کی بیل بجی۔
عریشہ چونک کر مڑی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ باہر کی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا۔
سامنے عبداللہ صاحب کھڑے تھے، ان کے پیچھے فہد اور ایشال تھے۔ تینوں کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھے۔
عریشہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔
سب مسکراتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ ان کے قدموں کی آہٹ نے گھر کی ٹھہری ہوئی خاموشی توڑ دی۔
لاؤنج میں بیٹھے احمد اور ڈاکٹر عرفان نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔
السلام علیکم!
ڈاکٹر عرفان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔
وعلیکم السلام!
عبداللہ صاحب نے خندہ پیشانی سے جواب دیتے ہوئے ان سے ہاتھ ملایا، جبکہ فہد اور ایشال نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔
ایشال خاموشی سے آگے بڑھی اور کمرے کی طرف چلی گئی۔ احمد کی نگاہیں اس کے پیچھے ٹھہر گئیں — یہاں تک کہ کمرے کا دروازہ بند ہونے تک وہ اسی طرف دیکھتا رہا۔
عبداللہ صاحب اور فہد نے اپنے شاپنگ بیگز میز پر رکھ دیے اور ڈاکٹر عرفان کے بلکل سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے۔ عریشہ خاموشی سے آگے بڑھی، بیگز اٹھائے اور کمرے کی طرف چلی گئی۔
کیسے ہیں آپ؟ ڈاکٹر عرفان نے نرمی سے پوچھا۔

میں بالکل ٹھیک اور بہت خوش۔ عبداللہ صاحب نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
یہ تو واقعی خوشی کی بات ہے۔ ڈاکٹر عرفان نے اطمینان سے کہا۔
عبداللہ صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔ ان کے چہرے پر عجیب سا سکون اور دبی ہوئی خوشی صاف محسوس ہو رہی تھی۔
فہد، تمہارا کیا حال ہے؟ ڈاکٹر عرفان نے قدرے اپنائیت سے پوچھا۔
ٹھیک ہوں۔ فہد نے مختصر سا جواب دیا۔
جاب کیسی جا رہی ہے؟
فہد نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر بولا۔
اب جاب پر نہیں جا رہا — ایک ہفتہ پہلے ریزائن دے دیا تھا۔
اوہ—
چند لمحے خاموشی رہی۔ ڈاکٹر عرفان نے کافی کا آخری گھونٹ لیا اور کپ میز پر رکھتے ہوئے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔
ویسے انکل، آپ پاکستان سے کب واپس آئیں گے؟
عبداللہ صاحب نے گہرا سانس لیا۔
میرے واپس آنے کا تو کوئی ارادہ نہیں ہے۔ پردیس میں رہتے رہتے تھک گیا ہوں۔ اب اپنوں کے ساتھ ہی رہوں گا۔
یہ سن کر احمد نے آہستہ سے سر اٹھایا اور عبداللہ صاحب کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سوال تیار تھا۔
ڈاکٹر عرفان نے ہلکا سا سر ہلایا، پھر جیسے کوئی خیال ذہن میں آنے پر دھیرے سے بولے۔
اور احمد کے ٹریٹمنٹ کا کیا؟
عبداللہ صاحب نے احمد کی طرف دیکھا۔
وہ اب بھی انہی کو دیکھ رہا تھا، خاموش مگر پوری توجہ کے ساتھ۔
وہاں جا کر علاج جاری رکھیں گے۔ انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
یہاں اور وہاں کے علاج میں کافی فرق ہے۔ ڈاکٹر عرفان نے نرمی سے کہا۔
فرق تو ہے۔

ان کی آواز میں ٹھہراؤ بھی تھا اور ایک گہری سوچ بھی، گویا وہ صرف جواب نہیں دے رہے تھے بلکہ کوئی فیصلہ اپنے اندر دہرا رہے ہوں۔

چلے انکل، میں چلتا ہو۔ مجھے اجازت دیں۔

ڈاکٹر عرفان اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔

عبداللہ صاحب اور فہد بھی کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر عرفان نے احمد کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

اپنا بہت خیال رکھنا اور ٹریٹمنٹ جاری رکھنا۔ ورزش بھی کرتے رہنا، اس سے بہت فرق پڑتا ہے۔

احمد نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

آپ کا سفر بہترین ہو۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہو گئی۔

ڈاکٹر عرفان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تینوں کے ساتھ مصافحہ کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے پیچھے ہی فہد بھی چل پڑا۔

ٹی وی لاؤنج میں خاموشی چھا گئی۔

اندر بیڈ پر بیگز رکھے ہوئے تھے۔ عریشہ ان بیگز میں ہاتھ ڈال کر چیزیں دیکھ رہی تھی، جبکہ ایشال صوفے پر بیٹھی خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

یہ کوٹ کس کے لیے ہے؟ عریشہ نے ایک بیگ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

ابو نے اپنے دوست فاروق کے لیے لیا ہے۔

اور یہ جیکٹ؟

یہ فاروق انکل کی بیٹی کے لیے ہے۔

جیکٹ تو بہت اچھی لگ رہی ہے۔ عریشہ نے بیگ سے نکالے بغیر کہا۔

اس میں کوئی اور کلر نہیں تھا؟

لائٹ یلو کلر تھا۔

وہ کلر اچھا نہیں لگ رہا تھا کیا؟

نہیں۔ ایشال نے مختصر سا جواب دیا۔

ویسے میں تو بہت خوش ہوں کہ ہم پاکستان جا رہے ہیں۔ وہاں پر سب رشتے دار ہیں، یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔

ایشال نے عریشہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔
عریشہ ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئی۔ شاید، وہ ایشال کے جواب کی منتظر تھی۔ جواب نہ پا کر عریشہ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے پوچھا۔
کیا تم خوش نہیں ہو؟
م۔۔۔ میں خوش ہوں۔
لیکن لگ نہیں رہی۔
میں خوش کیوں نہیں ہوں گی اور تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے۔۔۔؟
عریشہ۔۔۔
اسی لمحے باہر سے عبداللہ صاحب کی آواز آئی۔
عریشہ نے بند دروازے کی طرف دیکھا اور پھر باہر نکل گئی۔
ایشال نے اسے جاتے دیکھ کر خود کو پیچھے گرا لیا۔ اس کے ذہن میں احمد کی آواز گونجی۔
وہ تمہارا کبھی نہیں ہو سکتا۔
ایشال کے دل میں درد کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔
جی ابو۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔
بیٹا، پانی پلاؤ۔ عبداللہ صاحب نے اپنی جیب سے موبائل نکالتے ہوئے کہا۔
جی۔
عریشہ نے ہلکا سا سر ہلا کر ادب سے جواب دیا اور جلدی سے مڑ کر کچن کی طرف چلی گئی۔
چند لمحوں بعد عریشہ ٹرے میں جگ اور دو گلاس رکھے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ اس کی چال میں ہلکی سی عجلت تھی ، مگر انداز ہمیشہ کی طرح سلیقہ مند۔ اس نے قریب آ کر گلاس میں پانی ڈالا اور عبداللہ صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا اور گلاس تھام لیا۔
عبداللہ صاحب ایک ہی سانس میں پانی پی گئے، پھر خالی گلاس آہستگی سے میز پر رکھ دیا۔
ابو اور۔۔۔؟ عریشہ نے نرم لہجے میں پوچھا۔
عبداللہ صاحب نے ہاتھ کے ہلکے اشارے سے انکار کر دیا۔ ان کی نگاہیں کچھ لمحوں کو کہیں دور ٹھہر گئیں۔

اتنے میں فہد آکر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔
عریشہ نے اس کی طرف پانی کا گلاس بڑھایا اور فہد نے خاموشی سے تھام لیا۔
بھائی آپ لیں گے؟ عریشہ نے احمد سے پوچھا۔
نہیں — اس نے نرمی سے کہا۔
سامان پیک ہو گیا سارا؟
عبداللہ صاحب کی آواز پر عریشہ نے فوراً ان کی طرف دیکھا۔
جی ابو، بس چند چیزیں رہ گئی ہیں۔
پرسوں دس بجے ہمیں گھر سے نکلنا ہے۔ تو کل تک اپنی تیاری کر لینا۔
عبداللہ صاحب نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
جی ابو۔
عریشہ نرم لہجے میں کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی کمرے میں پھر وہی مدھم سی خاموشی اتر آئی۔

✦ ✦ ✦

آسمان پر سورج چمک رہا تھا اور اس کی سنہری کرنیں گلی میں ایک نرم سی چمک پیدا کر رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جو کبھی درختوں کی ٹہنیوں کو چھوتی، کبھی دروازوں سے ٹکرا کر مدھم سی سرگوشی میں بدل جاتی۔ فضا میں ایک ان کہی سی چہل پہل تھی، جیسے دیواریں بھی کسی آنے والی خوشی کا راز آپس میں بانٹ رہی ہوں۔
گلی میں گاڑیوں کی لمبی قطار لگ چکی تھی اور لوگوں کی دھیمی آوازیں اس سکوت کو مزید معنی خیز بنا رہی تھیں۔ گھر کے سامنے ایک بڑا سا شامیانہ تنا ہوا تھا، جس کے پردے ہوا کے ساتھ ہولے ہولے لہرا کر دور ہی سے خبر دے رہے تھے کہ آج یہاں کوئی عام دن نہیں، بلکہ خوشیوں کا دن اترنے والا ہے۔
کمرے میں ہر طرف سامان بکھرا ہوا تھا۔ کپڑے، زیورات، چھوٹے چھوٹے لوازمات اور خوشبو والے پرفیومز ادھر اُدھر پڑے تھے۔ ہر کوئی تیار ہونے میں مصروف تھا۔ ہلچل، سرگوشیاں اور کبھی کبھار ہنسی کی گونج فضا میں گھل رہی تھیں، جیسے ہر چیز اس خوشی کے لمحے کا حصہ بننا چاہتی ہو۔
شیشے کے بالکل سامنے صفا کھڑی تھی۔ اس کے لمبے، لہراتے بال کندھوں سے نیچے بہہ رہے تھے۔ وہ جلدی جلدی میں انہیں درست کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی مسکان رقص کر رہی تھی اور بڑی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

اس کے کانوں میں جھولتی سنہری گھریلو بالیاں چھوٹے موتیوں اور باریک پتھروں سے مزین تھیں جو ہر حرکت پر مدھم سی چمک بکھیرتی تھیں، جبکہ کلائیوں میں چوڑیاں ہلکی سی کھنک پیدا کر رہی تھیں۔

اس نے پیازی رنگ کا انتہائی نفیس لباس زیب تن کر رکھا تھا، جس کی نفاست اس کے وقار میں چار چاند لگا رہی تھی۔ لباس کا بالائی حصہ باریک زری کے کام سے ڈھکا ہوا تھا، جبکہ اس کا طویل گھیر زمین کو چوم رہا تھا — کندھے پر رکھا کام والا دوپٹہ اس کی ہر جنبش کے ساتھ ایک مدھم سی چمک بکھیر رہا تھا۔

صفا شیشے میں ایک نظر اپنے آپ کو دیکھ کر ہلکی سی مسکان کے ساتھ مڑی۔

میں باہر جا رہی ہوں، دادی کے پاس۔ تم لوگ کمرا سمیٹ کر باہر آنا۔

اوکے۔۔۔

مومل نے بے دھیانی سے، صفا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

زوحل نے اس کی جانب نظریں اٹھائی اور آہستہ سے کہا۔

آپی، آپ تو آج بہت ہی زیادہ پیاری لگ رہی ہیں۔

صفا کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

تھینک یو — اس نے اپنے کپڑوں کو ہلکا سا سنبھالا اور تیز قدموں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔

جیسے ہی صفا کمرے کے باہر پہنچی، اس کی نظر سیف اور حیدر پر پڑی جو باہر جا رہے تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھہری، پھر دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کمرہ زندگی کے رنگوں سے بھرپور تھا۔ خدیجہ بیگم بیڈ پر بیٹھی — سکینہ کے ہنرمند ہاتھوں سے اپنے بال سنوار رہی تھیں۔ ان کے بالوں کی ہر لہر سکینہ کی مہارت سے نرمی اور ترتیب پا رہی تھی۔

خدیجہ بیگم نے ہلکے جامنی رنگ کی قمیض شلوار پہنی ہوئی تھی، جو ان کی شخصیت کی نفاست اور وقار کو اور بھی نمایاں کر رہی تھی۔ روشنی میں ان کے چہرے پر مسکراہٹ ہلکی سی چمک ڈال رہی تھی۔

مریحا اور ایزا شیشے کے سامنے کھڑی اپنی تصویریں بنا رہی تھیں، ہر زاویے میں اپنی موجودگی کو قید کرنے کی کوشش — وہ بار بار شیشے میں خود کو دیکھتی، ہر چھوٹی تفصیل پر نظریں جمائے رکھتی — بالوں کی ہلکی لہر، لبوں پر ابھرتی مسکراہٹ اور نرم روشنی ان کے چہرے کو جادوئی سا نکھار دے رہی تھی۔ ہر حرکت میں ایک خاموش شان اور خوداعتمادی جھلک رہی تھی، جیسے شیشہ نہ صرف ان کی شکل بلکہ ان کی شخصیت کی عکاسی بھی کر رہا ہو۔

بیڈ پر بیٹھی زویا کی ننھی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ مریحا اور ایزا کی ہر حرکت کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی گلابی رنگ کی فراک اور سر پر باندھی چھٹیا اسے معصومیت اور نرمی کے ساتھ پیش کر رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں چوڑیاں ہر حرکت کے ساتھ ہل رہی تھیں۔ وہ پریوں کی طرف خوبصورت لگ رہی تھی، ہر حرکت میں معصومیت اور پیاری ادا جھلک رہی تھی، جبکہ مریم نے بلکل صفا جیسا لباس زیب تن کر رکھا تھا،پیازی رنگ کا انتہائی نفیس لباس۔ لباس کا بالائی حصہ باریک زری کے کام سے ڈھکا ہوا تھا، جبکہ اس کا طویل گھیر زمین کو چوم رہا تھا۔ اس نے اپنے بال پیچھے سلیقے سے چٹیا میں باندھ رکھے تھے اور کانوں میں سنہری گھریلو بالیاں پہنی تھیں جن میں چھوٹے موتی اور باریک پتھر جڑے تھے۔ مریم کی آنکھیں چمکتے موتیوں کی طرح روشن تھیں۔ اس کی ہر حرکت قدرتی حسن کی تصویر پیش کر رہی تھی۔ وہ اپنے دوپٹے کو کندھے پر نرمی سے سیٹ کر رہی تھی۔ اس کے ہر انداز میں ایک کہانی کی شہزادی کی شان جھلک رہی تھی۔

کمرے میں سکون اور خوبصورتی کی مٹھاس ہر طرف محسوس ہو رہی تھی۔

دادی۔۔۔

صفا آگے بڑھی۔

خدیجہ بیگم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

مریم اور زویا اس کی آواز پر متوجہ ہوئیں۔ سکینہ نے ایک نظر صفا پر ڈالی اور صوفے پر رکھا دوپٹہ اٹھانے لگی۔

ماشاءاللہ۔ خدیجہ بیگم نے صفا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

آج تو سب ہی خوبصورت لگ رہے ہیں۔ صفا نے مریم کی طرف دیکھ کر کہا اور آگے بڑھ کر مریم کے ہاتھ سے دوپٹہ لے لیا۔

ماشاءاللہ۔ میری دھیراں بہت سوہنیاں لگ رہیاں نیں۔

خدیجہ بیگم نے جھک کر زویا کے گالوں کو چومہ۔

دادی، آپ کی کلائی خالی کیوں ہے؟ آپ نے کچھ پہنا ہی نہیں۔

صفا نے دوپٹہ سیٹ کرتے ہوئے محبت بھری نظر سے ان کی کلائی کی طرف دیکھا۔

یاد ای نہیں رہیا۔

خدیجہ بیگم نے کلائی پر نگاہ ڈالی، جیسے واقعی مصروفیت میں یہ بات ذہن سے نکل گئی ہو۔

دادی، میں ابھی نکال کر دیتی ہوں۔

جلدی کڈھ دے۔

جی دادی۔

صفا نے دوپٹہ ٹھیک کیا اور پھر ذرا سا جھک کر سائیڈ ٹیبل کے اندر سے الماری کی چابی نکالی۔ باہر سے آتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ گھر میں رونق بڑھتی جا رہی ہے۔

سکینہ، باقی سب تیار ہو گئے؟ اس نے چلتے چلتے پوچھا۔

صفا باجی، عائشہ اور زمل خالہ تو تیار ہو کر باہر چلی گئی ہیں، مہمان بھی آنا شروع ہو گئے ہیں۔ وہ انہی کو دیکھ رہی ہیں۔ سکینہ نے خدیجہ بیگم کو دوپٹہ تھماتے ہوئے جواب دیا۔

حارث، احمد—یہ سب لوگ؟

صفا نے الماری کھولتے ہوئے مڑ کر پوچھا، جبکہ چابی کی ہلکی سی جھنکار کمرے میں صاف سنائی دی۔

وہ سب تو گاڑی تیار کروانے گئے ہیں۔ سیف بھائی تو دو بار ان کا پوچھ بھی چکے ہیں۔

تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ۔

جی۔۔۔

سکینہ نے نرم لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

مریم بیڈ پر پڑا سامان اٹھا کر سمیٹنے لگی۔

صفا نے الماری کا دروازہ کھولا اور اندر سے ایک چھوٹا سا، نفیس ڈبہ نکالا۔ نرم مخملی ڈبہ—اس کے کنارے ہلکی سنہری لکیروں سے مزین تھے۔ اس نے دھیرے سے ڈبہ کھولا اور اندر سے دو سنہری چمکتے کڑے نکالے۔

دادی، یہ لیں۔

صفا نے مڑ کر دادی کی طرف کڑے بڑھائے۔

خدیجہ بیگم نے کڑے تھامے اور بیڈ پر بیٹھی۔ آہستہ آہستہ وہ سنہری کڑے پہنتی گئیں اور اپنے ہاتھوں کی خوبصورتی میں اضافے کو محسوس کرنے لگیں۔

الماری بند کرتے ہوئے صفا کی نظر ایک اور ڈبے پر جا ٹھہری۔ اس نے آگے بڑھ کر ڈبہ باہر نکالا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

صفا نے ڈبہ کھولا تو اندر مخملی تہہ پر رکھی ایک نازک سی سونے کی بریسلٹ جگمگا اٹھی۔ باریک سنہری چین کے بیچوں بیچ ہلال کی شکل کا چاند بنا تھا، جس پر ننھے پتھر ایسے جڑے تھے، جیسے رات کے آسمان پر اوس ٹھہر گئی ہو۔ چاند کے اندر لٹکتا ننھا سا ستارہ ہلکی سی جنبش پر کانپتا اور مدھم سی چمک بکھیر دیتا تھا۔

صفا نے احتیاط سے الماری کے دروازے بند کیے اور ڈبہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ پھر اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی کلائی پر نظر ڈالی۔ اس نے اپنی ساری چوڑیاں آہستہ آہستہ اتار دی۔

آپی، آپ یہ کیوں اتار رہی ہیں؟

مریحا نے اس کو چوڑیاں اتارتے دیکھ کر پوچھا۔

کیونکہ میں بریسلیٹ پہن رہی ہوں۔ صفا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

مریحا۔۔۔

وہ کچھ اور کہنے ہی والی تھی کہ اسی لمحے خدیجہ بیگم نے اس کا نام پکارا۔ مریحا نے ایک نظر صفا کی طرف ڈالی اور پھر خاموشی سے خدیجہ بیگم کی طرف چل دی۔

اب صفا کی کلائی بالکل خالی تھی۔ دھیرے سے اس نے سونے کی نازک بریسلٹ اٹھائی اور اپنی کلائی پر پہنی۔ چھوٹے ہلالی چاند اور ننھے ستارے اس کے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ نرم روشنی میں جھلکنے لگے اور کمرے میں ایک مدھم سی چمک پھیل گئی، جیسے لمحہ خود بخود یادگار بن گیا ہو۔

صفا آجا۔۔۔

چلیے دادی۔۔۔

صفا نے ایک نظر خدیجہ بیگم پر ڈالی اور آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جھک کر اس نے نرمی سے زویا کو بیڈ سے نیچے اتارا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

مریم آؤ، تمہیں مہمانوں سے ملواؤں۔

مریم نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

اگلے ہی لمحے خدیجہ بیگم، صفا، مریم اور زویا کمرے سے باہر نکل آئیں۔ کمرے سے باہر قدم رکھتے ہی خدیجہ بیگم کی نظر سامنے سے آتی لامیہ پر جا ٹھہری۔ آنکھوں کے سامنے دھندلا سا منظر ابھرا۔ چائے کا کپ، شوہر کا ہاتھ اور لامیہ کی فکر مندی۔

ایہہ مانوس کتھوں آگئی؟
صفا نے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا، پھر چونک کر دادی کی طرف متوجہ ہوئی۔
دادی۔۔۔
اس نے دھیمے مگر صاف لہجے میں کہا۔
میں اوہنوں نہیں ملنا۔
خدیجہ بیگم فوراً پلٹنے لگیں، مگر صفا نے جلدی سے ان کا بازو تھام لیا۔
دادی، وہ مہمان ہیں — مہمانوں کے ساتھ ایسے کون کرتا ہے؟
خدیجہ بیگم کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔
میں آکھیا سی ناں اوہنوں نہ بلاؤ۔
اسی لمحے لامیہ ان کے قریب آرکی۔
اسلام علیکم!
لامیہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔
وعلیکم السلام!
صفا نے بھی اسی گرمجوشی سے جواب دیا اور آگے بڑھ کر ان سے گلے ملنے لگی۔
کیسی ہیں آپ؟
میں بالکل ٹھیک ہوں۔
لامیہ نے صفا سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ پھر وہ خدیجہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔
اسلام علیکم!
لامیہ دادی سے گلے ملنے لگی۔ خدیجہ بیگم نے زبردستی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ سجائی اور رسمی انداز میں جواب دیا۔
وعلیکم السلام!
آپ کیسی ہیں؟
الحمدللہ ٹھیک ۔ خدیجہ بیگم نے مختصر سا جواب دیا۔

مجھے آپ کے بارے میں معلوم ہوا تو بہت خوشی ہوئی۔ میں آپ سے ملنے آنے والی تھی، مگر مصروفیت کچھ زیادہ تھی۔
خدیجہ بیگم نے بس سر ہلا دیا۔ لب خاموش رہے، جیسے الفاظ کہیں اندر ہی رہ گئے ہوں۔
لامیہ، مریم کی طرف بڑھی اور پیار سے گلے ملی۔ اس کے بعد جھک کر زویا کے گال تھپتھپا دیے۔
خدیجہ بیگم خفگی بھری نگاہوں سے صفا کو دیکھ رہی تھیں اور صفا ہلکی سی شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ چپ چاپ انہیں ہی دیکھے جا رہی تھی۔
دوبارہ کال کروں؟ سیف نے الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے کہا۔
میں کر رہا ہوں، مگر وہ اٹھا ہی نہیں رہے۔ حیدر صوفے پر بیٹھا موبائل کان سے لگائے بولا۔
اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور حارث اندر داخل ہوا۔ دونوں کی نظریں فوراً اس پر جا ٹھہریں۔
کہاں تھے؟ اتنی دیر؟
سیف کے لہجے میں ہلکی سی جھنجھلاہٹ تھی۔
یار، اتنی بھی دیر نہیں ہوئی۔
حارث نے کندھے اچکائے اور بے پرواہی سے آ کر حیدر کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔
اب بیٹھ کیوں رہے ہو — تیار ہو جا کر۔
اچھا بھئی، تم تو کچھ زیادہ ہی جلدی میں ہو۔
حارث نے سیف کی طرف دیکھ کر کہا۔ حیدر ہلکا سا مسکرایا۔
سارے مہمان آ چکے ہیں اور وقت دیکھو، ایک بج نے کو ہے۔
ہاں ہاں، چل رہے ہیں۔
حارث نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا تو حیدر بھی فوراً اس کے پیچھے اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں کمرے سے باہر نکل گئے، سیف ہاتھ میں کپڑے تھامے انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔
کچھ دیر بعد کمرے کے باہر صفا آ کر رک گئی۔ اس نے ہلکے سے دروازے پر دستک دی۔
چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور سامنے کا منظر دیکھتے ہی وہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔ بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ اس کے منہ پر آ گئے۔

سیف آف وائٹ شیروانی میں ملبوس تھا۔ کپڑے کی نفاست دور سے ہی وقار کا احساس دلا رہی تھی — سر پر بندھی پگڑی کے ساتھ بلند کلغی نما سہرہ اسے کسی شہزادے کی سی ہیبت دے رہا تھا۔ کلائی کی چمکتی گھڑی اور پاؤں کے سادہ مگر نفیس کھُسّے اس کی تمکنت کو اور نکھار رہے تھے۔

اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک —

بھائی سیف ۔۔۔

لفظ اس کے ہونٹوں سے سرگوشی بن کر نکلے۔ آنکھوں میں نمی چمک اٹھی، جیسے خوشی نے اچانک دل کو بھر دیا ہو۔

ماشاءاللہ — ماشاءاللہ۔

صفا نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا۔

سیف کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

آئیں، میں آپ کی نظر اتارتی ہوں۔

صفا نے اپنی انگلی آہستہ سے اٹھائی اور اسے اپنی آنکھ کے قریب لے گئی۔ ایک لمحے کے لیے رک کر، آنکھ کے کونے سے ہلکا سا کاجل لگایا، پھر قدم بڑھایا اور سیف کے قریب آ گئی۔ وہ کاجل آہستہ سے اس کے کان کے پیچھے لگا دیا، ایک نرم سا لمس، ایک چھوٹی سی علامت — ہر بری نگاہ سے اس کی حفاظت۔

یہ چھوٹی سی حرکت، خاموش مگر معنی خیز، دل کو چھو لینے والی تھی۔ سیف کی نظریں صفا پر جم گئیں۔ اس کے دل میں سکون اور حیرت کی ایک عجیب سی لہر دوڑ گئی۔

صفا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پیچھے ہٹی، آنکھوں میں محبت اور خلوص کی چمک لیے۔

بھائی، آپ سچ میں بہت پیارے لگ رہے ہیں۔

تم بھی بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

صفا کی آنکھیں ہلکی سی شرم اور خوشی سے چمک اٹھیں۔

بھائی۔۔۔

اس نے نرم آواز میں کہا اور پھر سیف کے بازو کو تھام کر اس کے قریب آ گئی، ایک چھوٹی سی قربت کے ساتھ جو خاموشی سے سب کچھ کہہ رہی تھی۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی، لیکن وہ خاموشی بھی محبت اور سکون سے بھرپور تھی، جیسے دونوں کے دل ایک دوسرے کے احساسات کو بغیر لفظوں کے سمجھ چکے ہوں۔

اسی لمحے حارث اور نور کسی بات پر ہنستے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

حارث نے سفید قمیض شلوار پہنی ہوئی تھی۔ اس کی کلائی پر گہرے براؤن رنگ کی نفیس گھڑی چمک رہی تھی، جو اس کے انداز کو اور بھی نمایاں بنا رہی تھی۔ قمیض شلوار کے اوپر اس نے گہرے براؤن ویلوٹ کی ویسس کوٹ پہنی ہوئی تھی اور ویلوٹ ہی کے چمکدار جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اس کے بال پشت کی طرف ہموار اور سلیقے سے سیٹ کیے ہوئے تھے، جو اس کی شخصیت میں ایک پرکشش وقار بھر رہے تھے۔ جبکہ نور ہلکے زیتونی رنگ کے لباس میں ملبوس تھی، جس پر نفیس کڑھائی چاندنی کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ قمیض کے گلے اور دامن پر بنے باریک نقش ایسے لگتے تھے، جیسے کسی نے صبر سے خواب بُنے ہوں۔ آستینوں کے کناروں پر جھلملاتے دھاگے ہر حرکت کے ساتھ مدھم سی چمک بکھیر رہے تھے۔

اس کے کندھوں سے سرکتا گہرے رنگ کا دوپٹہ اس کے وجود کے گرد ایک نرم سا حصار بنا رہا تھا۔ وہ سادگی سے سنوری ہوئی تھی، اس کی فطری خوبصورتی ایسی تھی کہ کسی اضافی آرائش کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

سیف اور صفا دونوں نے ایک ساتھ ان کی طرف دیکھا۔

واہ بھئی واہ— کیا لگ رہے ہو۔

حارث نے آگے بڑھتے ہوئے خوشگوار حیرت سے کہا۔

نور کے لبوں پر بھی بے اختیار مسکراہٹ ابھر آئی۔ صفا ہلکا سا جھجکتے ہوئے سیف سے الگ ہو گئی۔

حارث سیف کے قریب آیا اور آہستگی سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

بھابھی کے ساتھ ساتھ آج باقی سب لڑکیاں بھی اپنا دل تمہارے نام کر بیٹھیں گی۔

سیف کے ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

آہ۔۔۔ آہ۔۔۔ ذرا خوشی چیک کرو۔ حارث نے شرارتی انداز میں، صفا اور نور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نہیں سیف، ایسا نہیں ہے۔

نور نے فوراً اس کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

جی ہاں اور تم میرے بھائی کو تنگ نہیں کرو۔ صفا جلدی سے بولی۔

اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔

حارث نے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھا دیے، جیسے ہتھیار ڈال رہا ہو۔

اچھا اب بس – باہر سب انتظار کر رہے ہیں۔ نور نے یاد دہانی کروائی۔

بھائی، میں تو آپ کو لینے آئی تھی۔ صفا کو یاد آیا۔

اب جناب صاحب کو دیر نہیں ہو رہی؟

حارث نے ہلکے سے طنز کے ساتھ کہا۔

سیف نے ایک نظر اس پر ڈالی تو حارث نے فوراً ہنسی دبائی اور مبالغہ آمیز سنجیدگی اختیار کر لی۔

جناب۔۔۔

حارث نے ہاتھ آگے پھیلا کر اسے آگے بڑھنے کا اشارہ دیا۔

سیف قدم بڑھاتا ہوا دروازے کی طرف چل پڑا۔ اس کے پیچھے حارث، صفا اور نور بھی کمرے سے باہر نکلے۔

باہر جاتے ہوئے حارث کی نظر اچانک اسٹڈی روم کے دروازے پر پڑی، جہاں سے مریم اور سکینہ نکل رہی تھیں۔

اس کے قدم وہیں رک گئے۔ نظریں بے اختیار مریم پر ٹھہر گئیں – باقی سب کچھ جیسے پس منظر میں دھندلا گیا۔ اسی لمحے گویا وقت نے چلنا چھوڑ دیا تھا اور وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

صفا نے مڑ کر حارث کو دیکھا، پھر اس کی نگاہوں کا رخ سمجھتے ہی ہلکا سا مسکرا دی۔

مریم دروازے پر ٹھہر کر سکینہ سے کچھ کہنے لگی۔ سکینہ خاموشی سے سر ہلا رہی تھی کہ اتنے میں اختر بھی وہاں آ پہنچا۔

مریم نے اختر سے کچھ کہا، پھر سکینہ کے ساتھ کچن کی طرف بڑھ گئی جبکہ اختر اسٹڈی روم کے اندر چلا گیا۔

صفا، سیف اور نور کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور حارث کچن کی جانب – چند لمحوں بعد وہ کچن کے دروازے تک پہنچا۔

ایک پل کے لیے ٹھہرا، جیسے خود کو معمول پر لانے کی کوشش کر رہا ہو، پھر اندر داخل ہو گیا۔

مریم کچن کاؤنٹر سے سامان اٹھا کر ترتیب سے فریج میں رکھ رہی تھی، جبکہ سکینہ ڈائننگ ٹیبل پر رکھے مٹھائی کے ڈبے گننے میں مصروف تھی۔ کچن میں برتنوں کی ہلکی آواز اور ہلچل تھی – مگر حارث کے لیے سب سے نمایاں صرف ایک وجود تھا۔

حارث آہستہ قدموں سے بڑھتا ہوا کاؤنٹر کے پاس جا کھڑا ہوا۔

سکینہ، باہر پانی لے کر جاؤ – صفا پانی مانگ رہی ہے۔ اس نے بلا جھجھک جھوٹ بولا۔

سکینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، جبکہ مریم نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور پھر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

جی۔۔۔

سکینہ نے نرمی سے جواب دیا اور جگ میں پانی بھرنے لگی۔

حارث کی نظریں کبھی مریم پر ٹھہرتیں، کبھی سکینہ کی طرف چلی جاتیں۔ کچن میں برتنوں کی ہلکی سی آواز گونج رہی تھی اور اس کی خاموشی غیر معمولی حد تک نمایاں ہو رہی تھی۔

سکینہ نے ٹرے میں جگ اور گلاس رکھے اور باہر جانے کو مڑی ہی تھی کہ حارث کی آواز پر رک گئی۔

سکینہ، ایک گلاس مجھے بھی دے دو۔

وہ واپس آئی، ٹرے کاؤنٹر پر رکھی، گلاس میں پانی بھرا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

حارث نے گلاس تھام لیا۔ سکینہ ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

حارث نے ایک گھونٹ بھرا، پھر بے اختیار نگاہیں مریم کی طرف اٹھ گئیں۔

مریم نے فریج بند کیا اور کچن میں ایک نظر دوڑائی۔

زویا کہاں ہے؟

حارث کے سوال پر مریم نے آہستہ سے اس کی جانب دیکھا — اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو ٹھہراؤ سا آیا، جیسے وہ کچھ سوچ کر بولنا چاہتی ہو۔

باہر، دادی کے پاس۔۔۔

اس نے مدھم لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

حارث نے ایک اور گھونٹ بھرا۔ گلاس رکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس کی ہتھیلیوں پر ہلکا سا پسینہ تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر بے ساختہ بول اٹھا —

مریم، آپ اچھی لگ رہی ہیں۔

مریم کے قدم دروازے پر آ کر رک گئے۔

وہ پلٹی — حارث کو دیکھا۔ اس ایک نظر میں حیرت بھی تھی اور ہلکی سی نرمی بھی۔ آج سے پہلے کسی مرد نے اس کی ایسے تعریف نہیں کی تھی۔

حارث نے فوراً نگاہ جھکا لی، جیسے اپنے ہی لفظوں سے گھبرا گیا ہو۔
مریم کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے ٹھہر سی گئی۔ اس کو سمجھنے میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔
مریم دھیرے سے پلٹی اور تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اس نے حارث کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔
باہر گلی کا منظر یکسر بدلا ہوا تھا۔
گاڑیوں کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ شامیانے کے باہر چند بزرگ اور نوجوان مرد حضرات چھوٹے چھوٹے حلقوں میں کھڑے گفتگو میں مصروف تھے۔ ذرا فاصلے پر بینڈ باجے والے اپنی کرسیوں پر بیٹھے ساز سنبھالے انتظار کر رہے تھے، جبکہ گلی کے بچے بے صبری سے ان کے گرد منڈلا رہے تھے – کسی بھی لمحے شور مچنے والا تھا۔
شامیانے کے اندر سے قہقہوں، باتوں کی ہلکی آوازیں فضا میں گھل کر ایک زندہ سی رونق پیدا کر رہی تھیں۔ پورے ماحول میں ایک خوشگوار ہلچل تیر رہی تھی۔
اسی لمحے سیف، صفا اور نور گھر سے باہر نکلے۔ آوازوں نے جیسے ان کا استقبال کیا اور پھر ایک لمحے کو سب کچھ ٹھہر سا گیا – شامیانے میں داخل ہوتے ہی چند لوگوں کی گفتگو رک گئی۔ نظریں ایک ایک کر کے سیف پر جا ٹھہریں۔
رشتہ دار فوراً آگے بڑھے – کسی نے دعا دی، کسی نے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور کسی نے مسکرا کر راستہ چھوڑ دیا۔
سیف کے ہونٹوں پر ہلکی سی شائستہ مسکراہٹ ابھری۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھتا گیا، مگر اردگرد کی نظریں بدستور اسی پر ٹھہری رہیں۔
سامنے صوفے پر خدیجہ بیگم اور زویا بیٹھی تھیں۔ سیف ان کے قریب آیا۔ اس کے چہرے پر سرخی دوڑ رہی تھی۔
خدیجہ بیگم فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔
ماشاءاللہ – ماشاءاللہ – اللہ میرے پتر نوں اپنی حفاظت وچ رکھے۔
ان کی آواز بھر آئی۔ آنکھیں نم ہونے لگی۔ انہوں نے محبت سے اس کے گال کو چوما۔
سیف نے بھی نرمی سے دادی کو اپنے ساتھ لگا لیا، ان کے سر پر بوسہ دیا۔
چند لمحے وہ یونہی کھڑا رہا – جیسے اس لمس کو محسوس کرتے رہنا چاہتا ہو – پھر آہستہ سے الگ ہوا اور ذرا سا جھک کر زویا کے گال کھینچ دیے۔
زویا کے چہرے پر فوراً مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

اسی لمحے احمد اور حیدر کیمرے والوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور سیدھے سیف کے قریب آ گئے۔
کیمرے کی لائٹس جل اٹھیں – ماحول ایک دم مزید مصروف ہو گیا۔
سیف صوفے پر بیٹھ گیا – اور رسم کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے خدیجہ بیگم اور صفا آگے بڑھیں۔ فوٹوگرافر نے مسلسل تصویریں لینا شروع کر دیں۔
چند ہی لمحوں میں سیف کے اردگرد لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا – دعائیں، مسکراہٹیں، آوازیں، فلیش لائٹس – سب ایک ساتھ مل کر اس لمحے کو یادگار بنا رہے تھے۔

صفا۔۔۔

خدیجہ بیگم کی آواز ہجوم کے شور میں بھی صاف سنائی دی۔ پاس کھڑی صفا فوراً متوجہ ہوئی اور ذرا سا جھک کر بولی۔

جی دادی۔۔۔

خدیجہ بیگم نے مٹھائی کے ڈبوں کی طرف اشارہ کیا۔

ایہہ مٹھائی آلے ڈبّے اندر رکھوا دیو تے سارے دروازے وغیرہ وی بند کروا دیو، فیر چلیے۔

جی دادی۔

صفا سیدھی کھڑی ہوئی اور قریب کھڑی سکینہ کو آواز دی۔

سکینہ، یہ اٹھا کر اندر رکھ دو – میں ابھی آتی ہوں۔

جی صفا باجی۔ سکینہ نے دھیمی آواز میں کہا اور ڈبے سنبھال لیے۔

صفا نے نگاہیں ہجوم میں دوڑائیں – جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو۔

مریم، مومل، زوحل اور نور ایک ساتھ کھڑی ہنستے ہوئے باتوں میں مصروف تھیں۔

صفا ان کی طرف بڑھ گئی۔

حارث، علی اور احمد کو بلا لو – اب چلنا ہے، دیر ہو رہی ہے۔ صفا ان کے قریب آ کر بولی۔

میں ابھی بلاتی ہوں۔

زوحل نے فوراً جواب دیا اور مڑ گئی۔

اردگرد کی رونق اب روانگی کی تیاری میں بدلنے لگی تھی – آوازیں تیز ہو رہی تھیں، قدم تیزی پکڑ رہے تھے۔ بارات کے چلنے کا لمحہ قریب آ رہا تھا۔

صفا، شامیانے سے نکل کر جلدی سے گھر کے اندر چلی گئی۔ اسی لمحے سیف اپنی جگہ پر لوگوں کے گھیرے میں کھڑا تھا۔ حارث شامیانے میں داخل ہوا تو خدیجہ بیگم کی نظر فوراً اس پر جا ٹھہری۔

عائشہ۔۔۔

انہوں نے اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑی عائشہ خالہ کو آواز دی، مگر شور میں آواز دب گئی۔ خدیجہ بیگم نے سر اٹھا کر سیف کی طرف دیکھا اور قدرے اونچی آواز میں اس کا نام پکارا۔

سیف۔۔۔

سیف نے فوراً آواز سن لی۔ وہ ہلکا سا چکا۔

جی دادی۔۔۔

حارث کو بلاؤ۔

دادی، کیا کہنا ہے؟ مجھے بتا دیں۔ اس نے نرمی سے کہا۔

نہیں، تم حارث کو بلاؤ۔

جی دادی۔ سیف آگے بڑھ گیا۔

حارث اس وقت سرفراز خالو اور عاصم ماموں کے ساتھ کھڑا بات کر رہا تھا۔ سیف اس کے قریب پہنچا اور نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

حارث۔۔۔

حارث نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

تمہیں دادی بلا رہی ہیں۔

حارث نے خاموشی سے سر ہلا دیا اور ان کی طرف بڑھ گیا۔ حارث دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا خدیجہ بیگم کے قریب آ گیا۔

شامیانے میں اب بھی وہی شور، وہی قہقہے گونج رہے تھے، مگر ان کے قریب پہنچتے ہی جیسے آوازیں دور کہیں دھندلا سی گئیں۔

بیوٹی فل۔

وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور ان کے برابر صوفے پر بیٹھ گیا۔

آپ تو آج بہت پیاری لگ رہی ہیں۔
اب جھوٹی تعریفیں مت کرو۔۔۔
خدیجہ بیگم نے نیم خفگی سے کہا مگر آنکھوں میں مسکراہٹ تیر گئی۔
سچ میں دادی — کیا میں نے کبھی پہلے آپ کی جھوٹی تعریف کی ہے؟
بدمعاش۔۔۔
وہ ہلکا سا مسکرائیں اور نفی میں سر ہلا دیا، پھر دھیمی آواز میں بولی۔
اچھا، اب میری بات سنو۔
جی دادی۔۔۔
وہ ذرا قریب ہوئیں، جیسے کوئی راز سنانے لگی ہوں۔
یہاں، میرا ایک دشمن ہے۔
دشمن؟
حارث نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں — وہ بھی آپ کا؟
ہاں، میرا۔
کون ہے؟
خدیجہ بیگم نے آنکھوں کے اشارے سے سامنے دیکھا۔
وہ سامنے، خاکی رنگ کا لباس پہنے۔
حارث نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔
وہ، لامیہ آنٹی؟
ہاں، انہوں نے فوراً تصدیق کی۔
وہ تو مجھے اچھی لگتی ہیں۔
حارث نے بے ساختہ کہا، پھر اچانک خدیجہ بیگم کی نظریں خود پر جمی دیکھ کر سنبھل گیا۔
میرا مطلب، میں تو انہیں اچھا سمجھتا تھا۔ اس نے فوراً سے اپنا بیان بدل لیا۔

خدیجہ بیگم نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہ کہا۔ بس خاموشی سے سامنے دیکھتی رہیں — جیسے کوئی پرانا حساب ذہن میں تول رہی ہوں۔

آپ کا دشمن — مطلب میرا دشمن۔ اب بتائیں کیا کرنا ہے؟

خدیجہ بیگم نے ایک گہری سانس لی، پھر ذرا سا جھک کر سرگوشی کی۔

تم نے اس کی کرسی کے نیچے پٹاخے چلانے ہیں۔

حارث کی آنکھوں میں فوراً شرارت چمکی۔

اچھا، ٹھیک ہے اور کچھ، میری پیاری دادی؟ اس نے نہایت معصوم بن کر پوچھا۔

وہ ذرا اور قریب ہوئیں۔

اور جب وہ باہر جائے، تو اس کے پیچھے بچوں کو لگا کر پٹاخے چلوانا۔

دادی، یہ زیادہ ہو رہا ہے۔

یہ تمہاری دادی کہہ رہی ہے۔

انہوں نے مصنوعی ناراضگی سے بھنویں چڑھائیں۔

حارث فوراً سنبھل گیا۔

دادی، ابھی ایک کام ہی ٹھیک ہے — باقی کل کر لیں گے۔

خدیجہ بیگم نے مشکوک نظروں سے حارث کو دیکھا۔

اور ایسے کسی کو شک نہیں ہوگا۔

خدیجہ بیگم نے کوئی جواب نہ دیا، مگر ان کی نظریں سامنے ٹھہری ہوئی تھی — یہی خاموشی حارث کی جیت تھی۔

میری پیاری دادی — مان جائیں نا۔

اچھا، ٹھیک ہے۔ چند لمحوں بعد انہوں نے آہستہ سے کہا۔

یہ ہوئی نا بات۔ حارث خوشی سے بولا اور فوراً کھڑا ہو گیا۔

آپ بس دیکھتی جائیں۔

دونوں کے چہروں پر ایک جیسی شرارتی مسکراہٹ پھیل چکی تھی — جیسے دو ہم عمر ساتھی کسی خفیہ مہم پر نکلنے والے ہوں۔

سیف شامیانے تنے سے باہر نکلا تو اس کے پیچھے لوگوں کا ایک پرجوش ہجوم بہنے لگا۔ چند قدم آگے بڑھتے ہی بینڈ والے اس کے سامنے آکر رک گئے اور ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر ڈھول کی تھاپ چھیڑ دی۔

اچانک پوری گلی میں زندگی دوڑ گئی۔ ڈھول کی گونج سنتے ہی بچے بے ساختہ ناچنے لگے، قہقہے فضا میں بکھرنے لگے۔ گھروں کے دروازوں پر کھڑی عورتیں تجسس سے باہر جھانکنے لگیں اور کچھ تو جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ کر چھتوں پر جا پہنچیں تاکہ یہ منظر اوپر سے دیکھ سکیں۔ ہر چہرے پر خوشی اور مسکراہٹ تھی۔

صفا، سکینہ اور مریم بھی عجلت میں گھر سے باہر نکل آئیں۔

ادھر سیف اپنے کزنز اور دوستوں کے گھیرے میں تھا۔ اس کے ماموں اور خالہ زاد بھی اسی ہجوم کا حصہ بنے اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا جبکہ کیمرہ مین ہر لمحہ قید کرنے میں مصروف تھے۔

اسی دوران حارث نے جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور سیف کے اوپر سے فضا میں اچھال دی۔ نوٹ ہوا میں بکھر گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بچے اور لڑکے ان پر ٹوٹ پڑے۔ کوئی جھک کر اٹھا رہا تھا، کوئی دوسرے کو دھکیل کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر تو جیسے نچھاور کا سلسلہ چل پڑا۔ سیف کے ماموں نے بھی مسکراتے ہوئے ایک اور گڈی ہوا میں اچھال دی اور گلی میں ایک بار پھر سے خوشیوں کا شور بکھر گیا۔

حارث نے ہجوم پر ایک سرسری نظر دوڑائی، جیسے کسی خاص چہرے کو تلاش کر رہا ہو۔

چند لمحے ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد اس نے آگے بڑھ کر حمزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ حمزہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔

اختر کہاں ہے؟

حارث نے ذرا سا جھک کر اس کے کان کے قریب دھیمی آواز میں پوچھا۔

پتا نہیں۔۔۔

حمزہ نے گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

جاؤ، دیکھو کہاں رہ گیا ہے اور اس کے ساتھ پٹاخے بھی چلا دو۔

اچھا۔ حمزہ نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

جلدی جاؤ۔

حمزہ ہجوم کو چیرتا ہوا باہر نکل گیا۔

ہر طرف خوشی کی رونق پھیلی ہوئی تھی۔ سیف کے دوست آگے بڑھے اور ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑا ڈالنے لگے۔
حیدر نے ہاتھ کی دو انگلیاں منہ میں رکھیں اور اگلے ہی لمحے ایک تیز سیٹی ہوا میں گونج اٹھی۔
شامیانے کے باہر خواتین مردوں سے کچھ فاصلے پر کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔
زویا، صفا کی انگلی تھامے کھڑی تھی، اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی — مگر سیٹی کی آواز سنتے ہی اس کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ مدھم پڑ گئی۔ اس نے بے اختیار سر اٹھا کر نیلے آسمان کی طرف دیکھا — شاید وہ دوبارہ سے مکاؤ کو دیکھنے کی خواہش مند تھی۔
اسی شور و ہنگامے میں حارث آہستہ آہستہ ہجوم سے باہر نکلا۔
سیف کے دوست نے نوٹوں کی ایک گڈی فضا میں اچھال دی — اگلے ہی لمحے لوگ دیوانہ وار پیسوں پر ٹوٹ پڑے۔
اسی بدنظمی میں حارث کی نظر ایک لڑکے پر جا ٹھہری۔ اس نے آگے بڑھ کر لڑکے کی کلائی پکڑی اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔
لڑکا چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔
حارث اسے چند قدم دور لے آیا۔
وہ مسلسل حارث کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے چہرے اور کپڑوں پر بہت زیادہ مٹی لگی ہوئی تھی۔
حارث اس کے قریب جھکا۔
پیسے چاہیے؟
لڑکے نے فوراً ہاں میں سر ہلا دیا۔
حارث کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
تو پھر ایک چھوٹا سا کام کرنا ہوگا — اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پٹاخوں کی ایک چھوٹی سی ڈبی نکالی۔
ڈبی کھول کر زیادہ تر پٹاخے اپنی جیب میں ڈال لیے — صرف تین پٹاخے اندر چھوڑے۔
لڑکا خاموشی سے دیکھتا رہا۔
حارث نے ڈبی اس کی ہتھیلی پر رکھ دی۔
یہ لو۔۔۔

پھر اس نے اشارے سے سامنے شامیانے تنے کے باہر کھڑی ایک عورت کی طرف توجہ دلائی۔

وہ دیکھ رہے ہو؟

لڑکے نے نظریں اٹھائیں – سامنے بیگ تھامے ایک عورت کھڑی تھی۔

اس کے قدموں کے پاس پٹاخے پھینکنے ہیں۔

وہ بیگ والی عورت؟ لڑکے نے پوچھا۔

ہاں، وہی۔ حارث کی آواز اب سرگوشی بن گئی۔

جب پٹاخے چلیں گے، تب ہی تم نے پٹاخے چلانے ہیں – پہلے نہیں۔

لڑکے نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

حارث نے دوبارہ جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

یہ لو۔۔۔

لڑکے نے جھٹ سے پیسے پکڑ لیے۔

حارث اس کے قریب جھکا اور دھیمی آواز میں بولا۔

تینوں پٹاخے ایک ساتھ چلانے ہیں اور فوراً وہاں سے بھاگ جانا ہے۔

لڑکے نے جلدی سے سر ہلا دیا۔

ٹھیک ہے۔

حارث نے اس کے کندھے پر ہلکا سا ہاتھ رکھا۔

جاؤ۔

اگلے ہی لمحے لڑکا دوڑتا ہوا ہجوم میں گم ہو گیا۔

حارث نے سر اٹھایا تو اس کی نظر اختر پر جا ٹھہری۔ حمزہ اور احمد اسی کے ساتھ تھے اور اختر کے ہاتھ میں پٹاخوں کی لڑی تھی۔

ہجوم اب پہلے سے زیادہ بے قابو ہو چکا تھا۔

ڈھول کی تھاپ تیز ہو رہی تھی، قہقہے، شور، آوازیں سب کچھ ایک ساتھ گونج رہا تھا۔

حارث شامیانے تنے سے کچھ فاصلے پر جا کھڑا ہوا۔ اس کی نظریں بار بار اِدھر اُدھر گھوم رہی تھیں — وہ پٹاخے چلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

اختر نے ماچس جلائی۔

چھوٹی سی چنگاری لڑی تک پہنچی اور اگلے ہی لمحے پٹاخوں کی تیز آواز فضا میں پھٹنے لگی۔

ٹھاہ — ٹھاہ — ٹھاہ —

لوگ چونک اٹھے۔ کچھ پیچھے ہٹے، کچھ ہنسنے لگے۔

اسی لمحے لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھا اور پٹاخے چلانے کی آواز پر ہجوم کے دوسری طرف نمودار ہوا۔

وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا لامیہ کے قریب پہنچا۔ جلدی میں اس نے تینوں پٹاخے ایک ساتھ زمین پر رکھے — ماچس جلائی اور انہیں لامیہ کے قدموں کی طرف سرکا دیا۔

کچھ فاصلے پر حارث ہاتھ پیچھے باندھے خاموشی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

ایک سیکنڈ۔۔۔

دو سیکنڈ۔۔۔

پھر —

ٹھاہ — ٹھاہ — ٹھاہ —

تینوں پٹاخے ایک ساتھ پھٹ پڑے۔

آہہہ۔۔۔

لامیہ کی چیخ فضا میں گونج گئی۔ چنگاری کی تپش لباس سے چھو کر گزری۔

وہ بری طرح گھبرا کر پیچھے ہٹی، پیچھے کھڑی عورتوں سے ٹکراتی ہوئی لڑکھڑائی — لامیہ کے ہاتھ سے بیگ چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔

ایک عورت نے فوراً اس کا بازو تھام لیا — وہ گرتے گرتے بچ گئی۔

ان کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا، ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا اور دل کی دھڑکن بے قابو تھی۔

خدیجہ بیگم یہ منظر دیکھ کر جیسے اندر ہی اندر جی اٹھیں۔ ان کے ہونٹوں پر ایک مدھم، مطمئن مسکراہٹ پھیل گئی۔

حارث ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہجوم میں غائب ہو گیا۔

سیف گاڑی کے پاس پہنچ گیا تھا۔

سفید رنگ کی گاڑی کے بونٹ پر سرخ گلابوں کی لمبی قطار سجی تھی — ہر گلاب پوری آب و تاب سے کھلا ہوا تھا۔ ان کے درمیان ننھے سفید بیبی بریتھ کے پھول بکھرے تھے، گویا برف پر کسی نے محبت کے سرخ نقش بنا دیے ہوں۔ سورج کی روشنی پڑتی تو سفید گاڑی چمک اٹھتی اور سرخ گلاب اور بھی گہرے ہو جاتے — یوں لگتا جیسے روشنی بھی اس محبت کو نمایاں کرنے آئی ہو۔

سائیڈ کے دروازوں کے ہینڈلز پر بھی سرخ گلاب بندھے تھے — ہر گلاب کے گرد چھوٹے سفید پھول ایسے لگے تھے جیسے دھڑکتے دل کے گرد خاموش دعائیں کھڑی ہوں۔ سفید ربن ہوا میں ہلکے ہلکے لہرا رہے تھے، نرم، پُرسکون — ہوا چلتی تو ربن آہستہ سرکتے، پھول ہلکے سے جھومتے۔۔۔

حارث نے ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔ اس کے اشارے کے ساتھ ہی بینڈ باجے کی آوازیں یکایک تھم گئیں۔ شور آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگا اور لوگ ایک ایک کر کے اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔

علی، احمد اور حیدر مٹھائی اور تحفوں کے ڈبے اٹھا کر گاڑیوں میں رکھنے لگے، جبکہ حارث مہمانوں کو رخصت کرنے اور انتظام سنبھالنے میں مصروف تھا۔

چند لمحوں بعد بارات روانگی کے لیے تیار کھڑی تھی۔

اختر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ اس کے برابر سیف بیٹھ گیا، جبکہ پچھلی نشست پر صفا، مریم اور زویا بیٹھ گئیں۔

سیف نے ریئر ویو مرر سے پیچھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

صفا، دادی کہاں ہیں؟

وہ مومانی مہروش والی گاڑی میں بیٹھ گئی ہیں۔

صفا نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے جواب دیا، زویا بھی اس کی گود میں بیٹھی باہر جھانک رہی تھی۔

وہ بھی ہمارے ساتھ آجاتیں۔

میں نے ان سے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ آجائیں، لیکن انہوں نے کہا کہ تم دونوں جاؤ — دولہے کے ساتھ اس کی بہنیں بیٹھ کر جاتی ہیں۔

سیف خاموش رہا — اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

دھوپ نرم مگر روشن تھی — سب کے چہروں پر پھیلی مسکراہٹ کی طرح —

حارث سب سے آگے والی گاڑی میں تھا اور اسی گاڑی میں کیمرہ مین بھی موجود تھے۔ حارث نے ہاتھ کے ہلکے اشارے سے اختر کو چلنے کو کہا۔

انجن اسٹارٹ ہوا۔ حارث کی گاڑی دھیرے سے آگے بڑھی اور اس کے پیچھے اختر نے ایکسیلیریٹر دبایا۔ پھر ایک ایک کر کے باقی تمام گاڑیاں بھی قطار بنا کر پیچھے چل پڑیں۔

سڑک پر چلتی بارات کا اپنا ہی رنگ تھا — کہیں ہارن بج رہے تھے، کہیں بچے ہاتھ ہلا رہے تھے اور کہیں لوگ رک کر دولہے کی گاڑی کو دیکھ رہے تھے۔

کچھ ہی دیر میں گاڑیاں نہر کے پل تک پہنچ گئیں۔ دن کی روشنی میں نہر چمک رہی تھی۔ پانی بے پرواہ تیزی سے بہہ رہا تھا۔ لہریں پل کے ستونوں سے زور سے ٹکراتیں اور سفید جھاگ بن کر آگے سرک جاتیں۔ بہتے پانی کی مسلسل آواز ایک عجیب سا سکون اور اپنی طاقت کا احساس دلا رہی تھی۔

پل پار کرتے ہی گاڑیاں سکندر روڈ پر آنکلیں۔ جہاں روڈ کے دونوں اطراف دو نہریں بہ رہی تھیں۔ ان کے کناروں پر کھڑے گھنے درخت ہوا کے ساتھ آہستہ آہستہ جھوم رہے تھے۔ ان کی ٹھنڈی چھاؤں نے پوری سڑک کو اپنی بانہوں میں لے رکھا تھا۔

درختوں کے سائے سے گزرتی بارات پر دھوپ چھن چھن کر پڑ رہی تھی —

✦ ✦ ✦

باب دوم

جذباب

دوپہر کی ہلکی سنہری روشنی آسمان سے اتر کر مارکی کے سفید کینوپی پر ٹھہر گئی تھی، جیسے کسی نے دھوپ کو آہستہ سے تھام لیا ہو۔ داخلی دروازے پر تازہ پھولوں کی محرابیں کھڑی تھیں—گلاب، راج نگندھا اور بیبی بریتھ کے ننھے سفید پھولوں کی باریک جھالر ہر آنے والے کو ایک نرم خوشبو میں لپیٹ لیتی تھی۔ اسی دروازے سے مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ قہقہوں اور مبارک باد کی آوازیں فضا میں گھل کر ایک زندہ سا منظر بنا رہی تھیں۔

دروازے کے قریب ہارون، ہمدان صاحب اور چند دیگر مرد حضرات استقبال کے لیے کھڑے تھے۔

ہمدان صاحب نے سفید شلوار قمیض پر سیاہ ویسٹ کوٹ پہنی ہوئی تھی۔ صاف استری شدہ کپڑوں کے ساتھ کالے بوٹ ان کی شخصیت کو سنجیدگی دے رہے تھے۔

وہ ہر آنے والے سے پورے وقار کے ساتھ مصافحہ کرتے، ذرا سا سر جھکا کر خیر مقدم کہتے—ان کے انداز میں میزبان ہونے کا ٹھہرا ہوا اعتماد تھا۔

ہارون نے سفید شلوار قمیض کے اوپر سفید ہی کوٹ پہن رکھا تھا۔ دھوپ پڑنے پر اس کے ہاتھ میں بندھی گولڈن گھڑی بار بار چمک اٹھتی۔ اس نے گہرے بھورے رنگ کے بوٹ پہنے ہوئے تھے جو اس کے لباس کے ساتھ نرم سا تضاد پیدا کر رہے تھے۔ اس کے چہرے پر ٹھہری مسکراہٹ اسے خوبصورت بنا رہی تھی—آنکھوں میں ہلکی سی چمک اور تاثرات میں نرمی تھی۔

باقی مرد حضرات بھی اسی محبت سے مہمانوں کو اندر لے جا رہے تھے۔ ان سب کے تاثرات میں ایک ہی جذبہ مشترک تھا—اپنوں کے آنے کی خوشی۔ آنکھوں میں چمک، لہجے میں خلوص اور حرکات میں بے ساختگی لگ رہی تھی۔

اسی دوران ایک چمکدار سیاہ گاڑی برائڈل روم کے سامنے آ کر رکی۔ گاڑی کا اگلا دروازہ کھلا اور ارحم باہر اترا۔

سفید شلوار قمیض میں ملبوس وہ غیر معمولی سنجیدگی لیے کھڑا تھا۔ دھوپ کی ہلکی کرن اس کی کلائی پر بندھی سلور گھڑی سے ٹکرائی تو ایک لمحے کو چمک ابھری۔ گہرے بھورے بوٹ اس کی شخصیت میں مزید وقار بھر رہے تھے۔

اس نے مڑ کر پچھلا دروازہ کھولا — حرا گاڑی سے باہر اتری —

ہلکے سنہری رنگ کا لمبا فراک اس کے گرد نرم لہروں کی طرح پھیل گیا۔ فراک پر نفیس کڑھائی اور باریک کام خاموشی سے اپنی خوبصورتی دکھا رہا تھا۔ کندھے سے پھسلتا دوپٹہ اس نے ہلکے سے سنبھال کر بازو پر رکھ لیا۔ اس کے لمبے، گھنے بال نرم لہروں میں ایک طرف بکھرے تھے۔ کانوں میں جھولتے سنہری جھمکے ہر جنبش پر مدھم سی جھنکار پیدا کرتے، جبکہ ہاتھوں کی باریک چوڑیاں اور کنگن اس کی ہر حرکت کا ساتھ دے رہے تھے۔

سادگی میں سجی وہ ایک نرم، باوقار خوبصورتی کا احساس دے رہی تھی — جیسے ایک الگ خاموش سی روشنی۔

حرا اپنے کپڑے سنبھالتے ہوئے گاڑی کی بائیں جانب گئی اور دروازہ کھولا۔

مومنہ احتیاط سے اپنا لہنگا سنبھالتی ہوئی باہر نکلنے لگی، حرا آہستہ آہستہ اس کی مدد کر رہی تھی۔ ارحم آگے بڑھا اور برائیڈل روم کا دروازہ کھول دیا۔

برائیڈل روم نہ زیادہ بڑا تھا نہ ہی چھوٹا۔ کمرے کے ایک کونے میں صوفے اور ان کے سامنے چھوٹی سی میز تھی۔ دروازے کے بالکل سامنے واش روم کا دروازہ تھا۔

مومنہ گاڑی سے باہر نکلی — اپنے اردگرد نرم چادر اوڑھے ہوئے قدم بڑھاتی ہوئی روم کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس کے قدموں کی ہلکی آواز خاموش کمرے میں گھل گئی۔

حرا اور ارحم اس کے ساتھ روم کے اندر پہنچے۔ اندر قدم رکھتے ہی حرا نے مومنہ کے لہنگے کا گھیر نیچے سے احتیاط سے سیٹ کرنا شروع کر دیا، تاکہ ہر فولڈ اور ہر کپڑے کی لچک درست رہے۔

ارحم دروازہ بند کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

جیسے ہی مومنہ نے چادر اتاری، اس کا لباس اور چہرہ واضح ہوا۔ روشنی اس پر پڑ رہی تھی — ہر زاویے سے وہ کسی خواب جیسی لگ رہی تھی — نرم، نفیس اور ایک دم دلکش۔

اس نے گہرے مرون رنگ کا فرشی لہنگا پہنا تھا، جس پر باریک سنہری زردوزی اس طرح پھیلی ہوئی تھی، جیسے کسی نے تاروں کو کپڑے میں پرو دیا ہو۔ لہنگے کا گھیر زمین پر پھیل کر اس کے گرد ایک شاہی دائرہ بنا رہا تھا۔ دوپٹہ سر پر بڑے سلیقے سے جما ہوا تھا، جس کے کناروں کی بھاری کڑھائی اس کے چہرے کو فریم کی طرح گھیر رہی تھی۔

اس کے زیورات روشنی میں چمک رہے تھے۔ ماتھے پر جھومر اور ٹیکہ اس کی پیشانی کو وقار دے رہے تھے، کانوں میں بھاری جھمکے – گلے میں ایک ہار گردن کے قریب لپٹا ہوا تھا، جس کی نفیس کاریگری اور باریک تفصیلات اس کے چہرے اور لباس کی شان بڑھا رہی تھیں۔ ہاتھوں میں چوڑیاں اور کنگن مہندی سے سجے ہاتھوں کو مکمل بنا رہے تھے، جبکہ ناک کی نازک زینت اس کے چہرے کو روایتی دلکشی دے رہی تھی۔ ایک خاص وقار اور نفاست اس کے وجود سے جھلک رہی تھی۔

ارحم دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔

حرا اور مومنہ دونوں نے بیک وقت سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چند چیزیں تھیں۔

ارحم نے چیزیں میز پر آہستگی سے رکھیں اور پھر خاموشی کے ساتھ واپس مڑ گیا۔

مومنہ دھیرے سے چلتی ہوئی آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی تھکن اتر آئی تھی۔

حرا آپی، ہلکا سا پنکھا چلا دیں، اس میں گرمی لگ رہی ہے۔

مومنہ نے مدھم آواز میں کہا۔

حرا نے ایک نظر اس پر ڈالی، پھر دروازے کے پاس لگے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ کر بٹن دبا دیا۔ پنکھا گھومنے لگا تو کمرے میں ٹھہری ہوا نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کر دیا۔

حرا نے پنکھا ہلکا کیا تو پنکھے کی مدھم گردش نے کمرے کی خاموشی کو آہستہ آہستہ ہلانا شروع کیا۔ ہوا مومنہ کے چہرے سے ٹکرائی تو اس نے آنکھیں موند لیں، جیسے کسی نے تھکن سے بھرا ماتھا سہلا دیا ہو۔

ہاہہہ – اب کچھ بہتر لگ رہا ہے۔ مومنہ نے ہلکے مگر مطمئن لہجے میں کہا۔

میں چچی کو بھیجتی ہوں۔۔۔ حرا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

مومنہ نے بس سر ہلا دیا۔ حرا آہستہ قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی اور باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوتے ہی کمرے میں ایک گہری خاموشی اتر آئی – ایسی خاموشی جس میں صرف پنکھے کی مدھم آواز اور پردوں کی ہلکی جنبش محسوس ہو رہی تھی۔

مومنہ چند لمحے اسی طرح ٹیک لگائے بیٹھی رہی، پھر میز پر رکھے سامان میں سے اپنا موبائل اٹھایا۔ اس کے چہرے پر بے ساختہ سی مسکراہٹ آئی۔

ایک سنیپ لگا لیتی ہوں – اس نے خود سے سرگوشی کی اور اسنیپ چیٹ کھول لی۔

اس نے اپنے مہندی سے سجے ہاتھ کو روشنی کی طرف پھیلایا۔ گہری لکیروں والی مہندی اس کی گوری ہتھیلی پر جیسے کوئی کہانی لکھ رہی تھی۔ اس نے زاویہ بدلا، ہلکی سی کلک کی آواز آئی — تصویر محفوظ ہو گئی۔

ایک لمحہ تصویر کو دیکھ کر وہ خود ہی مسکرا دی، پھر سینڈ کر دی، جیسے کسی کو اپنی خوشی کا چھوٹا سا راز بانٹ دیا ہو۔

حرا کے قدم آہستہ آہستہ ہال کی طرف اٹھ رہے تھے۔ آوازوں کا شور واضح ہوتا جا رہا تھا — قہقہوں کی ہلکی گونج، برتنوں کی مدھم جھنکار — وہ دروازے تک پہنچی۔

اندر کا منظر کسی سجے ہوئے خواب کی طرح اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔

سجی ہوئی کرسیاں قرینے سے رکھی تھیں۔ میزوں پر رکھے شیشے کے گلدانوں میں نرم رنگوں کے پھول جھکے ہوئے تھے، جیسے مہمانوں کے استقبال میں سر جھکا کر کھڑے ہوں۔ دروازے کے بالکل سامنے سفید فرش پر چار ستونوں والا چھجا قائم تھا — کریم رنگ کے ملائم پردوں میں لپٹا ہوا، ایسے جیسے ہوا نے خود انہیں سمیٹ کر باندھ دیا ہو۔ پردے اوپر جا کر ایک دوسرے میں یوں ملتے تھے، جیسے مانگی ہوئی دعائیں آسمان کی ایک ہی دہلیز پر جمع ہو گئی ہوں۔

کناروں پر پھیلی سرخ اور سفید پھولوں کی تازگی بکھیر رہی تھیں۔ ہر پھول اتنا تازہ لگ رہا تھا، جیسے ابھی کسی نے محبت سے چن کر یہاں سجا دیا ہو۔ ستونوں سے بندھے پھول نیچے تک اتر رہے تھے — گویا خوشبو زمین کو چھونے کی ضد کر رہی ہو۔

اطراف میں رکھے سفید اور سنہری صوفے اس منظر کو مکمل کر رہے تھے۔ سادگی میں لپٹی ہوئی ایک خاموش شان — جو دل میں بے اختیار سا سکون پیدا کر رہی تھی۔

ہال کے ایک کونے میں مدھم موسیقی بہہ رہی تھی۔ آواز اونچی نہیں تھی، مگر اتنی ضرور تھی کہ ہر بات کے بیچ ایک خاموش جشن محسوس ہو۔ بچوں کی ہنسی، عورتوں کی سرگوشیاں اور برتنوں کی جھنکار اسی دھن میں گھل کر ایک زندہ منظر بنا رہی تھیں۔

حرا نے اندر قدم رکھا۔ اچانک اس کی نظر ایک میز پر بیٹھی خواتین پر جا ٹھہری۔

وہاں اسماء ان خواتین سے مل رہی تھی، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ۔ ان کا چہرہ روشن لگ رہا تھا، جیسے خوشی اندر ہی اندر سے جھلک رہی ہو۔

حرا بے اختیار اسی سمت بڑھ گئی۔ حرا ابھی چند قدم ہی چلی تھی کہ اسماء کی نظر اس پر پڑ گئی۔

اسماء نے اپنی بات مکمل کی اور حرا کی طرف بڑھ آئیں۔

دونوں تقریباً بیچ راستے میں آکر رک گئیں۔ حرا اور اسماء کے چہروں پر ایک جیسی نرم مسکراہٹ تھی – اپنائیت سے بھری ہوئی۔

میں تم دونوں کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ اسماء نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

چچی، بس ابھی آئی ہیں۔ حرا نے آہستہ سے جواب دیا۔

اسماء نے سرسری نظر ہال پر دوڑائی۔

بارات بھی بس پہنچنے والی ہے۔ تم یہاں مہمانوں سے ملو – میں مومنہ کو دیکھ کر ابھی آتی ہوں۔

جی چچی۔ حرا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اسماء ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دوسری سمت بڑھ گئیں –

چند مہمان اندر داخل ہو رہے تھے۔

حرا نے دوپٹے کا پلو سنبھالا، سانس ہلکی سی سیدھی کی اور مسکراتے ہوئے ان کے استقبال کے لیے آگے بڑھ گئی۔

مومنہ پُرسکون انداز میں بیٹھی موبائل دیکھ رہی تھی۔ اچانک باہر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مومنہ کی نظریں بے اختیار دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور اسماء اندر داخل ہو گئیں۔

اسماء کو دیکھتے ہی مومنہ کے چہرے پر ایک نرم اور پرکشش مسکراہٹ کھل گئی۔ مومنہ نے موبائل میز پر رکھ دیا۔

اسماء نے دھیرے سے دروازہ بند کیا، پھر قدم بڑھا کر مومنہ کے پاس آبیٹھی۔

وہ غور سے مومنہ کو دیکھنے لگیں، جیسے ہر زاویہ، ہر خوشبو اور ہر ادا کو اپنے دل میں محفوظ کرنا چاہتی ہوں۔

میری بیٹی، کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔ اسماء نے نرم اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

مومنہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ بے اختیار اسماء کے قریب ہوگی اور ان کے ساتھ لگ گئی۔

اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔

اسماء نے دعا دی، ہاتھ ہلکا سا مومنہ کے کندھے پر رکھ لیا۔

مومنہ نے دھیرے سے آمین کہا۔

مومنہ۔۔۔

اسماء نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی آواز میں سکون بھرا۔

جی اماں۔۔۔ مومنہ نے دھیرے سے کہا۔

بیٹا، کچھ دیر کے بعد تمہارا نکاح ہے اور نکاح کے بعد زندگی بدل جاتی ہے۔

مومنہ خاموشی سے سننے لگی، اس کی آنکھوں میں ہلکی سی فکر اور تجسس کی جھلک تھی۔

نکاح کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جس میں بہت کچھ بدل جاتا ہے۔

عورت کو لگتا ہے کہ شادی کے بعد بس اس کی زندگی میں تبدیلی آتی ہے۔ اس کی زندگی دشوار ہو جاتی ہے اور مرد کو لگتا ہے کہ اس کی زندگی دشوار ہو گئی ہے۔ اس کی زندگی میں تبدیلی آگئی ہے، جبکہ یہ سوچ بلکل غلط ہے۔

ہم صرف اپنے بارے میں سوچ رہے ہوتے ہیں۔ اپنے ہم سفر کے بارے میں نہیں۔ شادی کے بعد دونوں کی زندگی بدل جاتی ہے—دونوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔

ایک عورت جو پہلے اپنے والدین کے گھر میں ہوتی ہے۔ وہاں پر سب کے کام کرتی ہے، والدین کے، بہن بھائیوں کے، لیکن جب وہی عورت شوہر کے گھر جاتی ہے تو وہی کام، وہی خدمت اور وہی محبت، اس کو اپنے شوہر کے والدین اور بہن بھائیوں کے لیے بوجھ لگنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کو، اسی بوجھ کی وجہ سے اپنی زندگی دشوار لگنا شروع ہو جاتی ہے۔

اسماء نے آنکھوں میں سنجیدگی لیے بات کو جاری رکھا۔

اور مرد، جو پہلے اپنے گھر والوں کے لیے کماتا ہے، شادی کے بعد اپنی بیوی اور بچوں کے لیے بھی کماتا ہے، اس کے سر پر ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ وہ باہر سے تھک کر، گھر واپس آتا ہے۔ ایسے میں اگر اس کو گھر میں سکون و اطمینان نا ملے تو اس کو اپنی زندگی دشوار لگتی ہے۔

ایک عورت گھر کی ذمے داریوں کے ساتھ اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی دیکھ رہی ہوتی ہے۔ اسے اردگرد کے لوگوں کی باتیں سننی پڑتی ہے اور ایک مرد جو کہ باہر کام کرتا ہے اس کو بھی اپنے اردگرد کے لوگوں کو دیکھنا ہوتا ہے۔ اس کو بھی بہت سی باتیں سننی پڑتی ہے۔

اسماء بول رہی تھی اور مومنہ ان کے ساتھ لگ کر ان کو سن رہی تھی۔

جب مرد گھر آتا ہے تو عورت سارے دن کا غصہ اس پر نکل دیتی ہے اور پھر مرد بھی اپنا غصہ عورت پر نکالتا ہے— اسی طرح گھر خراب ہو جاتے ہیں۔

اسماء ایک لمحے کے لیے ٹھہری، سانس گہرائی سے لیا اور پھر آہستہ سے بولی۔

بیٹا، گھر بنانا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے لیے بہت سی محنت درکار ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو پی جانا پڑتا ہے — ان پر صبر کرنا پڑتا ہے۔

سیف کے خاندان کو اپنا خاندان سمجھنا، اس کی اور اس کے خاندان والوں کی دل سے عزت کرنا — عزت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

اگر ایک دوسرے میں پہلے سے محبت نہ بھی ہو تو عزت دینے سے دونوں ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عزت انسان کو محبت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ہر کسی کو اپنی عزت بہت پیاری ہوتی ہے۔ اپنی اور دوسروں کی عزت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

وہ رکیں —

اگر کبھی کوئی بات ہو، تو اسے بند کمرے میں صرف اپنے شوہر کے ساتھ حل کرنا۔ یہی وہ راہ ہے جو گھر کو مضبوط اور خوشحال بناتی ہے۔

شوہر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لینا، اس ہاتھ کو کبھی نہ چھوڑنا — چاہے وہ جس حال میں بھی ہو۔

وہ جس حال میں بھی رکھے، تم ہر حال میں اپنے رب کا شکر ادا کرتی رہنا۔

اور میں تمہیں یہ نہیں کہوں گی کہ اب تمہاری میت ہی اس گھر سے اٹھنی چاہیے۔ اگر کبھی کوئی بات حد سے آگے بڑھ جائے تو واپسی کے دروازیں ہمیشہ تمہارے لیے کھلے ہیں۔

اگر تم شوہر کا ہاتھ تھام کر، اس کے ساتھ پھولوں کے راستے پر چلنے کے لیے تیار ہو، تو وہ اس خوبصورت احساس اور اس خوبصورت راستے کو دیکھ کر تمہیں اپنی باہوں میں اٹھالے گا۔ وہ اس سفر کو اور بھی زیادہ خوبصورت بنا دے گا اور اگر تم شوہر کا ہاتھ تھام کر کانٹوں کے راستے پر چلنے کے لیے بھی تیار ہو، تبھی وہ ان کانٹوں کو دیکھ کر تمہیں اپنی باہوں میں اٹھالے گا۔ وہ خود تکلیف برداشت کرلے گا، لیکن تمہیں تکلیف نہیں ہونے دیں گا۔ وہ تمہیں ہر تکلیف سے بچانے کی کوشش کرے گا۔

اسماء نے اپنی بات مکمل کی تو مومنہ نے آہستہ سے بولنا شروع کیا۔

جی اماں —

میں ہمیشہ سیف اور اس کے خاندان والوں کی عزت کروں گی، جیسے آپ کرتی آئیں ہیں۔ آپ نے ہمیشہ دوسروں کی عزت کی اور آپ کو بھی بدلے میں عزت ملی۔

میں ہمیشہ سیف کا خیال رکھنے کی پوری کوشش کروں گی، جیسے ہمیشہ سے آپ ابا کا خیال رکھتی آئی ہیں۔ میں ہمیشہ دیکھتی تھی جب ابا گھر آتے تو آپ ان کو پانی دیتیں، آپ ان سے کہتی کہ کھانے میں ابھی تھوڑی دیر ہے۔ آپ اندر جا کر لیٹ جائیں۔

آپ ان کو تازہ روٹی بنا کر دیتی پھر خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتی اور دن بھر کی مصروفیات کا پوچھتیں۔

اور ابا—

وہ بھی اسی طرح آپ سے دن بھر کی باتیں کرتے۔

میں ہمیشہ سے دیکھتی آئی ہوں کہ اگر آپ دونوں میں کوئی بات ہوتی تو آپ کمرے میں جا کر کرتی تھیں۔ آپ نے ابا کا ہاتھ کبھی نہیں چھوڑا—آپ نے ان کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا ہے۔ میں نے آپ کو اللہ سے دعاؤں میں ہمیشہ ان کی صحت وتندرستی کی دعا کرتے دیکھا ہے۔

میں نے آپ سے بہت سی باتیں سیکھیں ہیں اور میں ہمیشہ ان پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔

اسماء مومنہ کی طرف دیکھ رہی تھیں، جب مومنہ ان سے الگ ہوئی۔

میں ہمیشہ سے دیکھتی آئی ہوں کہ آپ نے اگر کہیں جانا ہوتا تو آپ کو گھر اور گھر والوں کی پہلے زیادہ فکر ہوتی۔

آپ نے اپنا گھر بنایا، میں بھی اپنا گھر بناؤں گی—آپ کی طرح—

میری بیٹی اتنی بڑی کب ہو گی، مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔

اسماء نے گیلی آواز میں کہا۔

اماں۔۔۔ آپ ہی تو ہمیشہ سے کہتی آئی ہے کہ بچے ہمیشہ گھر والوں سے سیکھتے ہیں۔

اسماء نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر ہلایا۔

باہر سے اچانک شور کی آواز میں اضافہ ہونے لگا اور ساتھ ہی ڈھول کی تھاپ صاف سنائی دینے لگی—تیز—پھر اور تیز—

لگتا ہے بارات آگئی ہے، میں تمہارے پاس۔۔۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ اسماء نے رخ موڑا تو مومنہ کی خالہ اندر داخل ہو رہی تھیں۔ اندر آتے ہی انہوں نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ لیا، جیسے سامنے کا منظر دیکھ کر پل بھر کو ٹھٹھک گئیں ہوں۔

مومنہ نے انہیں دیکھا تو ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

ارے۔۔۔ خالہ فاطمہ چند قدم آگے بڑھیں اور اس کے قریب آگئیں۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔

مومنہ نے فوراً اپنا چہرہ ذرا سا دوسری طرف موڑ لیا۔ خالہ نے مسکرا کر اس کی ٹھوڑی ہلکے سے اوپر کی، پھر محبت سے اس کی پیشانی کو دیکھا، جیسے نظر بھر کر دیکھ لینا چاہتی ہوں۔

اسماء اپنی جگہ سے اٹھیں اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔ باہر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا — بارات آچکی تھی۔ ڈھول مسلسل بج رہا تھا، لوگ خوشی میں پیسے نچھاور کر رہے تھے اور روشنیوں کے بیچ ایک زندہ سی ہلچل پھیلی ہوئی تھی۔

فاطمہ، تم یہی رکو، میں جا کر مہمانوں کو دیکھوں۔

ٹھیک ہے۔ خالہ فاطمہ نے سر ہلا دیا۔

اسماء ایک نظر مومنہ پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

کمرے میں ہلکی سی خاموشی رہ گئی۔ خالہ فاطمہ دوبارہ مومنہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

کیا ہوا؟ انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

مومنہ نے لب سکیڑ کر دھیرے سے کہا، میں آپ سے ناراض ہوں، آپ کل کیوں نہیں آئیں؟

کیف کی پھوپھو کے گھر جانا پڑ گیا تھا، ورنہ میں تو کل صبح ہی آجاتی۔

ہمم۔۔۔

مومنہ نے مصنوعی ناراضگی سے منہ بنا لیا۔

خالہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

اچھا اب ناراض نہ ہو، اب آگئی ہوں نا۔

اور اب میں چلی جاؤں گی ما۔۔۔ مومنہ نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

بہت جلدی ہے تمہیں جانے کی۔۔۔ خالہ فاطمہ نے مومنہ کی ہتھیلی کو نرمی سے دباتے ہوئے بولیں۔

مومنہ شرما گئی۔

ویسے دلہا تو بہت پیارا ہے — ہہہمم —

خالہ —

خالہ فاطمہ زرا بلند آواز میں ہنسی۔

ڈھول کی تھاپ تھم گئی۔ ہال میں بچوں کی آوازیں نمایاں ہو گئیں — کہیں ہنسی، کہیں دوڑتے قدموں کی چاپ اور کہیں بڑوں کی دبی دبی سرگوشیاں۔

سٹیج پر سیف کھڑا تھا۔ روشن لائٹس اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور سامنے کھڑا فوٹوگرافر مسلسل کیمرہ سیٹ کر رہا تھا۔

سر، ایک منٹ، اِدھر دیکھیں —

سیف اس کی ہدایت کی پیروی کر رہا تھا۔

جی پرفیکٹ —

کیمرے کی فلیش بار بار چمک رہی تھی۔ فوٹوگرافر نے چند تصویریں لی۔

اب آپ بیٹھ جائیں۔

سیف نے ہلکا سا سر ہلایا اور گلے سے پھولوں کے ہار اتارنے لگا۔ حارث فوراً آگے بڑھا اور احتیاط سے ہار اس کے کندھے سے نکالنے میں مدد دی۔ ہار اتارنے کے بعد سیف نے سکون سے سانس لی اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

فوٹوگرافر نے دوبارہ کیمرہ آنکھ کے سامنے کیا — فلیش ایک بار پھر چمکنے لگی۔

اسی دوران سٹیج کی دائیں جانب رکھی میز پر قاضی صاحب آکر بیٹھ چکے تھے۔ انہوں نے عینک درست کی، رجسٹر کھولا اور قلم ہاتھ میں لے کر گواہوں کے نام درج کرنے لگے — ہر لفظ نہایت ٹھہراؤ سے لکھا جا رہا تھا، کاغذ پر صرف نام نہیں بلکہ ایک رشتہ ثبت ہو رہا ہو۔

قاضی صاحب نے گواہوں کی تمام معلومات درج کیں پھر ایک ایک کر کے ان سے دستخط لیے اور رجسٹر آہستگی سے بند کر دیا۔

برائیڈل روم میں مدھم باتوں کی آوازیں تیر رہی تھیں۔

اچانک دروازہ کھلا — مریم، صفا، زویا اور نور اندر داخل ہوئیں۔ ان کے قدموں کے ساتھ ہی کمرے کی فضا میں ہلکی سی چہل پہل بڑھ گئی۔

کمرے میں پہلے سے مومنہ کی خالہ فاطمہ اور اس کے کزنز، کیف اور منہا موجود تھے۔ سب کی نظریں ایک ساتھ دروازے کی طرف اٹھیں۔ سب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

صفا سب سے آگے بڑھی اور جھک کر خالہ سے ملی۔

السلام علیکم!
وعلیکم السلام!
انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
نور اور مریم بھی باری باری آگے آئیں۔ زویا مریم کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ بہت غور سے مومنہ کو دیکھ رہی تھی۔
تم یہاں ڈیرہ ڈالے بیٹھی ہو۔ صفا نے منہا کو دیکھ کر کہا۔
دلہن ہماری ہی ہے۔ منہا نے فوراً سے جواب دیا۔
کمرے میں ہلکی سی ہنسی پھیل گئی۔
نور اور مریم آہستہ قدموں سے آگے بڑھیں اور مومنہ سے ملی۔
بہت پیاری لگ رہی ہو۔ مریم نے نرم لہجے میں کہا۔
بہت زیادہ۔۔۔ نور نے فوراً بات بڑھائی۔
مومنہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔
تھینک یو۔
اس نے دھیرے سے جواب دیا۔ اسی دوران اس نے زویا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب کر لیا۔ پہلے اس کے گال ہلکے سے کھینچے، پھر پیار سے چومے۔
یہ تو بہت زیادہ کیوٹ ہے۔
مومنہ نے لفظوں پر ذرا سا زور دیتے ہوئے کہا۔
مریم بے اختیار مسکرا دی اور زویا نے مصنوعی خفگی سے منہ بنایا۔
ادھر صفا، کیف کی طرف متوجہ تھی۔
کیف، تم کیسے ہو؟
آپی، میں بالکل ٹھیک — آپ کیسی ہیں؟
کیف نے نرمی سے کہا۔
میں بھی ٹھیک اور پڑھائی کیسی جا رہی ہے تمہاری؟
کوئی ہم سے بھی ہمارا حال پوچھ لے۔

کیف کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مومنہ اچانک بول اٹھی۔ سب کی نظریں ایک ساتھ اس کی طرف اٹھ گئیں۔
یار، تم تو اب ہماری ہی ہو — تم سے تو اب پوچھتے ہی رہیں گے۔ ان سے کہاں روز ملاقات ہوتی ہے۔
وہ جھک کر مومنہ سے گلے ملی۔
ابھی سے میرے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہو، بعد میں کیا کیا کرو گی تم۔
مومنہ نے بناوٹی ناراضگی سے کہا۔
دروازہ ہلکے سے کھلا۔
سب کی نظریں ایک ساتھ اٹھ گئیں۔
اسماء اندر داخل ہوئیں۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی اور مصروف سی نرمی تھی۔ انہوں نے کمرے میں موجود سب کو دیکھا، پھر نرم مگر ٹھہرے لہجے میں کہا۔
قاضی صاحب آ گئے ہیں۔
کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ ہنسی جیسے وہیں ٹھہر گئی ہو۔
سب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خالہ عائشہ نے میز پر رکھی چادر مومنہ کو اوڑھ دی۔
قاضی صاحب آکر مومنہ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ ان کے ساتھ ہمدان صاحب بھی سنجیدگی سے آکر بیٹھ گئے، جبکہ ہارون، ارحم اور حارث دروازے کے قریب کھڑے تھے۔ کیف بھی انہی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔
اسی لمحے فوٹو گرافر کمرے میں داخل ہو گیا اور مومنہ کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا۔
کمرے میں موجود خواتین ایک طرف سمٹ گئیں — زویا آہستہ سے کمرے سے باہر نکل گئی۔
مومنہ کی دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی۔ مہندی سے سجے ہاتھ اس کی گود میں جڑے ہوئے تھے اور انگلیاں بے اختیار ایک دوسرے میں سمٹ رہی تھیں۔ سانس جیسے سینے میں اٹک اٹک کر آ رہی تھی۔
اسماء فوراً اس کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔
قاضی صاحب نے عینک درست کی، نکاح نامہ کھولا اور میز پر رکھ دیا۔ کمرے میں مکمل خاموشی اتر آئی، ایسی کہ ہلکی سی سانس بھی سنائی دے سکتی تھی۔
ان کے لب ہلے، انہوں نے آہستہ سے بسم اللہ پڑھی۔ ایک لمحہ توقف کیا، پھر نرم مگر واضح آواز میں بولے۔

مومنہ بنت ہمدان، آپ کو سیف الرحمن ولد عبدالرحمن کے ساتھ حقِ مہر مبلغ پانچ لاکھ روپے سکۂ رائج الوقت کے عوض نکاح قبول ہے؟

اس کے لب ہلے۔ آواز بہت دھیمی مگر صاف تھی۔

قبول ہے۔

قاضی صاحب نے وہی الفاظ دوبارہ دہرائے۔ مومنہ بنت ہمدان، آپ کو سیف الرحمن ولد عبدالرحمن کے ساتھ حقِ مہر مبلغ پانچ لاکھ روپے سکۂ رائج الوقت کے عوض نکاح قبول ہے؟

مومنہ نے دوبارہ سے نرم لہجے میں کہا۔

قبول ہے۔

تیسری اور آخری مرتبہ پھر سے وہی الفاظ کمرے میں گونجے۔ مومنہ بنت ہمدان، آپ کو سیف الرحمن ولد عبدالرحمن کے ساتھ حقِ مہر مبلغ پانچ لاکھ روپے سکۂ رائج الوقت کے عوض نکاح قبول ہے؟

مومنہ نے ایک گہری سانس لی، آنکھیں بند کیں اور آہستہ مگر پختہ لہجے میں کہا۔

قبول ہے۔

قاضی صاحب نے رجسٹر اور قلم مومنہ کے سامنے رکھ دیا۔

کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ سب کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

اسماء نے دونوں چیزیں مومنہ کی گود میں رکھی۔

مومنہ نے آہستہ سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے سے الگ کی اور قلم تھام کیا۔ قاضی صاحب نے دستخط والی جگہ پر انگلی رکھی۔

مومنہ کے ہاتھ ہلکے سے کانپے۔ دل کی دھڑکن ابھی بھی تیز تھی۔

اس نے اپنے نام کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے دستخط کر دیے۔ جیسے ایک نئے رشتے پر اپنی مہر ثبت کر رہی ہو۔

فوٹوگرافر مسلسل ان لمحوں کو اپنے کیمرے میں محفوظ کرتا جا رہا تھا۔

قاضی صاحب نے کاغذ آگے پلٹا اور دوبارہ انگلی سے اشارہ کیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے دستخط کیے۔

قاضی صاحب نے آخری کاغذ پلٹا اور پھر سے اشارہ کیا۔ مومنہ نے دوبارہ سے دستخط کیے۔

اس کے بعد حق مہر کی رقم کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا گیا۔

مومنہ نے دونوں ہاتھوں سے اسے تھام لیا، نظریں جھکی تھیں مگر پلکوں کے پیچھے ایک نئی چمک ٹھہر گئی تھی۔

قاضی صاحب کے لبوں سے بے ساختہ الفاظ نکلے۔

ماشاءاللہ۔ مبارک ہو۔ نکاح مکمل ہوا، اللہ بابرکت کرے۔

قاضی صاحب نے نکاح مکمل ہونے کا اعلان کیا یہ الفاظ سنتے ہی کمرے کی فضا بدل گئی۔ دعائیں، مسکراہٹیں اور نرم سی خوشی ہر طرف پھیل گئی۔

قاضی صاحب نے مومنہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور خاموشی سے باہر چلے گئے۔

اسماء نے آہستگی سے اس کی چادر ہٹا دی۔ مومنہ کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔

ہمدان صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کے قریب آ گئے۔ انہوں نے مومنہ کو سینے سے لگا لیا، پھر دھیرے سے اس کے سر کو بوسہ دیا۔

ان کا دل جیسے بھاری ہو گیا تھا۔ چہرے پر کبھی مسکراہٹ آتی، کبھی آنکھیں بھیگ جاتیں۔

کمرے میں موجود سب لوگ خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ چند لمحے اسی کیفیت میں گزرے، پھر ہمدان صاحب بغیر کچھ کہے باہر نکل گئے۔ ان کی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہو سکا۔

ہارون اور ارحم نے بھی مومنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور آہستہ سے باہر آ گئے۔ حارث اور کیف بھی ان کے پیچھے کمرے سے نکل گئے۔

جیسے ہی حارث نے باہر قدم رکھا، وہ ٹھہر سا گیا۔ ذرا فاصلے پر زویا بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

اس کے ہلکے دوڑتے قدم۔ چہکتی آواز۔ لبوں کی کھلی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک۔ آج وہ پہلے والی زویا سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ حارث کی نظریں اس پر ٹھہر گئیں۔ وہ انجانے میں اسی منظر میں کھو گیا۔

حارث۔۔۔

اسی لمحے پیچھے سے نور کی آواز آئی۔

وہ چونک کر مڑا۔

نور اس کے قریب آئی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

میرا ایک کام کر دو گے؟

کیوں نہیں۔

جب سیف نکاح نامے پر دستخط کر دے، تو مجھے اس کی ایک اچھی سی تصویر چاہیے — ایسٹھیٹک سی —

خیریت تو ہے؟ حارث نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

نور نے ہلکا سا سر ہلایا۔

ٹھیک ہے، میں لے دوں گا تصویر۔

اور نکاح کے فوراً بعد چاہیے مجھے۔

آپ کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے مجھے۔

حارث کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ آئی۔

نور کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ وہ ذرا قریب آئی اور اس کے کان کے پاس آہستہ سے سرگوشی کی — صحیح کہا — اتنا کہہ کر وہ مسکراتا چہرہ لیے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔

حارث چند لمحے اسے جاتا دیکھتا رہا، پھر ہلکی سانس لے کر ہال کی جانب بڑھ گیا۔

ہال میں مدھم سرگوشیوں کی آوازیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سب کے ہاتھ دعا کے لیے بلند تھے — نکاح مکمل ہو چکا تھا۔

سیف کی دائیں جانب قاضی صاحب اور بائیں جانب ہمدان صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور اردگرد عزیز و اقارب کا ہجوم جمع تھا۔

حارث تیز قدموں سے اسٹیج تک پہنچا۔

اسی لمحے سب نے دعا کے لیے اٹھے ہاتھ چہرے پر پھیرے، پھر ماحول میں ایک ساتھ جان آ گئی۔

ہمدان صاحب آہستہ سے کھڑے ہوئے، ان کے ساتھ ہی سیف بھی احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

مبارک ہو، بیٹا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر سیف کو مضبوطی سے گلے لگایا۔ ان کے لبوں پر مطمئین مسکراہٹ تھی۔

یہ منظر ختم ہوتے ہی لوگ یکے بعد دیگرے اس کے پاس آنے لگے۔ کوئی ہاتھ تھام کر دعائیں دیتا، کوئی گلے لگا کر پشت تھپتھپاتا — ہر انداز میں خلوص اور اپنائیت جھلک رہی تھی۔ ہال میں مبارک باد کی آوازیں گھل گئیں اور سیف ہر ایک کو مسکرا کر جواب دے رہا تھا۔

حارث آہستہ قدموں سے آگے بڑھا اور سیف کو مضبوطی سے گلے لگا لیا۔ اس کی گرفت میں خلوص تھا، جیسے وہ الفاظ سے بڑھ کر اپنی خوشی جتانا چاہتا ہو۔

بہت بہت مبارک ہو۔۔۔
اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
خیر مبارک۔۔۔
حارث نے اسے ذرا اور زور سے تھاما۔
ہمم – کیا کر رہے ہو؟ سیف نے ہلکی جھجک سے کہا۔
خوشی زیادہ ہو تو بندہ یہی کرتا ہے۔
حارث اس سے الگ ہوا، پھر اس کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر اسے غور سے دیکھنے لگا، جیسے اس لمحے کو یاد میں محفوظ کر رہا ہو۔
حارث بھائی، سائیڈ پلیز۔۔۔ پیچھے سے احمد کی آواز آئی۔
حارث نے مڑ کر دیکھا، پھر ہلکا سا جھکا اور رجسٹر اٹھا کر ایک طرف ہٹ گیا۔
احمد آگے بڑھا اور سیف سے ملا۔
قریب ہی صوفے پر بیٹھ کر حارث نے رجسٹر کھولا اور نکاح نامے کی ایک صاف سی تصویر لے لی۔
تصویر کیوں لے رہے ہیں آپ؟
احمد کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
میری مرضی۔ حارث نے مختصر سا جواب دے کر رجسٹر بند کر دیا۔
ویڈنگ باکس نہیں دینے کیا؟
حمزہ قریب آتے ہوئے بولا۔
تم لوگ سب کو دے دو، میں آتا ہوں۔
کہہ کر حارث رجسٹر اٹھائے قاضی صاحب کی طرف بڑھ گیا۔
علی اور حیدر پہلے ہی ویڈنگ باکس کے ڈبوں کے پاس کھڑے تھے۔
اچانک حارث کے فون کی رنگ بج اٹھی۔
اس نے جیب سے موبائل نکالا – اسکرین پر صفا کا نام روشن تھا۔ اس نے فوراً کال کان سے لگا لی۔
حارث، سیف بھائی کو باہر لون میں لے آو – فوٹو شوٹ کروانا ہے۔

دوسری طرف سے جلدی بھری آواز آئی۔

اچھا، ہم آتے ہیں۔ حارث نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

جلدی آجانا۔

اچھا— کال کٹ گئی۔

سیف اب تقریباً تمام مہمانوں سے مل چکا تھا اور اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہلکی گفتگو میں مصروف تھا۔ کچھ فاصلے پر قاضی صاحب بیٹھے تھے۔ حارث نے جا کر رجسٹر ان کے سامنے رکھ دیا اور بغیر کچھ کہے واپس سیف کے قریب آگیا۔

چلو۔۔۔

اس نے مختصر سا کہا۔

سیف نے اس کی طرف دیکھا— نظروں میں صاف سوال تھا— کہاں؟

ساتھ بیٹھے دوست بھی متجسس سے انہیں دیکھنے لگے۔

اٹھو، تمہیں تمہاری شریکِ حیات کے پاس لے کر چلیں۔

حارث نے ہلکا سا مسکرا کر کہا۔

سیف نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا، جیسے بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہو۔

بھئی فوٹو شوٹ کرنا ہے۔ حارث نے اس کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

سیف اُٹھا اور دھیرے دھیرے قدموں سے اس کے ساتھ چلنے لگا۔

باہر لان کی نرم روشنی میں مومنہ اور صفا پہلے سے موجود تھیں۔ فوٹوگرافر مومنہ کا فوٹو شوٹ کر رہا تھا جبکہ صفا اس کے قریب کھڑی تھی۔

حارث اور سیف آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہے تھے— ابھی تک مومنہ اور صفا نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔

جیسے جیسے سیف قریب آتا گیا، اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی گئی۔

اس نے بے اختیار آسمان کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں شکر الحمدللہ کہا—

آج اسے وہ مل رہا تھا جس کے لیے اس نے اپنے اللہ سے دعائیں کی تھی۔ اس نے کتنی ہی راتیں دعا میں گزار دی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی، مگر ہتھیلیوں میں ہلکی نمی اتر آئی تھی۔ وہ خود کو نارمل ظاہر

کرنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن ہر قدم کے ساتھ اس کے اندر کے جذبات بدلتے جا رہے تھے – جیسے کوئی برسوں کا انتظار اب حقیقت بننے والا ہو۔

اس کی نگاہیں دوبارہ آسمان کی طرف اٹھی۔

اس نے اپنے اللہ پر بھروسہ کیا تھا اور اس کے اللہ نے اس کا بھروسہ ٹوٹنے نہیں دیا۔ اس کے بھروسے کو قائم رکھا۔ اس نے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے تھے، سوائے اپنے اللہ کے اور آج اس کے ہاتھ خالی نہیں رہے تھے۔ اس نے مومنہ کو اپنے اللہ سے مانگا تھا اور آج – آج وہ اس کی تھی۔

سیف نے ایک گہری سانس لی – اب اس کے اور اس کی دعا کے درمیان صرف چند قدم باقی تھے۔

اچانک سیف کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر ابھرا – جیسے یاد نے آہستہ سے دل کا دروازہ کھولا ہو۔

سنہری شام – آسمان پر بکھرے نرم رنگ – سرسبز کھیتوں میں جاتی مٹی کی پگڈنڈی – اس کے ساتھ بہتا چھوٹ سا پانی کا نالہ اور ایک پرانا درخت جس کے سائے تلے ایک معصوم سا چہرہ جھکا ہوا تھا۔ پانی میں تیرتی ننھی سی مچھلی کو دیکھ کر وہ چہک اٹھا تھا – ایسی خالص خوشی، جیسے دنیا میں غم نام کی کوئی چیز نہ ہو۔

اگلے ہی لمحے منظر دھندلا کر غائب ہو گیا۔

اچانک مومنہ کی نظر سیف تک گئی۔

وہ آہستہ قدموں سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دونوں کے درمیان صرف چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے، دنیا رک سی گئی۔ ہوا کی ہلکی سرسراہٹ، لان کی روشنی، فوٹوگرافر کی کیمرہ کلک کی آواز – سب کچھ دھندلا سا ہو گیا – صرف دل کی دھڑکن باقی رہ گئی – تیز – بے ترتیب سنائی دیتی ہوئی۔

سیف اس کے قریب آ کر رک گیا۔ ایک پل کے لیے وہ بس اسے دیکھتا رہا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔

السلام علیکم!

وعلیکم السلام!

مومنہ نے دھیرے سے کہا، اس نے نظریں جھکا لیں، پلکیں یوں لرزیں، جیسے دل کی دھڑکنوں کا راز چھپا رہی ہوں۔

فوٹوگرافر نے ہدایات دینا شروع کیں۔

ذرا چہرہ اوپر کیجیے۔

جی، بالکل ایسے— تھوڑا سا قریب—

کیمروں کی فلیش کبھی جل اٹھتی، کبھی بجھ جاتی۔ روشنی کے وہ تیز جھماکے لمحوں کو قید کر رہے تھے۔ مومنہ آگے کھڑی تھی، نرم سی گھبراہٹ اس کے چہرے پر جھلک رہی تھی، جبکہ سیف اس کے پیچھے کھڑا تھا— پرسکون، مگر نگاہوں میں ایک عجیب سی گہرائی لیے۔

دو فوٹوگرافر مختلف زاویوں سے انہیں کیمرے میں سمیٹ رہے تھے۔ ایک دائیں طرف جھکا ہوا تھا، دوسرا سامنے سے منظر کو گرفت میں لے رہا تھا۔ ماحول میں ہلکی سی چہل پہل، سرگوشیوں اور کیمرے کی کلک کی آوازیں گھل گئی تھیں۔

حارث اور صفا ایک ساتھ کھڑے تھے۔

نور کہاں ہے؟ حارث نے دھیرے سے پوچھا۔

وہ اندر ہال میں چلی گئی تھی۔

صفا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

حارث نے ہلکا سا سر ہلایا اور ہال کی جانب بڑھ گیا۔ صفا نے ایک لمحے کو اسے جاتے دیکھا، پھر موبائل کی اسکرین میں گم ہو گئی۔

ہال کے دروازے پر پہنچ کر حارث کے قدم رک گئے۔

سامنے سے نور آ رہی تھی۔ نرم روشنی اس کے چہرے پر ٹھہری ہوئی تھی۔

دونوں کی نظریں ملیں— ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔

نور قریب آ کر رک گئی۔

کام ہو گیا آپ کا، میں تصویر ایئر ڈراپ کر دیتا ہوں۔

تھینک یو سو مچ۔

نور نے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ حارث نے موبائل تھام لیا، انگلیاں اسکرین پر چلنے لگیں۔ چند لمحوں بعد تصویر منتقل ہو چکی تھی۔

نور ہلکے قدموں سے صفا کی طرف بڑھ گئی، جبکہ حارث وہیں ٹھہر گیا۔

نور قریب آئی اور ٹھہر گئی۔ اس نے واٹس ایپ کھولی، ریسرچ کے بٹن پر کلک کیا، پھر آہستہ سے ٹائپ کیا— انگلش لٹریچر۔

چند ہی لمحوں میں اسی نام کا گروپ اسکرین پر ظاہر ہو گیا۔ اس نے ایک پل کو اسے دیکھا، جیسے کسی یاد کے دروازے پر دستک دے رہی ہو۔ پھر اس پر کلک کر کے گروپ کھول لیا۔

انگلی کیمرے کے نشان پر گئی، گیلری کھلی اور تصویریں سامنے آئی۔

نور نے نکاح نامے کی تصویر منتخب کی، پھر آہستہ سے سینڈ کا بٹن دبائیں۔ تصویر گروپ میں چلی گئی۔ اسکرین پر ٹک کا نشان نمودار ہوا۔

اس نے آہستہ سے موبائل بند کیا اور ایک گہری سانس لی — لمبی، ٹھہری ہوئی، سکون سے بھری سانس۔

مومنہ اور سیف اب ایک دوسرے کے بالکل سامنے کھڑے تھے۔

ایک دوسرے کی طرف دیکھیں —

فوٹوگرافر کی آواز نرم مگر واضح تھی۔

مومنہ نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ سیف کی نظریں پہلے ہی اس پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ دونوں کی آنکھیں ملیں اور جیسے وقت نے اپنی رفتار کھو دی۔ وہ لمحہ ایسا تھا جہاں لفظ غیر ضروری ہو گئے تھے۔ صرف خاموشی تھی، ایک گہری، میٹھی خاموشی۔ دیکھنے کا احساس تھا اور دل کی تہوں سے اُبھرتی وہ محبت جو بغیر کہے سب کچھ کہہ دیتی ہے۔

سیف کی نگاہوں میں تعریف کی روشنی تھی۔

آپ، بہت زیادہ پیاری لگ رہی ہیں۔

اس نے دھیرے سے کہا، جیسے یہ جملہ صرف ان دونوں کے درمیان رہے۔

مومنہ کے گالوں پر ہلکی سی لالی اُتر آئی۔ اس نے نظریں جھکا لیں، مگر ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

سیف ذرا سا اور قریب ہوا۔

آپ کے دل کی دھڑکن سنائی دے رہی ہے۔

اس نے سرگوشی کی، اس انداز میں کہ آواز بھی شرما جائے۔

مومنہ نے ہلکا سا سر اٹھایا، آنکھوں میں چمک تھی۔

میں بھی، آپ کی دھڑکن سن سکتی ہوں۔

ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیں۔ فوٹوگرافر کی آواز پھر ابھری۔

سیف نے آہستہ سے مومنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کے ہاتھوں کی نرمی جیسے کسی نرم خواب کی طرح تھی۔ مومنہ کی انگلیاں ہلکا سا کانپیں، مگر سیف نے گرفت مضبوط کر لی — جیسے وہ اس لمحے کو ہمیشہ کے لیے تھام لینا چاہتا ہو۔

دونوں کے دل تیز دھڑک رہے تھے اور چہرے پر سرخی دوڑ رہی تھی۔

سیف نے اس کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے تھام لیا تھا، کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔

✦ ✦ ✦

کمرے میں ایک گہری خاموشی پھیلی تھی۔ کھڑکی سے چھن کر آتی دھوپ فرش پر سنہری مستطیل سا بنا رہی تھی۔ پردہ ہلکی ہوا سے کبھی ذرا سا ہلتا، کبھی ساکت ہو جاتا — جیسے کمرہ بھی سانس لے رہا ہو۔

میرال شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ بے دھیانی میں سامان سمیٹ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔

اسی لمحے موبائل کے نوٹیفکیشن کی آواز کمرے کی خاموشی کو چیر گئی۔

میرال آہستہ سے مڑی۔ بیڈ پر رکھے موبائل کو دیکھا، پھر ایک نظر شیشے میں خود پر ڈالی —

وہ بیڈ کی طرف بڑھی، پھر موبائل ہاتھ میں لیا اور ساتھ ہی اپنا ،بیگ اٹھا کر ٹی وی لاؤنج کی طرف چل دی۔

میرال۔۔۔

ٹی وی لاؤنج سے وانیہ کی آواز آئی۔

میرال کے قدم ٹھہر گئے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وانیہ ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی تھی۔

کہاں جا رہی ہو؟ تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔

دو بج رہے ہیں، اب کھانا ہی کھاؤں گی۔

تو کھا کر جاؤ۔

آ کر کھا لوں گی۔

وہ ایک قدم آگے بڑھا چکی تھی کہ وانیہ کی آواز نے اسے پھر روک لیا۔

ویسے جا کہاں رہی ہو؟

چند لمحے دونوں کی نظریں ایک دوسرے میں الجھی رہیں۔ میرال کے لب ہلے، مگر آواز جیسے گلے میں اٹک گئی۔

آفس۔۔۔

کون سے آفس؟
شہریار کے آفس۔
وانیہ کی آنکھیں فوراً پھیل گئیں۔ وہ تقریباً اچھل کر کھڑی ہوئی۔
کیوں؟
میرال نے نظریں ہٹا لیں۔ تمہیں معلوم ہے کیوں۔
وانیہ تیزی سے اس کے قریب آئی۔
میرال، ایسے مت کرو۔ تمہیں تکلیف ہوگی۔ اس کی آواز میں خلوص بھی تھا اور خوف بھی۔
میرال کے لبوں پر ہلکی سی بے جان مسکراہٹ آئی۔
اب اس تکلیف کی عادت ہو چکی ہے۔
میرال۔۔۔ ایسا نہیں کرو۔
وانیہ نے اس کے ہاتھ سے فون لے کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔
وانیہ، مجھے دیر ہو رہی ہے۔
وانیہ اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر میرال نظریں چرا کر کھڑی تھی — جیسے آنکھوں میں چھپی نمی کسی کو دکھانا نہ چاہتی ہو۔
میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔
تم وہاں جا کر کیا کرو گی؟
میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔
میرال نے اپنا سر ہلایا — شاید اسے بھی کسی سائے کی ضرورت تھی اور وانیہ اس کا سایہ تھی۔
دونوں باہر آ گئیں۔
پورچ میں گاڑی کھڑی تھی۔ دوپہر کی دھوپ تیز تھی، مگر ہوا میں ہلکی سی خنکی باقی تھی۔
میرال ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ وانیہ دوسری طرف آ کر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔
انجن اسٹارٹ ہوا۔ آواز نے خاموشی کو توڑا، مگر دلوں کی بے چینی برقرار رہی۔ میرال نے اسٹیئرنگ مضبوطی سے تھاما۔

سڑک پر معمول کی چہل پہل تھی، مگر گاڑی کے اندر ایک خاموش جنگ جاری تھی — ماضی اور حال کے درمیان، درد اور حوصلے کے درمیان۔

وانیہ کے ہاتھ میں تھامے میرال کے فون سے دوبارہ نوٹیفکیشن کی آواز ابھری۔

دونوں کی نظریں بیک وقت فون پر گئیں، پھر خاموشی سے سامنے سڑک پر جم گئیں۔ کسی نے کچھ نہیں کہا۔

کچھ ہی دیر بعد گاڑی ایک بلند و بالا عمارت کے سامنے آ کر رکی۔ شیشوں سے ڈھکی وہ عمارت دوپہر کی دھوپ میں چمک رہی تھی۔

اس نے انجن بند کیا اور وانیہ کی طرف دیکھا۔ وانیہ کی نظر پہلے ہی اس پر ٹکی ہوئی تھی۔

تم یہاں ہی، رکو میں آتی ہوں۔ میرال کی آواز سنجیدہ تھی۔

نہیں، میں تمہارے ساتھ اندر آؤں گی۔

میرال کچھ کہتی، اس سے پہلے ہی وانیہ نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔ میرال چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر خود بھی آہستہ سے گاڑی سے باہر آ گئی۔

دونوں عمارت کے شیشے والے دروازے تک پہنچیں۔ وانیہ نے دروازہ دھکیلا تو اندر کی ٹھنڈی ہوا نے ان کا استقبال کیا۔

اندر غیر معمولی خاموشی تھی۔ چند کیبنز میں کمپیوٹر اسکرینز جل رہی تھیں اور کی بورڈ کی ہلکی ٹِک ٹِک اس خاموشی کو توڑنے والی واحد آواز تھی۔

ریسپشن پر بیٹھی لڑکی فائلوں میں گم تھی۔ قدموں کی چاپ سن کر اس نے سر اٹھایا۔ اس کی نظریں پہلے وانیہ پر ٹھہریں، پھر میرال پر آ کر رک گئیں۔

دونوں اس کے قریب آئیں۔ آج میرال نے جلد بازی والی حرکت نہیں دہرائی تھی۔

شہریار سر ہیں؟ وانیہ نے نرم لہجے میں پوچھا۔

نہیں میم، وہ آج نہیں آئے۔

ریسپشنسٹ نے ہلکا سا توقف کیا۔

جھوٹ۔

یہ لفظ میرال کے لبوں سے اس شدت سے نکلے کہ فضا کی خاموشی چکنا چور ہو گئی۔

میم، میں۔۔۔
ریسپشنسٹ اپنی بات مکمل بھی نہ کر سکی تھی کہ میرال تیزی سے شہریار کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔
میم۔۔۔ پلیز رک جائیں۔
ریسپشنسٹ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھی۔ وانیہ بھی فوراً میرال کے پیچھے گئی۔
میرال نے زور سے دروازہ کھولا۔ کمرہ خالی تھا۔
سجی ہوئی میز، بند لیپ ٹاپ، کرسی اپنی جگہ پر خاموش کھڑی تھی — جیسے کسی کی غیر موجودگی کا مذاق اڑا رہی ہو۔
میرال کے اندر کچھ تڑخ سا گیا۔ اس کے ہاتھ مٹھیاں بن گئے۔ آنکھوں میں دبی ہوئی چنگاریاں اب شعلہ بننے کو تھیں۔
وہ مڑی اور سیدھا ریسپشنسٹ کو گھورا۔
کہاں ہے تمہارا باس؟
اس کی آواز بلند تھی، کانپتی ہوئی، مگر مضبوط۔
وانیہ نے فوراً اس کا بازو تھام لیا۔
میرال۔۔۔ کیا کر رہی ہو؟
میرال نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔
مجھے جواب چاہیے۔
ریسپشنسٹ واضح طور پر گھبرا گئی تھی۔
میم۔۔۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے وہ آج ریسٹ پر ہیں۔
ریسپشنسٹ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں وضاحت دی۔
وہ کچھ کہے بغیر پلٹی اور تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ وانیہ فوراً اس کے پیچھے تھی۔ وہ گاڑی تک پہنچی۔ میرال ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ وانیہ بھی خاموشی سے ساتھ والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔
انجن اسٹارٹ ہوا۔ اس بار گاڑی پہلے سے زیادہ تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگی۔
میرال، کیا کر رہی ہو؟ گاڑی آہستہ چلاؤ۔
وانیہ نے گھبرا کر کہا۔
میرال کے چہرے پر سختی تھی، نظریں سڑک پر جمی ہوئی۔ جیسے اس کی ساری توجہ رفتار میں چھپی ہوئی ہو۔

اسی لمحے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ وانیہ نے اسکرین پر نظر ڈالی۔
نورالعین کی کال آ رہی ہے۔
میرال نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی گرفت اسٹیئرنگ پر اور مضبوط ہو گئی۔
میرال، گاڑی آہستہ چلاؤ۔ اس بار وانیہ کی آواز بلند تھی۔
میرال نے پوری قوت سے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔ ٹائروں کی چیختی ہوئی آواز فضا میں گونجی۔ گاڑی جھٹکے سے رکی۔
چند لمحوں کے لیے ہر چیز ساکت ہو گئی۔ میرال نے دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ تھاما، پھر آہستہ سے اپنا ماتھا اسی پر ٹکا دیا۔ اس کے کندھے ہلکے سے کانپ رہے تھے۔
خود کو سنبھالو میرال۔
وانیہ نے نرم مگر مضبوط لہجے میں کہا۔
میرال کی آواز دھیمی تھی، مگر اندر دبی ہوئی آگ صاف محسوس ہو رہی تھی۔
وہ جان بوجھ کر نہیں آیا۔ اسے معلوم تھا کہ میں آج آفس آؤں گی — اس لیے وہ نہیں آیا۔
ایسے مت سوچو۔ کیا معلوم اس کی واقعی طبیعت خراب ہو۔
اسی لمحے میسج نوٹیفکیشن کی آواز ابھری۔ وانیہ نے دوبارہ فون کی طرف دیکھا۔
اسکرین پر امر کا نام چمک رہا تھا — اس نے گروپ میں کونگریچولیشنز کا میسج کیا تھا۔ اسی کے ساتھ فوراً ہی شاہد کا بھی میسج آیا۔ کونگریچولیشنز۔
وانیہ نے ایک لمحے کو میرال کی طرف دیکھا۔
میرال نے سر اٹھایا۔ اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔ اس بار رفتار دھیمی تھی۔
کہاں جا رہی ہو؟ وانیہ نے آہستہ سے پوچھا۔
شہریار کے گھر۔
وانیہ چونک گئی۔ میرال، یہ بالکل ٹھیک نہیں ہے۔
میں اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ مجھے سیف کا ایڈریس چاہیے تو بس چاہیے۔
اس کے لہجے میں بے بسی چھپی تھی۔
میرال، تمہاری یہی ضد تمہیں یہاں تک لائی ہے۔

وانیہ، پلیز خاموش ہو جاؤ۔

میرے خاموش ہو جانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

میرال نے کوئی جواب نہیں دیا۔

گاڑی سڑک پر خاموشی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ باہر کی دنیا معمول کے مطابق چل رہی تھی، مگر گاڑی کے اندر جذبات کا ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔

اس کے موبائل پر نوٹیفکیشن کی رنگ ٹون و قفے و قفے سے بج رہی تھی، جیسے آج نوٹیفکیشن کی بارش ہو رہی ہو۔ ہر ٹون وانیہ کے دل میں چھوٹی سی بے چینی چھوڑ رہا تھا، مگر اس نے خود کو قابو میں رکھا۔

گاڑی کچھ لمحوں بعد ایک اعلیٰ شان عمارت کے سامنے رکی۔ میرال فوراً ڈرائیونگ سیٹ سے اتری۔ وانیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے گئی۔

میرال نے بیل بجائی۔ دروازہ کھلا۔ اندر سے گارڈ باہر آیا۔

شہریار ہیں؟

ج۔۔۔ جی۔۔۔

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میرال نے اسے ہلکا سا دھکا دیا اور اندر داخل ہو گئی۔ وانیہ تیز قدموں سے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ گارڈ اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

میرال فوراً ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ اندر مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی نظر فوراً مسز اسد پر پڑی۔ اس کے قدم کچھ لمحوں کے لیے رک گئے۔

مسز اسد نے اسے دیکھا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ لمحے کے لیے ساکت ہو گئیں۔

میرال نے آہستہ قدم بڑھائے۔ وانیہ نے فوراً اپنے قدم اس کے قدموں کے ساتھ ملا دیے اور ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔

السلام علیکم!

وانیہ نے نرم آواز میں کہا۔

مسز اسد ابھی میرال کو دیکھ رہی تھی، مگر آواز سن کر وہ وانیہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

السلام علیکم!

میرال نے وانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مسز اسد نے ہلکا سا سر ہلایا۔ ان کی آواز ان کے حلق میں اٹکی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ انہوں نے مسلسل میرال کی طرف نظریں جمائے رکھیں۔

بیٹھو، بیٹا۔ کچھ لمحوں کے بعد مسز اسد بولی، جیسے خود کو سنبھال لیا ہو۔

شہریار کہاں ہے؟ میرال نے آہستہ سے پوچھا۔

وہ سو رہا تھا، اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔

مجھے اس سے بات کرنی ہے۔

میں بلاتی ہوں، آپ لوگ یہاں بیٹھیں۔

مسز اسد نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ وانیہ نے میرال کا بازو تھاما اور صوفے پر بیٹھ گئی اور مسز اسد شہریار کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

میرال، پلیز آرام سے بات کرنا۔ وانیہ نے اس کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔

میرال نے بس سر ہلایا۔

کمرے کا دروازہ آہستہ سا کھلا تھا۔ اندر اندھیرا چھایا ہوا تھا، صرف کھڑکی سے ہلکی سی روشنی اندر اتر رہی تھی۔

شہریار پرسکون بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

مسز اسد نے چند قدم اور بڑھائے۔

شہریار۔۔۔ انہوں نے نرمی سے پکارا۔

شہریار ہلکی سی کروٹ بدل کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

باہر میرال آئی ہے۔

میرال؟

وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کے چہرے پر حیرت ابھری۔

ہاں — وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔

شہریار فوراً بستر سے اٹھا۔

میں آتا ہوں۔ اس نے ہلکے توقف کے بعد کہا۔

مسز اسد دروازہ بند کر کے باہر چلی گئیں۔ شہریار چند لمحے ساکت کھڑا رہا، پھر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔
ٹی وی لاؤنج میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔
میرال اور وانیہ صوفے پر بیٹھی تھیں۔ مسز اسد ان کے سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔
شہریار آ رہا ہے۔ انہوں نے دھیرے سے کہا۔
وانیہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
بیٹا، کیا حال ہے؟ مسز اسد نے شائستگی سے پوچھا۔
ٹھیک۔ میرال کا جواب مختصر تھا، جیسے الفاظ اس پر بوجھ بن رہے ہوں۔
آپ کیسی ہیں؟ وانیہ نے فوراً بات سنبھالی۔
میں بھی ٹھیک ہوں۔
پھر خاموشی، گہری، بوجھل، بے چین۔
میرال سر جھکائے بیٹھی تھی۔ انگلیاں آپس میں الجھی ہوئی تھیں۔ نظریں فرش پر جمی تھیں، مگر ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ مسز اسد اور وانیہ کبھی کبھار ایک دوسرے کی طرف دیکھ لیتیں۔
میں کچھ کھانے کو لے کر آتی ہوں۔
مسز اسد اچانک اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ اسی لمحے موبائل کی نوٹیفکیشن کی آواز دوبارہ گونجی۔
وانیہ نے بے اختیار فون کی اسکرین کی طرف دیکھا۔
اس بار بلال کا میسج تھا۔ کونگریچولیشنز، سیف۔ گروپ میں پیغام چمک رہا تھا۔
وانیہ کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ ماتھے پر بل ابھر آئے۔
یہ سب گروپ میں سیف کو کونگریچولیشنز کے میسجز کیوں کر رہے ہیں۔
اس نے دھیرے سے میرال کی طرف دیکھا۔
میرال ابھی تک سر جھکائے بیٹھی تھی، اس کو ان پیغامات کا اندازہ نہیں تھا۔
سیف کا نام سن کر میرال نے فوراً گردن موڑی۔ اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا کر گزر گیا۔ میرال نے جھٹکے سے موبائل لے لیا۔

اس نے واٹس ایپ کھولی۔ سب سے اوپر انگلش لٹریچر گروپ کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس گروپ میں بیس سے پچیس میسجز آ چکے تھے۔

اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی۔ اس نے گروپ کھولا۔

سب سے اوپر ایک تصویر تھی – نکاح نامے کی تصویر – اس نے تصویر پر کلک کیا۔

تصویر بڑی ہو گئی – الفاظ واضح ہو گئے – اس پر سیف اور مومنہ کے نام کے دستخط تھے۔

اس کی سانس جیسے سینے میں اٹک گئی۔ آنکھوں کے سامنے سب دھندلا سا ہونے لگا۔ اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی۔ کانوں میں شور سا بھر گیا۔

اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔

وانیہ نے اس کی طرف دیکھا اور اس کا دل دہل گیا۔ میرال کی آنکھوں سے آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے۔

میرال۔۔۔

وانیہ فوراً اس کے قریب ہوئی، مگر میرال اچانک اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

شہریار۔۔۔

اس کی آواز کانپ رہی تھی مگر اونچی تھی۔ ٹی وی لاؤنج کی خاموشی چکنا چور ہو گئی۔

شہریار۔۔۔

اس بار وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز میں چیخی۔ آنسو اب رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

میرال، کیا ہوا ہے؟

وانیہ نے میرال کو بازو سے پکڑنے کی کوشش کی، مگر وہ جیسے کسی اور ہی کیفیت میں تھی۔

مسز اسد کچن سے گھبرا کر باہر آئیں۔

اسی لمحے شہریار اپنے کمرے سے باہر آیا۔ میرال نے اسے دیکھا اور بغیر کچھ سوچے اس کی طرف لپکی۔

شہریار کی نظر جیسے ہی میرال کے آنسوؤں سے بھرے چہرے پر پڑی، اس کے دل میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی۔ وہ ایک لمحے کو ساکت رہ گیا۔

یہ دیکھو۔۔۔

میرال نے موبائل اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔

یہ سب۔۔۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ میرال چیخ رہی تھی۔

میرال، کیا کر رہی ہو؟

وانیہ نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی، مگر میرال سننے کی حالت میں نہیں تھی۔

اگر تم مجھے اس کا ایڈریس دے دیتے، تو آج یہ نہ ہوتا۔

اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ اس نے موبائل نیچے گرا دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے شہریار کا گریبان پکڑ لیا اور اسے جھنجھوڑنے لگی۔

کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں؟

اس کی دھڑکن تیز تھی۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ وہ چیخ رہی تھی، جیسے برسوں کا درد آج زبان پر آگیا ہو۔

وانیہ نے فوراً اسے پیچھے کھینچا۔

میرال، خود کو سنبھالو۔

مسز اسد اپنی جگہ پر جیسے پتھر ہو گئیں تھیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی پانی تھا۔

میرال نے کانپتی ہوئی آواز میں پھر کہا۔

کیوں؟ شہریار، کیوں؟

وہ جواب معلوم ہونے کے باوجود شہریار سے سوال کر رہی تھی۔

کیوں۔۔۔؟

یہ لفظ شہریار کے دل میں کہیں گہرائی تک اتر گیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی چمک اٹھی۔ ایک پرانا زخم، اچانک سے جاگ اٹھا۔

وہ خاموش کھڑا تھا، مگر اس کی خاموشی چیخ رہی تھی۔

کیوں۔۔۔؟

اس کی آواز مدھم پڑتی جا رہی تھی، جیسے ہر لفظ کے ساتھ اس کی طاقت ختم ہو رہی ہو۔

میرال زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کو درد ہو رہا تھا۔ وہ اس درد کی شدت سے رو رہی تھی۔ وہ درد جو کسی کو دکھا نہیں سکتی تھی۔

وانیہ فوراً اس کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئی۔
میرال۔۔۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔
اس نے میرال کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ میرال کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ وہ اب بے آواز رو رہی تھی۔ اس کے بال بکھر کر چہرے پر آ گئے تھے۔ سانس بے ترتیب تھی۔ ہاتھ سرد پڑنے لگے تھے۔
میرال۔۔۔
وانیہ اسے بار بار پکار رہی تھی۔ وہ اس کے نام سے آگے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی، جیسے زبان ساتھ چھوڑ گئی ہو۔
اچانک میرال کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ اس کی پلکیں بوجھل ہوئیں اور وہ پیچھے کو لڑکھڑائی۔
میرال۔۔۔
وانیہ اسے تھامنے کی کوشش کرتی رہی، مگر میرال کا وجود بے جان سا ہو رہا تھا۔
میرال، پلیز اٹھو۔
وانیہ اس کے چہرے کو ہلکے ہلکے تھپتھپا رہی تھی۔ اس کے اپنے آنسو بھی بہنے لگے تھے۔
میرال، آنکھیں کھولو۔۔۔
وانیہ کی آواز لرز رہی تھی۔ وہ اس کو پکار رہی تھی۔
شہریار تیزی سے نیچے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ صاف تھی۔
میرال۔۔۔
اس نے دھیرے، مگر بے چین لہجے میں پکارا۔
مسز اسد بھی فوراً قریب آئیں۔ انہوں نے میرال کے بے حس چہرے کو دیکھا تو دل جیسے ڈوب گیا۔
میں پانی لے کر آتی ہوں۔ وہ گھبرا کر کچن کی طرف پلٹ گئیں۔
شہریار، اسے دیکھو کیا ہو گیا؟ وانیہ روتے ہوئے بولی۔
شہریار کی سانس تیز ہو چکی تھی۔ اس نے میرال کی نبض چیک کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔
ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں۔
اس کی آواز میں فیصلہ تھا۔ بغیر مزید وقت ضائع کیے اس نے میرال کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔ اس کا وجود بے حس تھا۔ سر اس کے بازو سے ڈھلک رہا تھا۔ وانیہ فوراً کھڑی ہوئی، آنسو پونچھتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔

گاڑی باہر کھڑی ہے۔

وانیہ نے تیزی سے کہا اور لمبے قدموں سے باہر کی طرف بڑھ گئی۔

وانیہ نے دروازہ کھولا۔ شہریار نے بڑی احتیاط سے میرال کو سیٹ پر لٹا دیا۔ وانیہ فوراً اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وانیہ نے میرال کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

شہریار ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔ ہاتھ کانپ رہے تھے، مگر اس نے خود کو سنبھالا۔ اگلے ہی لمحے انجن اسٹارٹ ہوا۔

اسی دوران مسز اسد کچن سے باہر آئیں۔ ٹی وی لاؤنج خالی تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ان کے دل میں انجانا سا خوف اترا۔ وہ تیز قدموں سے باہر آئیں۔

انہوں نے شہریار کو دیکھا، شہریار گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔

انہوں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا، جیسے دل کو تھام لیا ہو۔ وہ تیز قدموں سے واپس ٹی وی لاؤنج میں آئیں۔ گلاس میز پر رکھا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف گئیں۔ الماری سے جائے نماز نکالا۔ دوپٹہ سر کے گرد سمیٹا۔ پھر جائے نماز بچھایا اور اس پر بیٹھ گئیں۔

چند ہی لمحوں میں ان کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے۔

یا اللہ، میرے بچوں کی حفاظت فرما۔ ان پر اپنا رحم کر۔ میرے مالک – میرال پر رحم فرما۔ اسے شفا دے۔ اس پر رحم کر۔ تم رحم کرنے والا ہے۔ اس کے دل کے زخموں کو بھر دے۔

ان کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سانس تیز تھی، دل لرز رہا تھا۔ وہ سجدے میں جھک گئیں۔

اے میرے اللہ، ہم کمزور ہیں، تو طاقت والا ہے۔ ہم بے بس ہیں، تو قادر ہے۔ میرے بچوں کو اپنی امان میں رکھ لے۔

کمرے میں سسکیوں کی ہلکی آواز گونج رہی تھی۔ ایک ماں اپنے رب کے سامنے گریہ و زاری میں ڈوبی بیٹھی تھی۔

گاڑی اسپتال کے ایمرجنسی گیٹ کے سامنے آکر رکی۔

شہریار ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر باہر نکلا اور پچھلا دروازہ کھول دیا۔

اسٹریچر۔۔۔ اس کی آواز میں گھبراہٹ صاف جھلک رہی تھی۔

دو وارڈ بوائز فوراً دوڑتے ہوئے آئے۔ وانیہ نے نہایت احتیاط سے میرال کا سر اپنی گود سے اٹھایا۔ وانیہ کے ہاتھ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ شہریار نے اسے بانہوں میں سنبھالا اور آہستگی سے اسٹریچر پر لٹا دیا۔

میرال کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ پلکیں بند، سانس مدھم اور بے ترتیب تھی۔

جلدی کریں۔۔۔

شہریار کی آواز بے اختیار بلند ہو گئی۔ اسٹریچر تیزی سے اندر کی طرف بڑھا دیا گیا۔

کیا ہوا ہے انہیں؟ ایمرجنسی روم کی طرف جاتے ہوئے ایک نرس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

معلوم نہیں، اچانک بے ہوش ہو گئی۔

وانیہ کی آواز کانپ رہی تھی۔ آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے مگر اسے احساس تک نہ تھا۔

سفید دیواریں، چمکتی روشنی، تیزی سے چلتے قدموں کی چاپ، کہیں دور مشینوں کی بیپ بیپ — سب کچھ ایک ہی لمحے میں بہت تیز ہو گیا تھا، جیسے وقت دوڑ رہا ہو اور ان کے دل اس سے بھی تیز۔

ایمرجنسی روم کے دروازے پر پہنچ کر نرس رکی۔

آپ لوگ باہر انتظار کریں۔

دروازہ اندر سے بند ہو گیا۔ ایک بھاری سی خاموشی راہداری میں پھیل گئی۔

وانیہ کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔ وہ وہیں کھڑی رہ گئی، آنکھیں دروازے پر جمی ہوئیں تھیں۔

شہریار دیوار کے ساتھ جا لگا۔ اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔ اس کے کانوں میں ابھی بھی میرال کی چیخ گونج رہی تھی۔ میرال کا آنسوؤں سے بھرا چہرہ اس کے سامنے آیا۔ اس کا سوال — کیوں؟ ہر لفظ کانوں میں گونج رہا تھا۔

وانیہ نے گہری سانس لی۔

کچھ نہیں ہوگا، وہ ٹھیک ہو جائے گی — اس نے دھیرے سے کہا، جیسے خود کو یقین دلا رہی ہو۔

چند لمحوں کے بعد ایمرجنسی روم کا دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر باہر آیا۔ سفید کوٹ کی جیب میں رکھا اسٹیتھو اسکوپ ہلکے سے ہل رہا تھا، چہرے پر سنجیدگی مگر لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

آپ لوگ ان کے ساتھ آئے ہیں؟

جی۔۔۔ دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

انہیں شدید ذہنی دباؤ ہوا ہے۔ بلڈ پریشر اچانک بہت گر گیا تھا۔ ہم نے ڈرپ لگا دی ہے۔ کچھ دیر میں ہوش آجائے گا اور انہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔

وانیہ کی آنکھوں میں جمع آنسو لرز گئے۔

یا اللہ تیرا شکر ہے۔ شہریار کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ اس کی آواز میں تھکن بھی تھی اور تشکر بھی۔

ہم مل سکتے ہیں؟ شہریار نے ہلکی بے چینی سے پوچھا۔

نہیں، ابھی نہیں۔ جب ہوش آجائے گا تو ہم بتا دیں گے۔

ڈاکٹر مختصر جواب دے کر آگے بڑھ گیا۔ اس کے قدموں کی آواز لمبی راہداری میں مدھم ہوتی چلی گئی۔

وانیہ اور شہریار آہستہ سے سامنے پڑی بینچ پر آکر بیٹھ گئے۔ اسپتال کی سفید دیواریں، جیسے بے حس گواہ ہوں۔ اینٹی سیپٹک کی تیز بو سانسوں میں اتر رہی تھی۔ کہیں دور کسی مشین کی مسلسل بیپ بیپ — زندگی کی موجودگی کا اعلان کر رہی تھی۔

چند لمحے دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بول سکا۔ شہریار نے سر دیوار سے ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ سانسیں گہری تھیں۔ انگلیاں آپس میں جڑی ہوئیں — جیسے وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

وانیہ خاموشی بیٹھی تھی۔

شہریار کے ذہن میں ایک پرانی یاد ابھرنے لگی۔ اس کا دل ایک لمحے کو اور زیادہ بھاری ہو گیا۔

یہ۔۔۔ یہ سچ میں تمہارا گھر ہے؟

نتاشا کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ وہ ٹی وی لاؤنج کے دروازے کی دہلیز پر کھڑی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ کشادہ ہال، چمکتا ماربل، دیواروں پر نفیس پینٹنگز اور فضا میں پھیلی ہلکی سی خوشبو — سب کچھ کسی فلمی منظر جیسا لگ رہا تھا۔

شہریار نے اسے غور سے دیکھا، پھر ہلکی سی شرارتی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔

نہیں۔۔۔

پھر کس کا گھر ہے؟

وہ ایک قدم اس کے قریب آیا، اس کے کندھوں پر آہستگی سے ہاتھ رکھے اور دھیرے سے بولا۔

یہ ہمارا گھر ہے — تمہارا اور میرا۔

نتاشا کے گالوں پر ہلکی سی لالی ابھری۔

تم بھی نا۔۔۔ وہ چند قدم اندر آئی، نظریں اب بھی اردگرد گھوم رہی تھیں۔
کیا گھر میں کوئی ہے؟
ہمم۔۔۔ ممی پاکستان سے باہر ہیں، شہریار نے لاپرواہی سے کہا۔
اور باقی سب نوکروں کو میں نے آج چھٹی دے دی۔
کیوں؟ اس کے لہجے میں معصوم تجسس تھا۔
شہریار نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر قدرے سنجیدہ ہوا۔
کیونکہ آج میں تمہیں یہاں لانا چاہتا تھا۔ اگر وہ سب یہاں ہوتے تو ممی کو فوراً خبر ہو جاتی کہ میں کسی لڑکی کو گھر لایا ہوں اور پھر میں ممی کو کیا جواب دیتا؟
نتاشا کے چہرے پر مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔
تم اپنی ممی کو ہمارے بارے میں بتا کیوں نہیں دیتے؟
شہریار کے چہرے پر ایک سایہ سا آیا۔
ابھی نہیں، ممی چاہتی ہیں کہ میں ماموں کی بیٹی سے شادی کروں۔ اگر میں نے ابھی کچھ کہا تو وہ کسی نہ کسی بہانے سے مجھے اپنے پاس بلا لیں گی اور شاید زبردستی شادی بھی کروا دیں۔ اس لیے میں ان کے واپس آنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر سب بتا دوں گا۔
اس کی آواز میں بے بسی کی ہلکی جھلک تھی۔
نتاشا کی نظریں جھک گئیں۔
لیکن شہریار، میں نے تمہیں بتایا تھا نا، میرے گھر والے بھی میری شادی طے کرنا چاہتے ہیں۔
وہ فوراً اس کے قریب آیا، اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔
تم پریشان نہ ہوا کرو۔ میں تمہاری شادی کہیں اور کبھی نہیں ہونے دوں گا۔ تم بس میری ہو اور میری ہی رہو گی۔
نتاشا نے اس کی طرف دیکھا۔
تمہاری ممی کب تک آئیں گی؟
چند دنوں میں۔
ایک لمحے کی خاموشی کے بعد شہریار نے فضا کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

چلو، یہ سب باتیں چھوڑو— میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں اپنا بیڈ روم دکھاتا ہوں۔
اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ نتاشا ایک پل کو رکی، مگر پھر اس کے ساتھ چل دی۔ ان کے قدموں کی آہٹ گونج رہی تھی۔
شہریار نے دروازہ کھولا — ایک اعلی شان کے کمرہ — کمرے میں ہر چیز قیمتی تھی، فرنیچر پردے یہاں تک کہ وہاں پر کپڑے اور پرفیوم بھی مہنگے سے مہنگے تھے۔
نتاشا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی۔ اس نے شہریار کی طرف دیکھا۔
اس لمحے سب کچھ خوبصورت لگ رہا تھا — گھر، خواب، وعدے، مگر سب وقت کے سامنے کتنے کمزور ہوتے ہیں۔ وہ یہ بات ابھی نہیں جانتی تھی۔
نتاشا نے اپنے قدم آگے بڑھائے۔
تمہیں اپنا بیڈ روم کیسا لگا؟
نتاشا نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی۔
یہ بہت خوبصورت ہے۔
شہریار نے آہستہ سے دروازہ بند کیا۔
دروازہ کیوں بند کر رہے ہو؟ نتاشا کی آواز میں ہلکی سی گھبراہٹ اگئی۔
میری جان، ویسے ہی، ہم یہاں بیٹھ کر سکون سے باتیں کر سکتے ہیں۔ شہریار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
لیکن۔۔۔
لیکن ویکن کچھ نہیں، تم یہاں آکر بیٹھو۔ میں بھی تمہیں جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔
نتاشا کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی شہریار بول اٹھا اور اس کو بیڈ پر بٹھایا۔
شہریار نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کے چہرے پر نظریں جما لیں۔
نتاشا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
ہم باہر جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس نے گھبرا کر کہا۔
شہریار اس کے قریب آیا۔
میری جان، تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟

نتاشا گھبرا گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی، مگر شہریار نے اس کے بازو تھام لیے۔

کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟

نہیں، وہ۔۔۔

مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تم مجھ پر یقین نہیں۔ چلو، ٹھیک ہے — یہاں سے چلتے ہیں۔ شہریار نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور باہر کی طرف جانے لگا۔

شہریار تم غلط سمجھ رہے ہو۔ اس بار نتاشا نے اس کے بازو پکڑ لیا۔

شہریار نے اس کی جانب دیکھا۔

تم مجھے خود ہی بتاؤ کہ ایسے کون، کسی لڑکی کو اپنے گھر لے کر آتا —

شہریار تم خفا کیوں ہو رہے ہو؟

تم مجھ پر شک کرو، تم میرا یقین نہ کرو اور میں خفا بھی نہ ہوں؟ ہم یہاں نہیں بیٹھیں گے۔

شہریار، سوری — اس کی آنکھوں میں پانی ابھرنے لگا۔

شہریار نے فوراً اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

میری جان، میں تم سے پیار کرتا ہوں۔

میں جانتی ہوں۔۔۔ نتاشا کی آواز مدھم تھی۔

شہریار، نتاشا کی طرف آہستہ سے جھکا۔

تو پھر تم مجھے اپنے قریب کیوں نہیں آنے دیتی؟ پیار میں یہ سب تو ہو جاتا ہے۔۔۔

نتاشا نے ایک لمحے کے لیے نظر جھکائی، دل کی دھڑکن تیز تھی، اس کی آواز ہلکی سی لرزی۔

لیکن، ہمارا نکاح ابھی نہیں ہوا۔

میری جان، نکاح بھی ہو جائے گا۔ میں کون سا بھاگ رہا ہوں۔

شہریار نے اس کو اپنے قریب کیا۔

میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

شہریار۔۔۔

شہریار نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ وانیہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے وانیہ کو دیکھا۔
وانیہ نے شہریار کی آنکھوں میں دیکھا تو چونک سی گئی۔ اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔
کیا ہوا۔۔۔؟ شہریار نے نرم لہجے میں کہا۔
ڈاکٹر نے کچھ دوائیاں لانے کو کہا ہے۔ میرے پاس کارڈ نہیں۔۔۔
میں لے آتا ہوں۔
شہریار نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا اور آہستگی سے وانیہ کے ہاتھ سے کاغذ تھام لیا۔
وہ بینچ سے اٹھا۔ ایک نظر ایمرجنسی روم کے بند دروازے پر ڈالی، پھر راہداری کی طرف بڑھ گیا۔
وانیہ وہیں کھڑی رہی۔ اس کی نظریں شہریار کے پیچھے جاتی ہوئی قامت پر جمی رہیں۔ سفید روشنی میں اس کا سایہ لمبا ہوتا گیا، پھر موڑ کے پیچھے غائب ہو گیا۔
راہداری پھر سے خاموش ہو گئی۔
وانیہ نے آہستہ سے سانس بھری۔
چند لمحوں بعد شہریار واپس آیا۔ اس کے چہرے پر وہی سنجیدہ خاموشی تھی، جیسے ہر احساس کو اندر قید کر رکھا ہو۔
وانیہ بینچ پر بیٹھی تھی۔ دونوں ہاتھ آپس میں جکڑے ہوئے، نظریں زمین پر جمی تھیں۔
اسی لمحے دروازہ کھلا۔ ایک نرس کمرے سے باہر آئی۔ وانیہ نے اس کی طرف دیکھا۔
نرس وانیہ کے قریب آئی۔
شہریار کے قدم بے اختیار ٹھہر گئے۔
وانیہ فوراً کھڑی ہوئی۔
پیشنٹ کو دوسرے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ اب آپ ان سے مل سکتی ہیں، لیکن زیادہ بات نہیں کرنی، انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ نرس نے نرم لہجے میں کہا۔
وانیہ نے ہلکا سا سر ہلایا۔ نرس آہستہ سے وہاں سے چلی گئی۔
وانیہ دھیرے قدموں سے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
دروازہ کھلا۔ کمرے میں مدھم روشنی تھی۔

میرال بیڈ پر لیٹی تھی۔ ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی — چہرہ اب بھی کمزور اور زرد، مگر سانس پہلے سے ہموار تھی۔ پلکیں بند تھیں، وہ گہری نیند میں تھی۔

وانیہ آہستہ سے اس کے قریب گئی اور لرزتے ہاتھوں سے میرال کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ہاتھ ٹھنڈا تھا، مگر زندہ۔

وانیہ کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہنے لگے۔

میرال۔۔۔

میں یہی ہوں، تمہارے پاس — اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

تمہیں کچھ نہیں ہوگا، سن رہی ہو نا مجھے؟

میرال کی پلکیں بند ہی رہیں۔

کمرے کے باہر شیشے کے پار شہریار کھڑا تھا۔ اس کی نظریں اندر کے منظر پر جمی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہو رہا تھا اور دل میں درد کی لہر دوڑ رہی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ہوئے واپس بینچ پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی پلکیں جھپکائیں اور آنکھوں میں ٹھہرا پانی اس کی گالوں پر بہہ گیا۔ اس نے دوائیاں سائیڈ پر رکھ دی اور پیچھے ٹیک لگا لی۔ دوائیوں کی بدبو اس کے حلق میں اتر چکی تھی۔

اسپتال کی سفید اور صاف دیواروں پر اسے داغ نظر آ رہے تھے — وہ اس کے اپنے کردار کے نقوش تھے۔ اس کے گناہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھل رہے تھے۔ ہر ایک لمحہ اس کے دل پر بھاری لگ رہا تھا۔

مال کی روشنیوں نے ہر طرف جگمگاہٹ پھیلا رکھی تھی۔ شیشے کی دیواروں سے منعکس روشنی جب فرش پر پڑ رہی تھی، تو ایسا لگ رہا تھا جیسے پورا مال کسی خواب کی دنیا میں بدل گیا ہو۔ ہر فلور پر الگ الگ برانڈز کے بورڈ چمک رہے تھے اور لوگوں کی چہل پہل نے ماحول کو مزید زندہ کر رکھا تھا۔

نتاشا، تم کیا کر رہی ہو؟ آرام سے چلو۔

عمارہ کی آواز نرم تھی، مگر اس میں ہلکی سی سختی بھی شامل تھی، جیسے وہ چاہتی ہو کہ نتاشا اس کی بات سنجیدگی سے لے۔

نتاشا نے مسکراتے ہوئے عمارہ کی طرف دیکھا اور شرارت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ادھر آؤ، میں تمہیں برانڈڈ کپڑے دکھاتی ہوں۔

عمارہ اس کے ساتھ قدم بڑھاتی ہوئی دکان کی طرف چل پڑی۔ دکان میں قدم رکھتے ہی عمارہ جیسے روشنی اور رنگوں کی ایک نئی دنیا میں داخل ہو گئی۔ فرش کی چمکدار ٹائلیں اور دیواروں پر لگے بڑے بڑے آئینے دکان کو نہ صرف وسیع بلکہ نہایت روشن اور دلکش بنا رہے تھے۔

سامنے شیشے کا بڑا دروازہ شاپ کی چہل پہل کو اندر تک لے آتا تھا، جبکہ پیچھے والا دروازہ باہر جانے کے لیے تھا۔ دونوں دروازے مل کر دکان کی فضا میں ایک عجیب سی روانی اور زندگی کا احساس پیدا کر رہے تھے۔

شیلفز پر برانڈڈ کپڑوں کی قطاریں سجی ہوئی تھیں۔ مختلف رنگوں کے کپڑے فوراً ہی نگاہ کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔ روشنی کی ہلکی جھلک اور ماحول میں پھیلی خوشبو نے دکان کو مزید پرکشش اور آرام دہ بنا دیا تھا۔

عمارہ نے اردگرد نظر دوڑائی تو اسے محسوس ہوا کہ دکان کی چمک اور ترتیب جیسے خاموشی سے اسے اپنی طرف بلا رہی ہو۔

اسی دوران نتاشا آگے بڑھی اور کپڑے دیکھنے لگی۔ عمارہ ابھی اپنے اردگرد کے ماحول میں کھوئی ہوئی تھی کہ اچانک نتاشا کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ عمارہ نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

نتاشا نے ایک سوٹ اٹھا رکھا تھا۔

عمارہ، یہ والا سوٹ دیکھو۔ اس کا رنگ کتنا پیارا ہے اور مجھ پر بہت اچھا بھی لگے گا۔

عمارہ نے سوٹ کو غور سے دیکھا اور پھر نظر اس کی قیمت پر جا ٹھہری۔ قیمت دیکھتے ہی اس کی آنکھیں ذرا سی پھیل گئیں۔

نتاشا، یہ تو بہت مہنگا ہے۔ اس نے حیرت سے نتاشا کی طرف دیکھا۔

تم قیمت کی بات نہ کرو، بس یہ بتاؤ کہ یہ مجھ پر اچھا لگے گا یا نہیں؟ نتاشا نے شوخی سے کہا۔

عمارہ نے سوٹ کو ایک نظر دیکھا۔

اچھا تو لگے گا۔ وہ آہستہ سی آواز میں بولی۔

تو بس ٹھیک ہے، میں یہ لے رہی ہوں۔ نتاشا نے جیسے فیصلہ سنا دیا۔

عمارہ نے دوبارہ قیمت کی طرف دیکھا۔

نتاشا، یہ دس ہزار کا ہے اور تمہارے پاس اتنے پیسے ہیں کیا؟

ہاں، میرے پاس ہیں۔

نتاشا نے لاپرواہی سے جواب دیا اور دوبارہ دوسرے کپڑوں کو دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔
عمارہ نے فوراً اس کی بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔
تمہارے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے؟
نتاشا نے اس کی طرف دیکھا، پھر ہلکے سے توقف کے بعد بولی۔
میں نے کچھ پیسے جمع کیے ہوئے تھے اور کچھ پیسے میری ایک دوست نے دیے تھے۔
عمارہ کی پیشانی پر شکن پڑ گئی۔
اس نے تمہیں پیسے کیوں دیے؟
نتاشا نے کندھے اچکائے۔
یار، میں اس کی دوست ہوں۔ اس نے چند پیسے دے دیے تو کیا ہو گیا؟ اور ویسے بھی ان چند نوٹوں سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ بہت امیر ہے۔ عمارہ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
کون سی دوست ہے وہ تمہاری، جو تم پر اس طرح پیسے لٹا رہی ہے؟
تم اسے نہیں جانتی۔ نتاشا نے مختصر سا جواب دیا۔
نتاشا، مجھے تو تمہاری بات پر یقین نہیں آ رہا۔
یہ سن کر نتاشا کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔
عمارہ، تم بالکل امی کی طرح مجھ سے سوال جواب کر رہی ہو اور ان کی طرح تمہیں بھی میری کسی بات پر یقین نہیں آ رہا۔
نتاشا، تم ۔۔۔
اب اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو میں کیا کروں؟
یہ کہہ کر نتاشا نے رخ دوسری طرف موڑ لیا۔
اسی لمحے اس کی نظر دکان کے دروازے کی طرف گئی۔ دروازے کے پاس شہریار کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چند شاپنگ بیگز تھے۔
نتاشا کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے حیرت ابھری، مگر اگلے ہی لمحے وہ غائب ہو گئی۔ شہریار کا ایسی جگہ پر ہونا کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی۔

نتاشا نے قریب کھڑے سیلز بوائے کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً اس کے پاس آگیا۔
جی میم؟ اس نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔
نتاشا نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
یہ والا ڈریس پیک کر دو۔
شیور میم۔
لڑکے نے مؤدبانہ انداز میں کہا اور سوٹ لے کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ نتاشا اور عمارہ بھی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چل دیں۔
دکان کے شیشے کے دروازے کی دوسری طرف شہریار ابھی بھی کھڑا تھا۔ وہ بظاہر اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسی دوران ایک خاتون اس کے قریب آکر رک گئیں۔ ہاتھ میں شاپنگ بیگز تھے۔
ممی، آپ شاپنگ کرنے میں کتنی دیر لگا دیتی ہیں۔ شہریار نے ہلکے سے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
کہا دیر ہوئی ہے؟ ابھی تو پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے۔ مسز اسد نے فوراً سے جواب دیا۔
شہریار ہلکا سا مسکرایا۔
ممی، آپ کا ایک گھنٹہ بھی پانچ منٹ کے برابر ہی ہوتا ہے۔
ان کی باتیں سنائی تو نہیں دے رہی تھیں، مگر نتاشا کی نظریں مسلسل انہی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں واضح تجسس تھا، جیسے وہ جاننا چاہتی ہو کہ یہ خاتون کون ہے۔
میم، کارڈ یا کیش؟
کیشیئر کی آواز سن کر نتاشا چونک سی گئی۔ اس نے فوراً سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
ک۔۔۔ کیش۔
اس نے ہلکی سی ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا اور اپنے بیگ سے پیسے نکالنے لگی۔ اس کے بیگ میں خاصی رقم موجود تھی۔ عمارہ کی نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ اتنے زیادہ پیسے دیکھ کر وہ واقعی حیران رہ گئی۔
نتاشا نے پیسے کیشیئر کو تھما دیے۔ چند لمحوں بعد کیشیئر نے بل اور ڈریس بیگ میں رکھ کر نتاشا کی طرف بڑھا دیا، لیکن اب نتاشا کے چہرے پر پہلے والی خوشی اور شوخی بھری مسکراہٹ نہیں تھی۔

وہ خاموشی سے بیگ میں رکھے سوٹ کو دیکھتی رہی، پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

ممی، اب گھر چلیں؟ شہریار نے قدرے بے صبری سے کہا۔

ابھی رک جاؤ، ابھی چند چیزیں رہتی ہیں۔ مسز اسد نے شاپنگ بیگز سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

ممی، ہم بعد میں آجائیں گے۔ مجھے اپنے دوستوں کے ساتھ لنچ پر بھی جانا ہے۔

بس تھوڑی دیر اور۔۔۔

نہیں میری پیاری ممی، میں آپ کو بعد میں لے آؤں گا۔

یہ کہتے ہوئے شہریار نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے اپنی ممی کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور انہیں آہستہ آہستہ آگے کی طرف لے جانے لگا۔

شہریار، تم ہمیشہ جلدی میں ہی رہتے ہو۔ مسز اسد نے ہلکے سے شکوہ کیا۔

ممی، میں جلدی میں نہیں ہوتا، آپ شاپنگ کرنے میں دیر لگا دیتی ہیں۔

نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔

دونوں ہلکی ہلکی باتیں کرتے ہوئے مال کے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

نتاشا شاپ سے باہر نکلی۔ تب تک وہ دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ نتاشا کے قدم اچانک رک گئے۔ وہ خاموشی سے انہیں جاتا ہوا دیکھنے لگی۔

اب چلیں واپس؟

عمارہ کی آواز سن کر نتاشا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

تم نے کچھ لینا ہے کیا؟ نتاشا نے پوچھا۔

نہیں۔۔۔ عمارہ نے مختصر سا جواب دیا۔

پھر اچانک جیسے نتاشا کو کچھ یاد آیا۔

اچھا، گھر جا کر ممی کو یہ مت بتانا کہ یہ سوٹ کتنے کا ہے۔

کیوں؟

پھر وہ بھی تمہاری طرح مجھ سے سوال جواب کریں گی۔

عمارہ نے ہلکا سا سانس لیا۔
تو جو کچھ تم نے مجھے بتایا ہے، وہی سب انہیں بھی بتا دینا۔
میرا موڈ پہلے ہی خراب ہو گیا ہے، میں اسے مزید خراب نہیں کرنا چاہتی۔ نتاشا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
عمارہ خاموش ہو گئی۔ وہ چند لمحے بس نتاشا کے چہرے کو دیکھتی رہی، جیسے اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔
نتاشا نے آہستہ سے قدم آگے بڑھائے اور باہر کی طرف چلنے لگی۔ عمارہ بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔
نتاشا اور عمارہ مال سے باہر نکل آئیں۔ باہر سڑک پر گاڑیوں کی مسلسل آمد و رفت جاری تھی۔ ہارن کی آوازیں، لوگوں کی باتیں اور اردگرد کا شور ایک عجیب سی ہلچل پیدا کر رہا تھا۔
تیز دھوپ اچانک آنکھوں پر پڑی تو ایک لمحے کے لیے نتاشا کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ اس نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر اپنے چہرے پر رکھ لیا، جیسے دھوپ سے بچنے کی ایک ناکام سی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے اپنے سامنے کچھ فاصلے پر دو لوگوں کو کھڑا دیکھا۔ وہ شہریار اور مسز اسد تھی۔
ممی، ڈرائیور آگیا۔
شور کے باوجود شہریار کی آواز نتاشا کے کانوں تک صاف پہنچ گئی۔ اس کے الفاظ سنتے ہی نتاشا کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت جاگی۔ وہ حیران بھی تھی اور کسی حد تک پریشان بھی۔
ممی۔۔۔
اس کے لبوں سے بے اختیار سرگوشی سی نکلی۔ اس کی نظریں بدستور شہریار پر جمی ہوئی تھیں۔
شہریار اپنی ممی کا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اسی دوران ڈرائیور گاڑی سے باہر نکلا اور آگے بڑھ کر ان کے ہاتھوں سے شاپنگ بیگز لے لیے۔
شہریار نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ مسز اسد اپنا دوپٹہ سنبھالتے ہوئے آہستگی سے گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ شہریار نے دروازہ بند کیا، پھر گاڑی کے دوسری طرف جا کر خود بھی اندر بیٹھ گیا۔
ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھالی اور چند ہی لمحوں بعد گاڑی اسٹارٹ ہو کر سڑک پر رواں ہو گئی۔
نتاشا وہیں کھڑی خاموشی سے اس گاڑی کو دور جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

آج یونیورسٹی کا پہلا دن تھا اور ساتھ ہی پہلا لیکچر بھی۔ فضا میں ایک ہلکی سی ہلچل پھیلی ہوئی تھی، جیسے ہر کوئی ایک نئی شروعات کے احساس سے گزر رہا ہو۔

وسیع و عریض کلاس روم میں مدھم باتوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کوئی آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے بات کر رہا تھا، تو کوئی خاموشی سے اردگرد بیٹھے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ چھت پر گھومتے پنکھوں کی ٹھنڈی ہوا کمرے میں ایک عجیب سا سکون پیدا کر رہی تھی۔ کھڑکیوں سے آتی دھوپ کی سنہری کرنیں سامنے لگے بورڈ پر، پڑ کر کمرے کو ہلکی روشنی سے بھر رہی تھیں۔

کلاس روم میں تین لمبی قطاروں میں میز اور کرسیاں ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ ہر قطار آہستہ آہستہ اوپر کی طرف بلند ہوتی جاتی تھی، جیسے علم کی کسی نئی سیڑھی کی طرف لے جا رہی ہو۔ کسی کے چہرے پر تجسس تھا، کسی کے انداز میں ہلکی سی جھجک اور کسی کے لبوں پر نئی شروعات کی مسکراہٹ۔

درمیان والی قطار کی دوسری میز پر سیف نہایت سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی اور چہرے پر ہلکی سی پُرسکون مسکراہٹ۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس نئے آغاز کے لیے پوری طرح تیار ہو۔

اس کے بالکل پیچھے والی میز پر نور بیٹھی تھی، لیکن نور کی حالت بالکل مختلف تھی۔ وہ تھکی ہوئی سی کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بھری ہوئی تھیں اور چہرے پر ہلکی سی بے زاری صاف دکھائی دے رہی تھی، جیسے وہ ابھی بھی نیند اور جاگنے کے درمیان کہیں اٹکی ہوئی ہو۔ وہ کبھی آنکھیں ملتی، کبھی سر کو ہلکا سا جھٹکا دیتی، مگر نیند جیسے اس کا پیچھا چھوڑنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ نور نے اپنے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔ آٹھ بج کر چالیس منٹ ہو چکے تھے۔

اسی لمحے کلاس روم کا دروازہ کھلا اور پروفیسر اندر داخل ہوئے۔

انہوں نے سفید شرٹ کے ساتھ کالے رنگ کی پینٹ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں سیاہ رنگ کی گھڑی اور پاؤں میں سیاہ جوتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک لیپ ٹاپ تھا۔ وہ عمر میں زیادہ بڑے نہیں لگتے تھے، بلکہ کافی جوان اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔

جیسے ہی طلبہ کی نظر ان پر پڑی، پوری کلاس احتراماً کھڑی ہو گئی۔

وہ پُرسکون انداز میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے ڈائس کی طرف بڑھے اور وہاں جا کر رک گئے۔

کلاس روم میں اچانک سنجیدگی سی پھیل گئی۔ چند لمحے پہلے تک موجود ہلکی ہلکی سرگوشیاں مکمل خاموشی میں بدل گئیں۔ سب کی نظریں اب انہی پر مرکوز تھیں۔

پروفیسر نے احتیاط سے اپنا لیپ ٹاپ ڈائس پر رکھا، پھر ایک نظر پوری کلاس پر ڈالی۔ اس کے بعد انہوں نے ہلکے سے ہاتھ کے اشارے سے سب کو بیٹھ جانے کا کہا۔

السلام علیکم!

پروفیسر کی آواز پُرسکون اور واضح تھی۔

وعلیکم السلام!

پوری کلاس نے ایک ساتھ جواب دیا۔

کیسے ہیں آپ سب؟

ٹھیک ہیں سر۔۔۔ کلاس میں چند آوازیں ایک ساتھ سنائی دیں۔

سر، آپ کیسے ہیں؟

اسی دوران کلاس کے دائیں طرف پہلی قطار میں بیٹھی ایک طالبہ نے پوچھا۔

آپ کا نام؟

پروفیسر نے جواب دینے کے بجائے اس کی طرف دیکھا اور ہلکی سی سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔ کلاس کی کئی نظریں اس طالبہ کی طرف مڑ گئیں۔

وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

نورالعین۔۔۔

اس نے قدرے اعتماد کے ساتھ اپنا نام بتایا۔

پروفیسر نے ہلکا سا سر ہلایا، پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے دوبارہ بیٹھ جانے کا کہا۔ نورالعین آہستہ سے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

نورالعین، میں بھی ٹھیک ہوں۔ پروفیسر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

کلاس روم میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پروفیسر دونوں ہاتھ ڈائس پر رکھے ہلکا سا اس پر جھکے کھڑے تھے۔ ان کی نظریں آہستہ آہستہ پوری کلاس میں گھوم رہی تھیں، جیسے وہ ہر طالب علم کو غور سے دیکھنا چاہتے ہوں۔

چلیں، ہم سب پہلے ایک دوسرے کو ذرا سا جان لیتے ہیں۔
پھر وہ ذرا سیدھے ہو کر کھڑے ہوئے — لیکن اس سے پہلے میں آپ سب سے تین باتیں کہنا چاہوں گا۔
کلاس کے سب طلبہ خاموشی سے ان کی بات سننے لگے۔
سب سے پہلی بات، جب میں کلاس میں داخل ہوں یا کلاس سے باہر جاؤں، یا آپ میں سے کسی سے کوئی سوال کروں تو آپ سب کو کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ آرام سے اپنی جگہ بیٹھے رہیں گے۔
وہ ایک لمحے کے لیے رکے، پھر بات جاری رکھی۔
دوسری بات، آج میں تھوڑا مصروف تھا، اس لیے لیٹ ہوگیا ورنہ میں کبھی لیٹ نہیں ہوتا اور میں آپ سب سے بھی یہی توقع کرتا ہوں کہ آپ بھی وقت کی پابندی کریں گے۔
ان کی آواز میں نرمی تھی، مگر انداز سنجیدہ تھا۔ پھر انہوں نے آخری بات کہتے ہوئے پوری کلاس پر ایک نظر ڈالی۔
سب سے ضروری بات — آپ سب نے دل لگا کر پڑھائی کرنی ہے۔ اگر آپ کو کسی بھی چیز کی سمجھ نہ آئے، یا کسی قسم کی کوئی پریشانی ہو، تو بلا جھجک میرے پاس آسکتے ہیں۔
کلاس میں موجود سب طلبہ خاموشی سے ان کی بات سن رہے تھے۔
انڈر اسٹینڈ۔۔۔؟ پروفیسر کی آواز سنجیدہ مگر پُرسکون تھی۔
یس سر۔۔۔
کلاس میں ایک ساتھ آواز گونجی۔ پروفیسر نے ہلکا سا سر ہلایا۔
گڈ۔۔۔ اگلے ہی لمحے دروازے کی طرف سے ایک آواز سنائی دی۔
می آئی کم اِن۔۔۔؟
پوری کلاس کی نظریں بیک وقت دروازے کی طرف مڑ گئیں۔
دروازے پر شہریار کھڑا تھا۔ پروفیسر نے اس کی طرف دیکھا اور مختصر سا جواب دیا۔
یس۔۔۔
شہریار نے اندر قدم رکھتے ہی ایک سرسری سی نظر پوری کلاس پر ڈالی، پھر خاموشی سے کھڑا رہا۔
کیا آپ اسی کلاس کے اسٹوڈنٹ ہیں؟ پروفیسر نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
یس سر۔۔۔

سٹ ڈاؤن اینڈ میک شور، نیکسٹ ٹائم آپ لیٹ نہ ہوں۔
یس سر۔۔۔۔
شہریار نے مؤدبانہ انداز میں کہا اور آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے پہلی قطار کی آخری میز پر جا کر بیٹھ گیا۔
کلاس میں چند لمحوں کے لیے پھر خاموشی چھا گئی۔ پروفیسر نے ایک بار پھر پوری کلاس پر نظر ڈالی۔
چلیں، اب سب اپنا اپنا تعارف کروانا شروع کریں۔
ان کی نظریں آہستہ آہستہ طلبہ پر گھومتی ہوئی آخرکار ایک جگہ آ کر رک گئیں وہ نور العین تھی۔
مس نور العین شروعات آپ سے کرتے ہیں۔
پروفیسر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ کلاس کی کئی نظریں ایک بار پھر نور العین کی طرف اٹھ گئیں۔ کلاس میں پُرسکون اور سنجیدہ سا ماحول تھا۔
نور العین نے ایک لمحہ پروفیسر کی طرف دیکھا، پھر آہستہ سے بولنا شروع کیا۔
میرا نام نور العین ہے۔ میں لاہور سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں نے سیکنڈ ایئر میں نان میڈیکل کیا تھا۔
سب خاموشی سے اس کا تعارف سن رہے ہوں۔
اوکے، نیکسٹ۔
پروفیسر نے اس کے ساتھ بیٹھی طالبہ کی طرف اشارہ کیا۔
میرا نام عنایہ ہے۔ میں لاہور سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں نے سیکنڈ ایئر میں آئی سی ایس کیا تھا۔
پروفیسر نے ہلکا سا سر ہلایا۔
اوکے، نیکسٹ۔
انہوں نے تیسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔
میرا نام فاطمہ ہے۔ میں لاہور سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں نے بھی سیکنڈ ایئر میں آئی سی ایس کیا تھا۔
اوکے۔
پروفیسر نے مختصر سا جواب دیا اور اگلے طالب علم کی طرف دیکھا۔
میرا نام سیف الرحمن ہے۔ میں اوکاڑہ شہر سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے سیکنڈ ایئر میں کمپیوٹر سائنس رکھی تھی۔
پروفیسر نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

اوکاڑہ سٹی سے یا کسی گاؤں سے؟

گاؤں سے، سر۔ سیف نے سادہ انداز میں جواب دیا۔

ویسے میں بھی اوکاڑہ۔۔۔

وہ اپنی بات مکمل ہی کرنے والے تھے کہ اچانک کلاس روم میں کسی کے موبائل فون کی رنگ ٹون گونج اٹھی۔ سب کی نظریں ایک دوسرے کی طرف اٹھنے لگیں۔

شہریار نے جلدی سے اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور موبائل باہر نکالا۔

نتاشا۔۔۔ اسکرین پر ایک نام چمک رہا تھا۔

پروفیسر کی نظریں بھی فوراً اس کی طرف اٹھ گئیں۔

اسے پاور آف کر دیں۔ پروفیسر کی آواز نرم، مگر بلند تھی۔

شہریار نے ایک لمحے کے لیے موبائل کی اسکرین سے نظریں ہٹائیں اور پروفیسر کی طرف دیکھا، پھر خاموشی سے فون کو سائلنٹ پر لگا دیا۔

پروفیسر نے دوبارہ سیف کی طرف رخ کیا۔

ہاں، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں بھی ایک بار اوکاڑہ گیا تھا اور مجھے گول مسجد بہت اچھی لگی تھی۔ اوکاڑہ بہت اچھا شہر ہے – لیکن ابھی تک مجھے پورا شہر دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

کوئی بات نہیں سر، جب بھی آپ کا ارادہ بنے، آپ بلا جھجھک مجھے بتا دیں۔ میں آپ کو پورا شہر وزٹ کروا دوں گا۔

پروفیسر کے چہرے پر ہلکی سی دلچسپی ابھری۔

کیوں نہیں، اگر وقت ملا تو ضرور۔

سیف نے ان کے لہجے میں ہلکی سی خوشی محسوس کی۔

سر، وقت ملتا نہیں، نکالنا پڑتا ہے۔

یہ بھی ٹھیک کہا تم نے۔

اس بار پروفیسر کے چہرے پر واضح مسکراہٹ ابھری تھی۔

انہوں نے اپنے ہاتھ کی گھڑی پر نظر ڈالی، پھر سر اٹھا کر پوری کلاس کی طرف دیکھا۔

وقت ختم ہو گیا ہے۔ اب اگلے لیکچر میں ملاقات ہو گی۔

یہ کہتے ہوئے وہ مڑے اور جیب سے مارکر نکال لیا۔ پھر بورڈ کی طرف بڑھ کر اس پر اپنا نام لکھا۔

جواد احمد۔

انہوں نے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں کہا۔ نام کے نیچے انہوں نے اپنا فون نمبر بھی لکھ دیا۔ پھر کلاس کی طرف رخ کیا۔

اگر کسی کو بھی لیکچر سے متعلق کوئی سوال پوچھنا ہو تو آپ مجھے ٹیکس کر سکتے ہیں۔ مگر رات سات بجے سے پہلے۔

ان کی نظریں ایک بار پھر پوری کلاس پر گھومیں۔ اگلی کلاس میں ہم اپنا سلیبس شروع کریں گے اور میں آپ سب سے یہی امید رکھتا ہوں کہ آپ وقت کی پابندی کریں گے۔

یہ کہہ کر انہوں نے اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور آہستہ قدموں سے کلاس روم سے باہر نکل گئے۔

ان کے جاتے ہی کلاس روم کی خاموشی ٹوٹ گئی۔ طلبہ کے درمیان ہلکی ہلکی سرگوشیوں اور باتوں کی آوازیں دوبارہ گونجنے لگیں۔

چند لمحوں بعد ایک اور پروفیسر اندر داخل ہوئیں۔ پروفیسر نے گہرے سبز رنگ کی قمیض شلوار پہن رکھی تھی۔ کندھے پر ہلکے انداز میں رکھا دوپٹہ، سیاہ بال کھلے ہوئے تھے جو ان کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں انہوں نے اپنا بیگ تھام رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا۔

کلاس میں فوراً خاموشی چھا گئی۔ چند لمحے پہلے تک جاری سرگوشیاں اچانک رک گئیں، جیسے کسی نے یکدم ماحول کو سنجیدہ کر دیا ہو۔

پروفیسر نے اندر آتے ہی ایک سرسری سی نظر پوری کلاس پر ڈالی، پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ڈائس کے پاس جا کر رک گئیں۔ انہوں نے بیگ اور لیپ ٹاپ آہستہ سے ڈائس پر رکھا۔

کلاس میں موجود ہر طالب علم کی نظریں انہی پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اسی لمحے نورالعین نے قدرے پرجوش انداز میں کہا۔

میم، السلام علیکم!

پروفیسر نے جواب دینے کے بجائے صرف اس کی طرف دیکھا۔ اس خاموشی نے ماحول کو عجیب سا بنا دیا۔

پوری کلاس کی نظریں اب نورالعین کی طرف مڑ گئیں۔ نورالعین نے ایک لمحے کے لیے سب کو دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔ اسے صاف محسوس ہوا، جیسے سب کے سامنے اس کی بے عزتی ہو گئی ہو۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پروفیسر کی آواز سنائی دی۔

جب کوئی پروفیسر کلاس میں آتا یا آتی ہیں، تو کیا آپ لوگ احتراماً کھڑے نہیں ہوتے؟ ان کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

کلاس میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ کچھ طلبہ نے نظریں جھکا لیں، جبکہ کچھ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔
میں آپ سب سے بات کر رہی ہوں۔ اس بار ان کی آواز پہلے سے زیادہ سخت تھی۔
میم، آپ سے پہلے سر جواد کا لیکچر تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے ہم ۔۔۔
درمیان والی قطار سے کامران نے وضاحت دینا چاہی کہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی پروفیسر نے اسے ٹوک دیا۔
وہ پروفیسر جواد کا لیکچر تھا اور میں پروفیسر جواد نہیں ہوں۔
ان کی آواز میں سختی صاف محسوس ہو رہی تھی۔
میرا نام اتھا ہے — پروفیسر اتھا اور میری کلاس میں میرے اصول چلیں گے، نہ کہ کسی اور پروفیسر کے۔
کامران فوراً خاموش ہو گیا۔
اسی دوران پہلی قطار کے پیچھے بیٹھے شہریار نے سر ہلایا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سرگوشی کی۔
فضول۔۔۔
اتنی آہستہ کہ بظاہر کوئی اور سن نہ سکے، لیکن پروفیسر اتھا کی نظر اس پر پڑ چکی تھی۔
آپ۔۔۔
انہوں نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور انگلی سیدھی اس کی طرف کر دی۔
آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟
شہریار ایک لمحے کے لیے چونک گیا۔
میں۔۔۔ میں؟ وہ ہلکا سا ہکلاتے ہوئے بولا۔
جی ہاں، آپ ہی۔ پروفیسر کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔
نو میم، میں تو نہیں مسکرایا۔ شہریار نے فوراً صفائی دی۔
تم نہیں مسکرائے تو کیا تمہارے فرشتے مسکرا رہے ہیں؟ پروفیسر نے طنزیہ انداز میں کہا۔
کلاس میں موجود سب طلبہ کی نظریں اب انہی دونوں پر تھیں۔ شہریار نے ہلکا سا کندھا اچکایا۔
میم، یہ تو آپ کو یا فرشتوں کو ہی معلوم ہوگا۔
کلاس میں ہلکی سی ہنسی پھیل گئی۔

پروفیسر اتھا نے پہلے پوری کلاس کی طرف سخت نظر ڈالی، پھر دوبارہ شہریار کی طرف دیکھا۔
اٹھو اور یہاں آکر بیٹھو۔
انہوں نے اپنے سامنے سیف کے ساتھ موجود خالی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔
شہریار نے خاموشی سے اپنا بیگ اٹھایا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا۔ چند لمحوں بعد وہ سیف کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔
زبان تو بہت چلتی ہے۔۔۔
پروفیسر نے یہ کہتے ہوئے ایک نظر شہریار پر ڈالی، پھر اپنی توجہ واپس اپنے بیگ کی طرف کر لی۔ وہ چند لمحے خاموشی سے بیگ میں کچھ ڈھونڈتی رہیں، پھر اس میں سے ایک مارکر نکالا اور سر اٹھا کر دوبارہ پوری کلاس کو دیکھا۔
جی آر اور سی آر کون ہیں؟
ان کی آواز واضح اور قدرے سخت تھی۔ کلاس میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی، پھر پچھلی قطار سے کسی کی آواز آئی۔
میم، جی آر اور سی آر ابھی نہیں بنے۔
پروفیسر کی بھنویں ذرا سی سکڑ گئیں۔
جی آر، سی آر کس نے بنانے تھے؟
اسی دوران ایک اور آواز سنائی دی۔
میم، ابھی بنا لیتے ہیں۔
نہیں—یہ میرا کام نہیں ہے اور نہ ہی میرے پاس اتنا وقت ہے۔
کلاس ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔
کلاس میں کل کتنے اسٹوڈنٹس ہیں؟
چند لمحوں بعد پروفیسر نے پوچھا، لیکن اس بار بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔
پروفیسر نے گہرا سانس لیا اور قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔
اب یہ بھی معلوم نہیں ہوگا آپ سب کو۔۔۔
ان کی نظریں آہستہ آہستہ پوری کلاس میں گھومنے لگیں، جیسے وہ ہر طالب علم کا جائزہ لے رہی ہوں۔
جیسے آپ سب اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں، ویسے ہی آپ سب دو، دو لوگوں کے گروپ بنا لیں۔

پروفیسر بول رہی تھیں اور پوری کلاس خاموشی سے ان کی بات سن رہی تھی۔
مگر چند ہی لمحوں بعد کلاس میں ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔
اچانک پروفیسر کی آواز بلند ہوئی۔
میں نے آپ سب کو بولنے کا نہیں کہا۔
ان کی آواز گونجی تو پوری کلاس پر جیسے سناٹا چھا گیا۔
آپ کا ایک سبجیکٹ ہے – ڈراما – اور یہی سبجیکٹ میں آپ کو پڑھاؤں گی۔
وہ چند لمحے رُکیں، پھر بات جاری رکھی۔
آپ سب نے اس کے بارے میں ریسرچ کر کے آنا ہے – میں آپ سب سے نیکسٹ کلاس میں پوچھوں گی۔
یہ کہہ کر پروفیسر نے آہستہ سے اپنا بیگ اور لیپ ٹاپ اٹھایا، ایک آخری نظر پوری کلاس پر ڈالی اور پھر خاموشی سے کلاس روم سے باہر نکل گئیں۔
پوری کلاس نے گویا ایک ساتھ سانس لیا۔ ماحول میں پھیلی ہوئی سختی اچانک ہلکی سی بے فکری میں بدل گئی۔
یہ کیا چیز تھی؟ پیچھے سے ایک بلند آواز سنائی دی۔
یہ سنتے ہی کئی چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔
خود بھی ڈراما ہے اور سبجیکٹ بھی ڈراما ہی پڑھائے گی۔
اس بار شہریار نے ہلکے طنزیہ انداز میں کہا۔ سب کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔
بالکل صحیح کہا۔ کامران نے فوراً اس کی بات کی تائید کی۔
ادھر نور نے بے دلی سے اپنا بیگ اٹھایا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ وہ خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھی اور کلاس روم سے باہر چلی گئی۔
اسی دوران سیف نے اپنی جگہ سے قدرے بلند آواز میں کہا۔
میرا خیال ہے ہمیں ابھی جی آر اور سی آر ڈیسائیڈ کر لینے چاہیے اور اپنا ایک گروپ بھی بنا لینا چاہیے۔
بالکل ٹھیک – ورنہ کوئی اور ٹیچر آ کر اسی طرح ہمیں ڈانٹ دے گا۔ کلاس میں سے کسی نے فوراً اس کی بات کی حمایت کی۔
نورالعین فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

کلاس میں جی آر بننا چاہتی ہوں۔
کلاس میں موجود سب طلبہ کی نظریں فوراً اس کی طرف اٹھ گئیں۔
ہمیں کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔
ہاں، ہمیں بھی نہیں۔۔۔
کلاس کے مختلف حصوں سے باری باری تائیدی آوازیں آنے لگیں۔ نورالعین کے چہرے پر اعتماد بھری مسکراہٹ آ گئی۔
اوکے، تو آج سے میں کلاس کی جی آر ہوں۔ اس نے پُرجوش انداز میں کہا۔
آپ سب مجھے اپنا نام اور نمبر بتائیں۔ میں ایک گروپ بنا لیتی ہوں اور اب آپ سب سی آر بھی ڈیسائیڈ کر لیں۔
اسی لمحے کامران نے فوراً اپنا ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔
سی آر میں بنوں گا۔۔۔
کلاس کی کئی نظریں کامران کی طرف اٹھ گئیں۔ سب اس کے سی آر بننے پر راضی ہو گئے۔
ادھر نورالعین ایک کاغذ لے کر ایک ایک طالب علم کے پاس جا رہی تھی اور سب کے نام اور نمبر لکھ رہی تھی۔
کامران بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آگیا اور اس کام میں اس کی مدد کرنے لگا۔ دونوں سنجیدگی سے لسٹ مکمل کرنے میں مصروف ہو گئے۔ باقی طلبہ دوبارہ اپنی اپنی باتوں میں لگ گئے۔ کلاس روم میں ایک بار پھر ہلکی ہلکی گفتگو اور سرگوشیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔
شہریار نے اپنا رخ سیف کی طرف کیا اور قدرے سوچتے ہوئے بولا۔
میم نے ٹھیک سے کچھ بتایا ہے نہیں — ریسرچ کس چیز پر کر کے لانی ہے؟
خاص معلوم نہیں۔۔۔
سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کندھے اچکائے۔
ہم نمبر ایکسچینج کر لیتے ہیں۔
ہاں، کیوں نہیں۔
شہریار نے فوراً جیب سے اپنا موبائل نکالا اور اسکرین آن کی۔ اسکرین پر نتاشا کے چند میسجز چمک رہے تھے۔ اس نے ایک لمحے کے لیے انہیں دیکھا، مگر بغیر پڑھے نظر انداز کرتے ہوئے موبائل سیف کی طرف بڑھا دیا۔

سیف نے آہستہ سے موبائل تھاما اور اس میں اپنا نمبر سیو کر دیا۔
یہاں ہاسٹل لیا ہے کیا؟ شہریار نے بے تکلفی سے پوچھا۔
نہیں، اپارٹمنٹ لیا ہے۔ سیف نے موبائل اسے واپس پکڑاتے ہوئے جواب دیا۔
کہاں پر؟
یہاں سے کچھ فاصلے پر ہی۔
کیا میں وہاں آسکتا ہوں؟ شہریار نے ہلکی سی دلچسپی سے کہا۔
بالکل۔ سیف نے کھلے دل سے جواب دیا۔
شہریار کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے نظریں سیف سے ہٹا کر دوبارہ موبائل پر جما دیں۔ اس کی انگلیاں تیزی سے اسکرین پر چلنے لگیں۔
میں نے تمہیں میسج کر دیا ہے، نمبر سیو کر لو۔
سیف نے سر ہلایا، جیب سے اپنا موبائل نکالا اور میسجز کھول کر دیکھا۔ سب سے اوپر ایک نیا نمبر نظر آرہا تھا۔ اس نے موبائل کی اسکرین شہریار کی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔
یہی نمبر ہے؟
شہریار نے ایک نظر اسکرین پر ڈالی اور سر ہلا دیا۔
ہاں۔
کس نام سے سیو کروں؟
شہریار۔
اس نے مختصر سا جواب دیا۔ سیف نے نمبر سیو کیا اور موبائل دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔
نورالعین اور کامران بھی اپنی لسٹ مکمل کر کے ان دونوں کے پیچھے والی نشستوں پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ اب کلاس روم میں تقریباً سب طلبہ ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف تھے، جیسے پہلا دن ہوتے ہی اجنبی چہرے آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے مانوس ہونے لگے ہوں۔
نورالعین، کامران اور سیف بھی آپس میں باتیں کرنے لگے، جبکہ شہریار خاموشی سے موبائل میں مصروف ہو گیا۔ اب وہ نتاشا کے میسجز کا جواب دے رہا تھا۔

میں تمہیں کل سے کال اور میسج کر رہی ہوں، تم جواب کیوں نہیں دے رہے؟ نتاشا کا پیغام اسکرین پر چمکا۔

میں ذرا مصروف تھا۔

شہریار نے مختصر سا جواب لکھا۔ چند ہی لمحوں بعد اگلا میسج آگیا۔

کہاں مصروف تھے؟

شہریار نے سرسری سی نظر کلاس روم پر ڈالی، پھر موبائل پر انگلیاں چلائیں۔

یونیورسٹی اوپن ہو گئی ہے، اسی کی شاپنگ میں مصروف تھا۔

ابھی کہاں ہو؟

کلاس میں ہوں۔

اچھا۔۔۔اس بار جواب مختصر آیا۔

چند لمحوں کے لیے دونوں طرف خاموشی چھا گئی، جیسے دونوں ایک دوسرے کے اگلے پیغام کے منتظر ہوں۔ پھر نتاشا کا نیا میسج نمودار ہوا۔

تمہاری ممی پاکستان آگئی ہیں کیا؟

نہیں۔۔۔

شہریار نے فوراً جواب دیا۔

پھر سے خاموشی—چند لمحوں بعد نتاشا کا اگلا پیغام آیا۔

لیکن میں نے تمہیں کل ایک خاتون کے ساتھ شاپنگ مال میں دیکھا تھا۔ تم انہیں ممی کہہ رہے تھے۔

یہ پڑھتے ہی شہریار ایک لمحے کے لیے چونک گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ ذرا سا پھیکا پڑ گیا، مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

کس وقت۔۔۔؟

اس نے جیسے تصدیق کرنا چاہی۔

کل دوپہر، دو سے تین بجے کے درمیان۔

شہریار نے ایک لمحے کے لیے موبائل سے نظریں ہٹا کر اردگرد دیکھا۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ موبائل پر نظریں جما لیں۔

وہ میری بڑی ممی تھیں۔

چند لمحے گزر گئے۔ اس بار جواب آنے میں ذرا دیر لگی۔ شہریار اسکرین کو غور سے دیکھتا رہا۔ آخرکار ایک مختصر سا جواب آیا۔

اچھا۔

نتاشا کو اس پر شک ہو گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد نتاشا آف لائن ہو گئی۔

شہریار نے بھی موبائل واپس جیب میں رکھ لیا۔ اس نے ایک لمبی سانس لی اور پھر سیف اور کامران کی باتوں میں شامل ہو گیا۔

باتوں کے دوران شہریار کی نظر دروازے کی طرف گئی۔ نور اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کافی کا کپ تھا۔ اب وہ پہلے سے کہیں زیادہ فریش لگ رہی تھی۔ اس نے اندر آکر اپنی جگہ کی طرف دیکھا، پھر اس نے ایک لمحے کو پوری کلاس روم پر نظر دوڑائی، پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی نورالعین کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

نورالعین فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس سے اس کا نام اور نمبر پوچھنے لگی۔

ایک اور لڑکی کلاس میں داخل ہوئی۔

شہریار کی نظر، جیسے ہی اس پر پڑی، وہ ٹھہر سا گیا۔ وہ اسے پہلی نظر میں ہی پہچان گیا تھا۔

وہ میرال تھی۔ کچھ دن پہلے وہ نتاشا کے ساتھ ریسٹورنٹ میں اس سے ٹکرایا تھا۔ شہریار کی نظریں بے اختیار اس پر ٹھہر گئیں۔

شہریار۔۔۔

ایک نرم سی آواز نے اسے چونکا دیا۔ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

شہریار نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے سامنے وانیہ کھڑی تھی۔

وانیہ نے ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور ان میں عجیب سے خالی پن کی جھلک تھی۔

میرال کو ہوش آگیا ہے۔ وانیہ نے اسے بتایا۔

شہریار فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

ڈاکٹر نے گھر جانے کی اجازت بھی دے دی ہے۔

شہریار نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی آنکھیں ملیں، پھر سائیڈ پر رکھی دوائیاں وانیہ کو دیں۔
وانیہ نے آہستہ سے ہاتھ آگے بڑھایا اور دوائیاں اس سے لے لیں۔
شہریار خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
میں ابھی آتا ہوں، تم گھر جانے کی تیاری کرو۔ وہ کہتے ہوئے آگے بڑھنے لگا، مگر پیچھے سے وانیہ کی آواز آئی۔
تم میرال کو نہیں دیکھو گے؟
اس پر اس کے قدم، جیسے زنجیر ہو گئے۔ وہ چند لمحوں کے لیے وہیں رک گیا۔ پھر آہستہ سے پلٹ کر وانیہ کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے دوبارہ مڑ کر آگے بڑھ گیا۔
وانیہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ چند ہی لمحوں میں شہریار اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
وہ کچھ دیر بعد واپس آیا۔ وانیہ خاموشی سے بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن اور فکر کی ہلکی سی پرچھائی پھیلی ہوئی تھی۔ قدموں کی آہٹ سن کر اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ شہریار اس کی طرف ہی آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں کچھ کھانے کی اشیاء تھیں۔
وہ قریب آ کر رکا۔
میں نے بل پے کر دیا ہے۔
وہ چیزیں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔
وانیہ نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا، پھر ہاتھ بڑھا کر چیزیں تھام لیں۔
میرال کو کچھ کھلا دو۔ شہریار نے آہستہ سے کہا۔
وانیہ نے سر ہلایا۔
میں نے گھر کال کر دی ہے۔ ڈرائیور کچھ ہی دیر میں آ جائے گا۔ وہ تم لوگوں کو گھر چھوڑ دے گا۔
یہ کہتے ہوئے شہریار وانیہ کے ساتھ بینچ پر بیٹھ گیا۔ وانیہ نے اس کی طرف دیکھا۔
تم ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے؟
نہیں۔۔۔ جواب مختصر تھا۔
کیوں۔۔۔؟
شہریار نے گہری سانس لی، جیسے سینے میں دبی ہوئی کسی بات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

میں میرال کا سامنا نہیں کر سکتا، میں اس کی ایسی حالت نہیں دیکھ سکتا۔

وہ رکا۔

اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی۔ میرال کی آواز۔۔۔

کیوں؟ شہریار، کیوں؟ اس نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔

میں اس کے سوالوں کے جواب نہیں دے سکتا۔ میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ آہستہ سے بولا۔

وانیہ نے اسے غور سے دیکھا۔

تم تکلیف دے سکتے ہو، لیکن تکلیف میں دیکھ نہیں سکتے۔۔۔؟

شہریار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

میں نے۔۔۔ میں نے اسے کبھی تکلیف دینے کا نہیں سوچا تھا۔

وہ تکلیف میں تھی۔۔۔

شہریار، میری بہن تکلیف میں تھی۔ وہ تمہارے پاس آئی تھی۔ تم سے مدد لینے۔

وانیہ کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔ اس کی آواز آہستہ آہستہ بھاری ہونے لگی تھی۔

شہریار نے نظریں جھکا لیں۔

میں اسے تکلیف سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وانیہ تلخی سے مسکرائی۔

تم اسے نہیں، خود کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ تم جانتے تھے وہ سیف کے پاس جائے گی اور تمہیں اس سے تکلیف ہوتی۔

چند لمحوں کے لیے دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

وہ سیف کے پاس جاتی تو بھی خالی ہاتھ ہی واپس آتی اور خالی ہاتھوں کو دیکھ کر کتنی تکلیف ہوتی ہے یہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔

شہریار نے دھیرے سے کہا۔ اس کی آواز میں عجیب سی تھکن تھی۔

کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بھی اگر ہاتھ خالی رہ جائیں تو انسان کے اندر کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے دل کو دیمک لگ جاتی ہے اور وہ دیمک خاموشی سے اس کے وجود کو اندر ہی اندر کھا جاتی ہے۔ اس کے دل کی رونق ماند پڑ جاتی ہے،

احساسات بکھرنے لگتے ہیں اور وہ ایک ویران مکان کی طرح سنسان ہو جاتا ہے۔ زندگی کی چہل پہل کی جگہ صرف خاموشی رہ جاتی ہے۔

شہریار سب ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔ پھر اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی تھکن اور بے بسی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا وہاں سے دور ہوتا چلا گیا۔

وانیہ خاموش بیٹھی اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

وہ ٹھیک ہی تو کہہ کر گیا تھا۔ محبت کرنے والوں کو اگر محبت نہ ملے تو ان کے دل کو دیمک لگ جاتی ہے۔ ایک ایسی دیمک جو خاموشی سے وجود کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتی ہے۔

ہسپتال کے کوریڈور میں لوگوں کے قدموں کی آہٹیں گونج رہی تھیں۔ کبھی کسی اسٹریچر کے پہیوں کی آواز سنائی دیتی، کبھی کسی نرس کی تیز چال۔ مگر اس لمحے وانیہ کے دل میں پھیلی خاموشی ان تمام آوازوں سے کہیں زیادہ گہری اور بھاری تھی۔

✦ ✦ ✦

ہال میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ روشنیوں سے جگمگاتا وسیع ہال مہمانوں کی آوازوں اور ہلکی ہلکی سرگوشیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر طرف قہقہوں، باتوں اور مبارک باد کے جملوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔

اسٹیج پر سیف اور مومنہ ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جیسے وہ اس لمحے کی اہمیت کو محسوس کر رہے ہوں۔ اسٹیج رنگ برنگی روشنیوں اور پھولوں سے سجا ہوا تھا، جس کی چمک میں دونوں اور بھی نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔

ان کے سامنے میز پر مٹھائی کے ڈبے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے، جن کی خوشبو ہلکی ہلکی فضا میں گھل رہی تھی۔ سامنے بیٹھے مہمانوں کی نظریں بار بار اسٹیج کی طرف اٹھ جاتیں اور کیمرے کی فلیش لائٹس وقفے وقفے سے چمک اٹھتیں۔

اسی دوران ارحم آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسٹیج پر آیا اور مومنہ کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے کیمرہ مین کو اشارہ کیا۔ اشارہ ملتے ہی کیمرہ مین نے فوراً کیمرہ سیدھا کیا اور تصویریں لینا شروع کی۔

ارحم تھوڑا سا مومنہ کی طرف جھکا اور آہستہ سے بولا۔

ویسے مومنہ، ایک بات کہوں؟

ہمم بولو۔ مومنہ نے سر ذرا سا چہرہ اس کی طرف موڑا اور دبے لہجے میں کہا۔

ارحم کے ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ آگئی۔
آج تم کافی پیاری لگ رہی ہو – لگتا ہے میک اپ والی نے تم پر خاصی محنت کی ہے۔
مومنہ نے فوراً اسے گھور کر دیکھا۔
اپنا منہ بند رکھو۔
سچ ہی تو کہہ رہا ہوں۔
ارحم نے کندھے اچکائے۔ مومنہ نے بے زاری سے نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔
جاؤ یہاں سے، تنگ مت کرو۔
ویسے کتنے پیسے ضائع کر کے آئی ہو آج؟
ارحم نے جیسے بات کو مزید چھیڑنے کا ارادہ کر لیا ہو۔ مومنہ کا صبر جواب دینے لگا۔ اس نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔
تم جا رہے ہو یا نہیں؟
نہیں۔
ارحم نے اطمینان سے اپنی جگہ پر سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا، جیسے اسے مومنہ کی جھنجھلاہٹ سے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔ اس کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔ جس نے مومنہ کو مزید چڑھا دیا۔
تمہارا تو میں ابا کو بتاؤں گی۔
اوہ – تمہارا تو میں ابا کو بتاؤں گی۔ ارحم نے فوراً منہ بنا کر اس کے الفاظ دہرا دیے۔ پھر وہ ذرا سا اس کے قریب جھکا۔
اب ابا کے نام کی جگہ شوہر کا نام لے لو۔ زیادہ مناسب لگے گا۔
مومنہ نے اسے گھور کر دیکھا۔
تم باز نہیں آؤ گے نا؟
ارحم نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔
مومنہ نے گہری سانس لی۔
ٹھیک ہے، پھر میں تمہیں ابا اور سیف دونوں سے پٹواؤں گی۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔
ارحم نے بے پرواہی سے کندھے اچکائے۔
پہلی بات تو یہ کہ اچھی لڑکیاں اپنے شوہر کا نام نہیں لیتیں اور دوسری بات -- اس نے ذرا سا سینہ تان کر کہا۔

تمہارے شوہر سے بھی میں دو دو ہاتھ کر لوں گا۔ زیادہ دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس سے ڈرتا نہیں ہوں۔

اسٹیج پر بیٹھا سیف یہ سب سن کر ہلکا سا مسکرا دیا۔ پھر اس نے اطمینان سے کہا۔

ارحم، ابھی دو دو ہاتھ کر لیتے ہیں۔

ارحم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، مگر اگلے ہی لمحے وہ اپنی قمیض درست کرتے ہوئے بولا۔

نہیں، ابھی نہیں۔ ابھی تو میرے کپڑے خراب ہو جائیں گے۔

اس نے بالکل سنجیدہ لہجے میں کہا، جیسے واقعی اسے اپنے کپڑوں کی فکر ہو۔ پھر لاپرواہی سے ہاتھ بالوں تک لے جا کر انہیں پیچھے کی طرف سنوارا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

اور آج تو میں خاصا پیارا بھی لگ رہا ہوں۔

اس نے خود اعتمادی سے کہا۔

مومنہ سامنے کی طرف دیکھ رہی تھی، وہ بے اختیار مسکرائی۔ مومنہ نے سر جھکا لیا۔

اسی لمحے صفا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے قریب آئی۔ وہ سیف اور مومنہ کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی۔

دودھ پلائی کی رسم ہونے لگی ہے۔ وہ ذرا سا جھک کر مومنہ کے کان کے قریب دھیمی آواز میں بولی۔

مومنہ نے آہستہ سے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔

حرا اور منہا اس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔ منہا کے ہاتھ میں شیشے کی ایک خوبصورت پلیٹ تھی، جسے پھولوں اور موتیوں سے سجایا گیا تھا۔ اس پلیٹ کے عین درمیان دودھ سے بھرا ایک گلاس رکھا تھا، جس کی سطح پر باریک کٹے پستے اور بادام ہلکے ہلکے تیر رہے تھے۔ حرا اور منہا کے چہروں پر شرارتی سی مسکراہٹ تھی، جیسے وہ اس رسم کے دلچسپ لمحے کا لطف پہلے ہی سے محسوس کر رہی ہوں۔

ارحم فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مومنہ نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، مگر اگلے ہی لمحے اس کی توجہ دوبارہ سامنے آتی لڑکیوں کی طرف چلی گئی۔

چند ہی لمحوں میں حرا اور منہا سیف کے قریب آکر رک گئیں۔ ان کے سامنے رکھی میز ہٹا دی گئی تاکہ رسم آسانی سے ہو سکے۔ آہستہ آہستہ اسٹیج کے اردگرد لوگوں کا ہجوم جمع ہونے لگا۔

حارث، احمد، علی، صفا کے ساتھ صوفے کے پیچھے آکر کھڑے ہو گئے۔ سب کے چہروں پر تجسس اور مسکراہٹیں تھیں۔

صفا نے ذرا سا مڑ کر حارث کی طرف دیکھا۔

حیدر اور حمزہ چلے گئے کیا؟

ہاں، چلے گئے۔ حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔

ارحم بھی آکر حارث کے پاس کھڑا ہو گیا۔ سب کی نظریں مسلسل اسٹیج کی طرف تھیں۔

اسماء، خدیجہ بیگم کا ہاتھ تھامے اسٹیج پر آئیں اور صوفے کے قریب رکھی کرسیوں پر آکر بیٹھ گئیں۔

اب سب کی نظریں سیف اور مومنہ پر مرکوز تھیں۔

مومنہ نے ایک لمحے کے لیے نظریں جھکا لیں۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ سیف نے سامنے کھڑے لوگوں کے چہروں کی طرف دیکھا۔ وہاں موجود ہر شخص کے چہرے پر ایک عجیب سی خوشی اور ایکسائٹمنٹ تھی۔

منہا نے دودھ کا گلاس آگے بڑھایا۔

سیف ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گلاس پکڑنے ہی لگا تھا کہ منہا نے فوراً ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

ایک منٹ۔۔۔

اس کے لہجے میں شرارت صاف جھلک رہی تھی۔ سب لوگوں کی نظریں فوراً اس کی طرف اٹھ گئیں۔

یہ رسم ایسے تھوڑی ہوتی ہے، پہلے آپ سے اچھی خاصی رقم لی جائے گی، تب جا کر دودھ ملے گا۔ منہا نے ذرا سا گلاس سنبھالتے ہوئے کہا۔

سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں مزاح کی ہلکی سی چمک تھی۔

کس چیز کے پیسے؟

اسی لمحے حارث فوراً بول اٹھا۔ اس کے سوال پر سب کی نظریں ایک دم اس کی طرف مڑ گئیں۔

ابھی تو بتایا ہے — دودھ کے۔ منہا نے بغیر ہچکچائے جواب دیا۔

اگر ایسی بات ہے تو ہمیں دودھ نہیں چاہیے، آپ لوگ واپس لے جائیں۔

حارث نے فوراً کندھے اچکائے اور بے پروائی سے کہا۔

اس کے جواب پر چند لوگ مسکرا دیے۔

دودھ تو پینا پڑے گا اور پیسے بھی دینے ہوں گے۔ اس بار حرا نے کہا۔
یہ تو اچھی خاصی زبردستی ہے۔ حارث نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔
زبردستی ہی سمجھ لیں۔
منہا نے کہتے ہوئے دودھ کا گلاس دوبارہ سیف کی طرف بڑھا دیا مگر اس بار سیف نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔
وہ خاموشی سے گلاس کو دیکھتا رہا، جیسے وہ بھی اس چھوٹی سی شرارتی جنگ کا لطف لے رہا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اب بھی موجود تھی، جبکہ اسٹیج کے اردگرد کھڑے لوگ اگلے منظر کے انتظار میں تھے۔
گلاس اٹھا لو۔۔۔
علی نے آہستہ سے حارث کا بازو ہلاتے ہوئے سرگوشی کی۔
حارث نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، پھر بغیر کچھ کہے ہاتھ بڑھایا اور دودھ کا گلاس اٹھا لیا۔
منہا نے فوراً پلیٹ پیچھے کھینچی، مگر دیر ہو چکی تھی۔
حارث گلاس اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا۔ وہ گلاس تھامے ذرا سا پیچھے ہٹ گیا۔
اس کے اس عمل پر اردگرد کھڑے سب لوگوں کی نظریں فوراً اس کی طرف اٹھ گئیں۔
اوہہہ۔۔۔
ہجوم میں سے کئی آوازیں ایک ساتھ ابھریں اور ساتھ ہی قہقہوں کی گونج بھی پھیل گئی۔
دور بیٹھے مہمان بھی اب اسٹیج کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ سب کی آنکھوں میں تجسس اور دلچسپی جھلک رہی تھی۔
یہ کیا بات ہوئی۔۔۔؟ منہا فوراً بول اٹھی۔
سیف نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ اس کی نظریں سیدھی حارث پر جا ٹھہریں۔
حارث نے گلاس میں لگی سٹرا منہ تک لے جا کر دودھ پینے کی کوشش کی، مگر دودھ اوپر نہیں آیا۔
پہلا حق دلہے اور دلہن کا ہوتا ہے۔ حرا نے فوراً اسے دیکھ کر کہا۔
میں تو بس چیک کر رہا ہوں کہ دودھ خراب تو نہیں ہے۔
حارث نے بالکل سنجیدہ چہرہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی بات پر اردگرد کھڑے کئی لوگ ہنس پڑے۔
نہیں۔۔۔
یہ غلط بات ہے۔۔۔

چند لوگوں کی آوازیں سنائی دی۔ اب سب کی نظریں انہی پر جمی ہوئی تھیں۔
حارث بھائی، مجھے بھی دیں۔ اسی دوران احمد بھی بول پڑا۔
حارث نے سٹرا باہر نکالی، پھر گلاس کو منہ لگا کر ایک گھونٹ بھر لیا۔
منہا اور حرا ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں، جیسے انہیں یقین ہی نہ آ رہا ہو کہ وہ واقعی ایسا کر رہا ہے۔
دودھ تو مزے کا ہے۔
حارث نے چند گھونٹ بھرے، یہ کہہ کر اس نے گلاس سیف کی طرف بڑھا دیا۔
اسی وقت احمد دوبارہ سے بولا۔
بھائی، مجھے بھی دیں۔
ارحم نے ایک نظر اس کی طرف ڈالی۔
پہلے سیف کو پینے دو۔ حارث نے کہا۔
صفا نے فوراً آگے بڑھ کر حارث کے کندھے پر ہلکا سا تھپڑ لگایا۔
جب خود پی رہے تھے تب سیف یاد نہیں آیا تھا؟
اس کی بات پر حارث مسکرایا۔
سیف نے گلاس تھام لیا، مگر حارث نے ابھی تک گلاس کو پوری طرح چھوڑا نہیں تھا۔ سیف نے ایک گھونٹ بھرا۔
مزے کا ہے نا۔۔۔؟
حارث فوراً شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
منہا اس لمحے حارث کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی، جبکہ حارث اپنی مسکراہٹ دبانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔
اور پی لو۔۔۔ حارث نے دوبارہ گلاس آگے کرتے ہوئے کہا۔
نہیں، بس۔۔۔
سیف نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔
مومنہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جبکہ باقی سب لوگ اسٹیج کے اردگرد کھڑے مسکرا کر سرگوشیوں میں مصروف تھے۔

حارث نے گلاس ارحم کی طرف بڑھا دیا۔ ارحم نے گلاس لیا، مگر دودھ نہیں پیا۔ اس نے ہنستے ہوئے وہ گلاس علی کو دے دیا۔ چند ہی لمحوں میں گلاس ہاتھوں ہاتھ گھومتا ہوا خالی ہو گیا۔

منہا نے خالی گلاس کو دیکھا اور بولی۔

اب ہمارے دودھ کے پیسے دے دیں۔

احمد نے حیرت سے بھنویں اٹھائیں۔

کون سا دودھ؟

جو ابھی پیا ہے۔ حرا فوراً بولی۔

سیف کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

کتنے پیسے چاہیے۔۔۔؟

کم از کم پچاس ہزار تو بنتے ہیں۔ منہا نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کہا۔

پچاس ہزار۔۔۔؟ حارث فوراً حیران ہو کر بولا—یہ دودھ تھا یا سونا؟

منہا اور حرا مسکرا دی۔

سیف نے مسکراتے ہوئے جیب سے اپنا بٹوہ نکالا۔ اس نے نوٹ گننے شروع کیے اور ٹھیک پچاس ہزار نکال کر منہا کی طرف بڑھا دیے۔

واہ۔۔۔ آپ نے تو واقعی پچاس ہزار دے دیے۔

منہا کے چہرے پر خوشی سے بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے فوراً پیسے تھام لیے۔

آپ کی خوشی سے بڑھ کر تو نہیں ہیں یہ۔۔۔

اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

یہ سن کر سب کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے تیز ہو گئی۔ سب کے دل میں، جیسے خوشی کی ایک نرم سی لہر دوڑ گئی۔

اوہہہ۔۔۔

اسٹیج کے اردگرد کھڑے سب لوگوں کی مسکراہٹ بھری آوازیں ایک ساتھ گونج اٹھیں۔ وہ آوازیں آسمان کو چھو لینے والی تھی۔ سیف کے الفاظ جیسے سب کے دل کو چھو گئے تھے۔

اسی لمحے خالہ فاطمہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی، منہا کے قریب آئیں۔ وہ ذرا سا جھکیں۔

آدھے پیسے واپس کر دو۔۔۔

انہوں نے اس کے کان کے قریب دھیمی آواز میں کہا۔

منہا نے ان کی طرف دیکھا، ایک لمحے کو اس کے چہرے کی شرارت سنجیدگی میں بدل گئی ہو۔ پھر اس نے خاموشی سے ہاتھ میں تھامے نوٹ گننے شروع کر دیے۔ اس نے بیس ہزار الگ کیے اور حرا کی طرف بڑھا دیے۔

حرا نے بغیر کچھ کہے پیسے تھام لیے۔

منہا نے ایک لمحہ رک کر سیف کی طرف دیکھا۔ پھر باقی کے تیس ہزار آہستہ سے اس کی طرف بڑھائے۔

یہ لیں۔۔۔

سیف نے ایک نظر ان پیسوں پر ڈالی، پھر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

نہیں، اب یہ تمہارے ہیں۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

منہا نے فوراً سر ہلایا۔ میں نے ان میں سے رکھ لیے ہیں۔

رکھ لو منہا۔۔۔

سیف کے قریب کھڑی صفا نے کہا۔ منہا نے صفا کی طرف دیکھا اور اپنا سر نہ میں ہلایا۔ وہ واقعی واپس کرنے پر بضد تھی۔ اس نے دوبارہ ہاتھ آگے بڑھایا۔

نئیں، ہُن ایہہ تیرے ہی نیں۔ چُپ کر کے رکھ لَے۔ اب کی بار خدیجہ بیگم بولی۔ سب کی نظریں ان تک گئی۔

خالہ ہم نے رکھ لیے ہیں۔ اسماء نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

کوئی گل نہیں، ایہہ وی رکھ لو۔

چند لمحوں کے لیے دونوں کے درمیان ایک خاموش سی کشمکش کھڑی ہو گئی — ایک واپس کرنے پر تھا اور دوسرا لینے کو تیار ہی نہیں تھا۔

آخرکار منہا نے ہار مانتے ہوئے گہری سانس لی۔ اس نے پیسے واپس سمیٹے اور آہستہ سے اپنے ہاتھ میں رکھ لیے۔ اس چھوٹے سے لمحے میں بھی ایک اپنائیت، ایک محبت بھری نرمی چھپی ہوئی تھی، جو اس لمحے کو اور بھی خوبصورت بنا رہی تھی۔

اسٹیج کے گرد آہستہ آہستہ ہجوم کم ہونے لگا۔ قہقہوں اور باتوں کی گونج مدھم پڑتی جا رہی تھی۔

منہا اور حرا بھی خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

سارا سامان گاڑی میں رکھ دو۔۔۔ صفا نے علی اور احمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

علی اور احمد نے فوراً سر ہلایا اور سامان سمیٹنے میں لگ گئے۔ ادھر باقی سب بھی واپسی کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

اسی دوران خدیجہ بیگم نے نرمی سے اسماء کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی اور اپنائیت تھی۔

اب ہمیں اجازت دیں۔۔۔

اسماء کی مسکراہٹ ایک لمحے کو مدھم پڑ گئی۔ انہوں نے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھا، جیسے دل میں بہت کچھ ہو مگر لفظ ساتھ نہ دے رہے ہوں۔ پھر آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور آہستہ قدموں سے ارحم کی طرف بڑھیں۔

ارحم، اپنے ابا کو بلاؤ۔

ان کی آواز معمول سے کچھ زیادہ بھاری تھی۔

جی اماں۔۔۔

ارحم نے فوراً کہا اور تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ چند ہی لمحوں میں سب لوگ ایک ایک کر کے اکٹھے ہو گئے۔ ہمدان صاحب، ہارون اور ارحم بھی آ چکے تھے۔ فضا میں اب خوشی کی جگہ ایک ہلکی سی اداسی گھلنے لگی تھی۔

حرا آہستہ سے مومنہ کے قریب آئی اور نہایت شفقت سے اس کے سر پر چادر اوڑھ دی۔ یہ ایک چھوٹا سا عمل تھا، مگر اس کے ساتھ ہی مومنہ کا دل، جیسے بوجھل ہونے لگا۔ اس کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ وہاں موجود ہر شخص کے دل پر بھی، جیسے ایک خاموش سی اداسی چھا گئی تھی۔

سیف اور مومنہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حرا، مومنہ کے ساتھ کھڑی اسے سنبھالے ہوئے تھی، جیسے وہ جانتی ہو کہ یہ لمحہ کتنا نازک ہے۔

چاروں طرف ایک عجیب سی خاموشی پھیل گئی تھی — وہ خاموشی، جس میں بچھڑنے کا دکھ بھی تھا اور نئی زندگی کی شروعات کا احساس بھی۔

ہال کے دروازے تک پہنچتے پہنچتے جیسے وقت کی رفتار سست پڑ گئی تھی۔ روشنی، آوازیں، لوگ — سب کچھ وہی تھا، مگر فضا میں ایک ایسی اداسی گھل چکی تھی جو ہر دل کو چھو رہی تھی۔

مومنہ کے قدم بوجھل ہو گئے تھے۔ ہر قدم کے ساتھ اسے یوں محسوس ہوتا، جیسے اس کے وجود کا کوئی حصہ پیچھے رہتا جا رہا ہو۔ یہ صرف چند قدموں کا فاصلہ نہیں تھا۔ یہ ایک پوری زندگی سے دوسری زندگی کی طرف سفر تھا۔

اسماء اس کے قریب آئیں۔ ایک لمحہ – بس ایک لمحہ –

اور وہ خود کو روک نہ سکیں۔ انہوں نے مومنہ کو اپنے ساتھ اس شدت سے لگا لیا، جیسے وہ اسے اپنی باہوں میں چھپا لینا چاہتی ہوں، جیسے وقت کو وہیں روک دینا چاہتی ہوں۔

ان کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ ان کی آواز ٹوٹ گئی۔

اپنا خیال رکھنا۔۔۔

مومنہ کے آنسو اس کی پلکوں سے بہہ نکلے – بے آواز – مگر بہت گہرے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں، جیسے اس لمحے کو اپنے اندر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لینا چاہتی ہو۔

ارحم یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی وہ مانوس شوخی کہیں گم ہو چکی تھی۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا مومنہ کے قریب آیا۔ اس نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے مومنہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کی گرفت مضبوط تھی – جیسے وہ اسے جانے سے روک لینا چاہتا ہو۔

اس کا دل بے چینی سے بھرا ہوا تھا۔ وہ جو کہتا تھا – تم چلی جاؤ گی تو مجھے سکون مل جائے گا، مگر آج اس کا سکون کہیں کھو گیا تھا۔

اسی لمحے ہمدان صاحب آگے بڑھے۔

ان کے قدموں میں ایک ٹھہراؤ تھا، مگر دل میں چھپا طوفان صاف محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے مومنہ کے سر پر ہاتھ رکھا – وہی ہاتھ، جو ہمیشہ اس کے لیے سایہ بن کر رہا تھا۔ پھر انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

مومنہ کے آنسو، جیسے ایک لمحے کو تھم گئے۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اس لمحے کو پوری شدت سے محسوس کیا – اس نے پھر سے محسوس کیا – کہ اس کے ابا کے دل کی دھڑکن مدم چل رہی تھی۔ وہ ان کی دھڑکن کو محسوس کر سکتی تھی۔

ہارون بھی آگے بڑھا۔ اس کے چہرے پر نرمی اور آنکھوں میں خلوص تھا۔ اس نے مومنہ کو بے حد شفقت سے گلے لگایا۔

ہارون کے بعد حرا نے بے حد پیار سے ایک بہن کی طرح اس کو گلے لگایا۔

اسی دوران سیف نے احترام سے ہمدان صاحب کا ہاتھ تھاما اور دھیمے مگر پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

انکل، ہم مومنہ کا بہت خیال رکھیں گے۔ آپ کو کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔

ہمدان صاحب نے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں دکھ بھی تھا، فکر بھی، مگر اس کے ساتھ ایک خاموش سا اعتماد بھی شامل تھا۔

اگلے ہی لمحے انہوں نے سیف کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

یہ محض ایک گلے ملنا نہیں تھا — یہ ایک باپ کا اپنی بیٹی کو کسی اور کے حوالے کرنے کا لمحہ تھا — ایک بھاری لمحہ —

گاڑی دروازے پر آ گئی تھی۔ باہر سورج اپنے آخرین لمحے گزار رہا تھا، آسمان پر مختلف رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جس میں شام کی خوشبو ملی ہوئی تھی۔

سب لوگ گاڑی کے پاس کھڑے تھے۔ ان کے چہرے اترے ہوئے، نظریں اداس، مگر بھرپور محبت سے بھری ہوئی تھیں۔ الفاظ زبان سے ادا نہیں ہو رہے تھے بس دل کی دھڑکنیں خاموشی میں ایک دوسرے سے بات کر رہی تھیں۔

مومنہ کو احتیاط سے گاڑی میں بٹھایا گیا۔ چند لمحوں میں سیف بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے نرمی سے گاڑی کا دروازہ بند کیا۔

گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ باہر سے ہلکی ہوا کے جھونکے اندر آئے، مومنہ کے بالوں کو ہلکا سا چھو گئے اور اسے تھوڑی سی راحت محسوس ہوئی۔

مہمان اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہونے لگے۔ ہر گاڑی کے عقب سے چلتی ہوئی روشنیوں نے شام کے رنگوں میں ایک الگ ہی جھلک ڈال دی۔

اندھیرا آسمان پر پوری طرح پھیل چکا تھا، مگر زمین پر جیسے روشنی نے رات کو ہرا دیا تھا۔ گلی کے ہر کونے میں جگمگاتے بلب اور لائٹس چمک رہی تھیں۔ بچوں کی ہنسی، بڑوں کی آوازیں اور ہلکی ہلکی گہما گہمی فضا میں گھلی ہوئی تھی، جیسے ہر سانس میں خوشی رچی ہوئی ہو۔

گھر اور گلی دونوں روشنیوں سے نہا رہے تھے۔ دروازے کے قریب گاڑیاں ایک کے بعد ایک آ کر آہستہ سے رک رہی تھیں اور ان میں سے مہمان اترتے جا رہے تھے۔ حمزہ، حیدر اور اختر پہلے ہی باہر کھڑے تھے۔

ایک گاڑی دروازے کے سامنے آ کر رکی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور اس میں سے خالو سرفراز، خدیجہ بیگم، صفا اور نور باہر آئیں۔

ان کے اترتے ہی دوسری گاڑی بھی آکر رکی۔ اس میں سے مریم، زویا، خالہ عائشہ، ایزا اور مومل باہر نکلیں۔
زویا نے ایک لمحے کو رک کر سامنے کھڑے اس روشن گھر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک اتری۔ سب آہستہ آہستہ دروازے کے قریب جمع ہونے لگے۔
اردگرد کے گھروں کی خواتین بھی اس رونق سے بے خبر نہ رہ سکیں۔ وہ اپنے اپنے دروازوں اور کھڑکیوں سے جھانک کر یہ منظر دیکھنے لگیں، جیسے یہ لمحہ ان سب کے لیے بھی کسی خوشی سے کم نہ ہو۔
اسی دوران پھولوں سے سجی ہوئی گاڑی دروازے کے سامنے آکر رکی۔
ماحول میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ سب نظریں ایک ہی سمت میں جم گئیں۔ گھر کا دروازہ پوری طرح کھول دیا گیا۔
گاڑی کا دروازہ کھلا — سیف باہر اترا۔
اس کے اترتے ہی صفا اور مریم فوراً آگے بڑھیں۔ انہوں نے نرمی سے مومنہ کے کپڑے سنبھالتے ہوئے اسے گاڑی سے باہر نکلنے میں مدد دی۔
ہر نظر اب مومنہ پر ٹھہر گئی تھی — وہ لمحہ، جس کا سب کو انتظار تھا، سامنے آچکا تھا۔
سکینہ۔۔۔
خدیجہ بیگم کی آواز فضا میں گونجی۔
جی دادی۔۔۔
سکینہ اندر سے دوڑتی ہوئی باہر آئی۔
جا، جا کے تیل لے کے آ۔۔۔
اچھا دادی۔۔۔
وہ فوراً پلٹی اور تیزی سے اندر کی طرف بھاگ گئی۔ دروازے پر کھڑے سب لوگ اس رسم کے آغاز کا انتظار کر رہے تھے۔ فضا میں ایک خوبصورت بے چینی، ایک نرم سی خوشی تیر رہی تھی، جیسے کوئی یادگار لمحہ اپنی تکمیل کے قریب ہو۔
چند ہی لمحوں میں وہ تیل کی چھوٹی سی بوتل ہاتھ میں لیے واپس آگئی۔ اس کی سانسیں ہلکی ہلکی تیز تھیں، مگر چہرے پر ایک خوشی بھری سنجیدگی تھی۔
ادھر مومنہ گاڑی سے باہر آچکی تھی۔ صفا نے نرمی سے اس کے سر سے چادر اتاری اور مریم کے ہاتھ میں تھما دی، جیسے ہر چیز کو ترتیب سے سنبھالا جا رہا ہو۔

سیف اور مومنہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ دونوں کے درمیان ایک خاموش سی ہم آہنگی تھی—نہ کوئی لفظ، نہ کوئی آواز، مگر ایک مضبوط ساتھ کا احساس صاف محسوس ہو رہا تھا۔

دروازے پر پہنچ کر خدیجہ بیگم آگے بڑھیں۔ انہوں نے جھک کر دروازے کی دونوں اطراف زمین پر تیل ٹپکایا۔ تیل کی ہلکی سی چمک روشنی میں جھلملائی، جیسے اس لمحے کو کسی روایت کی مہر مل رہی ہو۔

اسی لمحے حمزہ، احمد اور علی نے فوراً پٹاخوں کی بارش کر دی۔ ان کی تیز آواز سب کے کانوں تک پہنچی۔ سب نے آسمان میں بکھرتے رنگوں کو دیکھا۔

خدیجہ بیگم نے بوتل واپس سکینہ کے ہاتھ میں تھما دی اور اپنے بیگ سے پیسے نکالے۔ انہوں نے مومنہ اور سیف کے سر پر سے پیسے وارے—ایک دعا، ایک حفاظت، ایک خاموش سی خیر و برکت کی رسم۔

اس کے بعد وہ ذرا سا ایک طرف ہوئیں اور نرمی سے راستہ دے دیا۔

سیف اور مومنہ ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے باقی سب بھی آہستہ آہستہ اندر آتے گئے، مگر اس لمحے کی مرکزیت صرف انہی دونوں کے گرد تھی۔

مومنہ کا ہاتھ سیف کے ہاتھ میں تھا—ایک ہلکی سی گرفت، مگر ایک نیا اعتماد، ایک نئی وابستگی چھپی ہوئی تھی۔ انہیں آہستہ آہستہ سیف کے کمرے کی طرف لے جایا گیا۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نرم سی خوشبو نے ان کا استقبال کیا۔

مومنہ آہستہ سے اندر داخل ہوئی۔ اس کی نظریں اردگرد پھیلی سجاوٹ پر ٹھہر گئیں۔

کمرہ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ دیواروں پر سجے گلاب کے پھول اپنی مہک بکھیر رہے تھے۔ گلاب کی پتیاں بستر پر بکھری ہوئی تھیں، پردے ہلکی ہوا سے مدھم مدھم ہل رہے تھے ہر طرف ایک ہلکی سی رومانویت—ایک خاموش سی خوبصورتی پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے میں پھیلی خوشبو ایک عجیب سا سکون دے رہی تھی۔

مومنہ ایک لمحے کے لیے وہیں ٹھہر گئی، جیسے اس منظر کو اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتی ہو۔ یہ کمرہ اب صرف ایک کمرہ نہیں رہا تھا—یہ اس کی نئی زندگی کی پہلی سرحد تھا—جہاں ہر چیز نئی تھی۔

صفا نے نرمی سے مومنہ کا ہاتھ تھاما اور اسے آہستہ سے صوفے پر بٹھا دیا۔

مومنہ ہلکی سی جھجک کے ساتھ کنارے پر بیٹھ گئی۔ سیف بھی اس کے ساتھ صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے میں ایک سنجیدہ سی نرمی تھی—نہ زیادہ قریب، نہ زیادہ دور۔

ایزی ہو کر بیٹھ جاؤ۔
صفا نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔
مومنہ نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا، پھر ہلکا سا سر ہلا دیا اور اس سے کچھ کہنے لگی۔
مریم خاموشی سے مومنہ کی چادر الماری میں رکھنے لگی۔
زویا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے قریب گئی۔ اس کے ننھے قدموں میں ایک معصوم سی بے فکری تھی۔ اس نے جھک کر بستر پر بکھری گلاب کی پتیاں اپنی چھوٹی چھوٹی ہتھیلیوں میں سمیٹ لیں۔ پھر وہ مڑ کر سیف کی طرف آئی۔
اس نے اپنی بند مٹھی سیف کے سامنے کی، جیسے کوئی قیمتی خزانہ پیش کر رہی ہو۔
سیف نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
زویا نے آہستہ سے اپنی مٹھی کھولی اور وہ پتیاں اس کی جھولی میں ڈال دیں۔ کمرے میں ایک لمحے کو نرمی سی پھیل گئی۔
سیف کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے چند پتیاں اٹھائی اور پیار سے زویا کے سر پر رکھ دیے۔
زویا نے فوراً سے مسکراتے ہوئے اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس کے چہرے پر معصوم سی حیرت اور خوشی ایک ساتھ جھلک رہی تھی۔
باہر سے آتی آوازوں میں اچانک اضافہ ہونے لگا — دبی دبی سرگوشیاں، ہلکی ہلکی ہنسی اور دروازے کے قریب آتے قدموں کی چاپ —
سیف نے ایک لمحے کو چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔
خدیجہ بیگم چند گلی کی خواتین اور بچیوں کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں تجسس تھا، چہروں پر گرمجوش مسکراہٹیں تھیں۔ وہ سب نئی دلہن کی جھلک دیکھنے آئیں تھیں۔
سیف فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
خواتین نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا، دعائیں دیں، مبارکباد دی۔
صفا بھی جلدی سے اٹھ کر ان سے ملنے لگی، ایک ایک کو خوش آمدید کہتے ہوئے۔

سیف آہستہ قدموں سے بیڈ کے قریب گیا۔ اس نے خاموشی سے اپنے سر سے پگڑی اتاری اور سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔ ایک لمحے کو اس کی نظر مومنہ پر ٹھہری۔ پھر وہ بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا، جیسے اس لمحے کو عورتوں کے لیے چھوڑ دینا چاہتا ہو۔

بیٹھ جاؤ۔۔۔

خدیجہ بیگم نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

خواتین بیڈ کے کنارے آکر بیٹھ گئیں، جبکہ بچیاں ذرا فاصلے پر کھڑی ہو کر تجسس سے مومنہ کو دیکھنے لگیں۔

ماشاءاللہ خالہ، دلہن تو بہت پیاری لے کر آئیں ہیں۔

ایک خاتون نے دل سے کہا۔

واقعی خالہ۔۔۔ایک اور خاتون بولی۔

ماشاءاللہ۔۔۔ خدیجہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اللہ نصیب اچھے کرے۔۔۔ایک اور آواز ابھری، دعا سے بھری ہوئی۔

آمین۔۔۔

کمرے میں ایک ساتھ کئی آوازیں گونجیں، جیسے ہر دل نے ایک ہی وقت میں یہی چاہا ہو۔

جا صفا، مٹھائی لے کے آ۔ منہ میٹھا کرا۔

خدیجہ بیگم نے صفا کو دیکھ کر کہا۔

ابھی لائی، دادی۔ صفا مسکراتے ہوئے کہتی باہر نکل گئی۔

مریم زویا کو لے کر ایک طرف ہو گئی۔ چھوٹی بچیاں چپ چاپ کھڑی، بڑی سنجیدگی سے مومنہ کو دیکھ رہی تھیں۔ کوئی اس کے لباس کے نفیس کام کو دیکھ رہی تھی تو کوئی اس کے زیور کی چمک میں کھوئی تھی اور کوئی اس کے جھکے ہوئے چہرے کی شرماتی ہوئی خوبصورتی کو محسوس کر رہی تھی۔

زویا وہ بھی انہی کی طرح کھڑی سب کو دیکھ رہی تھی، جیسے یہ سارا منظر اس کے لیے کوئی نیا کھیل ہو۔

مومنہ خاموش بیٹھی تھی۔ سر جھکائے، ہاتھ آہستہ سے ایک دوسرے میں سمٹے ہوئے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔ یہ سب اس کے لیے نیا نہیں تھا۔

رات آہستہ آہستہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ آسمان پر چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا، جیسے زمین پر بکھری ہر خوشی کا خاموش گواہ ہو۔ اس کی نرم چاندنی صحن میں پھیلی ہوئی تھی — وہی صحن جو کچھ دیر پہلے قہقہوں اور آوازوں سے بھرا ہوا تھا، اب خالی پڑا تھا — مگر اس کی فضا میں اب بھی مدھم سی گونج باقی تھی۔

صفا کے کمرے میں ایک الگ ہی رونق لگی ہوئی تھی۔ سب وہیں جمع تھے، جیسے تھکن کے باوجود محفل ختم کرنے کا دل نہ ہو۔

بیڈ پر خدیجہ بیگم، ممانی مہروش، خالہ عائشہ، خالہ زمل اور ایزا بیٹھی تھیں، جبکہ صوفے پر علی، احمد اور حیدر نیم دراز انداز میں بیٹھے ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھے۔

نیچے فرش پر زویا، امایہ، مومل اور زوحل بیٹھی تھیں۔ زویا مومل کے ساتھ جڑی، موبائل اسکرین میں کھوئی ہوئی تھی، جبکہ زوحل کبھی ان کی طرف دیکھتی، کبھی اوپر بیٹھی محفل کی باتوں میں دل لگاتی۔

کمرے میں ہنسی مذاق کی آوازیں مسلسل گونج رہی تھیں — کبھی کوئی جملہ، کبھی کوئی چھیڑ چھاڑ اور پھر ایک ساتھ اٹھتا قہقہہ۔

دروازہ ہلکے سے کھلا۔

ممانی مہروا اندر داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی، جس سے اٹھتی بھاپ اور خوشبو نے جیسے پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

چائے کو دیکھتے ہی سب ذرا سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، جیسے اسی لمحے کا انتظار ہو۔

قسم سے ممانی، بہت طلب ہو رہی تھی۔ زوحل نے فوراً سے کہا۔

مجھے بھی۔۔۔

اس کے ساتھ ہی علی کی آواز ابھری۔

ممانی مہروا نے مسکرا کر سب کی طرف دیکھا، پھر ایک ایک کر کے کپ آگے بڑھانے لگیں۔ ہر کوئی اپنا کپ تھام رہا تھا۔ باتوں کا سلسلہ ویسے کا ویسے ہی جاری تھا — نہ ہنسی کم ہوئی، نہ شور۔

اسی دوران سکینہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں دو ٹرے تھیں، جن میں کباب، کیک اور بسکٹ سجے ہوئے تھے۔

وہ آہستہ سے آگے بڑھی اور ایک ٹرے زوحل کی طرف بڑھا دی۔ زوحل نے بے فکری سے تھام کر اسے اپنے سامنے زمین پر رکھ لیا۔

سکینہ نے دوسری ٹرے ممانی مہروش کی طرف بڑھائی۔ انہوں نے ٹرے سنبھال کر نرمی سے بیڈ پر رکھ دی۔

سکینہ۔۔۔

خالہ عائشہ نے اسے آواز دی۔

سکینہ فوراً رک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

صفا، نور، مریم اور مریحا کہاں ہیں؟ ان کو بھی بلا لو۔

صفا باجی تو سیف بھائی کے کمرے میں ہیں اور باقی سب کچن میں ہیں۔

وہ رکی۔۔۔

مریم باجی زویا کے لیے کھانا گرم کر رہی ہیں۔ نور باجی اور مریحا آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ سکینہ نے ترتیب سے بتایا۔

اچھا۔۔۔

خالہ عائشہ نے آہستہ سے سر ہلایا۔

سکینہ پلٹ کر دوبارہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

دروازہ آہستہ سے کھلا اور سیف کمرے میں داخل ہوا۔ اب وہ شیروانی میں نہیں تھا۔ اس کی سادگی میں ایک الگ ہی سکون تھا۔

مومنہ بیڈ کے درمیان ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر دن بھر کی تھکن صاف جھلک رہی تھی—آنکھوں میں ہلکی سی تھکن، مگر اس کے باوجود ایک نرم سی روشنی بھی تھی۔

صفا اس کے ساتھ بیٹھی آہستہ آواز میں کچھ کہہ رہی تھی۔

سیف کو دیکھتے ہی مومنہ ذرا سا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، جیسے اچانک خود کو سنبھالنے کی کوشش کی ہو۔

صفا بھی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے ایک نظر سیف کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

سیف کچھ لمحوں کے لیے دروازے کی طرف دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔

کمرے میں ایک نرم سی خاموشی چھا گئی، جیسے وقت بھی رک گیا ہو۔
مومنہ نے بے اختیار ایک گہری سانس لی، دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔
سیف آہستہ قدموں سے بیڈ کے قریب آیا۔ اس نے اپنی کلائی سے گھڑی اتاری اور سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی، پھر نرمی سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔
دونوں کے درمیان خاموشی تھی — ایسی خاموشی جس میں صرف دلوں کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں۔
سیف اس کو چند لمحوں کے لیے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں محبت تھی — نرمی تھی — احساسات تھے۔
پھر جیسے کسی خیال کے تحت اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی اور ایک چھوٹا سا ڈبہ باہر نکالا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، جیسے کوئی خوشی دل میں چھپی ہو۔
ڈبہ کھلتے ہی، اندر مخملی تہہ پر رکھی ایک نازک سونے کی بریسلٹ چمک اٹھی۔
مومنہ کی آنکھیں فوراً اسی طرف مرکوز ہو گئیں۔ وہ لمحے کے لیے ساکت رہ گئی۔
باریک سنہری چین کے بیچوں بیچ ایک تیلی چمک رہی تھی، جیسے کسی نے بہت پیار سے سنبھال کر رکھی ہو۔ اس کے پروں پر لگے چھوٹے چھوٹے پتھر ایسے جگمگا رہے تھے، جیسے کسی نے چھوٹی چھوٹی روشنیاں ایک جگہ سمیٹ دی ہوں۔
پروں کے کنارے پر سیدھی لائن میں موتیوں کی قطار بنی ہوئی تھی اور اندر کی طرف ہلکے چھوٹے موتی بکھرے ہوئے تھے۔
درمیان میں سرخ موتیوں والا حصہ ایسے لگ رہا تھا، جیسے اس کا دل ہو — خاموشی اور خوبصورت —
سیف نے بریسلٹ اٹھائی اور آہستہ سے مومنہ کی طرف بڑھائی۔
یہ، آپ کے لیے۔۔۔
اس کی آواز دھیمی اور نرم تھی، کسی راز کی طرح۔
مومنہ کے ہونٹ ہلکے سے کھلے، حیرت اور خوشی دونوں کا امتزاج واضح تھا۔ دل کے اندر ایک گرم احساس اُبھرا، ایک خاموش مسکان کے ساتھ —
مومنہ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔
سیف نے نرمی سے اس کی کلائی تھامی۔ ایک لمحہ، ایک احساس، بہت مختصر، مگر بے حد گہرا۔

سیف نے دھیرے سے بریسلٹ اس کی کلائی میں پہنا دیا۔ بریسلٹ اس کے ہاتھ پر اور بھی نمایاں ہو گئی، جیسے یہ صرف اسی کے لیے بنایا گیا ہو۔

مومنہ نے اپنی کلائی دیکھی، پھر ایک لمحے کے لیے سیف کی طرف نظر اٹھائی۔ وہ اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری — شرمیلی، مگر بے حد سچی اور دل سے محسوس کی جانے والی۔

نور اور مریحا ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں چائے کے کپ تھے۔ سکینہ خاموشی سے برتن دھونے میں مصروف جبکہ مریم پلیٹ میں چاول نکال رہی تھی۔

اسی دوران صفا کچن میں داخل ہوئی۔ اس نے ایک نظر اردگرد ڈالی اور پھر سیدھا مریم کی طرف دیکھا۔

مریم، اور چاول ہیں کیا؟

اس کی آواز سنتے ہی سب نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔

ہاں ہیں — نکال دوں؟ مریم نے نرمی سے پوچھا۔

ہاں، مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے۔

صفا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں جا کر اس نے گلاس میں پانی ڈالا، جبکہ مریم نے اس کے لیے چاول پلیٹ میں نکال دیے۔

صفا نے پلیٹ اور گلاس اٹھایا اور کچن سے باہر جانے لگی۔

صفا۔۔۔

مریم کی آواز پر وہ ٹھہر گئی۔ اس کی طرف دیکھا۔

زویا کو کچن میں بھیجنا، اسے کھانا کھلا دو، نہیں تو رات کو تنگ کرے گی۔

اچھا۔۔۔ صفا نے مختصر سا جواب دیا اور باہر نکل گئی۔

مریم پلیٹ لے کر ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئی۔ سکینہ نے ہاتھ دوپٹے سے صاف کیے اور کاؤنٹر سے چائے کا کپ اٹھا کر سب کے ساتھ آ بیٹھی۔

اسی لمحے زویا کچن میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں مومل کا موبائل تھا۔ اس کی نظریں پوری طرح اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ چلتے چلتے ایک لمحے کو رکی، سب کو دیکھا اور پھر سیدھی مریم کے پاس آ گئی۔

مریم نے اسے کرسی پر بٹھایا۔

یہ موبائل کس کا ہے؟
اس نے چاول کا چمچ بھرتے ہوئے پوچھا۔
آپی کا۔۔۔
زویا نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔
مریم نے نرمی سے اسے کھانا کھلانا شروع کیا۔
نور نے چائے کا ایک سپ لیا۔
مریم، یہ بالکل تمہارے جیسی ہے۔ نور نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
مریم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
نور کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ تھی۔
ہاں — بالکل، مریم آپی کی کاپی۔ مریحا نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔
مریم ہلکا سا مسکرا دی۔
دادی اور صفا بھی یہی کہتی ہیں کہ یہ میرے جیسی لگتی ہے۔
تو کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا؟ نور نے دلچسپی سے پوچھا۔
پہلے نہیں — لیکن اب لگنے لگا ہے۔ مریم زویا کو دیکھتے ہوئے بولی۔
کچن میں ہلکی سی ہنسی گونج اٹھی۔
آپی، آپ بھی تو اتنی پیاری ہیں — آپ کی شادی ہو گئی یا نہیں؟ مریحا نے شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔
نہیں۔۔۔
نور نے ہلکا سا سر نفی میں ہلایا۔
آپ نے کی نہیں یا کوئی ملا نہیں؟ اس بار مریحا کے لہجے میں سادہ سا تجسس تھا۔
نور کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر آنکھوں میں جیسے کوئی ان کہی سی بات ٹھہر گئی۔
کوئی ملا نہیں۔
مریحا نے حیرت سے اسے دیکھا۔
آپ اکیلی کیسے رہتی ہیں؟ مجھے تو ڈر لگتا ہے۔

نور نے کپ اٹھایا، چائے کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا۔
پہلے مجھے بھی لگتا تھا، لیکن اب نہیں لگتا۔
مریحا کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر اچانک کچھ یاد آنے پر بولی۔
اچھا، جس دن آپ یہاں آئی تھیں، تو بھائی سیف بتا رہے تھے کہ آپ پہلے افریقہ میں رہتی تھیں۔
ہمم۔۔۔ نور نے ہلکا سا سر ہلایا اور چائے کا ایک اور سپ لے لیا۔
تو آپ پاکستان کب آئیں؟
جب میں چودہ سال کی تھی۔ نور نے سادگی سے جواب دیا، مگر اس کے لہجے میں ماضی کی ہلکی سی گونج تھی۔
سکینہ اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔ مریم زویا کو کھانا کھلاتے ہوئے ان دونوں کی باتیں دلچسپی سے سن رہی تھی۔
آپ کی فیملی پاکستان کیوں شفٹ ہوئی؟
اس سوال پر نور نے مریحا کی طرف دیکھا۔ مریحا اسی کو دیکھ رہی تھی۔
فیملی نہیں۔۔۔
وہ رکی، جیسے سانس بھی رک گئی ہو۔
بس، میں اور میری چھوٹی بہن پاکستان آئی تھیں۔ اس کے الفاظ نرم تھے، مگر ان کے پیچھے ایک پوری کہانی چھپی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
لیکن آپ تو اکیلی رہتی ہیں۔ کیا آپ کی بہن افریقہ واپس چلی گئی؟
نہیں۔۔۔
نور نے آہستہ سے سر ہلایا۔
پھر۔۔۔؟
اس کی ڈیتھ ہو گئی۔
مریحا ایک لمحے کے لیے بالکل خاموش رہ گئی۔ مریم نے فوراً نور کے چہرے کی طرف دیکھا — اس کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ تھی۔
اس کی ڈیتھ کیسے ہوئی۔۔۔؟
مریحا نے چند لمحوں بعد ہمت کر کے پوچھا، اس کی آواز اب پہلے سے کہیں زیادہ دھیمی تھی۔

اس کو بہت زیادہ ڈر گزدی گئی تھیں اور۔۔۔

نور نے جملہ مکمل نہیں کیا۔

کچن میں خاموشی کی ایک بھاری لہر پھیل گئی۔ مریحا نے بے اختیار اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا، اس کی آنکھوں میں صدمہ صاف جھلک رہا تھا۔

مریم خاموشی سے نور کو دیکھ رہی تھی، جیسے وہ اس کے چہرے پر چھپے درد کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو اور نور چائے کے کپ کو دیکھ رہی تھی، جیسے اس میں کوئی کہانی لکھی ہو۔

زویا ہر چیز سے بے خبر، موبائل میں مگن تھی – اس کی معصومیت اس بھاری فضا سے بالکل الگ تھی، جیسے دو مختلف دنیائیں ایک ہی جگہ پر موجود ہوں۔

کچن کی فضا اور بھی سنجیدہ ہو گئی۔

اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟

مریحا نے ہمت کر کے دوبارہ سوال کیا۔ مریم نے فوراً مریحا کی طرف دیکھا، جیسے اسے روکنا چاہتی ہو۔

نور نے آہستہ سے آنکھیں بند کیں، پھر کھولیں۔ اس کی انگلیاں اب بھی کپ کے گرد جمی ہوئی تھیں۔

ہم افریقہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے تھے۔

نور کی آواز میں ایک عجیب سی نرمی آ گئی۔

وہاں زیادہ آسائشیں نہیں تھیں، نہ بڑے گھر، نہ جدید سہولتیں۔

وہ ہلکا سا مسکرائی، مگر اس مسکراہٹ میں ایک گہری اپنائیت تھی۔

لیکن ہم خوش تھے – ہم سب ساتھ تھے –

اس کی نظریں جیسے کسی دور کے منظر کو دیکھ رہی تھیں۔

ہمارا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ وہاں میں، میری ممی، پاپا اور میری چھوٹی بہن سب ساتھ رہتے تھے۔

وہ بہت معصوم تھی۔

نور نے زویا کی طرف دیکھا۔ نور چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی، جیسے وہ زویا میں اس کو تلاش کر رہی ہو۔

ایک دن ہم دونوں گاؤں سے باہر کنویں پر پانی لینے جا رہی تھی۔

اس کی آواز تھوڑی سی دھیمی تھی۔ نور نے نظریں واپس جھکا لیں، جیسے وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے زندہ ہو گیا ہو۔

وہ میرا ہاتھ پکڑے چل رہی تھی۔

اچانک ہمارے پاس ایک گاڑی آ کر رکی۔ ایک پرانی — سفید رنگ کی گاڑی — گاڑی کے رکنے کی آواز نے فضا کو چیر دیا تھا۔

قدم وہیں رک گئے تھے۔ دل جیسے ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔

نور ہلکا سا رکی۔

وہ میرے ساتھ ہی تھی — میرا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے۔

مریم اور مریحا خاموشی سے اسے سن رہی تھیں۔ مریم کے ہاتھ زویا کو کھانا کھلاتے ہوئے ٹھہر گئے تھے۔

گاڑی میں تین آدمی تھے۔ ایک آگے بیٹھا تھا اور دو پیچھے۔ نور کی آواز کہیں دور سے آ رہی تھی۔

دھوپ کی تیز روشنی میں گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا اور وہ دونوں باہر نکلے۔

ان کے چہروں پر کوئی جلد نہیں تھی، مگر ان کے قدم تیز تھے۔ وہ ہماری طرف آ رہے تھے۔

نور نے گہری سانس لی۔

تب مجھے سمجھ آ گیا تھا، کہ کچھ غلط ہونے والا ہے۔

زوری — اس کے ہونٹوں پر بہن کا نام آیا، اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

ہم قدم بڑھاتیں — اس سے پہلے ہی — ان کا سایہ ہم پر آ گرا۔ نور کی آواز ہلکی سی کانپی۔

موبائل کی آواز کے باوجود کچن میں ایک گہری خاموشی اتر آئی۔

ایک آدمی نے زوری کا بازو پکڑا اور دوسرے نے میرا۔

نور کی انگلیاں کپ کے گرد اور مضبوط ہو گئیں۔

زوری نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

میں پوری طاقت سے ہاتھ چھڑانے لگی، مگر وہ گرفت سرد اور بے رحم تھی۔

آڈرا۔۔۔

اس نے مجھے پکارا۔ وہ مجھے نام سے بلاتی تھی۔

نور کے چہرے پر اداس مسکراہٹ ابھری۔ کچن میں بیٹھے لوگ جیسے سانس لینا بھول گئے تھے۔
ہم چیخ رہی تھیں، رو رہی تھیں۔ ہماری آواز اس سنسان میدان میں گونج رہی تھی۔
نور کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔
میں نے اسے چھڑانے کی کوشش کی۔ زمین پر قدم جما دیے، ہاتھ جھٹکے، مگر میں بے بس رہی، ناکام رہی۔
نور رکی۔۔۔
مجھے اپنی پروا نہیں تھی، پروا تھی تو بس اس کی۔۔۔
ہم دونوں چیخ رہی تھیں، رو رہی تھیں، مگر ان کے چہروں پر کوئی احساس نہ تھا۔
نور کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔
وہ ہمیں گھسیٹتے ہوئے گاڑی کی طرف لے جا رہے تھے۔ وہاں زمین پر گھسٹتے قدم، بکھرتی سانسیں اور ٹوٹتی چیخیں تھیں۔
گاڑی کا دروازہ کھلا اور اگلے ہی لمحے، ہمیں اندر دھکیل دیا گیا۔
پھر ایک کپڑا ہمارے چہروں پر رکھا اور پھر سب کچھ دھندلا ہونے لگا۔
دروازہ زور سے بند ہوا، جیسے کسی نے ہماری آزادی پر آخری مہر لگا دی ہو۔
گاڑی چل پڑی — گاؤں، گھر، کنواں — سب پیچھے رہ گیا اور آگے بس صرف اندھیرا۔۔۔
میری آنکھیں بند ہو چکی تھی، جب دوبارہ میری آنکھیں کھلیں تو میں نے خود کو ایک بند کمرے کے فرش پر پایا۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ میرا سر بھاری ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پھٹ جائے گا، جیسے کسی نے اس پر کوئی بہت بھاری چیز رکھ دی ہو۔
زوری، وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر تھی، بے ہوش۔
میں بمشکل اٹھ کر بیٹھی۔
نور ایک لمحے کے لیے رکی۔۔۔
وہاں میں اور زوری اکیلی نہیں تھیں۔ وہاں اور بھی بہت سے بچے تھے۔
اس کی آواز میں درد صاف سنائی دے رہا تھا۔
وہ سب بے ہوش تھے۔ وہاں پر موجود ہر بچہ ڈر گز کے زیر اثر تھا۔
کچن کی فضا بھاری ہوتی جا رہی تھی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔
اس کی نظر مجھ تک پہنچی۔ وہ میری طرف آیا۔
میں نے اٹھنے کی کوشش کی، مگر درد کی شدت کے باعث لڑکھڑا گئی۔
وہ میرے قریب آیا۔ اس نے جیب سے ایک انجیکشن نکالا اور میری بازو میں لگایا۔ چند ہی لمحوں میں، سب کچھ دوبارہ دھندلا ہونے لگا اور پھر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔
وہ کچھ دیر خاموش رہی، جیسے وہ سب دوبارہ جی رہی ہو۔
مجھے نہیں معلوم ایسا کتنی بار ہوا — میں جب بھی آنکھیں کھولتی تو خود کو ایک نئی جگہ پر پاتی۔
ایک دن میری آنکھیں کھولی۔
مجھے رونے کی آواز سنائی دی، زوری رو رہی تھی۔ میں بمشکل آنکھیں کھول پا رہی تھی۔
اس کی سانس رک سی گئی — نور کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
زوری کے پاس ایک آدمی کھڑا تھا۔
نور خاموش ہو گئی۔
اس کے ساتھ کچھ غلط ہو گیا تھا۔۔۔نور نے چند لمحوں بعد آہستہ سے کہا — کچن میں بیٹھے سب کے دل دھک سے رہ گئے۔
وہ یہ سب برداشت نہیں کر سکی —
ایک آنسو نور کی گال پر بہہ گیا۔
مریم کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔
ہمیں ایک ایسے گروہ نے کڈنیپ کیا تھا جو بچوں کو آگے بیچ دیتے تھے۔
مریم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔
کبھی انہیں مزدوری کے لیے اور کبھی ان کے جسم کے حصوں کے لیے۔۔۔
مریم کے ذہن میں اچانک ایک چہرہ ابھرا — وہ چہرہ فراح کا تھا۔
اس کے ہاتھ کانپ گئے۔ چمچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا — ایک خشک سی آواز کے ساتھ۔
نور اور مریحا نے فوراً اسے دیکھا — اس بار زویا نے بھی موبائل سے نظریں ہٹا لی۔

مریم نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، وہ فوراً جھکی۔ زمین پر پڑا چمچ اٹھاتے ہوئے اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

اس نے جلدی سے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کیں اور سیدھی ہو کر دوبارہ بیٹھ گئی، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ماما، پانی۔۔۔

زویا نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھے جگ کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی معصوم آواز نے اس لمحے کی سنجیدگی کو ہلکا سا توڑا۔

مریم نے نور اور مریحا کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ خاموشی سے گلاس اٹھا کر پانی بھرنے لگی — اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ خود کو نارمل ثابت کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہو۔

نور کی نظریں اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ اس کے چہرے کا اترا ہوا رنگ دیکھ چکی تھی اور اس کے پیچھے چھپا ہوا درد بھی۔ نور خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

مریم نے گلاس زویا کی طرف بڑھایا اور اسے پانی پلانے لگی۔ اس کے ہاتھ اب بھی ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔

مریحا، مریم کو دیکھ نہیں رہی تھی۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد نور نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

پھر ایک دن میں نے خود کو ہسپتال کے بیڈ پر پایا۔

مریحا دوبارہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئی جبکہ مریم اب بھی نظریں چرائے بیٹھی تھی۔

میرے ساتھ اور بھی بہت سے بچے تھے۔ ہم سب کو پاکستان لے آیا گیا تھا۔

نور کی آنکھوں میں ایک تھکن سی اتر آئی۔ اس نے آہستہ سے سانس لی۔

وہ گروپ پکڑا جا چکا تھا اور ہمیں ان کی قید سے نکال کر ہسپتال منتقل کر دیا گیا تھا۔ ڈرگز کے اثر کی وجہ سے بہت سے بچے سروائیو نہیں سکے۔

مریحا کے گلے میں جیسے کچھ اٹک گیا۔

جو بچے بچ گئے تھے انہیں یتیم خانے بھیج دیا گیا۔

مریم خاموشی سے پلیٹ میں چمچ چلا رہی تھی۔

ڈرگز کی وجہ سے میں بہت سی چیزیں بھول گئی تھی، لیکن زوری۔۔۔

اس کے ہونٹوں پر نام آکر ٹھہر گیا۔

وہ مجھے کبھی نہیں بھولی — وقت گزرتا گیا اور میں وقت میں قید ہو کر رہ گئی۔
میری زندگی کے چند سال اسی آر فنیج میں گزرے پھر ایک کپل نے مجھے ایڈاپٹ کر لیا۔۔۔
نور کی آواز نرم ہو گئی۔
اور میں ان کے ساتھ رہنے لگی۔
نور نے مریحا کی طرف دیکھا۔
مریحا کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اس کے نقوش پر تھکن اور درد کی لکیریں صاف جھلک رہی تھیں۔
آپی، آپ کو دیکھ کر تو نہیں لگتا کہ آپ کے ساتھ اتنا سب ہوا ہوگا۔ مریحا نے اداس لہجے میں کہا۔
نور کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
یہی تو زندگی کی اصل مہارت ہے اور وقت انسان کو یہ مہارت سکھا دیتا ہے۔
زندگی بہت عجیب چیز ہے — آپ کو نہیں معلوم کہ یہ آپ کے ساتھ کب اور کیا کر دے۔ نور نے آہستہ سے کہا۔
آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، مگر مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں آپ کا درد کیسے بانٹوں۔
اسی لمحے حارث، حمزہ، احمد اور ایزا کچن میں داخل ہوئے۔ ایزا کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی، جس میں چائے کے خالی کپ رکھے ہوئے تھے۔
نور اور مریحا کی نظریں بے اختیار دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔
بوندی، تم یہاں بیٹھی گپیں مار رہی ہو۔۔۔ حمزہ نے ہلکے طنزیہ انداز میں کہا۔
گپیں مارنے کے علاوہ اسے آتا ہی کیا ہے۔ احمد نے فوراً اضافہ کیا۔
مریحا نے آنکھیں سکیڑ کر دونوں کو گھورا۔
حارث کی نظریں مریم پر جا ٹھہریں۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی، جیسے اپنے ہی خیالوں میں گم ہو۔ اس کی نظریں پلیٹ پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ اس میں کوئی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہی ہو۔
میں جو بھی کروں، تم لوگوں کو کیا مسئلہ ہے؟
اتنے میں وہ تینوں ڈائننگ ٹیبل کے قریب آ گئے۔ مریم بھی چونک کر سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔
ایزا نے ٹرے کاؤنٹر پر رکھی اور مریحا کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

چھوڑو ان کو، ہم لوگ پیزا آرڈر کرنے لگے ہیں، تم کمرے میں آجاؤ۔ اس نے نرمی سے مریحا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

مریحا نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

ابھی تو چائے پی ہے۔

تو کیا ہوا؟ اگر چائے پی لی۔

چائے کے بعد کون پیزا کھاتا ہے؟ مریحا نے ہلکی سی ناگواری سے کہا۔

ٹھیک ہے، تم نہ کھانا۔ حمزہ نے فوراً سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

کیوں؟ سب کھائیں گے تو میں بھی کھاؤں گی۔ مریحا نے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

کچن میں ہلکی سی ہنسی کی آواز گونجی۔

مریم اور نور آپی، آپ دونوں بھی آجائیں۔ حمزہ نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

آتی ہوں۔

نور نے سر ہلاتے ہوئے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

اسی لمحے سکینہ کچن میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں بھی ٹرے تھی، جس میں خالی پلیٹیں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔

زویا۔۔

سکینہ نے اندر آتے ہی اسے پکارا۔

زویا نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ موبائل میں مگن تھی۔

سکینہ نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی، پھر خاموشی سے ٹرے کاؤنٹر پر رکھ دی۔

زویا۔۔۔

سکینہ نے دوبارہ سے پکارا۔

اس بار زویا نے سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھا۔

مومل آپی، آپ کو بلا رہی ہیں۔ سکینہ کہہ کر مڑی اور کچن سے باہر نکل گئی۔

جلدی آجائیں سب۔

احمد اور حمزہ باہر جانے لگے، حارث بھی خاموشی سے ان کے پیچھے چل دیا۔ مریحا اور ایزا بھی کچن سے باہر نکل گئیں۔

چند لمحوں میں کچن تقریباً خالی ہو گیا۔ مریم خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

مریم۔۔۔

نور نے آہستہ سے اس کا نام پکارا۔

مریم نے چونک کر نور کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دبی ہوئی اداسی صاف جھلک رہی تھی۔

مریم کی زبان سے الفاظ ادا نہیں ہو سکے۔

اگر کبھی کوئی بات ہو تو کہہ دیا کرو — اپنی آنکھوں میں جمع پانی بہا دیا کرو۔ نور کی آواز میں عجیب سی شفقت تھی۔

مریم کے دل میں درد کی لہر اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔

یہاں تمہارے آنسوؤں کو کمزوری نہیں، طاقت سمجھا جائے گا۔

مریم کا دل چاہا کہ وہ آنکھوں میں قید آنسو بہا دے۔

نور نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، پھر خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ قدموں سے کچن سے باہر نکل گئی۔

مریم وہیں بیٹھی رہی آنکھوں میں ٹھہرا ہوا پانی لیے، اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

اس نے آہستہ سے پلکیں جھپکائیں اور اگلے ہی لمحے وہ نمی اس کے گالوں پر بہنے لگی۔

✦ ✦ ✦

کمرے میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کھڑکی سے اندر آتی چاندنی کمرے میں ہلکی سی روشنی بکھیر رہی تھی۔

شہریار کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ اس کی نظریں اپنے ہاتھ میں تھامے موبائل کی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ اسکرین پر ایک تصویر روشن تھی — نکاح نامے کی تصویر۔ اس تصویر کی مدھم روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اسی روشنی میں اس کے تاثرات واضح تھے یا شاید بے تاثری زیادہ نمایاں تھی۔

اس کا چہرہ ہر احساس سے خالی تھا — نہ خوشی — نہ غصہ — نہ حیرت — نہ دکھ — بس ایک عجیب سی خاموشی۔ وہ تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ اس پر موجود سیف کے دستخط کو دیکھ رہا تھا۔

چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر اس نے آہستہ سے نظریں اسکرین سے ہٹائیں اور کھڑکی سے باہر آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھنے لگا۔

ایک گہری سانس اس کے سینے سے نکلی۔ اس نے موبائل جیب میں رکھا اور خاموشی سے مڑ گیا۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا وہ بیڈ کے قریب آیا اور بغیر کسی آواز کے لیٹ گیا۔ اب اس کی نظریں چھت پر جم گئی تھیں۔

آنکھوں کے سامنے منظر بدلنے لگا۔

تیز دھوپ میں نہایا ہوا آسمان، ہلکی ہلکی چلتی ہوا اور درخت کے سائے تلے رکھا ایک بینچ۔

وہاں سیف اور شہریار ساتھ بیٹھے تھے۔ دونوں کی نظریں سامنے پھیلے یونیورسٹی گراؤنڈ پر تھیں، جہاں طلبہ کی چہل پہل جاری تھی۔

یار شہریار، اٹھو کچھ کھانے چلتے ہیں۔ سیف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رک جاؤ، تھوڑی دیر۔

شہریار نے بغیر اس کی طرف دیکھے جواب دیا۔

تم کب سے یہی کہہ رہے ہو۔ سیف نے بھنویں سکیڑیں۔

بس، تھوڑی دیر۔۔۔

میں جا رہا ہوں۔

سیف نے کہتے ہوئے سائیڈ پر رکھا بیگ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

وہ دیکھو، آگیا تمہارا کھانا۔

شہریار نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا، اس کی نظریں اب بھی وہیں جمی ہوئی تھیں۔

سیف نے چونک کر سامنے دیکھا۔ نورالعین اور کامران ان کی طرف آرہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کھانے کے ڈبے تھے۔ سیف نے ایک نظر شہریار کی طرف ڈالی۔

شہریار نے ہلکا سا کندھا اچکا دیا، جیسے کہہ رہا ہو "میں نے کہا تھا۔"

چند ہی لمحوں میں وہ دونوں ان کے قریب آ گئے۔

سوری، ہمیں تھوڑی دیر ہو گئی۔ نورالعین نے ہلکی سی سانس لیتے ہوئے کہا اور ایک ڈبہ شہریار کی طرف بڑھا دیا۔

کیفے ٹیریا میں بہت رش تھا۔ اس کی سانسیں ابھی بھی تیز تھیں۔

کامران نے دوسرا ڈبہ سیف کی طرف بڑھایا۔ سیف نے نرمی سے لے لیا۔

نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔

شہریار کہتے ہوئے اٹھا اور بینچ کے پاس ہی گھاس پر بیٹھ گیا۔

نورالعین اور کامران بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔

تم بھی آجاؤ۔ شہریار نے سیف کی طرف دیکھ کر کہا۔
سیف نے ایک لمحہ انہیں دیکھا پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بھی ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔
ہوا کی بے فکری کی طرح اس لمحے میں ایک ہلکی سی بے فکری شامل ہو چکی تھی۔
ویسے جب تک میں کچھ کھا نہ لوں، مجھ سے پڑھائی نہیں ہوتی۔
نورالعین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اپنا ڈبہ کھول لیا۔ ڈبے میں رکھا برگر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک آئی۔
مجھ سے تو ویسے ہی پڑھائی نہیں ہوتی۔ شہریار نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔
سیف اور کامران ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیے۔ سب اپنے اپنے برگر کھانے میں مصروف ہو گئے۔
ویسے تم لوگوں نے کتنا کام کر لیا ہے؟ نورالعین نے برگر چباتے ہوئے پوچھا۔
کچھ بھی نہیں کیا۔
سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
کیوں؟ نورالعین نے حیرت سے اسے دیکھا۔
میم کون سا پوچھتی ہیں۔ سیف نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
مجھے لگ رہا ہے، میم آج بھی کلاس نہیں لیں گی۔
مجھے بھی۔
کامران نے فوراً اس کی تائید کی۔
اسی لمحے نورالعین کا فون بجنے لگا۔ وہ جلدی سے اپنے ہاتھ صاف کرنے لگی، پھر بیگ سے موبائل نکالا اور فوراً کال اٹینڈ کی۔
میم کلاس میں آگئی ہیں۔
دوسری طرف سے جلدی میں کہا گیا۔ نورالعین ایک دم سیدھی ہو گئی۔
اچھا، ہم آرہے ہیں۔
اس نے فوراً فون بند کیا اور باقی تینوں کی طرف دیکھا۔

میم کلاس میں آ گئی ہیں۔
سب کے چہروں پر ایک ساتھ حیرت پھیل گئی۔
چلو، جلدی۔ نورالعین نے بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔
سیف، کامران اور شہریار بھی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے جلدی سے اپنے بیگز سنبھالے اور تیز قدموں سے کلاس کی طرف بڑھنے لگے۔
چند ہی لمحوں میں وہ کلاس روم کے دروازے تک پہنچ گئے۔
تم دونوں پہلے جاؤ۔ شہریار نے نورالعین اور کامران سے کہا۔
کیوں؟ نورالعین نے فوراً پلٹ کر پوچھا۔
تم دونوں جی آر اور سی آر ہو، اس لیے۔
یہ کیا بات ہوئی؟ کامران نے کہا۔
ہم ویسے ہی لیٹ ہو چکے ہیں، ہمیں اور وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ سیف نے سنجیدگی سے کہا۔
بالکل ٹھیک۔۔۔
کامران نے فوراً سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔
سیف، کامران اور نورالعین تینوں آگے اور شہریار ان کے پیچھے تھا۔
میم، مے آئی کم اِن؟ سیف نے کہا۔
پروفیسر، جو بورڈ پر کچھ لکھ رہی تھیں، رک گئیں۔ انہوں نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔
پوری کلاس کی نظریں بھی اب انہی چاروں پر تھیں۔
آپ لوگ لیٹ کیوں ہیں؟
میم، ہمیں ٹائم کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ نورالعین نے ہلکا سا سر جھکایا۔
پروفیسر نے انہیں گھورا، پھر ہلکا سا بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔
پروفیسر دوبارہ بورڈ کی طرف مڑ گئیں۔ چاروں خاموشی سے کلاس میں داخل ہوئے۔ ایک نظر پوری کلاس پر ڈالی اور آگے بڑھے۔
سیف اور شہریار پہلی قطار کی تیسری میز پر جا بیٹھے جبکہ نورالعین اور کامران سب سے پیچھے والی میز پر بیٹھ گئے۔

کلاس میں مکمل خاموشی تھی۔ سب اپنے اپنے رجسٹر میں تیزی سے لکھ رہے تھے۔ سیف اور شہریار نے بھی جلدی سے اپنے رجسٹر نکال لیے۔

اسی لمحے – شہریار کے فون کی رنگ ٹون بج اٹھی۔ کلاس کی کئی نظریں ایک ساتھ اس کی طرف اٹھ گئیں۔

شہریار نے فوراً موبائل نکالا۔

نتاشا۔۔۔ اسکرین پر کا نام چمک رہا تھا۔ اس نے ایک لمحے کو اس نام کو دیکھا پھر جلدی سے فون سائلنٹ پر لگا دیا۔

اس نے رجسٹر کھولا ہی تھا کہ موبائل دوبارہ وائبریٹ ہونے لگا۔

اس نے بھنویں سکیڑتے ہوئے دوبارہ موبائل دیکھا۔ اسکرین پر پھر وہی نام چمک رہا تھا – نتاشا۔

اس نے کال کاٹ دی۔

کس کی کال آ رہی ہے؟ سیف نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

دوست کی۔ شہریار نے مختصر سا جواب دیا۔

سیف نے کوئی جواب نہیں دیا۔

شہریار نے فوراً واٹس ایپ کھول لی۔ نتاشا کا نام سب سے اوپر جگمگا رہا تھا۔ اس کے پانچ میسجز آئے ہوئے تھے۔

اس نے میسجز کھولے –

شہریار۔۔۔؟

شہریار۔۔۔؟

مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔

۔۔۔؟

ریپلائی تو کرو۔۔۔؟

شہریار نے ایک نظر پوری کلاس پر ڈالی۔ سب اپنے کام میں مصروف تھے۔ اس کی انگلیاں تیزی سے اسکرین پر چلنے لگیں۔

میں کلاس میں ہوں، بعد میں بات کرتا ہوں۔ اس نے میسج سینڈ کر دیا۔

پروفیسر مڑی اور ڈائیس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

میسج فوراً سین ہو گیا۔

شہریار، مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ چند سیکنڈ بعد نیا میسج آیا۔
اس نے ہلکی سی بےزاری سے اسکرین دیکھی۔
ہاں تو بتا دو۔ اس نے فوراً جواب لکھا۔
ایسے نہیں، مل کر بات کرنی ہے۔
چند لمحے بعد جواب آیا۔
شہریار نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی نظر سیدھی پروفیسر سے جا ٹکرائی۔ وہ اسے گھور رہی تھیں۔
اس نے فوراً موبائل بند کیا اور رجسٹر پر جھک گیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
موبائل کی وائبریشن رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ نتاشا کی کال پھر آ رہی تھی۔
پروفیسر نے نظریں ہٹا لیں۔
کال دوبارہ آنے لگی۔ اس نے جھنجھلا کر کال کاٹ دی۔
دو نئے میسجز آئے ہوئے تھے۔ اس نے میسجز کھولے۔
شہریار۔۔۔؟
ریپلائی کرو۔۔۔؟
نتاشا کی کال ایک بار پھر آنے لگی۔
شہریار۔۔۔ اچانک پروفیسر کی آواز پوری کلاس میں گونج اٹھی۔
شہریار نے چونک کر سر اٹھایا اور ان کی طرف دیکھا۔
گیٹ آؤٹ آف مائی کلاس۔
کلاس میں بیٹھی ہر آنکھ اس پر تھی۔
میم۔۔۔ شہریار نے کچھ کہنا چاہا۔
آئی سیڈ، گیٹ آؤٹ آف مائی کلاس۔ پروفیسر نے سختی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔
شہریار نے ایک لمحے کے لیے اردگرد دیکھا، پھر خاموشی سے بیگ اٹھایا اور آہستہ قدموں سے سیڑھیاں اترتا ہوا باہر نکل گیا۔
اسی لمحے سامنے سے میرال آتی ہوئی نظر آئی۔ میرال آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

میم کلاس میں ہیں؟ اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔
ہمم۔۔۔ شہریار نے سر ہلا دیا۔
اوکے۔
وہ آگے بڑھی – اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، پروفیسر کی نظر اس پر پڑ چکی تھی۔
کیا آپ لوگوں کا کلاس میں لیٹ آنا معمول بن چکا ہے؟
ان کی آواز تیز تھی اور پوری کلاس میں گونج رہی تھی۔ سب کی نظریں میرال پر تھیں۔
میرال نے فوراً سر جھکا لیا۔ کسی کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔
بیٹھو۔ پروفیسر نے مختصر سا کہا۔
میرال آہستہ سے اندر داخل ہوئی، ایک نظر پوری کلاس پر ڈالی اور سیف کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔
میری کلاس میں آئندہ جو بھی لیٹ ہوگا، میں اسے کلاس میں داخل نہیں ہونے دوں گی۔ پروفیسر کی آواز میں سختی واضح تھی۔
پوری کلاس خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
مہینے میں ایک کلاس لینے آتی ہیں اور روپ دیکھ لو – میرال نے آہستہ سے رجسٹر نکالتے ہوئے سرگوشی کی۔
سیف ہلکا سا مسکرایا۔
ایک ہی کلاس لیتی ہیں اسی لیے تو روپ دکھاتی ہیں۔
میرال نے اس کی طرف دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دی۔
کلاس نے ٹھیک ہی نام رکھا ہے – تتھا – میرال نے کہا۔
سیف کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔
شہریار نے موبائل کان سے لگایا۔
شہریار، تم کہاں ہو؟ دوسری طرف سے بے چینی بھری آواز آئی۔
یونیورسٹی میں۔ شہریار نے مختصر جواب دیا۔
مجھے تم سے بات کرنی ہے، میں تمہاری یونیورسٹی کے باہر ہوں۔
یونیورسٹی کے باہر۔۔۔؟ شہریار کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

ہاں۔
یونیورسٹی کے سامنے جو ریسٹورنٹ ہے، وہاں جا کر بیٹھو، میں آ رہا ہوں۔
ٹھیک ہے، میں انتظار کر رہی ہوں۔
کال بند ہو گئی۔
کچھ ہی دیر بعد شہریار ریسٹورنٹ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا۔
اندر کی فضا باہر سے بالکل مختلف تھی—ہلکی روشنی، کھانے کی خوشبو، کانٹے، چمچ اور لوگوں کی دھیمی دھیمی باتوں کی آوازیں ایک دوسرے میں گھلی ہوئی تھیں۔
شہریار نے اردگرد نظریں دوڑائیں۔ اس کی نظر دروازے کے دائیں جانب دوسری میز پر جا کر ٹھہر گئی۔ وہاں نتاشا بیٹھی تھی، مگر وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ عمارہ بھی موجود تھی۔
شہریار کے قدم خود بخود اس طرف بڑھ گئے، جیسے ہی وہ قریب پہنچا، دونوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
نتاشا کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا—اس کی آنکھوں میں واضح پریشانی تھی۔
عمارہ نے ایک لمحے کو دونوں کو دیکھا، پھر خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دوسری میز پر جا کر بیٹھ گئی۔
شہریار، نتاشا کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔
شہریار۔۔۔
نتاشا نے آہستہ سے اس کا نام لیا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے رو دے گی۔
شہریار نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔
کیا بات ہے؟ جو تم یہاں تک آ گئی—
نتاشا نے ایک لمحہ آنکھیں بند کیں، جیسے خود کو ہمت دے رہی ہو۔
شہریار، میں پریگننٹ ہوں۔ اس نے دھیرے سے کہا۔
ایک لمحہ—جیسے وقت رک گیا ہو۔
کیا۔۔۔؟
شہریار کے لہجے میں صاف حیرت تھی۔
ہاں—نتاشا نے سر ہلایا۔

شہریار کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔
تم مجھے کیوں بتا رہی ہو؟
شہریار تمہیں نہیں بتاؤں گی تو کس کو بتاؤں گی؟
کیا مطلب۔۔۔؟ شہریار نے کہا۔
یہ، تمہارا بچہ ہے۔ نتاشا دھمی آواز میں بولی۔
میرا بچہ۔۔۔؟ شہریار کے لبوں پر مسکراہٹ آئی۔
میرا بچہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔؟
پاس بیٹھی عمارہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی پریشانی واضح تھی۔
شہریار تم کیسی باتیں کر رہے ہو، تم ہی مجھے اپنے گھر لے کر گئے تھے۔
تم کس کا گناہ میرے سر ڈال رہی ہو۔ اس نے بے پرواہی سے کہا۔
نتاشا کا دل جیسے بند ہونے کو تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
شہریار، یہ تمہارا ہی بچہ ہے۔
نتاشا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
میں کیسے یقین کروں۔۔۔؟ شہریار کا لہجہ سرد تھا۔
شہریار۔۔۔
نتاشا بول نہ سکی – اس کا گلا جیسے بند ہو گیا تھا۔ اس کے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے۔ وہ شدت سے رونے لگی۔
عمارہ کا دل بھی بھر آیا۔ وہ اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھ کر بے بس ہو رہی تھی۔
میں۔۔۔ میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔۔۔؟
نتاشا بمشکل الفاظ ادا کر پا رہی تھی۔ شہریار کی آنکھوں میں سختی آگئی۔
پتا نہیں کس کا گناہ میرے سر ڈال رہی ہو اور تم جیسی لڑکیاں پیسے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتیں۔
وہ تلخی سے بولا، یہ الفاظ زہر بن کر نکلے تھے۔
میں تمہارے جال میں پھنسنے والا نہیں ہوں۔ شہریار اچانک کھڑا ہو گیا۔
شہریار۔۔۔

نتاشا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
تم میرے کردار پر کیچڑ اچھال رہے ہو— اس کی آواز میں دکھ اور تکلیف تھی۔
تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔
نتاشا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ اس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
تم نے کہا تھا، ہم نکاح کریں گے۔
شہریار نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا۔
میں ہرگز ایسی لڑکی سے نکاح نہیں کروں گا، جو شادی سے پہلے ہی۔۔۔
وہ رکا، اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
اس نے ایک آخری نظر نتاشا پر ڈالی اور واپس مڑ گیا۔
شہریار تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ نتاشا اس کے پیچھے لپکی۔
عمارہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ وہ بھی ان کے پیچھے گئی۔
شہریار تیز قدموں سے چلتا ہوا ریسٹورنٹ سے باہر نکل گیا۔
شہریار۔۔۔
نتاشا نے اس کا بازو پکڑا۔ وہ تیزی سے اس کے سامنے آکر رک گئی۔
اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی۔
شہریار، ہم نکاح کر لیتے ہیں۔
شہریار نے منہ دوسری طرف موڑ لیا۔
میں لوگوں کو کیا جواب دوں گی۔۔۔؟ نتاشا کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔
ایسے مت کرو، ہم لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔
یہ سب میرا مسئلہ نہیں ہے۔ شہریار نے سرد لہجے میں کہا۔
اسی لمحے عمارہ شہریار کے سامنے آکھڑی ہوئی۔
تم میری بہن کو ٹشو پیپر کی طرح یوز کر کے یوں نہیں پھینک سکتے۔ اس کی آواز غصے اور درد سے بھری ہوئی تھی۔
شہریار کے لبوں پر ایک ہلکی سی بے رحم مسکراہٹ آئی۔

شہریار، میرے گھر والے جیتے جی مر جائیں گے۔
آئی ڈونٹ کئیر۔
شہریار نے کہتے ہوئے عمارہ کو ایک جھٹکے سے دھکا دیا اور آگے بڑھ گیا۔
وہ تیز قدموں سے چلتا سڑک کراس کرنے لگا۔ نتاشا اس کے پیچھے سڑک کراس کرنے لگی۔
سڑک پر گاڑیوں کی رفتار تیز تھی۔ ہارن کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔
نتاشا۔۔۔
عمارہ نے اس کو پیچھے سے پکارا۔ مگر نتاشا، وہ جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ وہ بے دھیانی میں سڑک پر آگے بڑھتی چلی گئی۔ وہ اردگرد نہیں دیکھ رہی تھی، وہ دیکھ رہی تھی تو بس شہریار کو۔
گاڑیوں کی رفتار، شور، کچھ بھی اس کے لیے معنی نہیں رکھتا تھا اور پھر۔ ایک تیز رفتار گاڑی سیدھا اس سے آٹکرائی۔
نتاشا اچھل کر چند قدم دور جا گری۔
ایک لمحے کو جیسے وقت رک گیا۔
نتاشا۔
عمارہ کی چیخ فضا میں گونج گئی۔
شہریار کے قدم وہیں جم گئے۔ اس نے دھیرے سے مڑ کر دیکھا اور اس کا چہرہ ساکت رہ گیا۔
لوگ دوڑتے ہوئے اس طرف آنے لگے۔
عمارہ تیزی سے بھاگتی ہوئی نتاشا کے پاس پہنچی۔ اس نے بے اختیار اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔
یا اللہ۔
اس کے آنسو بے قابو ہو گئے۔ زمین سرخ ہو رہی تھی۔ نتاشا کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کا چہرہ بھی خون سے رنگا ہوا تھا۔ اس کا دوپٹہ اس کے سر پر نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا اور سانسیں مشکل سے چل رہی تھیں۔
نتاشا۔
عمارہ اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔
کوئی۔ کوئی ایمبولینس کو بلاؤ۔ وہ اردگرد دیکھنے لگی۔ اس کو درد ہو رہا تھا۔
اردگرد کھڑے لوگ خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔

جس گاڑی سے ٹکر ہوئی تھی، وہ نوجوان آدمی فوراً باہر نکلا اور ان کی طرف دوڑا۔
پلیز، کوئی ہماری مدد کرے۔
عمارہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی نظریں بار بار نتاشا پر جا رہی تھیں
شہریار نے بھی قدم آگے بڑھائے۔ اس کے قدم بھاری ہو چکے تھے۔
پیچھے ہٹیں۔۔۔
نوجوان آدمی نے لوگوں کو ہٹاتے ہوئے کہا۔ وہ آگے آیا اور نیچے جھک گیا۔ اس نے احتیاط سے نتاشا کو اٹھایا۔
عمارہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ نتاشا کا دوپٹہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔
نوجوان آدمی آگے بڑھا۔
دروازہ کھولو، جلدی۔
عمارہ نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ نوجوان آدمی نے احتیاط سے نتاشا کو گاڑی کے اندر لٹایا۔ نتاشا کا جسم بے جان سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے اور سانسیں بے ترتیب تھیں۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ خون ابھی بھی بہہ رہا تھا۔ عمارہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔
نوجوان آدمی نے خون روکنے کے لیے کپڑا عمارہ کو دیا۔ عمارہ نے وہ کپڑا خون نکلنے والی جگہ پر رکھا۔ عمارہ کے ہاتھوں پر بھی خون لگ چکا تھا۔
نوجوان آدمی نے دروازہ بند کیا اور فوراً آگے کی نشست پر بیٹھ کر گاڑی کی رفتار بڑھائی۔
پلیز، جلدی کریں۔ عمارہ نے ایک نظر اس آدمی کی طرف دیکھ کر کہا۔
نوجوان آدمی نے شیشے سے ایک نظر پیچھے دیکھا۔
لوگ وہیں کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ زمین پر خون ویسے ہی تھا۔
شہریار نے ایک رکشے والے کی طرف ہاتھ کے اشارے سے اشارہ کیا۔ وہ فوراً رک گیا۔ شہریار جلدی سے رکشے میں بیٹھ گیا، دل تیز دھڑک رہا تھا۔
چلو، جلدی کرو۔ اس نے رکشے والے سے کہا۔
رکشہ ہلکا سا حرکت میں آیا۔

کہاں جانا ہے؟
اس گاڑی کے پیچھے۔ شہریار نے ہاتھ کے اشارے سے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔
رکشے والے نے اپنی رفتار بڑھا دی اور رکشہ خاموشی سے گاڑی کا پیچھا کرنے لگا۔
کچھ نہیں ہو گا۔ عمارہ نے نتاشا سے کہا۔
لیکن نتاشا سن نہیں رہی تھی، وہ صرف درد اور خوف میں اٹکی ہوئی تھی۔ وہ تکلیف میں تھی۔
نتاشا نے دھیرے سے ہاتھ اٹھایا اور عمارہ کے ہاتھ سے دوپٹہ کھینچ کر اپنی اوپر رکھا۔ اس کی جسمانی تکلیف واضح تھی، ہر حرکت میں درد کا اثر جھلک رہا تھا۔
کسی کو بتانا نہیں۔۔۔
نتاشا کی کانپتی ہوئی آواز فضا میں بکھر گئی۔
نتاشا۔۔۔
عمارہ نے آہستہ سے اس کا نام لیا، اس کی آواز میں بے بسی صاف جھلک رہی تھی۔
مجھ سے۔۔۔ غلطی ہو گئی۔۔۔
نتاشا بمشکل بول پا رہی تھی۔ اس کی سانسیں اٹک اٹک کر چل رہی تھیں، جیسے ہر سانس لینا بھی ایک اذیت بن چکا ہو۔ اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔
میں اپنی ہی نظروں میں گر گئی ہوں۔۔۔
نتاشا، خاموش ہو جاؤ۔۔۔ عمارہ نے درد سے کہا۔ اس کے اپنے الفاظ بھی کانپ رہے تھے۔
نوجوان آدمی لمحہ بہ لمحہ شیشے میں سے پیچھے دیکھ لیتا، جیسے ہر گزرتا لمحہ اس کے لیے بھی بے چینی کا باعث ہو۔
میری اپنی نظریں۔۔۔ کوئی عزت نہیں رہی۔۔۔
نتاشا کی آواز مزید مدھم ہو گئی۔ وہ چند لمحوں کے لیے رکی، جیسے الفاظ ڈھونڈ رہی ہو یا شاید ہمت۔
تم میری عزت رکھ لینا۔۔۔
یہ سن کر عمارہ کا دل جیسے چیر گیا۔
تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔
عمارہ فوراً بولی، اس کی آواز میں ایک زبردستی کی مضبوطی تھی، جیسے وہ خود کو بھی یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہو۔

گاڑی رک گئی۔ عمارہ نے شیشے سے باہر دیکھا۔ وہ ہسپتال پہنچ چکے تھے۔

نوجوان آدمی فوراً باہر نکلا، دروازہ کھولا اور نتاشا کو احتیاط سے اپنی باہوں میں اُٹھایا۔ وہ تیز قدموں سے ہسپتال کی طرف بڑھا اور عمارہ فوراً اس کے پیچھے دوڑی۔

ہسپتال کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔ اندر کی فضا تیز اینٹی سیپٹک کی بو سے بھری ہوئی تھی — سفید روشنی، بھاگتے قدم اور مشینوں کی مسلسل آوازیں — سب کچھ ایک بے چین سا شور پیدا کر رہا تھا۔

کوئی ہے؟

نوجوان آدمی کی بلند آواز نے فضا کو چیر دیا۔

دو نرسیں اور ایک وارڈ بوائے اسٹریچر لیے ان کی طرف دوڑے۔

جلدی کریں، بہت خون بہہ رہا ہے۔ عمارہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

نوجوان آدمی نے فوراً نتاشا کو اسٹریچر پر لٹایا۔

راستہ دیں — پلیز راستہ دیں —

اسٹریچر تیزی سے ایمرجنسی وارڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ تیزی سے اسے اندر لے جانے لگے۔ عمارہ بھی ان کے ساتھ بھاگتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی نظریں صرف نتاشا پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ ایک لمحے کے لیے بھی اسے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتی ہو۔

نتاشا کی آنکھیں بند ہو رہی تھی۔ اس کا وجود بے جان ہو رہا تھا، مگر اس نے اپنا دوپٹہ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

ڈاکٹر تیزی سے ایمرجنسی روم میں داخل ہوئے۔ ایمرجنسی روم کا دروازہ زور سے بند ہوا۔

عمارہ اور نوجوان آدمی باہر رہ گئے۔

کیا حالت ہے؟ اندر سے ڈاکٹر کی آواز آئی۔

ہیڈ انجری ہے اور کافی بلڈ لاس — نرس نے جلدی سے بتایا۔

او ٹی تیار کرو۔

ڈاکٹر نے بغیر وقت ضائع کیے حکم دیا۔

عمارہ نے شیشے کے پار دیکھنے کی کوشش کی، مگر سب کچھ دھندلا تھا — صرف سفید کوٹ، تیز حرکتیں اور مشینوں کی آوازیں۔

وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ گئی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔
یا اللہ۔۔۔ میری بہن کو بچا لے۔
اس کے ہونٹ بے آواز دعا مانگ رہے تھے۔ نوجوان آدمی بے بسی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔
وقت جیسے تھم گیا تھا۔ ہر لمحہ بھاری، ہر سانس مشکل۔ انسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
چند ہی لمحوں میں ایمرجنسی روم کا دروازہ کھلا۔
ڈاکٹر باہر آئے۔
عمارہ فوراً ان کی طرف بڑھی۔
میری بہن ٹھیک ہے نا۔۔۔؟ اس کی آواز امید اور خوف کے درمیان معلق تھی۔
ڈاکٹر نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا اور پھر ساتھ کھڑے آدمی کو۔
ہم نے اپنی پوری کوشش کی۔۔۔
یہ الفاظ سنتے ہی عمارہ کا دل جیسے رک گیا۔
لیکن بہت زیادہ بلڈ لاس ہو چکا تھا۔
ایک لمحے خاموشی۔
ہم اسے نہیں بچا سکے۔
نہیں۔۔۔
عمارہ کی چیخ ہسپتال کی دیواروں سے ٹکرا کر گونج گئی۔ اس کے قدم لڑکھڑائے اور وہ وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔
نہیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ میری بہن۔۔۔
آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ دل میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔ اس کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
نوجوان آدمی آہستہ سے زمین پر بیٹھا۔
یا اللہ۔۔۔ میری بہن کے گناہ کی اتنی بڑی سزا۔۔۔
اس کی زبان سے بے اختیار الفاظ نکلے۔
اسی لمحے شہریار وہاں آیا۔

اس کی سانسیں تیز تھیں اور چہرے پر گھبراہٹ واضح تھی۔
اس کی نظر عمارہ پر پڑی، وہ زمین پر بیٹھی رو رہی تھی۔
اللہ۔۔۔ اتنی بڑی سزا۔۔۔
عمارہ کے الفاظ شہریار کو سنائی دیے۔
اچانک عمارہ نے اس کی طرف دیکھا — عمارہ فوراً اٹھی اور شہریار کی طرف لپکی۔
آنکھوں میں آنسو اور دل میں آگ —
تمہاری وجہ سے۔۔۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ نتاشا کہتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ اس نے شہریار کا گریبان پکڑ لیا۔
شہریار خاموش کھڑا تھا۔
میری بہن مر گئی۔۔۔
نوجوان آدمی نے فوراً سے عمارہ کو پکڑا اور اس کو پیچھے ہٹایا۔
تم نے ایک معصوم دل توڑا ہے۔
عمارہ نوجوان آدمی سے خود کو چھڑوا رہی تھی، مگر آدمی کی گرفت مضبوط تھی۔
تم نے ایک معصوم دل کے ساتھ کھیلا ہے — اللہ دلوں کے ساتھ کھیلنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتا۔
عمارہ اونچی آواز میں چیخ رہی تھی۔ اس کے دل میں درد اٹھ رہا تھا۔
شہریار وہیں کھڑا رہ گیا۔ ساکت — بے جان — جیسے اس کے اردگرد سب کچھ ختم ہو چکا ہو۔
شہریار نے اچانک آنکھیں کھولیں۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔
کمرے میں اندھیرا تھا، چاند کی روشنی ابھی بھی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی — سرد اور سنسان روشنی۔
اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ وہ بے اختیار سائیڈ ٹیبل کی طرف جھکا، جگ اٹھایا اور گلاس میں پانی ڈالا، پھر ایک ہی گھونٹ میں سارا پانی پی گیا۔ کچھ قطرے اس کی ٹھوڑی سے ہوتے ہوئے نیچے گر گئے — مگر اسے احساس تک نہ ہوا۔
اس نے خالی گلاس کو دیکھا اور کافی دیر تک بس دیکھتا ہی رہا — جیسے اس خالی گلاس میں اسے اپنی ہی خالی زندگی نظر آ رہی ہو۔

اس نے آہستہ سے گلاس واپس میز پر رکھا۔ بیڈ سے نیچے اترا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔
باہر رات خاموش تھی۔ چاند آسمان پر ویسے ہی چمک رہا تھا۔
تم نے ایک معصوم دل توڑا ہے۔ اچانک عمارہ کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔
شہریار نے بے اختیار آنکھیں بند کی۔
تم نے ایک معصوم دل کے ساتھ کھیلا ہے۔ اللہ دلوں کے ساتھ کھیلنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔
الفاظ اس کے ذہن میں ہتھوڑے کی طرح گونجنے لگے۔ اس کے سینے میں ایک درد کی لہر اٹھی۔ تیز اور بے رحم۔
اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ وہ دھیرے قدموں سے چلتا ہوا صوفے تک آیا اور تھک کر اس پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا سر پیچھے ٹکا دیا اور ایک گہری سانس لی، جیسے سینے میں جمع بوجھ کو کم کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔
کچھ لمحوں تک وہ چھت کو خالی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر ایک اور منظر ذہن میں ابھری۔
شہریار، سیف، حماد، نورالعین، نور اور میرال سب یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں ایک دائرے کی شکل میں گھاس پر بیٹھے تھے۔
اردگرد طلبہ کی ہنسی اور باتوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ سب ہنس رہے تھے۔
اچھا، اگر ایسی بات ہے تو تم ہم سب کے بارے میں بتاؤ۔ حماد نے ہنستے ہوئے کہا۔
تم پوچھو، میں بتاتا ہوں۔ سیف نے فوراً مسکرا کر جواب دیا۔
نہیں، تم خود بتاؤ۔ شہریار نے فوراً کہا۔
ہاں سیف، تم خود ہی بتاؤ۔
اس بار نورالعین نے بھی حمایت کی۔
سیف نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر اردگرد سب پر نظر ڈالی۔
اب سب کی نظریں اسی پر تھیں۔ سب کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں تجسس۔
اچھا تو سب سے پہلے کس کے بارے میں بتاؤں؟ اس نے ہلکے سے انداز میں پوچھا۔
میرے بارے میں۔ نور نے فوراً کہا۔
سب کی نظریں ایک ساتھ اس کی طرف مڑ گئیں۔
نور بہت ذہین ہے۔ سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

یہ تو پوری کلاس کو معلوم ہے۔ میرال نے فوراً بات کاٹ دی۔
ہاں تو میں بھی کلاس کا ہی حصہ ہوں۔
اسی لمحے شہریار نے شرارت سے اس کی گردن پکڑ لی۔ وہ ہنستے ہوئے اسے ہلکا سا ہلانے لگا۔
اچھا ٹھیک ہے بتاتا ہوں۔
سیف نے ہنستے ہوئے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔
سب سے پہلے نور۔۔۔
اس نے سنجیدہ انداز میں کہا۔
نور ہم سب سے مختلف ہے۔ اس کا رنگ گہرا ہے، مگر وہ پھر بھی خوبصورت ہے۔ وہ ہم سب سے زیادہ ذہین ہے۔
سیف، یہ سب کو معلوم ہے۔ میرال نے پھر سے کہا۔
سیف نے اس کی طرف دیکھا۔
ہاں، سب کو معلوم ہے، لیکن نور کو معلوم نہیں ہے۔
مجھے معلوم ہے۔۔۔
نور فوراً سے بولی۔
سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔
تمہیں بس یہ معلوم ہے کہ تم ذہین ہو اور تمہارا رنگ گہرا ہے۔ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ یہی تمہاری خاصیت ہے کہ تم ہم سب سے الگ ہو۔
نور خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی آ گئی تھی۔ وہ پہلی بار خود کو کسی اور کی نظر سے دیکھنے لگی تھی۔ آج سے پہلے کبھی کسی نے اس کے گہرے رنگ کو اس کی خوبصورتی نہیں کہا تھا اور نہ ہی اس کی ذہانت کو اس کی پہچان۔
سیف نے ایک لمحہ اسے دیکھا پھر نظریں ہٹا کر نورالعین کی طرف موڑ لیں۔
نورالعین۔۔۔
نورالعین فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
نورالعین کو یہ تو معلوم ہے کہ وہ بہت زیادہ بولتی ہے۔

نورالعین، ایسا ہی ہے نا۔۔۔؟

نورالعین نے سرہلایا۔

سب کی نظریں سیف سے نورالعین اور نورالعین سے سیف تک گئیں۔

لیکن نورالعین کو یہ معلوم نہیں کہ وہ ہمیشہ اچھا بولتی ہے۔ وہ کسی کے بارے میں کبھی غلط بات نہیں کرتی۔ وہ ہمیشہ سوالات پر سوالات کرتی ہے یا ہمیشہ اپنی باتیں سناتی ہیں— وہ بولتی ہے اور بہت زیادہ بولتی ہے، مگر ہمیشہ اچھا بولتی ہے اور یہی اس کی خاصیت ہے۔

نورالعین کی آنکھیں ہلکی سی پھیل گئیں۔

مجھے کبھی کسی نے ایسا نہیں کہا۔

اس کے لہجے میں حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات تھے۔

سیف نے ہلکے سے کندھے اچکائے، جیسے اس کے لیے یہ بات بہت سادہ سی ہو۔

سب کے چہروں پر تجسس واضح تھا۔ اب ہر کوئی اپنی خاصیت جاننے کے لیے بےتاب تھا۔ سب اپنی اپنی بازو پر چہرہ ٹکائے سیف کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

میرال۔۔۔

سیف نے اپنی نظریں اس کی جانب کیں۔

میرال جو خاموشی سے سیف کو دیکھ رہی تھی، فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

میرال، سب کہتے ہیں کہ تم جھگڑالو ہو۔

میرال کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

باقی سب بھی مسکرا دیے— سوائے شہریار کے۔ وہ غور سے میرال کو دیکھ رہا تھا، جیسے وہ اسی میں کھو گیا ہو۔

تم جھگڑالو نہیں ہو۔ بس، تم غلط بات برداشت نہیں کرتی اور جب تم غلط بات برداشت نہیں کرتی، تو تم اس پر بولتی ہو اور یہی تمہاری خاصیت ہے۔

میرال کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے سنجیدگی میں بدلنے لگی۔

غلط بات پر بولنے کی ہمت ہر کسی میں نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی کرتا ہے۔

سیف ایک لمحے کے لیے رکا۔، پھر ہلکے سے مسکرایا۔

جب تم نے وقار کے منہ پر تھپڑ مارا تھا — اس دن تو مجھے بہت مزہ آیا تھا۔

سب زور سے ہنس پڑے۔

میرال نے نظریں جھکا لیں۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ موجود تھی۔

تم نے بالکل ٹھیک کیا تھا — آئندہ وہ کچھ بھی کرنے سے پہلے سو بار ضرور سوچے گا۔

عمل۔۔۔

سیف نے اب اس کا نام پکارا۔ عمل نے سیف کی طرف دیکھا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر

مؤذن کی آواز نے خاموشی کو چیرتے ہوئے فضا میں جگہ بنا لی۔

شہریار نے آنکھیں کھولیں۔ چند لمحوں تک وہ یوں ہی بیٹھا رہا — جیسے حقیقت اور ماضی کے درمیان کہیں ٹھہرا ہو — پھر اس نے ہلکا سا سر موڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔

باہر صبح کی پہلی روشنی آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے کو کھا رہی تھی۔ آسمان کے کناروں پر ہلکی سی سفیدی ابھر رہی تھی۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر

مؤذن کی آواز پھر گونجی — گہری، پُرسکون، دل میں اترتی ہوئی۔

اشہد ان لا الہ الا اللہ

شہریار نے آہستہ سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی تھکن اور دل میں ایک انجانی سی بے چینی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دھیرے دھیرے قدم واش روم کی طرف چل پڑے۔

اشہد ان لا الہ الا اللہ

مؤذن کی آواز اب بھی فضا میں گونج رہی تھی — اس خاموش صبح میں —

✦ ✦ ✦

کچن میں برتنوں کی ہلکی ہلکی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ڈائننگ ٹیبل کے گرد حارث، حمزہ اور ایزا بیٹھے تھے۔ حمزہ اور ایزا نے اپنے سر میز پر ٹکائے ہوئے تھے، جیسے نیند ابھی تک ان پر حاوی ہو۔

صفا چولہے کے پاس کھڑی چائے بنانے میں مصروف تھی جبکہ سکینہ ٹرے ہاتھ میں لیے کچن سے باہر نکل گئی۔
مریم ڈائننگ ٹیبل کے قریب کھڑی پلیٹ میں بسکٹ نکال رہی تھی۔
حارث کی نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ جاتی — خاموش مگر ٹھہری ہوئی۔
اچانک مریم نے نظر اٹھائی اور اس کی نگاہ سیدھی حارث سے جا ملی۔
حارث نے فوراً نظریں چرا لیں۔ اس کو شرمندگی محسوس ہوئی۔
مریم نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر بغیر کچھ کہے پلیٹ اٹھائی اور کاؤنٹر کے پاس جا کھڑی ہوئی۔
فضا میں ایک ہلکی سی بے چینی پھیل گئی۔
حارث نے محسوس کیا کہ مریم اس کی وجہ سے انکمفرٹیبل ہو گئی۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور کچن سے باہر چلا گیا۔
مریم نے ہلکا سا سر اٹھا کر اسے جاتے دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔
اسی لمحے سکینہ دوبارہ کچن میں داخل ہوئی۔
مومنہ اور سیف بھائی آ گئے؟ صفا نے چائے بناتے ہوئے پوچھا۔
آ گئے ہیں۔ سکینہ نے مختصر جواب دیا۔
مریم ٹرے ہاتھ میں اٹھائے کچن سے باہر نکل گئی۔
ان دونوں کو بھی اٹھاؤ۔ صفا نے کپوں میں چائے ڈالتے ہوئے کہا۔
حمزہ — ایزا —
سکینہ نے آہستہ سے آواز دی۔
ہمم۔۔۔
ایزا نے نیم غنودگی میں جواب دیا۔
اندر جا کر ناشتہ کر لو۔
اچھا۔۔۔
سکینہ، تم بھی آ کر ناشتہ کر لو۔ صفا کہتے ہوئے چائے کی ٹرے اٹھا کر باہر چلی گئی۔
سکینہ نے ایک نظر صفا کو دیکھا اور پھر کاؤنٹر پر بکھرے برتن سمیٹنے لگی۔

ایزا نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ کچن میں ایک نظر دوڑائی — پھر خاموشی سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

سب صفا کے کمرے میں جمع تھے۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہنسی اور باتوں کی آوازیں ایک ساتھ گونج رہی تھیں، جیسے ہر طرف زندگی رواں ہو۔

سیف اور مومنہ دروازے کے سامنے والے صوفے پر بیٹھے تھے۔ دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

خدیجہ بیگم اور زویا دروازے کی بائیں جانب والے صوفے پر موجود تھیں۔

بیڈ پر ماموں خضر، ماموں عاصم، خالو سرفراز، حیدر اور علی بیٹھے تھے۔

نیچے فرش پر چٹائی بچھائی گئی تھی — جہاں ممانی مہروش، ممانی مہروا، خالہ عائشہ، خالہ زمل، مومل، زوحل، امایہ، مریحا، نور، مریم، صفا، حارث اور احمد سب ایک ساتھ بیٹھے تھے۔

سب کے سامنے ناشتہ سجا ہوا تھا — چائے کے کپ، بسکٹ، پراٹھے، چانے گوشت اور آملیٹ — ہلکی ہلکی بھاپ اور کھانے کی خوشبو پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی، جو ماحول کو مزید گرم اور مانوس بنا رہی تھی۔

اسی لمحے ایزا اندر داخل ہوئی۔ اس نے ایک نظر سب پر ڈالی — پھر خاموشی سے آکر خدیجہ بیگم کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ خدیجہ بیگم نوالے بنا بنا کر زویا کو دے رہی تھیں۔

سیف بھائی۔۔۔

مومل نے سیف کو مخاطب کیا۔

ہمم۔۔۔؟

سیف نے اپنی نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

کل آپ نے ہمیں زینوں پر لے کر جانا ہے۔ اس نے آہستہ سے انداز میں کہا۔

جی بھائی، ہم نے جانا ہے۔ امایہ نے فوراً بات میں حصہ لیا۔

سیف نے بھنویں ہلکی سی اٹھائیں۔

کیا کرنے۔۔۔؟

گھومنے۔۔۔ مومل نے مختصر سا جواب دیا۔

وہاں پر گھومنے کی کون سی جگہ ہے۔۔۔؟

ہم نے وہاں پکس بنانی ہیں۔ امایہ نے کہا۔

پرسوں سے تم لوگ پکس ہی بنا رہے ہو۔
نہیں بنائیں۔
مومل نے فوراً تردید کی۔
میں تو جب بھی تم لوگوں کو دیکھتا ہوں، تم سب پکس ہی بنا رہے ہوتے ہو۔
سیف نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔
اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ امایہ نے فوراً سے کہا۔
پھر کیسی بات ہے۔۔۔؟ سیف نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔
بھائی سیف، ہم نے جانا ہے بس۔۔
احمد بھی بول پڑا۔
اور میں نے گھڑ سواری بھی کرنی ہے۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی خوشی جھلک رہی تھی۔
سیف کی نظر اس پر ٹھہری۔
آپ نے نیا گھوڑا لیا ہے نا۔۔ اس پر۔۔
سیف کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔
تمہیں کس نے بتایا۔۔۔؟
حارث بھائی نے۔۔۔
اس کی نظر بے اختیار حارث کی طرف گئی۔۔ حارث خاموشی سے بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ اس نے بھی سر اٹھا کر ایک لمحے کو اسے دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔
باقی سب بھی اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ کمرے میں ہنسی کی آواز گونج رہی تھی۔
اسی لمحے سکینہ کمرے میں داخل ہوئی۔
سکینہ، یہاں آجاؤ۔۔۔
صفا نے اس کی طرف دیکھا اور اپنے ساتھ جگہ بناتے ہوئے کہا۔
سکینہ صفا کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔
صفا کی نظر ایزا پر گئی، جو سستی سے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

ایزا، تم بھی ناشتہ کر لو۔
میرا دل نہیں کر رہا۔ اس نے اونگھتے ہوئے جواب دیا۔
جاؤ، جا کر منہ دھو کر آؤ۔
خالہ زمل نے اسے ہلکے سے ڈانٹا۔
اچھا ماما۔ وہ آہستہ سے بولی اور اٹھنے لگی۔
رات کو سو نہیں رہی تھی اور اب دیکھو آنکھیں نہیں کھل رہیں۔ خالہ زمل نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
سب ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔ کمرے میں ہنسی کی آواز گونج رہی تھی۔
کچھ ہی دیر میں سب ناشتہ ختم کر چکے تھے اور اب ہال میں جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔
صفا ہاتھ میں جیولری باکس لیے کمرے میں داخل ہوئی۔
مومنہ شاپنگ بیگ میں رکھے کپڑے دیکھ رہی تھی جبکہ مریم اس کے پاس کھڑی تھی۔
بیڈ پر چند بیگز رکھے ہوئے تھے۔
یہ لو۔ صفا نے باکس مومنہ کی طرف بڑھایا۔
مومنہ نے ایک نظر باکس پر ڈالی، پھر آہستہ سے اسے تھام لیا۔
بھائی سیف نے کیا گفٹ دیا۔۔۔؟ صفا نے اس سے پوچھا۔
مومنہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مریم کی طرف بھی دیکھا۔
بریسلٹ۔۔۔
اس نے آہستہ سے کہا اور اپنا ہاتھ صفا کے سامنے کر دیا۔
صفا ذرا سی جھکی، اس نے نرمی سے مومنہ کی کلائی تھامی اور دوسرے ہاتھ سے بریسلٹ کو چھوا۔
ہمم۔۔۔ بہت پیاری بریسلٹ ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاتھ چھوڑ دیا۔
مومنہ نے وہی ہاتھ مریم کی طرف بڑھایا۔
واقعی بہت خوبصورت ہے۔ مریم نے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
اللہ آپ کے نصیب میں کرے۔
اور ساتھ میں دعا بھی دی۔

آیمن۔ مومنہ اور صفا کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ کمرے میں ایک نرم سی خوشی پھیل گئی۔

مریم، بھائی کا سوٹ نکالا ہے۔۔۔؟ صفا نے اچانک پوچھا۔

نہیں۔۔۔

صفا فوراً الماری کی طرف بڑھی۔ اس نے چند لمحے کپڑوں کو دیکھا، پھر ایک براؤن رنگ کا سوٹ نکال لیا۔ الماری بند کر کے وہ بیڈ کے پاس آئی۔

یہ والا رکھ دیتی ہوں۔

اس نے سوٹ کو دیکھتے ہوئے کہا اور ہینگر سے اتار لیا۔

میرے پاس بھی ایک براؤن سوٹ ہے — میں بھی وہی رکھ لیتی ہوں۔

مومنہ نے صفا کی طرف دیکھ کر کہا۔

اب تو ٹوننگ ہو گی — صفا نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔

مومنہ اور مریم ہنس پڑیں۔

مریم، اس کے لیے بھی براؤن سوٹ نکال دو۔ صفا نے براؤن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

مومنہ نے اسے گھورا۔

تنگ نہ کرو مجھے۔

مریم ہنستے ہوئے الماری کی طرف بڑھ گئی۔

اسی دوران صفا کی نظر ایک بار پھر مومنہ کی کلائی پر پڑی —

ویسے، تم نے بھائی سے پوچھا نہیں، انہوں نے تمہیں یہ بریسلٹ کیوں دی۔۔۔؟

مومنہ ایک لمحے کو خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں بے اختیار اپنی کلائی پر ٹک گئیں۔

کیا مطلب۔۔۔؟ گفٹ دی ہے۔۔۔

اس نے سادگی سے کہا اور انگلیوں سے بریسلٹ کو ہلکا سا چھوا۔

میرا مطلب ہے کہ یہ بٹر فلائی والی ہی کیوں دی؟ صفا آہستہ سے بولی۔

مومنہ نے ذرا چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

یہ دیکھو۔۔۔

صفا نے اپنی کلائی اس کے سامنے کی۔ اس کی کلائی میں چاند والی بریسلٹ تھی۔
مومنہ نے نرمی سے صفا کی کلائی تھامی اور بریسلٹ دیکھی۔
اسی لمحے مریم بھی کپڑے لے کر واپس آئی، اس کی نظر بھی صفا کے ہاتھ پر جا ٹھہری۔
یہ بھائی سیف نے مجھے گفٹ دی تھی۔ صفا نے نرمی سے کہا۔
میں نے ایسے ہی ان سے پوچھ لیا کہ یہ چاند والی ہی بریسلٹ کیوں دی۔۔۔؟
تو انہوں نے کہا کہ تم میرے لیے بالکل چاند جیسی ہو— روشن، خوبصورت، ٹھنڈی اور پُرسکون—
صفا کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔
کمرے میں ایک لمحے کے لیے نرمی سی چھا گئی۔
مومنہ کی نظریں صفا پر تھیں۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر نرمی تھی۔ مریم خاموشی اور نرم انداز میں سوٹ تہہ کر رہی تھی۔
تم بھی بھائی سے پوچھنا۔ صفا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
پوچھوں گی۔
مومنہ نے ہلکی سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
اسی لمحے دروازہ کھلا۔ خدیجہ بیگم اور سیف اندر داخل ہوئے۔
تینوں کی نظریں بے اختیار ان کی طرف اٹھ گئیں۔
سامان رکھ لیا سارا؟ خدیجہ بیگم نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔
جی دادی۔ صفا نے فوراً سے جواب دیا۔
چلو فیر، دیر ہو رہی اے۔
دادی، میں سوچ رہی ہوں کہ مریم کو ساتھ بھیج دوں۔
مریم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
مریم چلی جا۔۔۔ خدیجہ بیگم نے فوراً کہا۔
میں۔۔۔؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔
میں کیسے، مجھے تو کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔

کوئی بات نہیں، مومنہ کو معلوم ہے۔ صفا نے اس سے کہا۔
چلو، جلدی کرو۔
خدیجہ بیگم کہہ کر واپس مڑ گئیں۔
کون کون سا سامان گاڑی میں رکھنا ہے؟ سیف نے پوچھا۔
بھائی، یہ سارے بیگز۔
صفا نے بیڈ پر رکھے بیگز کی طرف اشارہ کیا۔
سیف نے ایک نظر بیگز پر ڈالی، پھر خاموشی سے آگے بڑھ کر انہیں اٹھایا اور بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گیا۔

✦ ✦ ✦

کمرے میں خاموشی کا راج تھا۔ باہر سے آتی سورج کی ہلکی روشنی پردوں سے چھن کر اندر پھیل رہی تھی، مگر اس روشنی میں بھی کمرہ بے جان سا لگ رہا تھا۔
بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے میرال خاموش بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ بوجھل تھا — کسی بھی قسم کی رونق سے خالی۔ اس کی نظریں سامنے جمی ہوئی تھیں۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور ہاتھ پر لگی ڈرپ اس کی کمزوری کی گواہی دے رہی تھی۔
وانیہ کمرے میں داخل ہوئی۔
اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔ وہ آہستہ قدموں سے بیڈ کے قریب آئی اور احتیاط سے ٹرے رکھی۔
میرال، میں تمہارے لیے سوپ بنا کر لائی ہوں۔
اس نے میرال کی طرف دیکھا۔
مگر میرال ویسے ہی خالی آنکھوں سے سامنے دیکھتی رہی۔
وانیہ آہستہ سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے ٹرے اپنی طرف کھینچی اور سوپ کا باؤل اٹھایا۔ اس میں سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔
میرال۔۔۔
اس نے نرمی سے اسے پکارا، مگر میرال خاموش رہی۔
وانیہ نے چمچ بھرا اور آہستہ سے اس کے منہ کے قریب لائی۔

تھوڑا سا سوپ پی لو۔
مگر اس بار بھی خاموشی۔
وانیہ کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ اس نے آہستہ سے باؤل واپس ٹرے میں رکھ دیا۔
نرمی سے میرال کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔
میرال، اگر کچھ کھاؤ گی نہیں تو ٹھیک کیسے ہو گی؟ یہ کہتے ہوئے اس کی اپنی آواز بھی بھر گئی تھی۔
میرال کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔
ایسے تو تم اور زیادہ بیمار ہو جاؤ گی۔۔۔
وانیہ کی آواز میں درد صاف محسوس ہو رہا تھا۔
اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ میرال کی ٹوٹی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
وانیہ کا دل جیسے مٹھی میں جکڑ گیا۔
اس نے میرال کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ میرال کے اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔
اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟
اس بار میرال نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
اس نے مجھے دھوکا دیا۔۔۔
الفاظ اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔ آنسو بے قابو ہو کر بہہ رہے تھے۔
وانیہ اندر سے ٹوٹ رہی تھی، مگر اس کے سامنے خود کو مضبوط ظاہر کر رہی تھی۔
وہ آہستہ سے آگے بڑھی۔ میرال کو گلے لگا لیا۔
میرال، رونا بند کرو۔
وانیہ نے کانپتی آواز میں کہا۔ اس کی خود کی اپنی آنکھیں بھی نم ہونے لگی تھیں۔
اس نے مجھے دھوکا دیا۔۔۔
اس نے ایسا کیوں کیا؟
میرال کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ اس کے اندر سب کچھ بکھرا ہوا تھا۔ وہ ٹوٹ چکی تھی۔
میرال۔۔۔

وانیہ نرمی سے اس کے سر کو سہلانے لگی۔
وہ مجھے کیوں نہیں ملا؟ اس کی آواز بکھر رہی تھی – ہر لفظ درد سے بھرا ہوا۔
میرال، وہ تمہاری قسمت میں لکھا نہیں گیا تھا۔ وانیہ نے آہستہ سے کہا۔
میرا دل۔۔۔
میرا دل اسے چاہتا ہے – میں اسے کیسے سمجھاؤں۔۔۔؟اس کے رونے کی آواز بلند ہونے لگی۔
میں اس دل کو کیسے سمجھاؤں۔۔۔؟
وانیہ کی سانسیں ہلکی سی لرز گئیں۔
کس دل کی بات کر رہی ہو تم۔۔۔؟اس نے دھیمی، مگر ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔
اس دل کی، جو تمہارا رہا ہی نہیں۔۔۔؟
میرال کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔
دل کب ہمارا رہتا ہے – وہ تو کسی نہ کسی کا ہو جاتا ہے۔
سیف میرا بھی تو ہو سکتا تھا – اس کی آواز میں ٹوٹا ہوا یقین تھا۔
اس نے مجھے دھوکا دیا۔۔۔
نہیں میرال۔۔۔ وانیہ نے اسے خود سے الگ کیا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا – اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔
اس نے تمہیں دھوکہ نہیں دیا۔
میرال کی نم آنکھیں اس پر جم گئیں، مگر آنسو بہہ رہے تھے۔
اس نے تم سے کبھی کوئی وعدہ نہیں کیا۔
کبھی محبت کی بات نہیں کی۔
کبھی تمہیں کوئی خواب نہیں دکھائے۔
وانیہ کے الفاظ نرم تھے – مگر سچائی سے بھرے ہوئے۔
دھوکہ وہ دیتے ہیں۔
جو وعدہ کرتے ہیں۔
جو باتوں کے جال بُنتے ہیں۔

جو خواب دکھاتے ہیں۔
وہ ایک لمحے کو رکی۔
تمہیں سیف نے نہیں۔ تمہارے اپنے دل نے دھوکا دیا ہے۔
میرال کے آنسو رک گئے۔
تمہارے اپنے دل نے تم سے سیف کے نام کے وعدے کیے۔
تمہارے اپنے دل نے تمہیں اس کی باتوں میں الجھایا۔
تمہارے اپنے دل نے تمہیں خواب دکھائے۔
وہ رکی۔
تمہارے اپنے دل نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ دل سے بڑا دھوکے باز کوئی نہیں ہوتا۔
وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔
کمرے میں خاموشی چھا گئی۔
میرال کی نظریں وانیہ کے چہرے پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا رک گئے تھے، مگر نمی ابھی بھی آنکھوں میں موجود تھی۔
اسی لمحے خاموشی کو چیرتی ہوئی موبائل کی رنگ ٹون گونجی۔
وانیہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ اس کا موبائل کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے بے اختیار دروازے کی طرف دیکھا۔ رنگ ٹون مسلسل بج رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے میرال کا ہاتھ چھوڑا اور بیڈ سے نیچے اتری۔ اس کے قدم دھیمے تھے، مگر دل کی دھڑکنیں تیز۔ وہ چلتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں پہنچی، میز پر رکھا اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔
اس نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا۔ شہریار، اسکرین پر نام چمک رہا تھا۔
وانیہ نے ایک گہرا سانس لیا اور کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔
وانیہ۔۔۔
میرال کیسی ہے؟ شہریار کی آواز میں ہلکی سی فکر چھپی ہوئی تھی۔
وانیہ کے لب ہلے۔
ٹھیک نہیں ہے۔۔۔

اس نے بمشکل کہا۔ اس کی آواز ہلکی سی کانپ رہی تھی۔
کیا ہوا؟ شہریار فوراً چونک گیا۔
کچھ کھا، پی نہیں رہی اور۔۔۔
وہ رکی، جیسے الفاظ چننے میں بھی اسے تکلیف ہو رہی ہو۔
اور۔۔۔؟
شہریار کی آواز میں اب واضح اضطراب تھا۔
اور رو رہی ہے۔
یہ سنتے ہی دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔
شہریار کے پاس خاموشی کے علاوہ تھا ہی کیا — وہ تو خود محبت میں رویا تھا —
تم اسے کچھ کھلا دو اور دوا بھی دو۔ شہریار نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔
کوشش کر رہی ہوں۔ وانیہ نے دھیرے سے کہا۔
اگر کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو کال کر دینا، میں آجاؤں گا۔
ہمم۔۔۔ وانیہ نے سر ہلایا۔
شہریار نے کال کاٹ دی۔
وانیہ نے ایک لمحے کو موبائل کی اسکرین کو دیکھا اور واپس کمرے کی طرف لوٹ آئی۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر میرال پر پڑی، جو اب بیڈ پر لیٹ چکی تھی۔
وہ خاموشی سے دروازے پر کھڑی اسے دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے قدم بڑھاتے ہوئے اس کے پاس جا بیٹھی۔
وانیہ نرمی سے میرال کے بالوں میں اپنی انگلیاں چلانے لگی، جیسے وہ اس کے بکھرے ہوئے احساسات کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی ہو۔
کمرے میں ایک گہری خاموشی پھیل گئی، مگر اس خاموشی میں بھی درد کی ایک مدھم سی آواز موجود تھی۔
میرال کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر ابھرنے لگا اور اگلے ہی لمحے ایک پرانی یاد نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔
پروفیسر ابھی تک نہیں آئے تھے۔ پوری کلاس ان کے انتظار میں تھی۔
کلاس روم میں باتوں، ہنسی اور ہلکے شور کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی دنیا میں مگن تھا۔

پہلی قطار کی دوسری میز پر شہریار اور سیف ایک ساتھ بیٹھے تھے جبکہ ان کے بالکل آگے والی میز پر میرال اور نورالعین بیٹھی تھیں۔ نورالعین کے بائیں جانب، دوسری قطار میں حماد اور کامران موجود تھے۔

نورالعین، آج لنچ پر چلتے ہیں۔ شہریار نے آگے جھک کر نورالعین سے کہا۔

نورالعین نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

کون، کون۔۔۔؟

ہم سب گروپ والے چلے جاتے ہیں۔

ہاں، ٹھیک ہے۔ نورالعین نے جواب دیا۔

شہریار نے میرال کی طرف دیکھا۔

میرال۔۔۔؟

ہاں، چلتے ہیں۔ میرال نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

شہریار نے فوراً سیف کی طرف دیکھا۔

نہیں، آج نہیں۔

سیف نے بغیر اس کی طرف دیکھے جواب دے دیا۔ سیف کو معلوم تھا کہ شہریار اب اس سے پوچھے گا۔

کیوں؟

شہریار نے بھنویں سکیڑتے ہوئے پوچھا۔

میں گھر جا رہا ہوں۔ سیف نے سادہ سا جواب دیا۔

یار تم ہر ویک اینڈ پر گھر چلے تو جاتے ہو، اس بار رہنے دو۔ شہریار نے منانے والے انداز میں کہا۔

نہیں۔ سیف نے مختصر سا جواب دیا۔

سیف، تم پلان خراب نہ کرو۔

سیف ہلکا سا مسکرایا۔

میں نے کب پلان خراب کیا؟ تم سب چلے جاؤ۔

نہیں، تم ساتھ جاؤ گے۔

شہریار نے جیسے فیصلہ سنا دیا ہو۔

سیف نے اس کی طرف دیکھا، مگر خاموش رہا، جیسے اسے معلوم ہو کہ وہ نہیں مانے گا۔

حماد۔۔۔

شہریار نے آواز دی۔

حماد نے پیچھے مڑ اس کی طرف دیکھا، کامران بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

آج سب لنچ پر جا رہے ہیں۔ تم دونوں ساتھ چلو گے؟

ہاں۔۔۔ اس نے ہلکا سا سر ہلایا۔

شہریار نے کامران کی طرف دیکھا۔

ہاں، ٹھیک ہے۔ کامران نے فوراً ہامی بھر لی۔

اوکے، ڈن۔

شہریار نے انگوٹھا اٹھا کر اشارہ کیا۔

اسی لمحے نور اور پروفیسر ایک ساتھ کلاس روم میں داخل ہوئے۔

کلاس کا شور تھم گیا۔

پروفیسر خاموشی سے ڈائس تک آئے، اپنے ہاتھ میں پکڑے نوٹس میز پر رکھے۔

نور العین نے ایک سرسری نظر پوری کلاس پر ڈالی، پھر جا کر تیسری قطار کی تیسری میز پر بیٹھ گئی۔

پروفیسر نے نظر اٹھا کر کلاس کو دیکھا۔

کیسے ہیں آپ سب؟

ٹھیک سر۔

کلاس میں کئی آوازیں ایک ساتھ گونجیں۔

ڈیٹ شیٹ آنے کے بعد بھی؟ پروفیسر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

کلاس کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

پروفیسر نے اپنی کہنی ڈائس پر ٹکائی اور ہتھیلی پر ٹھوڑی جما لی۔

سلیبس میں کور کروا چکا ہوں، آج ہم اس کی ریویژن کریں گے۔

سب کی نظریں پروفیسر پر مرکوز تھیں۔

اگر کسی کو کچھ پوچھنا ہو، تو پوچھ سکتا ہے۔
اوکے سر۔
کچھ آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔
چلیں، ریویژن شروع کرتے ہیں۔
سب نے اپنے اپنے نوٹس نکال لیے۔
کلاس میں ایک بار پھر ہلکی ہلکی سرگوشیوں اور صفحے پلٹنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔
پروفیسر نے جیب سے موبائل نکالا اور موبائل میں مصروف ہو گئے۔
میاد۔۔۔؟
پروفیسر نے اچانک سر اٹھایا اور پوری کلاس میں نظر دوڑائی۔
کلاس روم میں ایک دم خاموشی چھا گئی، چند لمحے پہلے کی ساری سرگوشیاں کہیں گم ہو گئی۔
سب کی نظریں ایک ساتھ پروفیسر کی طرف اٹھ گئیں۔
سر، وہ ایبسنٹ ہے۔
کلاس کے پچھلے حصے سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔
پروفیسر نے دوبارہ سے موبائل اسکرین پر نظر ڈالی۔
اٹینڈنس شارٹ ہے اس کی۔ پروفیسر نے بے تاثر لہجے میں کہا۔
کلاس خاموش رہی۔
اریس۔۔۔؟
چند لمحے بعد پروفیسر نے دوبارہ سے سر اٹھایا۔ نظریں پوری کلاس میں گھمائیں۔
یس سر۔۔۔
درمیانی قطار کی سیکنڈ لاسٹ میز سے ایک ہاتھ بلند ہوا۔
پروفیسر کی نظریں اس پر جا ٹھہریں۔
آپ کی بھی اٹینڈنس شارٹ ہے۔
اریس کے چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی اور آنکھوں میں گھبراہٹ جھلکی۔ اسے اس بات کی توقع نہ ہو۔

اس نے بے اختیار لب بھینچ لیے۔
کیوں؟ پروفیسر نے سوال کیا۔
سر۔۔۔
اریس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔
ہمم۔۔۔ بولو۔۔۔
اریس خاموش رہا۔
پروفیسر نے ایک لمحہ اسے دیکھا۔
آئندہ ایسا نہ ہو، اس سمسٹر میں سب کی اٹینڈنس پوری کر رہا ہوں۔
تھینک یو سر۔ اریس نے فوراً سے کہا۔
اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے، جیسے کسی نے اس کے دل سے بوجھ ہٹا دیا ہو۔
پروفیسر نے ایک لمحہ موبائل اسکرین کو دیکھا، پھر نظر اٹھا کر پوری کلاس کو۔ انہوں نے موبائل جیب میں رکھا۔
کلاس، کسی نے کچھ پوچھنا ہے؟
وہ ڈائس سے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے بولے۔
نو سر۔۔۔
کلاس میں سے چند آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔
چلیں پھر، ملتے ہیں پیپر والے دن۔
پروفیسر کہتے ہوئے واپس ڈائس کی طرف گئے، نوٹس اٹھائے اور آہستہ قدموں سے کلاس سے باہر نکل گئے۔
ان کے جاتے ہی کلاس کا ماحول ہلکا ہو گیا۔ دبی دبی آوازیں اب قدرے بلند ہونے لگیں اور ہر طرف ہلکی سی چہل پہل پھیل گئی۔
چلو، چلتے ہیں۔ شہریار نے سیف کی طرف دیکھ کر کہا۔
شہریار۔۔۔
سیف نے منہ بناتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
اٹھو، اٹھو — شاباش۔

شہریار نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور سیف بھی بے دلی سے بیگ اٹھاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

شہریار ایک قدم نیچے آیا۔

چلو، چلیں۔۔۔ اس نے اپنی دائیں اور بائیں والی میز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ سب بھی اپنے اپنے بیگ سمیٹتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

اسی لمحے نور اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

ہیلو۔۔۔

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سب کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ بلند کیا۔

ہیلو۔۔۔

نورالعین نے بھی ہلکا سا ہوا میں ہاتھ بلند کیا۔ باقی سب نے بھی مسکرا کر اس کا جواب دیا۔

نور، تم بھی آجاؤ۔ شہریار نے فوراً اسے دعوت دی۔

کہاں؟

لنچ پر۔۔۔

سوری، آج نہیں، آج مجھے ذرا جلدی ہے۔ نور نے نرمی سے کہا۔

اب سب آہستہ آہستہ اس کے قریب آ چکے تھے۔

تم ساتھ جا رہی ہو، بس۔۔۔

شہریار نے ایک بار پھر فیصلہ سنانے والے انداز میں کہا۔

شہریار۔۔۔

بس کہہ دیا نا۔ شہریار نے نور کی بات کاٹ دی۔

اور ویسے بھی، تم تو ہر وقت جلدی میں ہی ہوتی ہو۔

نور، پلیز چلو۔ نورالعین نے نرمی سے کہا۔

نور ایک لمحے کے لیے سب کو دیکھتی رہی، جیسے کسی اندرونی کشمکش میں ہو — پھر اس نے ایک لمبی سانس لی اور آہستہ سے ہاں میں سر ہلا دیا۔

سب کے چہروں پر فوراً مسکراہٹ پھیل گئی۔
وہ سب کلاس روم سے باہر کی طرف بڑھنے لگے۔
ویسے نور، تم ہمیشہ جلدی میں کیوں رہتی ہو؟ میرال نے نور کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔
نور نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔
بس، ایسے ہی. یہاں بھی کیا کرنا ہوتا ہے۔
میرال ہلکا سا مسکرائی۔
یہ بھی ٹھیک ہے۔
میرے پاس گاڑی ہے، ہم اسی میں چلتے ہیں۔ شہریار اچانک رکا۔
سب کے قدم بھی رک گئے۔
میرے پاس بھی ہے۔ سیف نے فوراً کہا۔
اور میرے پاس بھی۔۔۔
حماد اور میرال نے ایک ساتھ کہا۔
سیف نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔
تو پھر سب اپنی اپنی گاڑیوں میں چلتے ہیں اور وہاں سے سیدھا گھر واپس ہو جائیں گے – نورالعین، کامران اور نور کو میں ڈراپ کر دوں گا۔
گڈ آئیڈیا۔ کامران نے فوراً کہا۔
میں نے کچھ دن پہلے انسٹاگرام پر ایک ریسٹورنٹ دیکھا تھا۔ ہم سب وہیں چلتے ہیں، تم سب میرے پیچھے رہنا۔
یہ کہہ کر شہریار آگے بڑھ گیا، باقی سب بھی اس کے پیچھے چلنے لگے۔
کچھ ہی دیر بعد – وہ سب ایک ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑے تھے۔
شیشے کی دیواروں کے پار اندر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ لوگ پُرسکون انداز میں بیٹھے کھانا کھانے اور باتوں میں مشغول تھے۔ کئی چہروں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔
نور کے چہرے پر ہلکی سی جھجھک ابھری۔
ہم کسی اور ریسٹورنٹ میں نہیں جا سکتے؟ اس نے آہستہ سے نورالعین سے کہا۔

کیوں؟ کیا ہوا؟
نورالعین نے چونک کر پوچھا۔
بس، ایسے ہی، یہ مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ نور کی آواز میں بے چینی واضح تھی۔
کم آن گائز۔۔۔
شہریار کی آواز پر سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔
وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ میرال اور کامران بھی اس کے ساتھ آگے چلنے لگے۔
ہم ٹیسٹ چیک کر لیتے ہیں۔
نورالعین نے نور کو دیکھتے ہوئے کہا۔
نور نے ایک لمحہ اس کے چہرے کو دیکھا، پھر کچھ کہے بغیر سر جھکا لیا۔
آجاؤ۔۔۔
نورالعین نے اس کا بازو تھام لیا۔ دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگیں۔
سیف ان کے بالکل پیچھے تھا — خاموش، مگر غور سے سب دیکھتا ہوا۔
سب سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اندر داخل ہونے لگے۔ دروازے پر کھڑے گارڈ نے فوراً دروازہ کھولا۔
السلام علیکم!
شہریار، میرال، حماد اور کامران نے سر ہلا کر جواب دیا اور اندر بڑھ گئے۔
نور نے سر جھکا رکھا تھا —
اسلام و علیکم، باجی۔۔۔
گارڈ نے نور سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس نے نور کو پہچان لیا تھا۔
وعلیکم السلام!
نور نے آہستہ سے سر اٹھایا اور سر ہلا کر جواب دیا۔
آج دن کی شفٹ لگی ہے؟ گارڈ نے پوچھا۔
نور کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو گھبراہٹ ابھری۔
نہیں۔۔۔ اس نے مختصر سا جواب دیا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

سیف ایک لمحے کے لیے رکا – اس نے گارڈ کی طرف دیکھا، پھر نور کے پیچھے چل پڑا۔
السلام علیکم، سر۔۔۔
اندر داخل ہوتے ہی مینجر نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔
شہریار نے سر ہلایا اور اردگرد نظر دوڑائی۔ باقی سب بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔
نور کی نظریں مسلسل اِدھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر بے چینی صاف دکھائی دے رہی تھی۔
ہاؤ مینی پرسن؟ مینجر نے پوچھا۔
سیون۔۔۔ شہریار نے جواب دیا۔
مینجر نے سر ہلایا اور انہیں ریسٹورنٹ کے ایک کونے میں موجود میز تک لے گیا۔
نور کے قدم اگرچہ چل رہے تھے، مگر اس کا دل ابھی بھی وہیں کہیں اٹکا ہوا تھا۔
شہریار، سیف، کامران اور حماد ایک طرف بیٹھ گئے جبکہ ان کے بالکل سامنے میرال، نورالعین اور نور بیٹھ گئیں۔
سب اپنی اپنی جگہ سنبھال چکے تھے۔ نور، وہ کرسی کے کنارے پر بیٹھی تھی، جیسے کسی بھی لمحے اٹھ کر چلی جائے گی۔
چلو بھئی، آرڈر کرتے ہیں۔۔۔
شہریار نے مینیو اٹھاتے ہوئے کہا۔
میرال نے بھی ایک مینیو کارڈ اٹھا لیا۔
سب اپنی اپنی پسند بتانے لگے – باتوں کی آوازیں گونجنے لگیں، میز پر جیسے زندگی بکھر گئی ہو۔
نور خاموش تھی۔ اس کی نظریں بار بار ادھر اُدھر جا رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ بے اختیار ایک دوسرے میں الجھے ہوئے تھے۔
سیف کی نظر اس پر ٹھہری ہوئی تھی۔ اسے یقین ہو چکا تھا – یہ جگہ نور کے لیے نئی نہیں ہے۔
اسی لمحے – ایک ویٹر ان کے قریب سے گزرا۔
اس کی نظر ایک لمحے کے لیے نور پر ٹھہری اور نور کی نظریں بھی اس سے ٹکرا گئیں – نور نے فوراً اپنی نظریں جھکا لیں۔
دو چکن منچورین فیملی پیک۔۔۔
شہریار کی آواز پر ویٹر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔

دو چکن منچورین فیملی پیک۔۔۔ ویٹر نے آہستہ سے دہرایا۔ اس کے ہاتھ، نوٹ بک پر چلنے لگے۔
دو گارلک سیزم چکن اور دو چاؤمین۔
شہریار نے اضافہ کیا۔
ویٹر نے ایک نظر سب پر ڈالی، پھر سر ہلایا — دو گارلک سیزم چکن اور دو چاؤمین۔
ڈرنکس؟ اس نے مختصر سا سوال کیا۔
ڈیسائیڈ کر کے بتاتے ہیں۔ شہریار نے کہا۔
ویٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔
سر، ایک بار آرڈر کنفرم کر دیں۔۔۔
سب کی نظریں اس پر تھیں۔
دو چکن منچورین فیملی پیک، دو گارلک سیزم چکن، دو چاؤمین۔۔۔؟
اوکے۔۔۔
شہریار نے مختصر سا جواب دیا۔
ویٹر نے نوٹ بک بند کی اور ایک آخری نظر نور پر ڈال کر وہاں سے چلا گیا۔
نور کی انگلیاں اب بھی آپس میں الجھی ہوئی تھیں۔
نور۔۔۔
سیف کی آواز نرم سی سرگوشی کی طرح فضا میں گھلی تو نور نے چونک کر فوراً اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پل کو الجھن جھلکی، جیسے وہ کسی خیال میں گم تھی اور اچانک حقیقت میں لوٹ آئی ہو۔
اسی لمحے ویٹر دوبارہ ان کی میز کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس کی موجودگی نے سب کی توجہ ایک بار پھر اپنی طرف کھینچ لی۔
سر، آپ کے لیے ڈرنکس اور ڈیزرٹ ہماری طرف سے ہیں۔
اس نے ہلکی سی پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
آج کچھ خاص ہے کیا؟
میرال نے بھنویں سکیڑتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔
ویٹر نے نور کی طرف دیکھا، پھر مؤدب لہجے میں بولا۔

سر، آپ ہماری اسٹاف ممبر کے ساتھ آئے ہیں، اس لیے۔۔۔
اگلے ہی لمحے سب کی نظریں نور پر جا ٹکیں۔
نور کا گلا خشک سا ہو گیا۔ اس نے بے اختیار ہونٹ بھینچے اور منہ کا پانی نگل لیا۔ اس کے چہرے پر شرمندگی کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی، جیسے وہ اچانک سب کے سامنے آ گئی ہو۔
اوکے۔
سیف نے فوراً سے کہا۔ اس کو نور کی الجھن، اس کا بار بار نظریں چرانا اور باہر گارڈ کا اس سے بے تکلف انداز میں بات کرنا، اس کو سب سمجھ آ گیا تھا۔
ویٹر سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔
نور، تم نے کبھی بتایا نہیں کہ تم جاب کرتی ہو۔
سیف نے ذرا سا آگے جھکتے ہوئے نرمی سے کہا، اس کی آواز میں خلوص تھا۔
ہاں نور۔۔۔
اس بار نورالعین نے بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
نور بس ان دونوں کے چہروں کو دیکھتی رہی، جیسے الفاظ اس کے اندر کہیں اٹک گئے ہوں۔
کبھی۔۔۔ موقع ہی نہیں ملا—
اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی، جیسے ہر لفظ وہ سوچ سمجھ کر ادا کر رہی ہو۔
ویسے مجھے وہ لوگ بہت پسند ہیں جو خود کماتے ہیں۔ سیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔
نور ہلکا سا مسکرائی، مگر زبردستی۔
تمہیں معلوم ہے، میں ہر ویکینڈ پر گھر کیوں جاتا ہوں؟
سیف نے بات کو ہلکا کرنے کے لیے انداز بدلا۔
سب کی توجہ اب اس کی طرف ہو گئی۔
نور نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔
کیونکہ میں بھی گھر جا کر کام کرتا ہوں۔
کیوں۔۔۔؟ شہریار نے حیرانی سے کہا۔

تم لوگوں نے تو نوکر رکھا ہوا ہے – وہ کیا نام تھا اس کا۔۔۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

اختر۔۔۔

سیف نے فوراً کہا۔

ہاں، اختر۔۔۔

ہم نے کبھی اسے نوکر نہیں کہا اور نہ ہی کبھی سمجھا۔ سیف کی آواز میں ہلکی سی سنجیدگی تھی۔ اسے یہ لفظ اچھا نہیں لگا تھا۔

جب میں گھر جاتا ہوں، تو میرے ابو مجھ سے خوب کام کرواتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ کام کرنے کے بعد بھی کہتے ہیں – تم کام ہی نہیں کرتے –

اس کی بات پر سب کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

نور کے چہرے پر بھی ایک حقیقی سی مسکراہٹ ابھری اور یہی دیکھ کر سیف کو کچھ ہلکا محسوس ہوا۔

یہ تو سب کے گھر والے کہتے ہیں۔ کامران نے فوراً سے کہا۔

کبھی کبھار تو وہ مجھ سے گھر کے کام بھی کرواتے ہیں۔

گھر کے کون سے کام؟

نورالعین نے فوراً دلچسپی سے پوچھا۔

سیف نے ہلکا سا توقف کیا، جیسے کوئی راز بتانے والا ہو –

برتن دھوتا ہوں میں –

ایک لمحے کی خاموشی، پھر سب کے چہروں پر مسکراہٹ اور حیرت ایک ساتھ پھیل گئی۔

سیف، تم برتن بھی دھوتے ہو؟ میرال نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

سیف نے بڑے سکون سے سر ہلایا، جیسے یہ کوئی معمولی بات ہو۔

واہ بھئی واہ۔ میرال بولی۔

شہریار کی نظریں میرال پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ اس کی ہر بات، ہر تاثر کو خاموشی سے پڑھ رہا ہو۔

باقی سب سیف کی باتوں میں مگن تھے، مگر نور اب پہلے سے کہیں زیادہ پُرسکون اور کمفرٹیبل لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کی جھجھک آہستہ آہستہ نرم مسکراہٹ میں بدل رہی تھی۔

اسی لمحے دو ویٹر ان کی میز کی طرف بڑھے۔ ایک کے ہاتھ میں کھانوں سے بھری ٹرے تھی جبکہ دوسرا خالی ہاتھ ان کے ساتھ چل رہا تھا۔

خالی ہاتھ والے ویٹر نے نہایت احتیاط سے برتن ایک ایک کر کے میز پر سجانے شروع کیے۔ گرم گرم کھانوں کی خوشبو جیسے ہی فضا میں پھیلی، سب کے چہروں پر ایک خوشگوار سی لہر دوڑ گئی۔ خوشبو اتنی دلکش تھی کہ بے اختیار سب کے منہ میں پانی آ گیا۔

ٹرے والا ویٹر خاموشی کے ساتھ واپس لوٹ گیا جبکہ دوسرے ویٹر نے مؤدبانہ انداز میں پوچھا۔

سر، آپ کچھ اور آرڈر کریں گے؟

سیف نے فوراً نور کی طرف دیکھا۔

نور، تم بتاؤ، کون سی ڈرنک اچھی ہے؟

منٹ مارگریٹا اچھا ہوتا ہے۔ نور نے اس بار بغیر کسی جھجھک کے جواب دیا۔

سب کے لیے منٹ مارگریٹا۔۔۔

سیف نے ویٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

اوکے سر۔ ویٹر سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔

سب نے اپنی اپنی پلیٹوں میں کھانا نکالنا شروع کیا۔ چمچوں کی ہلکی ہلکی آوازیں اور خوشبو کا جادو ماحول کو مزید خوشگوار بنا رہا تھا۔

سیف نے پہلا لقمہ لیا، آہستگی سے چبایا، پھر ہلکا سا سر ہلایا—

ہمم، یہ تو بہت زبردست ہے۔

اس نے فوراً دوسرا چمچ لیا، جیسے خود کو روک ہی نہ پا رہا ہو۔

میرال خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیا تمہیں یہ اتنا پسند ہے؟

بہت زیادہ—

سیف نے چباتے ہوئے جواب دیا۔

اسی دوران ویٹر واپس آیا اور خاموشی سے سب کے سامنے ڈرنکس رکھ کر چلا گیا۔ ٹھنڈی منٹ مارگریٹا کے گلاس میز پر ہلکی سی نمی چھوڑ رہے تھے۔

کامران نے گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ لیا، پھر فوراً دوسرا—

نور، یہ واقعی بہت اچھا ہے۔

نور نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

چند ہی سیکنڈ بعد ایک چھوٹی سی گیند لڑھکتی ہوئی ان کی میز کے قریب آ کر رُک گئی۔

اور اسی لمحے ایک ننھی سی بچی اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی آئی۔ اس کی دو ننھی پونیاں ہوا میں اچھل رہی تھیں اور اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں جیسے وہ خود ایک چھوٹی سی خوشی ہو۔

وہ میز کے قریب رکی، جھک کر بڑی احتیاط سے اپنی گیند اٹھائی۔

سیف نے بے اختیار اس بچی کو دیکھا۔

بچی نے گیند سنبھالی اور فوراً پلٹ کر واپس بھاگ گئی۔

سیف کی نظریں اس کے پیچھے تک جاتی رہیں۔

اچانک میرال کی نظر اس پر پڑی۔

اس نے خاموشی سے سیف کی نظروں کا تعاقب کیا اور دوسری میز کی طرف دیکھا۔

وہی بچی اب زمین پر بیٹھی اپنی گیند سے کھیل رہی تھی، اپنی ہی دنیا میں مگن، جیسے اس کے لیے باقی سب کچھ بے معنی ہو۔

کچھ دیر بعد سب کھانا ختم کر کے باہر نکل آئے۔ باہر کا منظر اندر کی نسبت یکسر مختلف تھا۔ فضا میں ایک عجیب سی تازگی گھل چکی تھی۔ نیلا آسمان اب سیاہ بادلوں کی چادر اوڑھے کھڑا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چہرے کو چھو کر جیسے سکون کا پیغام دے رہی تھی۔

موسم کتنا اچھا ہو گیا ہے نا۔

میرال نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا، اس کی آنکھوں میں ایک نرم سی چمک تھی۔

آج بارش ہوگی۔

سیف نے بادلوں کا جائزہ لیتے ہوئے اعتماد سے کہا۔
مجھے نہیں لگتا۔ شہریار نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔
مجھے تو بارش بہت پسند ہے۔
میرال کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی، جیسے وہ پہلے ہی اس بارش کو محسوس کر رہی ہو۔
میرا تو ایسے موسم میں چائے پینے کا دل کر رہا ہوں۔ نور نے کہا۔
کیا چائے پینے چلیں؟
اس نے سب کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔
نہیں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔ نورالعین فوراً بولی۔
ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔
تم نے گھر بتایا نہیں تھا کہ ہم باہر جا رہے ہیں۔ سیف نے نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔
بتایا تھا، لیکن کافی دیر ہو چکی ہے۔
نورالعین چلو نا۔۔۔
میرال نے پیار سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
اور ایسا موسم روز روز تھوڑی ہوتا ہے۔
ہم کل بھی جا سکتے ہیں۔ نورالعین نے تجویز دی۔
کل یونیورسٹی آف ہے۔ شہریار نے فوراً سے کہا۔
میرا مطلب منڈے کو۔۔۔ وہ خود ہی الجھ گئی۔
منڈے سے پیپرز شروع ہیں، اسی لیے تو آج کا دن پرفیکٹ ہے۔ کامران نے کہا۔
تم گھر بتا دو۔ میرال نے پھر نرمی سے کہا۔
ہم زیادہ دیر نہیں کریں گے۔
پھر بھی، دیر ہو جائے گی۔ نورالعین کی آواز اب دھیمی پڑ گئی تھی۔
ٹھیک ہے، پھر کسی اور دن چلے جائیں گے۔ نور نے آہستہ سے کہا۔
اور اگر اس دن ایسا موسم نہ ہوا تو؟ شہریار نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

نورالعین کو گھر چھوڑ کر ہم باقی چلتے ہیں۔ حماد نے حل پیش کیا۔
نہیں، تم لوگ بھی نہیں جاؤ گے۔
نورالعین نے فوراً کہا، اس کے لہجے میں ضد کے ساتھ ساتھ اپنائیت بھی تھی۔
کیوں بھئی؟ شہریار نے پوچھا۔
ہم سب تو جائیں گے۔
سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
یہ بات غلط ہے۔ نورالعین نے رو دینے والے انداز میں کہا۔
نورالعین، سب جا رہے ہیں، تم بھی چلو۔۔۔
میرال نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔
نورالعین نے ایک لمحے کے لیے سب کے چہرے دیکھے۔ ہر چہرے پر اس کے لیے خلوص اور انتظار صاف نظر آ رہا تھا۔
آنٹی سے میری بات کروا دو۔ میرال نے دھیرے سے کہا۔
اس نے گہری سانس لی، پھر بیگ سے اپنا موبائل نکالا۔
اس نے گھر کال ملائی۔
ہیلو۔۔۔
دوسری طرف سے نرم، مانوس آواز آئی۔
نورالعین نے بغیر کچھ کہے فوراً موبائل میرال کے ہاتھ میں تھما دیا۔
اسلام علیکم، آنٹی۔
میرال نے نہایت مہذب لہجے میں کہا۔
وعلیکم السلام!
دوسری جانب سے بھی شفقت بھرا جواب آیا۔
آنٹی میں نورالعین کی دوست بات کر رہی ہوں — کیسی ہیں آپ؟
میں ٹھیک ہوں — نورالعین کہاں پر ہے؟

آنٹی، نورالعین میرے پاس ہی کھڑی ہے۔
میرال نے ایک لمحہ توقف کیا، جیسے الفاظ چن رہی ہو۔
آنٹی، ہم سب دوست باہر ہیں اور موسم بھی بہت اچھا ہو گیا ہے۔
میرال نے نورالعین کی جانب دیکھا۔
نورالعین کے چہرے پر ذرا سی گھبراہٹ تھی۔
ہم لوگ سوچ رہے تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے چائے پینے چلے جائیں، اگر آپ اجازت دے دیں تو۔۔۔
بیٹا موسم خراب۔۔۔
آنٹی میں اس کو خود گھر چھوڑ دو گی۔
اس کے لہجے میں احترام بھی تھا اور ایک ہلکی سی امید بھی۔۔۔
دوسری جانب ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی، جیسے الفاظ بھی رک کر اجازت مانگ رہے ہوں۔ پھر نرم مگر سنجیدہ آواز ابھری۔
ٹھیک ہے، لیکن زیادہ دیر نہیں کرنا۔
جی آنٹی، ہم جلدی ہی واپس آجائیں گے۔
ٹھیک ہے، بیٹا۔
اور دوسری جانب سے کال کٹ گئی۔
میرال کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایسی مسکراہٹ جس میں اجازت بھی تھی اور خوشی بھی۔
اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر باقی سب کے چہروں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔
اب چلیں؟
اس نے نورالعین کو موبائل واپس کرتے ہوئے کہا۔
جانا کہاں ہے؟ کامران نے تجسس سے پوچھا۔
نور نے چائے کا کہا ہے، تو نور ہی کوئی اچھا سا پوائنٹ سجیسٹ کرے گی۔ سیف نے کامران کی طرف دیکھا۔
جو جگہ مجھے معلوم ہے وہاں تم لوگ جاتے نہیں ہو گے۔ نور نے سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔
کیوں؟ ایسا بھی کیا ہے وہاں؟

میرال نے بھنویں اٹھاتے ہوئے پوچھا۔
وہ بازار کے اندر ایک چھوٹی سی دکان ہے۔ نور نے سادگی سے کہا۔
چائے اچھی ہوتی ہے یا نہیں؟ شہریار نے فوراً سوال کیا۔
اچھی ہوتی ہے۔ نور نے اعتماد سے جواب دیا۔
تو پھر ٹھیک ہے، دکان چھوٹی ہو یا بڑی، فرق نہیں پڑتا — چیز اچھی ہونی چاہیے۔
شہریار نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
لیکن وہاں گاڑی نہیں جا سکے گی۔ نور نے وضاحت کی۔
ہم باہر پارک کر دیں گے۔ میرال نے فوراً حل پیش کیا۔
ٹھیک ہے، پھر چلتے ہیں۔
چلو پھر۔۔۔
سیف اور کامران ایک ساتھ بولے۔
کچھ ہی دیر بعد وہ سب ایک زندہ دل بازار میں کھڑے تھے۔ دکان واقعی چھوٹی تھی، مگر اس کے گرد لوگوں کا ہجوم اس کی شہرت کی گواہی دے رہا تھا۔
اردگرد کی دکانیں روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں، فضا میں لوگوں کی آوازیں، دکانداروں کی صدائیں اور چائے کی خوشبو گھلی ہوئی تھی — ایسا کے پورا منظر کسی زندہ کہانی کا حصہ ہو۔
اسی دوران دکان کے اندر سے ایک بارہ سال کا لڑکا باہر آیا۔ اس کی گوری رنگت، سرخی مائل گال اور بھورے بال اسے نمایاں بنا رہے تھے۔ وہ سیدھا نور کے پاس آیا۔
نور اسے دیکھ کر بے اختیار مسکرا دی۔
آج بڑے دنوں بعد آیا تم۔ اس نے خالص پٹھان لہجے میں محبت سے کہا۔
مصروف تھی، اس لیے۔ نور نے نرمی سے جواب دیا۔
لڑکے کی نظریں باقی سب تک گئی۔
یہ سب کون ہیں؟
یہ سب میرے دوست ہیں۔ نور نے مسکرا کر کہا۔

لڑکے بھی تمہارا دوست ہے؟

ہاں۔۔۔نور نے ہلکا سا سر ہلایا۔

لڑکا تھوڑا سا الجھا۔

لڑکا کیسے دوست ہو سکتا ہے؟

سب کی نظریں اب نور اور اس لڑکے پر تھیں اور ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ بھی۔

تم بھی تو میرے دوست ہو۔ نور نے شرارتی انداز میں کہا۔

سب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

ہمارا بات اور ہے—لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا۔

سب کی ہنسی فضا میں بکھر گئی۔

تمہارا اور بات کیوں ہے؟ نور نے اسی کے لہجے میں چھیڑا۔

لڑکا ایک لمحے کو خاموش ہو گیا، جیسے جواب ڈھونڈ رہا ہو، پھر اچانک موضوع بدلتے ہوئے بولا۔

تم ہم کو بتاؤ، کتنے کپ چائے؟

سات کپ، کڑک چائے۔

لڑکے نے سر ہلایا اور تیزی سے اندر چلا گیا۔

نور اور باقی سب وہیں کھڑے تھے۔

ہر کوئی اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا—اپنے انداز میں اس بازار کی رونق کو محسوس کر رہا تھا۔

یہ بازار کافی بڑا ہے کیا؟

سیف نے اردگرد نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

ہاں۔۔۔

نور نے آہستہ سے جواب دیا، جیسے وہ اس جگہ کی یادوں میں کھو گئی ہو۔

ویسے میں ایک بار یہاں آئی ہوئی ہوں۔ نورالعین نے نور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اسی دوران، چائے کی دکان سے کچھ فاصلے پر موجود ایک جیولری سٹال کے پاس دو لڑکیاں آکر رکیں۔ ان کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھے اور چہروں پر ہلکی سی خوشی جھلک رہی تھی۔

عمارہ، یہ دیکھو کیسا ہے؟

آمنہ نے ایک جھمکا اپنے کان کے قریب لگا کر آئینے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

عمارہ نے اس کے ہاتھ سے جھمکا لیا، غور سے دیکھا۔

اچھا ہے، مگر اس کے موتیوں کا کلر اتنا خاص نہیں۔

اس نے دوبارہ جھمکا آمنہ کے کان کے قریب کیا۔

کوئی اور دیکھو۔۔۔

عمارہ نے نرمی سے کہا۔

آمنہ تھوڑا سا آگے جھک کر سٹال پر رکھی دوسری چیزیں دیکھنے لگی۔

اسی لمحے، آسمان سے ایک ٹھنڈی بوند آکر حماد کی بازو پر گری۔ اس نے چونک کر اپنی بازو کی طرف دیکھا، پھر سر اٹھا کر آسمان کو تکا۔

بارش شروع ہو گئی۔۔۔

اس نے آہستہ مگر واضح انداز میں کہا۔

سب کی نظریں فوراً آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔

ایک اور بوند آکر میرال کے چہرے پر گری۔ اس نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر اسے صاف کیا، مگر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی، اسے یہ لمحہ اچھا لگ رہا تھا۔

چند ہی لمحوں میں بوندیں تیز ہو گئیں۔ بازار میں ہلچل مچ گئی۔ دکاندار جلدی جلدی باہر لگے سٹالز کو بڑے شاپرز سے ڈھانپنے لگے۔ اردگرد کے لوگوں کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔

اندر آجاؤ۔۔۔

پٹھان لڑکے نے زور سے نور کو آواز دی۔

نور نے ایک نظر اس پر ڈالی اور بغیر ہچکچاہٹ کے دکان کی طرف بڑھ گئی۔ دکان پہلے ہی بھری ہوئی تھی، مگر اسے یقین تھا کہ وہ لڑکا ان کے لیے جگہ بنا لے گا۔

نور کے پیچھے باقی سب بھی جلدی جلدی اندر جانے لگے۔

میرال، سیف اور شہریار ابھی بھی وہیں کھڑے تھے۔ وہ اندر سے نکلتے لوگوں کو راستہ دے رہے تھے، تاکہ بھیڑ کم ہو سکے۔

بارش اب تیز ہو رہی تھی۔

اسی ہلچل میں، عمارہ کی نظر اچانک کچھ فاصلے پر کھڑے شہریار پر پڑی۔

وہ لمحہ جیسے ٹھہر سا گیا۔

اس کے چہرے پر پھیلی خوشی یکدم غائب ہو گئی۔ آنکھوں کی چمک مدھم پڑ گئی اور رنگ جیسے اڑ سا گیا۔ دل میں ایک تیز سی ٹیس اٹھی، ایسی ٹیس جو صرف یادوں سے جڑی ہوتی ہے۔

وہ بے اختیار اسے دیکھتی رہ گئی، جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ واقعی سامنے کھڑا ہے۔

شہریار کے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھ کر عمارہ کے اندر جیسے کوئی طوفان برپا ہو چکا تھا۔

اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ اگلے ہی لمحے وہ بے اختیار تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

آمنہ ابھی وہیں کھڑی تھی۔ دکاندار جلدی جلدی سٹال پر رکھی چیزوں کو ڈھانپ رہا تھا، مگر آمنہ اب بھی کسی نہ کسی چیز کو اٹھا کر دیکھ رہی تھی، جیسے بارش بھی اس کی دلچسپی کو روک نہ پا رہی ہو۔

اس نے مڑ کر دیکھا تو عمارہ وہاں موجود نہیں تھی۔

عمارہ؟ وہ ہلکا سا چونکی۔

اس نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑے جھمکے واپس رکھے اور ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ اگلے ہی لمحے اس کی نظر عمارہ پر پڑی، جو تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

آمنہ نے اپنی چیزیں سمیٹیں اور اس کے پیچھے چل دی۔

میرال، سیف اور شہریار بھی آگے بڑھے۔

میرال سب سے آگے تھی، اس کے پیچھے سیف اور پھر شہریار۔

عمارہ تیزی سے چلتی ہوئی شہریار کے قریب آ کر رک گئی۔

اب کس لڑکی کے دل کے ساتھ کھیل رہے ہو۔۔۔؟ اس کی آواز میں دبی ہوئی آگ صاف محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے الفاظ سنتے ہی شہریار کے قدم جیسے زمین میں جم گئے۔

اب کس کی عزت برباد کرنی ہے۔۔۔؟

اس نے مڑ کر عمارہ کو دیکھا اور اس کی سانس ایک لمحے کے لیے رک سی گئی۔
میرال اور سیف نے بھی چونک کر مڑ کر دیکھا۔
شہریار کی آنکھیں برف کی مانند سرد اور بے حس تھیں، جبکہ عمارہ کی آنکھوں میں آگ بھڑک رہی تھی — درد، غصہ اور شکایت سب ایک ساتھ۔
یہ لمحہ جیسے وقت سے باہر نکل آیا تھا۔
عمارہ، میں تمہیں وہاں ڈھونڈ رہی ہوں۔ اسی لمحے آمنہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔
چلو جلدی، اس سے پہلے کہ بارش اور تیز ہو جائے۔ اس نے عمارہ کا بازو پکڑا اور اسے کھینچتے ہوئے آگے لے گئی۔
عمارہ نے ایک آخری نظر شہریار پر ڈالی، ایسی نظر جس میں ہزاروں ادھورے سوال چھپے تھے۔
وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی۔
شہریار وہیں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔
شہریار۔۔۔
سیف کی آواز اسے حال میں واپس لائی۔
اس نے مڑ کر سیف کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں ایک لمحے کے لیے ملیں۔
کیا وہ تم سے کہہ رہی تھی۔۔۔؟
پتا نہیں — شاید کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو۔
شہریار نے مختصر سا جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔
میرال کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی۔
دکان کے اندر اب چائے بننے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ چمچوں کی ہلکی ٹکر، ابلتے دودھ کی سرسراہٹ اور چائے کی خوشبو جو فضا میں ایک عجیب سی مٹھاس گھول رہی تھی۔
وہ سب دکان کے ایک کونے میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ وہاں چند پرانی بینچیں پڑی تھیں، جن پر کچھ لوگ پہلے ہی بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
خوشبو تو اچھی آ رہی ہے۔ کامران نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔
چائے بھی اچھی ہی ملے گی۔

نور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
نورالعین خاموشی سے کھڑی چائے بنتے دیکھ رہی تھی۔ پٹھان لڑکا نور، حماد اور کامران سے کچھ کہنے لگا۔
میرال خاموش تھی۔ اس کی نظریں کبھی باہر برستی بارش پر جاتیں، کبھی اندر کے ماحول پر۔
سیف کی نظر بار بار شہریار کی طرف اٹھ رہی تھی اور شہریار وہ بالکل خاموش کھڑا تھا۔ اس کی نظریں دکان کے باہر برسنے والی بارش پر جمی ہوئی تھیں۔
بارش اب تیز ہو چکی تھی۔ ہوا میں نمی گھل گئی تھی۔ چھت پر گرتی بوندیں مسلسل آواز پیدا کر رہی تھی۔ سڑک پر پانی جمع ہو رہا تھا۔

✦ ✦ ✦

ہال روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ اونچی چھت سے لٹکتے بڑے بڑے کرسٹل فانوس اپنی سنہری چمک ہر طرف بکھیر رہے تھے۔ ان کی کرنیں دیواروں سے ٹکرا کر پورے ماحول میں ایک دلکش جگمگاہٹ پیدا کر رہی تھیں۔
اسٹیج کو آف وائٹ پردوں سے اس نفاست سے سجایا گیا تھا کہ منظر کسی شاہی محل کا حصہ محسوس ہوتا تھا۔ پیچھے سجی میزوں پر سنہری شوپیس، لمبی نفیس بوتلوں کی شکل کے ڈیکوریپسز اور مدھم جلتی موم بتیاں ایک پرسکون اور باوقار فضا قائم کر رہی تھیں۔ ہوا میں ہلکی سی خوشبو رچی ہوئی تھی، جو اس لمحے کو اور بھی خاص بنا رہی تھی۔
اسٹیج پر سیف کھڑا تھا۔ بیج رنگ کی شلوار قمیض اور بیج رنگ کا کوٹ اس کی شخصیت پر کچھ اس طرح جچ رہا تھا جیسے اسی کے لیے بنایا گیا ہو۔ سیدھا کٹ اور سادہ مگر نفیس ڈیزائن اس کے انداز کو باوقار بنا رہا تھا۔ بال سلیقے سے سنوارے ہوئے اور ہلکی داڑھی اس کے چہرے کو سنجیدگی کے ساتھ دلکشی بھی دے رہی تھی۔ کلائی میں بندھی گھڑی اور پاؤں میں پہنے سادہ مگر خوبصورت جوتے اس کے پورے حلیے کو مکمل کر رہے تھے۔
وہ مسکرا رہا تھا اور اس مسکراہٹ میں ایک خاموش سی گرمجوشی چھپی ہوئی تھی، جو دیکھنے والوں کے دل تک اترتی جا رہی تھی۔
اس کے ساتھ مومنہ کھڑی تھی — جیسے روشنی کا کوئی نرم سا عکس۔
ہلکے سنہری اور بیج رنگ کا بھاری لہنگا باریک کڑھائی اور چمکتے کام سے مزین تھا، جو ہر حرکت کے ساتھ ہلکا سا جگمگا اٹھتا۔ لہنگے کی تہیں نیچے کی طرف پھیلتی ہوئی زمین کو چھو رہی تھیں، جیسے سنہری لہریں خاموشی سے بچھ گئی ہوں۔ اس کا

لمبا دوپٹہ پیچھے کی جانب خوبصورتی سے پھیلا ہوا تھا، جس کے کناروں پر نفیس کام اسے اور بھی دلکش بنا رہا تھا۔ بال نرم لہروں کی صورت میں کندھوں پر بکھرے تھے۔

اس کے ہاتھ میں تھاما ہوا چھوٹا سا کلچ اس کے پورے انداز میں سادگی اور نفاست کا حسین توازن پیدا کر رہا تھا۔ اس کی کلائی میں سجی باریک سی بریسلٹ، جس پر ننھی سی تتلی بنی تھی، یوں محسوس ہو رہی تھی، جیسے وہ ہوا میں اُڑ رہی ہو— نرم، آزاد اور خوابوں جیسی—

اس کے چہرے کی ہلکی سی مسکراہٹ اس کی معصومیت اور خوبصورتی کو دوبالا کر رہی تھی۔

اسٹیج کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا، مگر اس ہجوم میں بھی سب کی نظریں صرف انہی دونوں پر ٹکی ہوئی تھیں، جیسے اس لمحے میں باقی سب کچھ دھندلا گیا ہو اور صرف وہ دو ہی حقیقت بن کر سامنے کھڑے ہوں۔

سامنے کھڑا کیمرہ مین ان پر فوکس کیے مسلسل تصویریں لے رہا تھا اور ہر فلیش کے ساتھ یہ لمحہ مزید روشن ہوتا جا رہا تھا۔

اسی لمحے مریم اور صفا اسٹیج پر آئیں۔

دونوں نے ایک جیسا لباس پہنا ہوا تھا۔ سیاہ رنگ کی ساڑھی ان کے وجود پر کچھ یوں سج رہی تھی، جیسے رات کے سیاہ پردے پر سنہری روشنی کے دھاگے بُن دیے گئے ہوں۔ باریک اور نفیس کڑھائی ہر زاویے سے چمک رہی تھی، جبکہ ساڑھی کا پلّو سلیقے سے کندھے پر رکھا ہوا تھا، جو ان کے انداز میں ایک باوقار نرمی پیدا کر رہا تھا۔

ان کے بلاؤز پر کیا گیا بھاری سنہری کام خاص طور پر نگاہ کھینچ رہا تھا۔ گہرے سیاہ کپڑے پر بنے باریک نقش و نگار اور ہلکی سی جھلک انہیں شاہانہ وقار دے رہی تھی۔ آستینوں پر نفیس کڑھائی اور کناروں پر جھلملاتی جھالر ہر حرکت کے ساتھ مدھم سی جنبش لے رہی تھی، جیسے ہر لمحہ خود کو دہرا رہا ہو۔ گلے کا ڈیزائن سادہ مگر دلکش تھا، جو ان کی شخصیت کی نزاکت کو خوبصورتی سے ابھار رہا تھا۔

دونوں کے ہاتھوں میں تھامے ہوئے خوبصورت کلچ ان کے پورے حلیے کو مکمل کر رہے تھے، جیسے سادگی اور نفاست کا آخری لمس ہو۔

بال پیچھے کی طرف سلیقے سے بندھے ہوئے تھے، جس سے ان کے چہرے پوری طرح نمایاں ہو رہے تھے۔ آنکھوں میں ہلکی سی چمک، لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ اور انداز میں ایک پُراعتماد ٹھہراؤ۔ سب کچھ مل کر انہیں محض خوبصورت نہیں، بلکہ یاد رہ جانے والا بنا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک ہی عکس دو وجودوں میں ڈھل گیا ہو۔

مریم آگے بڑھی اور مومنہ کے ساتھ جا کھڑی ہوئی، جبکہ صفا سیف کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔
اسی دوران کیمرہ مین نے اس لمحے کو اپنے کیمرے میں قید کرنا شروع کیا۔
بیٹھ جائیں۔۔۔
کیمرہ مین نے نرم مگر واضح آواز میں کہا۔
مریم ذرا سا پیچھے ہٹی، جبکہ مومنہ نے احتیاط سے اپنے کپڑے سمیٹے اور آہستگی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ مریم نے جھک کر نرمی سے اس کی مدد کی۔
مومنہ کے بیٹھتے ہی سیف بھی اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔
چند لمحوں بعد مریم اور صفا نے بھی صوفے پر اپنی جگہ بنا لی۔
کیمرہ مین نے ایک بار پھر کیمرہ سنبھالا اور تصویروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔
اسی دوران ہمدان صاحب اور اسماء اسٹیج پر نمودار ہوئے۔
اسماء ہلکے نیلے رنگ کے خوبصورت، نفیس کام والے سوٹ میں ملبوس تھیں۔ ان کی کلائیوں میں سجے سونے کے کنگن ہلکی روشنی میں چمک رہے تھے، جبکہ ہاتھ میں پکڑا ہوا کلچ ان کی شخصیت کو مزید باوقار بنا رہا تھا۔
مریم فوراً ادب سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک طرف ہو گئی۔ اسماء آ کر مومنہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔
صفا بھی اپنی نشست چھوڑ کر کھڑی ہوئی تو ہمدان صاحب آ کر سیف کے ساتھ بیٹھ گئے۔
وہ آف وائٹ شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ ان کے پاؤں میں چمکتے ہوئے سیاہ جوتے ان کی شخصیت کو باوقار بنا رہے تھے۔
اب اسٹیج پر سب اپنی اپنی جگہ سنبھال چکے تھے۔ کیمرہ مین نے ایک بار پھر کیمرہ اٹھایا اور اس یادگار لمحے کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنے لگا۔
ایک خالی میز پر خدیجہ بیگم خاموشی سے بیٹھی اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھیں۔
انہوں نے آف وائٹ رنگ کی نہایت نفیس ساڑھی زیبِ تن کر رکھی تھی، جس کے کناروں پر کوپر کا باریک اور دلکش کام تھا۔ ساڑھی کی سادگی اور نفاست ان کی شخصیت کو اور بھی نکھار رہی تھی۔ وہ اس لباس میں بے حد پیاری لگ رہی تھیں۔

ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں کی نمی ان کے دل کی کیفیت بیان کر رہی تھی، جیسے خوشی کے اس ہجوم میں بھی کوئی کمی انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہو۔

اسی لمحے حارث آہستہ سے ان کے قریب آیا۔

وہ آج غیر معمولی طور پر دلکش لگ رہا تھا۔ اس نے رائل گرین رنگ کا پینٹ کوٹ پہن رکھا تھا، جس کی نفاست اور فٹنگ اس کی شخصیت کو اور بھی نمایاں کر رہی تھی۔ کوٹ کے نیچے سفید شرٹ کے اوپر کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے، جو اس کے انداز میں ایک بے ساختہ سی بے فکری اور دلکشی کا رنگ بھر رہے تھے۔ اس کے بال ہلکے سے ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے، جیسے جان بوجھ کر انہیں سنوارنے کے بجائے بس یونہی چھوڑ دیا ہو۔ اس کے ہاتھ میں بندھی چاکلیٹ براؤن رنگ کی گھڑی اور پاؤں میں پہنے اسی رنگ کے جوتے اس کے لباس کے ساتھ خوبصورتی سے ہم آہنگ تھے۔ ہر چیز جیسے سوچ سمجھ کر چنی گئی ہو۔

وہ کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

وہ پاس رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک نظر خدیجہ بیگم کو دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

.بیوٹی فل۔۔۔

اس کی آواز میں خلوص اور ہلکی سی شوخی شامل تھی۔

خدیجہ بیگم نے اس کی طرف دیکھا۔

حارث کی نظر ان کی آنکھوں کی نمی پر پڑی تو اس کے چہرے کی مسکراہٹ فوراً مدھم پڑ گئی۔

دادی، کیا ہوا؟ اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

کجھ وی نہیں۔۔۔

خدیجہ بیگم نے بھاری آواز میں جواب دیا، مگر آواز کی لرزش ان کے دل کا حال چھپا نہ سکی۔

دادی، مجھے بتائیں، کیا ہوا ہے؟ حارث نے نرمی سے اصرار کیا۔

عبدالرحمن تے ملائکہ – اج زندہ ہندے، تے کنے خوش ہندے۔

یہ کہتے ہی ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ انہوں نے فوراً چہرہ ذرا سا جھکا کر آنکھیں صاف کی۔

حارث نے ایک لمحے کو انہیں غور سے دیکھا۔

دادی، وہ تو خوش ہوتے ہی ہوتے – مگر دادا فضل کا کیا؟ کیا وہ خوش نہیں ہوتے؟

خدیجہ بیگم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
حارث کے چہرے پر شرارتی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔
توں اپنی حرکتاں توں باز نہ آئیں؟ انہوں نے فوراً ڈانٹنے کے انداز میں کہا، مگر لہجے میں اپنائیت جھلک رہی تھی۔
حارث کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔
اچھا، اب یہ رونا دھونا چھوڑیں اور مجھے یہ بتائیں کہ یہ ساڑھی کہاں سے لی؟
خدیجہ بیگم نے بے اختیار اپنی ساڑھی کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
لاہور توں۔۔۔
انہوں نے آہستگی سے کہا۔
ویسے بہت پیاری لگ رہی ہیں آپ — دادا زندہ ہوتے تو آپ پر مرمٹتے —
حارث نے مسکراتے ہوئے کہا۔
فضول گلاں نہ کر۔ خدیجہ بیگم نے فوراً جھڑک دیا، مگر ان کے لبوں پر مسکراہٹ آچکی تھی۔
حارث نے کرسی تھوڑی سی کھینچ کر ان کے اور قریب کی۔
ویسے دادی، میں ایک بات سوچ رہا تھا۔ حارث نے رازدارانہ انداز میں کہا۔
کی؟ خدیجہ بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔
میں سوچ رہا تھا کہ آج آپ بھی اپنے لیے کوئی حسین، گبرو نوجوان تلاش کر لیں۔۔۔
بے غیرت — بکواس کِویں کر رہیا اے —
خدیجہ بیگم نے فوراً اپنے منہ پر ہاتھ رکھا اور آدھی ہنسی، آدھی شرمندگی کے ساتھ اسے گھورا۔
حارث یہ سن کر بے اختیار ہنس پڑا۔
ان کی ہنسی اور ناراضگی کے بیچ وہ لمحہ، جو چند دیر پہلے اداسی سے بھرا ہوا تھا، اب خوشی اور اپنائیت میں بدل چکا تھا۔
حارث نے اپنی ہنسی کو قابو میں رکھتے ہوئے گلا صاف کیا۔
اچھا دادی، مجھے آپ سے ایک اور بات کرنی ہے۔ حارث ذرا سنبھل کر بولا۔
خدیجہ بیگم نے اسے دیکھا، مگر کہا کچھ نہیں۔
حارث دوبارہ ہنس پڑا، جیسے خود کو روکنا اس کے بس میں ہی نہ ہو۔

خدیجہ بیگم خفگی سے اسے گھور رہی تھیں، مگر ان کی آنکھوں میں اب بھی ہلکی سی شفقت جھلک رہی تھی۔

دادی، سنے تو سہی۔۔۔

حارث نے اپنی ہنسی پر قابو پایا اور اس بار سنجیدہ لہجے میں کہا۔

بول۔۔۔ خدیجہ بیگم نے مختصر سا جواب دیا۔

حارث نے ایک گہری سانس لی، جیسے خود کو حوصلہ دے رہا ہو۔

دادی، مجھے ایک لڑکی پسند آگئی ہے۔

یہ کہتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن ذرا تیز ہو گئی، جیسے کوئی اہم راز زبان پر آگیا ہو۔

خدیجہ بیگم ایک لمحے کو چونک گئیں۔ ان کی آنکھیں ذرا سی سکڑ گئیں اور وہ غور سے حارث کو دیکھنے لگیں، جیسے اس کے چہرے سے سچ پڑھ لینا چاہتی ہوں۔

حارث نے ہلکا سا سر ہلا کر اپنی بات کی تصدیق کی۔

کون اے او؟

خدیجہ بیگم نے فوراً پوچھا، اب ان کے لہجے میں تجسس بھی شامل تھا۔

دادی۔۔۔ وہ۔۔۔

حارث ایک لمحے کو رکا، جیسے الفاظ ساتھ نہ دے رہے ہوں۔

حارث نے اپنی گردن موڑ کر اسٹیج کی طرف دیکھا۔ وہاں روشنیوں کے بیچ صفا اور مریم اب بھی ایک طرف کھڑی تھیں، لوگوں میں گھری ہوئیں، مگر پھر بھی نمایاں۔

خدیجہ بیگم نے بھی اس کی نظر کا تعاقب کرتے ہوئے اسٹیج کی طرف دیکھا، مگر وہاں موجود لوگوں کے ہجوم میں وہ سمجھ نہ سکیں کہ حارث کس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

حارث نے دوبارہ ان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی جھجھک تھی۔ دل کی دھڑکن ابھی بھی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اس نے اپنے منہ کا پانی اندر کھینچا، جیسے وہ اگلا لفظ کہنے سے پہلے خود کو تیار کر رہا ہو۔

مریم۔۔۔

حارث نے نہایت دھیمی آواز میں اس کا نام لیا، جیسے اس ایک لفظ میں اس کے دل کی ساری بات چھپی ہو۔

خدیجہ بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ انہوں نے فوراً اسٹیج کی طرف دیکھا، جہاں روشنیوں کے بیچ مریم اب بھی کھڑی تھی۔

مریم۔۔۔؟

ان کے لبوں سے بے اختیار اس کا نام نکلا، جیسے یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

حارث نے ان کی طرف دیکھا اور آہستگی سے سر ہلایا اور اگلے ہی لمحے اس نے خدیجہ بیگم کا ہاتھ تھام لیا، جیسے ان کی حمایت اس کے لیے بہت ضروری ہو۔

دادی۔۔۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔۔۔

اس کی آواز میں التجا بھی تھی اور ایک عجیب سی بے بسی بھی۔

خدیجہ بیگم نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

اوہ تے ویاہی ہوئی اے۔۔۔

انہوں نے دھیرے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

میں جانتا ہوں۔۔۔

حارث نے دھیرے سے کہا، مگر اس کے لہجے میں عجیب سی مضبوطی تھی، جیسے وہ اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے والا نہ ہو۔

خدیجہ بیگم خاموش رہیں۔

دادی۔۔۔

حارث نے نرمی سے پکارا۔

اس نے آپ سے کہا تھا نا — کہ اس کا کوئی گھر نہیں — میں اسے گھر دینا چاہتا ہوں۔

حارث کی آواز میں ایک سچائی، ایک خلوص تھا جو سیدھا دل تک اترتا تھا۔

خدیجہ بیگم ایک لمحے کو جیسے ساکت ہو گئیں۔ انہوں نے ذہن پر زور ڈالا، ماضی کا وہ لمحہ یاد کرنے کی کوشش کی جب مریم نے ان سے کہا تھا۔

چند لمحوں بعد انہوں نے گہری نظر سے حارث کو دیکھا۔

تینوں کِئے دسیا اے؟ ان کے لہجے میں حیرت بھی تھی۔

میں نے صفا سے پوچھا تھا۔ حارث نے سادگی سے جواب دیا۔

خدیجہ بیگم نے اپنی آنکھیں ذرا سی سکیڑ کر اسے دیکھا۔
ہور کی کی پچھیا؟
خدیجہ بیگم نے اس سے پوچھا، جیسے وہ ہر بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتی ہوں۔
حارث نے ایک لمحے کو نظریں جھکا لیں، پھر آہستگی سے بولا۔
اس کے گھر کا اور اس کے۔۔۔
وہ یکدم رک گیا، جیسے اگلے الفاظ زبان پر لاتے ہوئے ہچکچا رہا ہو۔
خدیجہ بیگم نے اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔
ہور۔۔۔
اور اس کے شوہر کا۔۔۔
حارث نے جملہ مکمل کیا۔
خدیجہ بیگم کے چہرے کے تاثرات سنجیدہ تھے۔
لیکن صفا نے کہا کہ اسے کچھ نہیں معلوم۔۔۔
حارث نے فوراً وضاحت دی، جیسے اپنی بات کو ہلکا کرنا چاہتا ہو، پھر وہ آہستہ سے ان کے اور قریب ہو کر بولا۔
دادی، آپ مجھے معلوم کر کے بتائیں نا۔
اس کی آواز میں ایک سنجیدہ خواہش اور بے چین سی امید تھی۔
ہال میں شور، قہقہے اور روشنی سب ویسے ہی تھے، مگر اس میز پر بیٹھے دو لوگوں کے درمیان ایک سنجیدہ گفتگو نے ماحول کو یکسر بدل دیا تھا۔
حارث ان پر ہی نظریں جمائے بیٹھا تھا، جیسے کسی فیصلے کے انتظار میں ہو۔
ایہہ گل کرنا اینا آسان نہیں اے۔
خدیجہ بیگم نے دھیرے، مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
دادی، ناممکن تو نہیں ہے نا۔
اس نے ہلکی سی ضد کے ساتھ جواب دیا۔

خدیجہ بیگم نے گہری سانس لی۔ انہوں نے ایک بار پھر اسٹیج کی طرف دیکھا، جہاں مریم لوگوں کے درمیان کھڑی مسکرا رہی تھی— اس بار ان کی نگاہ صرف ایک بزرگ کی نہیں تھی، بلکہ ایک ایسی عورت کی تھی جو ایک نئی کہانی کے آغاز کو پرکھ رہی تھیں۔

پھر انہوں نے آہستگی سے کہا۔

ٹھیک اے، میں پتا کرن دی کوشش کراں گی—

سچ، دادی؟ حارث کی آنکھوں میں ایک دم چمک آگئی۔

پر۔۔۔؟

خدیجہ بیگم نے فوراً بات روکی اور انگلی اٹھا کر اسے خبردار کیا—

جے مینوں لگیا کہ ایہہ سب غلط اے، تے تُوں فوراً ایہہ خیال دل توں کڈھ دیویں گا۔

حارث نے دھیرے سے سرہلایا پھر اس نے ایک سرسری سی نظر اردگرد دوڑائی، جیسے ماحول کا جائزہ لے رہا ہو، پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

چلیں دادی، ہم بھی اسٹیج پر جا کر تصویریں بنواتے ہیں۔ اس نے خوش دلی سے کہا۔

نئیں، میں نئیں جانا۔

خدیجہ بیگم نے فوراً انکار کر دیا۔

چلیں دادی۔۔۔

حارث نے دوبارہ نرمی سے کہا۔

ساڑ ھی پا کے میرے کولوں چلیا وی نئیں جا ریا۔۔۔

خدیجہ بیگم نے دھیرے سے کہا، جیسے ان کو ڈر ہو کے کوئی سن نہ لے۔

حارث کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ وہ واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔

دادی، پھر پہننی ہی نہیں تھی۔

خدیجہ بیگم نے فوراً صفا کی طرف ایک نظر ڈالی اور ہلکے سے منہ بنایا۔

صفا نوں ویکھ کے میرا وی دل کر گیا سی۔۔۔

حارث کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

اوہنوں ویکھو، کِنی سوہنا چل رہی اے، تے میں۔۔۔

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی، پھر خود ہی ہلکا سا مسکرا کر بولیں۔

میں ویسے وی ہن بوڑھی ہو گئی آں۔۔۔

دادی، آپ اتنی بھی بوڑھی نہیں ہوئیں — ابھی عمر ہی کیا آپ کی۔۔۔

حارث فوراً سنجیدہ سا ہو کر بولا۔

خدیجہ بیگم نے اسے گھورا، مگر ان کی آنکھوں میں چھپی مسکراہٹ واضح تھی۔

مینوں زیادہ مکھن نہ لایا کر۔۔۔

دادی، میں کب مکھن لگا رہا ہوں؟

پتا مینو۔۔۔

خدیجہ بیگم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ان دونوں کے درمیان ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ جاری تھی اور اردگرد کی گہما گہمی میں یہ چھوٹا سا لمحہ اپنی ایک الگ ہی مٹھاس لیے ہوئے تھا۔

اسٹیج پر مومنہ اور سیف کے ساتھ اب حرا اور ہارون بیٹھے تھے۔ روشنیوں کی چمک میں وہ سب کسی خوبصورت تصویر کا حصہ لگ رہے تھے۔

ہارون نے کالے رنگ کی سادہ مگر باوقار شلوار قمیض پہن رکھی تھی، جو اس کی سنجیدہ شخصیت کی عکاسی کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بندھی سلور رنگ کی گھڑی ہلکی روشنی میں چمک رہی تھی، جبکہ پاؤں میں پہنے کالے جوتے اس کے لباس کو مکمل کر رہے تھے۔ اس کے بال نہایت سلیقے سے پیچھے کی جانب سیٹ کیے ہوئے تھے، جو اس کے نفیس انداز اور سنجیدگی کو اور بھی نمایاں کر رہے تھے۔

حرا بھی کسی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے کالے رنگ کی لمبی، خوبصورت فراک پہن رکھی تھی، جس کی سادگی میں ایک خاص دلکشی تھی۔ اسی رنگ کا نفیس دوپٹہ بڑے سلیقے سے کندھے پر جما رکھا تھا، جو ہلکے سے اس کے بازو کے ساتھ ڈھلکتا ہوا اس کی شخصیت میں ایک باوقار سا ٹھہراؤ پیدا کر رہا تھا۔ دوپٹے کے کناروں پر کیا گیا نفیس کام روشنی پڑنے پر مدھم سا چمک اٹھتا۔

کانوں میں چھوٹے سے نفیس ایئر رنگز اور ہاتھ میں ایک باریک سا بریسلیٹ، جو اس کی کلائی کی نزاکت کو مزید ابھار رہا تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا اسٹائلش کلچ ہلکے سے تھامے بیٹھی تھی، اس کے بال نرمی سے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔
کیمرہ مین نے ایک اور فلیش کے ساتھ اس لمحے کو قید کیا۔ تصویر کے مکمل ہوتے ہی ہارون اور حرا آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
اسی لمحے حیدر اسٹیج پر آیا۔ چند قدموں میں سیف کے قریب پہنچا۔
بھائی سیف۔۔۔
اس نے دھیرے سے پکارا۔
سیف نے اس کی طرف دیکھا۔
آپ کے دوست آئے ہیں، وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ حیدر نے آہستہ آواز میں کہا۔
اچھا۔۔۔
اس نے مختصر سا جواب دیا۔
وہ کافی دیر سے باہر انتظار کر رہے ہیں، اندر بھی نہیں آ رہے۔ حیدر نے مزید وضاحت کی۔
سیف نے ہلکی سی حیرت سے اسے دیکھا۔
کہہ رہے ہیں کہ سیف کو ساتھ لے کر آنا۔
سیف چونک سا گیا پھر اس نے مومنہ کی طرف دیکھا۔
میں مہمانوں سے مل لوں۔ سیف ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
مومنہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔
سیف اور حیدر دونوں اسٹیج سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ دونوں آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے باہر جا رہے تھے۔
سیف جیسے ہی دروازے سے باہر نکلا، ہال کا شور پیچھے رہ گیا اور گیلری میں بچوں کی ہنسی اور دوڑتے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔
حیدر دروازے سے ہی خاموشی کے ساتھ پلٹ گیا، جیسے اس کا کام بس سیف کو یہاں تک لانا ہی تھا۔
گیلری کے دروازے پر شہریار کھڑا تھا۔

لمبی، روشن راہداری میں سفید دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے، وہ ساکت کھڑا تھا۔ اس نے گہرے جامنی رنگ کا تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا، جس کی نفاست اور فٹنگ اس کی شخصیت کو ایک الگ ہی وقار دے رہی تھی۔ کوٹ کے نیچے ہلکی سی کھلی ہوئی شرٹ اس کے انداز میں بے ساختہ اعتماد اور بے فکری کا رنگ گھول رہی تھی۔

اس کا ایک ہاتھ جیب میں تھا، جبکہ دوسرا ہاتھ بے خیالی میں ڈھلا ہوا۔ پاؤں میں پہنے کالے جوتے ہلکی روشنی میں چمک رہے تھے۔ ایک پاؤں دوسرے پر ہلکا سا رکھا ہوا، جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

سیف کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی، اس کے قدم ٹھہر سے گئے۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک لمحے کے لیے جیسے اردگرد کی ساری آوازیں ختم ہو گئیں۔ بچوں کا شور، لوگوں کی چہل پہل۔۔۔

شہریار۔۔۔

نام اس کے دل میں ابھرا، مگر لبوں تک نہ آ سکا۔

شہریار نے سیف کو دیکھا تو فوراً سیدھا کھڑا ہوا۔

سیف نے آہستہ آہستہ قدم بڑھائے اور شہریار کے قریب آ گیا۔ دونوں کے درمیان چند لمحوں کی خاموشی تھی— بھاری، بوجھل، مگر عجیب سی اپنائیت سے بھری ہوئی۔

شادی کی بہت بہت زیادہ مبارک ہو—

شہریار نے دل سے کہا اور اگلے ہی لمحے اسے اپنے ساتھ مضبوطی سے گلے لگا لیا۔ اس کی گرفت میں ایک شدت تھی، جیسے تین سال کی دوری ایک ہی لمحے میں سمیٹ لینا چاہتا ہو۔

سیف بھی بے اختیار اس کے ساتھ لپٹ گیا۔

دونوں کے دلوں کی کیفیت ایک جیسی تھی۔ دبی ہوئی یادیں، ادھوری باتیں اور ایک انجانی سی راحت—چند لمحوں تک وہ اسی طرح ایک دوسرے کے قریب رہے، جیسے الگ ہونا آسان نہ ہو۔

تم نے تو بلایا نہیں تو میں خود ہی بے شرموں کی طرح آ گیا۔

سیف کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شہریار بولا۔

اس کے لہجے میں شوخی بھی تھی اور ایک چھپی ہوئی شکایت بھی۔

مجھے ڈر تھا کہ اگر میں بلاؤں گا تو تم آؤ گے نہیں اور اگر تم نہ آتے تو مجھے برا لگتا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

تم بلاتے تو سہی۔۔۔

شہریار نے دھیرے سے کہا، اس کی آواز میں نرمی تھی۔
شہریار اس سے الگ ہوا۔ دونوں اب بھی ایک دوسرے کے قریب کھڑے تھے، جیسے وقت کو تھام لینا چاہتے ہوں۔
اندر کیوں نہیں آ رہے تھے؟
سیف نے نرمی سے پوچھا، مگر اس کے لہجے میں ایک ہلکا سا شکوہ واضح تھا۔
شہریار نے ذرا سا سر جھکایا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
بے شرم ہوں — مگر اتنا بھی نہیں۔
سیف کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
جب یہاں آنے کی بے شرمی دکھا دی تو اندر آنے کے لیے بھی تھوڑی سی بے شرمی دکھا دیتے۔ سیف نے چھیڑتے ہوئے کہا۔
شہریار کے ہونٹوں پر ایک نرم، دل سے نکلی ہوئی مسکراہٹ پھیل گئی۔
شہریار نے غور سے سیف کے چہرے کو دیکھا، جیسے اس کے تاثرات میں چھپی ہر بات پڑھ لینا چاہتا ہو، پھر اس کے لبوں پر ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔
تمہارا چہرہ بتا رہا ہے — تم نے اسے پا لیا ہے۔
اس نے دھیرے سے کہا، مگر اس کے الفاظ میں ایک گہرا مفہوم چھپا ہوا تھا۔
سیف کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ اس نے شہریار کی آنکھوں میں دیکھ کر آہستگی سے سر ہلا دیا، جیسے خاموشی میں ہی سب کچھ تسلیم کر لیا ہو۔
شہریار بے اختیار ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی میں خوشی بھی تھی اور ایک پرانی دوستی کی گرمی بھی، جو برسوں بعد بھی ویسی ہی تھی۔
کیا ساری باتیں یہی کھڑے ہو کر کرو گے؟
اندر چلو۔۔۔
سیف نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔
شہریار نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر بغیر کچھ کہے آگے بڑھ گیا۔
سیف بھی اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگا۔

دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تو ہال کی گہما گہمی نے جیسے ان کا استقبال کیا۔ لوگوں کی باتوں، قہقہوں اور برتنوں کی ہلکی ہلکی آوازیں فضا میں گھلی ہوئی تھیں۔

کھانے کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، جو بھوک کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔ لوگ کھانے میں مصروف تھے اور ہر طرف ایک زندہ دِل ماحول محسوس ہو رہا تھا۔

سیف نے ایک نظر اردگرد ڈالی، پھر شہریار کی طرف دیکھ کر شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

دیکھو، تمہارے لیے تو کھانا بھی لگا دیا ہے۔

شہریار اس بات پر بے اختیار ہنس پڑا۔

واہ، بڑی عزت ہو رہی ہے میری۔ اس نے ہلکے طنز میں کہا۔

بس دیکھ لو۔ سیف اسے ساتھ لے کر اسٹیج کی طرف بڑھا۔

اسٹیج پر خالو سرفراز اور ماموں عاصم بیٹھے تھے، دونوں سکون سے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

یہ میرے خالو ہیں۔

سیف نے شہریار کو ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تعارف کروایا۔

اسلام علیکم!

شہریار نے فوراً ادب سے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔

وعلیکم السلام!

خالو سرفراز نے نرمی سے جواب دیا اور اسے محبت بھری نظر سے دیکھا۔

اور یہ میرے سب سے جھوٹے ماموں۔۔۔

اسلام علیکم!

شہریار نے ان سے بھی آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔

وعلیکم السلام!

ماموں عاصم نے بھی خوش دلی سے جواب دیا۔

یہ میرا دوست شہریار ہے۔ سیف نے فخر سے کہا۔

خالو سرفراز اور ماموں عاصم دونوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا کر اسے خوش آمدید کہا۔

آؤ بیٹا، بیٹھو، کھانا کھاؤ۔ خالو سرفراز نے شفقت سے کہا۔
شہریار سائیڈ پر رکھے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا، جبکہ سیف بھی اس کے برابر میں آ بیٹھا۔
سیف نے فوراً ایک پلیٹ اٹھائی اور شہریار کے سامنے رکھ دی۔
کھانا شروع کرو۔ اس نے نرمی سے کہا۔
شہریار نے ایک لمحے کے لیے پلیٹ کو دیکھا، پھر سیف کی طرف۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، جیسے اسے صرف کھانا نہیں، بلکہ برسوں بعد یہ اپنائیت نصیب ہوئی ہو۔
خدیجہ بیگم ابھی بھی اسی میز پر سکون سے بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ لامیہ، خالہ فاطمہ، امایہ اور ایزا بھی موجود تھیں۔
میز پر ہلکی پھلکی گفتگو جاری تھی اور درمیان میں رکھی ڈشز سے کھانے کی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی۔
اسی دوران حارث پلیٹ میں چکن کا سالن ڈال کر ان کی طرف آیا۔
یہ لیں دادی۔۔۔
اس نے محبت سے پلیٹ ان کی طرف بڑھائی۔
خدیجہ بیگم نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا اور پلیٹ تھام لی۔ پھر انہوں نے ایک نظر حارث کی طرف دیکھا اور فوراً ہی اپنی انکھوں کا اشارہ لامیہ کی طرف لیا، جیسے کوئی خاموش شرارت ہو۔
حارث ایک لمحے کو چونکا۔ اس کی ہونٹوں پر ہنسی ابھری۔ اس نے فوراً اپنی ہنسی دبانے کی کوشش کی، مگر اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔
اس نے پلیٹ ذرا سی سائیڈ پر کی، اگلے ہی لمحے خدیجہ بیگم نے اپنا ہاتھ ذرا سا ڈھیلا چھوڑا اور سالن کا ایک حصہ سیدھا جا کر لامیہ کے کپڑوں پر گر گیا۔
ارے۔۔۔
لامیہ نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور ہلکی سی گھبراہٹ کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔
اوہ۔۔۔ سو، سوری آنٹی۔۔۔
حارث نے فوراً سے پلیٹ میز پر رکھ دی اور میز پر رکھے ٹیشو اٹھا کر ان کی طرف بڑھائے۔
میز پر موجود سب لوگوں کی نظریں لامیہ تک پہنچی۔
میں ابھی آتی ہوں۔ وہ آہستہ سے کہہ کر وہاں سے ہٹ گئیں۔

حارث نے ایک نظر ان کو جاتے دیکھا، پھر خدیجہ بیگم کی طرف دیکھا۔
وہ معصومیت سے بیٹھی تھیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
حارث کے چہرے پر ہنسی دبانے کی ناکام کوشش اب بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ فوراً وہاں سے چلا گیا۔
باقی سب دوبارہ سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔
اسٹیج کے قریب روشنیوں کی چمک میں نور اور زویا سیلفیاں لینے میں مصروف تھیں۔ ہر تصویر کے ساتھ ان کی ہنسی جیسے فضا میں رنگ بھر رہی تھی۔
نور نے ہلکے بھورے مائل گرے رنگ کی نفیس کام والی شارٹ قمیض پہن رکھی تھی، جس کے ساتھ کھلا ٹراؤزر اس کی سادگی کو اور نکھار رہا تھا۔ دوپٹہ بے فکری سے اس کے گلے میں پڑا تھا، جبکہ اس کے کھلے بال نرمی سے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ کانوں میں پہنے چھوٹے سے ٹوپس اس کے انداز کو مزید دلکش بنا رہے تھے۔
زویا کالے رنگ کی خوبصورت فراک میں ملبوس تھی۔ اس کے بال سلیقے سے پونی میں بندھے ہوئے تھے، اور ہاتھ میں پہنا نازک سا بریسلٹ اس کی معصومیت میں ایک الگ ہی چمک شامل کر رہا تھا۔
نور جیسے جیسے اسے پوز بتاتی، زویا ویسے ویسے معصومانہ انداز میں ان کی نقل کرتی اور دونوں کی مسکراہٹیں لمحے کو یادگار بنا رہی تھیں۔
آپی، آپ بھی کھانا کھا لیں۔
مریحا کی آواز نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔
نور نے ایک نظر مریحا پر ڈالی، پھر مسکراتے ہوئے زویا کی طرف دیکھا۔
چلو زویا، اب کھانا کھا لیتے ہیں۔
اس نے نرمی سے زویا کا ہاتھ تھاما اور اسے ساتھ لے کر میز کی طرف بڑھ گئی۔ زویا کو اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھا کر نور نے پلیٹ میں کھانا نکالا۔ میز پر پہلے ہی مومل، زوحل، مریحا اور حنزہ موجود تھیں۔
نور نے خود بھی کھانا شروع کیا اور ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر پیار سے زویا کو کھلانے لگی۔
آپی، آپ بھی ہمارے ساتھ زینوں پر جا رہی ہیں؟ مریحا نے تجسس سے پوچھا۔
نہیں۔۔۔
نور نے سادہ سا جواب دیا۔

کیوں؟ مریحا نے فوراً سوال کیا۔
میں کل صبح واپس جا رہی ہوں۔نور نے ہلکے سے لہجے میں کہا۔
اتنی جلدی؟
مریحا نے آنکھیں سکیڑ کر حیرت سے کہا۔
یونیورسٹی جانا ہوتا ہے، اس لیے۔
نہیں، آپ نہیں جائیں گی۔ مریحا نے ضدی انداز میں کہا۔
نور کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔
میں رک جاتی، اگر یونیورسٹی کا مسئلہ نہ ہوتا۔
جب تک ہم یہاں ہیں، تب تک تو رک جائیں۔ حنزہ نے کہا۔
اگر میں رک گئی تو پھر یونیورسٹی کون جائے گا؟ نور نے ہلکے طنز سے پوچھا۔
آپ اپنی پلاننگ جاری رکھیں، ہم اپنی پلاننگ کرتے ہیں۔مومل نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
اور وہ پلاننگ کیا ہے؟ نور نے دلچسپی سے پوچھا۔
ہم سب سیف بھائی سے بات کریں گی۔
مومل نے اعتماد سے جواب دیا۔
نور کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
مطلب سفارش بڑی ہے؟
جی بالکل۔ زوحل نے فوراً کہا۔
ہم کوئی ایسے ویسے لوگ نہیں ہیں، ہمارے پاس پاور ہے۔ زوحل نے فخر والے انداز میں کہا۔
میز پر موجود سب کے درمیان ہلکی سی ہنسی گونج اٹھی۔
کچھ دیر گزرنے کے بعد محفل کی رونق آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگی۔ کچھ مہمان رخصت ہو چکے تھے اور باقی بھی جانے کی تیاری میں تھے۔
روشنیوں کی چمک کے درمیان اسٹیج پر بیٹھی مومنہ کے گرد ایک ہلکی سی گہما گہمی باقی تھی۔

اسی دوران سیف، شہریار، حارث، علی اور خالو سرفراز دھیمے قدموں سے اسٹیج کی طرف آرہے تھے۔ ان کی چال میں ایک خاص وقار تھا۔

اچانک نور کی نظر شہریار پر پڑی۔

وہ جیسے ایک لمحے کو ٹھٹھک سی گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور نظریں شہریار پر جم گئیں، جیسے وقت نے خود کو روک لیا ہو۔ اسے ہرگز توقع نہیں تھی کہ وہ اسے یہاں دیکھے گی۔

وہ سب آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسٹیج تک پہنچے تو وہاں موجود لوگوں احتراماً ذرا سا سائیڈ پر ہو گئے۔

اسٹیج پر منہا اور خالہ فاطمہ، مومنہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ منہا نے جیسے ہی سیف کو دیکھا، وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سیف خاموشی سے آگے بڑھا اور مومنہ کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔

بائیں جانب والی کرسی پر حیدر بیٹھا تھا اور اس کے برابر ہمدان صاحب موجود تھے۔

حیدر، اٹھو یہاں سے۔ خالو سرفراز نے نرمی سے کہا۔

حیدر فوراً تعمیل کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

بیٹا، بیٹھ جاؤ۔

خالو سرفراز نے محبت سے شہریار کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

نہیں، میں ٹھیک ہوں، آپ بیٹھ جائیں۔

شہریار نے ادب سے جواب دیا۔

کوئی بات نہیں بیٹا، بیٹھ جاؤ۔ ان کے لہجے میں ہلکا سا اصرار تھا۔

شہریار نے مزید کچھ کہے بغیر خاموشی سے سر ہلایا اور جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

کرسی سنبھالتے ہی اس کی نظر بے اختیار سامنے اٹھی اور وہ ایک لمحے کو ساکت رہ گیا۔

سامنے نور کھڑی تھی۔

اس کے چہرے پر ایک نرم، مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، جیسے وہ پہلے ہی اس لمحے کو محسوس کر چکی ہو۔

روشنی اس کے چہرے پر ٹھہر سی گئی تھی اور اس کی آنکھوں میں ایک ان کہی سی چمک تھی۔

شہریار ہلکا سا مسکرایا، پھر اس نے سیف اور مومنہ کی طرف دیکھا۔

وہ دونوں ایک ساتھ بے حد خوبصورت لگ رہے تھے – ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے وقت نے انہیں اسی لمحے کے لیے سنبھال کر رکھا ہو، جیسے وہ واقعی ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہوں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مکمل لگ رہے تھے۔

اچھا خالہ، اب ہمیں اجازت دیں۔

ہمدان صاحب نے محبت بھرے انداز میں خدیجہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

خدیجہ بیگم کے چہرے پر ایک اپنائیت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

اجازت کس گل دی؟ ہُن سیف تہاڈا پُتّر اے تے مومنہ ساڈی دھی اے۔ تُسی سیف نوں لے جاؤ۔

انہوں نے ہلکے سے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

اردگرد کھڑے سب لوگوں کی ہنسی کی ہلکی سی لہر فضا میں پھیل گئی۔

نور۔۔۔

خدیجہ بیگم کی پکار نے مصروفیت کے اس ہجوم میں بھی ایک خاص ٹھہراؤ پیدا کر دیا۔ وہ ذرا سا مڑیں اور پیچھے کھڑی نور پر نظر ڈالی۔

جی۔

نور نے فوراً قریب آ کر ہلکا سا جھکتے ہوئے ادب سے جواب دیا۔

سکینہ نوں بلا، تے اوہنوں کہہ ایہہ سارا سامان گاڈی وچ رکھوا دے۔

خدیجہ بیگم نے سنبھلے ہوئے لہجے میں ہدایت دی۔

میں بلاتی ہوں۔

نور نے دھیرے سے کہا اور بغیر وقت ضائع کیے وہاں سے چلی گئی۔

حیدر۔۔۔

صفا کی آواز ابھری۔

حیدر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا اور چند ہی لمحوں میں اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

حارث کی گاڑی میں دو بیگ رکھے ہیں، وہ سیف بھائی کی گاڑی میں رکھ دو۔ صفا نے کہا۔

اچھا۔

حیدر نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا اور فوراً مڑ گیا۔ وہ تیز قدموں سے حارث کی طرف بڑھا۔

حارث بھائی، گاڑی کی چابی دینا۔

حارث نے بغیر کچھ پوچھے اپنی پینٹ کی جیب سے چابی نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔

حیدر نے چابی تھامی اور فوراً باہر کی طرف چل پڑا۔

اسٹیج کے اردگرد کا ہجوم اب آہستہ آہستہ کم ہونے لگا تھا۔ قہقہوں کی جگہ اب ہلکی ہلکی سرگوشیاں لے رہی تھیں۔

شہریار خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور سیف کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی کوٹ کی اندر والی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دو نفیس لفافے نکالے۔

اس نے پہلا لفافہ سیف کی طرف بڑھایا۔

یہ میری طرف سے شادی کا چھوٹا سا گفٹ۔

اس کی آواز میں نرم اُنس اور مسکراہٹ تھی۔

سیف نے لفافے کی طرف نظریں ڈالتے ہوئے تھوڑا پیچھے ہٹایا۔

اس کی ضرورت نہیں ہے۔

گفت ضرورت کے مطابق نہیں دیا جاتا — وہ تو دل سے دیا جاتا ہے۔ شہریار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

تم آ گئے میرے لیے، اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ سیف نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ رکھو۔

اس نے لفافہ سیف کی گود میں رکھ دیا۔

سیف نے لفافہ تھاما اور فوراً واپس دینے کی کوشش کی۔

شہریار، اس کی واقعی ضرورت نہیں۔

لیکن شہریار نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسرا لفافہ مومنہ کی طرف بڑھایا۔

بھابھی، یہ میری طرف سے شادی کا ایک چھوٹا سا گفٹ۔

مومنہ نے لفافے کی طرف ایک نظر ڈالی اور پھر آہستہ سے بولی۔

نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔

شہریار۔۔۔

سیف کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر۔۔۔

تم چپ رہو۔

شہریار نے ہلکے مگر معنی خیز انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

سیف ایک لمحے کو خاموش ہو گیا اور شہریار نے بغیر کچھ کہے آہستہ سے لفافہ میز پر رکھ دیا۔

گفٹ کے لیے انکار نہیں کیا کرتے۔

اس نے دھیرے سے کہا، پھر وہ ذرا سا رکا، اس کی نظر ایک پل کے لیے سیف پر ٹھہری۔

مجھے معلوم ہے، اگر تم کہو گے، تو بھابھی گفٹ رکھ لیں گی۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی۔

سیف کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ اس نے ایک نظر شہریار کو دیکھا، پھر آہستہ سے اپنی نظریں میز پر رکھے اس لفافے پر ڈالیں۔

سیف نے آہستہ سے لفافہ اٹھایا اور پھر لفافہ مومنہ کی طرف بڑھا دیا۔

مومنہ نے سیف کی طرف دیکھا۔

رکھ لیں۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

مومنہ نے ایک لمحے کو شہریار کی طرف دیکھا، پھر دھیرے سے لفافہ تھام لیا۔

شہریار کے چہرے پر اطمینان کی جھلک تھی۔

اسی دوران اسماء اسٹیج تک آپہنچی۔

چلیں؟

انہوں نے آہستہ سے کہا اور مومنہ کو سہارا دے کر اٹھانے لگیں۔

مومنہ نرمی سے کھڑی ہوئی، جبکہ سیف اور شہریار بھی فوراً کھڑے ہو گئے۔

حارث۔۔۔

سیف نے قدرے بلند آواز میں پکارا۔

حارث جو کچھ فاصلے پر کھڑا موبائل میں مصروف تھا، فوراً چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ سیف نے اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

حارث نے موبائل بند کیا اور تیز قدموں سے ان کے قریب آگیا۔

ہم رات کو واپس آجائیں گے، ہمیں دیر بھی ہو سکتی ہے۔
سیف نے دھیرے سے کہا، پھر ایک نظر شہریار کی طرف ڈالی۔
شہریار کی ذمہ داری تمہارے سر ہے۔ تم نے اس کا خاص خیال رکھنا ہے۔ بہت خاص مہمان ہے۔
اس کے لہجے میں ہلکی سی سنجیدگی اور اپنائیت دونوں شامل تھیں۔
حارث کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔
بے فکری ہو کر جاؤ۔
مگر میں تو جا رہا ہوں۔ شہریار کی دھیمی آواز نے فضا کا رخ بدل دیا۔
کہاں؟ سیف نے فوراً چونک کر پوچھا۔
لاہور واپس۔
شہریار نے سیدھے انداز میں جواب دیا، نظریں اس کی آنکھوں میں ڈالے۔
ہرگز نہیں۔
سیف نے فوراً سختی سے کہا، جیسے اس نے پہلے ہی فیصلہ کر رکھا ہو۔
تم حارث کے ساتھ گھر جا رہے ہو۔
مگر۔۔۔
شہریار نے کچھ کہنا چاہا۔
بس، میں نے جو کہہ دیا وہ کہہ دیا۔
سیف نے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کے لہجے میں واضح سنجیدگی تھی۔
شہریار خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی الجھن اور بے بسی ابھری، مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس خاموشی سے نظریں ہٹا لیں — جیسے اس لمحے بحث کا کوئی فائدہ نہ ہو۔
محفل کی آوازیں اب بھی آس پاس گونج رہی تھیں، مگر ان کے درمیان ایک الگ سی خاموشی اتر آئی تھی۔
اسٹیج سے اترتے ہوئے ماحول میں ہلچل سی تھی۔ لوگ رخصت ہو رہے تھے، دعائیں دے رہے تھے اور ہر طرف الوداعی لمحوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔
میں چلتا ہوں۔

سیف نے آخری بار شہریار اور حارث کو دیکھا، پھر ہلکے سے مومنہ کے ساتھ چل دیا۔ اسماء اس کے ساتھ تھیں، اسے سنبھالتے ہوئے آہستہ آہستہ باہر کی طرف لے جا رہی تھیں۔

حارث اور شہریار وہیں کھڑے رہ گئے۔

سیف اور مومنہ ڈرائنگ روم کے پُرسکون ماحول میں ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ دونوں کپڑے تبدیل کر چکے تھے۔

مومنہ نے آہستہ سے سائیڈ پر رکھا موبائل اٹھایا اور اس نے بے اختیار سنیپ چیٹ کھول لی۔

سیف صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ٹھہرا ہوا سکون تھا، جیسے وہ مومنہ کے ہر انداز کو محسوس کر رہا ہو۔

سیف۔۔۔

مومنہ کی دھیمی سی آواز نے خاموشی کو توڑا۔

ہمم۔۔۔

سیف نے ہلکے سے نرم لہجے میں کہا۔

میں آپ کے ساتھ سنیپ بنا لوں؟

مومنہ نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا، جیسے اجازت لے رہی ہو۔

بنا لیں۔

سیف نے سادہ مگر محبت بھری آواز میں جواب دیا۔

مومنہ نے ہلکا سا سانس لیا، جیسے ہمت جمع کر رہی ہو۔

اپنا پاؤں میرے پاؤں کے ساتھ رکھیں۔

سیف نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر بنا کچھ کہے اپنا پاؤں اس کے قریب کر لیا۔ اس کے انداز میں ایک خاموش سا تعاون تھا۔

مومنہ نے اس کی طرف دیکھا۔

سیف نے کندھے اچکائے۔

مومنہ چند لمحے اسے یونہی دیکھتی رہی، پھر نظریں جھکا لیں۔

کیا ہوا؟ سیف نے نرمی سے پوچھا۔

مومنہ نے موبائل پر ایک تصویر نکالی، پھر موبائل سکرین اس کی طرف بڑھا دی۔
ایسی بنانی ہے۔۔۔
اس کی آواز میں ہلکی سی شرم گھلی ہوئی تھی۔
سیف نے تصویر دیکھی – اس میں ایک لڑکا اور لڑکی اپنے پاؤں قریب کیے بیٹھے تھے۔ لڑکے نے لڑکی کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔
سیف کی نگاہیں پھر مومنہ کی طرف اٹھیں۔
مومنہ فوراً نظریں چرا گئی۔
سیف کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مومنہ کا ہاتھ تھام لیا۔
مومنہ کے دل میں، جیسے ایک نرم سا جھٹکا لگا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔
سیف کی آنکھوں میں اپنائیت تھی۔
بنا لیں۔ سیف نے دھیرے سے کہا۔
مومنہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اس نے خود کو سنبھالا، کیمرہ سیٹ کیا اور وہ لمحہ قید کر لیا۔
بن گئی؟ سیف نے پوچھا۔
مومنہ نے سر ہلایا۔
سیف نے آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
اسی لمحے ارحم اندر داخل ہوا۔
اس نے گرے قمیض شلوار کے ساتھ اسی رنگ کی ویسٹ کوٹ، چمکتے ہوئے کالے جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اس کے بال سلیقے سے سیٹ کیے گئے تھے۔
وہ واقعی جاذبِ نظر لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
وہ آہستہ سے آکر سیف کے دائیں جانب صوفے پر بیٹھ گیا۔
تم کہاں تھے؟ آج نظر ہی نہیں آئے۔ مومنہ نے فوراً سوال کیا۔
میں ہال میں ہی تھا۔
ارحم نے آرام سے جواب دیا۔

نظر تو نہیں آئے۔
اب اس میں میری کیا غلطی ہے اگر میں تمہیں نظر نہیں آیا؟اس نے ہلکے طنز سے کہا۔
مومنہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا، مگر کچھ کہا نہیں۔
سیف نے بات کا رخ بدلا۔
ارحم، تم کل کہہ رہے تھے نا کہ دو دو ہاتھ کریں گے، تو میں سوچ رہا تھا آج ہی ہو جائے۔
ارحم نے فوراً اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا۔
نہیں، میرے کپڑے خراب ہو جائیں گے اور ویسے بھی، میں چھوٹے بچوں کو کچھ نہیں کہتا۔ اس لیے جانے دو۔
سیف بے اختیار ہنس پڑا، اس کی ہنسی کی آواز کمرے میں پھیل گئی۔
ہارون اور ہمدان صاحب اندر داخل ہوئے۔ دونوں کے چہروں پر تھکن کے ساتھ ساتھ ایک اطمینان بھی جھلک رہا تھا۔ وہ آکر صوفے پر بیٹھ گئے اور جلد ہی گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا — ہلکی پھلکی باتیں، کہیں ہنسی، کہیں سنجیدگی۔
مومنہ چند لمحے وہیں بیٹھی رہی، پھر خاموشی سے وہ اٹھی اور اندر کی طرف چل دی۔
ٹی وی لاؤنج میں اس کی پھوپھو اپنی بیٹیوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ ان کے چہروں پر سنجیدگی تھی۔
مومنہ نے ایک سرسری سی نظر ڈالی اور بغیر کچھ کہے کچن کی طرف بڑھ گئی۔
کچن میں داخل ہوتے ہی اسے ایک مانوس سی گرمی نے خوش آمدید کہا۔
منہا کاؤنٹر پر بیٹھی ٹانگیں ہلا رہی تھی، جبکہ حرا چائے بنانے میں مصروف تھی۔ چائے کی خوشبو پورے کچن میں پھیل رہی تھی۔
مومنہ خاموشی سے کیبنٹ کی طرف بڑھی اور کپ نکالنے لگی۔
مومنہ، میں کر لیتی ہوں، تم رہنے دو۔ حرا نے فوراً سے کہا۔
کوئی بات نہیں، آپ بھی تو سارا دن کام کرتی رہی ہیں۔ مومنہ نے نرمی سے جواب دیا۔
میں نہیں کروں گی تو اور کون کرے گا؟ مومنہ نے کیبنٹ بند کیا۔
میرے جانے کے بعد آپ نے ہی کرنا ہے، اب یہ آپ کا ہی تو گھر ہے۔
حرا نے مومنہ کو دیکھا۔
جتنا میرا گھر ہے، اتنا ہی تمہارا بھی ہے۔

مومنہ بے اختیار مسکرا دی۔ وہ کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی، جیسے اس لمحے کو محسوس کرنا چاہتی ہو۔
یہ پھوپھو کا موڈ کیوں خراب ہے؟ اس نے آہستہ سے پوچھا۔
حرا نے ایک نظر منہا کی طرف ڈالی۔
پھوپھو کا کہنا ہے کہ ان کی بیٹیوں کو کسی نے دودھ پلائی کی رسم میں شامل نہیں کیا۔ شامل تو دور، کسی نے جھوٹے منہ پوچھا تک نہیں۔
اماں نے کیا کہا؟ مومنہ نے دلچسپی سے پوچھا۔
چچی نے کہہ دیا کہ ہم نے کسی کو بھی نہیں کہا تھا، منہا خود ہی آگے آگے تھی۔
حرا نے کپوں میں چائے ڈالتے ہوئے جواب دیا۔
اور پھر وہی باتیں کہ، کہنا چاہیے تھا، یہ موقعے بہت خاص ہوتے ہیں—
پھوپھو کو کلیش کیے بغیر سکون ہی نہیں ملتا۔ مومنہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
کیا سب کی پھوپھو ایسی ہی ہوتی ہیں؟ منہا نے بھنویں چڑھائیں اور پوچھا۔
پتا نہیں۔۔۔ مومنہ نے جواب دیا۔
تینوں کے درمیان ایک نرم سی ہنسی پھیل گئی۔
حرا نے ٹرے اٹھائی اور باہر جانے لگی تھی کہ مومنہ نے فوراً آگے بڑھ کر ٹرے تھام لی۔
میں لے جاتی ہوں۔ مومنہ نے آہستہ سے کہا۔
حرا نے بغیر بحث کے ٹرے اس کے حوالے کر دی۔
پھوپھو اور ان کی بیٹیوں کو بھی چائے کا بول دینا، ورنہ پھر تمہیں معلوم ہے۔
مومنہ کے قدم حرا کی آواز پر دروازے پہ رک گئے۔ ایک لمحے کو وہ ٹھہری، پھر بے اختیار ہنسی اور آگے بڑھ گئی۔
ٹی وی لاؤنج میں کوئی موجود نہیں تھا۔ مومنہ خاموشی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔
سب لوگ ڈرائنگ روم میں موجود تھے، باتوں میں مصروف، ہنستے مسکراتے۔
مومنہ نے آہستگی سے ٹرے میز پر رکھی اور چائے دینے کے لیے جھکی۔
مومنہ، تم بیٹھ جاؤ۔ خالہ فاطمہ کی آواز فوراً ابھری اور اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔
مومنہ نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا، پھر خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

خالہ فاطمہ ایک ایک کر کے سب کو چائے دینے لگیں۔ اسی دوران حرا اور منہا بھی اندر آگئیں اور آکر قریب ہی بیٹھ گئیں۔

کمرے میں ایک مکمل محفل سجی ہوئی تھی۔ ہر آواز اپنے ساتھ اپنائیت سمیٹے ہوئے ہو۔ ہر کوئی اپنے انداز میں اس لمحے کو جی رہا تھا۔

مومنہ خاموش بیٹھی سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں کبھی سیف پر جا کر ٹھہر جاتیں تو کبھی وہ باقی سب کو دیکھتی، جیسے اس پورے منظر کو اپنے دل میں قید کر لینا چاہتی ہو، ہمیشہ کے لیے۔

کمرے میں باتیں، ہنسی اور چائے کی چسکیوں کا ایک نرم اور خوبصورت سلسلہ جاری تھا۔ وقت جیسے کچھ دیر کے لیے رک گیا ہو، مگر وقت کب کسی کے لیے ٹھہرتا ہے؟

کچھ دیر کے بعد سیف اور مومنہ جانے کے لیے تیار تھے۔ یہی ہنستے چہرے، یہی گونجتی آوازیں، یہی اپنائیت — دروازے تک آتے آتے دل میں ایک ہلکی سی کسک اتر آئی۔

باہر رات اپنی ٹھنڈی خاموشی کے ساتھ منتظر کھڑی تھی۔ انہیں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا گیا۔

سب کی نظروں میں دعائیں اور دوبارہ ملنے کی امیدیں تھیں۔

مومنہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ سیف بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھا۔ اس نے گاڑی فوراً اسٹارٹ نہیں کی۔ ایک لمحے کو اس نے سب کو دیکھا، جیسے وہ اس منظر کو یاد رکھنا چاہتا ہو، پھر گاڑی دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی —

سیف گاڑی چلا رہا تھا اور مومنہ خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں سامنے جمی ہوئی تھیں، مگر ذہن جیسے کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ اچانک اس کی توجہ باہر کی طرف گئی۔

یہ راستہ گھر والا نہیں تھا۔ اس نے ذرا غور سے دیکھا۔ گاڑی گاؤں سے باہر کی طرف جا رہی تھی۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا، اور اس اندھیرے میں چاند کی روشنی اردگرد کے ماحول کو ذرا واضح کر رہی تھی۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس اون تھیں جو سامنے کے سنسان راستے کو چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔

سیف۔۔۔

مومنہ نے دھیرے سے کہا، نظریں اب بھی باہر ہی تھیں۔

سیف نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔

یہ راستہ گھر کو تو نہیں جاتا۔ اس نے سوال کیا۔

نہیں۔ سیف کا جواب مختصر تھا، مگر پُر سکون۔
ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اس کی آواز میں ہلکی سی حیرت شامل ہو گئی۔
ڈیرے پر۔
کیوں؟
سیف کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔
ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا۔
مومنہ نے مزید کچھ نہیں پوچھا۔
کچھ ہی لمحوں بعد گاڑی دروازے کے سامنے آکر رک گئی۔ڈیرے کی لائٹس جل رہی تھیں، مگر اردگرد کا سناٹا ویسا ہی گہرا تھا۔
مومنہ نے شیشے سے باہر جھانک کر دیکھا۔
سیف آہستہ سے گاڑی سے اترا۔ اس نے جیب سے چابی نکالی اور دروازہ کھولا۔
مومنہ کی نظریں اب سیف پر تھیں۔
سیف واپس آکر گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی اندر لے گیا۔ اندر آکر جیسے خاموشی اور بھی گہری ہو گئی۔ سیف گاڑی سے اترا تو مومنہ بھی اس کے ساتھ ہی اتر گئی۔
آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے۔ سیف نے ہلکے سے کہا، اس کے لہجے میں نرمی تھی۔
پھر اس نے مومنہ کا ہاتھ تھاما اور اسے ساتھ لے کر اصطبل کی طرف بڑھنے لگا۔
دروازے کے قریب آکر اس نے مومنہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
اندر روشنی پھیلی ہوئی تھی۔
مومنہ کی نظر جیسے ہی اندر گئی، وہ ٹھہر گئی — وہاں تین گھوڑے کھڑے تھے۔ ایک سفید اور دو گہرے چاکلیٹ براؤن رنگ کے۔
گھوڑوں کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی، جیسے کسی نے اس کے دل کی بات جان لی ہو۔
سیف آگے بڑھا اور سفید گھوڑے کی رسی کھولنے لگا۔
مومنہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

آپ کو گھوڑے پسند ہیں نا؟ سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

مومنہ نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

یہ، میں نے آپ کے لیے خریدا ہے۔

سیف گھوڑے کی لگام تھامے اس کے قریب آگیا۔

گھوڑے کے قدموں کی ہلکی ہلکی آواز اس خاموشی میں صاف سنائی دے رہی تھی۔

گھوڑے نے ہلکی سی آواز نکالی۔

سیف نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا— اس کے نرم، ملائم بالوں کو سہلاتے ہوئے۔

مومنہ ہلکا سا پیچھے ہٹی، اس کی آنکھوں میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔

سیف نے لگام اس کی طرف بڑھائی۔

آج سے یہ آپ کا ہے۔

مومنہ کے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی، مگر اس نے لگام تھام لی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز اور آنکھوں میں ایک الگ سی چمک تھی—

آج ہم اس کی گھڑسواری کریں گے۔ سیف نے آہستگی سے کہا۔

مومنہ نے ہلکے سے لگام کھینچی — گھوڑا ایک قدم پیچھے ہٹا۔

وہ چونک گئی۔ اس نے فوراً لگام چھوڑ دی اور ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

ششش۔۔۔ سیف کی نرم آواز فضا میں گونجی۔

سیف نے آہستگی سے گھوڑے کی لگام تھام لی اور نرمی سے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

گھوڑے کی کھال حیرت انگیز حد تک نرم اور ملائم تھی، جیسے ریشم کو چھو لیا ہو۔ وہ پوری تسلی کے ساتھ اسے پرسکون کر رہا تھا۔

گھوڑے کی سیاہ آنکھیں ان کو دیکھ رہی تھیں۔

پھر وہ لگام پکڑے اصطبل سے باہر نکلا۔ مومنہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلتی آئی۔

دونوں ڈیرے سے باہر نکلے تو سیف نے مڑ کر دروازہ آہستہ سے بند کیا اور لاک کر دیا۔

اب وہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے – مومنہ نے انجانے میں سیف کی بازو تھام رکھی تھی، جیسے اس کے ساتھ چلنے سے ہی اسے اعتماد مل رہا ہو۔

رات ٹھنڈی اور پُرسکون تھی۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ اس کی روشنی زمین پر بکھر کر ان کے سائے بنا رہی تھی، جو ان کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

ابھی ہم سامنے مین روڈ پر جا کر گھڑسواری کریں گے۔ سیف نے چلتے ہوئے کہا۔

مجھے گھڑسواری نہیں آتی۔ مومنہ نے دھیرے سے کہا۔

سیف نے اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک پُرسکون یقین تھا۔

میں آپ کے ساتھ ہوں نا۔

مومنہ نے کچھ نہیں کہا، بس اس کی گرفت تھوڑی اور مضبوط ہو گئی۔

کچی سڑک پر گھوڑے کے قدموں کی آواز مدھم سی تھی، جیسے زمین خود اس خاموشی کو برقرار رکھنا چاہتی ہو، مگر جیسے ہی وہ دونوں مین روڈ پر آئے، گھوڑے کے قدموں کی آواز صاف سنائی دینے لگی – ٹک – ٹک – ٹک –

سڑک کے دونوں کناروں پر درخت قطار میں کھڑے تھے، ان کی شاخیں ہلکی ہوا کے ساتھ سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

چاندنی جیسے آسمان سے اتر کر زمین پر پھیل گئی تھی، ہر چیز کو ایک نرم، خوابیدہ سا رنگ دے رہی تھی۔

سیف رک گیا۔

مومنہ کے قدم بھی وہیں ٹھہر گئے۔ وہ آہستہ سے ایک قدم آگے بڑھی۔

گھبرانا نہیں ہے۔۔۔

سیف نے نرمی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اچھا۔

مومنہ نے دھیمی آواز میں جواب دیا، مگر اس کے لہجے میں ہلکی سی جھجک اب بھی موجود تھی۔

اگلے ہی لمحے – سیف نے بغیر کسی تمہید کے مومنہ کو کمر سے پکڑ کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔

مومنہ ایک دم چونک گئی۔

گھوڑا دو قدم آگے بڑھا، مگر اس کی لگام پر سیف کی گرفت مضبوط تھی، جیسے وہ ہر حرکت کو قابو میں رکھے ہوئے ہو۔

مومنہ کے چہرے پر واضح گھبراہٹ تھی۔ اس کے ہاتھ ہلکے سے کانپ رہے تھے اور وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

سیف نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر اگلے ہی لمحے ایک ہلکی سی جنبش کے ساتھ خود بھی گھوڑے پر اس کے پیچھے آ بیٹھا۔

اس نے آہستگی سے گھوڑے کی لگام مومنہ کے ہاتھوں میں تھما دی، مگر اپنی گرفت بھی ساتھ ہی برقرار رکھی۔

اسے مضبوطی سے پکڑنا ہے۔ سیف نے اس کے قریب جھک کر دھیرے سے کہا۔

مومنہ نے گہرا سانس لیا اور لگام کو تھوڑا اور مضبوطی سے تھام لیا۔

گھوڑا آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا تھا—ہر قدم کے ساتھ ایک ہلکی سی جنبش مومنہ کے وجود میں اترتی، مگر اب وہ پہلے سے کچھ سنبھل گئی تھی۔

سیف کے ہاتھ مومنہ کے ہاتھوں کے اوپر تھے، جیسے وہ صرف لگام نہیں بلکہ اس کے خوف کو بھی تھامے ہوئے ہو۔

سڑک پر گھوڑے کے قدموں کی باقاعدہ آواز گونج رہی تھی—ٹک—ٹک—ٹک—

اس خاموش رات میں، دو دل ایک ہی رفتار سے دھڑکنے لگے تھے۔

آپ کو کس نے بتایا کہ مجھے گھوڑے پسند ہے؟ مومنہ نے اس سے پوچھا۔

صفا نے۔۔۔

سیف نے سادہ مگر نرم آواز میں جواب دیا۔

گھوڑا نرم رفتار سے چل رہا تھا، جیسے رات کی خاموشی کو ٹوٹنے نہ دینا چاہتا ہو۔

مومنہ کے دل کی دھڑکن ابھی بھی تیز تھی۔

سیف، اس کی رفتار تیز کریں۔۔۔ مومنہ نے پُرسکون انداز میں کہا۔

پکا؟ سیف نے پوچھا۔

مومنہ نے ہلکا سا سر ہلا دیا۔

سیف کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی—اس نے لگام کو ذرا سا کھینچا اور اپنے قدموں کی ہلکی سی جنبش سے گھوڑے کو اشارہ دیا۔

گھوڑے کی رفتار تیز ہو گئی—اسی کے ساتھ سڑک پر ٹاپوں کی آواز بھی تیز ہو گئی۔

ٹک – ٹک – ٹک – ٹک –

ٹھنڈی ہوا ان کے چہروں سے ٹکرائی۔ مومنہ کے بال ہوا میں بکھرنے لگے اور اس کا چہرہ اس سرد لمس سے ہلکا سا سرخ ہونے لگا۔ اس کی ناک ٹھنڈ سے مکمل طور پر سرخ ہو چکی تھی، جو چاندنی میں اور بھی نمایاں لگ رہی تھی۔

مومنہ نے اپنے ہاتھ لگام سے چھوڑ دیے۔

سیف نے فوراً مضبوطی سے لگام سنبھال لی۔

مومنہ نے دونوں بازو ہوا میں پھیلا دیے – ہوا اس کے گرد لپٹنے لگی، اس کے بال بکھر گئے اور اس کی ہنسی بے اختیار لبوں سے نکل گئی – صاف، آزاد، زندہ۔

سیف کے دل میں سکون اتر رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

وہ مومنہ کی خوشی کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ مومنہ کی سردی سے لال ہوتی ناک، چمکتی آنکھیں اور بے خوف مسکراہٹ کو دیکھ رہا تھا۔

وہ ان خوبصورت لمحات کو محسوس کر رہا تھا اور وہ ان لمحات کو ہمیشہ کے لیے قید کر لینا چاہتا تھا۔

کیسا لگ رہا ہے؟ سیف نے سوال کیا۔

بہت اچھا۔ مومنہ نے ہنستے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

گھوڑا اپنی رفتار سے دوڑ رہا تھا –

✦ ✦ ✦

احمد، بیڈ کے پاس ویل چیئر پر خاموشی سے بیٹھا تھا۔ باہر سے آتی ہلکی سی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی، جو اس کے چہرے کے سنجیدہ تاثر کو اور گہرا کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دوائیوں کے ڈبے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے انہیں غور سے دیکھتا، پھر آہستگی سے بیگ میں رکھ دیتا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا۔

ایشال اور عریشہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

عریشہ کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔ وہ سیدھی احمد کے پاس آئی اور خاموشی سے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ احمد نے بنا کچھ کہے گلاس تھام لیا۔

عریشہ ایک نظر اس پر ڈال کر واپس مڑ گئی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ایشال شیشے کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔ اس کے بال ہلکے ہلکے کھلے ہوئے تھے، جو اس کے کندھوں پر بکھر رہے تھے۔ وہ آہستگی سے کنگھی اٹھا کر بال سنوارنے لگی۔

آج اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی تازگی تھی۔ اس کے انداز میں ایک انجانی سی خوشی تھی، ایک نرم سا احساس، جو شاید وہ خود بھی پوری طرح سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

ایشال نے شیشے میں اپنے عکس کے ساتھ احمد کو دیکھا۔ احمد کے چہرے پر وہی سنجیدہ تاثرات اب بھی تھے، جیسے کوئی بوجھ اس کے دل پر رکھ دیا گیا ہو۔

اس نے آہستہ سے مڑ کر احمد کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ بس اسے دیکھتی رہی۔

بھائی، آج تو اپنا موڈ ٹھیک کر لیے۔ ایشال نے نرم لہجے میں کہا۔

اس کے ہاتھ کنگھی کرتے ساتھ رک گئے۔

احمد نے چند لمحوں کے لیے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، مگر خاموش رہا۔

ایشال، احمد کے قریب بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

آپ پاکستان جانے کے لیے خوش کیوں نہیں ہیں؟ اس نے آہستہ سے پوچھا، اس کی آواز میں ہلکی سی تشویش بھی تھی۔

احمد نے اسے دیکھا۔

تمہیں وہاں جا کر معلوم ہو جائے گا۔

آپ مجھے ابھی بتا دیں۔

ایشال نے چند لمحوں کے لیے رک کر اس کے ہاتھ کو پکڑا۔ احمد نے پلٹ کر اس کی طرف نظریں ڈالیں۔

وہاں جا کر سب کی زندگی جہنم ہونے والی ہے۔ ایک جہنم ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ احمد نے آہستہ سے کہا۔

ایشال کے لب ہلکے سے کپکپانے لگے۔

آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے؟ وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔

کمرے میں ایک عجیب سا سکون اور کشمکش کی فضا چھا گئی تھی— لمحے جیسے جم گئے اور ہر سانس میں سوال اور تشویش کی دھیمی ہلچل تھی۔

ایشال کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی الجھن اور درد کی جھلک تھی۔ احمد کے لفظ ابھی بھی اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

تم سب اپنی خواہشات کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں جا رہے ہو اور جو خواہش کا پیچھا کرتا ہے، وہ برباد ہی ہوتا ہے۔

ایشال کے دل میں ایک ٹیس اٹھی۔

بھائی، آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟

ایشال احمد کو دیکھ رہی تھی، مگر احمد اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

جب انسان کسی سے دور ہوتا ہے تو اس کا وجود سرد ماحول کی گرفت میں آجاتا ہے۔ سردی اس کے جسم میں اترتی ہے۔ اس کی شدت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اعضاء سن ہو جاتے ہیں۔

وہ رکا۔۔۔

اور جب کسی کے قریب ہوتا ہے تو اس کا وجود گرم ماحول کی گرفت میں آجاتا ہے۔ گرمی اتنی شدید ہوتی ہے کہ جسم کے ہر حصے میں شعور کی طرح محسوس ہوتی ہے اور اعضاء جیسے جلنے لگتے ہیں۔

احمد نے آہستہ سے اپنی انگلیوں کو ہاتھوں پر محسوس کیا، جیسے وہ خود کو اس شدت سے بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔

جلنے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔

جلنے سے بہتر ہے کہ انسان اپنے اعضاء کو سن کرلے — اس کی تکلیف کم ہوتی ہے۔

ایشال خاموشی سے سب کچھ سن رہی تھی۔ اس کے دل میں بھی خوف اتار رہا تھا۔ اس کو بے اختیار اپنا خواب یاد آیا۔

صحرا کی گرمی میں اس کا وجود جل رہا تھا۔

ایشال بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے قدم ہلکے سے کانپ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی تھی۔

آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟

میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن۔۔۔

وہ میرا کیوں نہیں ہو سکتا؟ ایشال نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اس کے الفاظ بہت خود سے سنائی دیے تھے، جیسے ان کی طاقت کمزور پڑ گئی ہو۔ اس کی آواز خود اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

محبت پا لینے کا نام نہیں ہے —

احمد نے آہستہ سے کہا، مگر ہر لفظ میں ایک درد چھپا ہوا تھا۔

محبت قربانی مانگتی ہے۔

ایسی قربانی کا کیا فائدہ، جس میں محبوب ہی قربان ہو جائے؟

ایشال کی آنکھوں میں غم اور سوال دونوں موجود تھے۔ اس کی آواز میں ایک تلخی تھی، جو دل کے زخموں سے نکلی تھی۔

محبت قربانی مانگتی ہے اور آپ کو قربانی دینی ہوتی ہے۔ چاہے وہ محبوب کی قربانی ہی کیوں نہ ہو۔

ایشال نے ایک لمحے کے لیے احمد کو دیکھا، پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔

احمد اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے ایک گہری سانس لی۔ ایک سانس جو اس کے دل کی بھاری کیفیت اور احساس کی شدت سب کچھ بیان کر رہا تھا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی، مگر اس خاموشی میں شور تھا۔

احمد کے دل میں اب بھی چھپی ہوئی فکر اور محبت کی جھلک تھی۔

✦ ✦ ✦

سب لوگ صفا کے کمرے میں جمع تھے۔ کمرے میں باتوں اور قہقہوں کی گونج تھی۔ کچھ تیار ہو رہے تھے اور کچھ اپنی تیاری مکمل کر چکے تھے۔

تم سب ایسے تیار ہو رہے ہو، جیسے کسی شادی پر جا رہے ہو۔

سیف نے شیشے کے سامنے کھڑی حنزہ کو دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

بھائی سیف، آپ میری طرف دیکھ کر کیو کہہ رہے ہیں؟ حنزہ نے شیشے میں سے عکس کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

میں نے سب کو کہا ہے۔

اور مومنہ بھابھی — وہ بھی اپنے کمرے میں تیار ہو رہی ہیں۔ ایزا نے تھوڑا سا طنز بھرے انداز میں کہا۔

وہ تیار ہو سکتی ہے۔ سیف نے دھیرے سے کہا۔

وہ بھی کون سا شادی پر جا رہی ہیں؟ زوحل نے سوال کیا۔

شادی پر تو نہیں جا رہی، لیکن ابھی ابھی شادی ہوئی تو ہے نا؟

واہ بھئی واہ — کیسے سائیڈ لے رہے ہیں۔ حنزہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

کمرے میں ہنسی کی گونج اور بڑھ گئی۔

جلدی کرو۔۔۔
سیف نے آہستہ سے کہا اور خود کمرے سے باہر نکل گیا۔
سامنے سے اختر آرہا تھا۔ سیف کے قدم رک گئے، اس کی نگاہ اختر پر جم گئی۔ اختر آہستہ آہستہ قریب آیا۔
لے آئے؟ سیف نے اس سے پوچھا۔
جی بھائی۔ اختر نے مختصر سا کہا۔
سیف نے اپنی جیب سے گاڑی کی چابی نکالی اور اختر کی طرف بڑھا دی۔
گاڑی باہر نکال دو۔
اختر نے چابی تھامی اور واپس پلٹ گیا۔
کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ سیف اندر داخل ہوا۔
مومنہ بیڈ کی چادر درست کر رہی تھی اور سیف اسے دیکھتا رہ گیا۔
اس نے نیلے رنگ کی لمبی قمیض اور ساتھ کھلا پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ گلے اور بازوؤں پر نفاست سے دھاگوں کا کام نمایاں تھا۔ اس کے بال ڈیکلی سے خوبصورت چوٹیاں میں بندھے تھے، جو اس کی شخصیت کو مرتب اور پر کشش بنا رہے تھے۔
مومنہ نے ایک لمحے کو سیف کو دیکھا۔
وہ آہستہ سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا، جیسے ہر قدم میں ٹھہراؤ ہو، اور ہر نظر میں نرمی۔
سیف، ایک سنیپ بنائیں؟ مومنہ نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھاتے ہوئے کہا۔
بنا لیں۔ سیف نے دھیرے، محبت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ اب وہ اس کے قریب آچکا تھا۔
آپ شیشے کے سامنے کھڑے ہوں اور میں آپ کی طرف — پھر آپ نے سنیپ بنانی ہے۔
مومنہ نے ہلکی سی شرم کے ساتھ کہا اور سنیپ چیٹ اوپن کر کے موبائل اس کے ہاتھ میں دے دیا۔
سیف شیشے کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو گی اور مومنہ اس کی طرف مڑ گئی — اس نے آہستہ سے اپنا سر سیف کے سینے سے ٹکا لیا۔
ایک لمحے کے لیے جیسے وقت رک گیا۔
سیف نے ایک ہاتھ سے موبائل تھاما اور دوسرے ہاتھ سے مومنہ کا ہاتھ تھام لیا۔
شیشے میں دونوں کا عکس ساتھ ساتھ نظر آرہا تھا — خاموش مگر مکمل —

سیف نے موبائل کی سکرین پر نظر رکھتے ہوئے وہ لمحہ قید کر لیا۔ ایک سادہ سا لمحہ مگر احساس سے بھرا ہوا۔
اس نے موبائل مومنہ کی طرف بڑھایا۔
مومنہ نے سکرین پر نظر ڈالی اور اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔
بہت اچھی پکچر آئی ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
سیف بس اسے دیکھتا رہا، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ، پھر اس نے آہستہ سے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور پاس رکھے صوفے پر رکھ دیا۔
مومنہ سب کو سنیپ بھیجنے میں مصروف ہو گئی۔
چند لمحوں بعد اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو سیف واش روم کی طرف جا چکا تھا۔ وہ آہستہ سے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔
پھر بے اختیار اس کی نظر سیف کے موبائل پر جا ٹھہری۔ ایک لمحے کی جھجک اور پھر اس نے موبائل اٹھا لیا۔
سکرین روشن کی۔
اس کی آنکھوں میں ہلکی سی حیرت ابھری۔
موبائل پر کوئی لاک نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ موبائل چیک کرنے لگی—کوئی خاص سوشل ایپلیکیشن نہیں، کوئی غیر ضروری چیز نہیں۔ سب کچھ حد سے زیادہ سادہ۔
اس نے گیلری کھولی۔ اس میں بھی چند تصاویر تھیں۔
واش روم کا دروازہ کھلا۔
مومنہ نے موبائل بند کیا اور واپس رکھ دیا۔
سیف باہر آیا اور وہ سیدھا الماری کی طرف بڑھا۔ مومنہ دوبارہ سے اپنے موبائل میں مصروف ہو گئی۔
سیف نے الماری کھولی، پھر اندر ایک چھوٹی دراز کے سامنے رکا۔
اس نے جیب سے چابی نکالی اور دراز کھولی—اس میں چند چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔
سیف نے ایک نظر سب چیزوں کو دیکھا اور پھر اندر سے رومال میں رکھی ایک گن نکال لی۔
ایک لمحے کو وہ ٹھہرا، پھر نہایت خاموشی اور مہارت سے اس کو اپنے قریب رکھتے ہوئے اسے کمر کے ساتھ سمیٹ لیا۔

ہر حرکت اتنی ہموار تھی کہ کسی غیر متوجہ نگاہ کے لیے وہ صرف ایک عام سا لمحہ لگتا۔ اس نے الماری بند کی اور مومنہ کی طرف بڑھ۔

مومنہ نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا۔

وہ ویسا ہی تھا—پُرسکون۔

چلیں۔

سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

مومنہ نے اپنا سر اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔ دونوں ایک ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔ کمرے میں داخل ہوئے۔ دروازے کے قریب ہی حارث کھڑا تھا۔

شہریار کہاں ہے؟ سیف نے سوال کیا۔

ڈرائنگ روم میں۔۔۔

حارث نے فوراً جواب دیا۔

سیف نے ہلکا سا سر ہلایا۔

مومنہ کمرے کے اندر بڑھ رہی تھی۔

چلیں؟

اس نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

جی، بھائی۔ احمد نے فوراً سے کہا۔

چلو پھر باہر نکالو۔ سیف نے مختصر سا حکم دیا۔

بھائی سیف، آپ کی گاڑی میں چلاؤں گا۔ احمد نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔

گاڑی پر کہاں جانا ہے؟

زینوں پر۔۔۔

گاڑی پر نہیں جانا۔

تو پھر کیسے جائیں گے؟ احمد نے حیرانی سے پوچھا۔

سیف کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

باہر چلو، معلوم ہو جائے گا۔
وہ ایک لمحے کو رکا، پھر حارث کی طرف دیکھا۔
سب کو باہر لے آوں، میں شہریار کو لے کر آتا ہوں۔یہ کہہ کر سیف تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔
چند ہی لمحوں میں سب لوگ گلی میں تھے۔
باہر موسم کافی خوشگوار تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر بادلوں نے سورج کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔
باہر کھڑی گاڑیاں گلی کا کا حصہ لگ رہی تھیں۔
اسی دوران سیف اور شہریار ایک ساتھ باہر آئے۔ سیف کی نظریں سیدھا ماموں عاصم کی گاڑی تک گئی۔
ماموں عاصم کی گاڑی میں علی، زوحل اور ایزا پہلے ہی بیٹھ چکے تھے۔
ان کو باہر نکالو۔ سیف نے احمد سے کہا۔
احمد فوراً گاڑی کی طرف بڑھا، ہلکا سا جھک کر اندر دیکھا۔
بھائی سیف بلا رہے ہیں۔
زوحل اور ایزا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر سوالیہ نظروں سے احمد کو دیکھا۔
تمہیں بھی۔۔۔احمد نے علی سے کہا۔
تینوں فوراً گاڑی سے باہر نکل آئے اور واپس سیف کے پاس آکھڑے ہوئے۔
جی، بھائی۔۔۔
زوحل نے قریب آکر مؤدبانہ انداز میں کہا۔
وہ سامنے درخت کو دیکھو۔۔۔
سیف کی آواز میں ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔
احمد، علی، زوحل، مومل، ایزا اور مریحا نے بیک وقت اس کی بتائی ہوئی سمت میں نظر دوڑائی۔ درخت کے نیچے ایک گدھا بندھا ہوا تھا اور اس کے پیچھے گاڑی جڑی ہوئی تھی۔
تم سب نے اس پر بیٹھ کر جانا ہے۔
سیف نے نہایت سکون سے کہا، جیسے یہ کوئی بالکل معمولی بات ہو۔

شہریار کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
سب نے ایک ساتھ چونک کر سیف کی طرف دیکھا۔
گدھا گاڑی پر۔۔۔
ایزا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اس کی آواز میں حیرت صاف جھلک رہی تھی۔
ہاں۔۔۔
سیف نے سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، جیسے وہ ان سب کے ردِعمل سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔
نہیں بھائی، ہم اس پر نہیں جائیں گے۔ زوحل نے فوراً انکار کیا۔
سیف نے اس کی طرف گہری نظر سے دیکھا۔
اگر جانا ہے تو اسی پر جانا ہے — ورنہ نہیں جانا —
اس کے لہجے میں ایسی قطعیت تھی کہ مزید بحث کی گنجائش باقی نہ رہی۔
فضا میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی اور سب کے چہروں پر حیرت، ہچکچاہٹ اور تجسس ایک ساتھ جھلکنے لگا — جیسے وہ کسی انوکھے سفر کے آغاز پر کھڑے ہوں۔
بھائی سیف۔۔۔
مریحا نے کچھ کہنا چاہا۔
چلو، وقت ضائع مت کرو۔
سیف نے اس کی بات کو ادھوری ہی رہنے دیا، جیسے وہ پہلے سے جانتا ہو کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔
چند لمحوں تک سب ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہے، جیسے کسی کو امید ہو کہ شاید سیف اپنا فیصلہ بدل دے، مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔
چلو شہریار۔۔۔
ان سب کا جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔ سیف نے معنی خیز انداز میں کہا۔
صفا۔۔۔
اس نے آواز دی۔

صفا چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

تم سب گدھا گاڑی پر جاؤ گے۔ سیف نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

صفا کی نظر بے اختیار اس گدھا گاڑی کی طرف گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

اختر، چلو۔۔۔

سیف نے قریب کھڑے اختر کو اشارہ کیا۔

اختر نے سر ہلایا اور آگے بڑھا۔

سب آہستہ آہستہ گدھا گاڑی کی طرف بڑھے۔ قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رک گئے۔ پرانی لکڑی کی بنی ہوئی، مٹی سے اٹی وہ گاڑی جیسے کسی اور زمانے کی یاد لگ رہی تھی۔

بیٹھو۔۔۔

سیف کی آواز پھر گونجی۔

آخرکار علی نے ہمت کی اور سب سے پہلے گاڑی پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے باقی سب بھی بیٹھتے گئے۔ گدھا ہلکا سا ہلا، جیسے اسے بھی اندازہ ہو گیا ہو کہ سفر شروع ہونے والا ہے۔

مریحا، مریم، مومنہ اور زویا درمیان میں سمٹ کر بیٹھ گئیں۔ احمد، علی، حمزہ اور حیدر دائیں جانب ٹانگیں نیچے لٹکائے بیٹھ گئے۔ ایزا، مومل، زوحل اور صفا بائیں طرف جگہ بنا کر بیٹھ گئے، جبکہ مریحا، نور اور حنزہ پیچھے کی جانب ٹانگیں لٹکائے بیٹھ گئی۔

سب ایک دوسرے کے ساتھ سمٹ کر بیٹھے تھے۔ ہلکی سی شرمندگی، ہنسی اور جھجھک سب کے چہروں پر ایک ساتھ نظر آ رہی تھی۔ کوئی کسی کو چھیڑ رہا تھا، تو کوئی نظریں چرا کر مسکرا رہا تھا۔

میری جگہ بھی بناؤ۔ سکینہ نے قریب آ کر کہا۔

مومنہ اور مریم نے فوراً اس کے لیے جگہ بنائی۔ ایزا ذرا سا پیچھے ہٹی تو سکینہ آ کر درمیان میں بیٹھ گئی۔

ایزا نے موبائل نکالا، کیمرہ آن کیا اور سب کی ایک تصویر لے لی۔ سب ایک دوسرے سے جڑے بیٹھے تھے، مگر سب کے چہرے کھلی مسکراہٹوں سے روشن تھے۔

ماموں عاصم، ماموں خضر، شہریار، سیف اور خالو سرفراز ایک گاڑی میں بیٹھ گئے، جبکہ حارث، خدیجہ بیگم، خالہ عائشہ، خالہ زمل، ممانی مہروا اور ممانی مہروش دوسری گاڑی میں جا بیٹھیں۔

بھائی خود گاڑی میں جا رہے ہیں — یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ایزا نے دھیمی آواز میں شکوہ کیا۔

ویسے مزہ آ رہا ہے۔ حنزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اختر نے درخت کے ساتھ بندھی رسی کھولی، پھر گاڑی پر چڑھ کر آگے کھڑا ہو گیا۔ اس نے رسی سنبھالی اور ہلکا سا اشارہ کیا۔

گدھا آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

ایک ہلکا سا جھٹکا سب کو محسوس ہوا اور گاڑی کی مدھم سی چرچراہٹ فضا میں گھلنے لگی۔

نور نے فوراً اپنا کیمرہ آن کیا اور موبائل اوپر اٹھا لیا۔

سب ادھر دیکھو۔۔۔

اس کی پرجوش آواز گونجی۔

سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں، جیسے ہی انہوں نے کیمرے کی طرف دیکھا، سب کی مسکراہٹیں اور گہری ہو گئیں۔

نور نے جلدی سے تصویر لے لی۔

پیچھے سے سیف اور حارث کی گاڑی آ رہی تھی۔ سیف اور شہریار انہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

گلی کی پکی سڑک ختم ہوئی تو گدھا گاڑی کچے راستے پر آ گئی۔ کچی سڑک پر آتے ہی سفر کا انداز ہی بدل گیا۔

ہوا میں مٹی کی خوشبو گھل گئی۔ اردگرد کھلے کھیت پھیل گئے تھے — جہاں تک نظر جاتی، ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔

راستہ ہموار نہیں تھا۔ کہیں اونچ نیچ، کہیں چھوٹے چھوٹے گڑھے — گاڑی ہر چند لمحوں بعد ہلکی سی اچھل جاتی۔ ان سب کے باوجود — سب ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔

ایزا نے اردگرد نظر دوڑائی۔

یہ اتنا بھی برا نہیں ہے۔ ایزا نے دھیرے سے کہا۔

میں نے پہلے کبھی ایسی سواری نہیں کی اور مجھے اچھا لگا رہا ہے۔ نور نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

گاڑی کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔

آہہہ۔۔۔
حنزہ توازن کھو بیٹھی اور سیدھا نیچے جا گری۔
ایک لمحے کی خاموشی اور پھر سب کی زوردار ہنسی فضا میں گونج اٹھی۔
اختر، اس سب سے بے خبر گاڑی کو آگے بڑھاتا رہا۔
اختر، گاڑی روکو۔۔۔
صفا نے ہنسی کو بمشکل قابو کرتے ہوئے آواز دی۔
اختر نے فوراً رسی کھینچی۔ چند لمحوں میں گاڑی رک گئی۔
سب جلدی جلدی نیچے اترے اور حنزہ کی طرف بڑھے۔
حنزہ زمین سے اٹھ چکی تھی۔ اس کے چہرے اور کپڑوں پر ہلکی ہلکی مٹی لگ گئی تھی۔ وہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے خود کو سنبھال رہی تھی۔
سب اس کی قریب پہنچے۔ اس نے سر اٹھا کر سب کو اپنے اردگرد دیکھا۔ سب کی نظریں اس پر تھیں۔ اس کے چہرے پر مٹی دیکھ کر ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ حنزہ نے ایک لمحے کے لیے سب کو گھورا۔
کیا بدتمیزی ہے۔۔۔؟
اس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر کہا، مگر اس کے لہجے میں غصے سے زیادہ شرمندگی جھلک رہی تھی۔
صفا بے اختیار ہنسے جا رہی تھی، جیسے خود کو روکنا اس کے بس میں ہی نہ ہو۔
اپنا منہ صاف کرو۔ مومل نے ہنستے ہوئے کہا۔
حنزہ فوراً دوپٹہ سے چہرے پر لگی مٹی صاف کرنے لگی۔ اس کے گالوں پر ہلکی سی سرخی آ گئی تھی۔ چہرہ صاف کر کے وہ بغیر کچھ کہے خاموشی سے واپس گدھا گاڑی پر جا کر بیٹھ گئی۔
اس کے پیچھے پیچھے باقی سب بھی واپس اپنی اپنی جگہوں پر آ بیٹھے۔
حنزہ، تم کہہ رہی تھی کہ بہت مزہ آ رہا ہے؟ اب آیا مزہ؟ حیدر نے ہنسی دباتے ہوئے چھیڑا۔
سب پھر سے ہنس پڑے۔
حنزہ نے اسے گھورا، مگر خاموش رہی۔
اختر نے دوبارہ رسی سنبھالی اور گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔

کچھ ہی دیر میں گدھا گاڑی سڑک کے ساتھ ہی ایک کھلی سی جگہ پر آکر رک گئی۔

اس کے درمیان میں ایک پرانا، گھنا درخت ایستادہ تھا۔ اس کی موٹی اور مضبوط شاخیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں، جیسے برسوں سے اس زمین کا حصہ ہو۔ اس کی چھاؤں ٹھنڈی اور پُرسکون تھی، جیسے تھکے ہوئے مسافروں کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے کو تیار ہو۔

درخت کے بائیں جانب ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا، سادہ مگر مضبوط۔

کمرے سے کچھ فاصلے پر سرسوں کی فصل لہلہا رہی تھی۔ اس کے ننھے ننھے پیلے پھول ہوا کے ساتھ جھومتے، جیسے فضا میں رنگ بکھیر رہے ہوں۔

درخت کے دائیں جانب ایک ٹوب ویل تھا، جس کے قریب مٹی ہلکی سی نم دکھائی دے رہی تھی۔

ٹوب ویل کے قریب ہی مٹر کی فصل لگی ہوئی تھی، سبز بیلیں زمین سے لپٹی ہوئی، زندگی کی سادگی اور خوبصورتی کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

درخت کے نیچے دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں، جیسے کسی نے پہلے ہی سے مہمانوں کے استقبال کا انتظام کر رکھا ہو۔

اس جگہ کے اردگرد پھیلی ہریالی آنکھوں کو سکون دے رہی تھی۔ سامنے کچی سڑک گزرتی اور اس کے ساتھ ساتھ نہری پانی کا نالہ بہہ رہا تھا، جس کی مدھم سی آواز ماحول کو مزید دلکش بنا رہی تھی۔

سڑک کے اُس پار امرود کا باغ تھا۔ گھنے درختوں سے بھرا ہوا۔ باغ کے ساتھ ہی آلو کی فصل لگی ہوئی تھی۔

ذرا دور ایک کونے میں بیل، گائیں اور بکریاں بندھی ہوئی تھیں، جو اس دیہی منظر کو مکمل کر رہی تھیں۔

چاروں طرف پھیلی ہریالی، ہلکی ہلکی چلتی ہوا اور مٹی کی خوشبو، سب کچھ اتنا پُرسکون تھا کہ جیسے وقت واقعی یہاں آکر تھم گیا ہو۔

سب گاڑی سے ایک ایک کر کے نیچے اترنے لگے۔ کسی نے بازو پھیلائے، کسی نے گہرا سانس لیا، جیسے اس فضا کو اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتے ہوں۔

حنزہ بھی آہستہ سے نیچے اتری۔ اب اس کے چہرے پر پہلے جیسی جھجھک یا شرمندگی نہیں تھی، بلکہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جیسے وہ اس لمحے کو دل سے محسوس کر رہی ہو۔

اسی دوران پیچھے سے دونوں گاڑیاں بھی آکر رک گئیں۔ دروازے کھلے اور ان میں بیٹھے سب لوگ باہر نکلنے لگے۔

وہ سنسان سی جگہ لوگوں کی آوازوں، ہنسی اور زندگی سے بھر گئی، مگر پھر بھی، اس سکون میں کوئی خلل نہ آیا۔

سب لوگ آہستہ آہستہ پر سمتوں میں بکھر گئے۔

ماموں عاصم، حارث اور خدیجہ بیگم درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر آکر بیٹھ گئے۔ خالہ زمل اور ممانی مہروا جلدی جلدی امرود کے باغ کی طرف بڑھ گئیں، جیسے وہاں کی تازگی انہیں اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔

ماموں خضر اور خالو سرفراز آلو کی فصل کے پاس جا کھڑے ہوئے اور جھک کر زمین کا جائزہ لینے لگے۔

سیف اور شہریار سڑک کے کنارے نہری پانی کے نالے کے قریب جا کر رک گئے۔ پانی کی مدھم روانی اور ہلکی ہوا نے ماحول کو اور بھی پُرسکون بنا دیا تھا۔

مومنہ، صفا، مومل، امایہ اور حنزہ سرسوں کے کھیت میں جا کھڑی ہوئیں۔ پیلے پھولوں کے درمیان کھڑی وہ سب ہنستی مسکراتی تصویریں بنا رہی تھیں، جیسے ہر لمحہ قید کر لینا چاہتی ہوں۔

دوسری طرف خالہ عائشہ اور ممانی مہروش دوسری چارپائی پر بیٹھ کر آپس میں باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

سکینہ، نور اور مریم ٹوب ویل کے قریب کھڑی پانی کو دیکھ رہی تھیں، جبکہ ننھی زویا اپنے چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

احمد، علی، حیدر اور حمزہ چلتے ہوئے سیف کے قریب آ گئے۔

سیف۔۔۔

خالو سرفراز کی آواز سن کر سیف نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔

جی خالو؟

وہ اور شہریار دونوں ان کی طرف بڑھ گئے۔

یہ آلو کی پٹائی نہیں کی؟ خالو سرفراز نے آلو کی فصل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

خالو، ابھی اس طرف سے شروع نہیں کی، وہ دھیری کے پاس سے کی تھی۔

اس نے کچھ فاصلے پر موجود فصل کی طرف ہاتھ سے نشان دہی کی۔

جو جگہ لی تھی، وہ یہ والی تھی؟ ماموں خضر نے مڑ کر دوسری طرف کی فصل کی طرف اشارہ کیا۔

نہیں ماموں، وہ دوسری سرسوں والی زمین ہے۔

سیف نے فوراً وضاحت کی۔

اور عبداللہ کو کون سی جگہ دی تھی؟ ماموں خضر نے پوچھا۔

ماموں وہ بھی ڈیرے کے پاس ہے۔
اسی لمحے اختر بھی ان کے قریب آکھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں امرود تھا اور وہ مزے سے اسے کھا رہا تھا۔
ماموں خضر نے سمجھتے ہوئے ہلکا سا سر ہلا دیا۔
اسی لمحے سیف کے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا اور اسکرین پر نظر ڈالی۔ اسکرین پر "صفا فرینڈ" لکھا ہوا تھا۔
سیف کی نظر بے اختیار مومنہ کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے ابھی تک نام تبدیل نہیں کیا تھا۔
مومنہ موبائل کان سے لگائے پہلے سے ہی اس کو دیکھ رہی تھی۔
سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ موبائل کان سے لگایا۔
سیف۔۔۔
مومنہ کی آواز میں ایک عجیب سی نرمی اور اپنائیت تھی، جیسے اس نے صرف اس کا نام نہیں لیا، بلکہ اپنے احساس بھی سمیٹ دیے ہوں۔
جی۔۔۔
سیف نے بھی اسی نرمی سے جواب دیا، اس کی نظریں اب بھی مومنہ پر ہی جمی ہوئی تھیں۔
سیف، مجھے آپ کے ساتھ تصویریں بنانی ہیں۔ اس نے ہلکے سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔
اچھا، میں آتا ہوں۔
اس نے دھیرے سے کہا اور کال بند کر دی۔
پھر سیف نے ایک نظر شہریار کی طرف ڈالی، جو اس وقت ماموں خضر کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔
سیف آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ ہوا ہلکی سی چل رہی تھی اور اس کے قدم خود بخود مومنہ کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔
چند ہی لمحوں میں وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔
مومنہ کے لبوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔
صفا ہاتھ میں موبائل لیے کھڑی تھی، جیسے وہ پہلے ہی اس کا انتظار کر رہی ہو۔ اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سیف کی طرف دیکھا، پھر موبائل سیدھا کیا۔

بھائی، یہاں کھڑے ہوں، یہاں ویو زیادہ اچھا آ رہا ہے۔ اس نے کچھ فاصلے پر اشارہ کیا۔
سیف خاموشی سے جا کر وہاں کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نرم سی جھلک رہی تھی۔ مومنہ بھی آ کر اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔
مومل، امایہ اور حنزہ بھی متوجہ ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔
صفا نے موبائل سامنے کیا، پھر ایک لمحے کو رک گئی۔
ذرا قریب آئیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔
سیف نے ایک نظر مومنہ پر ڈالی، پھر خاموشی سے ایک قدم اس کے قریب آ گیا۔
اب دونوں کے درمیان فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔
اور پاس ہوں۔۔۔
مومل نے کہا، اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔
امایہ آگے بڑھی، اس نے مسکراتے ہوئے دونوں کو مزید قریب کیا اور مومنہ کا ہاتھ سیف کے بازو پر رکھ دیا۔
ایسے سیف بھائی کا بازو پکڑ کر کھڑی ہوں۔
یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔
دونوں کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
صفا نے پہلی تصویر قید کی۔
نہیں، یہ اچھی نہیں آئی، ایک اور۔۔۔
اس نے موبائل دیکھتے ہوئے کہا، لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی۔
سیف نے سر ہلایا، جیسے وہ اس کی ہر بات ماننے کو تیار ہو۔
ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔
سیف نے مومنہ کی طرف دیکھا اور مومنہ نے بھی اس کی طرف نظر اٹھائی۔
ایک لمحہ۔ جو جیسے ٹھہر سا گیا۔ وہ نظریں، کچھ زیادہ ہی کہہ رہی تھیں۔
مومنہ کا دل ہلکا سا دھڑکا۔ اس نے خود کو سنبھالا۔
دوسری تصویر بھی محفوظ ہو گئی۔

اب ٹھیک ہے۔ صفا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اردگرد سرسوں کے پیلے پھول ہوا میں لہرا رہے تھے اور وہ لمحہ، جیسے وقت سے چرا لیا گیا ہو۔
دور سے ہنسی کی آوازیں آ رہی تھیں، مگر ان دونوں کے درمیان ایک خاموش سی دنیا بس گئی تھی۔
شہریار خاموشی سے کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں ایک عجیب سی گہرائی تھی، جیسے وہ صرف منظر نہیں، بلکہ اس کے پیچھے چھپے احساسات کو بھی سمجھ رہا ہو۔
نور آہستہ آہستہ اس کے قریب آئی۔
کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔؟ اس نے نرم آواز میں پوچھا۔
شہریار جیسے چونک گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے نور کی طرف دیکھا، پھر نظریں دوبارہ سیف اور مومنہ کی طرف چلی گئیں۔
ایک خوبصورت منظر— اس نے دھیرے سے کہا۔
خوبصورت تو ہے۔ نور نے شرگوشی کی۔
سیف، بہت خوش قسمت ہے۔
شہریار نے سیف کو دیکھتے ہوئے کہا۔
میں یہ کہنا چاہوں گی کہ ہم سب خوش قسمت ہیں، کیونکہ ہمیں سیف جیسا انسان ملا۔
شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔
نور نے اس کی بات سنی، مگر خاموش رہی۔
تمہیں یہاں دیکھنے کی امید نہیں تھی۔ چند لمحوں بعد نور نے آہستہ سے کہا۔
تمہاری بدولت ہی یہاں پر ہوں۔ شہریار نے دھیرے سے جواب دیا۔
ہوا کا ایک جھونکا دونوں کے درمیان سے گزرا۔
بزنس کیسا جا رہا ہے؟ نور نے نرم لہجے میں پوچھا۔
اچھا۔۔۔ تم بتاؤ، تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟
بہت اچھی۔۔۔
نور نے آہستہ سے کہا اور سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، جیسے دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی ہو۔

انکل آنٹی کیسے ہیں؟ نور نے دوبارہ سے سوال پوچھا۔
وہ بھی ٹھیک ہیں۔ شہریار نے مختصر سا جواب دیا۔
وہ دونوں تین سال پہلے کی طرح ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے۔ دونوں کے دل صاف تھے۔
اسی لمحے احمد، علی اور حمزہ ان کے قریب آ گئے۔
شہریار بھائی، آجائیں، گھڑسواری کرنے چلتے ہیں۔ احمد نے پرجوش انداز میں کہا۔
تمہیں گھڑسواری آتی ہے کیا؟ نور نے احمد سے پوچھا۔
زیادہ نہیں۔۔۔
میں سیکھاؤ؟
نور کی آنکھوں میں چمک تھی، جیسے وہ واقعی اس تجربے کے لیے پرجوش ہو۔
آپ کو آتی ہے؟ علی نے حیرت سے پوچھا۔
ہمم۔۔۔
نور نے ہلکا سا سر ہلایا۔
تم اس سے یہ پوچھو کہ اسے کون سا کام نہیں آتا۔
شہریار نے احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
سب کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ فضا میں ہلکی سی خوشگوار ہنسی گھلی ہوئی تھی۔
سیف، مومنہ، مومل، امایہ، حنزہ اور صفا واپس درخت کی طرف آ گئے۔
اسی دوران احمد تیزی سے سیف کے قریب آیا۔
بھائی سیف، گھڑسواری۔۔۔؟
اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
سیف نے ایک نظر اس پر ڈالی، پھر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
چلو، چلتے ہیں۔۔۔
یہ سنتے ہی احمد، علی، حیدر اور حمزہ کے چہرے کھل اٹھے۔
چلیں۔۔۔ احمد نے خوشی سے کہا۔

تم لوگ بھی آجاؤ۔ صفا نے آواز دی۔
مریم اور مریحا، جو ابھی تصویر بنا رہی تھیں، مڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔
چند ہی لمحوں میں سب ایک ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ احمد، علی، حمزہ، حیدر اور شہریار آگے آگے چل رہے تھے۔
درمیان میں نور، صفا، مریم، مریحا، مومل، حنزہ اور امایہ تھیں، جبکہ سب سے پیچھے سیف اور مومنہ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔
سیف کی نظر اچانک زویا پر پڑی۔ وہ نہری پانی کے نالے کے پاس بیٹھی چھوٹے چھوٹے پتھر پانی میں پھینک رہی تھی۔
زویا۔۔۔
اس نے آواز دی۔
زویا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
آجاؤ، ہم جا رہے ہیں۔
وہ فوراً اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدموں سے ان کے ساتھ چلنے لگی۔
سیف، ہم ابھی گھڑسواری کرنے جا رہے ہیں، تو ہم رات کو کیوں آئے تھے؟
چند قدم چلنے کے بعد مومنہ نے آہستہ سے پوچھا۔
سیف نے ہلکی سی نظر اس پر ڈالی۔
کیونکہ وائٹ گھوڑا میں نے آپ کے لیے خریدا ہے اور میں چاہتا تھا کہ سب سے پہلے آپ اس پر سواری کریں۔
میں، وہ تو اب بھی سب سے پہلے کر سکتی تھی۔ مومنہ نے ہلکا سا حیران ہو کر کہا۔
نہیں، یہ سب ایسا نہیں کرتے۔ سب آپ سے گھڑسواری کے لیے اجازت مانگتے اور آپ اجازت دے دیتی۔
آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں۔
سیف مسکرایا۔
کیونکہ میں جانتا ہوں، آپ کا دل بہت نرم ہے۔ آپ کو ان پر رحم آجاتا۔
یہ سن کر مومنہ کے دل میں جیسے ایک نرم سی خوشی اتر گئی۔
آپ کو کیسے پتا کہ میرا دل نرم ہے؟
آپ میری بیوی ہیں، اس لیے مجھے معلوم ہے — مجھے نہیں معلوم ہوگا تو کس کو ہوگا؟

مومنہ کے دل میں خوشی کا طوفان آیا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔
سیف نے ایک نظر اس پر ڈالی — وہ اس کو خوش دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔
سب اپنی اپنی باتوں میں مگن چل رہے تھے۔

آہہہہ۔۔۔

اچانک زویا کی چیخ فضا میں گونجی۔
سب کے قدم ایک لمحے کو رک گئے۔ سب نے فوراً پلٹ کر پیچھے دیکھا۔
زویا اپنے ننھے قدموں سے بھاگتی ہوئی سیف کی طرف آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ دوڑ رہا تھا۔
سیف کا رکا ہوا سانس بحال ہوا اور وہ بے اختیار مسکرا دیا۔
زویا دوڑ کر اس کے پیچھے آ کر چھپ گئی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔ اس نے سیف کے کپڑوں کو مضبوطی سے تھام لیا، جیسے وہ اس کی پناہ میں آ گئی ہو۔
اس کے ننھے ہاتھوں کی گرفت میں ایک عجیب سا اعتماد تھا، جیسے سیف ہی اس کا محافظ ہو اور واقعی، وہ اس کا محافظ ہی تو تھا۔
بکری کا ننھا سا بچہ قریب آ کر رک گیا۔
سیف فوراً نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے نرمی سے ہاتھ بڑھایا اور بکری کے بچے کے پُشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کے نرم بالوں کو چھوتے ہی وہ ایک جگہ ٹھہر گیا، جیسے اس لمس سے مانوس ہو گیا ہو۔
سب ایک لمحے کو یہ منظر دیکھتے رہے، پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے، مگر مریم اپنی جگہ کھڑی، خاموشی سے یہ سب دیکھتی رہی۔
سیف نے زویا کی طرف دیکھا، پھر اس کا ننھا سا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے بکری کے بچے پر رکھا۔

ڈرو نہیں۔۔۔

اس نے نرمی سے کہا۔
زویا کے چہرے پر پھیلا ڈر آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ اگلے ہی لمحے سیف نے اسے اٹھا کر احتیاط سے بکری کے بچے کی پشت پر بٹھا دیا۔
زویا نے بے اختیار اس کے کان پکڑ لیے۔ اس کے چہرے پر ایک روشن سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

سیف نے اسے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔
بکری کا بچہ دو قدم آہستہ آہستہ چلا پھر اچانک تیز ہو کر آگے بھاگنے لگا۔
سیف نے فوراً زویا کو اٹھا لیا، جیسے وہ پہلے سے ہی بکری کے بچے کی اس حرکت سے واقف ہو۔
زویا نے اس کی طرف دیکھا اور پھر زور سے ہنس پڑی۔ سیف اور مومنہ بھی اسے دیکھ کر مسکرا اٹھے۔
وہ لمحہ، ڈر سے خوشی میں بدل جانے کا ایک حسین منظر تھا۔
سب دوبارہ آگے بڑھنے لگے۔
چند قدم چلنے کے بعد سیف اچانک رک گیا۔ مومنہ کے قدم بھی اس کے ساتھ ہی ٹھہر گئے۔
کیا ہوا۔۔۔؟ مومنہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
سیف کچھ فاصلے پر کھڑے ایک پرانے درخت کو دیکھ رہا تھا۔ درخت کے ساتھ ایک پانی کا نالہ بہہ رہا تھا اور اس کے دونوں کناروں پر فصلیں لگی ہوئی تھیں، ایک طرف آلو کی اور دوسری طرف مٹر کی۔
سیف نے آہستہ سے مومنہ کا ہاتھ تھاما اور اسے نالے کے اُس پار لے جانے لگا۔
وہ آگے چل رہا تھا اور مومنہ اس کے پیچھے — مگر اس کا ہاتھ اب بھی سیف کے ہاتھ میں تھا۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے درخت کے نیچے آکر رک گئے۔
سیف نے مومنہ کی طرف دیکھا اور مومنہ پہلے ہی اسے دیکھ رہی تھی۔
میں نے آپ کو پہلی بار یہاں دیکھا تھا — اس درخت کے نیچے —
اس کی آواز بے حد نرم تھی۔
مومنہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
سیف نے نظریں جھکا کر بہتے پانی کی طرف دیکھا۔
آپ اس نالے میں چھوٹی سی مچھلی کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔
مومنہ نے بھی نالے کی طرف دیکھا۔ پانی روانگی سے بہہ رہا تھا۔ وہ وقت بھی اسی کے ساتھ بہہ گیا تھا۔
آپ خوشی سے چیخ رہی تھیں — اچھل رہی تھیں —
مومنہ نے دوبارہ سیف کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نرمی تھی۔ وہ سب کچھ سن رہی تھی جبکہ اس کو کچھ یاد نہیں تھا۔

آپ اُس دن انکل اور ہارون بھائی کے ساتھ تھیں۔ سیف کی آواز اور بھی دھیمی ہو گئی۔
میں اس دن آپ کی معصومیت پر دل ہار بیٹھا تھا۔
مومنہ جیسے ساکت رہ گئی۔
اچانک اسے صفا کے الفاظ یاد آئے – سیف بھائی تم سے بہت پیار کرتے ہیں –
آپ، مجھ سے پیار کرتے تھے؟ اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔
سیف نے مومنہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آنکھیں سب کچھ بیان کر رہی تھیں۔
مومنہ کا دل زور سے دھڑکا۔
کب سے۔۔۔؟ اس نے آہستہ سے پوچھا۔
معلوم نہیں۔۔۔
مومنہ کی سانس رک سی گئی۔ اس کی بچپن کی دوست کا بھائی اس سے پیار کرتا تھا اور اس کو کبھی معلوم ہی نہیں ہوا۔
آپ کس دن کی بات کر رہے ہیں؟
آپ کو یاد نہیں ہوگا، آپ تب تین سال کی تھیں۔
مجھے یاد نہیں، تو آپ کو کیسے یاد ہے؟ سیف ہلکا سا مسکرایا۔
میں تب تین سال کا نہیں تھا۔
آپ کتنے سال کے تھے؟
چھ سال۔۔۔
اور اب کتنے سال کے ہیں؟
پچیس۔۔۔
مومنہ نے انگلیوں پر حساب لگانا شروع کیا۔
سترہ سال۔۔۔
نہیں، ایک منٹ۔۔۔
پھر رک کر دوبارہ گننے لگی۔
سیف ہلکا سا مسکرا دیا۔

آپ خود کو نہ تھکائیں، میں بتا دیتا ہوں۔
وہ ایک لمحے کو رکا۔
انیس سال پہلے کی بات ہے۔
میں گن رہی تھی۔ مومنہ نے فوراً کہا۔
سیف کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
مجھے معلوم ہے، آپ کی میتھمیٹکس اتنی اچھی نہیں ہے۔
آپ کو کیسے معلوم؟
بس، دیکھ لیں۔۔۔
انیس سال پہلے کی بات آپ کو ابھی تک یاد ہے؟ مومنہ نے آہستہ سے کہا۔
ہمم۔۔۔ سیف نے سر ہلایا۔
اختر استبل میں کھڑا گھوڑے باہر نکال رہا تھا۔
باقی سب بھی ڈیرے پر آ گئے۔ باہر وہ دوبارہ تصویریں بنانے میں مصروف ہو گئے، جیسے ہر لمحہ قید کرنا چاہتے ہوں۔
حارث فوراً آگے بڑھا اور ایک گھوڑے کی لگام تھام لی۔
دوسرے گھوڑے کی لگام حیدر نے سنبھال لی۔
بھائی، یہ سفید والا گھوڑا بھی باہر نکالیں۔ احمد نے استبل کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا۔
نہیں، وہ نہیں نکالنا۔ اختر نے فوراً سے کہا۔
کیوں؟ احمد نے فوراً سوال کیا۔
اسی لمحے سیف، مومنہ، سکینہ اور خدیجہ بیگم وہاں آ پہنچے۔
حارث اور حیدر گھوڑوں کو لے کر باہر کی طرف بڑھ گئے۔ علی بھی ان کے پیچھے چل دیا، جبکہ احمد اور حمزہ وہیں کھڑے رہ گئے۔
کیونکہ وہ تمہاری بھابھی کا ہے، اپنی بھابھی سے اجازت لے لو۔
سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مومنہ کی طرف دیکھا۔
احمد اور حمزہ کی نظریں ایک ساتھ مومنہ کی طرف اٹھ گئیں۔ ان نظروں میں امید تھی۔

مومنہ نے ایک لمحے کے لیے سیف کو دیکھا۔ سیف کی آنکھوں میں ہلکی سی شرارت تھی۔

نکال لو۔۔۔

مومنہ نے احمد کی طرف دیکھ کر کہا۔ یہ سنتے ہی ان کے چہرے کھل اٹھے۔

خدیجہ بیگم، مومنہ اور سکینہ ڈیرے کا جائزہ لینے لگی۔ خدیجہ بیگم کی نظریں ہر ایک جگہ پر جا کر رک جاتی۔ وہ ہر جگہ کو پہچانتی تھی۔ یہاں ان کی بہت سی یادیں جڑی ہوئی تھیں۔ ان کے دل میں ہر ایک چیز زندہ تھی۔

اتنے میں اختر سفید گھوڑا لے کر باہر آیا۔ احمد نے فوراً اس کی لگام تھامی اور خوشی سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ حمزہ اور اختر بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔

سیف آہستہ آہستہ گارڈن کی طرف گیا اور درخت کے نیچے رکھی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

سکینہ، منجی باہر کڈ۔ خدیجہ بیگم نے اس سے کہا۔

اچھا دادی۔۔۔

سکینہ نے فوراً جواب دیا۔

اسی دوران شہریار اندر آیا۔ اس نے سیف کو گارڈن میں بیٹھا دیکھا تو خاموشی سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

سیف نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا – شہریار بھی ہلکا سا مسکرا دیا۔

سکینہ۔۔۔

سیف نے آواز دی۔

سکینہ جو چارپائی اٹھائے باہر جا رہی تھی، اس کے قدم رک گئے۔

جی بھائی؟

سب کے لیے چائے بنا دو۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

اچھا بھائی۔

سکینہ نے مسکرا کر جواب دیا اور چارپائی اٹھا کر باہر نکل گئی۔

ہوا آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی۔ نیلے آسمان پر کالے بادل قبضہ جما رہے تھے۔

تمہارے تایا نہیں ہیں یہاں؟ شہریار نے پوچھا۔

نہیں، وہ باہر ملک میں ہیں۔

میں نے بھی باہر جانے کا سوچا تھا، مگر ممی اور پاپا نے جانے نہیں دیا۔
شہریار ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
انہوں نے ٹھیک کیا، تم یہاں رہو، باہر کیا رکھا ہے۔
اس نے دھیرے سے کہا۔
تمہارا گاؤں کافی بدل گیا ہے — جب میں پہلے آیا تھا، تب ایسا نہیں تھا۔
شہریار نے اردگرد نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔
ہاں، وقت کے ساتھ ساتھ کافی تبدیلی آئی ہیں۔
سیف نے آہستہ سے کہا — پھر اس نے آہستہ سے رومال میں لپٹی گن نکالی اور میز پر رکھ دی۔
تمہاری امانت تھی میرے پاس۔۔۔
اس کی آواز میں سنجیدگی تھی۔
شہریار کی نظریں میز پر جم گئیں۔ اس نے آہستہ سے رومال اٹھایا، اندر رکھی گن کو دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔
اس کے اندر بہت کچھ اترا، بہت سی چیزیں یاد آئیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی، مگر اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔
چند لمحوں کے لیے فضا میں خاموشی چھا گئی۔
تم، واپس کیوں نہیں آئے؟
شہریار نے دھیمی آواز میں پوچھا۔
میں نہیں چاہتا تھا کہ ہم دونوں روزِ محشر ایک دوسرے کا گریبان پکڑیں۔
سیف نے نرم لہجے میں کہا۔
شہریار نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔
یہ الفاظ جیسے سیدھے اس کے دل میں اتر گئے۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ سیف سے دوستی میں پیچھے رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ مزید ان کو روک نہ سکا۔
اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔ آنسو آنکھوں سے بہنے لگے۔
شہری۔۔۔

سیف فوراً اس کے قریب آیا۔
شہریار خاموشی سے روتا رہا۔
شہری، کیا ہوا ہے؟ مجھے بتاؤ۔۔۔
سیف کی آواز میں بے چینی تھی۔
میں تھک گیا ہوں۔۔۔
شہریار نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔
سیف کا دل جیسے مٹھی میں آگیا۔
شہری، میری طرف دیکھو۔۔۔
اس نے نرمی سے کہا، مگر اس کے اندر اضطراب بڑھ رہا تھا۔
شہریار خاموش رہا۔
مجھے بتاؤ، کیا ہوا ہے؟
شہریار نے سر اٹھانے کی کوشش کی، اس کے لب ہلے۔
میرال۔۔۔
شہریار کے لبوں سے نام نکلا۔
سیف ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا۔ اسے بالکل امید نہیں تھی کہ وہ یہ نام لے گا۔
شہریار، پہلے اپنا چہرہ صاف کرو۔ سیف نے جیب سے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔
مگر شہریار اسی طرح چہرہ چھپائے بیٹھا رہا۔ اس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
شہریار۔۔۔
سیف نے نرمی سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔
اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا، آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔
اپنا چہرہ صاف کرو۔۔۔
سیف نے دوبارہ رومال اس کی طرف بڑھایا۔
شہریار نے خاموشی سے رومال تھام لیا اور آہستہ سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔

چہرہ صاف کرنے کے بعد وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں۔
سکینہ ٹرے میں دو کپ چائے لے کر آ رہی تھی۔
سکینہ، چائے اندر رکھ دو۔
سیف نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
سکینہ خاموشی سے مڑی اور کمرے کی طرف چلی گئی۔ چند لمحوں بعد چائے رکھ کر واپس باہر نکل گئی۔
سیف کی نظر اس کے پیچھے چند لمحے ٹھہری رہی، پھر وہ دوبارہ شہریار کی طرف متوجہ ہوا۔
اس نے شہریار کا بازو پکڑا اور اسے کھڑا کیا۔
شہریار نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔
سیف نے میز سے رومال میں لپٹی گن اٹھائی اور اسے ساتھ لے کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا اور شہریار کا بازو تھامے سامنے رکھی چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔
شہریار اس کے برابر بیٹھ تھا۔
سیف کی نظریں شہریار پر تھیں، مگر شہریار اب بھی اس سے نظریں چُرا رہا تھا۔
شہری، مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
شہریار کی آنکھیں دوبارہ نم ہو گئیں۔
تم نے پوچھا نہیں کہ مجھے تمہاری شادی کا کیسے پتا چلا۔
اس کی آواز بھاری ہو چکی تھی۔
سیف ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ واقعی، اس نے نہ اس بارے میں سوچا اور نہ ہی سوال کیا۔
نور نے تمہارے نکاح نامے کی تصویر گروپ میں بھیجی تھی۔
سیف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ذرا سا سیدھا ہو کر بیٹھا۔
وہ تصویر۔۔۔ وہ تصویر میرال نے بھی دیکھی۔ شہریار کی آواز ٹوٹنے لگی۔ آنسو دوبارہ بہنے لگے۔
وہ مجھ پر چیخ رہی تھی، وہ مجھے الزام دے رہی تھی۔
اس کے الفاظ بکھر رہے تھے۔
سیف خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

وہ میرے پاس تمہارا ایڈریس لینے آئی تھی۔
ہر بات سیف کے لیے حیران کن تھی۔
وہ رو رہی تھی، بہت زیادہ رو رہی تھی۔ شہریار کی آواز مزید بھاری ہو گئی۔
وہ سوال کر رہی تھی۔
وہ رک گیا، جیسے الفاظ ساتھ چھوڑ گئے ہوں۔
بار بار، وہی سوال—
کیوں شہریار—کیوں—
اس کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔
اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔
شہریار بولے جا رہا تھا۔ اس کے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے، جیسے ہر جملہ اس کے دل کے کسی زخم کو چیر رہا ہو۔ کمرے میں اس کے رونے کی آواز گونج رہی تھی۔
سیف مزید برداشت نہ کر سکا—اس نے فوراً آگے بڑھ کر شہریار کو اپنے سینے سے لگا لیا۔
جیسے ہی شہریار اس کے سینے سے لگا تو اس کے رونے کی شدت اور بڑھ گئی۔
وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔
اس کی آواز کانپ رہی تھی۔
وہ میری طرف نہیں دیکھتی اور اگر دیکھتی ہے تو الزامات کی بارش کر دیتی ہے۔
اس کے دل میں درد کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔
وہ اپنی نفرت سے مجھے مار رہی ہے۔
سیف کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں، مگر وہ خاموشی سے سب کچھ سن رہا تھا—اپنے دوست کا ٹوٹا ہوا دل—اپنے سینے سے لگائے۔
میں۔۔۔ میں اسے یقین کیسے دلاؤں۔۔۔؟
شہریار کے ہاتھ کانپنے لگے۔
اسے میری محبت فریب لگتی ہے۔

وہ کسی ٹوٹے ہوئے بچے کی طرح سیف کے سینے سے لگا رو رہا تھا اور سیف نے اسے اپنی بانہوں میں ایسے تھام رکھا تھا، جیسے وہ اسے اس درد سے بچا لے گا۔

میں چاہتا ہوں، وہ مجھے دیکھے، وہ میرا یقین کر لے۔

اس کی آواز میں التجا تھی، درد تھا، بے بسی تھی۔

میں اسے یاد کرتا ہوں — میں چاہتا ہوں — وہ مجھے معاف کر دے — ایک بار — بس ایک بار مجھے قبول کر لے —

اس کی سانس جیسے اٹکنے لگیں تھیں۔

وہ۔۔۔ وہ سوال کرتی ہے کہ تم اسے کیوں نہیں ملے۔

شہریار رکا۔۔۔

اور میں۔۔۔ میں کسی سے سوال نہیں کر سکتا۔۔۔

اس نے میرے منہ پر میرا اعمال نامہ دے مارا۔

اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ آنسو مسلسل جاری تھے۔

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میرا اعمال نامہ اس دنیا میں ہی میرے منہ پر مار دیا جائے گا۔

کیا۔۔۔ کیا اعمال نامہ دکھانا انسانوں کا کام ہے۔۔۔؟

یہ سوال نہیں تھا — یہ ہر ایک ٹوٹے ہوئے دل کی چیخ تھی۔

سیف کی گرفت اور مضبوط ہوئی۔

سیف کو خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے دوست کے اس درد کا مداوا کیسے کرے۔

شہریار کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ ہر سسکی جیسے اس کے دل کی گھٹن کو باہر نکال رہی تھی۔

میں۔۔۔ میں اندر سے ویران ہو گیا ہوں۔

میرا دل آج بھی اس کے انتظار میں ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ میری ہو جائے۔ وہ مجھے دیکھے۔

وہ روتے روتے اپنا سارا درد انڈیل رہا تھا — وہ سب کچھ، جو وہ کسی کے سامنے بیان نہیں کر سکتا تھا، وہ سیف سے بیان کر رہا تھا۔

باہر بادل گرجنے لگے۔

سیف نے ایک لمحے کو کھڑکی کی طرف دیکھا۔

آسمان سیاہ بادلوں سے بھر چکا تھا اور تیز ہوا درختوں کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

میرے ہاتھ خالی رہ گئے۔۔۔

میرے ہاتھ خالی ہیں۔۔۔

شہری۔۔۔

سیف کے لبوں سے اس کا نام نکلا۔

تمہارے ہاتھ خالی نہیں ہیں، تم نے بہت کچھ پا لیا ہے۔

اس کی آواز میں یقین تھا۔

شہریار کی سسکیاں بدستور جاری تھیں۔

تم نے ایک درست راستہ پا لیا ہے۔ ایسے مت رو۔

میں، اس سے بات کروں گا۔ سیف نرمی سے کہہ رہا تھا۔

وہ میرا نام بھی سننا نہیں چاہتی۔

اسے سننا پڑے گا۔ وہ سنے گی۔ تم بھروسہ رکھو۔ سیف نے مضبوط لہجے میں کہا۔

وہ اسے تسلی دے رہا تھا، جیسے اس کے ٹوٹے ہوئے یقین کو دوبارہ جوڑ رہا ہو۔

میں خود اس سے بات کروں گا، وہ ایسے نہیں کر سکتی۔ وہ میرے دوست کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی۔ میں اسے ایسا کرنے نہیں دوں گا۔

تم مجھ پر بھروسہ کرو۔

شہریار خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے ہونٹ ساکت تھے، مگر آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔

کمرے میں اس کی سسکیاں اب بھی گونج رہی تھیں۔ مدھم، مگر گہری۔

اسی لمحے آسمان سے بارش برسنا شروع ہو گئی۔ بارش کی بوندیں زمین پر گرنے لگیں۔ جیسے آسمان بھی اس درد کو سن کر رو پڑا ہو۔

باہر کا منظر اندر کے منظر سے بالکل مختلف تھا۔

جہاں کمرے کے اندر درد اور خاموشی بسی ہوئی تھی، وہیں باہر خوشیوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔

بارش زور سے برس رہی تھی اور سب اس میں بھیگتے ہوئے ہنس رہے تھے۔ کھیت اور درخت تیز ہوا کے ساتھ جھوم رہے تھے۔

نور اور مریحا بارش میں گھومتی ہوئی کلکاریاں ڈال رہی تھیں۔ ان کے گھومنے سے پانی کی بوندیں ہوا میں اچھل کر چمکنے لگتی تھیں۔

زویا بارش میں ننھے قدموں کے ساتھ ادھر اُدھر دوڑ رہی تھی، کبھی گھومتی، کبھی ہنستی — زوحل اس کی ہر حرکت کو موبائل میں قید کر رہی تھی۔

حارث نے درخت کے ساتھ رسی باندھ کر ایک جھولا بنا دیا تھا۔ خدیجہ بیگم اس پر بیٹھی تھیں۔ مریم آہستہ آہستہ انہیں جھولا دے رہی تھی۔

احمد، علی، حیدر، حمزہ اور اختر اب بھی گھڑسواری میں مصروف تھے۔ بارش اور کیچڑ نے گھوڑوں کو مکمل طور پر مٹی سے اَٹا دیا تھا، مگر ان کی ہنسی کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

ممانی مہروا، ممانی مہروش، خالہ عائشہ، خالہ زمل، امایہ، سکینہ، مومل، حنزہ، مومنہ اور صفا نہری پانی کے نالے کے کنارے بیٹھی امرود کھا رہی تھیں۔

حارث، ماموں عاصم، ماموں خضر اور خالو سرفراز ایک طرف کھڑے باتوں میں مگن تھے۔

وقت تھم سا گیا تھا۔ ہر چہرہ مسکرا رہا تھا، ہر آنکھ میں بے فکری تھی۔

وہ منظر ایک دلکش منظر سے کم نہیں۔

✦ ✦ ✦

میرال بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر کمزوری اور تھکن کے آثار اب بھی نمایاں تھے، جیسے جسم تو سنبھل رہا ہو مگر دل اب بھی بوجھل ہو۔ اس کے ہاتھ سے ڈرِپ ہٹ چکی تھی، مگر کلائی پر اس کا نشان ابھی بھی باقی تھا۔

کمرے میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

وانیہ اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ وہ ابھی ابھی اسے کھانا کھلا کر ہٹی تھی۔ اس نے خاموشی سے برتن سمیٹے، پلیٹیں ٹرے میں رکھیں پھر ایک نظر میرال پر ڈالی۔

میرال بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی، نظریں سامنے کہیں گم تھیں۔

وانیہ نے کچھ کہنا چاہا، مگر پھر رک گئی۔ وہ آہستہ سے بیڈ سے نیچے اتری، ٹرے اٹھائی اور خاموشی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔

ایشال کی نظریں اب بھی سامنے جمی ہوئی تھیں، مگر اب وہ اس کمرے کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کہیں اور چلی گئی تھی

—

سب پیپر دے کر کلاس روم سے باہر نکل رہے تھے۔ کوریڈور میں ہلکی ہلکی چہل پہل تھی۔ ہر طرف سرگوشیاں گونج رہی تھیں—کوئی اپنے جوابات بتا رہا تھا تو کوئی سوالات پر بحث کر رہا تھا۔

نور آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی اور چہرے پر تھکن صاف جھلک رہی تھی۔

پیپر کیسا ہوا؟

سیف اس کے قدموں کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

نور نے اس کی طرف دیکھا اور دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔

بہت اچھا۔۔۔

ویری گڈ۔۔۔ سیف نے اطمینان سے کہا۔

تمہارا پیپر کیسا ہوا؟

میرا بھی بہت اچھا ہوا۔

ہمم۔۔۔ آخر تم پڑھنے والے بچے ہو نا۔ نور نے ہلکے سے چھیڑا۔

سیف نے بھنویں اٹھا کر اسے دیکھا۔

میری CGPA تم سے کم ہے۔

نور ہنس پڑی۔

کیفے چلیں؟ سیف نے پوچھا۔

میں تو پہلے ہی جا رہی ہوں۔

سیف مسکرایا۔

چند ہی لمحوں میں وہ دونوں کیفے پہنچ گئے۔ انہوں نے دروازے کے دائیں جانب ایک میز سنبھال لی اور اپنے بیگز ایک طرف رکھ دیے۔

میرال جو کے کیفے کی جانب آ رہی تھی۔ سیف اور نور کو باہر شیشے میں سے دیکھ کر وہی ٹھہر گئی۔
اسی دوران ایک لڑکا ان کی طرف آیا۔
دو کافی۔۔۔
نور نے مختصر سا کہا۔
سیف خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکا سر ہلاتا ہوا فوراً واپس چلا گیا۔
کتنے عرصے سے جاب کر رہی ہو؟ سیف نے اچانک سوال کیا۔
نور چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
میں۔۔۔
سیف نے ہلکا سا سر ہلایا۔
پانچ سال سے۔
اور کتنی جابز کرتی ہو؟
نور ایک لمحے کے لیے حیران ہوئی۔ اس کی نظریں سیف پر ٹھہر گئیں۔
تین—
اس نے دھیمی آواز میں کہا۔
شرما کیوں رہی ہو؟ کھل کر بتاؤ، تم محنت کرتی ہو۔
سیف نے ذرا جوش بھرے لہجے میں کہا۔
اسی دوران لڑکا دو کپ کافی لے آیا۔ دونوں نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے کافی رکھ کر چلا گیا۔
چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔
کون کون سی جاب کرتی ہو؟ سیف نے دوبارہ پوچھا۔
نور نے ہلکا سا سانس لیا۔
دو بچوں کو ان کے گھر جا کر پڑھاتی ہوں اور ایک ریسٹورنٹ میں کام کرتی ہوں۔
کتنے بچے جاتی ہو؟

سیف نے کافی کا کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا۔
میرال ابھی بھی وہی کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
دو بجے یونیورسٹی سے فری ہو کر گھر جاتی ہوں۔ کھانا وغیرہ کھا کر تین بجے پڑھانے چلے جاتی ہوں اور پھر چھ بجے وہاں سے سیدھا ریسٹورنٹ۔
سیف خاموشی سے سنتا رہا۔
ریسٹورنٹ سے کب واپس آتی ہو۔
ایک، دو بجے تک آجاتی ہوں۔
کھانا کب کھاتی ہو؟
کبھی وہ دے دیتے ہیں، ورنہ گھر آکر۔۔۔ نور نے کپ اٹھا کر ایک گھونٹ لیا۔
سیف نے اسے غور سے دیکھا۔
تین تین جابز، انسان تب کرتا ہے جب اس کی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں۔
نور خاموشی سے کافی پیتی رہی۔
کیا تمہاری ضرورت ایک جاب سے پوری نہیں ہوتی؟ سیف نے آہستہ سے پوچھا۔
ریسٹورنٹ والی جاب سے ہو جاتی ہے۔
تو پھر باقی دو کیوں کرتی ہو؟
سیونگز کے لیے۔ نور نے ہلکا سا مسکرا کر کہا۔
پھر اس سیونگز کا کیا کرتی ہو؟
نور ہنس دی۔
سیف، آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے سوال کر رہے ہو۔
انفارمیشن لے رہا ہوں یار۔۔۔
سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
میرال شیشے کے اُس پار کھڑی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات مسلسل بدل رہے تھے۔ ان دونوں کو اس طرح ایک ساتھ بیٹھ کر مسکراتے دیکھ کر اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

نور، بتاؤ سیونگز کا کیا کرتی ہو؟

سیف نے دوبارہ پوچھا۔

سیونگز کا۔۔۔؟

نور نے آہستہ سے دہرایا، جیسے سوال کو محسوس کر رہی ہو۔ پھر ایک گہری سانس لی۔

جب میں اپنے فرینڈز کے ساتھ باہر جاتی ہوں، تو سیونگز میں سے پیسے خرچ کرتی ہوں — اپنی پسند کی چیزیں لیتی ہوں، اپنی پسند کا کھانا کھاتی ہوں۔

ہمم — ویری شارپ۔

سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

نور بھی مدھم سی مسکرا دی، مگر اگلے ہی لمحے سیف کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔

نور، یہ سب کرنا برا نہیں، بلکہ بہت اچھا ہے کہ تم اپنے ایکسپینسز خود افورڈ کرتی ہو۔

وہ ٹھہرا۔۔۔

لیکن نور، اگر تم ایک جاب سے گزارا کر سکتی ہو، تو باقی دونوں جابز چھوڑ دو۔

نور اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

تم نے کبھی خود کو غور سے دیکھا ہے؟ تم ہر وقت تھکی تھکی سی رہتی ہو، ابھی بھی تمہاری آنکھیں سرخ ہیں۔ تمہاری نیند پوری نہیں ہوتی۔

سیف نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

اگر میں دونوں جابز چھوڑ دوں، تو اپنی خواہشات پوری نہیں کر سکوں گی۔

تم خواہشات کا پیچھا کرنا چھوڑ دو۔

نور کے لبوں پر ہلکی سی تلخ مسکراہٹ آئی۔

تمہارے لیے یہ کہنا بہت آسان ہے، کیونکہ تم میری جگہ پر نہیں ہو۔

بالکل، میں تمہاری جگہ پر نہیں ہوں۔ سیف نے آہستہ مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

اس دنیا کا ہر انسان مختلف جگہ پر کھڑا ہے۔ ہر ایک کا اپنا امتحان ہے اور ہر انسان کے امتحان کے سوال بھی مختلف ہوتے ہیں۔

تمہیں معلوم ہے، خواہش کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہ انسان کو کھا جاتی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ انسان اس کا پیچھا چھوڑ دے۔

نور کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

چلو، میں تمہیں آسان طریقے سے سمجھاتا ہوں۔

نور نے کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا۔ کافی اب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس کی کڑواہٹ منہ میں پھیل گئی، بالکل ویسے ہی جیسے سیف کی باتیں۔

یہ دنیا ایک خوبصورت باغ کی طرح ہے—

سیف نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔

ایک ایسا باغ جہاں ہر طرف رنگ ہی رنگ ہیں اور ہر چیز ایک پھول کی مانند ہے—

اور تم—تم ایک پرندے کی طرح ہو۔ بظاہر آزاد، مگر اس باغ کے رنگوں میں قید—

نور کی سانس جیسے تھم گئی۔

اب یہ تم پر ہے کہ تم کس پھول کا انتخاب کرتی ہو، مگر اس باغ میں انتخاب کرنا آسان نہیں۔

نور سن تو رہی تھی، مگر سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

گلاب، چمبیلی، موگرا، نرگس، چنپا—یہ سب خوبصورت اور خوشبودار پھول ہیں۔

سورج مکھی، گیندا، ڈیلیا، کوزموس، زینیا—یہ سب خوبصورت تو ہیں، مگر خوشبودار نہیں۔

کنیر، ڈیڈلی نائٹ شیڈ، فاکس گلوو، ڈیفنی، لیلی آف دی ویلی—یہ سب خوبصورت تو ہیں، مگر اندر سے زہریلے اور خطرناک۔

نور خاموش تھی۔

تمہارا دل ہر ایک پھول تک رسائی چاہے گا، مگر فیصلہ بھی تمہیں ہی کرنا ہے کہ تم کس پھول کو چنتی ہو اور کس قیمت پر —

سیف نے پرسکون انداز میں کہا۔

تم بہت مشکل باتیں کر رہے ہو۔ نور نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

تمہیں ابھی مشکل لگ رہی ہیں، گھر جا کر سکون سے اس بارے میں سوچنا — اپنے بارے میں سوچنا، نہ کہ اپنی خواہشات کے بارے میں —

نور نے کافی کا کپ اٹھایا۔

میرال نے ایک آخری نظر دونوں پر ڈالی اور خاموشی سے وہاں سے مڑ گئی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ گھر پہنچ چکی تھی۔

ہال میں وانیہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

السلام علیکم!

میرال نے آہستہ سے کہا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا بیگ میز پر رکھ دیا۔

وعلیکم السلام!

وانیہ نے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اس نے غور سے میرال کا چہرہ دیکھا۔

کیا ہوا؟ تمہارا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟

کچھ نہیں۔ میرال نے نظریں ہٹا لیں۔

پیپر کیسا ہوا؟

ٹھیک ہو گیا۔ اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

کھانا کھا لو۔

نہیں، دل نہیں کر رہا۔

وانیہ کے چہرے پر فکر ابھر آئی۔

طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟

ہاں ٹھیک ہے، بس تھوڑی تھکن ہے۔

جا کر آرام کر لو۔

اچھا۔

میرال نے بیگ اٹھایا اور آہستہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

وانیہ اسے جاتے ہوئے خاموشی سے دیکھتی رہی۔

میرال کمرے میں داخل ہوئی اور سیدھا بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھیں چھت پر جمی ہوئی تھیں۔
اچانک کیفے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ابھرا — سیف اور نور ہنس رہے تھے۔
میرال نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ کچھ ہی دیر میں نیند کی آغوش میں چلی گئی۔
جب اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں شام کی نرم، سنہری روشنی پھیل چکی تھی۔ پردوں سے چھن کر آنے والی دھوپ اب نارنجی رنگ میں ڈھل رہی تھی، دن اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔
میرال نے آہستہ سے پلکیں جھپکیں اور کچھ لمحے یونہی لیٹی رہی، جیسے خود کو وقت کے بہاؤ سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔
اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا اور اسکرین آن کی۔ اسکرین پر انسٹاگرام کا ایک نوٹیفکیشن چمک رہا تھا۔ اس نے بغیر کسی خاص دلچسپی کے اس پر کلک کیا اور ایپ کھل گئی۔
السلام علیکم!
ایک انجان سا میسج اس کے سامنے تھا — عمارہ نامی کسی آئی ڈی سے۔
میرال کی بھنویں ہلکی سی سکڑ گئیں۔
یہ کون ہے؟
سوال اس کے ذہن میں ابھرا۔
اس نے فوراً پروفائل کھولی۔ آئی ڈی عجیب حد تک خالی تھی — نہ کوئی پوسٹ، نہ کوئی واضح تعارف — بس ایک خاموش سا وجود۔
میرال نے جواب دیے بغیر موبائل بند کر دیا۔
وہ آہستہ سے بیڈ سے اتری اور نرم قدموں سے چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اس نے پردہ ایک طرف سرکایا۔
باہر شام اپنے پورے حسن کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان نارنجی، گلابی اور سنہری رنگوں میں اس طرح رنگا تھا جیسے کسی مصور نے پوری توجہ سے اسے تخلیق کیا ہو۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا اور اس کے بالوں کو ہلکے سے بکھیر گیا۔

اس کے چہرے پر ہلکی سی تازگی اور سکون تھا۔
چند لمحے وہ وہیں کھڑی رہی، پھر جیسے کسی خیال سے چونک کر پلٹی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔
ٹی وی لاؤنج خاموش پڑا تھا، وہاں کوئی نہیں تھا۔ کچن سے پانی بہنے کی آواز آ رہی تھی۔
میرال آواز کا پیچھا کرتی ہوئی کچن میں داخل ہو گئی۔
وہاں وانیہ سنک کے پاس کھڑی گوشت دھو رہی تھی۔ پانی کی دھار اس کے ہاتھوں سے ٹکرا کر چھینٹوں کی صورت میں بکھر رہی تھی۔
میرال آہستہ قدموں سے آگے بڑھی اور فریج کا دروازہ کھولا۔ ٹھنڈی ہوا کا ہلکا سا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پانی کی بوتل نکالی۔
وانیہ کی نظر ایک لمحے کے لیے اس پر پڑی، مگر کچھ کہے بغیر دوبارہ کام میں مصروف ہو گئی۔
میرال کاؤنٹر پر آ کر بیٹھ گئی اور پانی پینے لگی۔
تم نے اس کا کیا بنانا ہے؟
وانیہ نے بغیر اس کی طرف دیکھے پوچھا۔
میرال نے بوتل کا ڈھکن بند کیا اور ہلکی سی نظر اس کی طرف ڈالی۔
بیف پلاؤ۔
وہ یہ کہتے ہوئے بوتل واپس فریج میں رکھنے کے لیے اٹھی۔
سیف کو بیف پلاؤ پسند ہے۔
تم ہمیشہ اسی کے لیے کھانا کیوں بنا کر لے جاتی ہو؟ اور وہ بھی اس کی پسند کا؟
میرال ایک لمحے کے لیے رکی، پھر آہستہ سے فریج بند کر کے کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔
وہ یہاں اکیلا رہتا ہے اور باہر کا کھانا کھاتا ہے — تمہیں پتہ ہے باہر کا کھانا کیسا ہوتا ہے۔ بس اسی لیے کبھی کبھی بنا کر لے جاتی ہوں۔
کیا وہ تم سے خود کہتا ہے؟ وانیہ نے ایک اور سوال کیا۔
نہیں، وہ تو مجھے ہمیشہ منع کرتا ہے۔
وانیہ کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی۔

تو پھر نہ لے کر جایا کرو۔
وہ ہر چیز سے منع کرتا ہے۔
میرال نے فوراً جواب دیا، جیسے اپنے ہی کہے پر خود کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔
یعنی اسے انتظار رہتا ہے۔ وانیہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔
اب ایسا بھی نہیں ہے۔ میرال نے جلدی سے بات کاٹ دی۔
وانیہ نے نل بند کیا، ہاتھ جھٹکے اور ٹوکری میں رکھا دھلا ہوا گوشت اس کی طرف بڑھا دیا۔
یہ لو، دھو دیا ہے۔ اب جو دل چاہے بنا لو۔
میرال نے ٹوکری لی اور فریج کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ کھولا اور ٹوکری اندر رکھ دی۔
وانیہ نے ایک نظر اس پر ڈالی، پھر خاموشی سے سنک صاف کرنے لگی۔
میرال کچن سے باہر نکل گئی۔
وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اندر ہلکا سا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اس نے دیوار کے ساتھ لگا سوئچ آن کیا اور کمرہ فوراً روشنی سے بھر گیا۔
وہ جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ کچھ ہی لمحوں بعد وانیہ بھی کمرے میں آ گئی۔
میں باہر سے کچھ کھانے کو منگوا رہی ہوں، تم کیا کھاؤ گی؟ میرال نے اس سے پوچھا۔
تم اپنے لیے کیا منگوا رہی ہو؟
چکن منچورین۔ میرال نے مختصر سا جواب دیا۔
پہلے تو تمہیں چکن منچورین بالکل پسند نہیں تھا، اب روز یہی کھانے لگی ہو۔
وانیہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
پہلے نہیں پسند تھا، اب ہے۔
میرے لیے پیزا منگوا دو۔
کون سا فلیور؟
چکن تکہ۔
کل تمہارا آخری پیپر ہے نا؟

ہاں۔۔۔میرال نے آہستہ سے جواب دیا۔
اسی لمحے وانیہ کے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ اسکرین پر حوریہ کا نام چمک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فوراً ایک نرم سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے جلدی سے کال اٹینڈ کی۔
ہیلو؟
وانیہ—وانیہ—وانیہ—
دوسری طرف سے بے حد پرجوش اور خوشی سے بھری آواز ابھری۔
وانیہ چونکی، مگر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔
کیا ہو گیا ہے؟
وانیہ، آج میں بہت خوش ہوں۔
حوریہ اپنے جذبات کو سنبھال نہیں پا رہی ہو۔
خوش ہونا اچھی بات ہے، مگر اس خوشی کی وجہ بھی تو بتاؤ۔
میرال نے ایک نظر وانیہ کی طرف دیکھا، جیسے وہ بھی لاشعوری طور پر اس گفتگو کا حصہ بن گئی ہو۔
چچا اور چچی آئے تھے۔ حوریہ نے ذرا توقف سے کہا۔
پھر؟
وانیہ نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اصل بات سمجھ چکی تھی، مگر جان بوجھ کر اسے چھیڑ رہی تھی۔
پھر یہ کہ شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے۔
حوریہ کی آواز میں خوشی صاف جھلک رہی تھی۔
اس میں خوش ہونے والی بات کون سی ہے؟
وانیہ نے ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
وانیہ۔۔۔
وانیہ بے اختیار ہنس پڑی۔
بہت بہت مبارک ہو۔
تھینک یو، لیکن مجھے خالی مبارکباد نہیں چاہیے۔ اب کی بار حوریہ کی آواز میں ہلکی سی سنجیدگی تھی۔

اچھا تو پھر کیا چاہیے؟
مجھے تمہاری ایک ہیلپ چاہیے۔
کیسی ہیلپ؟
پہلے پرومس کرو کہ تم انکار نہیں کرو گی۔
آج تم اتنی خوش ہو تو انکار نہیں کروں گی، پکا پرومس۔
میری ابھی عزیر سے بات ہوئی تھی، ہم دونوں باہر ملنا چاہتے ہیں۔
کچھ دن صبر کر لو اب۔
وانیہ نے فوراً کہا، مگر اس کے لہجے میں زیادہ سنجیدگی نہیں تھی۔
یار، ہم اس دن کو، اس خوشی کو، ایک ساتھ سیلیبریٹ کرنا چاہتے ہیں۔ حوریہ نے ضد بھرے انداز میں کہا۔
وانیہ نے آنکھیں ذرا سی سکیڑیں۔
تم ماما کو کال کر کے کہو کہ ہمیں بازار جانا ہے، تھوڑی دیر کے لیے۔
اس وقت؟
ہاں، اس وقت اور دیکھو، تم نے کہا تھا انکار نہیں کرو گی۔
چند لمحے وانیہ خاموش رہی، جیسے سوچ میں پڑ گئی ہو۔
وانیہ، بولو بھی۔ حوریہ کی بےچینی صاف محسوس ہو رہی تھی۔
اچھا ٹھیک ہے، میں اور میرال دونوں آئیں گی اور کھانا تمہاری طرف سے۔
ڈن۔ حوریہ خوشی سے چہک اٹھی۔
میں ابھی ماما کو فون دیتی ہوں۔
وانیہ نے میرال کو دیکھا۔
کھانا آرڈر نہ کرو، ہم باہر جا رہے ہیں اور کھانا بھی باہر ہی کھائیں گے۔ جلدی سے ریڈی ہو جاؤ۔
یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔
میرال نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور وہیں بیٹھی رہی۔ وہ دوبارہ موبائل میں مصروف ہو گئی۔
کچھ ہی دیر میں وانیہ واپس کمرے میں آئی۔

میرال، میں نے تمہیں ریڈی ہونے کو کہا تھا۔
میرال نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
جانا کہاں ہے؟
حوریہ کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے اور وہ ہمیں ٹریٹ دے رہی ہے۔
میرال کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
ٹریٹ دے رہی ہے یا تم خود لے رہی ہو؟
تم یہ سب چھوڑو، بس جلدی سے ریڈی ہو جاؤ۔
میرال نے ہلکا سا سانس لیا۔
میرا کل پیپر ہے اور مجھے اس کی تیاری کرنی ہے۔
واپس آ کر کر لینا۔ وانیہ نے بے فکری سے جواب دیا۔
کب ہے شادی؟ میرال نے پوچھا۔
یہ تو میں پوچھنا بھول ہی گئی۔ وانیہ نے ذرا حیرت سے کہا۔
خیر، ابھی جا رہے ہیں تو وہیں پوچھ لیں گے۔
وہ الماری کھولتے ہوئے بولی۔
کچھ ہی دیر بعد دونوں حوریہ کے گھر کے باہر کھڑی تھیں۔ گلی میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ گھروں کے باہر لگے بلب مدھم سا اجالا دے رہے تھے اور خاموشی میں کبھی کبھار دور سے آتی کسی گاڑی کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔
میں اسے لے کر آتی ہوں۔
وانیہ نے ڈرائیونگ سیٹ والی سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور گاڑی سے باہر نکل گئی۔
میرال خاموشی سے اپنی نشست پر بیٹھی رہی۔
گاڑی کی ہیڈلائٹس جل رہی تھیں اور ان کی سفید روشنی سامنے والے گھروں تک پھیل رہی تھی۔ اسی لمحے ساتھ والے گھر کا دروازہ کھلا اور ایک گاڑی آہستہ سے باہر نکلی۔ میرال کی نظر بے اختیار اس طرف اٹھ گئی۔
گاڑی سے عزیر باہر آیا۔
میرال نے اسے فوراً پہچان لیا۔

عزیر نے ایک لمحے کے لیے میرال کی گاڑی کی طرف دیکھا، شاید ہیڈلائٹس کی روشنی نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچی تھی۔ پھر اس نے بغیر کسی ردِعمل کے گھر کا دروازہ بند کیا اور واپس اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

میرال کی نظریں چند لمحے اسی گاڑی پر ٹکی رہیں۔ عزیر کے گھر کے بالکل سامنے والے گھر سے ایک اور لڑکا باہر نکلا۔ گاڑی کی روشنی سیدھی اس کی آنکھوں پر پڑی۔ اس نے فوراً ہاتھ اٹھا کر چہرے کے سامنے کر لیا۔

میرال نے لاشعوری طور پر آنکھیں ذرا سکیڑیں، جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

وہ لڑکا سیدھا جا کر عزیر کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

اتنے میں وانیہ اور حوریہ گھر سے باہر آئیں اور جلدی سے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئیں۔

عزیر کی گاڑی آہستہ سے آگے بڑھ گئی۔

ہیلو۔۔۔

حوریہ نے خوشی بھرے لہجے میں کہا۔

ہیلو۔۔۔

میرال نے ہلکا سا مسکرا کر جواب دیا۔

بہت بہت مبارک ہو تمہیں۔

تھینک یو۔ حوریہ نے نرمی سے کہا۔

کہاں جانا ہے؟

وانیہ نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

حوریہ نے سامنے جاتی ہوئی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ عزیر کی گاڑی جا رہی ہے نا، ہم نے انہی کے پیچھے جانا ہے۔

تم تو ابھی سے پیچھے لگ گئی ہو۔ وانیہ نے فوراً اسے چھیڑا۔

ایسی بات نہیں ہے، ہم نے پہلے سے ہی ڈیسائڈ کر لیا تھا۔

حوریہ ہلکا سا شرما کر بولی۔

سامنے والے گھر سے ایک لڑکا نکلا تھا اور عزیر کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ کون ہے؟

میرال نے حوایہ سے پوچھا۔

وہ عزیر کا دوست ہے۔

عزیر کہہ رہے تھے کہ جب تم اپنی دوستوں کو ساتھ لا رہی ہو تو میں بھی اپنے دوست کو لے آتا ہوں۔ میں نے کہا، جیسے آپ کو ٹھیک لگے۔

لڑکا، ہینڈسم ہے کیا؟ وانیہ نے فوراً دلچسپی سے پوچھا۔

ہاں، بہت زیادہ ہینڈسم ہے۔ حوریہ نے مسکرا کر کہا۔

وانیہ کو اس کا نمبر لے دینا۔

میرال نے سنجیدگی سے کہا۔

لے دو گی اور اس کی شادی بھی اپنی شادی سے پہلے ہی کروا دو گی۔

حوریہ نے فوراً سے جواب دیا۔

یہ بھی ٹھیک ہے۔

میرال نے حوریہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔

وانیہ نے فوراً سے کہا۔

لڑکا بہت ہینڈسم ہے، تم اس کو دیکھ کر خود شادی کا بولی گی۔

حوریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرال بھی اس کے ساتھ ہی مسکرائی۔

یہ آپ کے عزیر کہاں جا رہے ہیں؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ وانیہ نے بات بدل دی۔

بازار میں ایک ڈھابہ ہے، وہاں جا رہے ہیں۔

حوریہ نے سامنے نظریں جمائے ہوئے جواب دیا پھر وہ ہلکا سا مسکرائی۔

ان کا آج دیسی کھانے کا موڈ تھا۔

تم کچھ زیادہ ہی ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملانے لگی؟

حوریہ، وانیہ تم سے جیلس ہو رہی ہے۔ میرال بولی۔

مجھے جیلس ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ وانیہ نے فوراً کندھے اچکائے۔

مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔ حوریہ نے بنا رکے جواب دیا۔

میں تو بس دیسی کھانے کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔
لڑکوں کو زیادہ دیسی کھانے پسند ہوتے ہیں۔ حوریہ نے کہا۔
تم سے، اب میں کیا ہی بحث کروں، تم پر تو آج کل عزیر کا جادو چلا ہوا ہے۔
وانیہ نے ہار مانتے ہوئے کہا۔
اب تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ہے، اس لیے ایسی باتیں کر رہی ہو۔ حوریہ نے مسکرا کر کہا۔
شادی کے بعد پوچھوں گی۔۔۔
وانیہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔
ٹھیک ہے، مائی ڈیئر بیسٹ فرینڈ۔
میرال خاموشی سے یہ سب سن رہی تھی، اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ تھی۔
چند ہی لمحوں بعد گاڑی بازار کے اندر موجود ڈھابے کے سامنے آکر رکی۔ رات کی روشنیوں، لوگوں کی آوازوں اور کھانے کی خوشبو نے ماحول کو پوری طرح زندہ کر رکھا تھا۔
عزیر اور اس کا دوست گاڑی سے باہر نکلے۔
اسی لمحے میرال، وانیہ اور حوریہ بھی باہر آگئیں۔
میرال کی نظر جیسے ہی لڑکے پر پڑی، وہ ایک لمحے کو ٹھٹھک گئی۔
وہ سیف تھا۔ اس کی آنکھیں بے اختیار پھیل گئیں، جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ دل نے ایک لمحے کے لیے زور سے دھڑکنا چھوڑ دیا، پھر تیزی سے دھڑکنے لگا۔
سیف اور عزیر ابھی چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ سیف کی نظر اچانک ایک طرف جا ٹھہری۔
وہاں عمارہ کھڑی تھی۔
وہ دکان کے باہر کھڑی کچھ دیکھ رہی تھی۔
سیف کے قدم یکدم رک گئے۔
کیا ہوا؟ عزیر نے ذرا سا مڑ کر اسے دیکھا۔
تم چلو، میں ایک کال کر کے آیا۔ سیف نے عمارہ سے نظریں ہٹا لی تھی۔
جلدی آنا۔

عزیر کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

سیف نے جیب سے موبائل نکالا اور ہلکا سا رخ بدل لیا۔ ابھی تک اس کی نظر میرال یا اس کے ساتھ کھڑی لڑکیوں پر نہیں پڑی تھی، مگر میرال وہ اسے مسلسل دیکھ رہی تھی۔ اس کے اندر جیسے ایک عجیب سی خوشی نے جگہ لے لی تھی۔

السلام علیکم!

عزیر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وعلیکم السلام!

سب نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

حوریہ آہستہ سے عزیر کے قریب آکھڑی ہوئی، جیسے غیر محسوس انداز میں اس کے ساتھ جڑ گئی ہو۔

چلیں؟

عزیر نے سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ، آپ کے دوست؟

حوریہ نے پوچھا۔

وہ ایک ضروری کال کر کے آرہا ہے۔

عزیر نے مسکرا کر کہا۔

سب نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گئے۔

سیف نے ہلکا سا سر موڑا اور ان سب کی طرف دیکھا۔ وہ سب اندر داخل ہو چکے تھے۔

ڈھابے کے اندر ایک الگ ہی فضا تھی۔ ہلکی پیلی روشنی چھت سے لٹکتے بلبوں سے نکل کر پورے ہال میں پھیلی ہوئی تھی، جو ہر چیز کو نرم اور مدھم رنگ دے رہی تھی۔ دیواریں بلکل سادہ تھیں، بغیر کسی سجاوٹ کے، مگر اس سادگی میں بھی ایک عجیب سا سکون تھا۔

ایک کونے میں بڑا سا تندور دہک رہا تھا۔ سرخ انگاروں کی روشنی چمک رہی تھی اور اس کے اردگرد کام کرنے والے لڑکے تیزی سے مصروف تھے — کڑاہی میں تیل کی چھن چھن، چمچوں کی ٹکر اور لوگوں کی دھیمی گفتگو، سب مل کر ایک مانوس سا شور پیدا کر رہے تھے — ہوا میں مصالحوں، مکھن اور تازہ پکے کھانے کی خوشبو اس شدت سے گھلی ہوئی تھی کہ بھوک خود بخود بڑھنے لگتی تھی۔

ایک طرف چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں، جن پر لوگ بیٹھے تھے، جبکہ دوسری طرف سادہ سی میزیں اور کرسیوں کا انتظام تھا۔ ویٹر تیزی سے ایک میز سے دوسری میز کی طرف جا رہے تھے، ہاتھوں میں پلیٹیں اور جگ لیے ہوئے۔

وہ چاروں ایک خالی میز پر جا بیٹھے۔

کتنی اچھی خوشبو آ رہی ہے۔

حوریہ نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

میری تو بھوک اور بڑھ گئی ہے۔

اس بار روانیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

مجھے ایسے ڈھابے بہت پسند ہیں، یہاں کا ماحول ہی الگ ہوتا ہے۔ تم لوگ تو ہمیشہ ریسٹورنٹ کو پریفر کرتی ہو۔

عزیر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سب کو دیکھا۔

میرال خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں باہر کی جانب تھیں۔

سیف نے موبائل جیب میں ڈالا اور آہستہ قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ اس کی نظریں عمارہ پر تھیں۔

ایکسکیوز می۔۔۔

عمارہ دکان کے اندر داخل ہونے ہی والی تھی کہ سیف کی آواز پر وہ رک گئی۔

آہستہ سے مڑ کر اس نے سیف کو دیکھا۔

دکان دار نے ایک لمحے کے لیے دونوں کو دیکھا، پھر دوبارہ اپنے کام میں لگ گیا۔

جی۔۔۔؟

عمارہ نے دھیرے سے کہا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی حیرت تھی، جیسے وہ اسے پہچان نہ پائی ہو۔

آپ۔۔۔ آپ۔۔۔

سیف ایک لمحے کو الجھ گیا۔

عمارہ اب غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سیف نے جلدی سے موبائل نکالا، اسکرین کھولی اور شہریار کی تصویر نکالی۔ اس نے موبائل عمارہ کی طرف بڑھایا۔

آپ، اسے جانتی ہیں؟ وہ— آپ بازار میں، اس سے کچھ کہہ رہی تھیں۔

شہریار کی تصویر دیکھتے ہی عمارہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آنکھوں میں ایک ساتھ غصہ اور درد ابھر آیا اور اگلے ہی لمحے نمی بھی۔

آپ کون۔۔۔؟

اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

میں اس کا دوست ہوں۔ سیف نے آہستہ سے کہا۔

ایک لمحے کی خاموشی — پھر جیسے سب کچھ ٹوٹ گیا۔

آپ کا دوست، میری بہن کا قاتل ہے۔

عمارہ کی آواز بکھر گئی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

سیف ساکت رہ گیا، جیسے کسی نے اچانک اس کے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی ہو۔

کیا۔۔۔ کیا مطلب؟

عمارہ نے ایک گہری سانس لی، مگر اس کی سانس بھی لرز رہی تھی۔ اس نے ایک نظر دکان کے اندر ڈالی — جہاں آمنہ اور اس کی امی بے خبر کپڑے دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ چند قدم دور آ کر کھڑی ہو گئی۔

سیف بھی اس کے قریب آ گیا۔

شہریار نے پہلے میری بہن کو اپنے پیار کے جال میں پھنسایا۔

عمارہ کے ہر لفظ میں درد تھا۔

اس کی شادی ہونے والی تھی، مگر وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ شہریار کے لیے گھر والوں سے جھگڑتی تھی۔

اور شہریار نے بس اسے استعمال کیا۔

سیف کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ چہرے کا رنگ اترنے لگا۔

وہ۔۔۔ وہ ماں بننے والی تھی۔

یہ سن کر جیسے وقت رک گیا۔ سیف کی سانس اٹک گئی۔

عمارہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئی، پھر آنکھوں سے آنسو صاف کیے — مگر اس کے ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔

جب اس نے شہریار کو بتایا تو شہریار نے الٹا اس کے کردار پر کیچڑ اچھالا — شہریار نے میری بہن کو گندا کیا —

اس کی آواز اب سرد ہو گئی تھی، مگر اس میں جلتا ہوا درد چھپا تھا۔

سیف کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
عمارہ کی آواز کانپ رہی تھی، مگر اس کے الفاظ تیز دھار کی طرح دل میں اتر رہے تھے۔
وہ سڑک پر اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔
وہ اپنی عزت کے لیے اس سے بھیک مانگ رہی تھی مگر شہریار نے اسے دھتکار دیا۔
سیف کی سانس جیسے رکنے لگی۔
میری بہن اس کے لیے بس ایک ٹشو پیپر کی طرح تھی — استعمال کیا اور پھینک دیا —
اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، مگر وہ رک نہیں رہی تھی۔
شہریار آگے بڑھ رہا تھا اور میری بہن اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔
اور پھر۔۔۔ ایک گاڑی اس سے آ کر ٹکرائی۔
سیف کے لیے وہاں کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔
عمارہ نے آنسو صاف کیے، مگر وہ تھم نہیں رہے تھے۔
میری بہن سڑک کے بیچوں بیچ خون میں لت پت پڑی تھی۔
اس کی آواز اب بہت دھیمی ہو گئی تھی۔
میں نے اس کی آنکھوں میں خوف دیکھا تھا۔ وہ بول نہیں رہی تھی، بس خاموشی سے اپنے کیے پر رو رہی تھی۔
چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی — مگر یہ خاموشی چیخ رہی تھی۔
ہسپتال جاتے ہوئے اس نے مجھ سے چند باتیں کہیں۔
عمارہ نے انگلی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا، جیسے وہ الفاظ ابھی تک وہیں محفوظ ہوں۔
میں وہ جملے کبھی نہیں بھول سکتی۔
سیف کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئی تھیں۔
اس نے کہا، میری عزت رکھ لینا —
اس نے کہا، وہ اپنی ہی نظروں میں گر گئی ہے —
اس نے کہا، میری نظروں میں میری کوئی عزت نہیں رہی — تم میری عزت رکھ لینا —
ہر لفظ ایک بوجھ تھا۔

میں نے اپنے گھر والوں کے سامنے اس کی عزت رکھ لی۔
عمارہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔
مگر میں چاہتی ہوں کہ یہ سب دوبارہ کبھی کسی لڑکی کے ساتھ نہ ہو۔
اس کی آواز میں اب درد کے ساتھ غصہ بھی شامل ہو چکا تھا۔
میرا بس چلے تو میں ساری دنیا کو شہریار کے بارے میں بتاؤں۔ ساری دنیا کو اپنی بہن کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے بارے میں بتاؤں۔
وہ ایک لمحے کے لیے رکی، پھر جیسے آخری چوٹ دی۔
میری بہن، نتاشا۔ اس نے میرے ہاتھ سے اپنا دوپٹہ کھینچ کر خود پر اوڑھ لیا تھا۔
میں وہ دردناک لمحہ کبھی نہیں بھول سکتی۔
عمارہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
اس سے غلطی ہو گئی تھی۔
سیف خاموش کھڑا تھا۔ بے حرکت۔ بے جان۔
وہ عمارہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی تکلیف کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے کانپتے وجود کو دیکھ رہا تھا۔
سیف کا دل درد اور آنکھیں غصے سے بھر چکی تھیں۔
ہم لڑکیاں کتنی بے وقوف ہوتی ہیں۔ لڑکوں کی باتوں پر یقین کر لیتی ہیں۔ ان کی میٹھی باتوں میں آجاتی ہیں۔ ان سے امیدیں لگا لیتی ہیں۔
اور لڑکے، ان کے لیے ہم صرف ایک ٹشو پیپر کی طرف ہوتی ہیں۔
اس کی آواز سخت ہو گئی۔
وہ دوستوں میں بیٹھ کر، ہم لڑکیوں کے نام پر قہقہے لگاتے ہیں۔
میری بہن بھی اسی سب کا حصہ بن گئی۔
چند لمحے وہ وہیں کھڑی روتی رہی، پھر آہستہ سے اپنے آنسو صاف کیے اور آگے بڑھ گئی۔
سیف وہیں کھڑا رہ گیا۔ ساکن، بے حرکت۔ جیسے اس کے اندر کی دنیا رک گئی ہو۔
اچانک اس کے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ اس نے بے دلی سے اسکرین دیکھی اور کال اٹھا لی۔

کہاں رہ گئے ہو؟

دوسری طرف سے عزیر کی آواز سنائی دی۔

آرہا ہوں۔ سیف کی آواز بھاری تھی۔

جلدی آؤ۔

عزیر نے کہا اور کال بند کر دی۔

سیف نے فوراً شہریار کو کال ملائی۔ رنگ ٹون بجتی رہی، پھر بند ہو گئی۔ اس نے دوبارہ کال کی، اس بار بھی رنگ ٹون بجتی رہی اور بند ہو گئی۔

سیف نے گہری سانس لی، خود کو پر سکون کیا۔ موبائل جیب میں رکھا اور آہستہ قدموں سے ڈھابے کی طرف بڑھ گیا۔

✦ ✦ ✦

باب سوم

خیالات

رات کی تاریکی مدھم پڑ رہی تھی اور آسمان ہلکے نیلے رنگ میں رنگنا شروع ہو چکا تھا۔ فضا میں ایک ہلکی سی خنکی رچی ہوئی تھی۔ کل بارش کی وجہ سے موسم سرد ہو گیا تھا۔ اردگرد ہلکی سی دھند کی چادر تن گئی تھی۔ گلیاں ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوئی تھیں۔

سیف اور حارث فجر کی نماز ادا کر کے واپس آ رہے تھے۔ دونوں کے چہروں پر ایک عجیب سا سکون تھا، جیسے دل کسی ان دیکھی راحت سے بھر گئے ہوں۔ دونوں نے اپنے گرد چادریں لپیٹ رکھی تھیں۔

جاتے ہوئے کھانے پینے کی چیزیں لے کر جانی ہے۔

حارث نے سیف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ابھی کچھ دن اور رک جاتے ہیں۔ سیف نے دھیرے سے کہا۔

کام بھی تو ضروری ہے۔

حارث نے نرمی سے جواب دیا۔

کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔

اپنی بار جب تم آتے ہو تو تم کبھی نہیں رکتے — تمہاری زبان پر بس ایک ہی جملہ ہوتا ہے — کام کون کرے گا؟

حارث نے ہلکے سے مسکرا کر کہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک اپنائیت تھی۔

سیف بے اختیار مسکرا اٹھا۔

چلتے چلتے دونوں اکرم چچا کی دکان پر پہنچ گئے۔ دکان کے باہر ہلکی روشنی جل رہی تھی۔

السلام علیکم!

سیف نے سلام کیا۔

ارے، وعلیکم السلام!
اکرم چچا خوش دلی سے بولے اور فوراً دوکان سے باہر آ گئے۔ انہوں نے بے حد محبت سے سیف کو گلے لگا لیا۔
شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔
شکریہ چچا، آپ کو بھی مبارک ہو۔ سیف نے اسی نرمی سے جواب دیا۔
السلام علیکم!
حارث نے ادب سے سلام کیا۔
وعلیکم السلام!
اکرم چچا نے اسے بھی گرمجوشی سے گلے لگا لیا۔
چچا، طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ سیف نے پوچھا۔
اللہ کا بڑا شکر ہے، بیٹا۔
لمحے کا توقف لیا۔
کل ڈاکٹر کے پاس گیا تھا، کچھ ٹیسٹ کیے اور دوائیاں دی ہیں۔ اب عمر بھی ہو گئی ہے نا—
آخری جملے پر وہ ہلکے سے ہنس دیے، جیسے اپنی کمزوری کو مذاق میں ٹال رہے ہوں۔
چچا، اللہ سب بہتر کرتا ہے۔
سیف نے دھیرے سے کہا۔
بے شک — بے شک —
اکرم چچا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
اسی لمحے دکان کے اندر سے برہان باہر آیا۔ اس کی نظر جیسے ہی سیف پر پڑی، وہ فوراً اس کی طرف بڑھا۔
السلام علیکم!
اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔
وعلیکم السلام!
سیف نے نرمی سے جواب دیا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔
پھر برہان نے حارث سے بھی مصافحہ کیا۔

کیسے ہو؟ سیف نے اس سے پوچھا۔

ٹھیک بھائی۔

برہان نے مختصر سا جواب دیا، اس کے لہجے میں اپنائیت موجود تھی۔

چچا، یہ کچھ چیزیں دے دیں—

حارث نے کہا۔

اچھا، بیٹا۔

اکرم چچا نے جواب دیا اور دوکان کے اندر چلے گئے۔

شام کو گھر آنا۔

سیف نے نرمی سے برہان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

جی بھائی۔

برہان نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

سیف کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، پھر اس نے رخ حارث کی طرف کر لیا۔ اسی وقت اکرم چچا شاپر حارث کو دے رہے تھے۔ حارث نے وہ چار شاپر تھام لیے۔ جن میں طرح طرح کی چیزیں بھری ہوئی تھیں— لیز، چاکلیٹس، کینڈیز، بسکٹس اور جیلی وغیرہ۔ شاپر خاصے بھرے ہوئے تھے۔

تم لوگوں نے ناشتے میں یہ سب کچھ کھانا ہے کیا؟

سیف کی بات پر اکرم چچا ہلکا سا مسکرائے۔

نہیں—یہ سب سفر میں کھانے کے لیے ہے۔ حارث نے آہستہ سے جواب دیا۔

چچا، ایک اور شاپر بنا دیں۔۔۔ سیف نے شاپر پر نظر ڈالی۔

اچھا۔۔۔

وہ کس کے لیے ہے؟ حارث نے سوال کیا۔

زویا کے لیے۔

سیف نے مختصر مگر نرم لہجے میں کہا۔

ان میں سے ایک صفا، زویا اور مریم کا بھی۔

حارث نے اس کو بتایا۔

اب میں نے ایک اور شاپر کا کہہ دیا ہے۔

چند ہی لمحوں میں اکرم چچا نے ایک اور بھرا ہوا شاپر سیف کی طرف بڑھا دیا۔ سیف نے نرمی سے اسے تھاما اور قیمت ادا کی۔ اس کے بعد دونوں آہستہ قدموں سے گلی میں چلتے ہوئے گھر کی طرف بڑھنے لگے۔ صبح کی روشنی اب واضح ہو چکی تھی، مگر فضا میں ابھی بھی خنکی باقی تھی۔

گھر کے دروازے کے سامنے پہنچ کر سیف کی نظر عبداللہ صاحب کے گھر کے باہر عقیل پر جا ٹھہری۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی۔ عقیل تالا کھول رہا تھا۔

سیف کے قدم ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئے۔

عقیل کی بیوی اندر داخل ہو چکی تھی۔

السلام علیکم!

عقیل نے انھیں دیکھتے ہی سلام کیا۔

وعلیکم السلام!

سیف نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

کیا بات ہے، آج صبح صبح ہی۔۔۔؟

آج صاحب واپس آ رہے ہیں۔

سیف کی آنکھوں میں ہلکی سی حیرت ابھری۔

گھر کی صاف صفائی کرنی ہے، پھر انہیں لینے بھی جانا ہے۔

کب جانا ہے؟

سیف نے دوبارہ سوال کیا، جبکہ حارث خاموشی سے کھڑا تھا۔

بس، دس منٹ میں نکلنے والا ہوں۔

ٹھیک۔

سیف نے ہلکا سا سر ہلایا، پھر وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ گئے۔ دروازہ پار کرتے ہی سیف نے اچانک حارث کا بازو پکڑ لیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی آ گئی تھی۔

ابھی گھر میں اس بات کا ذکر نہیں کرنا۔ اس نے دھیرے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

حارث نے اس کی طرف دیکھا، مگر کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کیا۔ بس خاموشی سے سر ہلا دیا۔

گھر کے اندر سے ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ سیف اور حارث سیدھے کچن کی طرف بڑھے اور اندر داخل ہو گئے۔ کچن میں ایک مانوس سی رونق تھی۔ ڈائننگ ٹیبل کے گرد ماموں خضر، ماموں عاصم، خالو سرفراز اور احمد بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ گرم پراٹھوں کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

چولہے کے پاس صفا کھڑی انڈے فرائی کر رہی تھی، جبکہ سکینہ ترتیب سے برتن سجا رہی تھی۔

حارث نے آتے ہی شاپر کاؤنٹر پر رکھے اور کرسی کھینچ کر خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گیا۔

سیف کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا، اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے سب پر پریں۔

باقی سب کہاں ہیں؟ اس نے پوچھا۔

ممانی اور خالہ وہ سامان وغیرہ رکھ رہی ہیں، باقی سب ابھی سو رہے ہیں۔

صفا نے جواب دیا۔

سیف بھی آہستہ سے ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھا۔

سیف، ہمیں ساگ تو لا کر دو۔ خالو سرفراز نے اس سے فرمائش کی۔

خالو، میں نے آپ کے کہنے سے پہلے ہی اختر کو ساگ لانے کا بول دیا تھا اور گاجریں بھی منگوائی ہیں — آپ جا کر گجریلا بنائیے گا۔

سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اسی لمحے مریم کچن میں داخل ہوئی۔ دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے حارث کی نظر اس پر جا ٹھہری اور وہ ایک لمحے کے لیے اپنی نظر ہٹا نہ سکا۔ جیسے وقت نے خود کو تھام لیا ہو۔

صفا، دادی بلا رہی ہیں۔

مریم صفا کے قریب آ کر دھیمے لہجے میں بولی۔

صفا نے اس کی طرف دیکھا، پھر چمچ اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور خود کچن سے باہر نکل گئی۔

صفا۔۔۔

جیسے ہی وہ باہر آئی، نور کی آواز نے اسے روک لیا۔ نور سٹڈی روم کے دروازے پر کھڑی تھی۔ صفا نے اس کی طرف دیکھا۔

مجھے تھوڑی دیر کے لیے لیپ ٹاپ چاہیے۔

میں ابھی لاتی ہوں۔

نور نے ہلکا سا سر ہلایا اور واپس سٹڈی روم میں چلی گئی۔

صفا کمرے کی طرف بڑھی۔ کمرے میں ایک الگ ہی منظر تھا — ممانی مہروش اور مہروا صوفے پر بیٹھی تھیں، خدیجہ بیگم بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھی تھیں اور زویا ان کے ساتھ بیڈ پر سو ہوئی تھی۔ خالہ کپڑوں کو ترتیب دے رہی تھیں، جبکہ مریحا اور مومل نیم دراز انداز میں بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

صفا نے الماری کھولی اور اندر سے لیپ ٹاپ نکالا۔

مریحا، یہ سٹڈی روم میں نور آپی کو دے آؤ۔

اس نے لیپ ٹاپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہیں رکھ دیں، میں دے آتی ہوں۔

مریحا نے نیم غنودہ آواز میں کہا، جیسے ابھی پوری طرح جاگی نہ ہو۔

نہیں، ابھی دے آؤ، انہیں چاہیے۔

صفا نے قریب آکر نرمی سے کہا اور لیپ ٹاپ اس کی گود میں رکھ دیا۔

مریحا آہستہ سے سیدھی ہو کر بیٹھی، ایک لمحے کے لیے صفا کو دیکھا، پھر لیپ ٹاپ اٹھایا اور باہر کی طرف چل دی۔

وہ سٹڈی روم کے دروازے تک پہنچی اور آہستہ سے دروازہ کھولا۔

نور صوفے پر بیٹھی تھی۔ دروازے کی ہلکی سی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

مریحا اندر آئی۔ دونوں کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

مریحا نے لیپ ٹاپ اس کی طرف بڑھایا اور نور نے نرمی سے اسے تھام لیا۔

مریحا اپنے سامنے کالے رنگ کی گاڑی کو دیکھنے لگی۔

یہ زویا کی ہے کیا؟

اس نے دھیرے سے پوچھا۔

اس گھر میں زویا کے علاوہ اور کوئی بچہ نہیں ہے۔
نور نے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔
مریحا گاڑی کے اوپر بیٹھ گئی۔
ٹوٹ جائے گی۔
نور نے سر اٹھا کر اسے ہلکی سی تنبیہ کی، مگر لہجہ نرم ہی تھا۔
مریحا وہاں سے اٹھ کر آہستہ سے نور کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔
کمرے میں ایک خاموشی سی پھیل گئی۔ نور اپنے موبائل کو لیپ ٹاپ کے ساتھ کنیکٹ کرنے میں مصروف ہو گئی، جبکہ مریحا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔
میں نے افریقہ کے بارے میں سرچ کیا تھا۔ چند لمحوں بعد مریحا نے دھیرے سے کہا۔
نور نے فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا، جیسے اس جملے نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی ہو۔
وہاں کے لوگ تو بہت عجیب طریقے سے رہتے ہیں۔
مریحا نے اپنی بات جاری رکھی۔
نور کے لبوں پر ایک ہلکی، گہری مسکراہٹ آ گئی۔
اور وہ سب بلیک میجک بھی کرتے ہیں۔ کیا آپ کو بھی بلیک میجک آتا ہے؟
مریحا نے معصومیت سے سوال مکمل کیا۔
نور ہلکے سے مسکرائی، پھر آہستہ سے سر نفی میں ہلایا۔
نہیں، مجھے نہیں آتا۔ میرے پیرنٹس کو آتا تھا۔
ریلی۔۔۔؟
مریحا کی آنکھیں پھیل گئیں۔
نور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
وہاں کے لوگ مسلمان بھی نہیں ہوتے؟ کیا آپ مسلمان ہیں؟
مریحا کا اگلا سوال اور بھی سادہ مگر گہرا تھا۔
اس بار نور ہنس پڑی، مگر اس ہنسی میں ایک ہلکی سی نرمی اور ماضی کی جھلک بھی شامل تھی۔

میں پہلے مسلمان نہیں تھی لیکن بعد میں پاکستان آکر مسلمان ہو گئی تھی۔
کیا آپ کے پیرنٹس مسلمان تھے؟ انہوں نے آپ کی ہیلپ کی؟
مریحا نے فوراً پوچھا۔
ہاں، وہ مسلمان تھے۔ انہوں نے میری مدد کی اور ایک دوست نے بھی۔
نور نے قدرے گہرے لہجے میں کہا۔ اس کی نظریں چند لمحوں کے لیے کہیں کھو سی گئیں، جیسے وہ کسی پرانی یاد کو چھو رہی ہو۔
کمرے میں ایک ہلکی سی سنجیدگی اتر آئی۔
اسی لمحے سٹڈی روم کا دروازہ کھلا۔ دونوں نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا۔
آکر ناشتہ کر لو۔
مومل دروازے پر کھڑی بولی۔
اچھا۔
مریحا نے فوراً جواب دیا۔
مومل واپس مڑ گئی۔
نور نے ایک نظر لیپ ٹاپ پر ڈالی، پھر اسے بند کیا۔ مریحا اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں خاموشی سے کمرے سے باہر نکلی۔
کچن سے باتوں اور ہنسی کی ملی جلی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ڈائننگ ٹیبل کے گرد اب شہریار، حمزہ، حارث، سیف، مومنہ اور مومل بیٹھے تھے۔
سکینہ ایک ایک کر کے سب کے سامنے ناشتہ رکھ رہی تھی، جبکہ مریم چولہے کے پاس کھڑی چائے بنا رہی تھی۔
اسی دوران مریحا اور نور بھی آکر خاموشی سے کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔
بھائی سیف، میرا تو جانے کا بالکل بھی دل نہیں کر رہا۔
حمزہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
میں تو کہہ رہا ہوں رک جاؤ، تم لوگوں کو ہی جانے کی جلدی ہے۔
سیف نے ہلکی سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے بولا۔
اگر کالج نہ جانا ہوتا تو میں رک جاتا۔

حمزہ نے فوراً جواب دیا۔

چھٹیاں لے لو۔

سیف نے اس کو حل بتایا۔

ہاں، بالکل سیف کی طرح۔

شہریار نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ چٹکی لی۔

اس کا تو یونیورسٹی میں ویسے بھی دل نہیں لگتا تھا، ایک بھی چھٹی ہوتی تو فوراً گھر بھاگ آتا تھا۔

سیف نے اسے گھور کر دیکھا۔

کچھ زیادہ نہیں ہو رہا۔

نہیں، بالکل نہیں، تم سب کے سامنے نور بیٹھی ہے، اس سے پوچھ لو۔

اس نے اشارہ نور کی طرف کیا۔

سب کی نظریں ایک ساتھ نور کی طرف اٹھ گئیں۔

نور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا۔

کچن میں قہقہوں کی آواز گونج اٹھی۔

سیف سب کا منہ دیکھتا رہ گیا، جیسے اسے یقین ہی نہ آ رہا ہو کہ سب اس کے خلاف ہو گئے ہیں۔

اسی دوران مریم نے چائے کپوں میں انڈیلی، ٹرے میں رکھی اور احتیاط سے اٹھا کر باہر لے گئی۔ تبھی حیدر کچن میں داخل ہوا۔

بھائی سیف، آپ کو اختر بھائی بلا رہے ہیں۔

اس کی آواز پر سب کی نظریں اس کی طرف مڑ گئیں۔

سیف نے آہستہ سے کرسی پیچھے کی اور اٹھ کھڑا ہوا، پھر بغیر کچھ کہے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

باہر پورچ میں اختر کھڑا تھا۔ اس کے سامنے زمین پر ساگ، آلو، مالٹے، امرود اور گاجریں رکھی ہوئی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا کے ہلکے جھونکے ان چیزوں کی خوشبو کو اور بھی نمایاں کر رہے تھے۔

سیف اس کے قریب آیا۔

بھائی، سب کچھ لے آیا ہوں اور کچھ تو نہیں لانا؟

اختر نے ادب سے پوچھا۔
سیف نے ایک نظر سامنے رکھی چیزوں پر ڈالی، پھر مطمئن انداز میں سر ہلایا۔
نہیں، کافی ہے – تم یہ آلو اور گاجر کی بوریاں سب کی گاڑی میں رکھ دو۔ اس کے بعد مالٹوں اور امرود کی پلیاں رکھنا۔ میں ساگ کو چار حصوں میں برابر تقسیم کرتا ہوں، پھر یہ بھی رکھ دینا۔
جی بھائی۔
اختر نے نرمی سے کہا اور کام میں لگ گیا۔
صفا کے کمرے میں ایک الگ ہی رونق لگی ہوئی تھی۔ سب باتوں میں مصروف تھے۔ مریم ایک ایک کر کے سب کو چائے دے رہی تھی۔
زویا بھی اب جاگ چکی تھی اور خدیجہ بیگم کے پاس بیٹھی تھی۔
مریم نے سب کو چائے دی پھر خالی ٹرے میز پر رکھی اور آگے بڑھ کر زویا کو اٹھا لیا۔ وہ اسے گود میں لے کر کمرے سے باہر جانے ہی لگی تھی کہ خدیجہ بیگم کی آواز نے اسے روک لیا۔
مریم، ساریاں نوں کمرے وچ بلا لو۔
مریم ٹھہر گئی۔ اس نے مڑ کر خدیجہ بیگم کی طرف دیکھا، پھر خاموشی سے سر ہلا دیا۔
ناشتہ چنگی طرح کیتا اے نا ساریاں نے؟
خدیجہ بیگم نے کمرے میں بیٹھی سب خواتین اور مردوں پر ایک ایک نظر ڈالتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔
جی، بالکل۔
ماموں خضر نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے جواب دیا۔
تے فیر کدوں نکلنا اے؟
بس، یہ چائے ختم کر کے ہی۔
خدیجہ بیگم نے آہستہ سے سر ہلایا۔
جے کوئی گل بری لگی ہوئے یا کوئی کمی بیشی رہ گئی ہوئے تے اوہ دے لئی معذرت –
نہیں، نہیں خالہ۔
ماموں عاصم فوراً بولے۔

آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔
ان کے ساتھ بیٹھی خالہ زمل نے محبت سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا، جیسے ان کے دل کو تسلی دے رہی ہوں۔
صفا خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔
مومنہ بھابھی، اب آپ نے ہمارے گھر آنا ہے۔ مریحا، مومنہ سے متوجہ تھا۔
جی بالکل اور اس بار کافی دن کے لیے آنا ہے۔
مریحا نے فوراً بات میں اضافہ کیا۔
مومنہ ہلکا سا مسکرا دی، جیسے اس محبت بھرے اصرار کو دل سے محسوس کر رہی ہو۔
اسی وقت مریم کچن میں داخل ہوئی۔ اس نے ایک نظر سب پر ڈالی پھر آہستہ سے بولی۔
آپ سب کو دادی کمرے میں بلا رہی ہیں۔
اس کے ساتھ ہی صفا بھی کچن میں آ گئی۔
سب لوگ ایک ایک کر کے اٹھنے لگے، مگر شہریار وہیں بیٹھا رہا۔
آپ بھی آ جائیں۔
حارث نے اسے دیکھ کر کہا۔
وہ بھی خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
صفا نے فریج کھولا اور اندر سے مٹھائی کے ڈبے نکالنے لگی۔ اس نے انہیں کاؤنٹر پر رکھ دیا۔
مومنہ اس کے قریب آئی۔
یہ کیوں نکال رہی ہو؟
ماموں لوگوں کو دینے ہیں۔ صفا نے مختصر جواب دیا۔
میں لے جاؤں؟
ہاں، لے جاؤ۔
مومنہ نے ڈبے اٹھائے اور کمرے کی طرف بڑھ گئی، صفا بھی اس کے پیچھے ہی تھی۔
کمرے میں اب خاصا رش ہو چکا تھا۔ سب ایک جگہ جمع تھے اور فضا میں ایک عجیب سی اپنائیت تھی۔
اک اک کر کے سارے میرے کول آؤندے جاؤ۔

خدیجہ بیگم نے بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی اور اس میں سے پیسے نکال لیے۔
حارث سب سے آگے کھڑا تھا۔
انہوں نے ایک ہزار کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔
خالہ، آپ کیوں دے رہی ہیں؟
معانی مہروش فوراً بول پڑی۔
میرے بچے نیں، اس لئی دے رہی آں۔
خدیجہ بیگم نے شفقت سے کہا۔
پھر انہوں نے ایک اور نوٹ ایزا کی طرف بڑھایا۔
خالہ، رہنے دیں، یہ سب اب چھوٹے نہیں ہیں۔ خالہ عائشہ نے کہا۔
سب کے چہروں پر ہلکی سی سرخی دوڑ رہی تھی اور لبوں پر مسکراہٹ برقرار تھی۔
میرے لئی تے سارے ہی چھوٹے نیں۔
خدیجہ بیگم نے پیار سے کہا۔
اسی دوران صفا اور مومنہ اندر آئیں اور مٹھائی کے ڈبے میز پر رکھ دیے۔
صفا نے ایک نظر سب پر ڈالی، پھر آنکھوں سے اشارہ کیا۔
پیسے۔
سب کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔
اسی لمحے زویا کمرے میں داخل ہوئی۔ مریم نے اسے تیار کر دیا تھا۔ صاف کپڑے، اور بال ایک خوبصورت سی پونی میں بندھے ہوئے تھے۔
دادی، میرے۔۔۔؟
وہ معصومیت سے ان کے قریب آکر بولی۔
پورے کمرے میں ایک زوردار قہقہہ گونج اٹھا۔
لے میری دھی، تُو وی لے۔
خدیجہ بیگم نے پیار سے ایک نوٹ اس کے ہاتھ میں دیا۔

زویا نے خوشی سے اسے تھام لیا۔
شہریار، اے تیرے۔۔۔
اب خدیجہ بیگم نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔
شہریار نے ایک لمحے کے لیے سب کی طرف دیکھا۔
شہریار بھائی، لے لیں۔۔۔
حمزہ اور احمد نے مسکراتے ہوئے اسے آگے کیا۔
شہریار نے ادب سے وہ نوٹ لے لیا۔
یہ محض ایک نوٹ – کوئی بڑی رقم بھی نہیں تھی – مگر جس محبت، خلوص اور اپنائیت کے ساتھ وہ دیا جا رہا تھا، اس کی قیمت انمول ہو گئی تھی – شاید اتنی کہ اسے کسی پیمانے میں ناپا ہی نہ جا سکے۔
نور۔۔۔
خدیجہ بیگم نے اس کی طرف بھی نوٹ بڑھایا۔
نور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ لے لیا۔
ایک ایک کر کے خدیجہ بیگم نے سب کو پیسے دیے۔
چائے پینے کے بعد سب لوگ دروازے کی طرف آ چکے تھے۔ جانے کی تیاری مکمل تھی۔ حیدر اور علی گاڑی کے اندر سامان رکھنے میں مصروف تھے، جبکہ باقی سب آخری لمحوں کی ملاقاتوں میں الجھے ہوئے تھے۔
سرد ہوا اب بھی ہلکے ہلکے سے چل رہی تھی اور آسمان پر بادلوں کی دبیز تہہ سورج کو چھپائے ہوئے تھی۔
خدیجہ بیگم، صفا، مریم، زویا، سکینہ، سیف، شہریار، نور اور اختر سب ان سے مل رہے تھے۔
سیف، اب تم لوگوں نے بھی آنا ہے۔ ماموں عاصم نے اس سے ملتے ہوئے کہا۔
جی ماموں، ضرور۔
سیف نے نرمی سے جواب دیا۔
صفا اب تم لوگ مومنہ کو کب لا رہے ہو، ہمارے گھر۔ خالہ عائشہ نے صفا سے پوچھا۔
خالہ اب یہ آپ مومنہ سے پوچھیں کہ وہ کب آئے گی۔
صفا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

کیوں مومنہ بتاؤ۔
خالہ عائشہ اب اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔
جلد ہی آؤں گی۔ اس نے دھیرے سے کہا۔
ضرور چکر لگانا ہے تم لوگوں نے۔ خالہ اس سے گلے ملتے ہوئے بولی۔
جی۔
مومنہ نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔
مریم، خدیجہ بیگم کے پاس کھڑی تھی۔ حارث خدیجہ بیگم سے مل رہا تھا۔
میں جلد ہی دوبارہ چکر لگاؤں گا۔
اس نے ہلکی سی نظریں اٹھا کر مریم کو دیکھتے ہوئے کہا۔
مریم نے اس کی نظروں کو خود پر محسوس کر لیا تھا، مگر اس نے نگاہیں نہیں اٹھائیں۔
آہستہ آہستہ سب لوگ گاڑیوں کی طرف بڑھ گئے۔ کچھ ہی لمحوں میں دروازے بند ہونے لگے، انجن سٹارٹ ہونے کی ہلکی سی آواز بلند ہوئی۔
ماموں عاصم نے اپنی گاڑی آگے بڑھائی، ان کے پیچھے خالو سرفراز کی گاڑی روانہ ہوئی، پھر ماموں خضر کی۔ سب سے آخر میں حارث کی گاڑی تھی۔
حارث نے ایک آخری نظر مریم پر ڈالی۔
مریم بھی اسی کو دیکھ رہی تھی۔
حارث کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر مریم کے چہرے پر وہ مسکراہٹ نہ اتر سکی۔
سب ہاتھ ہلا کر الوداع کہہ رہے تھے۔ چند ہی لمحوں میں وہ سب نظروں سے اوجھل ہو گئے۔
گھر کے باہر کھڑے لوگ واپس اندر داخل ہوئے۔ سیف نے آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ گھر کے اندر ایک عجیب سی خاموشی اتر آئی تھی۔
سب لوگ آہستہ آہستہ کچن میں آ گئے تھے۔
اچانک نور کے موبائل پر نوٹیفکیشن کی آواز گونجی۔ اس نے موبائل اٹھایا، چیٹ اوپن کی — اسے دو فائلز موصول ہوئی تھیں۔ اسی کے ساتھ ایک وائس میسج بھی —

میں تھوڑا سا کام کر لوں۔
وہ آہستہ سے کہتی ہوئی وہاں سے اٹھی اور سٹڈی روم کی طرف چلی گئی۔
صفا اختر کو ناشتہ دینے لگی، مریم کپوں میں چائے انڈیل رہی تھی اور سکینہ ڈائننگ ٹیبل سے برتن سمیٹ رہی تھی۔
مریم، نور نے بھی چائے نہیں پی، اسے بھی دے آؤ۔
صفا نے اس سے کہا۔
اچھا۔
مریم نے مختصر سا جواب دیا۔ اس نے سب کو چائے دی، پھر ایک کپ پلیٹ میں رکھ کر نور کے لیے لے گئی۔
سٹڈی روم کا دروازہ ہلکے سے کھلا۔
نور کھڑی کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ لیپ ٹاپ میز پر کھلا ہوا تھا اور اس پر کوئی فائل اوپن تھی۔
مریم آہستہ سے اندر آئی۔ وہ چائے رکھنے کے لیے جھکی ہی تھی کہ اس کی نظر اچانک لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جا پڑی۔
اور اسی لمحے اس کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔
اس کی آنکھیں یکدم پھیل گئیں۔ سانس جیسے رک سا گیا۔
اسکرین پر وہاب کی تصویر تھی — اس کا چہرہ زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا۔ وہاب کی گردن کو کاٹا گیا تھا — وہ منظر ایسا کہ دیکھنے والا سہم جائے۔
مریم کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہنے لگے۔ دل جیسے سینے میں دھڑکنا بھول گیا ہو۔
نور نے اس کی طرف دیکھا تو چونک گئی۔
مریم۔۔۔
اس نے فوراً اسے پکارا۔
مریم نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف، درد اور بے بسی ایک ساتھ جمع ہو چکے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی، مگر الفاظ اس کے گلے میں ہی کہیں اٹک گئے تھے۔
نور نے فوراً کال کاٹ دی اور اس کی طرف بڑھی۔
مریم، کیا ہوا؟
اس نے نرمی سے اسے تھاما۔

مگر اگلے ہی لمحے مریم کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ بے ہوش ہو کر سیدھا نور پر آ گری۔

مریم — مریم —

نور گھبرا گئی۔

اس نے جلدی سے اسے سہارا دے کر صوفے پر لٹایا، اس کے چہرے کو تھپتھپانے لگی۔

سیف۔۔۔

نور کی آواز لرز رہی تھی، مگر اس نے پوری قوت سے پکارا۔

کچن میں بیٹھے سب چونک گئے۔

سیف۔۔۔

ایک اور بلند آواز گونجی۔

سیف، شہریار، مومنہ اور صفا فوراً دوڑتے ہوئے سٹڈی روم کی طرف گئے۔

زویا حیرانی سے سب کو دیکھ رہی تھی، جبکہ سکینہ فوراً اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

کیا ہوا؟

سیف نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔

اس کو دیکھو، اچانک بے ہوش ہو گئی ہے۔ نور نے پریشانی سے کہا۔

سب کے چہروں کا رنگ اڑ گیا۔ وہ سب فوراً مریم کے قریب آئے۔ اس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان ابھی بھی موجود تھے۔

گاڑی نکالو۔۔۔

سیف نے جلدی سے کہا۔

شہریار فوراً باہر کی طرف بھاگا۔

سیف اور نور نے مل کر مریم کو سہارا دیا اور باہر لے جانے لگے۔

شہریار پہلے ہی گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

صفا، تم زویا اور دادی کے پاس رہو اور زویا کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔

سیف نے مریم کو گاڑی میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

جی بھائی۔

صفا نے دھیرے سے جواب دیا۔

نور اور مومنہ بھی گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ دونوں نے مریم کو تھاما ہوا تھا۔ مریم کا سر مومنہ کی گود میں تھا، بال بکھرے ہوئے اور وجود بے جان۔

سیف آگے بیٹھا اور شہریار نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔

صفا نے دروازہ بند کیا اور واپس کچن میں آئی۔

کی ہویا؟

خدیجہ بیگم نے فوراً پوچھا۔ ان کے چہرے پر پریشانی صاف جھلک رہی تھی۔

صفا نے ایک نظر زویا پر ڈالی، جو سکینہ کے ساتھ خاموشی سے ناشتہ کر رہی تھی۔

پھر وہ دادی کے قریب آکر بیٹھی۔

مریم بے ہوش ہو گئی ہے۔

اللہ خیر کرے۔۔۔

خدیجہ بیگم نے فوراً اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

بھائی اسے ہسپتال لے گئے ہیں۔

صفا نے آہستہ سے کہا۔ کچن میں ایک بھاری سی خاموشی چھا گئی۔

گاڑی ہسپتال کے سامنے جا کر رکی۔

سیف فوراً باہر نکلا، مریم کو اپنی بانہوں میں اٹھایا اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھا۔ شہریار آگے بڑھ کر دروازہ کھول چکا تھا اور سٹریچر کھینچ کر قریب لے آیا۔ سیف نے احتیاط سے مریم کو سٹریچر پر لٹایا۔

ہسپتال کی تیز روشنیاں آنکھوں میں چبھ رہی تھیں۔ سفید دیواروں پر پڑتی روشنی ایک عجیب سی سختی پیدا کر رہی تھی اور فضا میں دوائیوں کی تیز بو گھلی ہوئی تھی۔ سٹریچر تیزی سے ایمرجنسی وارڈ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اردگرد کی آواز اس لمحے کی گھبراہٹ کو اور گہرا کر رہی تھی۔

مریم کو جلدی سے اندر لے جایا گیا۔

دروازہ بند ہوا اور اس کے ساتھ ہی جیسے وقت تھم سا گیا۔

باہر سب ایک دوسرے کے قریب کھڑے تھے – پریشان اور بے چین –
لمحے گزر رہے تھے مگر ہر لمحہ جیسے بوجھل تھا۔
کچھ دیر بعد ایمرجنسی روم کا دروازہ کھلا۔
سب کی نظریں ایک ساتھ اس طرف اٹھ گئیں۔ ڈاکٹر باہر آیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی، مگر آنکھوں میں ایک ہلکی سی نرمی بھی جھلک رہی تھی۔
ڈاکٹر، کیسی ہیں وہ؟
سیف فوراً آگے بڑھا، اس کی آواز میں بے چینی صاف محسوس ہو رہی تھی۔
ڈاکٹر نے ایک نظر سب پر ڈالی۔
ابھی ہوش میں نہیں آئیں، مگر فکر کی بات نہیں ہے۔ انہیں شدید شاک لگا ہے۔
سب نے ایک ساتھ جیسے لمبا سانس لیا۔ دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا، مگر بے چینی ابھی بھی قائم تھی۔
آپ لوگوں کو ان کا بہت خیال رکھنا ہوگا، ورنہ اس کا اثر ان کے بچے پر بھی پڑ سکتا ہے۔
ایک لمحے کے لیے جیسے سب کچھ ساکت ہو گیا۔ سب کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔ نظریں ایک دوسرے پر جمنے لگیں۔
ڈاکٹر نے ان کے تاثرات دیکھے۔ ڈاکٹر کو فوراً سمجھ آگیا کہ یہ بات ان کے لیے نئی ہے۔
ایک ماہ ہو چکا ہے۔
ڈاکٹر نے نرمی سے خود ہی وضاحت کر دی۔
کیا ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں؟ مومنہ نے دھیرے سے پوچھا۔
کچھ دیر کے بعد۔۔۔
ڈاکٹر نے مختصر جواب دیا اور وہاں سے چلا گیا۔
مومنہ، گھر فون کر کے بتا دو، وہ سب پریشان ہوں گے۔
سیف نے جیب سے موبائل نکالتے ہوئے اسے تھما دیا۔
مومنہ نے خاموشی سے فون لیا اور چند قدم دور جا کر نمبر ملانے لگی۔
شہریار، سیف اور نور بینچ پر بیٹھ گئے۔

اسی لمحے ایک نرس باہر آئی اور ایک پرچی شہریار کی طرف بڑھا دی۔
یہ کچھ دوائیاں ہیں، آپ لے آئیں۔
شہریار نے فوراً ہاتھ بڑھا کر پرچی تھام لی۔ سیف اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں جلدی سے وہاں سے چلے گئے۔
کچھ دیر بعد جب وہ واپس آئے، تو سیدھے کمرے کی طرف بڑھے۔ نور اور مومنہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔
کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔
مریم کو ہوش آچکا تھا۔ وہ بیڈ پر لیٹی چھت کو خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی، جیسے کسی گہرے خیال میں گم ہو۔
مومنہ اور نور آہستہ سے اس کے قریب جا کر بیٹھ گئیں، جبکہ سیف اور شہریار دروازے کے پاس ہی رک گئے۔
مومنہ نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ مریم چونکی اور فوراً اس کی طرف دیکھا۔
تمہیں اب اپنا بہت زیادہ خیال رکھنا ہے — اب ہمارے گھر ایک اور ننھا مہمان آنے والا ہے۔
مومنہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
مریم کے چہرے کا رنگ یکدم اڑ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
نہیں۔۔۔ وہاب، وہ اسے مار دے گا۔
اس کی آواز کانپنے لگی۔
کمرے میں کھڑے سب لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔
وہ، میری بیٹی کو مار دے گا۔
مریم اچانک اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آواز بلند ہو گئی، جیسے وہ کسی نظر نہ آنے والے خطرے سے لڑ رہی ہو۔
اس کی آنکھوں میں وحشت تھی — وہ حال میں نہیں، ماضی کے کسی خوفناک لمحے میں قید ہو چکی تھی۔
شاید وہ یہ بھول گئی تھی کہ وہاب اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہونے والے واقعے کو بھول گئی تھی۔
وہ حریم کی طرح اس کو مار دے گا۔
اس کے الفاظ لرز رہے تھے، چیخوں میں بدلتے جا رہے تھے۔
مومنہ فوراً اس کے قریب ہوئی۔
کمرے میں ایک عجیب سی گھٹن پھیل گئی تھی۔ سانس لینا بھی مشکل لگنے لگا تھا۔
نہیں، ایسا نہیں ہے۔

مومنہ نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے کہا۔

نہیں، وہ اسے مار دے گا۔

مریم چیخ رہی تھی، اس کا دل جیسے سینے سے باہر آنا چاہتا ہو۔

مریم۔۔۔

مومنہ نے اسے بار بار پکارا، مگر وہ جیسے سن ہی نہیں رہی تھی۔

سیف فوراً اس کے قریب آیا۔ نور اور شہریار کی آنکھوں میں بے بسی اور درد صاف جھلک رہا تھا۔

مریم، وہ یہاں نہیں ہے۔

سیف نے نہایت نرمی سے کہا۔

مریم نے اس کی طرف دیکھا، آنکھوں میں خوف اب بھی زندہ تھا۔

نہیں، وہ آجائے گا۔ وہ روتے ہوئے بولی۔

نہیں، وہ نہیں آئے گا، دیکھو، وہ یہاں نہیں ہے۔

مریم نے کانپتی ہوئی نگاہوں سے اردگرد دیکھا — وہاب کہیں نہیں تھا۔

مومنہ نے فوراً اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

مریم ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

وہ، مار دے گا — وہ آجائے گا۔

ایسا کچھ نہیں ہو گا، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ مومنہ اسے تسلی دینے لگی۔

اب اس کی آواز پہلے سے مدھم ہو چکی تھی۔

کمرے میں اس کے رونے کی آواز گونج رہی تھی — مریم کا درد ایک ایسا درد تھا، جسے نہ الفاظ بیان کر سکتے تھے، نہ کوئی تسلی کم کر سکتی تھی۔

اختر گھر کے باہر کھڑا تھا۔ اس کی نظریں سامنے ٹکی ہوئی تھیں۔ ایک آدمی نیچے کھڑا تھا اور دوسرا چھت پر کھڑا لائٹس اتار رہا تھا۔

گاڑی آکر دروازے کے سامنے رکی۔ اختر کی نگاہ فوراً اس پر جا ٹھہری۔

گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا — مومنہ باہر نکلی۔ پھر اگلے دروازے کھلے، شہریار اور سیف باہر آئے۔ چند لمحوں بعد مریم بھی آہستہ سے باہر نکلی۔ آنکھیں سرخ، سوجی ہوئی، چہرہ زرد اور بے جان۔

مومنہ نے فوراً اسے سہارا دیا۔ نور بھی دوسری طرف سے آہستہ آہستہ باہر نکلی، اس کے ہاتھ میں دوائیوں کا شاپر تھا۔

مومنہ نے مریم کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور اسے آہستہ آہستہ اندر لے گئی۔

خدیجہ بیگم، صفا کے کمرے میں بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ جیسے ہی ان کی نظر مریم پر پڑی، وہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

مومنہ نے مریم کو ان کے پاس بٹھا دیا۔

مبارک ہو۔

خدیجہ بیگم نے محبت سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا، پھر اس کے ماتھے کو چوما۔

مریم کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ وہ دوبارہ رونے لگی۔ اس بار پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ۔

ایہہ تے خوشی دی گل۔۔۔

خدیجہ بیگم نے نرمی سے پوچھا۔

مریم کچھ نہ بول سکی۔

خدیجہ بیگم نے فوراً اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

نئیں میری دھی، اینج نئیں روندے۔

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دینے لگیں، مگر مریم کے آنسو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

کمرے میں موجود سب لوگ یہ منظر درد کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

مریم، میری دھی، کی ہو گیا اے؟

اب کی بار خدیجہ بیگم کی آواز میں واضح پریشانی تھی۔

اسی لمحے صفا بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ مریم کو اس حالت میں دیکھ کر وہ بھی گھبرا گئی۔

سیف آہستہ سے صوفے پر آ بیٹھا، چہرے پر خاموش کرب لیے۔

صفا، مریم کے قریب آئی اور اس کے پاس بیٹھ گئی۔ مریم کی سسکیاں پورے کمرے میں گونج رہی تھیں۔ وہ اپنے اندر کا دبا ہوا درد ایک ہی لمحے میں بہا دینا چاہتی ہو۔

دادی نوں تے دس، کی ہویا اے۔
خدیجہ بیگم کی آواز اب لرزنے لگی تھی۔
مریم، کیا ہوا ہے۔۔۔؟
صفا نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔
مریم کی حالت دیکھ کر سب کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ وہ بہت بری طرح رو رہی تھی۔
میرا دل بیٹھدا جا ریا اے۔
خدیجہ بیگم نے بے بسی سے کہا، مگر مریم کے آنسو تھم نہ سکے۔
کیا ہوا ہے؟
صفا نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
مریم کے لب ہلے۔
دادی۔۔۔
اس نے بمشکل آواز نکالی۔
بول۔۔۔ میں ایہیں آں، تیرے کول۔۔۔
وہاب نے۔۔۔ میری حریم کو مار دیا۔
خدیجہ بیگم کے لب کھل کر بھی بند رہ گئے، کوئی لفظ باہر نہ آسکا۔
اسے۔۔۔ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی مار دیا گیا۔
مریم کی آواز ٹوٹتی جا رہی تھی۔
صفا نے بے اختیار اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔ سیف نے آنکھیں بند کر لیں۔ کمرے میں موجود ہر چہرے پر درد اور صدمہ واضح تھا۔
اس نے۔۔۔ اس نے میری فراح کو بیچ دیا۔
مریم کی آواز اب سسکیوں میں ڈوب گئی تھی۔
میں۔۔۔ میں ان کے لیے کچھ نہیں کر سکی۔
اس کی آواز بلند ہو گئی۔

ششش۔۔۔
خدیجہ بیگم مسلسل اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔
اسے بیٹا چاہیے تھا — اس نے انہیں مار دیا۔
مریم کی ہر بات دل چیرتی جا رہی تھی۔
بس۔۔۔ میری دھی۔۔۔
خدیجہ بیگم کی آواز میں لرزش اور آنکھوں میں نمی تھی۔
مریم۔۔۔
سیف نے نرمی سے اس کا نام لیا۔ پھر وہ چند لمحے خاموش رہا، جیسے اپنے الفاظ کو ترتیب دے رہا ہو۔
زمانۂ جاہلیت میں کچھ قبیلے ایسے تھے۔۔۔
اس نے آہستہ سے کہنا شروع کیا۔
جن میں بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک بیٹی کی پیدائش، ذلت سمجھی جاتی تھی۔ انہیں لگتا تھا کہ ان کی عزت کم ہو جائے گی۔ وہ اپنی ہی اولاد کو قبول نہیں کرتے تھے،
مگر قرآن نے اس کی سخت مذمت کی۔
سیف کی آواز اور بھی دھیمے لہجے میں ڈھل گئی۔
قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔(سورۃ الشوریٰ، آیات 49–50)
کمرے میں سب اس کو سن رہے تھے۔
اور جو لوگ بیٹیوں کو بوجھ سمجھتے تھے ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غمگین ہوتا ہے۔ (سورۃ النحل، آیت 58)
مریم کی سانسیں اب دھیرے دھیرے نارمل ہونے لگیں تھیں۔ اس کی سسکیاں کم ہو رہی تھیں۔
تمہیں پریشان ہونے کی یا رونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، خود کو الزام مت دو۔

وہاب نے جو کیا، وہ اس کے اپنے اعمال ہیں۔ اج بھی زمانۂ جاہلیت کی سوچ رکھنے والے کچھ لوگ موجود ہیں۔

سیف ایک لمحہ رکا۔

اسلام میں بیٹی کو رحمت کہا گیا ہے۔

سیف کے الفاظ میں ایک خاص وقار تھا۔

مریم نے آہستہ سے سیف کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب خوف کی جگہ ایک ہلکی سی خاموشی آچکی تھی۔

سیف نے بات جاری رکھی۔۔۔

تمہارے حصے میں صبر لکھا گیا، تمہیں اس کا اجر ضرور ملے گا اور اللہ جب اجر دینے پر آتا ہے تو وہ بے حساب دیتا ہے، جس کا کوئی مقابلہ نہیں۔

مریم کی سسکیاں اب آہستہ آہستہ تھم رہی تھیں۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ سیف کی طرف دیکھنے لگی۔

سیف مریم کے بکھرے ہوئے دل کو لفظوں سے سمیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں تمہیں ان سب باتوں کے خلاصے میں ایک بہت خوبصورت واقعہ سناتا ہوں۔

سیف نے ہلکی سی سانس لی۔

حضرت ساسا بن ناجیہؓ۔ جب اسلام قبول کرنے کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، تو کلمہ پڑھنے کے بعد انہوں نے نہایت ادب سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔

سیف کی آواز میں ایک خاص ٹھہراؤ تھا، جیسے وہ ہر لفظ دل میں اتار رہا ہو۔

حضور ﷺ نے فرمایا، پوچھو۔

تو انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں نے زمانۂ جاہلیت میں، اسلام قبول کرنے سے پہلے، جو نیکیاں کی تھیں۔ کیا اللہ مجھے ان پر بھی اجر عطا فرمائے گا؟

کمرے میں سنّاٹا اور گہرا ہو گیا۔

حضور ﷺ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ آپ بتائیں آپ نے کون سی نیکی کی تھی؟

حضرت ساسا بن ناجیہؓ عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ ایک روز میرے دو اونٹ گم ہو گئے۔ میں اپنے دو اونٹوں کی تلاش میں نکل پڑا اور میں نے سفر کرتے کرتے دور دراز کی بستیوں کا سفر کیا۔

میں ایک بستی میں پہنچا تو وہاں مجھے اپنے دو اونٹ مل گئے وہ دوسرے جانوروں کے ساتھ چر رہے ہیں اور ایک بزرگ ان کے پاس بیٹھے ہیں۔

کمرے میں موجود سب لوگ اس منظر میں کھو گئے تھے۔

میں نے جا کر عرض کی کہ یہ دو اونٹ میرے اونٹ ہیں۔

انہوں نے نرمی سے کہا – ہاں، شاید یہ چرتے چرتے غلطی سے اس طرف آن نکلے تھے، آپ اپنے اونٹ لے جا سکتے ہیں۔

اتنے میں انہوں نے میری ضیافت کے لیے کچھ کھجوریں اور پانی منگوا لیا۔

سیف کی آواز آہستہ آہستہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

میں کھجوریں کھانے میں مشغول تھا کہ اتنے میں پیچھے سے ایک نومولود بچے کے رونے کی اواز آئی۔

تو یہ بزرگ با آواز بلند کہنے لگے کہ بیٹا آیا ہے کہ بیٹی۔۔۔؟

تو میں نے پوچھ لیا بڑے اشتیاق سے – کہ بابا جی اگر بیٹی آئی تو کیا کرو گے۔۔۔؟

وہ کہنے لگے کہ اگر بیٹا آیا تو میرے قبیلے کی شان بڑھائے گا لیکن اگر بیٹی آئی تو اسے زندہ دفن کر دوں گا – کیونکہ میں اپنے داماد کی ناراضگی مول نہیں لے سکتا اور قبیلے والوں کے سامنے میرا سر شرم سے جھک جائے گا۔

کمرے میں بیٹھے ہر ایک کے دل پر چوٹ لگی۔

اس پر حضرت ساسا بن ناجیہؓ کہتے ہیں – یا رسول اللہ ﷺ یہ سن کر میرے دل میں بڑی نرمی آگئی – تو میں نے بابا جی سے کہا اچھا پھر پتہ کریں کہ بیٹی آئی ہے یا بیٹا۔

بتانے والے نے آکر بتایا کہ بیٹی آئی ہے۔

تو میں نے پھر پوچھ لیا کہ بابا جی کیا واقعی اسے دفن کرو گے؟

وہ کہنے لگے کہ ہاں دفن کرنے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔

تو میں نے کہا کہ تم اسے دفن نہ کرو تم اس بچی کو میرے حوالے کر دو خواہ تم اس کے عوض میرے دو اونٹ رکھ لو۔

سیف نے نرم لہجے میں بات جاری رکھی۔

وہ بزرگ کہنے لگے کہ نہیں – دو اونٹ تھوڑے ہیں، جس اونٹ پر بیٹھ کر آئے ہو یہ بھی اگر دے دو، تو میں بیٹی تمہیں دے دیتا ہوں۔

میں نے کہا کہ ٹھیک ہے تم اپنے کسی شخص کو میرے ساتھ روانہ کرو، وہ مجھے چھوڑ کر یہ اونٹ بھی واپس لے آئے گا۔
یا رسول اللہ ﷺ میں اس بچی کو اپنے ساتھ گھر لے آیا۔
میری نوکرانی بچی کو دودھ پلاتی اور یوں وہ بچی میرے گھر پلنے لگی — وہ میری داڑھی کے ساتھ کھیلنے لگی، میرے سینے پر بیٹھ کر میرے ساتھ اٹکیلیاں کرتی۔
مریم کی آنکھیں دوبارہ سے نم ہونے لگی۔
مجھے اس بچی سے بہت پیار ہو گیا اور یوں مجھے اس نیکی کی لذت نے گھیر لیا۔
یا رسول اللہ ﷺ میں اس دن کے بعد، میں دور دراز کے علاقوں میں چلا جاتا۔ جہاں بھی کوئی بیٹی پیدا ہوتی، وہ اگر دفن کرنے کا ارادہ کرتے تو میں دو، تین اونٹ انہیں قیمت دے کر وہ بیٹیاں اپنے گھر لے آتا۔
یا رسول اللہ ﷺ اس وقت میرے گھر میں تین سو ساٹھ بچیاں پل رہی ہیں۔
اور فرماتے ہیں — جب میں نے حضور ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھا، تو حضور کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی۔ ان کا چہرہ مبارک سرخ ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگایا۔
مجھے ماتھے سے چوم کر فرمایا —
کہ ساسا بن ناجیہ یہ اللہ کا احسان ہی تو ہے — کہ اللہ نے خوش ہو کر تمہیں ایمان جیسی دولت سے سرفراز فرما دیا اور ساسا یہ تو دنیا کا انعام تھا۔ روز قیامت اللہ اپنے خزانوں کے منہ تمہارے لیے کھول دے گا۔
خدیجہ بیگم کی آنکھ سے پانی اس کی گال پر بہہ گیا۔
مریم کی آنکھیں بھی نم تھی۔
اللہ بہت رحیم ہے — وہ کسی کا اجر اپنے پاس نہیں رکھتا، تمہیں تمہارا اجر ضرور ملے گا۔
سیف کی آواز میں بھی لرزش آگئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔
وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مریم کے قریب آیا۔ اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور مریم کی طرف بڑھایا۔
اپنی آنکھیں صاف کرو۔
مریم نے نم آنکھوں سے اس کو دیکھا۔
سیف نے آہستہ سے سر ہلایا۔
مریم نے رومال تھام لیا اور اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔

خدیجہ بیگم نے اپنے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا۔
صفا، جاؤ مریم کے لیے پانی لاؤ۔
سیف نے نرمی سے اس کو دیکھ کر کہا۔
جی بھائی۔
صفا نے فوراً سے جواب دیا۔
زویا۔۔۔
سکینہ نے اسے آواز دی، مگر زویا نے جیسے سنا ہی نہ ہو۔ وہ گلی میں اس کے آگے آگے بھاگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ، اور ننھے ہاتھوں میں گلاب کے پھول تھے۔
زویا، گر جاؤ گی۔
سکینہ تیز قدموں سے اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولی، مگر اس کی آواز میں ڈانٹ سے زیادہ فکر تھی۔
اسی دوران دو گاڑیاں آکر عبداللہ ہاؤس کے دروازے پر رکیں۔
اختر ابھی تک باہر ہی کھڑا تھا۔ اس کی نظریں فوراً گاڑیوں پر جا ٹھہریں۔
سکینہ نے بھی دور سے انہیں دیکھا، مگر وہ ابھی کافی فاصلے پر تھی۔
گاڑیوں کے دروازے کھلے اور ایک ایک کر کے سب لوگ باہر نکلنے لگے۔
اختر انہیں دیکھ کر ہلکا سا چونک گیا، ان کی آمد اس کے لیے غیر متوقع تھی۔
عبداللہ صاحب گاڑی سے اترے۔
نظر پڑتے ہی اختر ان کی طرف آیا۔
السلام علیکم!
اختر نے ادب سے مصافحہ کیا۔
وعلیکم السلام، کیسے ہو؟
عبداللہ صاحب کی آواز میں سنجیدگی تھی۔
شکر اللہ کا — آپ کیسے ہیں؟
ٹھیک۔

عبداللہ صاحب نے مختصر سا جواب دیا۔
عقیل نے جلدی سے احمد کی ویل چیئر نکالی اور اسے احتیاط سے اس پر بٹھایا۔
ایشال اور عریشہ گلی میں دیکھ رہی تھیں۔ ایشال کے چہرے پر سب سے زیادہ چمک تھی۔
السلام علیکم!
اختر نے ان سے بھی مسکرا کر کہا۔
وعلیکم السلام!
دونوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
یہاں تو اتنی سردی نہیں ہے۔
عریشہ نے آہستہ سے ایشال سے کہا۔
ہاں۔۔۔
ایشال نے گردن گھما کر ماحول کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
اختر اب احمد اور فہد سے مل رہا تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ ان سب کے چہروں پر تھی۔
عقیل نے دروازہ کھولا اور سامان اندر منتقل کرنے لگا۔ ایک گاڑی واپس پلٹ گئی۔
سب گھر پر ہی موجود ہیں؟ عبداللہ صاحب نے پوچھا۔
جی۔
اختر نے ادب سے جواب دیا۔
سب آہستہ آہستہ اندر کی طرف بڑھنے لگے۔ عقیل احمد کی ویل چیئر کو بھی اندر لے جانے لگا، مگر احمد نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔
عقیل رک گیا۔
احمد نے ایک نظر سب پر ڈالی، پھر اختر کی طرف دیکھا۔
اختر، مجھے دادی کے پاس لے چلو۔
اختر نے سر ہلایا۔
سکینہ زویا کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہو گئی۔

صفا نے پانی کا گلاس مریم کی طرف بڑھایا۔ مریم نے خاموشی سے ایک گھونٹ لیا۔
اب میں تمہیں ایسے روتا ہوا نا دیکھوں۔ سیف نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
اور دیکھو، ہمارے پاس زویا بھی ہے۔ وہ تمہیں ایسے دیکھے گی تو اس ننھی سی جان پر کیا گزرے گی؟
مریم خاموش رہی۔
ویسے یہ ہے کہاں؟ سیف نے صفا سے پوچھا۔
بھائی، وہ سکینہ کے ساتھ ڈیرے پر گئی ہے، ابھی آتی ہوں گی دونوں۔ صفا نے جواب دیا۔
اسی لمحے زویا، سکینہ کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔
لو، آ گئی۔
صفا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
سب کی نظریں ایک ساتھ ان دونوں کی طرف اٹھ گئیں۔
زویا مسکراتی ہوئی سیدھا صفا کے پاس آئی اور اپنے ہاتھ میں پکڑا ایک پھول اسے دے دیا۔
میں آپ کے لیے لائی ہوں۔
صفا نے نرمی سے وہ پھول تھام لیا۔
پھر زویا نے اگلا پھول دادی کو دیا۔
مریم خاموشی سے اس کے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھ رہی تھی—وہ معصوم مسکراہٹ، جو ہر درد کو لمحہ بھر کے لیے بھلا دے۔
زویا اس کے قریب آئی اور ایک پھول اس کی طرف بڑھا دیا۔
ماما۔۔۔
اس نے دھیرے سے کہا۔
مریم نے آہستہ سے وہ پھول لے لیا۔
یہ کہاں سے لائی ہو؟
سیف نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
میں ڈیرے سے لائی ہوں۔

زویا نے فوراً معصومیت سے جواب دیا، پھر ایک پھول سیف کی طرف بڑھا دیا۔
سیف نے مسکرا کر لے لیا۔
اب اس کے ہاتھ میں صرف ایک آخری پھول رہ گیا تھا۔
شہریار بھائی، کو کون دے گا؟
سیف نے اس سے کہا۔
زویا نے شہریار کی طرف دیکھا۔
شہریار بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
زویا نے ایک لمحہ اپنے ہاتھ میں پھول کو دیکھا، پھر دوڑ کر اس کے پاس گئی اور وہ پھول اسے دے دیا۔
تھینک یو۔
شہریار نے پیار سے اس کے گال کھینچتے ہوئے کہا۔
میرا۔۔۔؟
نور نے ہلکی سی ادا سے کہا۔
زویا نے اسے دیکھا، پھر واپس سیف کے پاس آئی، اس کے ہاتھ سے پھول لیا اور جا کر نور کو دے دیا۔
نور نے مسکراتے ہوئے وہ پھول تھام لیا۔
زویا کی اس حرکت پر کمرے میں ہلکی سی ہنسی گونج گئی۔
اور میرا پھول۔۔۔؟
سیف نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔
آپ کو کل دوں گی۔
زویا نے معصومیت سے کہا اور صوفے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔
اسی لمحے اختر، احمد کو لے کر اندر داخل ہوا۔ سب کی نظریں ایک ساتھ اس طرف اٹھ گئیں۔ وقت جیسے ایک لمحے کے لیے رک سا گیا۔
احمد۔۔۔
خدیجہ بیگم کے لبوں سے اس کا نام سرگوشی بن کر نکلا۔

وہ بیڈ سے فوراً اتریں اور اس کے قریب آگئیں۔ احمد کی آنکھوں میں نمی جھلک رہی تھی۔ اندر دبا ہوا احساس اب آنکھوں تک آپہنچا تھا۔

آکی ہویا؟

وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئیں، ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھ دیا۔ ان کی نظریں اس پر جمی تھیں— حیرت، دکھ اور بے چینی سب ایک ساتھ۔

پھر انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔

احمد نے بمشکل کہا۔ اس کی آواز لرز رہی تھی، جیسے ہر لفظ کے ساتھ کوئی تکلیف جڑی ہو۔

کدوں۔۔۔؟ تے کیویں۔۔۔؟

خدیجہ بیگم کی آواز میں گھبراہٹ بڑھ گئی، شاید وہ بھول گئی تھی۔

سیف نے ایک نظر صفا کی طرف ڈالی۔ وہ پہلے ہی اسے دیکھ رہی تھی۔ سیف فوراً آگے بڑھا اور دادی کے کندھے پر ہاتھ رکھا، جیسے انہیں سنبھالنا چاہتا ہو۔

خدیجہ بیگم نے ایک لمحے کو مڑ کر اسے دیکھا۔

احمد کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

کمرے کی فضا پھر سے بھاری ہو گئی۔ کل تک جو گھر خوشیوں سے بھرا تھا— آج وہی گھر کسی ان دیکھی اداسی میں ڈوب رہا تھا۔

احمد آہستہ سے جھکا اور خدیجہ بیگم کے گلے لگ گیا۔

سب خاموش کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

احمد۔۔۔

خدیجہ بیگم نے اس کا نام لیا، مگر آواز میں بھیگی ہوئی مٹھاس تھی۔

احمد کے دل کی کیفیت اس لمحے لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگیں۔ بھاری، ٹوٹتی ہوئی، جیسے وہ برسوں کا بوجھ ایک ساتھ اتار رہا ہو۔

کچھ دیر وہ اسی طرح روتا رہا— پھر آہستہ سے خود کو الگ کیا۔

خدیجہ بیگم نے اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کیا، جیسے بچپن کی طرح اسے سنبھال رہی ہوں۔
دادی، میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔
احمد نے دھیرے سے کہا۔
میرا سونا پتر۔۔۔
انہوں نے پیار سے جواب دیا، آنکھوں میں ممتا بھر آئی۔
احمد نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر آہستہ سے چوما۔
دادی، آپ صوفے پر بیٹھ جائیں، اب وہ آپ کے پاس ہی ہے۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
خدیجہ بیگم آہستہ سے اٹھیں اور صوفے پر جا بیٹھیں، مگر نظریں اب بھی احمد سے ہٹی نہیں تھیں۔
احمد نے نم آنکھوں کے ساتھ سب کی طرف دیکھا۔
سیف آگے بڑھا، جھکا اور اسے گلے لگا لیا۔
مجھے تو یاد نہیں کیا ہو گا؟
تم سب کو بہت یاد کیا۔
احمد نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ سیف الگ ہوا تو احمد کی نظر صفا پر پڑی۔
صفا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہلایا۔
احمد بے اختیار مسکرا دیا۔
شہریار۔۔۔؟
احمد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
شہریار نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔
نور۔۔۔؟
احمد کی نگاہ اب اس پر تھی۔
نور نے بھی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ وہ ان دونوں کو پہلے سے جانتا تھا۔
پھر اس کی نظر مریم پر جا ٹھہری — اس کی نظر فوراً سیف کی طرف لوٹ آئی۔ آنکھوں میں ایک سوال اور خاموش تجسس تھا۔

سیف نے اس کی نظر کو سمجھ لیا۔
یہ مریم ہے—
سیف نے نرمی سے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
احمد نے زویا کو دیکھا۔
اور یہ زویا—مریم کی بیٹی۔
اور وہ سکینہ ہے۔
احمد کی نظر سکینہ کی طرف گئی۔
اختر کی شریکِ حیات۔
آخر میں احمد کی نظریں مومنہ پر ٹھہریں اور اس کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔
شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ اس نے نرمی سے کہا۔
تھینک یو، احمد بھائی۔
مومنہ نے دھیرے سے جواب دیا۔
میرے کول آ۔۔۔
خدیجہ بیگم نے احمد سے محبت بھرے لہجے میں کہا۔
اختر فوراً سے ویل چیئر کو ان کے قریب لے آیا۔
خدیجہ بیگم نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔
باقی سارے کِتھے نیں؟
انہوں نے اچانک پوچھا، جیسے کوئی خیال دل میں ابھرا ہو۔
وہ سب گھر پر ہیں۔
احمد نے مختصر سا جواب دیا۔
خدیجہ بیگم نے آہستہ سے سر ہلایا۔
زویا خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس کی معصوم آنکھیں ایک سے دوسرے چہرے تک جا رہی تھیں۔
ایکسیڈنٹ کیویں ہویا؟

خدیجہ بیگم نے دوبارہ پوچھا، اس بار آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔
احمد نے ایک گہرا سانس لیا۔
جب آپ، میں، چچا اور دادا زمین کے سلسلے میں رجسٹری آفس جا رہے تھے، تب ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔
اس ایکسیڈنٹ میں میری ٹانگیں مفلوج ہو گئیں۔
خدیجہ بیگم کچھ نہ کہہ سکیں۔ ان کی نظریں جھک گئیں، جیسے وہ ماضی کے کسی کربناک لمحے میں جا پہنچی ہوں۔
کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔
زویا آہستہ آہستہ کے خدیجہ بیگم قریب آئی۔
اچانک شہریار کے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ سب کی نظریں ایک لمحے کو اس کی طرف اٹھ گئیں۔
اس نے جیب سے موبائل نکالا—
سویٹ ممی— اسکرین پر چمک رہا تھا۔
اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی ابھری اور وہ فوراً کمرے سے باہر نکل گیا۔
ڈاکٹر نے کہا ہے، میں جلدی ٹھیک ہو جاؤں گا۔
احمد نے دادی کے ہاتھ کو مضبوطی فراہم کی۔
زویا نے آہستہ سے اپنا ننھا ہاتھ آگے بڑھایا اور احمد کے ہاتھ سے دادی کا ہاتھ نرمی سے آزاد کر کے خود تھام لیا۔
کمرے میں موجود سب لوگوں نے یہ منظر دیکھا۔
اس کی چھوٹی سی حرکت میں کتنی معصومیت اور اپنائیت تھی۔
احمد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، جبکہ باقی سب کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔
زویا نے ایک نظر احمد کو دیکھا، پھر دادی کے ساتھ لگ گئی۔
زویا جیلس ہونے لگی ہے۔
سیف نے آہستہ سے کہا۔
کمرے میں ہلکی سی ہنسی گونج گئی— خدیجہ بیگم نے فوراً سے زویا کو اٹھایا اور اپنی گود میں بٹھایا۔ وہ پیار سے اس کے گال چومنے لگیں۔
کمرے کی بھاری فضا ہلکی پڑ گئی۔

شہریار آہستہ قدموں سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی نظریں سیدھا سیف پر جا ٹھہریں۔ وہ اس کے قریب آ کر رکا۔

سیف، اب مجھے اجازت دو۔

اس نے دھیرے سے کہا۔

ابھی رک جاؤ۔

سیف کی آواز نرم تھی، مگر اس میں ایک انجانی سی چاہت چھپی ہوئی تھی۔

کمرے میں موجود سب کی نظریں اب انہی دونوں پر مرکوز تھیں۔

شہریار کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

نہیں، اب مجھے چلنا چاہیے اور ان دو دن میں ممی کی دو سو کالز آ چکی ہیں۔

سیف خاموش رہا۔

شہریار آگے بڑھا اور خدیجہ بیگم کے قریب جا کر جھک گیا۔

انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوما اور سر پر پیار دیا۔

گھر وچ ساریاں نوں میرا سلام اکھیں۔ انہوں نے نرمی سے کہا۔

جی ضرور۔

شہریار نے مسکرا کر جواب دیا۔

پھر اس نے زویا کے گال ہلکے سے کھینچے۔ زویا ہنس دی۔

وہ سیدھا ہوا۔ اس نے صفا، مریم اور نور کی طرف دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا۔

تینوں نے ایک ساتھ سلام کا جواب دیا۔

پھر وہ احمد اور اختر سے گلے ملا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

اختر، سامان لے آؤ۔

سیف کہتے ہوئے اس کے پیچھے باہر آ گیا۔

گلی میں ہلکی سی ٹھنڈک تھی۔ گاڑی دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ دونوں ایک ساتھ کھڑے تھے۔

اختر سامان لے کر آیا۔

ڈِگی کھولو۔

سیف نے شہریار سے کہا۔
یہ کیا ہے؟
شہریار نے حیرت سے پوچھا۔
بتاتا ہوں، پہلے ڈگی تو کھولو۔
شہریار نے ڈِگی کھولی۔ اختر ایک ایک کر کے سامان رکھنے لگا۔
یہ گاجریں، آلو، امرود، مالٹے اور ساگ ہیں۔ سیف نے بتایا۔
ان سب کی کیا ضرورت تھی؟
شہریار نے سوال کیا۔
تمہیں نہیں دے رہا — آنٹی کے لیے ہیں۔
شہریار مسکرایا۔
اختر، مٹھائی بھی لے آؤ۔
جی بھائی۔
وہ فوراً اندر چلا گیا۔
یہ دو دن بہت اچھے تھے۔ تمہارے ساتھ اور تمہاری فیملی کے ساتھ وقت گزار کر بہت اچھا لگا۔
سیف کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
تمہارا جب دل چاہے، تم آسکتے ہو۔
سیف نے اسے دعوت دی۔
شہریار نے سر ہلایا۔
شہریار، میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی زندگی جیو — نہ کہ اس کو گزارو —
سیف نے نرمی سے کہا۔ شہریار نے اسے گہری نظر سے دیکھا۔
تم جب یہاں آئے تھے، تو بالکل مختلف تھے اور اب جاتے وقت بھی تم بالکل مختلف ہو۔
شہریار کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔
میں اپنا وعدہ پورا کروں گا — میں لاہور ضرور آؤں گا۔

اگلے ہی لمحے شہریار نے سیف کو مضبوطی سے گلے لگا لیا۔
اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
تم، مجھے میری غلطیوں کے لیے معاف کر دو۔
سیف نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
میں نے کبھی تمہیں کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔
تم آج بھی میرے لیے اتنے ہی خاص ہو، جتنے ڈھائی سال پہلے تھے۔
شہریار خاموشی سے سنتا رہا۔
میں بس چاہتا ہوں، تم خوش رہو۔
شہریار اس سے الگ ہوا۔
اتنے میں اختر مٹھائی کی ٹوکری لے آیا۔
سیف نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا۔
اختر نے احتیاط سے ٹوکری اندر رکھی، دروازہ بند کیا اور واپس چلا گیا۔
یہ تمہاری فیورٹ مٹھائی ہے، جو تم ہر بار منگواتے تھے۔
شہریار کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
اس نے گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا اور آہستہ سے بیٹھ گیا۔
انجن اسٹارٹ کیا — اس نے شیشہ نیچے کیا۔
سیف ذرا سا جھکا۔
انکل اور آنٹی کو میرا سلام کہنا۔
ضرور۔۔۔
شہریار کے چہرے پر ہلکی سی اداسی تھی۔ اس نے ایک آخری نظر سیف پر ڈالی، پھر گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئی۔
سیف وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا — یہاں تک کہ گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔
چند لمحے وہ یونہی کھڑا رہا — پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور آہستہ سے گھر کی طرف چل پڑا۔

✦ ✦ ✦

شہریار رات کافی دیر سے گھر پہنچا تھا۔
اس نے گاڑی کا ہارن بجایا تو اندر بیٹھے گارڈ نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ گاڑی آہستہ سے اندر داخل ہوئی اور پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔
شہریار گاڑی سے اترا اور گارڈ کی طرف متوجہ ہوا۔
گاڑی سے سارا سامان نکال کر کچن میں رکھ دو۔
اس نے مختصر سا کہا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔
گھر کے اندر خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ لاؤنج میں مدھم سی روشنی جل رہی تھی — وہ اندھیرے کو مکمل ہونے سے روک رہی ہو۔ سب سو چکے تھے۔
وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ لائٹس آن کیں، دروازہ بند کیا۔ اس نے چابیاں اور موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے۔
پھر جیسے ہی اس نے جیب سے والٹ نکالا، اسے جیب میں ہلا سا کسی چیز کا احساس ہوا۔
وہ رکا — دوبارہ سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔
جب ہاتھ باہر نکالا تو اس کی انگلیوں میں ایک گلاب کا پھول تھا — یہ وہی پھول تھا جو زویا نے اسے دیا تھا۔
اس کے سنجیدہ چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ ابھری — چند لمحوں کے لیے وہ اسے دیکھتا رہا۔
اس نے پھول اور والٹ کو احتیاط سے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ پھر فریش ہونے کے لیے چلا گیا۔
چند لمحوں بعد وہ واپس آیا۔
اس کے بال ہلکے سے گیلے تھے اور چہرہ تازہ مگر تھکا ہوا۔ اس نے لائٹس بند کیں اور آہستہ سے بیڈ پر لیٹ گیا۔
کمرے میں نیم تاریکی پھیل گئی۔
وہ کچھ دیر تک چھت کو دیکھتا رہا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے کروٹ بدلی۔ اب اس کا رخ دروازے کی طرف تھا۔
خاموشی کے بیچ، اس کے ذہن میں ایک پرانا منظر ابھرنے لگا —
سیف کیفیٹیریا میں ایک میز پر اکیلا بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ آج سیف تھوڑا سنجیدہ سے موڈ میں تھا۔

اسی وقت میرال آہستہ قدموں سے اس کے پاس آئی۔
سیف نے سر اٹھایا، ایک نظر اسے دیکھا۔
میرال خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔
سیف نے ہاتھ کے اشارے سے ویٹر کو بلایا۔
ایک چائے۔ اس نے مختصر کہا۔
ویٹر فوراً چلا گیا۔
پیپر کیسا ہوا؟ میرال نے پوچھا۔
سیف نے چائے کا گھونٹ لیا۔
اچھا ہو گیا، تم بتاؤ؟
میرا بھی ٹھیک ہوا۔
میرال نے اپنے بیگ سے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا اور میز پر اس کے سامنے رکھ دیا۔
سیف نے چونک کر اسے دیکھا۔
یہ کیا ہے؟
تمہارے لیے بیف پلاؤ۔۔۔ میرال نے سادگی سے کہا۔
میرال، تم خوامخواہ میں تکلف کرتی ہو۔
اس میں تکلف کی کیا بات ہے؟
وہ نرمی سے بولی۔
ہم نے اپنے لیے بنایا تھا تو تمہارے لیے بھی لے آئی۔
لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی۔
سیف، لے لو۔۔۔
میرال کی آواز میں خلوص تھا۔
آئندہ ایسا کچھ مت کرنا، مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔
اچھا، ٹھیک ہے۔

میرال کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔
اسی لمحے نور اور شہریار بھی آکر ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔
سیف اور میرال نے ان کی طرف دیکھا۔
اتنے میں ویٹر چائے لے آیا۔
دو کپ اور لے آؤ۔
سیف نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔
ویٹر سر ہلا کر واپس چلا گیا۔
یہ کیا ہے؟ شہریار نے ڈبے کو دیکھ کر کہا۔
بیف پلاؤ۔
سیف نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے سادہ انداز میں کہا۔
واؤ۔۔۔
شہریار کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے فوراً ڈبہ اپنی طرف کھینچا۔
یہ میرال لے کر آئی ہے؟
ہاں۔۔۔
سیف نے مختصر جواب دیا۔
ڈبہ کھلتے ہی ہلکی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔
یہ تو بہت مزے کا لگ رہا ہے۔
شہریار نے آنکھیں ہلکی سی بند کر کے خوشبو محسوس کرتے ہوئے کہا۔
کیا میں کھا سکتا ہوں؟
کھا سکتے ہو۔
سیف نے کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔
میرال کے چہرے کی مسکراہٹ مانند پڑ گئی۔ وہ پلاؤ، سیف کے لیے لائی تھی۔
شہریار نے چمچ اٹھایا اور پہلا لقمہ لیا۔

ہمم۔۔۔ واقعی بہت مزے کا ہے۔
وہ چباتے ہوئے بولا۔
بس تھوڑا سا ٹھنڈا ہو گیا ہے۔
اتنے میں لڑکا چائے لے آیا۔
شہریار نے فوراً ڈبہ اس کی طرف بڑھا دیا۔
یہ گرم کر کے لے آؤ۔
لڑکے نے خاموشی سے سر ہلایا اور ڈبہ لے کر چلا گیا۔
میز پر چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔
سیف نے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور کپ میز پر رکھتے ہوئے شہریار کی طرف متوجہ ہوا۔
شہریار، تم آج اپارٹمنٹ آسکتے ہو؟
اس نے دھیرے سے پوچھا۔
ہاں۔۔۔
شہریار نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
اتنے میں ویٹر پلاؤ واپس لے آیا۔ اب اس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس نے ڈبہ آہستہ سے میز پر رکھا اور خاموشی سے چلا گیا۔
شہریار نے فوراً ڈبہ اپنی طرف کھینچا۔
پھر رات کو آجانا۔ سیف نے بات مکمل کی۔
اچھا۔۔۔
شہریار نے مختصر جواب دیا اور دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گیا۔
اس نے ایک چمچ لے کر نور کی طرف بڑھایا۔
نور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ لقمہ لیا۔
میرال خاموش بیٹھی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس لمحے میرال کو وہ دونوں زہر لگ رہے تھے۔
سیف، کیا ہم آج باہر مل سکتے ہیں؟ نور نے اچانک پوچھا۔

میرال نے فوراً چونک کر سیف کی طرف دیکھا۔
بالکل۔۔۔
سیف نے نرمی سے جواب دیا۔
کتنے بجے؟ سیف نے پوچھا۔
پانچ۔
نور نے ذرا سوچ کر کہا۔
اوکے، مجھے لوکیشن سینڈ کر دینا، میں آجاؤں گا۔
اوکے۔
میرال کو پہلے سے زیادہ غصہ آنے لگا۔
شہریار اور نور مزے سے پلاؤ کھا رہے تھے۔
نور نے سیف کی طرف چمچ بڑھایا۔
سیف نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔
نہیں، میں ناشتہ کر کے آیا تھا اور اب چائے بھی پی لی ہے۔
میرال نے ایک لمحے کے لیے سیف کو دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔
میرال۔۔۔
نور نے آہستہ سے ڈبہ اس کی طرف بڑھایا۔
میرال نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا، پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔
چند ہی لمحوں میں ڈبہ خالی ہو گیا۔ شہریار نے خاموشی سے اسے بند کیا اور میرال کے سامنے رکھ دیا۔
تھینک یو سو مچ۔
وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
بہت مزے کے تھے اور میں تو ویسے بھی ناشتہ کر کے نہیں آئی تھی۔
اب کی بار نور بولی۔
میرال نے بس انہیں دیکھا، کچھ کہا نہیں۔

اسی لمحے سیف کے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا۔ اسکرین پر نورالعین کا نام چمک رہا تھا۔

سیف نے کال ریسیو کی۔

سیف، کہاں ہو؟

نورالعین نے سوال کیا۔

کیفیٹیریا میں۔۔۔

پروفیسر جواد تمہیں بلا رہے ہیں۔

اچھا، میں ابھی آتا ہوں۔

سیف نے کال بند کی،،بیگ اٹھایا اور شہریار کی طرف دیکھا۔

اب تم رات کو آجانا۔

آجاؤں گا۔

شہریار نے سادہ سا جواب دیا۔

سیف نے ایک نظر نور اور میرال پر ڈالی اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

میرال کی نظریں بے اختیار اس کے پیچھے اٹھ گئیں۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

میرال۔۔۔

نور کی نرم آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

تم سیف کو پسند کرتی ہو نا۔۔۔؟

اسی لمحے فضا تھم گئی۔ میرال کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا۔

شہریار، جو خاموش بیٹھا تھا، اچانک سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

میرال اور شہریار کی دھڑکنیں تیز ہو گئی۔ فضا میں ایک ان کہی کشیدگی پھیل گئی۔

ن۔۔۔ نہیں۔۔۔

میرال نے بمشکل کہا۔

مگر اس کی آواز، اس کی نظریں، اس کا لہجہ – سب اس کے الفاظ کی تردید کر رہے تھے۔

نور خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔
شہریار نے ایک نظر میرال کی آنکھوں میں دیکھا اور وہ ایک نظر اس کے دل پر بوجھ بن گئی۔ اس کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ گیا ہو۔ سینے میں درد کی ایک لہر اٹھی، سانس رکنے لگا، آنکھوں میں نمی چمکنے لگی — مگر اس نے فوراً نظر جھکا لی۔
وہ مزید وہاں نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اس نے خاموشی سے اپنا بیگ اٹھایا۔
میں چلتا ہوں۔
اس کی آواز دھیمی اور بھاری تھی۔
نور اور میرال دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔
وہ فوراً کھڑا ہوا، اپنے تاثرات چھپاتے ہوئے اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔
مگر نور نے اس کے چہرے کی وہ ایک جھلک دیکھ لی تھی اور وہ ایک جھلک سب کچھ سمجھنے کے لیے کافی تھی۔
وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھی۔
میں بھی چلتی ہوں۔ وہ کہتے ہوئے اس کے پیچھے بڑھ گئی۔
کوریڈور میں شہریار تیزی سے چل رہا تھا۔ نور اس کے پیچھے تھی مگر نہ جانے کیوں وہ اچانک ٹھہر گئی۔
وہ دور جاتے ہوئے شہریار کو دیکھتے رہی۔
شہریار تیزی سے آگے بڑھتا گیا۔ اس کے قدموں میں عجیب سی بے چینی تھی، جیسے وہ کسی انجانے درد سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ شہریار کی آنکھیں نم تھیں۔
وہ سیدھا پارکنگ میں پہنچا، گاڑی کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔
اس نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی اور یونیورسٹی سے باہر نکل گیا۔
سڑک پر آتے ہی اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ ہوا تیزی سے شیشوں سے ٹکرا رہی تھی۔ ہر چیز تیزی سے بھاگ رہی تھی۔
اس کا دل، جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ درد کی لہریں بار بار اٹھ رہی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے منظر دھندلا رہا تھا۔ وہ بار بار ہاتھ سے آنکھیں صاف کرتا مگر آنسو پھر بھی پلکوں پر آجاتے۔
کافی دیر تک وہ یونہی سڑکوں پر گاڑی گھماتا رہا — بغیر کسی سمت کے، بغیر کسی مقصد کے آخر میں وہ تھک کر گھر پہنچا۔
گھر آکر وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا اور خود کو کمرے میں بند کر لیا۔

میرال بھی گھر واپس آچکی تھی۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے غصے سے اپنا بیگ بیڈ پر پھینکا۔
وانیہ، جو پہلے سے بیڈ پر بیٹھی تھی، چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
میرال، یہ کیا طریقہ ہے؟
میرال نے کوئی جواب نہیں دیا۔
وہ بیڈ پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔
وانیہ فوراً اس کے قریب آئی۔
کیا ہوا ہے؟
میرال نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔
اس کی آنکھوں میں غصہ اور خفگی صاف جھلک رہی تھی۔
میں صبح صبح اتنی محنت سے پلاؤ بنا کر لے کر گئی تھی اور وہ سارا پلاؤ شہریار اور نور کھا گئے۔
اس کی آواز میں دکھ تھا۔
تم نے خود ان کو دیا ہوگا، تو ہی انہوں نے کھایا۔
وانیہ نے آہستہ سے کہا۔
نہیں، میں اور سیف کیفے میں بیٹھے تھے۔ میں نے اس کو پلاؤ دیا تھا، اچانک وہ دونوں بھی وہاں آ گئے۔
شہریار نے پوچھا کہ میں کھا لوں؟ اور سیف نے کہا — کھا لو۔
تو پھر اس میں ان کی کیا غلطی؟ سیف نے خود اجازت دی۔
وانیہ نے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
میرال نے خفگی سے اسے دیکھا۔
تم میری بہن ہو یا ان کی؟ تمہیں میری سائیڈ لینی چاہیے۔
میرال، یہاں کوئی مقابلہ نہیں ہو رہا، پلاؤ جس کے نصیب میں تھا، اس نے کھا لیا۔
میرال نے جھنجھلا کر نظر پھیر لی۔
اچھا، میری بات سنو۔۔۔

وانیہ نے پیار اسے کہا۔
تم دوبارہ لے جانا۔
کیسے لے جاؤں؟ میرال نے فوراً جواب دیا۔
سیف نے کہا ہے کہ آئندہ ایسی کوئی حرکتیں نہ ہو — اسے اچھا نہیں لگتا۔
تم اس کو کھانے پر گھر بلا لینا۔
وہ نہیں آئے گا، میں اسے جانتی ہوں۔
وانیہ کچھ لمحے سوچتی رہی، پھر اس کے چہرے پر ہلکی سی چمک آئی۔
میرے پاس اس کا بھی حل ہے۔
میرال نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔
حوریہ اور عزیر کس دن کام آئیں گے۔
میرال کے چہرے پر حیرت ابھری۔ وہ غور سے وانیہ کو دیکھنے لگی۔
ہم بس حوریہ سے بات کریں گے — حوریہ، عزیر سے بات کرے گی اور عزیر، سیف کو لے آئے گا۔
میرال کے چہرے کا غصہ غائب ہو گیا۔ اس کی انکھیں چمک اٹھی۔
تمہارا آئیڈیا پرفیکٹ ہے۔
وانیہ نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔
پھر وہ ذرا جھک کر بولی۔
ویسے، سیف ہے تو پیارا اور دل کا بھی بہت اچھا ہے۔
ہے نا۔۔۔؟
میرال فوراً چہک اٹھی۔ اس کے چہرے پر خوشی ایسے پھیل گئی، جیسے کسی نے چراغ جلا دیے ہوں۔
وہ بہت اچھا ہے — بہت زیادہ —
میرال کی آواز میں ایک عجیب سی نرمی گھل گئی تھی۔ وہ جیسے کسی اور ہی دنیا میں چلی گئی ہو۔
وہ باقی سب کی طرح بالکل بھی نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سب کی مدد کرتا ہے۔ اگر کسی کو بھی کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو سیف، چند ہی لمحوں میں ٹھیک کر دیتا ہے۔

وانیہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلی روشنی، آنکھوں میں چمک، سب کچھ — بہت کچھ کہہ رہا تھا۔

میرال ایک لمحے کو رکی، جیسے الفاظ خود بخود اس کے لبوں تک آ رہے ہوں۔

وہ لوگوں کی کمیوں کو ایسے بیان کرتا ہے، جیسے وہ ان کی خوبیاں ہوں۔

وہ ہر وقت مسکراتا رہتا ہے۔ اس میں کچھ الگ ہے — کچھ بہت خاص۔

اس کی آواز اب دھیمی ہو چکی تھی۔

مجھے وہ بہت پسند ہے۔۔۔

الفاظ لبوں سے نکلے تو جیسے وقت تھم گیا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

میرال کے اپنے ہی لفظ اس کے کانوں میں گونجے اور اگلے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ اس کے بارے میں کہتے ہوئے، اپنے دل کی بات بھی کہہ گئی ہے۔

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

وانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر جلدی سے اس کے بازو کو تھاما۔

تم نے، کیا کہا؟

اس کی آواز میں حیرت بھی تھی اور تجسس بھی۔

کیا وہ تمہیں پسند ہے؟

میرال نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ اس کی یہی خاموشی سب کچھ کہہ گئی۔

وانیہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

اووو — اسی لیے تم ہر وقت اس کا نام لیتی رہتی تھی۔ اسی لیے اس کی پسند کے کھانے بنا کر لے جاتی تھی۔

میرال نے فوراً نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

ایسا کچھ نہیں ہے، مگر اس کی آواز میں یقین نہیں تھا۔

ایسا ہی ہے، مجھے کبھی کبھار تم پر شک بھی ہوتا تھا، مگر تم نے تو خود اقرار کر لیا۔

میرال اب خاموش ہو گئی، مگر اس کے گالوں پر ہلکی سی سرخی آ چکی تھی۔

تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟

اس نے شکایتی انداز میں کہا۔
وانیہ ایسا کچھ نہیں ہے، تم۔۔۔
مجھے مت بتاؤ، میں سب سمجھتی ہوں۔
وانیہ نے میرال کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی بھی اس سے چھپا رہی تھی – مگر دل کے راز آخر کب تک چھپتے؟
میرال وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔
وانیہ اسے جاتے ہوئے دیکھ کر ہلکے سے ہنس دی۔ وہ اس کے دل کا حال سمجھ چکی تھی۔
شام ڈھل چکی تھی۔
ریسٹورانٹ کی نرم زرد روشنی پورے ماحول کو ایک عجیب سی گرمائش دے رہی تھی۔ فضا میں کافی اور چائے کی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔ لوگ اپنے اپنے میزوں پر بیٹھے ہنستے، باتیں کرتے، لمحوں کو جی رہے تھے۔
نور ایک میز پر اکیلی بیٹھی تھی۔
اس کی نظریں کبھی اردگرد کے لوگوں پر ٹھہرتیں اور کبھی خالی فضا میں گم ہو جاتیں۔
دروازہ کھلا۔
سیف اندر داخل ہوا۔
مینیجر فوراً اس کی طرف بڑھا۔
السلام علیکم، سر۔
وعلیکم السلام۔
سیف نے آہستہ سے جواب دیا، اس کی نظریں اردگرد دیکھنے لگی۔
ہاؤ مینی پرسن، سر؟ مینیجر نے پوچھا۔
اسی لمحے اس کی نظر نور پر پڑی۔ نور نے اسے دیکھ کر ہلکا سا ہاتھ اٹھایا۔
سیف کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی۔
مینیجر نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔
سیف سیدھا نور کی طرف بڑھا۔ وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
نور بھی ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

چائے یا کافی؟
نور نے فوراً پوچھا۔
کافی۔۔۔
سیف نے مختصر جواب دیا۔
نور نے ہاتھ اٹھایا۔ ویٹر فوراً آگیا۔
یس میم۔۔۔؟
دو کافی۔
اوکے میم۔
ویٹر وہاں سے چلا گیا۔
گھر کب جا رہے ہو؟ نور نے بات کا آغاز کیا۔
کل کا ارادہ ہے۔
آج کیوں نہیں گئے؟ تمہیں تو ہمیشہ جلدی ہوتی ہے گھر جانے کی۔
نور نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
سیف بھی مسکرا دیا۔
آج، مجھے تم سے بات کرنی تھی اس لیے۔
ہمم۔۔۔
نور کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ذرا گہری ہو گئی۔
سیف اسے دیکھ رہا تھا۔
جو کچھ تم نے مجھ سے کہا، میں نے اس کے بارے میں سوچا—
سیف نے کہنی میز پر رکھ کر اپنا چہرہ ہاتھ پر ٹکا لیا۔
نور نے نظریں جھکا لیں۔
شاید، تم ٹھیک تھے۔
وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔

سیف خاموش رہا۔
جب میں پاکستان آئی تھی تو میں بہت اکیلی تھی – کافی عرصہ بیمار بھی رہی۔
اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔
پھر ایک روز مجھے ایک نیا گھر ملا – نئی فیملی ملی۔
وہ مجھ سے پیار کرتے تھے، میری فکر کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے ہمت دی، طاقت دی۔
نور آہستہ سے بول رہی تھی، جیسے وہ یہ سب دوبارہ محسوس کر رہی تھی۔
میں آہستہ آہستہ ٹھیک ہونے لگی، شاید مجھے اپنوں کی کمی محسوس ہوتی تھی اور وہ کمی پوری ہونے لگی۔
سیف کی نظریں اس پر ٹھہری ہوئی تھیں۔
مگر میری افریقہ والی دنیا – وہ کبھی میرے ذہن سے نہیں نکلی، وہ میرے ذہن میں ایک دھندلی یاد بن گئی۔
چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔
پھر کچھ عرصے بعد، میں نے دوبارہ اپنی ممی کو کھو دیا۔
اس بار، اس کی آواز میں لرزش اور آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ دل میں ایک پرانی چبھن پھر سے جاگ اٹھی تھی۔
جب وہ اس دنیا سے گئیں تو میں ان کے پاس ہی تھی۔ انہوں نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔
نور دوبارہ سے ٹھہر گئی۔ درد کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔
ان کے جانے کے بعد پاپا میرے ساتھ رہے۔ انہوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ مجھے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو۔
مگر پھر وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں، دوبارہ سے اکیلی ہو گئی۔
سیف اس کے لیے درد محسوس کر رہا تھا۔ وہ خاموش رہا۔ اس نے نور کو بولنے دیا۔
ان کے جانے کے بعد، میں نے بہت برے دن دیکھے۔
نور ابھی بھی سر جھکائے بیٹھی تھی۔
میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا، میرے پاس کالج جانے کے لیے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ میں کئی دن بس پانی پی کر گزارہ کرتی۔
سیف نے گہری سانس لی اور کرسی کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ اس کے چہرے پر واضح تکلیف تھی۔
میں نے لوگوں کے گھروں میں کام کیا، بدلے میں وہ مجھے کھانا دے دیتے تھے۔

اس نے ہلکا سا مسکرانے کی کوشش کی، مگر وہ مسکراہٹ آنکھوں تک نہ پہنچ سکی۔
اسی لمحے ویٹر آیا۔ اس نے دونوں کے سامنے کافی رکھ دی اور بغیر کچھ کہے واپس چلا گیا۔
پھر بہت محنت سے مجھے ایک ریسٹورانٹ میں جاب ملی۔
وہاں سے مجھے کچھ بہتر پیسے ملنے لگے۔ گھر کے حالات سنبھلنے لگے۔
وہ اب بھی آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔
پھر میں نے ٹیوشن شروع کی۔ کالج سے واپس آکر بچوں کو پڑھانے لگی۔
شروع شروع میں، میں بہت تھک جاتی تھی، مگر پھر آہستہ آہستہ مجھے اس کی عادت ہو گئی۔
مجھے کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ میں نے کبھی خود پر توجہ نہیں دی۔
سیف خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
میں نے زندگی میں بہت سی چیزیں برداشت کی، پھر جب زندگی تھوڑی بہتر ہوئی، تو میں نے اپنی خواہشات پوری کرنا شروع کی — میں نے وہ سب کچھ واپس حاصل کیا جو میرے والدین نے مجھے دیا تھا — اچھے کپڑے، اچھا کھانا، باہر جانا — وہ رک گئی۔
لیکن، میں اندر سے خالی ہی رہی۔ کل، جب تم نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی، تو اس وقت مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا مگر تمہاری باتیں میرے ذہن میں گردش کرتی رہیں۔
اس نے نظریں اٹھا کر سیف کو دیکھا۔
میں نے گھر جا کر پرسکون ہو کر اس بارے میں سوچا اور میں سمجھ بھی گئی۔
گلاب، چمبیلی، موگرا، نرگس اور چنپا۔
نور نے پھولوں کے نام لیے۔
سیف کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ ابھری۔
میں نے اپنے لیے خوبصورت اور خوشبودار پھول چن لیے ہیں۔
نور نے اعتماد سے کہا۔
یہاں آنے سے پہلے، میں نے دونوں بچوں کے پیرنٹس کو کال کر کے بتا دیا ہے کہ وہ کوئی اور ٹیچر ڈھونڈ لیں۔
نور آہستہ سے کہہ کر خاموش ہو گئی۔

سیف کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے آگے جھکا۔

زندگی کسی کے بھی آسان نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کسی کی عمر دیکھتی ہے — زندگی ہم سب سے بہت سے امتحانات لیتی ہے۔ اب یہ ہم پر ہوتا ہے کہ ہم نے ان امتحانات کو پاس کیسے کرنا ہے۔

اس کی آواز میں سنجیدگی تھی، مگر ساتھ ایک گہری نرمی بھی۔

اور جہاں تک رہی خواہشات کی بات — وہ انسان کے اندر سے کبھی ختم نہیں ہو سکتی، مگر ہم اس پر قابو ضرور پا سکتے ہیں۔

نور خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس دنیا کا ہر انسان اپنی خواہشات کے پنجرے میں قید ہے۔ ہر انسان کے پنجرے کا دروازہ کھلا ہوا ہے، مگر وہ پھر بھی اس پنجرے کے اندر ہی رہتا ہے۔ اس پنجرے سے نکلنا آسان نہیں، مگر ہم نکلنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

اور یہ کسی ایک شخص کے لیے نہیں ہے، میں خود۔۔۔

سیف نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

میں خود بھی اس میں قید ہوں، مگر میں اس پنجرے سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔

نور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور ابھری۔

سیف نے آہستہ سے کافی کا کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا۔ کافی کی ہلکی سی کڑواہٹ اس کے منہ میں گھل گئی، مگر اس کا دھیان اب بھی نور پر تھا۔

سیف، میں تم سے ایک اور بات کرنا چاہتی ہوں۔

نور نے دھیرے سے کہا۔

سیف نے کپ میز پر رکھ دیا اور پوری توجہ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

نور کے ہونٹوں پر الفاظ ٹھہرے ہوئے تھے۔

نور، تم مجھ سے کہہ سکتی ہو۔

سیف نے نرمی سے اسے ہمت دیتے ہوئے کہا۔

نور نے ہلکا سا لعاب نگلا، ایک گہری سانس لی اور پھر دھیرے سے بولنا شروع کیا۔

جب میں آر فنیج میں تھی، تو وہاں ہمیں دینی تعلیم بھی دی جاتی تھی — وہیں میں نے پہلی بار کلمہ پڑھا تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے رکی، جیسے خود کو ٹٹول رہی ہو۔
اس وقت میرے دل نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا۔
سیف خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔
میں نے کلمہ پڑھنے کے بعد بس چند دن ہی وہاں گزارے تھے، پھر مجھے اڈاپٹ کر لیا گیا۔
تب میری ممی نے بھی مجھے دینی تعلیم دینی شروع کی، مگر میرا دل کبھی اسلام کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔
اس کی آواز ایک بار پھر ہلکی سی ٹوٹ گئی۔
انہوں نے یہ بات محسوس کر لی تھی۔
اب کی بار نور کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے بمشکل اپنی بات جاری رکھی۔
وہ مجھے اسلام میں ہونے والے واقعات سنانے لگیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ میرا دل خود اس طرف آئے — انہوں نے کبھی مجھ پر زور نہیں ڈالا۔
وہ رکی، اپنا گلا صاف کیا۔
وہ مجھ سے ہمیشہ یہی کہتی کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہوتا —
سیف کے چہرے پر سنجیدگی گہری ہو گئی۔
وہ مجھے آہستہ آہستہ سمجھاتی رہیں۔ جب وہ واقعات سناتی، تو میں بہت غور سے ان کو سنتی تھی — مجھے ان کی باتیں سننا اچھا لگتا تھا۔
وہ کہتی تھیں — معجزے ہوتے ہیں اور اللہ دل بدلنے پر قادر ہے —
نور کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔
شاید، میرا دل بھی بدلنے لگا تھا۔
اس نے آہستہ سے کہا مگر وہ سر نہیں اٹھا رہی تھی۔
میں ان کے ساتھ مدرسے جانے لگی — مجھے لگتا تھا کہ وہاں جا کر میں کوئی معجزہ دیکھوں گی۔
وہ اس پر ہلکا سا ہنس دی۔
پھر ایک دن، میں ممی کے ساتھ مدرسے گئی۔ ظہر کی نماز ہو رہی تھی۔
نیچے مرد نماز پڑھ رہے تھے اور اوپر خواتین —

میں صحن میں کھڑی ہو کر نیچے دیکھ رہی تھی۔
نماز کے بعد ان میں سے ایک آدمی اٹھا — اس نے سب سے کہا کہ اسے مدد کی ضرورت ہے، اگر کوئی شخص مدد کرنا چاہتا ہے تو وہ مدد کر دے۔
سیف کی توجہ اور گہری ہو گئی۔
پھر ان میں سے ہی ایک اور آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اسے وہاں سے باہر نکال دیا۔
وہ آدمی بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا، جیسے — جیسے وہ چاہ رہا ہو کہ کوئی اسے روک لے۔
نور سب کچھ ایسے بیان کر رہی تھی، جیسے وہ سب کچھ پھر سے اس کے سامنے ہو رہا ہو۔ نور کے دماغ میں وہ یاد بس چکی تھی۔
نور چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ سیف اس کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔
اس دن، میرے دل میں دو خیالات پیدا ہوئے —
اس کی آواز اب پہلے سے زیادہ مدھم تھی۔
ایک پہلے آدمی کے لیے — جو مدد مانگ رہا تھا اور دوسرا — جس نے اسے باہر نکال دیا۔
پہلا خیال یہ تھا — کہ کوئی انسان اللہ کے گھر آ کر اللہ کے سوا کسی سے کیسے مانگ سکتا ہے؟
سیف کے چہرے پر حیرت ابھری، مگر وہ خاموشی سے سنتا رہا — نور کے خیالات میں کتنی گہرائی تھی۔
اور دوسرا خیال یہ تھا — کہ کوئی اللہ کے گھر سے کسی کو کیسے نکال سکتا ہے۔
سیف کی آنکھوں میں پانی ابھرا۔ اس کے دل میں ایک بھاری سا درد اتر آیا۔
نور چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی۔ اس کی پلکیں بھیگ چکی تھیں۔
مجھے وہ منظر برا لگا۔
اس نے دھیرے سے کہا۔ اس کی آواز اب جیسے دور سے آ رہی تھی۔
میں ممی کے پاس آ کر بیٹھ گئی، میں سارا دن ذہن میں ابھرنے والے خیالات کے بارے میں سوچتی رہی — میں نے بہت سوچا، مگر مجھے اس کا جواب نہیں ملا۔
سیف اس کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔
پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میں ممی سے بات کروں گی۔

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئی۔
مگر، میرے بات کرنے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے چلی گئیں اور وہ سوال، میرے اندر ہی دفن ہو گئے۔
میں آج تک یہ بات کسی سے نہیں کہہ سکی۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔
کیونکہ ممی کے بعد، مجھے کبھی نہیں لگا کہ کوئی ایسا ہے جو مجھے سمجھ سکے، میرے سوالات کے جواب دے سکے۔
وہ آہستہ سے سیف کی طرف دیکھنے لگی۔
میں تم سے یہ بات اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ مجھے تم سے جواب مل جائے گا۔
سیف خاموش تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک گہری سنجیدگی تھی۔
میز پر چند لمحے خاموشی چھا گئی۔
پھر سیف نے آہستہ سے سانس لیا۔
ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ واقعی مدد کے محتاج ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ صرف دکھاوا کرتے ہیں۔
نور خاموشی سے سننے لگی۔
میں نے نے ایسے بہت سے واقعات دیکھے ہیں کہ لوگ ضرورت مند نہ ہونے کے باوجود دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔
جیسے کہ ایک شخص تمہارے پاس مدد طلب کرنے آئے اور تم اس کی مدد کرو – بعد میں تمہیں معلوم ہو کہ وہ تم سے جھوٹ بول کر گیا ہے۔ وہ اس مدد کا حقدار نہیں تھا۔
اس کے بعد تمہارے پاس جو بھی مدد کے لیے آئے گا تم اس پر شک کرو گی۔
ہو سکتا ہے کہ پہلا شخص واقعی اللہ کے گھر ہی بلایا گیا ہو، اس کا رزق اللہ نے یہاں سے لکھا ہو اور دوسرا شخص، کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہو۔ اس کی زندگی میں پہلے ایسے لوگ موجود ہوں گے، جو اس طرح مدد طلب کرتے ہو، مگر وہ اس کے حقدار نہ ہو۔
نور کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ اسے اپنے سوالات کا جواب مل گیا تھا۔ سیف نے اس کے سوالات کا جواب چند ہی لمحوں میں دے دیا تھا۔
تم نے یہاں غلطی بس یہ کی کہ تم نے کبھی کسی سے اس بارے میں بات نہیں کی۔ اگر تم کسی سے بات کرتی تو تمہیں اس کا جواب مل جاتا۔

سیف نرمی سے کہہ رہا تھا۔

نور بس اسے دیکھ رہی تھی۔

تم اپنی اس غلطی کی وجہ سے کتنے عرصے تک اسلام سے دور رہی، مگر اس کے باوجود تمہارے اندر اس کی چنگاری جلتی رہی۔ میرے خیال میں یہ کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔

کیا واقعی اس کے ساتھ کوئی معجزہ ہوا ہے؟ یہ خیال فوراً سے اس کے ذہن میں ابھرا۔

اگر تم کسی سے بات کرتی، تو تمہیں اسلام میں ہونے والے اور بھی بہت سے واقعات سننے کو ملتے۔

نور کو جیسے سانپ سونگ گیا تھا۔ وہ بول نہیں پا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

وہ ایک واقعے کی وجہ سے کتنی چیزوں سے دور رہ گئی تھی۔

مگر تم اپنی اس غلطی کو درست کر سکتی ہو۔ تم اب بھی اپنے اور دین کے درمیان کے فاصلے ختم کر سکتی ہو۔

سیف نے نرمی سے کہا۔

نور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اردگرد کے لوگوں نے ان کی طرف دیکھا، مگر سیف نے کسی کی پرواہ نہیں کی۔ وہ اسے رونے دے رہا تھا، کیونکہ دل کی میل اتارنا ضروری ہوتا ہے اور اس وقت نور کے دل کی میل اتر رہی تھی۔

چند لمحوں میں لوگ اپنی مصروفیت میں واپس چلے گئے۔

نور روتی رہی — جب دل ہلکا ہو گیا، تو اپنی شرٹ کے بازو سے چہرہ صاف کرنے لگی۔

سیف نے جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

نور نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر آہستہ سے رومال لے لیا اور آنکھیں صاف کرنے لگی۔ اس کی آنکھیں اور ناک سرخ ہو چکی تھیں۔

سیف خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

نور نے کافی کا کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا۔ کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی، مگر اس نے پرواہ نہیں کی۔

اس نے آخری گھونٹ بھی پی لیا اور کپ میز پر رکھ دیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔

میں دوبارہ مدرسے جاؤں گی۔

اس کی آواز ہلکی مگر بھاری تھی۔

میں اسلام کو سمجھوں گی – میں اسلام میں ہونے والے واقعات کو سمجھوں گی۔
سیف چند لمحے اسے دیکھتا رہا، جیسے اس کے اندر کا سکون واپس آنے کا انتظار کر رہا ہو۔
تم نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے۔ سیف نے دھیرے سے کہا۔
نور کی نظریں اس پر جمی تھیں۔
اگر کبھی بھی، کسی بھی چیز کے لیے میری ضرورت ہو تو تم بلا جھجک مجھ سے کہہ سکتی ہو۔
نور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔
سیف بھی اس کے ساتھ مسکرایا پھر اس نے ویٹر کو بلایا۔
وہ فوراً قریب آگیا۔
بل لا دو۔ سیف نے کہا۔
ویٹر نے فوراً بل لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔
سیف نے والٹ نکالا ہی تھا کہ نور نے جلدی سے بل اس کے آگے سے اٹھا لیا۔
بل میں پے کروں گی۔
نور، آج کی کافی میری طرف سے۔۔۔
سیف نے نرم لہجے میں کہا۔
نہیں۔۔۔
نور نے بیگ کھولا، پیسے نکالے اور بل کے اندر رکھ دیے۔
سیف نے فوراً سے وہ پیسے نکالے اور اپنے پیسے رکھ دیے۔
پھر ویٹر کو اشارہ کیا۔ ویٹر آکر بل لے گیا۔
آج کی کافی میری طرف سے تھی۔
سیف نے اس کے پیسے واپس اس کے سامنے رکھ دیے۔
نور نے اسے دیکھا، پھر خاموشی سے پیسے بیگ میں رکھ لیے۔
چلیں۔۔۔
سیف نے پوچھا۔

نور آہستہ سے کھڑی ہوئی،بیگ اٹھایا اور قدم بڑھا دیے۔ سیف اس کے پیچھے تھا۔
مینیجر نے دروازہ کھولا۔
تھینک یو میم – تھینک یو سر۔
دونوں نے ایک مختصر سی نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل گئے۔
رات کا اندھیرا مکمل طور پر پھیل چکا تھا۔ ہوا میں خنکی تھی۔
نور۔۔۔
نور چند قدم چلی ہی تھی کہ سیف نے اس کا نام لیا۔
وہ رک گئی اور پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔
سیف اس کے قریب آگیا اور آسمان کو دیکھنے لگا۔
نور نے بھی نظر اٹھا لی۔
اوپر آسمان مکمل طور پر سیاہ تھا، ستارے مدھم سے چمک رہے تھے۔
آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دو گی تو وہ آسمان والا سب کچھ تمہارے قدموں میں بچھا دے گا۔
سیف کی آواز میں ایک عجیب سا سکون تھا۔
نور خاموشی سے آسمان کو دیکھتی رہی، جیسے اس کے دل میں کوئی نرمی اتر رہی ہو۔
گارڈ بھی بے اختیار ان دونوں کو دیکھ کر اوپر آسمان کی طرف دیکھنے لگا، مگر اسے کچھ خاص نہیں ملا۔ وہ حیرت سے دوبارہ ان دونوں کو دیکھنے لگا۔
چلیں۔۔۔
سیف نے نرمی سے کہا۔
نور نے ایک گہری سانس لی اور ہلکے سے سر ہلا دیا۔
میں ڈراپ کر دوں؟ سیف نے پوچھا۔
نور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔
دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ انجن کی آواز کے ساتھ گاڑی آہستہ آہستہ سڑک پر نکل گئی۔

سیف واپس آچکا تھا۔ کمرے میں ہلکی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ دیوار پر لگی مدھم روشنی کمرے کو دھندلا سا روشن کر رہی تھی۔

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کے نو بج رہے تھے۔

سیف نے آہستہ سے سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے اسکرین پر چلیں اور اگلے ہی لمحے اس نے فون کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف مسلسل رنگ ٹون بجتی رہی، مگر کال ریسیو نہ ہوئی۔

سیف کے چہرے پر ناگواری ابھری۔ اس نے ہلکا سا جبڑا بھینچا اور دوبارہ نمبر ملا دیا۔

اس بار بھی رنگ ٹون بجتی رہی۔

شہریار۔۔۔

اس نے دھیمی مگر دبی ہوئی جھنجھلاہٹ کے ساتھ اس کا نام لیا، مگر جواب پھر بھی نہ آیا۔

سیف نے موبائل واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے چہرہ مسلتے ہوئے کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا، جیسے ذہن میں کئی الجھی ہوئی باتیں ایک ساتھ چل رہی ہوں، پھر تھکن کے زیرِ اثر لیٹ گیا۔

نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو باہر رات کا اندھیرا دھیرے دھیرے سمٹ رہا تھا۔ فضا میں مدھم سی روشنی اترنے لگی تھی۔

سیف نے نیم وا آنکھوں سے کمرے میں نظر دوڑائی، پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا۔ پانچ بج رہے تھے۔

وہ خاموشی سے اٹھا اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد جب باہر نکلا تو اس کی شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ تھیں۔ چہرے، بالوں اور بازوؤں پر پانی کے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ کپڑوں پر بھی ہلکے ہلکے چھینٹے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ وضو کر کے آیا تھا۔

اس نے الماری کھولی، احتیاط سے جائے نماز نکالی اور کمرے کے ایک کونے میں بچھا دی۔

سیف نے پرسکون انداز میں نماز ادا کی۔ نماز ختم کرنے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھ کر ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں پر تسبیح کرنے لگا۔ اس کے لب خاموشی سے حرکت کر رہے تھے۔

باہر اب مکمل صبح ہو چکی تھی۔ سنہری روشنی پردوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی۔

سیف جائے نماز سے اٹھا۔ اس نے جائے نماز واپس الماری میں رکھی اور سائیڈ ٹیبل کے قریب آکر موبائل دیکھا۔
پھر اس نے دوبارہ شہریار کو کال ملائی، مگر اس بار بھی رابطہ نہ ہو سکا۔
وقت گزرتا رہا۔ دن رات میں بدلتے رہے اور راتیں دوبارہ دنوں میں۔
سیف بار بار شہریار کو کال کرتا رہا مگر ہر بار یا تو فون بند ملتا یا کال اَن اٹینڈ رہتی۔
سیف کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ یوں ہی پانچ دن گزر گئے۔ پانچویں دن رات کے وقت اچانک کال اٹھا لی گئی۔
ہیلو۔۔۔
دوسری طرف سے شہریار کی تھکی ہوئی آواز سنائی دی۔
شہریار، تم کہاں ہو؟ میں کتنے دنوں سے تمہیں کال کر رہا ہوں۔
اس کی آواز میں واضح بے چینی تھی۔
خیریت تھی۔۔۔؟
شہریار نے مختصر سا جواب دیا۔
خیریت تھی۔۔۔؟ سیف بے اختیار بلند آواز میں بولا۔
تم تھے کہاں پہلے یہ بتاؤ۔ تمہیں اندازہ بھی ہے میں کتنا پریشان ہو رہا تھا؟ میں آج تمہارے گھر آنے والا تھا۔
تھوڑا بزی تھا۔۔۔
شہریار کی آواز غیر معمولی حد تک مدھم تھی۔
سیف کی پیشانی پر شکنیں گہری ہوئیں۔
اتنا بھی کیا بزی ہونا کہ ایک کال تک نہ اٹھا سکو؟
دوسری طرف خاموشی رہی۔
سیف نے گہرا سانس لیا۔
مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ تم ابھی میرے اپارٹمنٹ آجاؤ۔
میں ابھی نہیں آسکتا۔
شہریار نے صاف انکار کر دیا۔
سیف کے چہرے کے تاثرات سخت ہوئے۔

شہریار، تم آرہے ہو یا میں خود تمہارے گھر آؤں؟ اور اگر میں آیا تو پھر بات سب کے سامنے ہو گی۔
سیف کی آواز اب واضح طور پر سخت ہو چکی تھی۔
ٹھیک ہے، آتا ہوں۔
شہریار نے کہہ کر فون بند کر دیا۔
سیف چند سیکنڈ تک موبائل کی سیاہ اسکرین کو دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے فون بیڈ پر رکھ دیا۔
اب وہ صرف انتظار کر رہا تھا۔ کمرے میں خاموشی پہلے سے زیادہ گہری محسوس ہو رہی تھی۔
کچھ دیر بعد اچانک باہر ڈور بیل بجی۔
سیف فوراً اٹھا اور تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔
سامنے شہریار کھڑا تھا — مگر آج وہ پہلے جیسا نہیں لگ رہا تھا۔
اس کے چہرے پر عجیب سی تھکن تھی، آنکھوں کے گرد ہلکے نمایاں اور نظریں بجھی بجھی محسوس ہو رہی تھیں۔
سیف نے اسے غور سے دیکھا، پھر ایک طرف ہٹ گیا۔
اندر آؤ۔
شہریار اندر داخل ہوا تو سیف نے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا۔
دونوں کمرے میں آ گئے۔
شہریار خاموشی سے بیڈ کے کنارے آ کر بیٹھ گیا، جبکہ سیف کرسی کھینچ کر اس کے سامنے آ بیٹھا۔
کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔
شہریار کا چہرہ آج کچھ زیادہ ہی بجھا ہوا تھا، جیسے وہ کئی راتوں سے سویا نہ ہو۔ آنکھوں کے گرد ہلکے سائے تھے اور نظریں مسلسل نیچے تھیں۔
شہریار، کیا بات ہے؟
اس نے نرم، مگر سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔
شہریار نے فوراً نظریں اٹھائیں اور پھر دوبارہ جھکا لیں۔
کچھ نہیں، بس طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔
سیف کا چہرہ سخت ہو گیا۔

شہریار، میری بات کا سیدھا جواب دو۔
اس کی آواز میں اب سنجیدگی کے ساتھ بے چینی بھی شامل تھی۔
بس طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔
شہریار نے دھیرے سے کہا۔
سیف چند لمحے اسے گھورتا رہا، پھر آہستہ سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ اس کی نگاہیں شہریار کے چہرے پر جمی تھیں، جو مسلسل نظریں چرا رہا تھا۔
نتاشا کون ہے؟
سیف نے اچانک سوال کیا۔
یہ نام سنتے ہی شہریار کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس کے اندر چھپی ہوئی حقیقت کو چھو لیا گیا تھا۔ اس کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے سیف کو دیکھا۔
ک۔۔۔ کون؟
اس نے بمشکل پوچھا، جیسے سنا ہی نہ ہو۔
سیف نے ایک بار پھر صاف اور ٹھنڈی آواز میں دہرایا—
نتاشا کون ہے؟
شہریار نے فوراً نظریں چرا لیں۔
م۔۔۔ مجھے کیا پتا۔۔۔
شہریار، مجھ سے جھوٹ مت بولو۔
میں نے کون سا جھوٹ بولا ہے؟ شہریار نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔
تو پھر بتاؤ، تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟
سیف آگے جھک گیا، اس کی آواز میں دباؤ بڑھ گیا تھا۔
شہریار اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔
میں اس کو جانتا ہی نہیں ہوں۔
شہریار۔۔۔

سیف بھی کھڑا ہو گیا۔

تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی یہ سب کرتے ہوئے؟ اور اب جھوٹ بھی بول رہے ہو؟

سیف نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے بازو کو پکڑ لیا۔

مجھے کیوں شرم آئے گی؟ کیا، کیا ہے میں نے؟

شہریار کی آواز بلند ہو گئی۔

شہریار، بلند آواز کرنے سے حقیقت نہیں بدلے گی۔ تم اعتراف کیو نہیں کر لیتے۔۔۔

سیف نے دانت بھینچ کر کہا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

شہریار چند لمحے کھڑا رہا، پھر آہستہ سے بیڈ پر بیٹھ گیا، جیسے اس کے اندر کی طاقت جواب دے گئی ہو۔ اس نے خاموشی سے اعتراف کیا۔

سیف کی آنکھوں میں غصہ اور دکھ دونوں تھے۔

تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوا؟ تم نے ایک لڑکی کی عزت کے ساتھ کھیلا، اس کے کردار کو داغدار کیا اور پھر اسے دنیا کے سامنے اکیلا چھوڑ دیا؟

میں نے اس کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی تھی۔

شہریار تلخ آواز میں بولا تھا۔

وہ اپنی مرضی سے میرے ساتھ بات کرتی تھی، اپنی مرضی سے میرے ساتھ باہر جاتی تھی—میں نے اس پر کوئی زور نہیں ڈالا۔ جو کچھ بھی ہوا، اس میں اس کی اپنی مرضی شامل تھی۔

اور نکاح۔۔۔

اس نے تو تمہیں نکاح کا بھی کہا تھا، وہ تو تم نے کیا نہیں۔۔۔؟

سیف نے فوراً سے کہا۔

شہریار کی نظریں ایک لمحے کو کانپیں۔

اس میں میری مرضی شامل نہیں تھی۔

کیوں؟ تمہاری مرضی کیوں شامل نہیں تھی؟ باقی سب کچھ کرنے میں تمہاری مرضی شامل تھی تو نکاح کرنے میں تمہاری مرضی کیوں شامل نہیں تھی؟

سیف کی آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔

میں اس طرح کی لڑکی کے ساتھ ہرگز شادی نہیں کرنا چاہتا۔

یہ جملہ جیسے ہوا میں جم سا گیا۔ سیف کی آنکھوں میں حیرت اور غصے کی ملی جلی کیفیت تھی۔

اس طرح کی لڑکی سے تمہاری کیا مراد ہے؟

سیف تھوڑا آگے جھکا۔

وہ تمہارے جیسے مرد سے شادی کر سکتی ہے، تو تم کیوں نہیں کر سکتے؟

شہریار کے کانوں میں الفاظ ٹھہر گئے۔

اگر اس کا کردار تمہارے ساتھ خراب ہوا ہے تو تمہارا کردار بھی اس کے ساتھ خراب ہوا ہے۔ کیا تم نے کبھی اس بارے میں سوچا ہے؟

شہریار کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ آگئی۔

لڑکوں کے کردار کو کون دیکھتا ہے؟

شہریار سرگوشی میں بولا تھا، مگر اس کے کانوں میں الفاظ ٹھہرے ہوئے تھے۔

یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ جتنا ضروری لڑکی کے کردار کا صاف ہونا ہے، اتنا ہی مرد کے کردار کا بھی صاف ہونا ضروری ہے۔

شہریار نے کندھے اچکائے۔

یہ بس کہنے کی باتیں ہیں۔

یہ کہنے کی باتیں نہیں ہیں، یہ ایک حقیقت ہے جسے تم ماننا نہیں چاہ رہے۔

سیف کی آواز اب بھی قابو میں تھی، مگر اس میں وزن بڑھ چکا تھا۔

ہمارے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کے منہ پر کم اور پیٹھ پیچھے زیادہ بات کرتے ہیں۔ چاہے مرد ہو یا عورت۔ تم اگر سفید کپڑے پہن کر، سر پر ٹوپی رکھ کر، مسجد بھی چلے جاؤ — تب بھی لوگ تمہارے کردار پر بات کریں گے۔

بس کرو، مجھے زیادہ گیان مت دو۔

شہریار بے دلی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ سیف نے فوراً کہا۔
شہریار پلٹا، اس کی آواز بلند ہو گئی۔
اچھا پھر بتاؤ، مجھے کیا کرنا چاہیے؟
تمہیں جا کر اس کی بہن سے معافی مانگنی چاہیے۔
سیف کی آواز اب بھی دھیمی تھی، مگر مضبوط۔
کس چیز کی معافی؟ میں نے یہ سب اکیلے تو نہیں کیا۔ شہریار نے فوراً جواب دیا۔
سیف نے ایک گہرا سانس لیا۔
شہریار، تم ضد کر رہے ہو۔
اس کی بہن نے مجھ سے کہا—
سیف نے بات جاری رکھی۔
کہ اگر اس کا بس چلے تو وہ ساری دنیا کو تمہارے بارے میں بتائے — وہ ساری دنیا کو اپنی بہن کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے بارے میں بتائے۔
شہریار نے کندھے جھٹکے۔
ہاں، تو جا کر بتا دے۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔
تمہیں فرق پڑنا چاہیے۔
سیف، شہریار کے قریب آیا۔
جا کر معافی مانگو، اس سے کہو کہ وہ اس بات کو یہیں ختم کر دے۔ اگر وہ یہ بات مجھے بتا سکتی ہے تو کل کو کسی اور کو بھی بتا سکتی ہے۔
اچھا، میں معافی مانگ لوں گا۔
شہریار نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ وہ اور بحث نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مڑا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔
سیف نے فوراً اس کا بازو پکڑ لیا۔
شہریار، میری بات سنو۔

شہریار نے بے دلی سے اسے دیکھا۔
شہریار، تمہیں ہو کیا گیا ہے؟
شہریار نے تھکن سے آنکھیں بند کیں۔
میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔
سیف نے آہستہ سے اس کا بازو چھوڑ دیا۔
اچھا، تم یہاں بیٹھو، میں تمہیں میڈیسن دیتا ہوں۔
نہیں، میں گھر جا کر لے لوں گا۔
اچھا ٹھیک ہے۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
شہریار فوراً کمرے سے باہر چلا گیا۔ کمرہ خاموش ہو گیا۔
دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔
سیف کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ کچھ دیر کرسی پر بیٹھا رہا، جیسے اس کے الفاظ ابھی بھی فضا میں تیر رہے ہوں۔ پھر آہستہ سے اٹھا اور اپنے کپڑے بیگ میں رکھنے لگا۔
وہ چیزیں سمیٹ رہا تھا، مگر ذہن کہیں اور تھا۔
ان کو گرمی کی چھٹیاں ہو گئی تھیں۔ اب سیف نے دو مہینے بعد واپس آنا تھا اور ان دو مہینوں میں، بہت کچھ بدلنے والا تھا۔ ایسا بدلاؤ جو صرف وقت نہیں، رشتوں کی سمت بھی بدلنے والا تھا۔
وہ ابھی بیگ بند ہی کر رہا تھا کہ اچانک دروازے کی بیل دوبارہ بجی۔
سیف کا ہاتھ روکا، پھر فوراً باہر کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے عزیر کھڑا تھا۔
سیف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور اس نے خاموشی سے اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔
عزیر کمرے میں داخل ہوا تو اس کی نظر فوراً بکھری ہوئی چیزوں اور کھلے بیگ پر پڑی۔
گھر جانے کی تیاری ہو رہی ہے؟
اس نے عام سے انداز میں پوچھا۔
ہاں۔۔۔
سیف نے مختصر سا جواب دیا اور دوبارہ بیگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کب جا رہے ہو؟
کل صبح۔
عزیر نے ایک لمحے کو اسے دیکھا اور پھر بوکا۔
اور واپسی؟
دو مہینے بعد۔ سیف نے بیگ بند کیا۔
اگلے مہینے میری شادی ہے، تم نے ضرور آنا ہے۔
سیف نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
اگر وقت ملا تو ضرور آؤں گا۔
تم خود کہتے ہو کہ وقت نکالنا پڑتا ہے۔ عزیر فوراً بولا۔
سیف مسکرایا۔
اگر تم نہیں آئے نا تو میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ عزیر نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔
اچھا ٹھیک ہے، آجاؤں گا۔
یہ ہوئی نا بات۔
عزیر مطمئن ہو گیا۔
پھر اچانک اس نے بیگ آگے بڑھا کر سیف کے ہاتھ سے لے لیا۔
اب یہ سب چھوڑو۔ ابھی تم گھر نہیں جا رہے۔
سیف نے حیرت سے اسے دیکھا۔
اب کیا ہوا؟
پرسوں میرا نکاح ہے اور تم نے لازمی آنا ہے۔
عزیر نے خوشی سے بھری آواز میں کہا۔
ابھی تم کہہ رہے تھے اگلے مہینے ہے۔
ابھی صرف نکاح ہے۔ نکاح کے بعد پاسپورٹ بنوانا ہے، پھر ویزا لگوا کر باہر جانا ہے۔
اب میں کیا کر سکتا ہوں؟

سیف نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تم بیٹھو نہیں، ہم ابھی بازار جا رہے ہیں۔

عزیر فوراً بولا۔

کل چلیں گے۔

نہیں، ابھی جانا ہے۔

عزیر نے اس کا بازو پکڑا اور اسے زبردستی لے جانے لگا۔

نکاح کا دن سادہ، مگر خوبصورت تھا۔

نکاح میں چند ہی لوگ موجود تھے — عزیر کی فیملی، اس کے چند قریبی دوست۔

حوریہ کی طرف سے اس کی فیملی اور اس کی دوست وانیہ اور میرال۔

محفل میں ایک عجیب سی سنجیدگی اور خوشی ایک ساتھ موجود تھی۔

میرال کی نظر بار بار سیف پر ٹھہرتی رہی۔ خاموش، مگر گہری — ان کے درمیان بس چند جملوں کی مختصر سی بات ہوئی تھی، مگر وہ لمحہ کسی نہ کسی طرح میرال ذہن میں رہ گیا۔

شام ڈھلتے ہی سیف اوکاڑہ واپس آ گیا۔

وقت اپنی رفتار سے آگے بڑھتا رہا۔ سیف کبھی کبھار شہریار کو کال کرتا تو بات ہو جاتی، مگر ان دونوں کے درمیان پہلے جیسی روانی نہیں رہی تھی۔ جب سے شہریار کو معلوم ہوا تھا کہ میرال، سیف کو پسند کرتی ہے تب سے اس کا رویہ بھی بدل گیا تھا۔

میرال کبھی کبھی سیف کو میسج کرتی، مگر وہ مصروفیت کے باعث اکثر دیر سے جواب دیتا یا کبھی نظر انداز کر دیتا۔ یہ بات میرال کے دل میں کہیں نہ کہیں کھٹکتی تھی، مگر وہ ظاہر نہیں کرتی تھی۔

شہریار جب میرال کو میسج کرتا تو وہ فوراً جواب دے دیتی، جیسے اس کے لیے وہ تعلق ابھی بھی ہلکا نہیں ہوا تھا۔

سیف اپنی دنیا میں مصروف تھا اور اسی مصروف زندگی میں کہیں نہ کہیں نور بھی اس کے ساتھ ایک خاص سا لگاؤ رکھتی تھی۔

ایک مہینے بعد سیف دوبارہ لاہور آیا — عزیر کی شادی پر۔

شادی کے دن ہال میں روشنیوں کا ہجوم تھا۔ اسٹیج پر عزیر اور حوریہ ساتھ بیٹھے تھے، دونوں کے چہروں پر ایک نئی زندگی کی معصوم خوشی جھلک رہی تھی۔

سیف، عزیر کے بڑے بھائی کے ساتھ صوفے کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔ دونوں کسی بات پر ہلکے سے مسکرا رہے تھے۔

اسی دوران وانیہ اور میرال بھی قریب آگئیں۔ وانیہ سیدھی جا کر حوریہ کے ساتھ بیٹھ گئی، جبکہ میرال کچھ لمحے کھڑی رہ کر سیف کے قریب آگئی۔

کیسے ہو؟

میرال نے بات کا آغاز کیا۔

شکر اللہ کا، تم کیسی ہو؟

سیف نے نرمی سے کہا۔

میرال نے ہلکے سے کندھے اٹھائے۔

تمہارے سامنے ہی ہوں۔

سیف کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

تم تو میسج کا جواب ہی نہیں دیتے۔ میرال نے ہلکی شکایت کے انداز میں کہا۔

کام میں وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ سیف نے سادہ سا جواب دیا۔

اسی لمحے وانیہ نے آواز دی۔

ایک فوٹو ہو جائے۔۔۔؟

سب فوراً سیدھے ہو گئے۔ فوٹوگرافر نے کیمرہ سنبھالا اور چند لمحوں میں ایک خوبصورت تصویر قید ہو گئی۔

ایک تصویر اس میں بھی بنا دیں۔ وانیہ نے اپنا موبائل آگے بڑھا دیا۔

تصویر لی گئی اور موبائل واپس آگیا۔ وانیہ نے اسکرین دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ دی۔

شام تیزی سے ڈھل رہی تھی۔ محفل اپنے اختتام کی طرف جا رہی تھی۔

ابھی یہاں رکیں گے یا جا رہے ہیں؟ میرال نے اچانک پوچھا۔

تھوڑی دیر میں چلا جاؤں گا۔ سیف نے جواب دیا۔

میرال نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

کچھ دیر بعد سیف وہاں سے چلا گیا۔

رات کو میرال اور وانیہ گھر واپس آچکی تھیں۔ میرال نے کپڑے بدل کر خود کو بستر پر گرا دیا۔ کمرے میں ایک خاموشی تھی، مگر اس کے ذہن میں خیالات شور مچا رہے تھے۔

وانیہ اندر آئی تو اسے یوں خاموش دیکھ کر رک گئی۔

کیا سوچ رہی ہو؟

اس نے آہستہ سے پوچھا۔

میرال چونکی، جیسے کسی خواب سے جاگی ہو۔

نہیں، کچھ نہیں۔

اس نے فوراً نظریں ہٹا لیں۔

وانیہ بیڈ پر بیٹھ گئی اور موبائل میں شادی کی تصویریں دیکھنے لگی۔

حور یہ کتنی پیاری لگ رہی تھی نا؟

ہاں۔۔۔

میرال نے مختصر سا جواب دیا۔

پھر اس نے اپنا موبائل اٹھایا، مگر اگلے ہی لمحے اس کے ذہن میں تصویر ائی — سیف کے ساتھ لی گئی تصویر۔

وہ والی تصویر دکھاؤ، جس میں سیف تھا۔

کیوں دکھاؤں؟

وانیہ نے شرارت سے کہا۔

وانیہ، دکھا دو۔۔۔

وانیہ نے تصویر نکالی اور موبائل اس کے سامنے کر دیا۔

میرال تصویر کو دیکھتی رہی اور بس دیکھتی رہی۔

وانیہ اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات بغور دیکھ رہی تھی۔

سیف اچھا لگ رہا ہے نا؟

میرال نے آہستہ سے کہا، نظریں اب بھی اس تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

تمہیں تو وہ ہر وقت اچھا لگتا۔
وانیہ نے شرارت سے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔
میرال نے پلٹ کر اسے دیکھا۔
مجھے یہ شیئر کر دو۔
اسی لمحے میرال کے موبائل پر نوٹیفکیشن کی آواز آئی۔
کر دی ہے۔ وانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
میرال نے موبائل اٹھا کر دیکھا، وانیہ نے وہ تصویر اسے بھی بھیج دی تھی۔
دونوں اپنے اپنے فونز میں مصروف ہو گئیں۔
میرال نے وہی تصویر اپنی انسٹاگرام اسٹوری پر لگا دی۔ اس نے احتیاط سے وانیہ اور حوریہ کے چہروں کو بلر کر دیا تھا، مگر سیف، عزیر اور اس کا اپنا چہرہ واضح نظر آ رہا تھا۔
سیف سے پہلے سٹوری وانیہ نے دیکھی۔
تم نے یہ سٹوری کیوں لگا دی؟
لگا دی تو کیا ہوا؟
میرال نے بے پرواہ سا جواب دیا۔
وانیہ نے مزید کچھ نہیں کہا، وہ دوبارہ سے موبائل میں مصروف ہو گئی۔ اس کے بعد اسٹوری عمارہ نے دیکھی اور اگلے ہی لمحے، عمارہ کی کال آ گئی۔
میرال نے اس کا نام دیکھا — وہ اسے نہیں جانتی تھی، اس لیے اس نے کال کاٹ دی۔
چند لمحوں بعد میسج آیا۔
میرال پیغام پڑھنے لگی۔
اسلام علیکم!
میں نے آپ کو ایک دن بازار میں شہریار کے ساتھ دیکھا تھا۔ میں بس یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ اس سے دور رہیں۔ وہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔ اس نے میری بہن کو دھوکہ دیا تھا۔

میرال کے چہرے پر فوراً ناگواری کے تاثرات ابھر آئے۔ وہ چند لمحے سکرین کو دیکھتی رہی، جیسے لفظوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

پھر اس کی انگلیاں آہستہ سے حرکت کرنے لگیں۔

میں آپ کی بات کا یقین کیسے کروں؟ میرال نے جواب میں کہا۔

میسج فوراً دیکھا گیا۔

چند لمحوں میں عمارہ نے ایک تصویر بھیجی۔

میرال نے تصویر دیکھی۔ یہ اس کی اپنی ہی اسٹوری کا اسکرین شاٹ تھا۔ تصویر میں سیف کے چہرے پر سرخ رنگ سے گول دائرہ بنا ہوا تھا اور نیچے لکھا تھا۔

یہ شہریار کے دوست ہیں، ان کو سب معلوم ہے۔

میرال کی آنکھیں پھیل گئیں۔

اس کے ذہن میں ایک لمحے میں کئی سوال اکٹھے ہو گئے۔

کیا واقعی شہریار ایسا ہے؟

اور کیا سیف کو بھی سب معلوم ہے؟

وہ ساکت سی ہو گئی۔

اس نے عمارہ کو کوئی جواب نہیں دیا۔ نہ ہی عمارہ کی طرف سے مزید کوئی پیغام آیا۔

شہریار اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس نے انسٹاگرام کھولا اور میرال کی اسٹوری دیکھ لی۔

تصویر میں سیف کے ساتھ میرال کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک سخت سی چمک آ گئی۔

اچانک اس نے موبائل سائیڈ پر پھینک دیا۔

اس دن کے بعد حالات بدلنے لگے۔ شہریار اور میرال کے درمیان رابطہ ٹوٹنے لگا۔ وہ میسج کرتا تو میرال کبھی جواب دے دیتی اور کبھی نہیں۔

سیف، وہ بھی شہریار کو کبھی کبھار کال کرتا، مگر ہر بار فون یا تو بند ہوتا یا نظر انداز ہو جاتا۔

تعلقات کے دھاگے آہستہ آہستہ الجھنے لگے تھے اور کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ الجھن آگے جا کر کس موڑ پر ختم ہوگی۔

✦ ✦ ✦

آج سورج پوری طرح آسمان پر پھیلا نہیں تھا۔ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ فضا میں سردی دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھی۔ درختوں کے پتے ہوا کے ساتھ ہلکے ہلکے ہل رہے تھے اور کھڑکیوں کے شیشوں پر دھند سی اترنے لگی تھی، مگر کچن کا ماحول باہر سے بالکل مختلف تھا۔

اندر ہلکی گرمائش تھی۔ تازہ پراٹھوں اور چائے کی خوشبو پورے ماحول میں گھلی ہوئی تھی۔ سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ احمد بھی ان کے ساتھ موجود تھا۔ کچن میں برتنوں کی ہلکی آوازیں اور آہستہ آہستہ باتیں ہو رہی تھی۔

میں سوچ رہا ہوں کہ زویا کو اکیڈمی بھیجنا چاہیے۔

سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

تاکہ یہ پڑھنا لکھنا شروع کرے۔ پھر جب نئی کلاسز شروع ہوں گی تو اسے اسکول میں داخل کروا دیں گے۔

مریم خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حیرانی اور سوچ ایک ساتھ موجود تھیں۔

کیا خیال ہے اس بارے میں؟

سیف نے نرمی سے مریم سے پوچھا۔

مریم نے لب کھولے، مگر الفاظ جیسے اس کے گلے میں ہی اٹک گئے۔ وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

مریم، تم کل وہاب کی تصویر دیکھ کر بے ہوش ہوئی تھی؟

اچانک نور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

مریم کی نظریں فوراً نور کے چہرے پر جم گئیں۔

کچن میں ایک عجیب سی خاموشی پھیل گئی۔ ٹیبل پر موجود سب لوگ اس کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔

نور نے آہستہ، مگر سنجیدہ لہجے میں بات جاری رکھی۔

وہاب اب اس دنیا میں نہیں رہا۔

سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

میری این جی او کے لوگوں کو تین لوگوں کی لاشیں ملی تھیں۔ شناخت کرنے پر ان میں سے ایک وہاب بھی تھا۔ کل میں وہی فائلز چیک کر رہی تھی، تبھی مریم نے اس کی تصویر دیکھی تھی۔

ٹیبل پر بیٹھے سب لوگ خاموش تھے۔ مریم کی آنکھوں میں دوبارہ نمی اتر آئی۔

ہماری معلومات کے مطابق کچھ لوگ اسے اس کے گھر سے اٹھا کر لے گئے تھے۔

نور نے دھیرے سے کہا۔
وہاب اچھا انسان نہیں تھا۔
مریم نے نور کی بات کے درمیان ہی کہنا شروع کیا۔
وہ بہت لالچی تھا۔ اسے پیسوں کا لالچ تھا۔
اس کی آنکھ سے آنسو گال پر بہہ گیا۔
اس نے میری بیٹی – میری بڑی بیٹی، فراح کو بیچ دیا۔
کچن میں بیٹھے سب لوگوں کے چہرے بدل گئے۔
جس طرح وہاب کوڑے کے ڈھیر سے ملا – فراح بھی کوڑے کے ڈھیر سے ملی تھی۔
مریم کی آواز اب بھی دھیمی تھی، مگر ہر لفظ صاف سنائی دے رہا تھا۔
نور نے بے اختیار اپنی نظریں جھکا لیں۔ صفا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔
اس کی لالچ کبھی ختم نہیں ہوئی۔ وہ زویا کو بھی بیچنے والا تھا، اسی لیے میں زویا کو لے کر گھر سے بھاگ گئی۔
مریم اونچی آواز میں رونے لگی۔
مومنہ اور صفا فوراً اٹھ کر اس کے پاس آئیں اور اسے سنبھالنے لگیں۔
کچن میں ایک بوجھل سا درد پھیل گیا تھا۔ کسی کے پاس کہنے کو الفاظ نہیں تھے۔
اسی لمحے باہر دروازے کی بیل بجی۔
سیف خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر چلا گیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے عبداللہ صاحب کھڑے تھے۔
السلام علیکم!
سیف نے فوراً سلام کیا۔
وعلیکم السلام!
عبداللہ صاحب اس کے گلے لگ گئے۔ گلے ملنے کے بعد سیف ایک طرف ہٹ گیا۔
تایا ابو، کیسے ہیں آپ؟
بالکل ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟
میں بھی ٹھیک ہوں۔

عبداللہ صاحب نے اردگرد نظر دوڑائی۔

امی کہاں ہیں؟

دادی اندر کمرے میں ہیں۔

سیف انہیں اندر لے آیا۔ خدیجہ بیگم زویا کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

زویا موبائل پر کارٹون دیکھنے میں مگن تھی۔ خدیجہ بیگم نے جیسے ہی عبداللہ صاحب کو دیکھا، فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

السلام علیکم، امی۔

عبداللہ صاحب نے نرمی سے کہا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ ان کے چہرے پر ماں سے ملنے کی خوشی صاف جھلک رہی تھی۔ انہوں نے محبت سے اپنے بازو پھیلائے، جیسے اگلے ہی لمحے خدیجہ بیگم انہیں گلے لگا لیں گی۔

مگر خدیجہ بیگم نے فوراً ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

عبداللہ صاحب کے چہرے کی ساری خوشی ایک لمحے میں ماند پڑ گئی۔ وہ خاموشی سے اپنی ماں کو دیکھتے رہے۔

سیف یہ منظر خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اسے حیرت نہیں ہوئی تھی۔

تیرا میرا کوئی رشتہ نئیں، اتھوں چلے جاؤ۔

خدیجہ بیگم ذرا اونچی آواز میں بولیں۔

زویا نے موبائل سے نظریں اٹھا لیں۔ اس کی معصوم آنکھیں حیرت سے کبھی عبداللہ صاحب کو دیکھ رہی تھیں اور کبھی خدیجہ بیگم کو۔

سیف فوراً اس کے قریب آیا۔

زویا، آپی کے پاس جاؤ۔ اس نے نرمی سے کہا۔

زویا خاموشی سے بیڈ سے اتری اور دھیرے دھیرے باہر نکل گئی۔

عبداللہ صاحب نے ایک گہری سانس لی اور خدیجہ بیگم کے قریب بیٹھ گئے۔

امی، آپ مجھ سے ناراض ہیں؟

ان کی آواز میں دکھ صاف محسوس ہو رہا تھا۔ خدیجہ بیگم نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

اسی لمحے دوبارہ دروازے کی بیل بجی۔ سیف باہر آیا اور دروازہ کھولا۔ اس بار سامنے فہد اور عریشہ کھڑے تھے۔

السلام علیکم!

دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

وعلیکم السلام!

سیف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے محبت سے عریشہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ عریشہ مسکرا کر اندر داخل ہو گئی۔ سیف اور فہد ایک دوسرے کے گلے ملے۔

احمد وہیل چیئر پر بیٹھا کچن سے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ اس کی نظر جیسے ہی عریشہ پر پڑی، وہ لمحہ بھر کو رک گئی پھر عریشہ کے قریب آیا۔

باقی سب کہاں ہیں؟

احمد نے پوچھا۔

ابو اندر ہیں اور فہد بھائی۔۔۔

عریشہ ابھی بات مکمل کر رہی تھی کہ سیف اور فہد بھی وہاں آ گئے۔

احمد فوراً سمجھ گیا کہ ایشال ابھی نہیں آئی۔

عریشہ، مجھے گھر لے جاؤ۔

اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

جی بھائی۔

سب یہاں پر ہیں تم گھر کیا کرنے جا رہے ہو؟ سیف نے کہا۔

ابھی آتا ہوں۔

احمد نے مختصر سا جواب دیا۔

عریشہ اسے گھر لے آئی۔

عبداللہ صاحب کا گھر بالکل عبدالرحمن ہاؤس جیسا ہی تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ سیف لوگوں کے گھر کا صحن کچھ نیچے تھا، جبکہ ایشال کے گھر کا صحن برابر سطح پر بنا ہوا تھا۔

ٹھیک ہے، تم جاؤ۔

صحن میں داخل ہوتے ہی احمد نے کہا۔

عریشہ خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔ احمد نے وہیل چیئر موڑی اور آہستہ آہستہ ایشال کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ ہلکا سا کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو اس کی نظر سیدھی بیڈ پر گئی، جہاں ایشال سب کے تحفے نکال کر دیکھ رہی تھی۔ رنگ برنگے ڈبے بیڈ پر بکھرے ہوئے تھے۔

ایشال نے جیسے ہی احمد کو دیکھا تو بولی۔

ہم سب دادی لوگوں سے ملنے جا رہے ہیں اور آپ یہاں آ گئے؟

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

سیف کی شادی ہو گئی ہے۔

احمد کی بھاری آواز کمرے میں گونجی۔

ایشال کے ہاتھ سے پرفیوم کا ڈبہ پھسل کر نیچے جا گرا۔ کانچ ٹوٹنے کی آواز پورے کمرے میں پھیل گئی۔

پرفیوم کی بوتل ٹوٹ گئی تھی، بالکل ایشال کے دل کی طرح۔

تیز خوشبو لمحوں میں پورے کمرے میں پھیل گئی۔ وہ خوشبو اتنی ہی شدید تھی، جتنی اس وقت ایشال کے دل میں اٹھنے والی تکلیف۔

احمد کی نظر نیچے ڈبے تک گئی۔

ڈبہ بھیگ چکا تھا، مگر شیشے کے ٹکڑے اندر ہی رہ گئے تھے۔ احمد انہیں دیکھ نہیں سکا۔ بالکل ایسے ہی، جیسے وہ ایشال کے دل کے ٹوٹے دل کو۔

ایشال ساکت کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تیر رہی تھی۔

ابو کو اس بات کا علم تھا۔۔۔

احمد نے ایشال کو آگاہ کیا۔ ایشال بے حرکت کھڑی رہی۔

احمد نے ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ان آنکھوں میں سوال بھی تھا، تکلیف بھی اور خاموش چیخ بھی۔

احمد فوراً پلٹ گیا۔ وہ اسے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا اور اگلے ہی لمحے کمرے میں ایشال کے رونے کی آواز گونجنے لگی۔

وہ آہستہ آہستہ نیچے فرش پر بیٹھ گئی۔ اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور اس کی سسکیاں ہر لمحے کے ساتھ بلند ہوتی جا رہی تھیں۔

ایشال نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا دوپٹہ منہ کے آگے رکھ لیا۔ اس کے دل میں جیسے کسی نے ایک ساتھ کئی خنجر اتار دیے ہوں۔ درد اتنا شدید تھا کہ سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اور چہرہ سرخ ہونے لگے تھے۔ وہ تیزی سے سانس لینے لگی، مگر اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا اس کے اندر تک پہنچ ہی نہیں رہی۔ اس نے فوراً اپنا ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔ آنسو مسلسل اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ بے اختیار اپنے سینے کو مسلنے لگی، جیسے دل کے اندر اٹھتے درد کو تھام لینا چاہتی ہو۔

احمد کمرے کے باہر ہی تھا۔ وہ ایشال کے درد کو محسوس کر سکتا تھا۔ اس کی اپنی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔

فہد اور عریشہ ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔

خدیجہ بیگم اور عبداللہ صاحب نے ان کی طرف دیکھا۔

ان دونوں کو دیکھ کر خدیجہ بیگم کے چہرے پر خوشی آئی۔

السلام علیکم، دادی۔

عریشہ خوشی سے کہتے ہوئے ان کے گلے لگ گئی۔

خدیجہ بیگم نے محبت سے اسے اپنے قریب کر لیا، اس کا ماتھا چوما۔

عبداللہ صاحب خاموشی سے یہ منظر دیکھتے رہے۔ ان کے دل میں ایک عجیب سی چبھن اتر گئی تھی۔ وہ بھی تو اسی محبت کے حق دار تھے، مگر شاید اب نہیں۔

پھر فہد آگے بڑھا اور دادی کے گلے لگا۔

خدیجہ بیگم نے اسے بھی اتنی ہی محبت سے گلے لگایا۔

اسی دوران مومنہ کمرے میں داخل ہوئی۔

السلام علیکم!

اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

وعلیکم السلام!

سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔

عریشہ فوراً اس کے پاس گئی۔
تم کب آئی؟ عریشہ نے پوچھا۔
سیف تے مومنہ دا ویاہ ہو گیا اے۔
خدیجہ بیگم نے مسکراتے ہوئے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
ایک لمحے کے لیے پورا کمرہ خاموش ہو گیا۔ سب کے چہروں کی مسکراہٹیں مدھم پڑ گئیں۔
کب؟
عریشہ نے حیرت سے پوچھا۔
چار دن ہو گئے، ہون گے۔
فہد اور عریشہ بے اختیار عبداللہ صاحب کی طرف دیکھنے لگے۔
عبداللہ صاحب خاموش بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر کوئی واضح تاثر نہیں تھا، مگر آنکھوں میں بہت کچھ چھپا ہوا تھا۔
بیٹھو تم لوگ۔۔۔
سیف نے ماحول بدلنے کی کوشش کی۔
عریشہ خاموشی سے سر ہلاتے ہوئے بیٹھ گئی۔ فہد بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔
ایشال نہیں آئی؟
مومنہ نے آہستہ سے پوچھا۔
ہاں، ایشال کتھے اے؟
خدیجہ بیگم نے بھی فوراً سوال کیا۔
دادی، بس آتی ہو گی۔ عریشہ نے جواب دیا۔
کمرے میں آہستہ آہستہ باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ صرف عبداللہ صاحب خاموش تھے۔ وہ چند لمحے بیٹھے رہے، پھر آہستہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
تایا ابو۔۔۔
سیف نے فوراً انہیں روکنا چاہا۔
جاں لین دے۔

خدیجہ بیگم نے سخت لہجے میں کہا۔
فہد، مومنہ اور عریشہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کمرے کا ماحول عجیب سا ہو گیا تھا۔
سیف نے فوراً بات بدل دی۔
یہ بتاؤ، کھاؤ گے کیا؟
اور پھر کمرے میں دوبارہ ہلکی ہلکی باتوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اسی دوران صفا، نور، مریم اور زویا بھی وہاں آگئیں۔
زویا خاموشی سے آکر دادی کے قریب بیٹھ گئی۔ کچھ دیر تک سب ایک ساتھ بیٹھے رہے۔ پھر وقت گزرتا گیا اور فہد و عریشہ واپس جانے لگے۔
نور بھی جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ صفا اس کے ساتھ کچن میں کھڑی تھی۔
آپ ابھی کچھ دن اور رک جاتیں۔
صفا نے نرمی سے کہا۔
نور ہلکا سا مسکرائی۔
نہیں، ابھی جانا ضروری ہے۔ پھر کبھی آجاؤں گی۔
دونوں کچن سے باہر آئیں اور کمرے میں آگئیں۔ نور سیدھا خدیجہ بیگم کے پاس گئی۔
دادی، اب میں چلتی ہوں۔
رک جاتی ابھی۔ سیف نے فوراً کہا۔
نور نے نفی میں سر ہلایا۔
میں پہلے ہی یونیورسٹی سے تین ایکسٹرا چھٹیاں لے چکی ہوں، اب اور نہیں لے سکتی۔
سیف خاموش رہا۔
وہ جھک کر دادی سے ملی، پھر مومنہ سے۔ نور نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالا اور ایک چاکلیٹ نکال کر زویا کی طرف بڑھا دی۔
زویا نے فوراً چاکلیٹ پکڑ لی۔
دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیں۔ نور نے اس کی گال کو چھوما اور آہستہ سے سیدھی ہوئی۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی۔

مریم کہاں ہے؟
اس نے مریم کو کمرے میں موجود نہ پا کر پوچھا۔
وہ ابھی اپنے کمرے میں گئی ہے۔
مومنہ نے نرمی سے جواب دیا۔
میں اُس سے مل کر آتی ہوں۔
نور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔
وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی کمرے کے دروازے تک پہنچی۔ چند لمحے خاموش کھڑی رہی، پھر دھیرے سے دروازہ نوک کیا اور احتیاط سے اندر داخل ہوئی۔
مریم الماری کے سامنے کھڑی زویا کے کپڑے نکال رہی تھی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔
نور کو سامنے دیکھ کر اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
آجاؤ۔
اُس نے الماری بند کرتے ہوئے کہا۔
پھر اُس کی نظر نور کے بازو میں لٹکے بیگ پر گئی۔
واپس جا رہی ہو؟
مریم نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔
ہاں۔۔۔
نور اُس کے قریب آتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی۔
اسی لیے تمہیں الوداع کہنے آئی ہوں۔
مریم خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔
نور نے آہستہ سے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ اُس کی انگلیوں کی گرفت نرم تھی۔
مریم، میں نے اپنی زندگی میں بہت کچھ برداشت کیا۔
وہ مدھم سی ہنسی۔
اور سچ کہوں تو برداشت کرنے کے علاوہ میرے پاس کوئی اور آپشن نہیں تھا۔

اُس کی نظریں چند لمحوں کے لیے کہیں دور جا ٹھہریں۔
ممی کے جانے کے بعد میں جیسے ایک ہی جگہ رُک گئی تھی اور اُس ایک ٹھہراؤ نے مجھ سے بہت کچھ چھین لیا۔
کمرے میں نور کی آواز گونج رہی تھی۔
تم نے بھی بہت کچھ برداشت کیا ہے، تمہارے پاس بھی شاید برداشت کے علاوہ کوئی اور آپشن نہیں تھا۔ کبھی کبھی زندگی ہمیں آپشنز نہیں دیتی اور جب آپشنز دیتی ہے نا، تو اُن راستوں پر قدم رکھنے سے بھی ڈر لگتا ہے — کیونکہ ہمیں نہیں معلوم ہوتا کہ آگے کیا ہونے والا ہے. کون سا راستہ صحیح ہے اور کون سا غلط۔
نور چند لمحے خاموش رہی۔ اُس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی، مگر ہونٹوں پر اب بھی ہلکی سی مسکراہٹ قائم تھی۔
بس ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا — زندگی میں کبھی رُکنا مت، کیونکہ جب انسان رُک جاتا ہے تو وقت اُس سے بہت کچھ چھین لیتا ہے۔
مریم خاموشی سے اُس کی باتیں سن رہی تھی۔ اُس کی پلکیں ہلکے سے جھک گئی تھیں۔
سیف بہت اچھا انسان ہے۔
نور نے پُرسکون لہجے میں کہا۔
وہ کبھی تمہارا یا زویا کا برا نہیں چاہے گا۔
مریم کے ہونٹ ہلکے سے ہلے مگر آواز نہ نکل سکی۔
نور نے گہرا سانس لیا۔
ایک بات جو مجھے میرے ایک بہت اچھے اور خوبصورت دوست نے کہی تھی۔ وہ تمہیں ضرور کہنا چاہتی ہوں۔
مریم نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔
آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دو گی تو وہ آسمان والا سب کچھ تمہارے قدموں میں بچھا دے گا۔
نور نے بے حد سکون سے کہا۔ اُس کے لہجے میں عجیب سا وقار تھا۔
اور پھر۔۔۔
نور دھیرے سے مسکرائی۔
میرے قدموں میں بھی سب کچھ بچھا دیا گیا۔
نور کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک تھی۔

اگلے ہی لمحے وہ آہستہ سے مریم کے گلے لگ گئی۔

اپنا اور زویا کا خیال رکھنا۔

اُس نے جدا ہوتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

مریم نے نم آنکھوں کے ساتھ ہلکا سا سر ہلا دیا۔

نور مُڑی اور آہستہ آہستہ باہر نکل گئی۔ سب لوگ اُسے دروازے تک چھوڑنے آئے تھے۔ ماحول میں عجیب سی اداسی بکھری ہوئی تھی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے نور نے شیشہ نیچے کیا۔

آپ سب سے مل کر بہت اچھا لگا۔

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہمیں بھی۔۔۔

سب نے ایک ساتھ مسکرا کر جواب دیا۔

نور نے ہاتھ ہلا کر الوداع کہا۔

جواب میں سب کے ہاتھ بھی فضا میں بلند ہوئے۔ پھر گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

✦ ✦ ✦

کمرے کی فضا عجیب حد تک بوجھل تھی۔ خاموشی ایسی تھی جیسے ہر دیوار کسی طوفان کے گزرنے کی گواہ ہو۔

عبداللہ صاحب صوفے پر بیٹھے تھے۔ اُن کے چہرے پر غصہ، دکھ اور انا تینوں ایک ساتھ نمایاں تھے۔

فہد اُن کے برابر میں بیٹھا تھا جبکہ عریشہ اور ایشال سامنے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ ایشال کی آنکھیں بری طرح سرخ ہو چکی تھیں۔ مسلسل رونے کی وجہ سے اُس کا چہرہ سوجا ہوا لگ رہا تھا۔

احمد بیڈ کے قریب اپنی ویل چیئر پر بیٹھا تھا۔ اُس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، مگر چہرے پر پھیلا درد واضح تھا۔

دیکھا تم لوگوں نے، امی کو بھی میرے خلاف کر دیا ہے۔

عبداللہ صاحب نے تلخ لہجے میں کہا۔

کمرے میں موجود سب کی نظریں اُن پر جم گئیں۔

کل جب میں گیا، انہوں نے مجھ سے بات تک نہیں کی۔
یہ سب سیف کا کیا دھرا ہے۔
یہ سب سیف کا نہیں، آپ کا اپنا کیا دھرا ہے۔ احمد کی دھیمی، مگر صاف آواز کمرے میں گونجی۔
عبداللہ صاحب نے فوراً اُس کی طرف دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں غصہ بھڑک اٹھا۔
اس کے علاوہ، تم سے میں کیا ہی امید رکھ سکتا ہوں؟
وہ سخت لہجے میں بولے۔
تم تو ہمیشہ اُس کے حق میں ہی بولتے آئے ہو۔
احمد نے بے اختیار اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا، جیسے مزید بحث کی ہمت ہی نہ ہو۔
امی نے مجھ سے گلے تو دور، ٹھیک سے بات تک نہیں کی اور وہ سیف، وہ ایک بار بھی کچھ نہیں بولا۔
وہ کیا بولتا؟
احمد نے آہستہ سے کہا۔
اور اگر اس نے واقعی دادی کو خلاف کرنا ہوتا تو وہ صرف آپ کے ہی نہیں بلکہ ہم سب کے خلاف کرتا۔
عبداللہ صاحب غصے سے اُسے گھورنے لگے۔
کمرے میں ایک بار پھر خاموشی پھیل گئی۔
تم اس کے حمایتی بنے پھرتے ہو۔ شادی کر لی اُس نے اور خبر تک نہیں ہونے دی۔
شادی کا لفظ سنتے ہی ایشال کی پلکیں کانپ گئیں۔ اُس کی آنکھوں میں دوبارہ نمی تیرنے لگی۔
شادی کی بات آپ نہ ہی کریں۔۔۔
وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
آپ کو اس بات کا علم تھا۔
ایک آنسو ایشال کی آنکھ سے نکل کر گال پر بہہ گیا۔
فہد اور عریشہ نے حیرت سے عبداللہ صاحب کی جانب دیکھا۔
مجھے اس بات کا علم کیسے ہوتا؟
عبداللہ صاحب نے سختی سے کہا۔

عقیل آپ کو یہاں کی ایک ایک خبر دیتا تھا – کیا اُس نے آپ کو یہ خبر نہیں دی؟
عبداللہ صاحب کا ضبط جواب دینے لگا تھا۔
تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔
وہ غصے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
آپ نے ایسا کیوں کیا؟
ایشال کی آواز نے اُن کے قدم روک دیے۔ عبداللہ صاحب نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔
ایشال کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔ اُس کے چہرے پر درد پھیلنے لگا تھا۔
تم بھی اب، اُس کے ساتھ مل گئی ہو؟
عبداللہ صاحب کے ماتھے کی رگیں ابھر آئیں۔
آپ اگر ایسا نہ کرتے تو سیف کی شادی کبھی نہ ہوتی۔ ایشال کی آواز ٹوٹ گئی۔
سب حیرت سے اُسے دیکھ رہے تھے۔
اُس کی شادی سے تمہارا کیا تعلق؟
عبداللہ صاحب اونچی آواز میں بولے۔
اور اِن آنسوؤں کا کیا مطلب ہے؟
ایشال اچانک اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔
میرا تعلق –
ایشال نے روتے ہوئے کہا۔ وہ اگلے ہی لمحے عبداللہ صاحب کے قریب آکر بلند آواز میں بولی۔
میرا ل ہی تو تعلق تھا – وہ میرا تھا – وہ میری پسند تھا۔
عریشہ فوراً گھبرا کر کھڑی ہوئی۔
میں اُس سے محبت کرتی ہوں۔
کمرے کی فضا، جیسے ایک لمحے میں منجمد ہو گئی۔
تمہیں شرم نہیں آرہی؟ عبداللہ صاحب دھاڑے۔
اپنے باپ کے سامنے یہ سب کہتے ہوئے؟

احمد کے دل میں، جیسے کسی نے خنجر اتار دیا۔ اُس نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ عبداللہ صاحب کی آواز سننا نہیں چاہتا تھا۔

عریشہ فوراً گھبرا کر ایشال کے قریب آئی۔ اس کے چہرے کا رنگ اُڑ چکا تھا۔ آنکھوں میں خوف واضح جھلک رہا تھا، جیسے اُسے اندازہ ہو کہ اگلے چند لمحوں میں سب کچھ مزید بکھرنے والا ہے۔

فہد خاموش کھڑا سب دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی سختی تھی، جبکہ آنکھوں میں غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

کس بات کی شرم دلا رہے ہیں آپ؟

ایشال کی آواز رونے کے باوجود بلند تھی۔

میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

اپنی زبان قابو میں رکھو، ورنہ—

عبداللہ صاحب اپنی بات ادھوری چھوڑ گئے۔

ورنہ کیا؟

ایشال چیخ کر بولی۔

کیا کریں گے۔۔۔؟

وہ پہلی بار ان کے سامنے اِس طرح کھڑی تھی، بے خوف—

احمد کے دل میں درد کی ایک شدید لہر اٹھی۔ عریشہ کے ہاتھ ٹھنڈے پڑنے لگے تھے۔

ایشال، بس کرو۔

عریشہ نے لرزتی آواز میں کہا اور فوراً سے ایشال کا بازو تھام لیا۔

چھوڑو مجھے۔۔۔

ایشال نے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی۔

چھوڑو۔۔۔

وہ تڑپ رہی تھی، مگر عریشہ اُسے کھینچتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئی۔

احمد نے ایک نظر عبداللہ صاحب پر ڈالی، پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

کمرے میں چند لمحوں تک صرف بھاری خاموشی باقی رہی۔ عبداللہ صاحب غصے سے واپس صوفے پر بیٹھ گئے۔
اس گھر میں تو بس سیف، سیف، سیف کے نام کی صدائیں جاری ہے۔
وہ سخت لہجے میں بولے۔
فہد خاموشی سے اُنہیں دیکھتا رہا۔
عریشہ ایشال کو کمرے میں لے آئی اور جیسے ہی عریشہ نے اُس کے بازو چھوڑے، ایشال کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اُس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔
کمرے میں بس اُس کے رونے کی آواز گونج رہی تھی۔
عریشہ بے بسی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔
تبھی احمد کمرے میں داخل ہوا۔ ویل چیئر کے پہیوں کی ہلکی آواز پر بھی ایشال نے سر نہ اٹھایا۔
احمد کی نظریں بس اس پر جمی تھیں۔
آپ کو سب معلوم تھا۔۔۔
ایشال نے روتے ہوئے سر اٹھایا۔ اُس کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔
مگر آپ نے مجھے نہیں بتایا، آخاموش رہے۔
میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ ایک جہنم ہمارا انتظار کر رہی ہے۔
احمد نے درد بھرے لہجے میں کہا۔
ایشال کی سانس رکی۔ وہ جل رہی تھی۔
وہ چند لفظ ایشال کے دل میں کسی خنجر کی طرح اتر گئے۔ اس کی زبان جیسے بند ہو گئی۔ وہ اپنے گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر بیٹھ گئی۔ اس کے کندھے مسلسل لرز رہے تھے۔
عریشہ کی آنکھوں میں بھی پانی بھر آیا تھا۔ وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔

✦ ✦ ✦

کمرے میں مدھم سی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔
شہریار خاموشی سے کھڑکی کے سامنے کھڑا باہر رات کی تاریکی کو دیکھ رہا تھا۔ شیشے پر جمی ہلکی دھند باہر کی سردی کا پتہ دے رہی تھی۔ دور دور تک ہر چیز دھندلائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ سردیوں کی رات اپنی شدت پر تھی۔

کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔
شہریار نے پلٹ کر دیکھا۔
مسز اسد اندر داخل ہوئیں۔ اُن کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح نرم سی شفقت تھی۔
انہیں دیکھتے ہی شہریار کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔
سوئے کیوں نہیں ابھی تک؟
وہ شہریار کے قریب آتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولیں۔
بس سونے ہی والا تھا۔
شہریار نے سادہ سا جواب دیا۔
مسز اسد نے خاموشی سے آگے بڑھ کر پردے ٹھیک کیے، پھر وہ اس کے قریب آئیں اور نرمی سے شہریار کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اُسے بیڈ تک لے آئیں۔ شہریار خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔
مسز اسد نے کمبل اُٹھا کر شہریار کو اوڑھا۔ وہ اسے کسی چھوٹے بچے کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی۔ پھر وہ خود بھی آہستہ سے اس کے برابر بیٹھ گئیں۔
شہریار نے بنا کچھ کہے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔ مسز اسد کی انگلیاں نرمی سے اُس کے بالوں میں چلنے لگیں۔
شادی کا ایونٹ کیسا رہا؟
مسز اسد نے نرمی سے پوچھا۔
بہت اچھا۔
شہریار کے لہجے میں ہلکی سی نرمی آگئی۔
اور باقی کے دن؟
وہ بھی بہت اچھے گزرے۔
مسز اسد ہلکا سا مسکرائیں۔
ممی۔۔۔
شہریاد بولنے کے لیے تیار تھا اور مسز اسد وہ توائی اس کو سننے کے لیے تھی۔
شہریار سامنے دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ بولنے لگا۔

وہ دونوں ایک ساتھ بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔
شہریار کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ واقعی ایک دوسرے کے لیے بنے ہوں۔ وہ دونوں بہت خوش تھے۔ ان کے اندر ایک دنیا آباد تھی۔
ممی۔۔۔
شہریار کی آواز میں اب عجیب سا سکون تھا۔
سیف کی آنکھوں میں میرے لیے کوئی شکوہ نہیں تھا، کوئی شکایت نہیں تھی۔
مسز اسد خاموشی سے اُس کے بالوں میں انگلیاں چلاتی رہیں۔
وہ آج بھی اتنا ہی اچھا ہے — جتنا پہلے تھا۔
شہریار دھیرے سے بول رہا تھا۔
میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ اتنا اچھا کیوں ہے، مگر میں پوچھ نہیں سکا۔
کمرے میں ایک خاموش سا سکون پھیل گیا۔
اس نے آتے وقت آپ کے لیے وہ سب چیزیں دی جو وہ پہلے لا کر دیا کرتا تھا۔
شہریار ایک لمحے خاموش رہا۔
ممی۔۔۔
اس نے کہا کہ وہ نہیں چاہتا کہ ہم دونوں روزِ محشر ایک دوسرے کا گریبان پکڑیں۔
مسز اسد کی انگلیاں ایک لمحے کو رکی تھیں، مگر اگلے ہی لمحے پھر نرمی سے اُس کے بالوں میں چلنے لگیں۔
اس نے دوستی کا حق ادا کیا اور میں۔۔۔
میں وہ حق ادا نہیں کر سکا۔
میں اس کے احسانوں کا بدلہ کیسے چکاؤں گا۔۔۔؟
ممی، اس نے کہا کہ میں جب چاہوں یہاں آسکتا ہوں۔
شہریار نے دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں۔
اور میں جو اُسے دیکھنا تک نہیں چاہتا تھا۔ وہ میرے لیے یہاں سے چلا گیا۔

اس کے لہجے میں اب پچھتاوا صاف محسوس ہو رہا تھا۔
میں نے اس کی کسی بات پر یقین نہیں کیا۔
شہریار نے گہرا سانس لیا۔
میں نے ہر طرف بس خود کو دیکھا، مگر سیف، وہ اپنے اردگرد سب کو دیکھتا ہے، سب کا سوچتا ہے۔
محبت انسان کی زندگی میں بہت اہم ہوتی ہے، مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ محبت تو آپ سے بہت سے لوگ کرتے ہیں۔
شہریار کے ذہن میں بے اختیار نتاشا کا چہرہ ابھرا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کے چہرے پر سایہ سا آیا۔
ہمیں لگتا ہے۔۔۔
شہریار دھیرے دھیرے سے بول رہا تھا۔
کہ اگر ہمیں اپنی محبت نہ ملی تو شاید ہم مر جائیں گے۔
اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔
مسز اسد کی انگلیاں بدستور نرمی سے اُس کے بالوں میں چل رہی تھیں۔ ان کے لمس میں عجیب سا سکون تھا، جیسے وہ خاموشی سے اس کے اندر کے شور کو تھام رہی ہوں۔
مگر ایسا نہیں ہوتا۔ انسان صرف ایک شخص سے محبت نہیں کرتا۔ وہ بہت سے لوگوں سے، بہت سی چیزوں سے محبت کرتا ہے۔ اگر وہ نہ ملے تو انسان جینا نہیں چھوڑتا بلکہ صبر کرنا سیکھ لیتا ہے۔
شہریار اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا۔
کمرے میں ایک گہری خاموشی اُتر آئی۔
مسز اسد خاموشی سے اُس کے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ ان کی آنکھوں میں شفقت تھی، سکون تھا اور وہ سمجھ تھی جو صرف ایک ماں کے حصے میں آتی ہے۔
انسان اپنے اندر بے شمار خواہشیں رکھتا ہے۔
مسز اسد نرمی سے بولیں۔
شہریار ان کی بات سننے لگا۔
وہ چاہتا ہے کہ اُس کی ہر خواہش پوری ہو جائے۔

کچھ خواہشیں پوری ہو جاتی ہیں اور کچھ ادھوری رہ جاتی ہیں۔ پھر انسان اپنی ساری زندگی ان ادھوری خواہشات کے پیچھے لگا دیتا ہے۔

وہ چند لمحے کو رُکیں۔

کبھی کبھار کچھ چیزیں مانگنے سے مل جاتی ہیں اور کبھی کبھار بہت مانگنے کے بعد بھی نہیں ملتیں۔

کمرے کی فضا میں ان کی نرم آواز گھل رہی تھی۔

لیکن انسان پوری ہو جانے والی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ان خواہشوں کا غم منانے لگتا ہے جو اُسے نہیں ملتیں۔

شہریار خاموشی تھا۔

پھر اس کی زبان پر شکوے اور ناشکری آجاتی ہے اور انہی شکوؤں میں انسان بہت سی غلطیاں اور گناہ کر بیٹھتا ہے۔

مسز اسد کی آواز میں اب بھی وہی نرمی تھی۔ ان کی انگلیاں ابھی بھی شہریار کے بالوں میں تھیں۔

کچھ لوگوں کو وقت کے ساتھ اپنی غلطیوں کا احساس ہو جاتا ہے، مگر کچھ لوگ ساری زندگی شکووں میں ہی الجھے رہتے ہیں۔

غلطیاں تو انسان ہی کرتا ہے لیکن جب اُسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو جائے تو اُسے اپنے رب کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔

شہریار کی پلکیں ہلکے سے جھک گئیں۔

اللہ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے۔

مسز اسد کی آواز میں عجیب سا سکون تھا۔

اگر انسان سچے دل سے معافی مانگ لے تو اللہ اُسے معاف کر دیتا ہے۔ اُسے اپنے قریب کر لیتا ہے، سمیٹ لیتا ہے۔

مسز اسد خاموش ہوئی۔

کمرے میں چند لمحوں تک مکمل خاموشی رہی۔ پھر شہریار دھیرے سے بولا۔

ممی۔۔۔

زندگی اور لوگ بہت ظالم ہوتے ہیں۔

شہریار کی آواز میں عجیب سا درد تھا۔

مسز اسد خاموشی سے اُس کی طرف متوجہ ہوئیں۔
وہ انسان کو اُس کا ماضی بھولنے کیوں نہیں دیتے؟
شہریار کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔
وہ بار بار آپ کا ماضی آپ کے سامنے کیوں لے آتے ہیں۔۔۔؟
یہ سوال شاید اُس کے دل میں بہت عرصے سے قید تھا۔
مسز اسد نے گہرا سانس لیا۔
زندگی اور لوگ واقعی بہت ظالم ہوتے ہیں۔
لوگ انسان کو اُس کی پرانی غلطیاں یاد دلا کر اُسے تکلیف دیتے ہیں – مگر جیسے آپ اپنی غلطیوں سے نکل کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، ویسے ہی لوگوں کی باتوں کو بھی نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائے۔
شہریار سنتا رہا۔
لوگ اکثر اپنے دل کی تسکین کے لیے دوسروں کا ماضی اُن کے سامنے لے آتے ہیں۔
لیکن زندگی انسان کو اس کا ماضی اِس لیے یاد دلاتی ہے تاکہ وہ اپنی پرانی غلطیاں دوبارہ نہ دہرائے۔
شہریار کی آنکھیں بند ہو گئیں۔
یہ سب تکلیف ضرور دیتا ہے۔ وہ دھیرے سے بولیں۔
مگر یہی تکلیف انسان کو سکھاتی بھی ہے اور سنوارتی بھی ہے۔
مسز اسد کی ہر بات جیسے آہستہ آہستہ شہریار کے دل میں اُترتی جا رہی تھی۔

✦ ✦ ✦

وانیہ کچن میں کھڑی خاموشی سے کام کر رہی تھی۔ کچن میں ہلکی ہلکی برتنوں کی آواز گونج رہی تھی۔
باہر شام ڈھل چکی تھی اور گھر کے اندر ایک عجیب سا سنّاٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس کے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ وانیہ نے چونک کر کاؤنٹر پر رکھے موبائل کی طرف دیکھا، چند لمحے اُس کی نظریں سکرین پر جمی رہیں۔
شہریار کالنگ۔
اس نے دھیرے سے موبائل اُٹھایا اور کال ریسیو کر کے فون کان سے لگا لیا۔
السلام علیکم!

وانیہ نے آہستہ سے کہا۔
وعلیکم السلام!
دوسری طرف سے شہریار کی پرسکون آواز سنائی دی۔
کیسی ہو؟
ٹھیک ہوں۔وانیہ نے مختصر جواب دیا۔
تم کیسے ہو؟
ٹھیک — میرال کیسی ہے؟
وانیہ کے چہرے کی نرمی مدھم پڑ گئی۔
پہلے جیسی ہی ہے۔ وہ دھیرے سے بولی۔
بات نہیں کرتی، سارا دن ایک ہی جگہ بیٹھی رہتی ہے، بیٹھے بیٹھے رونے لگ جاتی ہے۔
دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی۔
وانیہ کو یوں محسوس ہوا، جیسے شہریار نے سانس تک روک لی ہو۔
میں نے اُس کے لیے کھانا بھیجا ہے۔ شہریار کچھ لمحوں کے بعد بولا۔
وانیہ کے ہونٹوں پر بے اختیار ہلکی سی تلخ مسکراہٹ آئی۔
تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہارا بھیجا ہوا کھانا کھا لے گی؟
تم اُسے یہ کیوں بتاؤ گی کہ میں نے بھیجا ہے؟ شہریار کی آواز پہلے سے بھی دھیمی تھی۔
اسی لمحے باہر ڈور بیل بجی۔
شہریار نے بنا کچھ کہے فون بند کر دیا۔
وانیہ نے موبائل کو دیکھا، پھر گہرا سانس لے کر باہر چلی گئی۔
دروازے کے باہر شہریار کا ڈرائیور کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں دو بڑے فوڈ باکس تھے۔
بی بی جی، یہ شہریار صاحب نے بھجوایا ہے۔
وانیہ نے خاموشی سے ڈبے لے لیے۔
ڈرائیور واپس چلا گیا۔

وانیہ کچن میں واپس آئی اور آہستہ سے ڈبے کھولے۔ ایک ڈبے میں فرائیڈ رائس تھے جبکہ دوسرے میں چکن منچورین۔ گرم کھانے کی خوشبو فوراً فضا میں پھیل گئی۔

وانیہ نے بے اختیار گہری سانس لی۔ وہ خوشبو کسی پرانی یاد کی طرح دل میں اُترتی چلی گئی۔

اس نے کیبنٹ سے پلیٹیں نکالیں اور خاموشی سے کھانا نکالنے لگی، پھر ٹرے اُٹھا کر اندر کمرے کی جانب چلی گئی۔

اندر میرال صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا، چہرے کا رنگ زرد تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں جبکہ بال بے ترتیب انداز میں بکھرے ہوئے تھے۔

وانیہ آہستہ سے اس کے سامنے ٹرے رکھ کر بیٹھ گئی۔

میرال، کھانا کھا لو۔

وانیہ نے نرمی سے کہا۔

میرال نے دھیرے سے سر اٹھایا۔ پہلے اس نے وانیہ کو دیکھا اور پھر ٹرے کو۔

میرال کی نظریں ٹرے پر جم گئیں۔ اس کے چہرے کا رنگ اور مدھم پڑ گیا۔

میں کھلا دوں؟

وانیہ نے آہستہ سے پوچھا۔

میرال خاموش رہی۔

وانیہ چند لمحے خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی، پھر بنا کچھ کہے وہاں سے باہر نکل گئی۔

اب کمرے میں صرف میرال تھی اور اُس کے سامنے رکھی وہ ٹرے۔ وہ مسلسل اُسے دیکھے جا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا اور اُس پانی میں ماضی کے دھندلے عکس ابھرنے لگے۔

گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔ یونیورسٹی دوبارہ اوپن ہو گئی تھی۔

میرال آج غیر معمولی حد تک خوش تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی چمک تھی، جب وہ کلاس روم کے اندر داخل ہوئی۔

اس کی نظریں بے اختیار سیف کو تلاش کر رہی تھیں اور اگلے ہی لمحے وہ اُسے نظر آ گیا۔

سیف دوسری قطار کی پانچویں میز پر بیٹھا کامران سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے سامنے والی میز پر نور اور نورالعین بیٹھی تھیں۔

میرال کی نظریں فوراً اردگرد کی میزوں پر گئیں، مگر سب جگہیں بھری ہوئی تھیں۔
میرال آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اُن کے قریب جا پہنچی۔
ہیلو۔۔۔
میرال نے نرم لہجے میں کہا۔
ہیلو میرال۔
نور فوراً مسکراتے ہوئے بولی۔
نورالعین نے بھی خوش دلی سے اُس سے سلام کیا۔ سیف اور کامران نے گفتگو روکی اور مسکرا کر اُسے سلام کیا۔
میرال نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، پھر چند لمحے وہاں کھڑی رہی۔
اس کی نظریں بے اختیار سیف پر ٹھہر رہی تھیں، پھر وہ آہستہ سے پلٹی اور جا کر تیسری قطار کی آخری میز پر بیٹھ گئی۔ وہ وہاں بیٹھ کر بھی سیف کو دیکھ رہی تھی۔
سیف بدستور کامران کے ساتھ کسی بات میں مصروف تھا۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سکون اور ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
کچھ دیر بعد شہریار کلاس روم میں داخل ہوا۔
اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی، جیسے وہ پہلے ہی کسی الجھن میں گھرا ہوا ہو۔
اس نے کلاس پر ایک سرسری نظر ڈالی پھر سیدھا آکر میرال کے ساتھ بیٹھ گیا۔
میرال کو دیکھتے ہی اس کے چہرے کی سختی ہلکی سی مسکراہٹ میں بدل گئی۔
لیکن میرال کے چہرے پر ایک سایہ سا گزر گیا۔ اس کو عمارہ کا بھیجا ہوا میسج یاد آگیا۔
میرال نے بے اختیار دوبارہ سیف کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی کامران کے ساتھ بات کر رہا تھا، جیسے اُسے کسی بات کی خبر ہی نہ ہو۔
چھٹیاں کیسی گزریں؟
شہریار اس سے بات کرنے لگا۔
ٹھیک۔
میرال نے مختصر جواب دیا۔

میرال کا شہریار کے ساتھ بیٹھنے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
شہریار نے حیرت سے اُسے دیکھا۔
میرال سیدھا کامران کے قریب جا کر رکی۔
کامران، مجھے سیف سے کچھ ڈسکس کرنا ہے، کیا تم شہریار کے ساتھ بیٹھ سکتے ہو؟
اس نے آہستہ سے کہا۔
سیف نے بے اختیار نظریں اٹھا کر شہریار کو دیکھا۔
شہریار خاموشی سے اُنہیں ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں جیسے کچھ چبھا۔
کیوں نہیں۔
کامران فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اپنا بیگ لے کر شہریار کے پاس جا بیٹھا۔
اور میرال سیف کے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی۔
سیف نے پہلے میرال کو دیکھا، پھر دوبارہ سے شہریار کی طرف دیکھا۔
شہریار کی آنکھوں میں غصہ آہستہ آہستہ نمایاں ہونے لگا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھا اور بنا کچھ کہے کلاس سے باہر نکل گیا۔
سیف بھی فوراً اٹھ کر اس کے پیچھے چلا گیا۔
نور خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس نے مڑ کر میرال کی طرف دیکھا۔
میرال کے چہرے پر شہریار کے لیے غصہ صاف نظر آ رہا تھا۔
شہریار تیز قدموں سے کوریڈور میں چل رہا تھا۔
شہریار۔۔۔
پیچھے سے سیف نے آواز دی، مگر شہریار نے جیسے سنا ہی نہ ہو۔ وہ مزید تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔
سیف جلدی سے اُس کے قریب پہنچا۔
شہریار۔۔۔
سیف اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔
کیا ہوا ہے؟

سیف نے پریشانی سے پوچھا۔
کچھ نہیں۔
شہریار نے سخت لہجے میں کہا۔ اس نے سیف کو سائیڈ کیا اور آگے بڑھنے لگا۔
شہریار، مجھے تو بتاؤ۔۔۔
سیف دوبارہ اُس کے سامنے آگیا۔
کہاں نا کچھ نہیں۔ شہریار نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔
اور تم مجھے اکیلا چھوڑ دو۔
سیف کی پیشانی پر شکن ابھری۔
نہیں، میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا اور تمہیں مجھے بتانا ہوگا۔
سیف نے نرمی سے کہا۔
شہریار کی آنکھوں میں غصہ گہرا ہو گیا۔
تمہیں سب معلوم ہے— میرے سامنے زیادہ انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔
شہریار تلخی سے کہہ کر ایک قدم آگے بڑھا پھر رکا اور پلٹ کر سیف کو دیکھا۔
اور مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔
یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔
سیف وہیں کھڑا اُسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ اب پریشانی بھی اترنے لگی تھی۔
چند لمحے بعد وہ واپس کلاس روم میں آیا۔
کلاس میں اب بھی ہنسی مذاق اور باتوں کا شور تھا۔ سیف نے خاموشی سے ایک نظر میرال پر ڈالی پھر جا کر کامران کے ساتھ بیٹھ گیا۔
میرال حیرت سے اُسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کو سیف سے ایسی اُمید بالکل نہیں تھی۔
نورالعین کے موبائل کی سکرین روشن ہوئی۔ اس نے میسج پڑھا۔
نورالعین، آج کلاس نہیں ہوگی۔ سب کو انفارم کر دو۔
میسج پروفیسر کی طرف سے تھا۔

نورالعین نے فوراً وہ میسج گروپ میں فارورڈ کر دیا۔ اگلے ہی لمحے پورے کلاس روم میں ایک ساتھ نوٹیفکیشنز کی آوازیں گونج اٹھیں۔

سب نے موبائل نکال کر میسج پڑھا اور پھر کلاس روم میں خوشی بھرا شور پھیل گیا۔

ہر طرف ہنسی اور باتوں کی آوازیں بلند ہو گئی۔ طلبہ جلدی جلدی اپنے بیگز سمیٹنے لگے۔ کچھ ہی لمحوں میں طلبہ کلاس سے باہر نکلنا شروع ہو گئے۔

میرال بھی خاموشی سے اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

میں فیس جمع کروا کر آتی ہوں، بعد میں بہت رش ہو جائے گا۔

نورالعین اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

اوکے۔نور نے نرمی سے جواب دیا۔

نورالعین کو باہر جاتا دیکھ کر کامران بھی فوراً اُس کے پیچھے نکل گیا۔

اب کلاس میں نسبتاً خاموشی تھی۔

سیف اپنی جگہ پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

نور نے اُسے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر واضح پریشانی تھی۔ وہ آہستہ سے سیف کے ساتھ والی نشست پر آکر بیٹھ گئی۔

سیف، کیا ہوا ہے؟ نور نے نرمی سے پوچھا۔

سیف نے بے چین سا سانس لیا۔

پتا نہیں، شہریار کو کیا ہو گیا ہے۔

وہ دھیرے سے بولا۔

میں اُسے کال کرتا ہوں تو وہ کال نہیں اٹھاتا، میسج کرتا ہوں تو جواب نہیں دیتا۔

اور آج—

سیف نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔

آج جب میں نے اُس سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ زیادہ انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔

سیف کی نظریں سامنے بورڈ پر جم گئی تھیں۔

پھر اُس نے کہا کہ وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔
سیف کی آواز میں واضح تکلیف تھی۔
مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔
نور، سیف کو دیکھ رہی تھی، پھر آہستہ سے بولی۔
مجھے وجہ معلوم ہے۔
سیف نے فوراً چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔
کیا وجہ ہے؟
شہریار، میرال کو پسند کرتا ہے۔
سیف ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔
اور میرال۔
وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔
سیف کی سانس، جیسے ایک لمحے کے لیے رک گئی۔ اس کے چہرے پر حیرت صاف دکھائی دینے لگی۔
اسی لیے شہریار کا رویہ تمہارے ساتھ ایسا ہے۔
سیف کچھ لمحے بس نور کو دیکھتا رہا۔
اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔
تمہیں، یہ سب کیسے معلوم؟ سیف نے دھیمی آواز میں پوچھا۔
تمہیں یاد ہے۔۔۔؟ چھٹیوں سے پہلے، میرال تمہارے لیے بیف پلاؤ بنا کر لائی تھی۔
سیف نے خاموشی سے سر ہلایا۔
اس دن تمہارے جانے کے بعد میں، شہریار اور میرال کیفے میں بیٹھے تھے۔ نور کی نظریں اب میز پر جمی تھیں۔
میں نے میرال سے پوچھا تھا کہ کیا وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔
میرال نے زبان سے تو انکار کیا۔ مگر اس کی آنکھیں اور اس کا دل۔ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔
سیف خاموش بیٹھا سنتا رہا۔
اور اس لمحے شہریار کی آنکھیں بھی سب کچھ بیان کر گئی تھیں۔

سیف کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ اس کے ماتھے پر شکنیں نمایاں ہو چکی تھیں۔
مجھے اس سے بات کرنی ہوگی۔ سیف تقریباً سرگوشی میں بولا۔
نور نے نرمی سے اُس کی طرف دیکھا۔
تمہیں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔
سیف نے فوراً موبائل اٹھایا۔
ابھی تک تو وہ جا چکا ہوگا اور وہ میری کال نہیں اٹھائے گا۔ سیف بے بسی سے بولا۔
نور خاموش رہی۔
وقت جیسے اچانک بہت بھاری لگنے لگا تھا۔ ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔
پروفیسر لیکچر دے رہے تھے جب کلاس روم کا دروازہ کھلا۔ سب کی نظریں بے اختیار دروازے کی طرف اٹھیں۔
شہریار اندر داخل ہوا۔ آج پورے ایک ہفتے بعد وہ یونیورسٹی آیا تھا۔
اس کے چہرے پر پہلے سے زیادہ خاموشی اور سنجیدگی تھی، جیسے اس ایک ہفتے نے اس کے اندر بہت کچھ بدل دیا ہو۔
سیف دوسری قطار کی پہلی میز پر بیٹھا تھا۔
شہریار کی نظر سب سے پہلے اُسی پر جا کر ٹھہری اور سیف وہ بھی اُسے دیکھ چکا تھا۔
شہریار۔۔۔
پروفیسر نے اس کا نام لیتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھ جانے کو کہا۔
سیف کی نظریں مسلسل شہریار پر جمی ہوئی تھیں۔
شہریار نے ایک لمحے کے لیے پروفیسر کو دیکھا اور خاموشی سے جا کر تیسری قطار کی پہلی میز پر بیٹھ گیا۔
پروفیسر نے دوبارہ لیکچر شروع کر دیا۔
کلاس روم میں ان کی آواز گونج رہی تھی، مگر سیف کا دھیان بار بار شہریار کی طرف چلا جاتا۔
شہریار مکمل خاموشی سے سامنے بورڈ کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی تھی اور یہی خاموشی سیف کو بے چین کر رہی تھی۔
جیسے ہی کلاس ختم ہوئی، پروفیسر اپنی فائل سمیٹتے ہوئے باہر نکل گئے۔
سیف فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور سیدھا شہریار کے پاس آگیا۔

شہریار نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ خاموشی سے سامنے میز پر کھلے رجسٹر کو دیکھتا رہا۔
شہریار، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
مگر مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔
شہریار نے بنا اس کی طرف دیکھے جواب دیا۔
کلاس میں موجود کئی نظریں ان دونوں پر جم چکی تھیں۔ ان میں میرال اور نور بھی شامل تھیں۔
سیف نے شہریار کی کلائی پکڑ لی۔
شہریار نے فوراً سر اٹھا کر سیف کو دیکھا۔ اگلے ہی لمحے سیف، شہریار کو کھینچتے ہوئے کلاس روم سے باہر لے گیا۔
باہر آکر اس نے شہریار کی کلائی چھوڑ دی۔
تم مجھ سے ناراض کس بات پر ہو؟
سیف، مجھے بات نہیں کرنی۔
شہریار سرد لہجے میں کہتا ہوا دوبارہ اندر جانے لگا۔
شہریار۔۔۔
سیف نے فوراً اُسے روکا۔
اگر تم مجھے بتاؤ گے ہی نہیں — تو بات کا حل کیسے نکلے گا؟
شہریار پلٹ کر سیف کو گھورنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں دبی ہوئی تکلیف صاف دکھائی دے رہی تھی۔
اچھا، آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔
سیف نے نرم لہجے میں کہا۔
شہریار وہیں خاموش کھڑا رہا۔
شہریار، بس ایک بار۔
سیف کی آنکھوں میں نرمی اور امید تھی۔
آخرکار شہریار نے نظریں جھکا لیں، پھر بنا کچھ کہے وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ دونوں آہستہ آہستہ کیفے کی طرف بڑھنے لگے۔

کلاس روم میں میرال اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے جلدی سے اپنا بیگ اٹھایا اور تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی۔ مگر سامنے سے پروفیسر اندر آ رہے تھے۔

میرال ایک دم رکی، پھر فوراً واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔

السلام علیکم، کلاس۔

پروفیسر نے اندر داخل ہوتے ہی بلند آواز میں کہا۔

وعلیکم السلام!

کلاس میں سے کئی آوازیں ایک ساتھ گونجیں۔

میرال کا دھیان باہر کی جانب تھا۔ وہ بے چین سی تھی۔

کیفے میں نسبتاً خاموشی تھی۔

سیف اور شہریار ایک میز پر آمنے سامنے والی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ان دونوں کے درمیان عجیب سا سکوت تھا۔

شہریار نظریں جھکائے بیٹھا تھا جبکہ سیف مسلسل اُسے دیکھ رہا تھا۔

مجھے بتاؤ، کیا ہوا ہے؟ سیف نے خاموشی توڑی۔

شہریار خاموش رہا۔

شہری، میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔ سیف کی آواز نرم تھی۔

شہریار نے آہستہ سے سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ اس نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

تمہارے اور میرال کے درمیان کیا چل رہا ہے؟

شہریار نے اپنے دل کی بات کی۔ اس کی آواز میں چھپی افسردگی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ہمارے درمیان کچھ بھی نہیں ہے۔

اس نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔

شہریار کی نظریں سیف کے چہرے پر جمی رہیں۔

مگر میرال تو۔۔۔

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

میرال کیا۔۔۔؟

سیف نے فوراً پوچھا۔
میرال تمہیں پسند کرتی ہے کیا؟
شہری، مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں، میں اس کے دل کا حال نہیں جانتا۔
سیف نے فوراً سے جواب دیا۔
شہریار کی نظریں مسلسل اس کے چہرے پر جمی تھیں۔
وہ تمہارے لیے کھانا لاتی ہے۔ اس نے مدھم آواز میں کہا۔
اُسے چکن منچورین پسند نہیں تھی، مگر چونکہ تمہیں پسند ہے تو اس لیے وہ خود بھی کھانا لگی۔
سیف غور سے اس کو سن رہا تھا۔
تم دونوں ساتھ لنچ اور ڈنر پر جاتے ہو — وہ سب کیا ہے؟
میں ہمیشہ اس کو کھانا لانے سے منع کرتا ہوں — میں نے کبھی اس سب پر اتنی توجہ نہیں دی۔
وہ دھیرے سے بولا۔
اور چکن منچورین والی بات کا تو مجھے بالکل علم نہیں تھا اور اگر وہ اب وہ چکن منچورین کھانے لگی ہے تو میں کو منع بھی نہیں کر سکتا۔ وہ اس کی اپنی مرضی ہے۔
وہ میرے لیے کھانا لاتی تھی، مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ اُس کے پیچھے یہ وجہ ہو سکتی ہے اور میں اس کو کھانا لانے کے لیے منع بھی کرتا ہوں۔
شہریار خاموشی سے سنتا رہا۔
ہم کب لنچ یا ڈنر پر گئے ہیں؟ سیف نے الجھن سے پوچھا۔
میں جب بھی کہیں جاتا ہوں، تم میرے ساتھ ہوتے ہو۔
ڈنر پر تم اُس کے ساتھ تب گئے تھے جب پیپرز چل رہے تھے۔
شہریار کہہ کر چند لمحے رکا۔
اور تم اس کے ساتھ شادی پر بھی گئے تھے۔ میرال نے انسٹاگرام پر سٹوری لگائی تھی۔
سیف ڈنر کا سوچنے لگا، پھر اچانک اُسے کچھ یاد آیا۔
ہاں، میں گیا تھا۔

سیف فوراً بولا۔
مگر میں، اس کے ساتھ نہیں گیا تھا۔
شہریار خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔
عزیر کو تو تم جانتے ہو، تم اس سے مل بھی چکے ہو۔
سیف نے سمجھاتے ہوئے کہا۔
اس کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوئی تھی، تو وہ مجھے اپنے ساتھ ڈنر پر لے گیا تھا۔ وہاں اُس کی فیانسے بھی تھیں۔ میرال، عزیر کی فیانسے کی دوست ہے، اِس لیے وہ بھی وہاں موجود تھی۔
عزیر کے نکاح پر بھی ہم دونوں موجود تھے۔
سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔
رہی بات انسٹاگرام سٹوری کی – تو مجھے اُس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ میرے موبائل میں تو انسٹاگرام ہے ہی نہیں۔
سیف نے بڑی پر سکون سنجیدگی سے اُس کی ہر بات کا جواب دیا۔
شہریار خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ اس کے دل میں جمی ہوئی بہت سی غلط فہمیاں آہستہ آہستہ ٹوٹ رہی تھیں۔
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سیف نے اس سے سوال کیا۔
کیا تم میرال کو پسند کرتے ہو؟
یہ سوال غیر متوقع تھا۔
شہریار جیسے ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا۔
پھر شہریار نے آہستہ سے سر اٹھایا۔
سیف کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔
تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ سیف نے نرمی سے پوچھا۔
اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔
سیف اب بھی اُسے دیکھ رہا تھا۔
کوئی اور بات ہے تو وہ بھی پوچھ سکتے ہو۔

نہیں۔ شہریار آہستہ سے بولا۔
تو پھر چلیں کلاس میں؟
شہریار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔
دونوں اپنی نشستوں سے اٹھے اور آہستہ قدموں سے کیفے کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔
کلاس میں پروفیسر لیکچر دے رہے تھے۔ وہ وائٹ بورڈ پر کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔
سیف اور شہریار دروازے تک پہنچے۔
پروفیسر نے ان کی موجودگی محسوس کی تو مڑ کر اُنہیں دیکھا، پھر خاموشی سے اندر آنے کا اشارہ کر دیا۔
دونوں اندر داخل ہو گئے۔ کلاس مکمل خاموشی کے ساتھ نوٹس لکھنے میں مصروف تھی۔
میرال کے ہاتھ اچانک رک گئے۔ اس کی نظریں فوراً دروازے کی طرف اٹھیں۔
سیف اپنی جگہ پر جا بیٹھ گیا جبکہ شہریار نے اپنا سامان اٹھایا اور آکر سیف کے ساتھ بیٹھ گیا۔
ان دونوں کے چہروں پر اب ہلکی سی اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔ ان کے درمیان کی غلط فہمیاں ختم ہو گئی تھی۔
میرال یہ منظر پیچھے بیٹھی دیکھ رہی تھی اور اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اندر کوئی چیز جلنے لگی ہو۔
وہ خاموشی سے ان دونوں کو دیکھتی رہی۔ دل میں عجیب سا غصہ، خفگی اور بے بسی ایک ساتھ جمع ہونے لگے تھے۔

✦ ✦ ✦

کمرے کی فضا میں ایک پرسکون خاموشی تھی، ایسی خاموشی جس میں اپنے پن کی نرمی بسی ہوتی ہے۔
مومنہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کی سکرین پر وقت دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔
پھر وہ اپنے ہاتھ میں پہنی بریسلٹ کی سنیپ بنانے لگی۔
سیف خاموشی سے مومنہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔
میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟
سیف نے آہستہ سے کہا۔
مومنہ نے موبائل سے نظریں اٹھا کر اُسے دیکھا۔
آپ یہ ہر وقت سنیپس کیوں بناتی رہتی ہیں؟

مومنہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
مجھے اچھا لگتا ہے۔
اس نے سادہ سا جواب دیا۔ اس کے گالوں پر ہلکی سی سرخی ابھر آئی تھی۔
ویسے اس میں کوئی اچھا لگنے والی چیز نہیں ہے۔ صفا بھی ہر وقت یہی کرتی رہتی ہے۔ سیف نے سنجیدگی سے کہا۔
مومنہ نے فوراً آنکھیں گھمائیں۔
آپ نے کبھی سنیپ لگائی نہیں نا — اِس لیے آپ کو سمجھ نہیں آئے گی۔
مومنہ کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی۔
سیف اُسے دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیا۔
کیا ہوا؟
مومنہ نے اس کی مسکراہٹ نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔
کچھ نہیں۔۔۔
سیف نے مختصر جواب دیا۔
کمرے میں پھر چند لمحوں کی خاموشی اُتر آئی۔
سیف۔۔۔
مومنہ نے جیسے اچانک کچھ یاد آنے پر اس کا نام لیا۔
سیف خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔
کچھ دیر پہلے اماں کا فون آیا تھا۔ وہ دھیرے سے بولی۔
اماں کہہ رہی تھیں کہ خالہ لوگ واپس جا رہے ہیں، تو وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔
کیا میں کل گھر چلی جاؤں؟ مومنہ نے معصومیت سے پوچھا۔
سب کو یہاں انوائٹ کر لیں۔
سیف نے مشورہ دیا۔
میں نے اماں سے یہی کہا تھا لیکن وہ کہہ رہی تھیں کہ تم خود آجاؤ۔
مومنہ نے فوراً جواب دیا۔

ٹھیک ہے، میں چھوڑ آؤں گا۔
مومنہ کے چہرے پر فوراً گہری مسکراہٹ آگئی۔
کیا میں وہاں رک بھی جاؤں؟
کتنے دن کے لیے؟
دو یا تین دن۔
سیف نے فوراً اُسے دیکھا۔
ان دو، تین، میں کیا کروں گا؟
اب کی بار مومنہ کی آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔
سیف۔۔۔
مومنہ نے نرمی سے اس کا نام لیا۔
سیف کے ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ آگئی۔
آپ اتنے پیار سے میرا نام نہ لیا کریں۔
مومنہ بے اختیار چونکی۔
کیوں؟
کیونکہ میری دھڑکنیں رکنے لگتی ہیں۔
سیف۔۔۔
مومنہ نے بڑی بڑی آنکھیں کرتے ہوئے دوبارہ سے اس کا نام لیا۔
آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔
سیف نے فوراً سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔
کمرے میں دونوں کی ہنسی ایک ساتھ گونجی۔
سیف، آپ نے مجھے کہا تھا کہ آپ چھ سال کی عمر سے مجھ سے محبت کرتے ہیں۔
مومنہ نے پیچھے سے تکیہ اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور اس پر کہنی ٹکا کر چہرہ ہاتھ پر رکھ لیا۔
سیف نے فوراً بھنویں اُچکائیں۔

میں نے کب کہا؟
مومنہ نے فوراً اُسے گھورا۔
جس دن ہم ڈیرے پر گئے تھے، اس دن درخت کے نیچے آپ نے خود کہا تھا۔
میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا۔
میں نے یہ کہا تھا کہ میں نے آپ کو پہلی بار چھ سال کی عمر میں دیکھا تھا اور تب سے آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔
اس کی آواز میں عجیب سی نرمی اتر آئی تھی۔
پھر یہ پسند آہستہ آہستہ محبت میں بدل گئی۔
سیف کی نظریں مومنہ کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔
اور مجھے خود بھی کبھی معلوم نہیں ہو سکا کہ میں کب آپ کی محبت میں گرفتار ہو گیا، کب آپ کا نام میری سانسوں میں شامل ہو گیا۔
مومنہ خاموشی سے سیف کو دیکھتی رہی۔ اس نے آہستہ سے منہ بنا لیا۔
سیف کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔
اب میں ایک سوال کروں؟ سیف نے پوچھا۔
مومنہ نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔
اب چونکہ آپ بھی مجھے پسند کرتی ہیں—
سیف نے جان بوجھ کر الفاظ کھینچے۔
تو یہ بتائیں کہ آپ کب سے مجھے پسند کرتی ہیں؟
مومنہ چند لمحے سوچنے لگی۔
ہمممم۔۔۔
اس نے لمبی آواز نکالی۔
جب صفا مجھے آ کر بتاتی تھی کہ وہ بھائی سے پیسے لے کر آئی ہے یا یہ کہ بھائی نے اُسے گاڑی چلانا سکھائی— بھائی نے اُسے گھڑسواری سکھائی—
مومنہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

مطلب – جب بھی وہ مجھے آپ کے بارے میں بتاتی تھی نا، تو میں سوچتی تھی – کاش میرا بھی صفا کے بھائی جیسا کوئی بھائی ہوتا۔

لا حول ولا قوۃ –

سیف نے فوراً اونچی آواز میں کہا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد مومنہ بے اختیار ہنس پڑی۔

وہ ہنستے ہوئے اپنا چہرہ تکیے میں چھپا گئی۔

سیف خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

مومنہ نے ہنسی کے درمیان سر اٹھا کر اُسے دیکھا اور پھر دوبارہ ہنسنے لگی۔

کیا ہوا؟ آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟ سیف نے نرمی سے پوچھا۔

مگر مومنہ کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

سیف نے مصنوعی ناراضی سے کمبل اپنی طرف کھینچا۔

ٹھیک ہے، میں سونے لگا ہوں۔

وہ لیٹتے ہوئے بولا۔

اچھا سوری۔۔۔

مومنہ نے بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

سیف دوبارہ اُسے دیکھنے لگا۔

مومنہ کی خوشی دیکھ کر اس کا اپنا دل بھی عجیب سی راحت محسوس کر رہا تھا۔

مومنہ نے گہرا سانس لیا اور اپنی ہنسی قابو کرنے کی کوشش کی۔ وہ سنجیدہ ہوئی یا کم از کم سنجیدہ ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

تو پھر –

وہ دھیرے سے بولی۔

آپ مجھے بہت اچھے لگنے لگے۔

اس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔

صفا ہمیشہ آپ کے بارے میں باتیں کرتی رہتی تھی اور میں آپ کے بارے میں سوچتی رہتی تھی۔
سیف خاموشی سے اُسے سنتا رہا۔
کمرے میں دونوں کی باتوں اور ہلکی ہنسی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔
مریم اپنے کمرے میں بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ کمرے میں نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔
زویا اُس کے برابر میں گہری نیند سو رہی تھی۔
مگر مریم وہ کمرے میں ہوتے ہوئے بھی وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا — جہاں صرف یادیں تھیں۔
اگلی صبح —
کچن میں چائے کی ہلکی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔
خدیجہ بیگم کرسی پر بیٹھی تھیں جبکہ صفا ان کے لیے چائے بنا رہی تھی۔
اسی وقت مومنہ اندر داخل ہوئی۔ وہ آکر خدیجہ بیگم کے ساتھ بیٹھ گئی۔
دادی۔۔۔
میں ایک دو دن کے لیے گھر چلی جاؤں؟اس نے اجازت مانگی۔
چلی جائیتر۔
خدیجہ بیگم نےپیار سے کہا۔
صفا چائے کا کپ خدیجہ بیگم کے سامنے رکھ چکی تھی۔
کب جانا ہے؟ صفا نے پوچھا۔
ابھی تھوڑی دیر میں، سیف کے ساتھ چلی جاؤں گی۔
جلدی واپس آجانا۔ صفا نے فوراً مومنہ سے کہا۔
مومنہ نے اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔
آجاؤں گی جلدی۔
صفا کے ہونٹوں پر بھی گہری مسکراہٹ آگئی۔
اب صفا دوائیاں اور پانی لے آئی۔

خدیجہ بیگم نے فوراً مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا۔
میں نہیں کھانی۔
دادی، ڈاکٹر نے دی ہیں، کھانی تو پڑیں گی۔
ڈاکٹر تے پاگل اے۔
خدیجہ بیگم بڑبڑائیں۔
مومنہ اور صفا دونوں ہنس پڑیں۔
دادی، چپ کر کے کھا لیں۔
صفا نے محبت بھرے حکم کے انداز میں کہا۔
خدیجہ بیگم نے منہ بنایا، ایک ہاتھ میں دوا لی اور دوسرے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑ لیا، پھر بمشکل دوا نگلی۔
خوش۔۔۔؟
خدیجہ بیگم نے بچوں کی طرح کہا۔
صفا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔
مومنہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ کچن میں اب صرف صفا اور خدیجہ بیگم رہ گئی تھیں۔
دادی، مریم اپنے شوہر کی تصویر دیکھ کر بے ہوش ہوئی تھی۔
صفا آہستہ سے بولی۔
خدیجہ بیگم نے فوراً چونک کر اُسے دیکھا۔
کی مطلب؟
اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے۔
خدیجہ بیگم کے ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ ذرا سا کانپا۔ ان کے چہرے پر دکھ ابھر آیا۔
مریم کے شوہر نے اپنی بڑی بیٹی فراح کو بیچ دیا تھا اور اب وہ زویا کو بھی بیچنے والا تھا۔
یہ جملہ سنتے ہی خدیجہ بیگم کی سانس جیسے حلق میں اٹک گئی۔
مریم زویا کو لے کر گھر سے بھاگ گئی تھی۔
پتہ نہیں بچاری اُتے کی کی گزری اے۔

خدیجہ بیگم نے سرگوشی میں کہا۔
یہ سب سوچ کر دل کانپ جاتا ہے۔ صفا نے کہا۔
خدیجہ بیگم کی آنکھوں میں دکھ کی نمی اتر آئی۔
کمرے میں مومنہ الماری کے سامنے کھڑی کپڑے نکال رہی تھی۔
کپڑوں کے ڈھیر بیڈ پر لگنے لگے تھے۔ سیف صوفے پر بیٹھا فائل دیکھ رہا تھا۔
سیف، آپ کے لیے کون سا سوٹ نکالوں؟
مومنہ نے سر موڑ کر پوچھا۔
آپ اپنی مرضی کا نکال دیں۔
سیف نے نظر اٹھائے بغیر جواب دیا۔
مومنہ نے سیف کے لیے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھ دیے۔ پھر اپنے لیے ایک نہیں، دو نہیں بلکہ پانچ سوٹ الگ کر لیے۔
سیف نے ہلکی سی نظر اٹھا کر اُسے دیکھا۔
آپ کتنے دن کے لیے جا رہی ہیں؟
کم از کم دو دن تو رہوں گی، نہیں تو تین دن۔۔۔
مومنہ نے سادہ سا جواب دیا۔
دو دن کے لیے اتنے کپڑے؟
سیف نے بھنویں اٹھائیں۔
مومنہ نے کندھے اچکائے۔
اگر دل کیا تو زیادہ دن بھی رک جاؤں گی۔
سیف کا چہرہ فوراً سنجیدہ ہو گیا۔ وہ خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔
مومنہ نے اُس کے چہرے کو پڑھ لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مومنہ نہ جائے۔
ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ نرم پڑ گئی۔
اچھا، دو دن سے زیادہ نہیں رہوں گی۔

اس نے معصومیت سے کہا۔
سیف نے اب کی بار بھی کوئی ردِعمل نہیں دیا۔
مومنہ نے ہلکی سی سانس لی۔
سیف اور کم نہیں کر سکتی میں۔
یہ کہہ کر وہ دوبارہ کپڑوں میں مصروف ہو گئی۔
سیف نے بھی خاموشی سے فائل کی طرف نظریں پھیر لیں۔
کچھ دیر بعد دونوں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلے۔ سامنے کچن میں سے مریم اور زویا آ رہی تھیں۔
کہاں جا رہے ہیں؟
مریم نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔
گھر جا رہی ہوں۔ مومنہ نے جواب دیا۔
مومنہ، مریم اور زویا سے ملی اور پھر خدیجہ بیگم اور صفا سے ملنے چلی گئی۔
مریم۔۔۔
جی بھائی۔۔۔
مریم نے نرمی سے جواب دیا۔
میں نے کل زویا کے متعلق بات کی تھی۔ تم نے جواب نہیں دیا تھا۔
بھائی آپ کو جیسے ٹھیک لگے۔۔۔
مریم نے ہلکی سی نظریں جھکا کر کہا۔
زویا پر مجھ سے زیادہ تمہارا حق ہے۔ اس لیے تم سے اجازت لینا ضروری ہے۔
سیف نے بات کے دوران ہی زویا کو دیکھتے ہوئے کہا۔
مریم نے بھی زویا کو دیکھا۔
مومنہ کمرے سے باہر آ گئی۔
سیف اس کو دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ مومنہ کے قریب پہنچا۔
مومنہ نے ہوا میں ہاتھ بلند کر کے الوداع کیا۔ جواب میں زویا اور مریم نے بھی ہاتھ ہلایا۔

سیف اور مومنہ مسکراہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

✦ ✦ ✦

مؤذن کی پُرسکون آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا صحن میں آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔

سیف باہر سے اندر آیا۔

دروازے سے گزرتے ہوئے اس کی نظر کچن کے سامنے بنی سیڑھیوں پر بیٹھی زویا پر پڑی۔ وہ خاموشی سے اپنی ڈرائنگ بک میں کلرز بھرنے میں مصروف تھی۔

چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں رنگ بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر پوری توجہ کے آثار تھے۔

سیف آہستہ سے اس کے پاس جا کر سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

زویا نے سر اٹھا کر سیف کو دیکھا۔

سیف نے جیب سے چاکلیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

زویا کے چہرے پر فوراً مسکراہٹ آگئی۔ اس نے چاکلیٹ تھام لی۔

سیف ہلکا سا مسکرایا۔

مما کہاں ہیں، آپ کی؟

سیف نے نرمی سے پوچھا۔

کمرے میں۔ زویا نے جواب دیا۔

چلو، آپ بھی اندر چلی جاؤ۔ باہر سردی ہے۔

زویا نے فوراً اپنی ڈرائنگ بک اور کلرز سمیٹے، پھر ننھے قدموں سے صفا کے کمرے کی طرف چل دی۔

سیف بھی اٹھا اور کچن کی جانب بڑھ گیا۔

زویا اندر داخل ہوئی۔

صفا بیڈ پر بیٹھی موبائل استعمال کر رہی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر زویا کو دیکھا اور پاس آنے کا اشارہ کیا۔

خدیجہ بیگم ایک طرف سکون سے سو رہی تھیں۔

آپی، آپ کارٹون دیکھ رہی ہیں؟

زویا نے بیڈ پر اپنی چیزیں رکھتے ہوئے کہا۔

نہیں، میں کارٹون نہیں دیکھتی۔
کیوں؟
زویا نے فوراً معصومیت سے سوال کیا۔ اب وہ دونوں بالکل ساتھ ساتھ بیٹھی تھیں۔
کیونکہ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔ صفا نے نرمی سے کہا۔
جب میں آپ جتنی چھوٹی تھی، تب دیکھتی تھی۔
پھر میں کارٹون دیکھ لوں؟
زویا نے اجازت مانگی۔
کون سے۔۔۔؟
صفا نے اس سے پوچھا۔
زویا کے چہرے پر فوراً چمک آئی۔
تین بھالوؤں والے۔
سکوبی ڈو والے کارٹون دیکھیں۔۔۔؟
صفا نے مسکراتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔
وہ کون سے ہیں؟
ان کارٹون میں ایک ڈوگی ہوتا ہے۔
زویا کی آنکھیں پھیل گئیں۔
ڈوگی والے کارٹون؟
ہاں، ڈوگی والے۔ صفا نے سر ہلایا۔
آپی، مجھے کارٹون لگا دو۔
صفا نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
نہیں، پہلے ہم دونوں مل کر نماز پڑھیں گے، پھر میں آپ کو کارٹون لگا دوں گی۔ ٹھیک ہے؟
زویا نے فوراً ہاں میں سر ہلا دیا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھی۔
صفا اُسے ساتھ لے کر واش روم میں گئی۔ وہ آہستہ آہستہ اُسے وضو کرنا سکھانے لگی۔

زویا پوری توجہ سے ویسے ہی کرتی جاتی۔
صفا نے خود بھی وضو کیا، پھر باہر آکر اس نے ایک چھوٹا سا دوپٹہ زویا کے سر پر رکھ دیا۔
زویا نے معصومیت سے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا۔
صفا نے جائے نماز بچھائی۔
اللہ اکبر کہتے ہوئے نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔
زویا خاموشی سے اس دیکھ رہی تھی، جیسے جیسے صفا نماز کے ارکان ادا کرتی، زویا بھی اُسے دیکھ دیکھ کر ویسا ہی کرنے لگتی۔ اس کے ننھے ننھے انداز میں ایک عجیب سی معصوم خوبصورتی تھی۔
مریم کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے قدم دروازے پر ہی رک گئے۔ وہ خاموشی سے صفا اور زویا کو دیکھنے لگی۔
زویا کی پوری توجہ صفا پر تھی۔ اس نے مریم کو دیکھا نہیں تھا۔
مریم چند لمحوں تک وہیں کھڑی اُن دونوں کو دیکھتی رہی — پھر خاموشی سے پلٹی اور واپس اپنے کمرے میں آگئی۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ آہستہ سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔
اس کی نظریں خلا میں گم تھیں۔
میں نے آخری بار نماز کب پڑھی تھی۔۔۔؟
یہ سوال اچانک اس کے ذہن میں ابھرا۔
پھر اُسے اماں یاد آئیں — ایک دم بہت شدت سے۔۔۔
میں نماز نہیں پڑھتی تھی تو اماں مجھ پر غصہ کرتی تھیں۔
مریم کے ہونٹ کپکپائے۔
آخری بار بھی، میں نے اماں کے گھر ہی نماز پڑھی تھی۔
مریم کو جیسے یاد آگیا تھا۔ اس کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔
آج اماں میرے پاس ہوتیں۔
وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی —
تو مجھ پر غصہ کرتیں، کہتیں تو خود نماز نہیں پڑھتی، زویا کو کیا نماز سکھائے گی؟
آخر جملے پر وہ ہلکا سا مسکرائی۔

پھر اچانک اٹھ کھڑی ہوئی۔ آہستہ قدموں سے واش روم کی طرف گئی۔ کچھ لمحوں بعد واپس آئی تو اُس کے چہرے اور بازوؤں پر پانی کے قطرے تھے۔ وہ وضو کر کے آئی تھی۔

اُس نے الماری کھولی، اندر سے جائے نماز نکالی اور خاموشی سے زمین پر بچھا دی۔

دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے اس پر کھڑی ہو گئی۔

اس کے ہاتھ کانوں تک گئے اور ہونٹ آہستہ سے ہلے۔

اللہ اکبر۔

اللہ اکبر کے بعد مریم کے لب ٹھہر گئے اور پھر اگلے ہی لمحے اس کے آنسو بے قابو ہو کر بہنے لگے۔ اس کے ہونٹ بری طرح کپکپاتے لگے۔

مریم کا جسم لرزنے لگا۔ وہ بے اختیار سجدے میں گر گئی۔ اس کے آنسو جائے نماز کو بھگونے لگے۔

یا اللہ۔ یا اللہ۔

وہ ٹوٹتی ہوئی آواز میں اپنے رب کو پکارنے لگی۔ اس کی آواز میں درد تھا۔

یا اللہ مجھے معاف کر دے۔ اللہ مجھے معاف کر دے۔

وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اللہ میں نماز بھول گئی۔ وہ واقعی نماز بھول گئی تھی۔ اللہ اکبر کے بعد اُسے یاد نہیں رہا تھا کہ آگے کیا پڑھنا ہے۔ کیا کوئی واقعی نماز بھی بھول سکتا ہے؟

مریم کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ اس کا دل خوف سے بھر رہا تھا۔

میں کیسے بھول گئی۔۔۔؟

اس نے ٹوٹی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

میں کیسے بھول گئی۔۔۔؟

اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا سانس بند ہو جائے گا۔

یا اللہ۔ یا اللہ۔

وہ اونچی آواز میں روتی ہوئی پکار رہی تھی۔ اس کا دل خوف سے کانپ رہا تھا۔

االلہ مجھے معاف کر دے، اللہ مجھے معاف کر دے۔

وہ گڑگڑا رہی تھی۔ پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔
دوسری طرف صفا نے دعا کے لیے اٹھے ہاتھ چہرے پر پھیرے اور جائے نماز ایک طرف رکھ دی۔
زویا پہلے ہی بیڈ پر جا کر بیٹھ چکی تھی۔
میں اب کارٹون دیکھ لوں؟
اس نے معصومیت سے صفا کا موبائل پکڑتے ہوئے پوچھا۔
صفا ہلکا سا مسکرائی۔
لاؤ، میں لگا دیتی ہوں۔
زویا نے فوراً موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔
صفا اس کے ساتھ بیٹھ کر کارٹون لگانے لگی۔
صفا۔۔۔
باہر سے سیف کی آواز آئی۔
صفا نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس نے موبائل زویا کے ہاتھ میں دیا۔
صفا۔۔۔
آواز دوبارہ سے دی گئی۔
وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔
سیف مریم کے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔
جی بھائی؟
صفا نے کہا۔ وہ آہستہ سے سیف کے قریب آ گئی۔
شاید مریم رو رہی ہے۔ اُسے دیکھو۔ سیف نے دھیرے سے کہا۔
صفا کا دل بے اختیار دھڑکا۔
دونوں فوراً کمرے کے اندر داخل ہوئے۔
مریم سجدے میں گری ہوئی بری طرح رو رہی تھی۔ اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔
صفا اور سیف فوراً گھٹنوں کے بل اُس کے قریب بیٹھ گئے۔

مریم۔۔۔
صفا نے آہستہ سے اُسے سہارا دے کر اٹھایا۔
مریم کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ ہونٹ کانپ رہے تھے۔
میں بھول گئی۔۔۔
اس نے صفا کو دیکھتے ہوئے کہا۔
میں نماز بھول گئی۔
میں نماز نہیں پڑھتی تھی۔
اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
میں نماز بھول گئی۔
صفا کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ سیف کے چہرے پر درد تھا۔
صفا نے مریم کو اپنے سینے سے لگا لیا۔
ہم دوبارہ یاد کر لیں گے۔
میں آپ کو دوبارہ یاد کروا دوں گی۔
مریم مسلسل روئے جا رہی تھی۔
اماں کہتی تھیں — نماز نہیں پڑھو گی تو اللہ ناراض ہو جائے گا۔
اس کے لفظ ٹوٹ رہے تھے۔
وہ ناراض ہو گیا۔
اس نے خوف سے بھری آواز میں کہا۔
اللہ مجھ سے ناراض ہو گیا۔
وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔
مریم کی آنکھیں پانی سے چمک رہی تھیں۔
وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔
وہ معاف کر دے گا۔ سیف نے آہستہ سے کہا۔

مریم نے فوراً سیف کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔
نہیں، وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔
نہیں—
سیف کی آواز نرم، مگر یقین سے بھری تھی۔
وہ ہر کسی کو معاف کر دیتا ہے۔
مریم کے رونے میں شدت سے اضافہ ہوا۔
میں نے اللہ کو ناراض کر دیا۔
اس نے بے بسی سے کہا۔
وہ مجھ سے ناراض ہو گیا۔
مریم جملہ بار بار دہرا رہی تھی۔
مریم۔۔۔
صفا نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیا۔
اللہ معاف کر دے گا۔
مریم کی بھیگی ہوئی نظریں صفا کی آنکھوں میں جا ٹھہریں۔صفا کی آنکھیں جھوٹ نہیں بول رہی تھیں۔
کیا۔۔۔ وہ مجھے معاف کر دے گا۔۔۔؟
مریم نے ٹوٹتی آواز میں پوچھا۔
ہاں۔۔۔
صفا نے فوراً کہا۔
وہ معاف کرنے والا ہے۔ وہ رحم کرنے والا ہے۔
اگر اللہ نے مجھے معاف نہ کیا تو۔۔۔؟
مریم کی آواز پھر لرز گئی۔
نہیں۔۔۔
صفا نے نرمی سے اُس کے آنسو صاف کیے۔

اللہ اپنے بندوں سے ناراض نہیں رہتا۔
تم اس کے آگے جھک جاؤ تو وہ تمہیں معاف کر دے گا۔ وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔
مریم دوبارہ بے اختیار صفا کے سینے سے لگ گئی۔
وہ پھر دیر تک روتی رہی۔
صفا اور سیف دونوں اس کے پاس بیٹھے رہے۔ اُسے تسلی دیتے رہے۔ کبھی کبھی انسان کو لفظوں سے زیادہ صرف کسی کے ساتھ کی ضرورت ہوتی ہے۔

✦ ✦ ✦

کچن کا دروازہ بند تھا۔ اندر ہلکی سی گرمائش پھیلی ہوئی تھی۔ باہر سردی بڑھ چکی تھی، مگر کچن کی فضا نسبتاً پرسکون اور نرم تھی۔
سب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ مریم گم سم سی بیٹھی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نوالے توڑ رہی تھی۔
مریم۔۔۔
سیف نے نرمی سے اس کا نام لیا۔
مریم نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔
سیف دھیرے سے بولنے لگا۔
ہم جب چھوٹے تھے نا تو ابو روزانہ مجھے اور صفا کو فجر کی نماز کے بعد مسجد چھوڑ کر آتے تھے۔
سب کی نظریں بے اختیار سیف کی طرف اٹھ گئیں۔
صفا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ بچپن کی دھندلی یادیں اس کے ذہن میں جاگنے لگی تھیں۔
میں امام صاحب کے پاس قرآن پڑھتا تھا اور صفا اُن کی بیوی کے پاس۔
سیف کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔
اور ابو۔۔۔
سیف ہلکا سا مسکرایا۔
ابو خود بھی کچھ فاصلے پر بیٹھ جاتے تھے۔ وہ قران پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھار تو امام صاحب کو سنانے لگ جاتے۔
اور امام صاحب بھی ایسے ہی کرتے تھے۔ امام صاحب کے دوست آجاتے تو وہ ایک دوسرے کو قرآن سناتے۔

سیف لمحے کے لیے رکا۔
میں اُنہیں دیکھ کر ہمیشہ سوچتا تھا کہ آخر اتنے بڑے ہو کر بھی وہ ایک دوسرے کو قرآن کیوں سناتے ہیں۔
وہ دھیرے سے ہنسا۔
مگر وہ سب کبھی اس بات میں جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔
مریم خاموشی سے سیف کی بات سن رہی تھی۔
صفا، زویا کو کھانا کھلاتے ہوئے سیف پر نظر ڈال لیتی۔ خدیجہ بیگم بھی کھانا کھاتے ہوئے اس کو سن رہی تھی۔
ہم دونوں نے دو بار قرآن ختم کیا، پھر مسجد جانا چھوڑ دیا۔
ہم بڑے ہوتے گئے۔ کبھی نماز پڑھ لی، کبھی قرآن کھول لیا۔ سیف نے نظر جھکا لی۔
پھر آہستہ آہستہ میں نے وہ بھی چھوڑ دیا۔
کچن میں خاموشی گہری ہونے لگی۔
ابو مجھے نماز کا کہتے تو میں بہانے سے باہر نکل جاتا۔ قرآن پڑھنے کا کہتے تو ایک دو صفحے پڑھ لیتا۔
اور میں جب بھی قرآن پڑھتا تو ہمیشہ شروع والے ہی صفحے پڑھتا تھا۔
سیف بھی ہلکا سا مسکرایا۔
صفا دادی کے ساتھ نماز بھی پڑھتی رہتی تھی اور قرآن بھی۔
سیف نے صفا کو دیکھا۔
ایک دن ابو نے مجھے پکڑ لیا۔
انہوں نے کہا — چلو، میرے سامنے بیٹھ کر قرآن پڑھو۔
سیف کی نظریں میز پر ٹک گئیں، جیسے وہ اس لمحے میں واپس چلا گیا ہو۔
میں نے پڑھنا شروع کیا — جیسے جیسے صفحے آگے بڑھتے گئے — میری غلطیاں بڑھتی گئی۔
ابو میری ہر غلطی درست کرواتے جا رہے تھے اور اُنہیں مجھ پر غصہ بھی آ رہا تھا۔
مریم خاموشی سے اُس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔
اُنہیں دیکھ کر میرے دل میں خوف بیٹھ رہا تھا۔ کافی دیر بعد انہوں نے کہا — بس کرو۔
میں نے قرآن بند کیا اور بڑی احتیاط سے الماری میں رکھا۔

پھر میں باہر نکلنے لگا تو ابو نے مجھے واپس بلا لیا۔
اس وقت میری دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ میرے ہاتھ تک کانپنے لگے تھے۔
ابو نے کہا — اب مجھے نماز سناؤ۔
مریم کی نظریں بے اختیار جھک گئیں۔
میں نے نماز سنانی شروع کی —
اور نماز میں بھی میری غلطی نکلی۔
سیف ہلکا سا رکا۔
ابو نے پہلی ہی غلطی پر ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا۔
مریم نے بے اختیار نظریں اٹھا کر سیف کو دیکھا۔ اس کے دل میں ہلکا سا درد اٹھا تھا۔ میری کی آنکھوں سے فوراً آنسو نکل آئے۔
سیف کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں پرانی خوبصورت یاد باقی تھی۔
وہ مجھ پر بہت غصہ ہوئے تھے۔
دادی ابو کی بلند آواز پر بھاگتی ہوئی اندر آئیں، مگر ابو اتنے غصہ میں تھے کہ دادی کی بھی نہیں سن رہے تھے۔
خدیجہ بیگم نے بے اختیار مسکرائی۔
دادی نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔
سیف خدیجہ بیگم کو دیکھا۔
تھپڑ کھانے کے بعد مجھے دو دن بخار رہا اور ابو نے مجھ سے بات تک نہیں کی تھی۔
سیف لمحے کے لیے خاموش ہوا۔
پھر اس نے مریم کو دیکھا۔
اس دن مجھے سمجھ آیا کہ ابو قرآن امام صاحب کو کیوں سناتے تھے اور امام صاحب اپنے دوستوں کو۔
انسان بھول جاتا ہے، مگر اللہ کی باتیں بھولنے نہیں دینی چاہییں۔
سیف دھیرے سے کہہ رہا تھا۔
مریم کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

میں دوبارہ سے مسجد جانے لگا۔ میں نے دوبارہ نماز یاد کی اور دوبارہ قرآن پڑھنا شروع کیا۔
دو دن کے بعد، میں ڈرتے ڈرتے ابو کے پاس گیا۔ وہ صحن میں بیٹھے تھے۔
میں خاموشی سے ان کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔
ابو نے ایک نظر مجھے دیکھا، پھر اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔
میں آہستہ سے ان کے پاس بیٹھ گیا۔
انہوں نے نرمی سے مجھے اپنے ساتھ لگایا۔ مجھے راحت سی محسوس ہوئی۔
دیکھو سیف۔
ابو نرم لہجے میں بولے۔
تم نماز اور قرآن نہیں پڑھتے تھے، اسی لیے تم سے غلطیاں ہونے لگیں۔
میں خاموشی سے ان کی بات سننے لگا۔
ابھی صرف غلطیاں نکلی ہے، آہستہ آہستہ تم اس کو بھول جاؤ گے۔
میرے ہاتھ بے اختیار آپس میں جڑ گئے۔
میں تم سے ناراض ہوا اور میری ناراضگی تم برداشت نہیں کر سکے۔
ابو نے میری طرف دیکھا۔
تو پھر تم اللہ کی ناراضگی کیسے برداشت کرو گے؟
اس لمحے میرے دل میں عجیب سا خوف اتر آیا تھا۔
سیف خاموش ہوا تو کچن میں مکمل خاموشی چھا گئی۔
سیف نے دوبارہ دھیرے سے بولنا شروع کیا۔
پھر ابو نے مجھ سے کہا۔
ہم سب انسان ہیں۔ ہم سب سے غلطیاں ہوتی ہیں اور اللہ غلطیاں معاف کر دیتا ہے۔
مگر ضروری یہ نہیں کہ ہم نے کتنی غلطیاں کیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ ہمیں اپنی غلطیوں سے سیکھنا چاہیے۔
مریم کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔
اور ہم ان غلطیوں سے سیکھ کر خود کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں یا نہیں۔

مریم کے دل میں چھپا خوف جیسے آہستہ آہستہ نرم پڑنے لگا تھا۔
میں نے مسجد کے امام صاحب سے بات کی تھی۔ ان کی بیوی روزانہ گھر آجایا کرے گی۔ تم ان سے سب کچھ دوبارہ سے سیکھ سکتی ہو۔
مریم کو شدت سے رونا آرہا تھا، مگر اس نے خود کو بمشکل سنبھال رکھا تھا۔
سیف نے نرمی سے مریم کی طرف دیکھا۔
اب تمہارے پاس بھی اپنی غلطیوں کو ٹھیک کرنے کا موقع ہے۔
مریم نے نم آنکھوں کے ساتھ ہلکی سی مسکراہٹ دی۔
اور زویا بھی ساتھ میں پڑھا کرے گی۔
سیف نے زویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
زویا نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ خدیجہ بیگم نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

✦ ✦ ✦

مومنہ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے بالکل سامنے والے صوفے پر منہا اور خالہ فاطمہ بیٹھی تھیں۔
حرا آپی کو کیا ہوا ہے؟ مومنہ نے خالہ سے پوچھا۔
وہ اتنی بجھی بجھی کیوں لگ رہی ہیں؟
خالہ فاطمہ نے کچن پر نظر ڈالی اور پھر دوبارہ سے مومنہ کو دیکھا۔
تمہاری پھوپھو کی وجہ سے۔۔۔
مومنہ کے ماتھے پر فوراً شکن ابھری۔
کیوں؟ کیا ہوا؟
جب تم نے مریم کے بارے میں بتا رہی تھی، تب تمہاری پھوپھو اور حرا بھی پاس بیٹھی تھیں۔
مومنہ خاموشی سے سن رہی تھی۔
کال ختم ہونے کے بعد اسماء نے مریم کی خوش خبری کے بارے میں خوشی سے سب کو بتایا۔
تو تمہاری پھوپھو نے حرا سے کہا کہ وہ کب خوشخبری سنا رہی ہے۔
مومنہ کے چہرے پر ناگواری واضح ہو گئی۔

پھوپھو کی زبان کبھی بند نہیں رہتی۔۔۔
وہ تلخی سے بولی۔
اسی لمحے کمرے سے نکلتی ہوئی پھوپھو نے اس کی بات سن لی۔
اب میں نے کیا کر دیا؟ پھوپھو نے فوراً پوچھا۔
مومنہ نے غصے بھری نظروں سے اُنہیں دیکھا اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔
پھوپھو حیرت سے اسے جاتا دیکھتی رہیں۔
اِسے کیا ہوا ہے؟ پھوپھو نے خالہ فاطمہ سے پوچھا۔
خالہ فاطمہ نے کندھے اچکائے۔
پتا نہیں، آپ خود ہی پوچھ لیجیے گا۔
وہ اور منہا بھی وہاں سے اٹھ گئیں۔
پھوپھو کے دل میں مومنہ کے لیے چبھن سی ابھرنے لگی۔
کچھ دیر بعد سب کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ فضا بظاہر پرسکون تھی، مگر اندر ہی اندر تناؤ موجود تھا۔
ہمدان، کھانے کے بعد مجھے گھر چھوڑ آنا۔ پھوپھو نے ہمدان صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔
سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔
یہاں اب میری موجودگی سب کو کھٹکنے لگی ہے۔
ان کے لہجے میں شکوہ تھا۔
آپا، آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ ہمدان صاحب نے نرمی سے کہا۔
ایسا ہی ہے۔ تم بس مجھے گھر چھوڑ آنا۔ وہ فوراً بولیں۔
مومنہ نے چمچ پلیٹ میں رکھا۔
اس کی آنکھوں میں دبا ہوا غصہ صاف نظر آ رہا تھا۔
پھوپھو، آپ ایسا کرتی ہی کیوں ہیں کہ سب کی نظروں میں کھٹکنے لگے؟
مومنہ کی آواز میں دباؤ تھا۔
سب کے ہاتھ وہیں رک گئے۔

اسماء نے فوراً مومنہ کو دیکھا۔

مومنہ۔۔۔

انہوں نے تنبیہی انداز میں اس کا نام لیا۔

مگر مومنہ خاموش نہ ہوئی۔

میں نے ایسا کیا کر دیا؟ پھوپھو نے معصوم بننے کی کوشش کی۔

آپ نے حرا آپی کو اولاد کا طعنہ کیوں دیا؟

مومنہ کے سوال پر سب کی نظریں بے اختیار حرا کی طرف اٹھ گئیں۔

حرا کا چہرہ جھک گیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

میں نے تو بس پوچھا تھا۔ پھوپھو نے فوراً صفائی دی۔

آپ نے کیوں پوچھا؟ وہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ کو یہ بات چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

پھوپھو کے چہرے پر ناگواری ابھر آئی۔

شادی کو کافی عرصہ ہو گیا ہے تو میں نے بس ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔

وہ ایسے بول رہی تھیں جیسے ان سے زیادہ حرا کا خیر خواہ کوئی نہ ہو۔

پھوپھو، اولاد اللہ نے دینی ہوتی ہے۔ اس کی آواز میں سختی تھی۔

اگر ان کے نصیب میں ہوئی تو آپ کی طرح دس سال بعد بھی ہو جائے گی۔

مومنہ س نے نادیہ کی طرف دیکھا۔

جیسے نادیہ آپ کو دس سال بعد ہوئی تھی۔ پھوپھو کا چہرہ یکدم بدل گیا۔

مومنہ رکی نہیں۔

اور اگر اولاد ان کے نصیب میں نہیں ہوئی تو وہ چاچو کی طرح ساری زندگی صبر بھی کر لے گے۔

پھوپھو کو جیسے آئینہ دکھا دیا گیا تھا۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ پڑنے لگا اور باقی سب خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

مومنہ، بس کرو۔

اسماء نے اس بار پھر سختی سے کہا۔

کھانے کی میز پر بیٹھے سب لوگ کبھی مومنہ کو دیکھتے، کبھی پھوپھو کو۔ فضا بوجھل ہو چکی تھی۔
حرا آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔
وہ آنکھوں میں جمع نمی اب چھپ نہیں پا رہی تھی۔ وہ بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئی۔
مومنہ نے حرا کو جاتے ہوئے دیکھا، پھر دوبارہ پھوپھو کو دیکھا۔
میں آج کے بعد حرا آپی کے بارے میں ایسی کوئی بات نہ سنوں۔
مومنہ نے اپنی پلیٹ میز پر رکھی اور خود بھی وہاں سے اٹھ گئی۔
پھوپھو نے فوراً ہمدان صاحب کی طرف دیکھا۔
ہمدان، اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ ان کا انداز رونے والا تھا۔
سب کے سامنے میری بے عزتی کی جا رہی ہے۔
آپا، ویسے مومنہ نے کچھ غلط بھی نہیں کہا۔
ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، جیسے وہ اپنی بہن کی حرکت پر خود بھی شرمندہ ہوں۔
پھوپھو بے یقین نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھنے لگیں۔
کھانے کی میز پر دوبارہ خاموشی چھا گئی۔
چند لمحوں بعد سب کے ہاتھ آہستہ آہستہ دوبارہ حرکت کرنے لگے، مگر فضا پہلے جیسی نہ رہی تھی۔
مومنہ نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھولا۔
حرا کھڑکی کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔
دروازہ کھلنے کی آہٹ پر اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کرنے کی کوشش کی۔
مومنہ نے خاموشی سے دروازہ بند کیا اور آہستہ آہستہ اس کے قریب آ گئی۔
حرا نے سر اٹھا کر مومنہ کو نہیں دیکھا۔
مومنہ اس کے سامنے پیروں کے بل نیچے بیٹھ گئی۔
مومنہ، یہ کیا کر رہی ہو؟
حرا فوراً گھبرا کر کھڑی ہوئی اور مومنہ بھی اٹھ لیا۔
بھابھی، سو سوری — وہ آہستہ سے بولی۔

تم سوری کیوں کہہ رہی ہو؟
آپ کی تکلیف کے لیے سوری کہہ رہی ہوں۔
حرا نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔
نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔
مگر اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے آنسو دوبارہ بہنے لگے۔
مومنہ کا دل بھر آیا۔
آپی، آپ پلیز مت روئیں۔
حرا نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے۔
مومنہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے آہستہ سے بیڈ تک لے گئی۔
آپ یہاں بیٹھیں۔
حرا خاموشی سے بیٹھ گئی اور مومنہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔
آپ کو پتا ہے کہ آپ روتی ہوئی بالکل بھی اچھی نہیں لگتیں۔ مومنہ نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔
حرا بے اختیار مسکرا دی۔
مومنہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
اور پھوپھو کی باتوں کا برا مت مانا کریں۔ ان کی تو عادت ہے، فضول بولنے کی۔
مومنہ نے حرا کے ہاتھ کو ہلکا سا دبایا۔
چلیں، میرے ساتھ اور کھانا کھائیں۔ مومنہ نے دھیرے سے کہا۔
حرا نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔
میں بعد میں کھا لوں گی۔
بعد میں کیوں؟ مومنہ فوراً بولی۔
آپ ہم سب کے ساتھ کھانا کھائیں گی۔ آپ ہماری فیملی کا حصہ ہیں، آپ کے بغیر ہماری فیملی ادھوری ہے۔
حرا کی آنکھیں پھر سے نم ہو گئیں، مگر اِس بار ان آنکھوں میں دکھ کے ساتھ اپنائیت بھی تھی۔
مومنہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

چلیں اب۔۔۔
حرا نے اپنے آنسو صاف کیے اور آہستہ سے مومنہ کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گئی۔

✦ ✦ ✦

سیف ڈیرے سے واپس آ رہا تھا۔
سردیوں کی مدھم دھوپ گاؤں کی گلیوں میں بکھری ہوئی تھی۔ بائیک کے پیچھے تازہ ساگ رکھا تھا جس کی ہری پتیاں ہوا کے ساتھ ہلکی ہلکی ہل رہی تھیں۔
راستے میں اس کی نظر دھوپ میں کھڑے برہان پر پڑی۔ وہ سردیوں کی دھوپ کا لطف اٹھا رہا تھا۔
سیف نے اس کے قریب بائیک روک لی۔
السلام علیکم، سیف بھائی۔
برہان فوراً ادب سے بولا۔
وعلیکم السلام!
سیف نے نرمی سے جواب دیتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔
برہان نے بھی نرمی سے مصافحہ کیا۔
کیسے ہو؟
بھائی، میں ٹھیک ہوں۔
پھر تم گھر کیوں نہیں آئے؟
بھائی، میں بھول گیا تھا۔
چلو، جب فری ہو تو آ جانا پھر۔
سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
اگر ابھی فری ہو تو ابھی آ جاؤ۔
جی بھائی۔
برہان فوراً بائیک پر بیٹھنے لگا تھا کہ سیف نے جلدی سے اس کو روک دیا۔
رکو ذرا—

برہان رک گیا۔
مجھے پہلے یہ ساگ آگے رکھنے دو، نہیں تو تمہارے کپڑے خراب ہو جائیں گے۔ سیف نے احتیاط سے ساگ اٹھا کر آگے رکھا۔
کوئی بات نہیں بھائی۔ برہان نے فوراً کہا۔
سیف نے اس کو ایک نظر دیکھا۔
کوئی بات کیوں نہیں؟
سیف نے ساگ آگے رکھ لیا پھر اس نے بائیک سے کپڑا نکال کر پچھلی سیٹ صاف کی۔
چلو، اب بیٹھ جاؤ۔
برہان خاموشی سے بیٹھ گیا۔
سیف نے بائیک دوبارہ آگے بڑھا دی۔
ٹھنڈی ہوا دونوں کے چہروں سے ٹکرا رہی تھی۔
چند لمحوں بعد بائیک گھر کے دروازے کے سامنے جا کر رکی۔ پہلے برہان نیچے اترا، پھر سیف۔
دروازہ کھولو۔
سیف نے ساگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
برہان نے فوراً دروازہ کھولا۔ سیف اندر داخل ہوا، مگر برہان وہیں دہلیز کے قریب رک گیا۔
سیف نے مڑ کر اس کو دیکھا۔
آجاؤ اندر، ایسے کیوں کھڑے ہو؟
برہان اندر آگیا۔ یہ جگہ اس کے لیے نئی نہیں تھی، وہ پہلے بھی کئی بار یہاں آچکا تھا۔
کچن کے قریب پہنچ کر سیف رک گیا، جبکہ برہان چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔ وہ بھی رک گیا۔
وہ سامنے سٹڈی روم میں بیٹھ جاؤ، میں آتا ہوں۔
جی بھائی۔
برہان سٹڈی روم کی طرف چلا گیا۔
سیف کچن میں داخل ہوا۔ اندر ہلکی سی گرمائش تھی۔

خدیجہ بیگم، صفا اور مریم وہیں موجود تھیں جبکہ زویا ایک کونے میں بیٹھی اپنی گڑیا سے کھیل رہی تھی۔
سیف نے ساگ کاؤنٹر پر رکھا۔
دادی، یہ لیں ساگ۔۔۔
صفا نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔
بھائی، آپ کے ساتھ کون آیا ہے؟
برہان آیا ہے۔ سیف نے نرمی سے جواب دیا۔
برہان کون؟
خدیجہ بیگم نے سوال کیا۔
دادی، اکرم چچا کا بیٹا۔ صفا نے فوراً بتایا۔
اچھا۔
خدیجہ بیگم نے مختصر سا سر ہلایا۔
چائے بنا دو۔
یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔
مریم، صحن وچ چارپائی وچھا دے، اج میں صحن وچ بیٹھ کے ساگ بناواں گی۔
جی دادی۔
مریم فوراً بولی۔ وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔
پہلے کی نسبت اب اس کے چہرے پر تھوڑی زندگی محسوس ہونے لگی تھی۔
برہان خاموشی سے سٹڈی روم میں بیٹھا اردگرد دیکھ رہا تھا۔ دیواروں کے ساتھ بنی بڑی بڑی شیلفوں میں کتابیں سجی تھیں۔ ہر شیلف بھری ہوئی تھی۔
وہ جب آخری بار یہاں آیا تھا تب یہ کمرہ بالکل مختلف ہوا کرتا تھا۔ اب یہاں ایک عجیب سا سکون اور وقار محسوس ہوتا تھا۔
دروازہ آہستہ سے کھلا اور سیف اندر آیا۔ وہ آکر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔
یہ ساری کتابیں دیکھ رہے ہو؟

سیف نے سامنے رکھی شیلفوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
برہان نے سیف سے نظریں ہٹا کر کتابوں کو دیکھا۔
یہ سب میں نے مختلف جگہوں سے خریدی ہیں۔ ہر کتاب میں کی ایک الگ کہانی ہے اور ہر کتاب میں بھی ایک الگ کہانی چھپی ہے۔
برہان نے اس کو دیکھا، مگر سیف کی نظریں اب بھی کتابوں پر ہی جمی تھیں۔
میں نے ان میں سے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ وہ دھیرے سے بول رہا تھا۔
ہر کتاب نے مجھے کچھ نہ کچھ سکھایا ہے۔
اب اس نے برہان کو دیکھا۔
تم ان میں سے کوئی بھی ایک کتاب اٹھاؤ۔۔۔
چند لمحوں کے توقف کے بعد سیف نے کہا۔
برہان کی نظریں شیلفوں پر دوڑنے لگیں۔ ایک کتاب سے دوسری — دوسری سے تیسری —
سیف خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔
وہ والی۔۔۔
برہان نے ایک کتاب کی طرف اشارہ کیا۔
تم نکال سکتے ہو۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
برہان اٹھا اور احتیاط سے کتاب نکال لایا، پھر واپس آکر بیٹھ گیا۔
سیف نے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے فوراً کتاب اس کے ہاتھ میں دے دی۔
سیف نے کتاب کی جلد کو دیکھا، پھر اس کے لب ہلکے سے ہلے۔ اس نے کتاب کا نام پڑھا تھا۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
یہ بہت اچھا ناول ہے۔
سیف نے کتاب کی جلد پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
تم یہ لے جا سکتے ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تم اسے ضرور پڑھو۔
سیف نے کتاب واپس اس کی طرف بڑھا دی۔ برہان نے نرمی سے اسے تھام لیا۔

کتابیں انسان کو اپنے اندر قید کر لینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔
سیف کی آواز میں گہرا ٹھہراؤ تھا۔
شروع میں انسان، کتابوں کو اپنی دنیا کا حصہ بناتا ہے — پھر آہستہ آہستہ کتابیں انسان کو اپنی دنیا کا حصہ بنا لیتی ہیں۔
اسی لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اور صفا اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔
السلام علیکم!
برہان فوراً ادب سے بولا۔
وعلیکم السلام!
صفا نے مسکرا کر جواب دیا۔
برہان فوراً اٹھا اور اس کے ہاتھ سے ٹرے لے لی۔
کیسے ہو؟ اور گھر میں سب کیسے ہیں؟ صفا نے نرمی سے پوچھا۔
آپی، سب ٹھیک ہیں۔
اور عمیرہ؟
صفا نے اس کی بڑی بہن کے بارے میں پوچھا۔
جی، وہ بھی ٹھیک ہیں۔
صفا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ واپس باہر چلی گئی۔
چائے لو۔۔۔
سیف نے برہان سے کہا۔
جی بھائی۔
برہان نے ایک ہاتھ میں کتاب تھام رکھی تھی جبکہ دوسرے ہاتھ سے چائے کا کپ اٹھا لیا۔
باہر صحن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ خدیجہ بیگم چارپائی پر بیٹھی تھیں۔
مریم ان کے بالکل سامنے بیٹھی تھی۔ مریم ساگ خدیجہ بیگم کی طرف بڑھاتی جا رہی تھی اور خدیجہ بیگم آہستہ آہستہ اس کو کاٹ رہی تھیں۔
زویا بھی ان کے قریب بیٹھی تھی اور ساگ میں سے چھوٹے چھوٹے پھول چن رہی تھی۔

صفا صحن میں آئی تو خدیجہ بیگم نے اس کی طرف دیکھا۔
صفا، بستر دھوپ وچ پا دے۔ خدیجہ بیگم نے ساگ کاٹتے ہوئے کہا۔
جی دادی۔
صفا نے فوراً جواب دیا۔
مریم، اوہدے نال چلی جا۔
جی۔۔۔
تے ذرا دھیان نال۔ خدیجہ بیگم نے تاکید کی۔
صفا نے زویا کی طرف دیکھا۔
آؤ، اوپر چلتے ہیں۔
نہیں۔۔۔ زویا نے فوراً انکار کر دیا۔
صفا نے بے اختیار اس کو پکڑ لیا۔
کیوں؟
نہیں جانا۔۔۔
زویا ہاتھ پاؤں چلانے لگی۔
زویا، بڑی بات۔۔۔
صفا نے مصنوعی ناراضی سے کہا، مگر زویا باز نہیں آئی۔
ٹھیک ہے، پھر میں نے تمہیں موبائل نہیں دینا۔
صفا نے اس کو واپس نیچے اتار دیا۔
زویا فوراً خاموش ہو کر اس کو دیکھنے لگی۔
صفا نے جیسے ہی آگے قدم بڑھایا، زویا نے جلدی سے اس کی قمیض پکڑ لی۔
اب نہیں کرتی۔۔۔
وہ نرمی سے بولی۔
صفا نے مڑ کر اس کو دیکھا۔

پکا؟

ہاں۔۔۔

زویا نے معصومیت سے سر ہلایا۔

صفا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

چلو، ٹھیک ہے۔

اس نے دوبارہ اس کو اٹھا لیا۔ تینوں آہستہ آہستہ کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

صفا نے زویا کو نیچے اتارا اور بستر اٹھانے لگی۔

مریم، تم آگے جاؤ، میں لے کر آ رہی ہوں۔

مریم اور زویا آگے آگے چلنے لگیں جبکہ صفا بستر اٹھائے ان کے پیچھے تھی۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے صفا کی نظر ایک لمحے کو سیف اور برہان پر پڑی جو باہر کی طرف جا رہے تھے، پھر وہ دوبارہ آگے بڑھ گئی۔

چند لمحوں بعد وہ تینوں چھت پر پہنچ گئیں۔ دھوپ چھت پر پھیلی ہوئی تھی۔

مریم نے آگے بڑھ کر تار صاف کی۔

صفا نے احتیاط سے بستر پھیلا دیے تاکہ دھوپ اچھی طرح لگ جائے۔

اسی دوران زویا ادھر ادھر گھومتے ہوئے ایک کونے تک پہنچی۔ وہ اچانک رک گئی۔ وہاں ایک چھوٹا سا بلی کا بچہ بیٹھا تھا۔

زویا آہستہ آہستہ اس کے قریب گئی۔ اگلے ہی لمحے ہلکی سی آواز ابھری۔

میاؤں — میاؤں —

زویا فوراً اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

بلی کے بچے کی سفید رنگت دھوپ میں چمک رہی تھی۔ اس کے نرم نرم بال ہوا سے ہلکے ہلکے ہل رہے تھے جبکہ اس کی چھوٹی سی کالی آنکھیں زویا کو دیکھ رہی تھیں۔

میاؤں — میاؤں —

اس نے دوبارہ آواز نکالی۔

زویا نے نرمی سے ہاتھ آگے بڑھایا۔
بلی کے بچے نے اپنا ننھا سا پنجہ اٹھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔
زویا بے اختیار خوشی سے مسکرا دی، جیسے کوئی چیز فتح کر لی تھی۔ اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔
اسی لمحے صفا بھی زویا کے قریب آ کر بیٹھ گئی جبکہ مریم خاموشی سے دونوں کو دیکھتی رہی۔
آپی، میاؤں — میاؤں —
زویا ہنستے ہوئے بولی۔
صفا بھی مسکرا دی۔
اسے نیچے لے کر چلیں۔ صفا نے نرمی سے کہا۔
زویا نے فوراً ہاں میں سر ہلایا۔
صفا نے احتیاط سے بلی کے بچے کو اٹھایا اور اس کے نرم بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگی۔
زویا آنکھوں میں چمک لیے اس کو دیکھ رہی تھی۔ تینوں نیچے آئیں اور سیدھا کچن میں داخل ہو گئیں۔
ہم اس کو دودھ پلاتے ہیں۔
صفا نے نرمی سے کہتے ہوئے بلی کے بچے کو نیچے رکھا۔
مریم چولہے کے قریب گئی اور ایک چھوٹے سے باؤل میں دودھ نکالنے لگی۔
زویا وہیں فرش پر بیٹھی، بڑی بڑی آنکھوں سے بلی کے بچے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا اور اس کی نرم نرم پشت پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگی۔
میاؤ —
بلی کے بچے نے دوبارہ ہلکی سی آواز نکالی۔
زویا فوراً ہاتھ پیچھے کھینچ کر ہنس پڑی۔
صفا بے اختیار اس کی معصوم حرکت پر مسکرا دی۔
مریم دودھ والا باؤل لے کر واپس آئی اور صفا کے ہاتھ میں دے دیا۔
صفا نے احتیاط سے باؤل بلی کے بچے کے سامنے رکھا۔
بلی کے بچے نے پہلے باؤل کو غور سے دیکھا، پھر ہلکا سا سونگھا اور اگلے ہی لمحے اپنی ننھی سی زبان سے دودھ پینے لگا۔

زویا حیرت اور خوشی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔
باہر دروازے کے قریب سیف کھڑا تھا۔ برہان جا چکا تھا۔
عبداللہ ہاؤس کا دروازہ کھلا اور احمد باہر آیا۔
سیف نے اسے دیکھا تو فوراً اس کی ویل چیئر کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔
چلیں جناب۔۔۔
سیف نے ہلکے انداز میں کہا اور ویل چیئر آہستہ آہستہ اپنے گھر کی طرف دھکیلنے لگا۔
صحن میں خدیجہ بیگم چارپائی پر بیٹھی ساگ کاٹ رہی تھیں۔
سیف نے احتیاط سے احمد کی ویل چیئر صحن میں اتاری اور اسے خدیجہ بیگم کے قریب لے آیا۔
دادی، کافی عرصے سے میں نے آپ کے ہاتھ کا ساگ نہیں کھایا۔ احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اے میں اپنے بچیاں واسطے ای بنا رہی آں۔ خدیجہ بیگم نے محبت بھرے لہجے میں جواب دیا۔
اسی لمحے سیف کی نظر دروازے کی طرف گئی۔ ہاجرہ بی آہستہ آہستہ اندر آ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا ایک شاپر تھا۔
سیف ان کو دیکھتے ہی بے اختیار مسکرا دیا، وہ فوراً آگے بڑھا۔
السلام علیکم!
اس نے خوشی سے سلام کیا اور پیار لینے کے لیے جھک گیا۔
وعلیکم السلام!
ہاجرہ بی نے نرمی سے جواب دیا اور اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔
سیف نے ان کا ہاتھ تھاما اور آہستہ سے چارپائی کے قریب لے آیا۔
خدیجہ بیگم فوراً چارپائی سے اتر آئیں۔ وہ ہاجرہ بی کے گلے لگی۔
دادی، ہاجرہ بی عمرہ کر کے آئی ہیں۔
ماشاءاللہ – مبارک ہو –
انہوں نے خوشی سے کہا۔
خیر مبارک اور تمہیں بھی پوتے کی شادی مبارک ہو۔ ہاجرہ بی نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

خیر مبارک۔
خدیجہ بیگم بھی مسکرا دیں۔
دونوں الگ ہوئیں تو ہاجرہ بی نے محبت سے ان کا چہرہ دیکھا۔
تمہیں بالکل ٹھیک ٹھاک دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔
اللہ کا شکر ہے۔
خدیجہ بیگم نے سکون بھرے لہجے میں کہا۔
بیٹھ جا۔۔۔
خدیجہ بیگم نے محبت سے ہاجرہ بی کو بیٹھنے کا کہا۔
ہاجرہ بی نے احمد کو دیکھا، پھر اس کے قریب جا کر پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
تمہاری دادی تو ٹھیک ہو گئی ہیں، اب تم بھی جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ انہوں نے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
سیف کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ احمد بھی ہلکا سا مسکرا دیا۔
ہاجرہ بی آہستہ سے چارپائی پر بیٹھ گئیں۔
ہاجرہ بی، طبیعت ٹھیک رہی آپ کی؟ سیف نے نرمی سے پوچھا۔
ہاں، اللہ کا شکر ہے— اللہ کے گھر کی بات ہی الگ ہے۔ میرا تو واپس آنے کا دل ہی نہیں کر رہا تھا۔
ان کی آنکھوں میں عجیب سا سکون جھلک رہا تھا۔ وہ سب کو خوشی خوشی اپنے سفر کے بارے میں بتانے لگی— پھر انہوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا شاپر آگے بڑھایا۔
یہ کھجوریں اور آبِ زم زم لائی ہوں تم سب کے لیے۔
بہت، بہت شکریہ۔
خدیجہ بیگم نے محبت سے شاپر لیتے ہوئے کہا۔
سیف، تمہاری دلہن کہاں ہے؟ میں تو اسے دیکھنے آئی ہوں۔
ہاجرہ بی نے سیف کو دیکھ کر کہا۔
وہ تو گھر گئی ہوئی ہے۔ سیف نے نرمی سے جواب دیا۔
لو۔۔۔

ہاجرہ بی نے افسوس سے کہا۔
آپ دوبارہ آجائیے گا۔
ہاجرہ بی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
سیف آہستہ سے اٹھا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اندر داخل ہوا تو سب بلی کے بچے کے گرد جمع تھے۔ بلی کا بچہ اب اپنی ننھی زبان سے اپنے منہ کے گرد صفائی کر رہا تھا۔
بھائی۔۔۔
زویا نے خوشی سے بلی کے بچے کی طرف اشارہ کیا۔
سیف بھی ان کے قریب آکر نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے احتیاط سے بلی کے بچے کو اٹھایا۔
یہ کہاں سے آیا؟
اس نے صفا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
چھت پر تھا۔ صفا نے جواب دیا۔
میں پکڑوں۔۔۔
زویا نے فوراً دونوں ہاتھ آگے پھیلائے۔
سیف نے مسکراتے ہوئے بلی کا بچہ اس کو تھما دیا۔
زویا بمشکل سنبھال رہی تھی۔
میاؤ موٹی ہو گئی۔ زویا معصومیت سے بولی۔
میاؤ موٹی نہیں ہوئی، تم ابھی چھوٹی ہو۔
سیف نے ہنستے ہوئے کہا۔
صفا اور مریم بھی مسکرا دیں۔ زویا نے آنکھیں سکیڑ کر سیف کو دیکھا۔
دیکھو، کیسے گھور رہی ہے۔
زویا نے بلی کے بچے کو نیچے رکھ دیا۔
مریم خاموشی سے خالی باؤل اٹھا کر دھونے لگی۔
باہر ہاجرہ بی بیٹھی ہیں، ان کے لیے چائے لے آؤ۔

سیف آہستہ سے کہہ کر واپس باہر چلا گیا۔
صفا ہاتھ دھو کر چائے بنانے لگی۔
زویا ابھی تک فرش پر بیٹھی بلی کے بچے کو دیکھ رہی تھی۔
کچھ ہی دیر میں چائے تیار ہو گئی۔
صفا نے کپوں میں چائے ڈالی، ساتھ بسکٹ رکھے اور ٹرے اٹھا لی۔ وہ باہر نکلی تو مریم بھی اس کے پیچھے آ گئی۔
صحن میں ہاجرہ بی کا رخ خدیجہ بیگم کی طرف تھا۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھی ساگ کاٹ رہی تھیں۔
سیف اور احمد خاموشی سے ان کے قریب موجود تھے۔
السلام علیکم!
صفا نے ٹرے چارپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔
ہاجرہ بی نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا۔
وعلیکم السلام!
ہاجرہ بی نے محبت سے جواب دیا۔
اسی لمحے مریم کے قدم رک گئے۔ اس کی نظریں ہاجرہ بی کے چہرے پر جم گئی تھیں۔ دل بے قابو ہو گیا۔ آنکھیں پانی سے بھر آئیں۔
اماں۔۔۔
مریم کے لبوں سے سرگوشی نکلی۔ ایک آنسو خاموشی سے اس کے گال پر بہہ گیا۔
اماں۔۔۔
اس بار مریم کی آواز لرزتی ہوئی اور بلند تھی۔
سب نے فوراً مریم کی طرف دیکھا۔
ہاجرہ بی کا دل زور سے دھڑکا۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔
مریم ان کے سامنے کھڑی تھی۔ بکھرے وجود، نم آنکھوں اور کانپتے لبوں کے ساتھ۔
مریم۔۔۔
ہاجرہ بی کے لب لرزے۔ ان کی آنکھیں بھی نمی سے بھر گئیں۔

اگلے ہی لمحے مریم دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

اماں۔۔۔

ہاجرہ بی نے اسے مضبوطی سے اپنے سینے سے لگا لیا۔

صحن میں موجود سب لوگ حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے جبکہ سیف نے نیلے آسمان کی جانب دیکھا۔

ہاجرہ بی کی دوسری خواہش بھی پوری ہوئی۔ سیف نے آسمان کو دیکھتے ہوئے خود سے کہا۔

اماں۔۔۔

مریم کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

میں نماز بھول گئی۔

یہ کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس وقت مریم کو اپنی زندگی کا کوئی اور دکھ یاد نہیں رہا تھا — یاد بھی کیسے رہتا، اس غم سے بڑا کوئی غم تھا ہی نہیں۔

✦ ✦ ✦

برہان گھر واپس آیا تو صحن میں ہلکی ہلکی شام اتر رہی تھی۔

اس کی امی فرش پر بیٹھی رضائی دھُنک رہی تھیں۔ ان کے پاس رنگ برنگے دھاگے بکھرے پڑے تھے۔

قدموں کی آہٹ پر انہوں نے سر اٹھا کر برہان کو دیکھا، پھر اس کے ہاتھ میں پکڑی کتاب پر نظر ٹھہر گئی۔

یہ کہاں سے لے کر آئے ہو؟

انہوں نے سوال کیا۔

برہان نے ایک نظر کتاب پر ڈالی۔

سیف بھائی نے دی ہے۔ وہ نرمی سے بولا۔

وہ کہہ رہے تھے یہ کتاب پڑھنا، بہت اچھی ہے۔

برہان پاس رکھی کرسی پر آہستہ سے بیٹھ گیا۔

اچھا۔

اس کی امی نے مختصر سا جواب دیا اور دوبارہ رضائی میں سوئی چلانے لگیں۔

برہان چند لمحے خاموشی سے اپنی امی کے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔ وہ بڑی مہارت سے دھاگا گزار رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ مسلسل حرکت ایسی تھی، جیسے برسوں سے یہی کام کرتی آئی ہوں۔

پھر برہان نے کتاب کھولی۔

چند صفحات آگے کیے اور پڑھنا شروع کر دیا۔

شروع کے چند جملے ہی پڑھے تھے کہ اس کی آنکھوں میں بوجھ سا اترنے لگا۔

اس نے ہلکی سی اونگھ لی۔ آنکھوں میں نمی سی ابھر آئی۔

برہان نے جلدی سے آنکھیں ملیں اور کتاب بند کر دی۔ وہ وہاں سے اٹھا اور اندر کمرے میں چلا گیا۔

اس نے چارپائی پر بیٹھ کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی، پھر دوبارہ کتاب کھولی اور وہیں سے پڑھنا شروع کیا جہاں سے چھوڑا تھا۔

کچھ دیر بعد اسے اپنی آنکھوں میں ہلکا سا درد محسوس ہونے لگا۔ اس نے بے دلی سے کتاب بند کی اور سر دیوار کے ساتھ ٹکا دیا۔

مجھے تو ہمیشہ کتابیں پڑھتے وقت نیند آنے لگتی ہے۔

وہ سرگوشی میں بولا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

برہان۔۔۔

ابو کی آواز پر اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ اس نے اردگرد دیکھا۔

برہان۔۔۔

دوبارہ سے آواز آئی۔

وہ فوراً چارپائی سے اترا اور باہر آگیا۔ اس کے ابو کرسی پر بیٹھے پانی پی رہے تھے۔

جی ابو۔۔۔

برہان نے نرمی سے کہا۔

جاؤ، کچھ دیر دکان پر بیٹھ جاؤ۔

جی۔۔۔

وہ فوراً باہر کی طرف بڑھ گیا۔

برہان کے ابو—
برہان کی امی نے اس کے ابو کو نرمی سے مخاطب کیا۔
مجھے گوشت لا دیں، کل عمیرہ نے آنا ہے۔
اچھا۔
انہوں نے مختصر سا جواب دیا۔ ان کی نظریں رضائی تک گئیں۔
یہ کس کی رضائی ہے؟
عمیرہ کی۔۔۔
برہان کی امی نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔
کہہ رہی تھی، امی آپ ہی رضائی دھُنک دیں، وہاں ہادی کو بھی سنبھالنا ہوتا ہے، پھر گھر کے کام الگ—
میں نے کہا— ٹھیک ہے دھُنک دو گی۔
برہان کے ابو نے آہستہ سے سر ہلایا۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

✦ ✦ ✦

کھانا ختم کرنے کے بعد سیف آہستہ قدموں سے کچن سے باہر نکلا۔ گھر میں ہلکی سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔
سٹڈی روم کا دروازہ ذرا سا کھلا تھا اور اندر جلتی مدھم روشنی فرش پر پھیل رہی تھی۔
سیف بے اختیار اس طرف بڑھ گیا— جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچا، اندر سے آتی آواز نے اس کے قدم روک دیے۔
تمہارے رب نے نہ تمہیں چھوڑا اور نہ ہی ناپسند کیا۔
اندر سے آتی آواز بے حد پرسکون تھی۔
اور بیشک تمہارے لیے ہر پچھلی گھڑی پہلی سے بہتر ہے۔
سیف خاموشی سے سن رہا تھا۔
اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (سورۃ الضحیٰ، آیات 3 تا 5۔)
کمرے میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔
مریم کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔

میں نے آپ کو یہ آیات اس لیے سنائی ہیں تاکہ آپ اپنے دل میں ٹھہرے ہوئے ہر درد اور خوف کو نکال دیں اور اپنے رب پر بھروسہ کریں۔

آواز نرم تھی، مگر اس میں عجیب سا سکون تھا۔

اگلے ہی لمحے سٹڈی روم کے اندر سے مریم کے پھوٹ پھوٹ کر رونے کی آواز بلند ہوئی۔

سیف نے دھیرے سے نظریں جھکا لیں۔ وہ اندر نہیں گیا اور نہ ہی اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔

وہ خاموشی اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ ابھی وہ دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ اس کے موبائل پر نوٹیفکیشن کی آواز ابھری۔

سیف نے جیب سے موبائل نکالا۔ اسکرین پر احمد کا میسج جگمگا رہا تھا۔

ایشال اوپر چھت پر ہے۔

سیف کے لب ہلکے سے بھینچے۔ اس کی نظریں بے اختیار کچن کے ساتھ اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف اٹھ گئیں۔

اوکے۔

اس نے مختصر سا جواب ٹائپ کیا۔ موبائل دوبارہ جیب میں رکھ کر وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

اوپر نیم اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ سرد ہوا تیزی سے چل رہی تھی۔ چھت پر قدم رکھتے ہی سردی کی شدت اس کے وجود میں اتر گئی۔

سیف نے دیوار کے اُس پار جھانکا۔ پہلے اسے صرف ہوا کی آواز سنائی دی — پھر ہلکی ہلکی سسکیوں کی۔

اگلے ہی لمحے وہ دیوار پھلانگ کر عبداللہ صاحب کے گھر کی چھت پر اتر گیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک کونے تک پہنچا اور کچھ فاصلے پر رک گیا۔

ایشال وہیں بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی زمین پر گھٹنوں میں چہرہ چھپائے۔ اس کے کندھے ہلکے ہلکے لرز رہے تھے۔ آنکھوں سے بہتے آنسو خاموشی سے اس کے دوپٹے میں جذب ہو رہے تھے۔

ایشال نے اس کی موجودگی محسوس کر لی تھی — مگر اس نے سر نہیں اٹھایا۔ بس اس کی سسکیاں تھم سی گئیں۔

یہاں کیوں بیٹھی ہو؟

سیف کی آواز ہمیشہ کی طرح نرم تھی۔

ایشال خاموش رہی۔

سیف بھی خاموشی سے اس کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔ زمین پر بیٹھتے ہی اسے ٹھنڈی زمین کی سردی اپنے وجود میں اترتی محسوس ہوئی۔ وہ ایشال کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

میں جانتا ہوں کہ تمہارا دل ٹوٹا ہے۔

چند لمحوں بعد اس نے دھیرے سے کہا۔

ایشال لمحہ بھر کو چونکی۔

کیا سیف کو سب معلوم تھا؟

اس کے دل میں ایک ہی سوال ابھرا۔

تم نے سب جانتے ہوئے بھی یہ سب کیوں کیا؟ ایشال کی آواز بری طرح لرز رہی تھی، مگر اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

سیف خاموش رہا۔

کچھ لمحے گزر گئے۔ سرد ہوا دونوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔

ایشال میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھنا چاہتا۔

سیف نے اپنا سر پیچھے دیوار کے ساتھ گرا لیا۔

یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ ایشال فوراً بولی۔

اس کی آواز میں درد بھی تھا اور شکوہ بھی۔

سیف نے ایک گہری سانس لی۔ سردی کے باعث اس کی سانس دھوئیں کی صورت میں باہر نکلی۔

ایشال ابھی بھی گھٹنوں میں سمٹی بیٹھی تھی۔

جب مجھے تمہارے دل کے بارے میں معلوم ہوا — تب سے میں نے یہی دعا کی کہ اللہ تمہیں وہ دے جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔

ایشال کی آنکھوں سے آنسو دوبارہ بہنے لگے۔

سیف مزید کچھ نہیں بولا۔

وہ آہستہ سے اٹھا اور واپس پلٹا۔

اب تمہیں نیچے جانا چاہیے، سردی بڑھ رہی ہے۔

سیف کہہ کر رکا نہیں۔

ایشال نے نم آنکھوں سے سر اٹھایا۔

سیف دیوار پھلانگ رہا تھا۔

ایشال کے اندر جیسے سب کچھ سرد پڑ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے وہیں ٹھنڈی زمین پر بیٹھی رہی۔ سیف اب اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

نیچے آتے ہوئے سیف کے قدم دھیرے تھے۔ سٹڈی روم کا دروازہ ابھی بھی ہلکا سا کھلا تھا – مگر اب وہاں سے رونے کی آواز نہیں آ رہی تھی – اب صرف قرآن کی تلاوت کی مدھم آواز فضا میں بکھر رہی تھی۔

سیف خاموش سے آگے بڑھ گیا۔

وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اندر کی گرمائش نے سردی سے اکڑے وجود کو کچھ سکون دیا۔ سیف آہستہ سے بستر پر لیٹ گیا اور کمبل اپنے اوپر کھینچ لیا۔

چند لمحے چھت کو دیکھنے کے بعد اس نے جیب سے موبائل نکالا۔ واٹس ایپ کھولتے ہی سب سے اوپر مومنہ کا نام جگمگا رہا تھا۔

اس نے سیف کو کوئی ویڈیو بھیجی تھی۔ سیف کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اس نے ویڈیو اوپن کی۔ ویڈیو ذرا بلر تھی۔

جدوں کوئی باغ ویکھے گا، کھڑے ہوئے پھول ویکھے گا

گانے کی مدھم دھن کمرے میں پھیل گئی۔

ویڈیو میں مومنہ امرودوں کے باغ میں آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ ہوا اس کے دوپٹے کو ہلکا سا اڑا رہی تھی۔

میں ہسدی نظر آواں گی، تو میرے بول ویکھے گا

مومنہ ہنستے ہوئے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھتی ہے۔

منظر بدل گیا۔

سیف کی آنکھوں میں نرمی اترنے لگی۔

میں ہسدی نظر آواں گی، تو میرے بول ویکھے گا

اب مومنہ سرسوں کے پھولوں کے درمیان چل رہی تھی۔ وہ چلتے چلتے انگلیوں سے پھولوں کو چھو رہی تھی۔

میں تینوں یاد آواں گی، یاد آواں گی

اب وہ پگڈنڈی پر چلتے ہوئے اپنا دوپٹہ ہوا میں لہرا رہی تھی۔
ویڈیو ختم ہو گئی، مگر سیف کے لبوں کی مسکراہٹ باقی رہی۔ اس نے دوبارہ ویڈیو چلا دی۔
گانے کی آواز پھر سے کمرے میں گونجنے لگی۔
سیف خاموشی سے اس کو دیکھتا رہا، ایسے جیسے ہر منظر اپنے اندر محفوظ کرنا چاہتا ہو۔
ویڈیو ختم ہوئی تو اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ اسکرین پر چلنے لگیں۔
آپ ایسے نہ کیا کریں – آپ کی ادائیں مجھ پر ستم کرتی ہیں۔
یہ لکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
اس نے میسج سینڈ کر دیا۔
چند لمحے وہ اسکرین کو دیکھتا رہا، پھر موبائل ایک طرف رکھ دیا۔
اس کے ذہن میں اب بھی مومنہ کی ہنستا ہوا چہرہ، ہوا میں لہراتا دوپٹہ اور وہی گانا چل رہا تھا۔

✦ ✦ ✦

حرا اور مومنہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ کمرے میں پہلے ہی گرم ماحول بنا ہوا تھا۔
اسماء، خالہ فاطمہ، منہا، کیف اور ارحم سب ایک دوسرے کے قریب رضائی اوڑھے بیٹھے تھے۔
مومنہ اور حرا بھی آ کر ان کے ساتھ سمٹ کر بیٹھ گئیں۔ مومنہ نے رضائی اپنی طرف کھینچی تو ارحم نے فوراً دوسری طرف سے پکڑ لی۔
مومنہ نے اسے گھور کر دیکھا اور مضبوطی سے رضائی اپنی طرف کھینچ لی۔
وہ سب ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔
اسی دوران مومنہ کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی۔ اس نے بے اختیار موبائل کی طرف دیکھا۔
سیف کا میسج تھا۔
اس کے لب خود بخود ہلکے سے مسکرانے لگے۔
آپ ایسے نہ کیا کریں – آپ کی ادائیں مجھ پر ستم کرتی ہیں۔
سیف کے الفاظ پڑھتے ہی جیسے کسی نے اس کے دل کو نرمی سے چھو لیا ہو۔ اس کے گال ہلکے ہلکے سرخ ہونے لگے۔
ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

سیف۔۔۔

اس نے صرف اس کا نام لکھا اور سینڈ کر دیا۔

مگر دوسری طرف یہ ایک لفظ بھی تیر کی طرح دل میں جا لگا تھا۔

مومنہ، کیا سیف کے تایا واپس آ گئے ہیں؟

ارحم کی آواز پر مومنہ نے موبائل سے نظریں اٹھائیں۔

ہاں، آ گئے ہیں۔ اس نے مختصر سا جواب دیا۔

تم لوگوں سے ملنے آئے تھے؟

اب کی بار حرا نے پوچھا۔

آئے تھے، مگر میں ایشال اور انکل عبداللہ سے نہیں مل سکی، شاید وہ پہلے ہی چلے گئے تھے۔

وہ لوگ شادی پر نہیں تھے نا؟ خالہ فاطمہ بولیں۔

نہیں، وہ سب بعد میں آئے تھے۔

اچھا۔

خالہ فاطمہ نے ہلکا سا سر ہلایا۔

سیف بھائی کیسے ہیں؟

منہا نے شرارتی انداز میں پوچھا۔

مومنہ کی نظریں فوراً جھک گئیں۔

بہت اچھے ہیں۔۔۔ وہ دھیرے سے بولی۔

سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔

گھر میں کون کون ہے؟ خالہ فاطمہ نے پوچھا۔

دادی، سیف، صفا، مریم اور زویا۔

اور سب کا رویہ کیسا ہے؟

سب بہت اچھے ہیں۔

مومنہ کے لہجے میں اطمینان تھا۔

اسی دوران خالہ فاطمہ دوبارہ اسماء سے بات کرنے لگیں۔
وہ جو ہمارے گھر کے ساتھ والی خالہ ہیں نا، انہوں نے اپنی بہو کو طلاق دلوا دی۔
اسماء چونک گئیں۔
ابھی پندرہ دن بھی نہیں ہوئے تھے۔ خالہ فاطمہ نے بات جاری رکھی۔
طلاق کیوں دلوائی۔۔۔؟
اسماء نے وجہ پوچھی۔
بیٹے کو وہ لڑکی پسند تھی۔ اس نے خوشی کے لیے شادی تو کروا دی، مگر بعد میں الزامات لگا کر طلاق دلوا دی۔
بیچاری کی زندگی برباد کر دی، اب سب نے لڑکی میں ہی نقص نکالنے ہیں۔
اسماء افسوس سے بولیں۔
اسی لمحے مومنہ کے موبائل کی اسکرین دوبارہ روشن ہوئی۔ اس نے فوراً موبائل دیکھا۔
سیف کا میسج تھا۔
آپ اتنے پیار سے میرا نام لے کر مجھ پر ستم کیوں کرتی ہیں؟
مومنہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھر سے ابھری۔
اگلے ہی لمحے دوسرا میسج آیا۔
آپ کو مجھ پر ذرا رحم نہیں آتا؟
مومنہ کی انگلیاں تیزی سے اسکرین پر چلنے لگیں۔
میں نے کوئی ستم نہیں کیا۔۔۔
اس نے لکھا، پھر فوراً میسج مٹا دیا۔
نہیں۔۔۔ مومنہ نے مختصر سا جواب لکھ کر سینڈ کا بٹن دبا دیا۔
دوسری طرف فوراً میسج سین ہو گیا۔
آپ کو اجازت ہے، میں آپ کے ستم ساری زندگی برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔
مومنہ کے دل میں جیسے نرم سی گرمی اتر گئی۔ اس نے دل والا اور مسکراتا ہوا ایموجی سینڈ کیا۔
چند سیکنڈ بعد سیف کا نیا میسج آیا۔

کیا میں کل آپ کو لینے آجاؤں؟
کیا آپ مجھے مس کر رہے ہیں؟
مومنہ نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔
میں ہمیشہ ہی آپ کو مس کرتا ہوں۔
یہ جملہ پڑھتے ہی مومنہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
ٹھیک ہے، آجائیے گا۔ اس نے لکھ کر بھیج دیا۔
مجھے لگ رہا ہے کہ آپ بھی مجھے مس کر رہی ہیں – سیف نے پوچھا۔
تھوڑا تھوڑا سا۔۔۔
مومنہ نے دل کی بات لکھ دی۔
میسج سین ہونے کے بعد چند لمحوں تک دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا، جیسے سیف اپنے دل کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو۔
مومنہ نظریں اسکرین پر جمائے اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی۔
پھر آخرکار میسج نمودار ہوا۔
میں ابھی آپ کو لے جانے کے لیے بھی تیار ہوں۔
مومنہ کی آنکھیں ہلکی سی پھیل گئیں۔
نہیں، ابھی نہیں۔
ابھی کیوں نہیں؟
ابھی تھوڑی تھوڑی یاد آرہی ہے نا، اس لیے۔
تو پھر آپ کو میری یاد پوری طرح کب آئے گی؟
سیف کے لفظوں میں پیار تھا اور مومنہ اس پیار کو محسوس کر رہی تھی۔
جب آپ مکمل طور پر میرے دل میں بس جائیں گے۔ مومنہ نے جواب بھیج دیا۔
مجھے لگ رہا ہے کہ آپ مجھ سے جھوٹ بول رہی ہیں۔
کیوں؟ ایسا کیوں لگ رہا ہے؟ مومنہ نے پوچھا۔

کیونکہ میں تو آپ کے دل میں تب ہی بس گیا تھا — جب صفا آپ کو میرے بارے میں بتایا کرتی تھی۔

یہ پڑھتے ہی مومنہ بے اختیار ہنس پڑی۔

سب کی نظریں فوراً اس کی طرف اٹھیں۔

تمہیں کیا ہوا ہے؟ اسماء نے حیرت سے پوچھا۔

پاگل ہو گئی ہے اور کیا ہوا ہے۔ ارحم فوراً بولا۔

کچھ نہیں اماں۔

مومنہ نے ہنسی دباتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے جلدی سے ٹائپ کیا۔

اب آپ پرسنل ہو رہے ہیں، اس لیے اب کل بات ہوگی۔

اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے میسج بھیج دیا۔

آپ کا حکم سر آنکھوں پر —

چند لمحوں بعد جواب آیا۔

مومنہ نے میسج پر دل والا اموجی ری ایکٹ کیا اور موبائل بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

وہ دوبارہ سے سب کی باتوں میں شامل ہو گئی، مگر اس کے لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ ابھی بھی باقی تھی۔

✦ ✦ ✦

مومنہ اور سیف ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔

سیف نے دروازے کے ساتھ لگے بورڈ کا بٹن دبایا تو اگلے ہی لمحے کمرہ روشنی سے بھر گیا۔

مومنہ نے اپنا سامان صوفے پر رکھا اور فوراً الماری کھول کر کپڑے نکالنے لگی، پھر کپڑے ہاتھ میں لیے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

سیف آہستہ سے چلتا ہوا بیڈ کے کنارے آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے جوتے اتارے اور پھر کلائی سے گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

چند لمحوں بعد واش روم کا دروازہ کھلا اور مومنہ کپڑے بدل کر باہر آ گئی۔

سیف خاموشی سے مومنہ کی موجودگی کو محسوس کر رہا تھا۔

مومنہ صوفے سے اپنی چیزیں اٹھانے لگی اور ایک ایک کر کے الماری میں رکھنے لگی۔
ابھی آرام کر لیں، صبح کر لیجیے گا۔
سیف نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔
بس ہو گیا۔۔۔
مومنہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
سیف خاموشی سے واش روم میں چلا گیا۔
وہ چند لمحوں کے بعد کپڑے بدل کر باہر نکلا۔ اس کا چہرہ اور ہاتھ ہلکے سے بھگے ہوئے تھے۔ ان پر پانی کے قطرے چمک رہے تھے۔
سیف بیڈ پر بیٹھ کر موبائل میں مصروف ہو گیا۔
اسی دوران مومنہ کی نظر الماری میں رکھے ایک دوپٹے پر پڑی۔
اس نے تجسس سے وہ باہر نکالا۔
وہ کالے رنگ کا ریشمی دوپٹہ تھا۔ اس پر بڑے بڑے جامنی اور گلابی رنگ کے پھول بنے ہوئے تھے۔ دونوں رنگ ایک دوسرے میں گھلے ہوئے تھے۔ وہ بے حد پیارا اور نرم تھا۔
سیف، یہ کس کا ہے؟
مومنہ نے مڑ کر پوچھا۔
سیف نے موبائل سے نظریں اٹھائیں۔ اس کی نظر مومنہ کے ہاتھ میں پکڑے دوپٹے تک گئی اور اگلے ہی لمحے اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔
اس کے چہرے کا رنگ ہلکا سا اڑ گیا۔ آنکھوں میں ایک خاموش اداسی اتر آئی۔
مومنہ دھیرے سے اس کے قریب آ گئی۔
سیف نے بے حد نرمی سے اس کے ہاتھ سے دوپٹہ لیا۔
سیف کی آنکھوں میں بہت سی یادیں تھیں۔
یہ میری امی کا ہے۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔
مومنہ خاموشی سے اس کو دیکھتی رہی۔ اسے سیف کی آنکھوں میں اترتی اداسی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

آپ ان سے بہت پیار کرتے تھے؟ وہ آہستہ سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔
سیف کی نظریں ابھی بھی دوپٹے پر تھیں۔ اس نے دوپٹے کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ جیسے اسے ڈر ہو کہ کوئی اس سے چھین نہ لے۔
میں بیان نہیں کر سکتا۔
اس کے لہجے میں ایسا خلا تھا جو لفظوں سے بھر نہیں سکتا تھا۔
آپ نے ابھی تک یہ دوپٹہ سنبھال کر رکھا ہوا ہے؟
ہمم۔۔۔ سیف دھیرے سے بولا۔
دیکھنے میں تو یہ پرانا نہیں لگ رہا۔
مومنہ نے سیف سے نظریں ہٹا کر دوپٹے کو دیکھا۔
یہ پرانا کیسے ہو سکتا ہے؟ سیف کے لہجے میں ہلکا سا درد تھا۔
مومنہ چند لمحے خاموش رہی۔
پھر اس نے جان بوجھ کر بات کا رخ بدل دیا۔
اور آپ مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں؟
میں وہ بھی بیان نہیں کر سکتا۔
اس نے مومنہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
مومنہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
میں یہ واپس رکھ دوں؟ اس نے نرمی سے پوچھا۔
سیف نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔
مومنہ نے دوپٹہ احتیاط سے واپس الماری میں رکھا۔ وہ بھی اب اس یاد کی اہمیت سمجھ گئی تھی۔
پھر وہ دوبارہ آ کر سیف کے قریب بیٹھ گئی۔
آپ میرے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ اس نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔
میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔۔۔؟
سیف نے اس کے سوال کو دہرایا۔

مومنہ نے ہاں میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں معصوم سی دلچسپی تھی۔
میں آپ کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔ سیف سادگی سے بولا۔
کیا آپ میرے لیے کسی کو مار سکتے ہیں؟
مومنہ نے گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اشارہ کیا۔
مگر سیف کے چہرے کی سنجیدگی برقرار رہی۔
میں آپ کے لیے مر بھی سکتا ہوں۔ اس نے مومنہ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔
مومنہ جیسے لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی۔ اسے اس جواب کی بالکل توقع نہیں تھی۔ وہ بنا پلک جھپکائے سیف کو دیکھتی رہی۔
سیف کی آنکھوں میں سچائی تھی۔
کمرے میں خاموشی پھیل گئی — مگر اس خاموشی میں دونوں کی آنکھوں بول رہی تھیں۔
دوسری طرف صفا، خدیجہ بیگم کے ساتھ جڑی بیٹھی تھی۔ زویا بھی صفا کے ساتھ ہی گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔
خدیجہ بیگم نے کان سے موبائل ہٹایا اور صفا کی طرف بڑھا دیا۔
دادی، آپ حارث کو مریم کے بارے میں کیوں بتا رہی تھیں؟
صفا نے موبائل لیتے ہوئے پوچھا۔
بس ایویں ای —
خدیجہ بیگم نے بے پروائی سے کہا۔
دادی، کوئی وجہ تو ہو گی؟
صفا، تینوں کجھ نئیں پتا۔۔۔
خدیجہ بیگم نے معنی خیز انداز میں اس کو دیکھا۔
صفا کے ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری۔
دادی، آپ مجھے بتائیں۔۔۔
خدیجہ بیگم چند لمحے خاموش رہیں۔
دادی۔۔۔

صفا نے دادی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔
خدیجہ بیگم نے صفا کو دیکھا۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی، وہ جیسے سوچ رہی ہوں کہ بات کہاں سے شروع کریں — پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔
حارث مریم نوں پسند کردا اے۔
حارث۔۔۔
صفا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
اوہنے سیف دے ولیمے والے دن میرے نال گل کیتی سی کہ اوہ مریم نال ویاہ کرنا چاہندا اے۔
صفا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
دادی، آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟
اب، آپ مجھے سے باتیں چھپانے لگی ہیں۔
خدیجہ بیگم کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
اوہنوں منع کیتا سی کہ ہُنےّ کسے نال گل نہیں کرنی۔
دادی۔۔۔
مجھے بھی لگتا تھا کہ وہ مریم کو پسند کرتا ہے۔
صفا کی آواز میں شوخی تھی۔
خدیجہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔
اوہنے کہا اے کہ اوہ اپنی ماں نال گل کرے گا۔
صفا کی نظریں کہیں دور جا ٹھہریں۔ اس کے ذہن میں مریم کا چہرہ ابھر آیا۔
دادی، کبھی کبھی مجھے مریم کو دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ صفا کی آواز دھیمی پڑ گئی۔
پتا نہیں اس نے کیا کچھ برداشت کیا ہے اور ابھی بھی ایسی کتنی باتیں ہوں گی جو ہمیں معلوم بھی نہیں —
خدیجہ بیگم نے ایک گہری، تھکی ہوئی سانس لی۔
ایہہ سب قسمت دے کھیل نیں، پتر۔۔۔
ان کی آواز میں عمر بھر کے تجربوں کی تھکن تھی۔

قسمت انسان نوں کدوں تے کِتھے لا کے کھڑا کر دیوے کسی نوں نہیں پتا۔

وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئیں، پھر دھیرے سے بولیں۔

کس نوں پتا سی کہ اوہ ایس گھر وچ ہووے گی۔

صفا نے آہستہ سے اپنا سر دادی کے کندھے پر رکھ دیا۔

دادی، کبھی کبھی انسان نہ جینے کے قابل رہتا ہے اور نہ مرنے کے — مریم بھی شاید اسی جگہ کھڑی تھی۔

خدیجہ بیگم کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔

جے عائشہ راضی ہو گئی تاں میں اس دے نکاح وچ بالکل وی دیر نہیں کراں گی۔

صفا فوراً سیدھی ہو کر بیٹھی۔

اور اگر مریم نے انکار کر دیا تو۔۔۔؟

مریم دی مرضی دے بغیر کچھ نہیں ہووے گا۔ میں او دا نکاح زبردستی نہیں کراں واں گی۔

صفا بے اختیار دادی سے لپٹ گئی۔

خدیجہ بیگم نے بھی پیار سے اپنا سر اس کے سر پر ٹکا دیا۔

✦ ✦ ✦

ایشال کل رات سے جاگ رہی تھی۔ نیند جیسے اس کی آنکھوں سے روٹھ گئی ہو۔ وہ صوفے پر نیم دراز تھی، سر پیچھے کی طرف جھکا ہوا، نظریں چھت پر جمی ہوئی تھیں۔

اس کے ذہن میں ایک ہی سوال بار بار ٹکرا رہا تھا۔

کیا میں سیف کے حق میں بہتر نہیں تھی یا سیف میرے حق میں بہتر نہیں تھا؟

سیف کے الفاظ بار بار اس کے کانوں میں گونجتے رہے۔

جب مجھے تمہارے دل کے بارے میں معلوم ہوا — تب سے میں نے یہی دعا کی کہ اللہ تمہیں وہ دے جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دل میں ایک عجیب سا خلا تھا۔

کیا ہم ایک دوسرے کے نہیں ہو سکتے؟

وہ خود سے ہی لڑ رہی تھی، خود ہی جواب ڈھونڈ رہی تھی۔

پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک اور سوچ نے سر اٹھایا۔
نہیں۔۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔
اس کے ذہن میں خواب کی تصویر ابھر آئی — وہ صحرا میں اکیلی کھڑی تھی، دھوپ اس کی جلد کو جھلسا رہی تھی اور دور تک کوئی سایہ نہیں تھا۔
ایشال نے فوراً سے انکھیں کھولیں۔
کیا میرے حصے میں تنہائی لکھی ہے؟ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی کپکپاہٹ آئی۔
نہیں۔۔۔ میں اکیلی نہیں رہوں گی۔
اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی ضد اتر آئی۔
وہ میرا ہے — میں اس کو چھین لوگی۔
خیالات بکھرتے چلے جا رہے تھے۔ وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور خاموش قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔
باہر رات اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اندھیرا دھیرے دھیرے سمٹ رہا تھا اور مشرق کی طرف ہلکی سی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ ہوا میں سردی کی ایک کڑوی سی خنکی اب بھی موجود تھی، جو جسم کو اندر تک چبھ رہی تھی۔
ایشال نے صحن میں قدم رکھا تو سرد ہوا نے اس کا وجود جیسے لمحے بھر میں سمیٹ لیا۔
اس کی نظر احمد پر پڑی۔
احمد ویل چیئر کے سہارے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، مگر وہ ہار نہیں مان رہا تھا۔
ایشال کمرے کے دروازے پر ہی کھڑی رہی۔
احمد نے خود کو سنبھال کر کھڑا ہونے کی کوشش کی، مگر وہ لڑکھڑا گیا اور واپس بیٹھ گیا۔
ایشال کے قدم آگے بڑھے، پھر اچانک رک گئے۔
اس نے سرگوشی کی۔
میں کسی کی پرواہ کیوں کروں — کسی نے میری پرواہ نہیں کی —
ایشال کہہ کر پلٹ گئی۔
احمد نے گہری سانس لی اور چادر سیدھی کی۔ وہ پھر سے کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگا۔
دروازہ بند کرتے ہوئے ایشال کی آواز میں ایک سردی تھی۔

اب میری مرضی چلے گی۔

وہ بستر پر لیٹ گئی، مگر نیند اب بھی دور تھی۔ اندھیری چھت اسے صحرا میں بدلتی محسوس ہوئی۔ وہ پھر اٹھ بیٹھی۔ کچھ دیر یونہی بیٹھنے کے بعد وہ دوبارہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔

سورج نکل آیا تھا۔ سردی کی شدت کم ہو رہی تھی، مگر ہوا میں ابھی بھی خنکی باقی تھی۔

ایشال نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔

وہ ایک نظر خود کو دیکھتی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

وہ کچن میں داخل ہوئی تو سامنے عریشہ کاؤنٹر صاف کر رہی تھی۔ عریشہ اس کو دیکھ کر ایک لمحے کو رک گئی، پھر دوبارہ کام میں لگ گئی۔

ایشال نے فریج کھولا، دودھ نکالا اور چائے بنانے لگی۔

اسی وقت فہد اندر آیا۔

ایشال، ایک کپ چائے بنا دو، سر بہت درد کر رہا ہے۔

آپ کے ہاتھ ہے نا، خود بنا لو—

ایشال نے بغیر دیکھے، ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

فہد کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

بھائی، میں بنا دیتی ہوں۔ عریشہ نے فوراً کہا۔

کیوں۔۔۔؟ اس کو کیا مسئلہ ہے؟ فہد نے تیز لہجے میں پوچھا۔

کیونکہ، ایشال آپ کے باپ کی نوکر نہیں ہے۔

تم بات کس طرح کر رہی ہو؟

فہد نے حیرت اور غصے کے ملے جلے انداز میں اس کی طرف قدم بڑھایا،۔

اس سے پہلے کہ بات بڑھتی، عریشہ فوراً دونوں کے درمیان آ گئی۔

اسی طرح بات کر رہی ہوں، جس کے آپ سب حق دار ہیں۔ اس کی آواز میں ڈر نہیں تھا۔

کیا ہو رہا ہے یہاں؟

عبداللہ صاحب کی آواز کچن میں گونجی۔ وہ دروازے پر کھڑے تھے، چہرے پر سنجیدگی لیے۔

عریشہ اور فہد دونوں پلٹے۔
کچھ نہیں ابو۔۔۔
عریشہ نے جلدی سے کہا، مگر اس کی گھبراہٹ چھپی نہ رہ سکی۔
ایشال خاموشی سے چائے کپ میں انڈیل رہی تھی، جیسے اس گفتگو کا اس سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔
وہ کپ ہاتھ میں لے کر سیدھی ہوئی۔
سچ سننے کی ہمت ہی نہیں کسی میں — ایشال نے دھیرے سے کہا اور بغیر کسی کی طرف دیکھے کچن سے باہر نکل گئی۔
سب کی نظریں اس کے پیچھے رہ گئیں۔
آپ دیکھ رہے ہیں اس کی بدتمیزی؟ فہد نے غصے میں عبداللہ صاحب سے کہا۔
ہو جائے گی ٹھیک — ابھی دل پر باتیں سوار ہیں۔
عبداللہ صاحب کہتے ہوئے پلٹ گئے۔
بھائی، آپ کمرے میں چلیں، میں چائے لے آتی ہوں۔ عریشہ نے نرمی سے کہا۔
فہد نے ایک لمحہ بھی رکے بغیر سخت لہجے میں جواب دیا۔
مجھے نہیں پینی۔
اور پھر تیز قدموں سے وہاں سے چلا گیا۔
عریشہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی اتر آئی۔

✦ ✦ ✦

صحن میں چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ سردیوں کی نرم دھوپ پورے آنگن میں پھیلی ہوئی تھی۔ چارپائی کے سامنے لوہے کا چھلا رکھا تھا، جس میں انگارے دھیرے دھیرے سلگ رہے تھے۔ ان کے اوپر رکھا ساگ والا بڑا برتن ہلکی ہلکی بھاپ چھوڑ رہا تھا۔
خدیجہ بیگم، مریم اور زویا چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ زویا دور سے ہی دونوں ہاتھ آگے کیے چھلے کی گرمی محسوس کر رہی تھی۔
اسی لمحے صفا ہاتھوں میں لکڑیاں اٹھائے صحن میں آئی۔
دادی، آپ کچن میں ساگ پکا لیتیں۔ اس نے لکڑیاں نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

خدیجہ بیگم نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔
میرے کولوں تے کچن وچ ساگ پکایا نئیں جاندا۔
صفا ہلکا سا مسکرائی اور لکڑیاں چھلے میں لگانے لگی۔
اتنے میں مومنہ ایک اور ساگ والا برتن اٹھائے وہاں آگئی۔
ایہنوں ایتھے ای رکھ، چھلے دے کول۔ خدیجہ بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
مومنہ نے احتیاط سے برتن نیچے رکھا۔
صفا نے آگ کو ہوا دی تو شعلے ذرا تیز ہوئے۔
کچھ ہی دیر میں سب چارپائی پر اکٹھے بیٹھ گئے۔
دادی، مریم اور زویا کے لیے کپڑے لینے ہیں۔
مریم نے فوراً صفا کی طرف دیکھا۔
میں سوچ رہی تھی، آج بازار جا کر لے آتے ہیں۔
نہیں، ہمارے پاس پہلے ہی کپڑے ہیں۔ مریم نے دھیرے سے کہا۔
مزید ضرورت نہیں ہے۔۔۔
کپڑے جِنے مرضی ہون، کدے زیادہ نئیں ہوندے، پتر۔
خدیجہ بیگم نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔
اچھا، اگر تمہیں، نہیں چاہیے تو تم نہ لو — ہم زویا کے لیے لے لیں گے۔
مومنہ ہلکا سا مسکرائی۔ اس نے زویا کی پونی ہلاتے ہوئے کہا۔
مریم بے اختیار مسکرا دی۔
چلو پھر تیار ہو جاؤ۔
صفا اٹھتے ہوئے بولی۔
میں سکینہ کو کال کر دیتی ہوں، وہ گھر آجائے گی۔
کل چلے جانا، اج تے مریم نے اپنی امی دے گھر جانا اے۔ خدیجہ بیگم نے نرمی سے کہا۔
تم لوگ چلے جاؤ، میرا بازار جانے کا دل نہیں۔۔۔

مریم نے دھیمے لہجے میں کہا۔
کیوں؟ مومنہ نے فوراً پوچھا۔
مریم نے کندھے اچکا دیے۔
اسی لمحے سیف صحن میں داخل ہوا۔ دھوپ اس کے کندھوں پر پڑ رہی تھی۔
مریم۔۔۔
اس نے جیکٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔
مریم حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
یہ رکھ لو۔۔۔
کس لیے؟ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔
تمہارے کام آئے گا۔
مجھے اس کی ضرورت نہیں۔۔۔
مریم نے سب کی موجودگی میں جھجھکتے ہوئے کہا۔
مریم، رکھ لو۔۔۔
صفا نے فوراً سیف کے ہاتھ سے موبائل لے کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔
مگر۔۔۔
اگر مگر کچھ نہیں—چپ کر کے رکھ لو۔
سیف نے نرم، مگر مضبوط لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔
مریم نے خاموشی سے موبائل کو دیکھا اور پھر اپنی گود میں رکھ لیا۔
مریم تے سیف، مینوں تُہاڈے نال اک گل کرنی اے۔
جی دادی۔
سیف نے آہستہ سے کہا جبکہ مریم خاموش رہی۔
مریم، تیرا شوہر ہُن اس دنیا وچ نئی ہے، ہُن تو اپنی عدّت پوری کر، تے جدوں تک عدّت ختم نہیں ہُندی، اوہدوں تک ذرا سیف توں پردہ کر۔

تے سیف، تُوں وی فی ایہہ گل دا خاص خیال رکھیں۔
جی دادی۔
سیف نے جواب دیا۔
مریم نے اپنا دوپتہ درست کیا اور اس کو چہرے پر کر لیا۔
دادی، میں زمینوں پر جا رہا ہوں۔
اِنہاں نوں وی نال لے جا۔۔۔ خدیجہ بیگم نے فوراً کہا۔
سیف نے سب پر ایک نظر ڈالی۔
صفا تے مومنہ نے بازار جانا اے۔ مریم تے زویا نے ہاجرہ ال جانا اے۔
چلو پھر، جلدی تیار ہو جاؤ۔۔۔
سب چارپائی سے اٹھ گئے اور تیار ہونے کے لیے اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔
صحن میں اب صرف سیف اور خدیجہ بیگم رہ گئے تھے۔
دھوپ تیز ہونے لگی تھی۔ سیف کو ہلکی سی گرمی محسوس ہوئی تو اس نے جیکٹ اتار کر ایک طرف رکھ دی۔
خدیجہ بیگم کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں، پھر دھیرے سے بولیں۔
سیف، مینوں تیرے نال اک ہور گل کرنی اے۔۔۔
جی دادی، بولیں۔۔۔
سیف نے نرمی سے کہا۔
حارث، مریم نوں پسند کردا اے۔
سیف کی نظریں ان پر جم گئیں۔
تے اوہ مریم نال شادی کرنا چاہندا اے۔
سیف کی آنکھوں میں واضح حیرت ابھری۔ وہ ذرا سا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔
تے میں وی ایہو چاہنی آں کہ مریم دا گھر وس جائے۔ خدیجہ بیگم کی آواز میں نرمی بھی تھی اور فکر بھی۔
سیف خاموشی سے ان کی بات سنتا رہا۔
حارث کہندا سی کہ اوہ اپنی ماں نال گل کرے گا۔

تیرا کی خیال اے؟
خدیجہ بیگم نے توقف کے بعد پوچھا۔
سیف نے بے اختیار نظریں جھکا لیں، جیسے اچانک اس کے ذہن میں بہت سے خیال ایک ساتھ اتر آئے ہوں۔
صحن میں خاموشی پھیل گئی۔ صرف چہلے پر رکھے ساگ کے اُبلنے کی آواز آ رہی تھی۔
اسی لمحے زویا بھاگتی ہوئی سیف کے قریب آئی۔
بھائی، میں نے نئے کپڑے پہنے ہیں۔ وہ معصوم سی خوشی کے ساتھ بولی۔
سیف نے اس کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیا۔
بہت زیادہ پیارے ہیں۔
اس نے زویا کا بازو پکڑ کر اسے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھا لیا۔
خدیجہ بیگم کے لبوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔
اسی دوران مریم بھی آہستہ قدموں سے چلتی وہاں آگئی۔ اس کے چہرے پر اب بھی دوپٹہ تھا۔
صفا اور مومنہ کو بھی بلا لو۔
سیف نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
مریم خاموشی سے اندر چلی گئی۔
سیف اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر دھیرے سے بولا۔
دادی، حارث نے آپ سے یہ بات کب کی تھی؟
تیرے ولیمے الے دن۔۔۔
سیف کے ماتھے پر فوراً ہلکی سی شکن ابھری۔
اتنے میں صفا اپنا بیگ لیے کمرے سے باہر نکلی اور اسی لمحے مومنہ اور مریم بھی ساتھ آگئیں۔
دادی، میں نے سکینہ کو کال کر دی ہے، وہ بس آتی ہی ہوگی۔ صفا نے بتایا۔
اچھا۔۔۔
خدیجہ بیگم نے مختصر سا جواب دیا۔
سیف جیکٹ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ زویا بھی فوراً چارپائی سے نیچے اتر آئی۔

دھیان نال جائیو۔۔۔
خدیجہ بیگم نے جاتے ہوئے کہا۔
جی دادی۔۔۔
مومنہ اور مریم ایک ساتھ بولیں۔
سب باہر کی طرف بڑھ گئے۔ سیف نے گاڑی باہر نکالی جبکہ صفا نے دروازہ بند کیا۔
سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ مومنہ اگلی سیٹ پر سیف کے ساتھ تھی، جبکہ صفا، زویا اور مریم پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔
گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔
کچھ لمحوں بعد سیف کو جیسے اچانک کچھ یاد آیا۔
آپ نے کل میرے ساتھ لاہور جانا ہے۔
سیف نے گاڑی چلاتے ہوئے مومنہ سے کہا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں، مگر لہجہ ہمیشہ کی طرح نرم تھا۔
میں نے۔۔۔؟
مومنہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
جی، آپ نے۔۔۔
سیف کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
بھائی، لاہور کیوں جانا ہے؟ صفا نے فوراً سوال کیا۔
ایک کلاس فیلو ہے۔ اس کی طبیعت کافی خراب ہے، اسی کے گھر جانا ہے۔
کیا ہوا ہے اسے؟
صفا کے چہرے پر فوراً فکر ابھری۔
سیف نے ریئر ویو مرر میں ایک نظر پیچھے بیٹھی صفا پر ڈالی۔
یہ تو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا۔ اس نے ہلکا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔
ہمم۔۔۔

صفا نے بھی اسی کی نقل اتاری۔
اگلے ہی لمحے گاڑی میں ہلکی سی ہنسی گونج اٹھی۔
چند لمحوں بعد گاڑی آہستہ سے رکی۔
مریم، گھر آگیا ہے۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
مریم نے شیشے سے باہر دیکھا، ایک لمحے کے لیے اس کی نظریں وہیں ٹھہر گئیں۔
گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ باہر درخت کے ساتھ بھینس بندھی تھی اور کچھ فاصلے پر ایک پرانی سی چارپائی بچھی ہوئی تھی۔
مریم نے خاموشی سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر گئی۔
چلو زویا، تمہاری نانو کا گھر آگیا ہے۔ صفا نے پیار سے کہا۔
نہیں جانا۔۔۔
زویا فوراً منہ بنا کر بولی۔
تمہاری ماما جا رہی ہیں۔
زویا نے فوراً مریم کو دیکھا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
ماما نہیں جانا۔۔۔
وہ تقریباً رونے والے انداز میں بولی اور مریم کو واپس گاڑی کی طرف کھینچنے لگی۔
مریم کے چہرے پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔
ہم تھوڑی دیر بعد واپس آجائیں گے۔ اس نے جھک کر زویا کو اٹھانے کی کوشش کی۔
نہیں، ماما نہیں جانا۔۔۔
زویا نے ضد سے سر ہلا دیا۔
زویا۔۔۔
صفا نے اسے سمجھانا چاہا، مگر سیف نے نرمی سے بات کاٹ دی۔
چلو اسے رہنے دو۔
مریم نے آہستہ سے زویا کا بازو چھوڑ دیا۔

پھر اس نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔
مریم، واپس کب لینے آؤں؟
سیف نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے پوچھا۔
شام میں۔۔۔
مریم نے مختصر سا جواب دیا۔
سیف نے ہلکا سا سر ہلایا۔
مریم نے ایک آخری نظر گاڑی میں بیٹھی زویا پر ڈالی، پھر مڑ کر گھر کے اندر چلی گئی – جیسے ہی وہ دروازے کے اندر غائب ہوئی، سیف نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔
مریم اندر داخل ہوئی تو سب سے پہلے اس کی نظریں دروازے کے ساتھ بنے واش روم پر جا ٹھہریں۔
اس کے قدم ایک لمحے کے لیے دھیمے پڑ گئے۔ چہرے پر پھیلی ہلکی سی رونق آہستہ آہستہ سنجیدگی میں بدلنے لگی تھی۔
وہ ایک قدم اور آگے بڑھی تو چھجے کے نیچے رکھی چارپائی پر نظر پڑی، جس پر پانی کی چند بوتلیں رکھی تھیں۔ صحن میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔
مریم نے آہستہ آہستہ قدم اٹھائے۔
اسی لمحے سامنے کمرے سے ہاجرہ بی باہر نکلیں۔ ان کی نظر جیسے ہی مریم پر پڑی، وہ چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گئیں۔
مریم۔۔۔
وہ بے اختیار سرگوشی میں بولیں۔
پھر اگلے ہی لمحے ان کا چہرہ خوشی سے بھر گیا۔
مریم کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی۔
ہاجرہ بی جلدی سے اس کی طرف بڑھیں اور اسے مضبوطی سے گلے لگا لیا۔
تم آنے سے پہلے مجھے اطلاع تو دیتی۔ ان کی آواز میں خوشی بھی تھی اور شکوہ بھی۔
وہ مریم کا ہاتھ تھامے اسے اندر کمرے میں لے آئیں۔
ادھر بیٹھو۔۔۔
انہوں نے دروازے کے ساتھ رکھی چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔

مریم خاموشی سے بیٹھ گئی۔ نجانے کیوں اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔
اس نے کمرے کو دیکھا۔
کمرے میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف چھوٹی سی الماری رکھی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر چھوٹا سا فریج رکھا تھا۔ چارپائیوں کے سامنے چہلا رکھا ہوا تھا، جس کے ساتھ مصالحے ترتیب سے رکھے تھے۔ قریب ہی برتن رکھنے والا ایک پرانا سا اسٹینڈ تھا، جس میں چند برتن رکھے ہوئے تھے۔
کمرے میں ایک عجیب سی مانوس گرمائش تھی۔
تم کیا کھاؤ گی؟ بتاؤ، میں ابھی لے کر آتی ہوں۔
ہاجرہ بی خوشی میں تیزی تیزی سے بول رہی تھیں۔
اماں، آپ بیٹھ جائیں، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔۔۔
مریم نے دھیرے سے کہا۔ اس کی آواز میں نرم تھی۔
میں چائے بناتی ہوں۔۔۔
ہاجرہ بی چہلے کی طرف بڑھنے لگیں، مگر مریم نے فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔
اماں۔۔۔
پانی لے آؤں؟
نہیں اماں، مجھے کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو میں خود بتا دوں گی۔
ہاجرہ بی کی آنکھیں فوراً نم ہو گئیں۔
آپ بیٹھ جائیں۔۔۔
ہاجرہ بی آہستہ سے اس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔
سیدھی ہو کر بیٹھ جاؤ۔۔۔
اچھا اماں۔
مریم نے ہلکی سی فرمانبرداری سے کہا۔ اس نے جوتے اتارے اور چارپائی پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔
میں تمہیں رضائی دیتی ہوں۔
ہاجرہ بی فوراً اٹھیں، الماری کھولی اور رضائی نکال کر اس کی ٹانگوں پر ڈال دی۔ پھر خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

مریم نے رضائی کا کنارہ کھینچ کر ان پر بھی ڈال دیا۔

زویا نہیں آئی۔۔۔؟

ہاجرہ بی نے اچانک پوچھا۔

نہیں اماں، وہ مومنہ اور صفا کے ساتھ بازار چلی گئی ہے۔

تمہارے بغیر رہ لیتی ہے؟

مریم کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

اس نے بے اختیار اپنا سر ہاجرہ بی کے کندھے پر ٹکا دیا۔ ایسے جیسے بہت لمبا سفر طے کر کے واپس آئی ہو اور اب تھک گئی ہو۔

ہاجرہ بی نے شفقت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

پہلے میرے بغیر نہیں رہتی تھی، مگر اب رہ لیتی ہے۔

مریم کی آواز بھیگ گئی تھی۔

ہاجرہ بی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھر لیا۔

وہاب کے گھر میں وہ ہر وقت ڈری ڈری رہتی تھی۔ کسی کے پاس بھی نہیں جاتی تھی، مگر جب سے یہاں آئی ہے، سب کے ساتھ گھل مل گئی ہے۔ اب کسی سے ڈرتی بھی نہیں ہے۔

ڈرتی بھی کیسے نہ — وہاب مار پیٹ کرتا تھا۔

مریم کی آواز لرزی اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں سامنے جم سی گئی تھیں۔

بچے تو پیار کے بھوکے ہوتے ہیں —

ہاجرہ بی نے گہری سانس کے ساتھ کہا۔ ان کی آنکھوں میں دکھ اتر آیا تھا۔

مریم کے لب ہلکے سے ہلے۔

اماں پیار کی بھوک صرف بچوں میں نہیں ہوتی — ہر انسان چاہتا ہے کہ اسے چاہا جائے — اسے محسوس ہو کہ کوئی اس کا اپنا بھی ہے —

ہاجرہ بی خاموش رہی۔ ان کے پاس جیسے الفاظ ہی نہیں تھے۔ وہ صرف اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں — اس بیٹی کو، جس کے چہرے پر سکون دکھائی دے رہا تھا، مگر دل برسوں کے دکھ سے بھرا ہوا تھا۔

اماں۔۔۔
اس کی آواز میں تھکن تھی۔
یہاں سب کتنا اچھا ہے—یہاں دن گزر جاتا ہے، مگر پتا ہی نہیں چلتا—
وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی، دل کے اندر چھپی ہوئی کیفیت کو لفظوں میں ڈھل رہی ہو۔
یہاں ڈر نہیں ہے—خوف نہیں ہے—یہاں دل اور دماغ جیسے آزاد ہیں—
اماں یہاں سب ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں، سب اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔
مریم ایک لمحے کے لیے رکی۔
میں نے کئی دن، کئی راتیں بھوکی گزاری۔۔۔
مریم کی آنکھوں میں جمع پانی آخر بہہ نکلا۔
ہاجرہ بی کا دل جیسے کسی نے زور سے مروڑ دیا ہو۔ انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ ان کی بیٹی کس اذیت سے گزری تھی۔
مگر یہاں کوئی کھانے پر نہ موجود ہو تو اس کا پوچھا جاتا ہے—
میں نے دوسروں کی اترن پہنی، مگر یہاں مجھے اترن نہیں دی گئی—
اس کے آنسو ہاجرہ بی کے کندھے کو بھگونے لگے۔
ہاجرہ بی نے بھی خاموشی سے اپنی آنکھوں میں آیا پانی صاف کیا۔
اماں یہاں سب بہت اچھے ہیں۔—
یہاں سب نے مل کر گھر بنایا ہے—
مریم نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔
یہاں گھر بجری، سیمنٹ اور اینٹوں سے نہیں بنا—یہاں گھر احساسات، جذبات اور خیالات سے بنایا گیا ہے—یہاں انسان کی قدر کی جاتی ہے—
کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی پھیل گئی۔
مریم نے اپنی آنکھیں صاف کیں، مگر اگلے ہی لمحے اس کا چہرہ پھر سے بکھر گیا۔
اماں۔۔۔
اس کی آواز بری طرح لرزی۔

ابو نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔۔۔؟

ہاجرہ بی نے اپنی آنکھیں مضبوطی سے موند لیں۔ پلکوں کے کناروں پر ٹھہرا پانی بہہ نکلا اور خاموشی سے ان کے گالوں پر اتر گیا۔

مریم، جب تمہارا باپ تمہیں گھر سے لے گیا تھا، تب میں بے خبر تھی۔

اگر مجھے ذرا بھی خبر ہوتی کہ وہ تمہیں بیچنے جا رہا ہے تو میں کبھی ایسا نہ ہونے دیتی۔

مریم کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ اس کے دل میں جیسے کسی نے جلتا ہوا پتھر رکھ دیا ہو۔

تم میری واحد اولاد تھی—

ہاجرہ بی نے کانپتے لبوں سے کہا۔

تم مجھے بہت عزیز تھی—

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئیں، جیسے ماضی کے اندھیروں میں کھو گئی ہوں۔

تمہارے باپ نے تمہیں پچاس ہزار روپے کے بدلے بیچ دیا تھا۔

مریم کے وجود میں جیسے سنسنی دوڑ گئی۔

جس دن وہ تمہیں بیچ کر آیا تھا۔ اس دن وہ شراب میں ڈوبا ہوا تھا۔

ہاجرہ بی کی نظریں کہیں خلا میں جم گئی تھیں۔

میرے اس سے بار بار سوال کرنے پر بھی اس نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔

ان کی آواز میں دکھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

تمہیں بیچ کر آنے کے اگلے ہی دن وہ بیمار پڑ گیا۔ جو پچاس ہزار اس نے تمہارے بدلے لیے تھے، ان میں سے دس ہزار تو وہ شراب میں اڑا آیا تھا، باقی پیسے اپنے علاج پر لگا دیے، مگر وہ ٹھیک نہ ہو سکا۔

ہاجرہ بی کی سانس بھاری ہو گئی۔

تمہارا باپ کینسر سے مرا—

جب وہ اس دنیا سے گیا تب اس کی حالت بہت خراب تھی۔ مجھے لگتا تھا جیسے یہ سب تمہارے ساتھ کیے گئے ظلم کا بدلہ ہے—

ان کی آنکھوں میں پانی لرز رہا تھا، مگر وہ اسے بہنے نہیں دے رہی تھیں۔

اماں، وہاب۔۔۔

مریم درد سے بولی۔

اس نے بھی وہی کیا۔

اس نے میری بیٹی کو پیسوں کی لالچ میں بیچ دیا۔

اس نے میری بیٹی کو، بیٹے کی خواہش میں مار دیا۔

مریم کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

میں سوچا کرتی تھی۔ کیا جیسا نصیب میں لے کر آئی ہوں، ویسا ہی نصیب میری بیٹیوں کے حصے میں بھی لکھ دیا گیا ہے۔۔۔؟

مریم سانس لیے بغیر بولے جا رہی تھی۔

اس نے میری بیٹی کو درندوں کے حوالے کر دیا۔ اب کی بار اس کی آواز بمشکل نکلی۔

میری کی لاش کوڑے کے ڈھیر سے ملی تھی۔

مریم نے زور سے آنکھیں بند کر لیں۔

میں نے اسے ٹی وی پر دیکھا تھا۔ وہ میری طراح تھی۔

ہاجرہ بی کی سسکی نکلی۔

وہ کتنا روئی ہوگی، کتنا چیخی ہوگی، اس نے مجھے کتنا پکارا ہوگا۔

مریم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ہاجرہ بی خاموشی سے اسے اپنے کندھے سے لگائے بیٹھی رہیں۔ وہ خاموش تھیں کیونکہ بعض دکھوں کے لیے الفاظ نہیں ہوتے۔

کمرے میں صرف مریم کی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

ہاجرہ بی کو محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ان کے دل کو مٹھی میں جکڑ کر آہستہ آہستہ کچل رہا ہو۔ دونوں ایک ہی درد میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

کافی دیر بعد جب مریم کی سسکیاں کچھ ہلکی ہوئیں تو ہاجرہ بی نے دھیرے سے کہا۔

مریم، ماضی نہ بھلایا جا سکتا ہے اور نہ مٹایا جا سکتا ہے۔

ہاجرہ بی رکی۔
تم اپنے باپ کو معاف کر دو۔۔۔
معاف۔۔۔؟
مریم کی آواز اچانک بلند ہوئی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
میں معاف نہیں کر سکتی۔۔۔
اس کی آنکھوں میں درد دہک رہا تھا۔
میرا اتنا بڑا دل نہیں ہے کہ میں معاف کر دو۔
ہاجرہ بی خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔
جب تمہارا باپ اس دنیا سے گیا تھا تب اس کی حالت دیکھ کر ترس آتا تھا۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔
اگر تم اسے دیکھ لیتیں تو شاید تمہیں بھی اس پر ترس آجاتا۔
میں نے اسے معاف کر دیا۔۔۔ ان کے لہجے میں تھکن تھی، برسوں کی تھکن۔
اور میں چاہتی ہوں کہ تم بھی اسے معاف کر دو — اس کی اگلی زندگی آسان کر دو۔
مریم نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر دکھ مزید گہرا ہو گیا۔
اور وہاب کو بھی معاف کر دو۔
ہاجرہ بی نے دھیرے سے کہا۔
اماں۔۔۔
مریم کی آواز کانپ گئی۔
آپ مجھے اس انسان کو معاف کرنے کے لیے کہہ رہی ہیں، جس نے میرے جسم کے ٹکڑے کر دیے۔۔۔؟
اس کے آنسو دوبارہ بہنے لگے۔
وہ میری بیٹیوں کا قاتل ہے۔
ہاجرہ بی نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔
تم بھی تو میرے جسم کا ٹکڑا تھی۔ میں نے بھی اپنا دل بڑا کر کے معاف کر دیا۔
اماں، میں آپ جیسی نہیں ہوں، میرے پاس آپ جیسا حوصلہ نہیں ہے۔

ہاجرہ بی ہلکا سا مسکرائیں، مگر وہ مسکراہٹ درد سے بھری ہوئی تھی۔
انہوں نے آہستہ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
مجھے معلوم ہے کہ یہ سب آسان نہیں ہوتا — یہ سب میرے لیے بھی آسان نہیں تھا —
مریم دوبارہ اپنی ماں سے لپٹ گئی۔ اس کی گرفت پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط تھی۔
ماں اور بیٹی دونوں رو رہی تھیں۔ ان کے آنسو ایک دوسرے کے کندھوں پر گرتے جا رہے تھے۔
چند لمحوں بعد ہاجرہ بی اچانک ہلکا سا مسکرا دیں۔
میرے پاس تمہارے لیے کچھ ہے۔
انہوں نے آہستگی سے مریم کو خود سے الگ کیا۔
مریم ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔
ہاجرہ بی چارپائی سے نیچے اتریں اور الماری کی طرف بڑھ گئیں۔
مریم نے اپنی آنکھیں صاف کیں اور خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔
ہاجرہ بی نے الماری کھولی اور اندر سے ایک بڑا سا شاپر نکالا — پھر واپس آ کر مریم کے قریب بیٹھ گئیں۔
سب سے پہلے انہوں نے ایک چادر نکال کر مریم کے سامنے رکھ دی۔
وہ سفید رنگ کی نہایت خوبصورت چادر تھی، جس پر باریک دھاگے سے نفیس کڑھائی کی گئی تھی۔
یہ میں نے تمہارے لیے، مدینہ سے لی تھی۔
مریم نے آہستہ سے چادر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا کپڑا بے حد نرم و ملائم تھا۔
پھر ہاجرہ بی نے ایک اور چادر نکالی۔
وہ کالے رنگ کی چادر تھی۔ اس چادر کے ایک کنارے پر کڑھائی کی ہوئی تھی۔
یہ بھی مدینہ سے لی تھی۔
مریم کی نم آنکھوں میں مسکراہٹ اتر آئی۔
پھر ہاجرہ بی نے سرخ رنگ کی کانچ کی چوڑیاں نکالیں۔ وہ روشنی میں ہلکی ہلکی چمک رہی تھیں۔
تمہیں سرخ رنگ کی چوڑیاں پسند ہیں ناں، اس لیے میں نے یہ تمہارے لیے لے لی۔ یہ بھی مدینہ سے ہی لی تھیں۔
یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بھر گئی۔ آنکھوں میں ٹھہرا پانی پلکوں سے بہہ نکلا۔

میں اللہ سے ہمیشہ دو چیزیں مانگتی تھی۔
میں اس سے کہتی تھی کہ مجھے اپنے گھر بلالے۔ میں اس سے کہتی تھی کہ مجھے میری مریم سے ملا دے۔
مریم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔
ہاجرہ بی نے اپنے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں۔
نجانے کیوں مجھے یقین تھا کہ وہ میری دعائیں ضرور قبول کرے گا۔
انہوں نے گہری سانس لی۔
اس نے مجھے اپنے گھر بلایا۔ اس نے مجھے میری مریم واپس کر دی۔
یہ کہتے ہوئے انہوں نے شاپر میں سے ایک خوبصورت گھڑی نکالی، پھر چھوٹے سے ڈبے میں رکھے ٹاپس۔
یہ مکہ سے لیے تھے۔
مریم کبھی ماں کے چہرے کو دیکھتی اور کبھی چیزوں کو۔
پھر ہاجرہ بی نے ایک پرفیوم نکالا۔
وہ شاپر میں سے ایک کے بعد ایک چیز ایسے نکال رہی تھیں جیسے کسی جادو کی پوٹلی سے نکلی جاتی ہیں۔
اس کی خوشبو مجھے بہت پسند آئی تھی۔
مریم نے آہستہ سے پرفیوم تھام لیا۔
اس نے ڈبہ کھولا اور شیشی باہر نکالی۔ اس نے خوشبو کو محسوس کیا۔ خوشبو واقعی بہت خوبصورت تھی۔
مریم نے فوراً پرفیوم لگا لیا۔
کمرے میں مہک بکھر گئی۔ ایک لمحے کے بعد اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی پھولوں سے بھرے باغ میں آبیٹھی ہو۔
اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی، پھر مسکراتے ہوئے وہی پرفیوم ہاجرہ بی کے کپڑوں پر بھی لگا دیا۔
اماں، یہ بہت اچھی ہے۔
ہاجرہ بی محبت سے مسکرا دیں۔
پھر انہوں نے شاپر سے ایک سفید رنگ کی فراک نکالی اور مریم کی طرف بڑھا دی۔
وہ تقریباً نو یا دس سال کی بچی کے سائز کی تھی۔
مریم نے حیرانی سے پہلے فراک کو دیکھا، پھر اپنی ماں کو۔

مگر ہاجرہ بی بغیر کچھ کہے شاپر سے ایک اور چیز نکالنے لگیں۔
اب کی بار ایک چھوٹا سا ٹراؤزر شرٹ کا جوڑا تھا۔ انہوں نے وہ بھی مریم کے سامنے رکھ دیا۔
مریم خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔
ہاجرہ بی جیسے برسوں کی ادھوری محبت ایک ایک چیز میں سمیٹ کر اس کے سامنے رکھ رہی تھیں۔
پھر انہوں نے ایک ننھا سا ہار نکالا، اس کے ساتھ بالوں میں لگانے والی چھوٹی چھوٹی پنیں بھی۔
وہ مسلسل چیزیں نکال کر مریم کے سامنے رکھتی جا رہی تھیں۔
آخر میں انہوں نے ایک ریموٹ والی گاڑی نکالی اور اس کے سامنے رکھ دی۔
مریم کی نظریں اب بھی اپنی ماں کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔
میں نے یہ سوچ کر کے لیے تھے کہ اللہ نے تمہیں ایک بیٹی اور بیٹا عطا کیے ہوں گے۔
مریم نے دھیرے سے ان کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔
مریم ہلکا سا مسکرا دی۔
یہ سب بہت خوبصورت ہے۔ میں یہ فراک اور یہ ٹراؤزر شرٹ زویا کو ضرور پہناؤں گی۔
پھر مریم نے وہ ریموٹ والی گاڑی اٹھائی۔
اور یہ گاڑی—
زویا کو گاڑیاں پسند ہیں۔
سیف بھائی نے بھی اسے ایک کالی گاڑی لے کر دی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی— اس کو دیکھ کر بھی بہت خوش ہو گی۔
ہاجرہ بی نے سکون بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔
مگر اگلے ہی لمحے مریم نے نظریں جھکا لیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو دوبارہ بہنے لگے۔
اماں۔۔۔
وہ دھیرے سے بولی۔
میری آنکھوں کا پانی رکتا ہی نہیں—
اس نے لب بھینچ لیے۔

وہاب کے گھر کچھ نہ ملنے پر روتی تھی اور بھائی سیف کے گھر میں سب کچھ ملنے پر روتی ہوں۔
اس کی آواز میں حیرت بھی تھی اور شکر بھی۔
ہاجرہ بی محبت سے بولی۔
وہ پروردگار جب نوازتا ہے تو ایسے ہی نوازتا ہے — ہم اس کی نعمتوں کا شکر کبھی ادا نہیں کر سکتے — ہم جتنا بھی شکر ادا کرلے وہ کم ہی رہتا ہے —
مریم اور ہاجرہ بی دونوں نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

✦ ✦ ✦

خدیجہ بیگم اور سکینہ کمرے میں تھیں۔
سکینہ ہیٹر آن کر رہی تھی۔ باہر سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ کھڑکیوں کے شیشے دھند سے بھرنے لگے تھے۔
اسی دوران مومنہ، صفا اور زویا کمرے میں داخل ہوئیں۔
صفا اور مومنہ کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھے، جبکہ ایک چھوٹا سا بیگ زویا نے بھی بڑی احتیاط سے پکڑا ہوا تھا۔
السلام علیکم!
صفا اور مومنہ ایک ساتھ بولیں۔
وعلیکم السلام!
خدیجہ بیگم اور سکینہ نے بیک وقت جواب دیا۔
دونوں نے اپنے شاپنگ بیگز بیڈ پر رکھ دیے۔
زویا رک کر ہیٹر کو دیکھنے لگی۔ سکینہ آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔
باہر سردی بڑھتی جا رہی ہے۔
صفا کہتے ہوئے ہیٹر کے قریب گئی اور اپنے ہاتھ سینکنے لگی۔
سیف نہیں آیا؟ خدیجہ بیگم نے پوچھا۔
دادی، وہ مریم کو لینے گئے ہیں۔
مومنہ نے فوراً جواب دیا۔
اسی دوران زویا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی خدیجہ بیگم کے قریب آ گئی۔

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا بیگ بیڈ پر رکھا، پھر نیچے بیٹھ کر احتیاط سے اپنے جوتے اتارے اور دھیرے سے بیڈ پر چڑھ گئی۔

خدیجہ بیگم اسے محبت سے دیکھ رہی تھیں۔

زویا کیہہ لے کے آئی اے؟ انہوں نے پیار سے پوچھا۔

زویا کے چہرے پر فوراً خوشی آگئی۔ اس نے جلدی جلدی بیگ کھولا اور اس میں سے چند کتابیں نکال کر خدیجہ بیگم کے سامنے رکھ دیں۔

میں چار بُکس لے کر آئی ہوں۔

اس نے خوشی سے اپنی چار انگلیاں دکھاتے ہوئے کہا۔

خدیجہ بیگم ہلکا سا مسکرا دیں۔

ایہہ کیہڑی بُک اے؟

انہوں نے ایک کتاب اٹھا کر دیکھی۔

یہ میری ہے۔

زویا نے فوراً جواب دیا۔ اسے کتابوں کی سمجھ نہیں تھی تو اس نے ان پر اپنا حق جتا دیا۔

صفا اور مومنہ بھی شاپنگ بیگز سے چیزیں نکال نکال کر دادی کو دکھانے لگیں۔

اسی لمحے دروازہ دوبارہ کھلا۔ مریم کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں بھی چیزیں تھیں۔

السلام علیکم!

اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

السلام علیکم!

اسی وقت سیف بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے بھی سلام کیا۔

وعلیکم السلام!

کمرے میں سب کی آوازیں ایک ساتھ گونجیں۔

ماما۔

زویا مریم کو دیکھتے ہی خوشی سے اونچی آواز میں بولی۔ اس نے فوراً اپنے دونوں بازو پھیلا دیے۔

کمرے میں سب کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔
مریم اس کے قریب آکر بیڈ پر بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھوں میں پکڑی چیزیں ایک طرف رکھ دیں۔
زویا فوراً اس کے ساتھ آکر لپٹ گئی۔
مریم نے محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔
کھانا گرم کر دو۔۔۔
سیف نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔
اچھا بھائی۔ صفا فوراً بولی۔
سیف آہستہ قدموں سے باہر چلا گیا۔
پہلاں سارے روٹی کھا لو، فیر آرام نال چیزاں ویکھ لینا۔
خدیجہ بیگم نرمی سے بولی۔
ایہہ ساریاں چیزاں اکٹھیاں کرکے، اک پاسے رکھ دیو۔
صفا چیزیں سمیٹنے لگی۔
خدیجہ بیگم آہستہ سے بیڈ سے اتر آئیں۔
سکینہ اور مومنہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
مریم نے زویا کو اپنے سے الگ کیا اور صفا کے ساتھ مل کر ساری چیزیں صوفے کے ایک کونے میں رکھ دیں۔
سب کچن کی طرف بڑھ گئے۔
سکینہ چولہے کے پاس کھڑی روٹیاں پکانے لگی جبکہ صفا سالن گرم کرنے میں مصروف ہو گئی۔
کچن میں ہلکی ہلکی خوشبو پھیلنے لگی تھی۔
سکینہ، میرے لئیے روٹی نہ بنانا۔
مریم نے جگ میں پانی بھرتے ہوئے کہا۔
کیوں۔۔۔؟ مومنہ نے فوراً پوچھا۔
میں کھانا کھا کر آئی ہوں، اماں نے میرے لیے بریانی بنائی تھیں۔
مریم نے دھیمی آواز میں بتایا۔

اسی لمحے دروازے کی گھنٹی بجی۔
میں ویکھدی آں۔۔۔
خدیجہ بیگم کہتے ہوئے کچن سے باہر نکلیں، مگر سیف پہلے ہی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ واپس پلٹ آئیں۔
سیف نے جا کر دروازہ کھولا۔
سامنے ایک خاتون کھڑی تھیں۔ کالے رنگ کے عبایا نے انہیں مکمل طور پر ڈھانپ رکھا تھا۔
سیف خاموشی سے ایک طرف ہٹ گیا تاکہ وہ اندر آسکیں۔
اسلام و علیکم!
خاتون آہستہ سے کہہ کر اندر داخل ہو گئیں۔
والسلام علیکم!
سیف نے کہتے ہوئے دروازہ بند کیا اور پلٹ گیا۔
خاتون سیدھا سٹڈی روم کی طرف بڑھیں اور دروازہ کھول کر اندر چلی گئیں۔
سیف کچن میں آیا۔
مریم، باجی آگئی ہیں۔
اس نے نرم لہجے میں کہا۔
مریم خاموشی سے اٹھی اور کچن سے باہر نکل گئی۔
سیف آکر ڈائننگ ٹیبل کے پاس بیٹھ گیا۔
صفا، سالن وچ تھوڑا دیسی گھی پا دی۔۔۔
خدیجہ بیگم بولیں۔
اچھا دادی۔ صفا نے فوراً جواب دیا۔
دادی، کل لاہور جانا ہیں—
سیف نے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔
خیریت اے۔۔۔؟
خدیجہ بیگم نے فوراً پوچھا۔

جی دادی ایک کلاس فیلو کی عیادت کرنے جانا ہے۔
اسی دوران صفا سالن لا کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھ چکی تھی۔
سکینہ بھی گرم گرم روٹی لا کر سیف کے سامنے رکھ گئی۔
سیف نے سالن کو دیکھا، پھر گہری سانس لے کر اس کی خوشبو کو محسوس کیا۔
صفا۔۔۔
اس نے دھیرے سے پکارا۔
جی۔۔۔؟
صفا نے مڑ کر دیکھا۔
تمہیں اس سالن میں اور اپنے بنائے ہوئے سالن میں کوئی فرق نظر آتا ہے کیا؟
صفا نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے سیف کو دیکھا۔
سیف نے سکون سے روٹی ہاتھ میں اٹھائی۔
اور اس روٹی کو دیکھو — کیا تم بھی ایسی ہی روٹی بناتی تھی؟ اس نے شرارتی انداز میں کہا۔
جی بالکل ایسی ہی ہوتی تھی۔
صفا نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔
مگر مجھے تو کبھی ایسی نہیں لگی۔
سیف ہنسی دباتے ہوئے بولا۔
ٹیبل پر بیٹھے باقی سب لوگ مسکرا دیے، صرف صفا کے چہرے پر خفگی نمایاں تھی۔
اگر ایسی نہیں لگتی تو اب آپ کی بیگم آ گئی ہیں نا — اس سے پکوا لیا کریں۔
اس نے مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ صفا کے ماتھے پر ہلکی سی شکنیں تھیں۔
سیف نے ایک لمحے کے لیے مومنہ کی طرف دیکھا۔
مومنہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔
میں اسے روٹیاں پکانے کے لیے تو نہیں لایا۔
مومنہ کا دل عجیب سی خوشی سے بھر گیا۔ اس نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

تو پھر آپ خود بھی کوششیں کر سکتے ہیں۔ صفا نے فوراً جواب دیا۔
تم۔۔۔
سیف، میں تینوں کئی وار آکھیا اے، میری دھی نوں تنگ نہ کریا کر۔
خدیجہ بیگم نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔ سیف کی بات ادھوری رہ گئی۔
دادی، میں نے کب تنگ کیا ہے؟
سیف نے نوالہ لیتے ہوئے معصوم بننے کی کوشش کی۔
صفا نے باقی سب کے سامنے بھی کھانا رکھا اور پھر آکر کرسی پر بیٹھ گئی۔
یہ مریم کی باجی کا کیا نام ہے؟ خدیجہ بیگم نے اچانک پوچھا۔
آپی پانی۔۔۔
زویا نے اسی وقت مومنہ کو مخاطب کیا۔
نرین۔
مومنہ نے دادی کے سوال کا جواب دیا اور زویا کو پانی دینے لگی۔
ہاں، نرین۔۔۔
خدیجہ بیگم نے سر ہلایا۔
صفا، جا اوہنوں چائے بنا کے دے آ۔
دادی، میں نہیں جا رہی — میں تو کچھ بھی اچھا نہیں بناتی نا۔ اس کی آواز میں ہلکا سا غصہ تھا۔
خدیجہ بیگم نے سیف کی طرف دیکھا۔ وہ چپ چاپ مسکرا رہا تھا۔
ایہہ تے بس ایویں ہی بولدا رہندا اے
خدیجہ بیگم نے پیار سے کہا۔
دادی، آپ کچھ بھی کہیں، میں نے چائے نہیں بنانی۔
میں بنا دیتی ہوں۔
مومنہ کہتے ہوئے فوراً کھڑی ہو گئی۔
خدیجہ بیگم نے اسے دیکھا، پھر خاموشی سے سر ہلا دیا۔

مومنہ نے فریج کھولا اور دودھ نکال لیا۔
زویا کی نظر فوراً دودھ کے پیکٹ پر پڑی۔
آپی، میری میاوہ۔۔۔؟ وہ دودھ دیکھ کر فوراً یاد آنے پر بولی۔
چلی گئی تمہاری میاوہ۔۔۔ صفا فوراً بولی۔
کہاں؟ زویا نے فوراً سوال کیا۔
پتا نہیں۔۔۔
زویا، تمہیں ابھی مار پڑ جانی آپی سے، وہ ابھی غصے میں ہیں۔ سیف نے ہنسی دباتے ہوئے کہا۔
سیف، نہ تنگ کر۔ خدیجہ بیگم نے اس سے کہا۔
زویا اپنی کرسی سے نیچے اتر گئی۔
کہاں جا رہی ہو؟ صفا نے پوچھا۔
میاوہ کے پاس۔
زویا، وہ چلی گئی ہے۔ صفا نے دوبارہ سمجھایا۔
نہیں۔۔۔
زویا فوراً ضد سے بولی۔
زویا، پہلے کھانا کھا لو، پھر ہم میاوہ کو دیکھنے چلیں گے۔
سیف نے نرمی سے کہا۔
زویا فوراً واپس آکر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔
سکینہ، تُوں وی روٹی کھالے۔
خدیجہ بیگم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
اچھا دادی۔
سکینہ نے کاؤنٹر صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔
مومنہ چائے بنا چکی تھی۔ اس نے احتیاط سے چائے کپ میں ڈالی، پھر کپ ٹرے میں رکھ دیا، ساتھ ہی چند بسکٹ پلیٹ میں سجا لیے۔

وہ ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔
اسٹڈی روم میں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے میں نرم سی گرمائش تھی۔
مریم صوفے پر بیٹھی آہستہ آہستہ دعائیں یاد کر رہی تھی۔
اس کے ہاتھ میں دعاؤں والی کاپی تھی۔ اس کے بالکل سامنے ریحل پر قرآنِ مجید بھی رکھا ہوا تھا۔
کچھ فاصلے پر اس کی باجی نرمین بیٹھی تھی۔ نرمین نے اس وقت اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا ہوا تھا۔
وہ خاموشی سے مریم کو غور سے سن رہی تھی۔
دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، پھر دروازہ کھلا۔
دونوں نے بے اختیار سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔
السلام علیکم!
مومنہ نے اندر آتے ہوئے سلام کیا۔
وعلیکم السلام!
دونوں نے آہستہ سے جواب دیا۔
مومنہ نے خاموشی سے ٹرے نرمین کے سامنے رکھ دی۔
اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔
یہ کوئی تکلف نہیں ہے۔ مومنہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
جزاک اللہ۔
نرمین نے نرمی سے جواب دیا۔
مومنہ خاموشی سے دروازہ بند کر کے واپس چلی گئی۔
صفا، بات سنو۔۔۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
مگر صفا نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔
صفا۔۔۔
اس بار سیف کا لہجہ اور نرم ہو گیا۔
صفا خاموشی سے کھانا کھاتی رہی، جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔

صفا۔۔۔ میری پیاری بہن۔۔۔

سیف کہتے ہوئے ہنس دیا۔

صفا نے فوراً غصے سے اسے دیکھا۔ سیف نے اپنی ہنسی روک لی۔

زویا کے لیے کوئی اچھی سی ٹیوشن ڈھونڈ دو۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

بھائی، میری میاوہ۔۔۔

زویا نے معصوم سی آواز میں یاد دلایا۔

اوَ چلیں۔

سیف نے جیب سے رومال نکال کر ہاتھ صاف کیے۔

زویا فوراً خوشی سے کرسی سے نیچے اتری۔ سیف بھی اپنی جگہ سے اٹھا۔

زویا نے فوراً اس کی انگلی پکڑ لی اور دونوں باہر نکل گئے۔

سیف زویا کو لے کر اوپر چھت پر آگیا۔ چھت پر ہلکی ہلکی دھند پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں پر ایک بلب جل رہا تھا، مگر دھند نے اس کی روشنی کو مدھم کر دیا تھا۔

سیف نے موبائل نکالا اور اس کی فلیش آن کر لی۔

زویا بھاگتی ہوئی اسی کونے کی طرف گئی جہاں اسے پہلے بلی کا بچہ ملا تھا۔ مگر وہاں اب کچھ نہیں تھا۔

زویا کے چہرے پر فوراً اداسی اتر آئی۔

میاؤں۔۔۔

وہ رونے والے انداز میں بولی۔

سیف آہستہ سے اس کے قریب آگیا۔

ہم میاوہ کو باقی جگہوں پر بھی دیکھتے ہیں۔

اس نے نرمی سے اپنی انگلی اس کی طرف بڑھائی۔ زویا نے فوراً اس کی انگلی پکڑ لی۔

دونوں نے پوری چھت دیکھ لی، مگر بلی کا بچہ کہیں نظر نہ آیا۔

میاؤں نہیں ہے۔ زویا کے لہجے میں اداسی تھی۔

وہ ابھی گھومنے گیا ہوگا۔ جب اسے بھوک لگے گی تو وہ دودھ پینے واپس آجائے گا۔ اس نے پیار سے کہا۔

زویا نے فوراً اس کی بات پر یقین کر لیا۔
اب واپس نیچے چلیں۔
زویا نے ہلکے سے سر ہلا دیا۔
اس نے دوبارہ سے سیف کی انگلی تھام لی — پھر دونوں آہستہ سے واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

✦ ✦ ✦

شہریار گاڑی میں بیٹھا سیٹ بیلٹ لگا رہا تھا کہ اچانک اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہو گئی۔ اس نے بیلٹ لاک کی، پھر برابر والی سیٹ سے موبائل اٹھا کر اسکرین پر نظر ڈالی۔
سیف کا میسج تھا۔
میں کل تمہارے پاس آ رہا ہوں — پھر ہم مل کر میرال کے گھر جائیں گے۔
میسج پڑھتے ہی شہریار کے دل کی دھڑکن بے اختیار تیز ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی ایک ساتھ ابھر آئی۔
وہ چند لمحے خاموشی سے اسکرین کو دیکھتا رہا، پھر اس نے آہستہ آہستہ ٹائپ کرنا شروع کیا۔
میں تمہارا انتظار کروں گا۔
اس نے میسج سینڈ کیا، مگر اگلے ہی لمحے دوبارہ ٹائپنگ بار کھول لی۔
ممی یہ سن کر بہت خوش ہوں گی۔
اس کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رک گئے۔ وہ سامنے دیکھنے لگا، پھر دوبارہ لکھنے لگا۔
کھانا تم نے ہم سب کے ساتھ ہی کھانا ہے۔
اس نے دوسرا میسج بھی بھیج دیا۔
پھر فوراً گاڑی اسٹارٹ کی۔ گاڑی کی ہیڈلائٹس جلتے ہی دھندلی رات کی سڑک ہلکی سی روشن ہو گئی۔
اس نے ایکسلیریٹر پر پاؤں رکھا اور گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔
کچھ دیر بعد وہ گھر پہنچ چکا تھا۔ اس نے لانج کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔
ممی۔۔۔
وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا اندر آ رہا تھا۔
مسز اسد لاؤنج میں بیٹھی ڈراما دیکھ رہی تھیں۔ شہریار کی آواز سنتے ہی انہوں نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

ممی، کل سیف آرہا ہے۔
شہریار ان کے قریب بیٹھتے ہوئے خوشی سے بولا۔
مسز اسد فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ ان کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔
ممی، آپ نے اس کے لیے خود کھانا بنانا ہے۔
مسز اسد نے محبت سے سر ہلایا۔ وہ شہریار کو اتنا خوش بہت عرصے بعد دیکھ رہی تھیں۔
اچھا میری جان، میں خود بناؤں گی۔ انہوں نے پیار سے کہا۔
شہریار نے فوراً ان کے ہاتھ پر بوسہ دے دیا۔
کیا مومنہ بھی آرہی ہے؟
مسز اسد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
مومنہ۔۔۔
شہریار نے آہستہ سے اس کا نام دہرایا۔
پتا نہیں ممی، میں نے پوچھا نہیں۔
تم اسے کہنا، مومنہ کے بغیر اس گھر کے دروازے اس پر بند ہیں۔
مسز اسد نے شرارتی انداز میں کہا۔
مومنہ کو ضرور ساتھ لے کر آئے۔
شہریار بے اختیار ہنس پڑا۔
مسز اسد اس کی ہنسی، آنکھوں کی چمک اور چہرے کی رونق دیکھ کر سکون محسوس کر رہی تھیں۔
ممی، آپ بھی نا—
شہریار ہنستے ہوئے بولا۔
مسز اسد کی نظریں اب بھی اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔
اچھا، میں چینج کر کے آتا ہوں۔
وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
شہریار کے جاتے ہی مسز اسد نے گہری سانس لی۔ ان کے چہرے پر عجیب سا اطمینان تھا۔

یا اللہ تیرا شکر ہے۔ وہ سرگوشی میں بولیں۔
شہریار کپڑے چینج کر کے دوبارہ لاؤنج میں آگیا۔ مسز اسد کھانا لگا چکی تھیں۔
ممی۔۔۔
شہریار ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔
پاپا کہاں ہیں؟
وہ تو سو چکے ہیں۔
اتنی جلدی؟ شہریار نے حیرانی سے پوچھا۔
جلدی کہاں؟ بارہ بج رہے ہیں۔
انہوں نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ وقت بتایا۔
بارہ؟
شہریار نے بے اختیار دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا — واقعی بارہ بج چکے تھے۔
وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔
مسز اسد کی نظریں مسلسل اس پر جمی ہوئی تھیں۔
شہریار کھانا کھاتے ہوئے اِدھر اُدھر نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بس خاموشی سے نوالے لیتا جا رہا تھا۔
وہ ایسے کھانا کھا رہا تھا جیسے اس نے کئی دنوں کے بعد کھانا کھایا نہ ہو یا شاید آج بہت عرصے بعد اس نے سکون سے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔
کھانا ختم کرنے کے بعد وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔
ادھر مسز اسد آہستہ آہستہ برتن سمیٹنے لگیں۔
شہریار نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ہیٹر آن کیا، پھر لائٹس بند کر کے اپنے بستر پر آلیٹا۔
کمرے میں ہیٹر کی مدھم نارنجی روشنی پھیل گئی۔
اس نے کمبل اچھی طرح اپنے اوپر کھینچ لیا اور چھت کو دیکھنے لگا۔ چھت کو دیکھتے دیکھتے وہ آہستہ آہستہ ماضی میں کھو گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر ابھر آیا۔
یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں ایک بڑے درخت کا سایہ پھیلا ہوا تھا۔

سیف اور نور دونوں ایک دوسرے کے سامنے وہیں بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے نوٹس کھلے ہوئے تھے، مگر پڑھائی کم اور باتیں زیادہ ہو رہی تھیں۔

میں نے دو تین این جی اوز میں اپلائی کیا ہے۔ نور نے دھیرے سے کہا۔

کیسی این جی اوز؟

سیف نے دلچسپی سے پوچھا۔

وہ این جی اوز جو اغواء ہونے والے بچوں کو ڈھونڈتی ہیں، اور پھر انہیں اپنی حفاظت میں لے لیتی ہیں۔

نور زمین سے گھاس کے تنکے توڑ رہی تھی۔ وہ نظریں جھکائے آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

مگر مجھے ڈر لگتا ہے کہیں وہ مجھے ریجیکٹ نہ کر دیں۔

وہ تمہیں ریجیکٹ نہیں کریں گے۔ سیف نے فوراً کہا۔

نور نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

تم یہ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟

سیف ہلکا سا مسکرایا۔

تم بھی اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ تمہیں ریجیکٹ کر دیں گے؟

نور بے اختیار مسکرا دی۔

سیف، تم نے یہ سب کہاں سے سیکھا ہے؟ اس نے نرمی سے پوچھا۔

کیا؟

سیف نے کندھے اچکائے۔

یہ سب—

یہ سب باتیں جو تم ہم سب سے کہتے ہو۔

یہ سب— سیف نے سوچتے ہوئے لفظ دہرائے۔

یہ سب مجھے میرے اپنوں نے سکھایا—

میرے اردگرد کے لوگوں نے سکھایا—

کتابوں نے سکھایا—

اور زندگی کے مختلف تجربات نے سکھایا۔
نور خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔
مجھے لگتا ہے سب نے سب کچھ تمہیں ہی سکھا دیا ہے۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔
سیف بھی ہنس دیا۔
میں نے ہر کسی سے کچھ نہ کچھ سیکھا ہے، مگر مجھے تو یہ سب کچھ نہیں آتا۔
نور نے اچانک سنجیدگی سے کہا۔
زندگی اور لوگ ہر کسی کو ہر چیز سکھا دیتے ہیں۔ بس ہر انسان کے ساتھ ہونے والے واقعات کا وقت مختلف ہوتا ہے۔ یہ ہر کسی کے ساتھ مختلف طریقے سے پیش آتے ہیں اور ان کے سکھانے کا طریقہ بھی مختلف ہوتا ہے۔
سیف نے آہستہ سے اپنی بات مکمل کی۔
شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔
وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی آہستہ سے بولی۔
سیف کی نظریں کچھ لمحوں کے لیے آسمان کی طرف اٹھیں۔
اور ان سب میں کبھی وقت ہمیں قید کر لیتا ہے یا ہم وقت میں قید ہو جاتے ہیں۔
نور نے اپنی آنکھیں سکیڑتے ہوئے اسے دیکھا۔
اس کا مطلب تو ایک ہی لگ رہا ہے۔
جملے ایک جیسے ضرور لگتے ہیں، مگر ان کا مطلب مختلف ہیں۔
پھر کیا مطلب ہے؟
نور نے تجسس سے پوچھا۔
ہماری زندگی کے جو خوبصورت اور خوشگوار لمحے ہوتے ہیں، ہم انہیں ہمیشہ کے لیے قید کر لینا چاہتے ہیں۔ مگر ہم وقت کو تو روک نہیں سکتے اس لیے ان لمحوں کو اپنے دل میں محفوظ کر لیتے ہیں اور وقت ہمیں ان لمحات میں قید کر لیتا ہے۔
نور نے اپنا چہرہ ہاتھ پر ٹکا لیا۔ وہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

ہماری زندگی کے جو مشکل اور تکلیف دہ لمحات ہوتے ہیں ہمیں ان کو بھولنا چاہیے، مگر وقت ہمیں بھولنے نہیں دیتا اور ہم وقت کے ان لمحات میں قید ہو جاتے ہیں۔

اسی لمحے شہریار ان کے قریب آگیا۔

ہیلو۔۔۔

وہ کہتے ہوئے ان کے ساتھ گھاس پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا بیگ اپنے سامنے رکھا اور سکون سے سانس لی۔

ہیلو۔۔۔

نور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

تم لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ شہریار نے دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

بس، ایسے ہی۔

سیف نے مختصر سا جواب دیا۔

شہریار نے سیف کے سامنے رکھے نوٹس اٹھا لیے اور انہیں دیکھنے لگا۔

یہ کون سا ٹاپک ہے؟ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

میں نے تو، یہ نہیں پڑھا۔

تم اُس دن آف پر تھے۔ سیف نے آہستہ سے جواب دیا۔

اچھا، پھر مجھے بھی سمجھا دو۔ شہریار نے فوراً کہا۔

اسی لمحے میرال وہاں آگئی۔

سیف۔۔۔

اس نے قریب آکر دھیمی آواز میں اس کا نام لیا۔

تینوں نے ایک ساتھ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

میرال کے چہرے پر سنجیدگی تھی، بلکہ ہلکی سی بے چینی بھی۔

کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟

وہ صرف سیف کو دیکھتے ہوئے بولی۔

ہاں—بیٹھ جاؤ۔

اس نے نور کے ساتھ والی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔
نور اور شہریار نے ایک لمحے کے لیے سیف کو دیکھا، پھر خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔
مجھے اکیلے میں بات کرنی ہے۔
میرال نے اس بار صاف لفظوں میں کہا۔
سیف ایک لمحے کو خاموش رہا۔ اس کی نظریں پہلے شہریار پر گئیں، پھر نور پر، جو خاموشی سے زمین کی طرف دیکھ رہے تھے۔
تم یہاں سب کے سامنے بات کر سکتی ہو۔
اور اگر تمہیں بہتر نہیں لگتا، تو پھر کبھی بعد میں بات کر لیں گے — میں ایسے اٹھ کر نہیں جا سکتا۔
میرال کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس کی آنکھوں میں ہلکا سا غصہ اتر آیا۔
اس نے ایک لمحے کے لیے نور اور شہریار کو دیکھا، پھر دوبارہ سیف کی طرف نظریں کی، مگر اس بار اس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے پلٹی اور وہاں سے چلی گئی۔
سیف، تم جا سکتے تھے۔نور نے آہستہ سے کہا۔
سیف نے اس کی طرف دیکھا۔
نہیں — یہ ٹھیک نہیں ہوتا کہ میں تم لوگوں کو ایسے چھوڑ کر چلا جاتا۔
اس کی آواز نرم، مگر واضح تھی۔
اور کیا تم لوگوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟
شہریار خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا احساس ابھرا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ سیف اس کی وجہ سے نہیں گیا۔
نور بھی خاموش ہو گئی۔ ماحول میں یکدم ایک عجیب سی تبدیلی آ گئی تھی۔
ایسی خاموش تبدیلی، جسے تینوں نے محسوس تو کیا، مگر کسی نے لفظوں میں بیان نہیں کیا۔
میرال اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا بیگ زور سے بیڈ پر پھینکا۔ کمرے میں ایک بھاری سی خاموشی پھیل گئی۔
وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر چلنے لگی۔ اس کے قدم تیز تھے اور سانسیں بے ترتیب۔

سیف نے — اُن کی وجہ سے مجھے انکار کیا —
وہ دھیمی آواز میں خود سے کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دکھ اور غصہ ایک ساتھ بھرنے لگا۔
وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟
اس کی آواز بھر گئی، پھر وہ رک گئی۔
اس نے بے اختیار اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔
اور یہ شہریار۔۔۔
اس نے دانت بھینچے۔
ہر وقت سیف کے ساتھ ہی چپکا رہتا ہے۔
وہ آہستہ سے بیڈ پر بیٹھ گئی، مگر اس کے اندر کا اضطراب کم نہ ہوا۔
میں اسے سیف سے دور کر کے ہی رہوں گی —
یہ سب اس کی وجہ سے ہو رہا ہے —
وہ سرگوشی میں بول رہی تھی۔ اس نے گہری گہری سانسیں لیں، جیسے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔
پھر اچانک اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور جلدی سے موبائل باہر نکال لیا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے اسکرین پر چلنے لگیں۔
اگلے ہی لمحے اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔ رِنگ بجتی رہی، مگر کال رِسیو نہ ہوئی۔
میرال کے چہرے پر جھنجھلاہٹ مزید گہری ہو گئی۔ اس نے فوراً دوبارہ کال ملائی۔ اس بار بھی بیل بجتی رہی اور بند ہو گئی۔
میرال نے بے اختیار ہونٹ بھینچ لیے۔ اس کا غصہ اب بڑھتا جا رہا تھا۔
وہ ابھی بھی سیف کے ساتھ ہی ہوگا۔
اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ یہ خیال آتے ہی اس کی آنکھیں نمی سے بھر گئیں۔
وہ خاموشی سے موبائل کو دیکھتی رہی، جیسے اس چھوٹی سی اسکرین میں اسے اپنی بے بسی نظر آ رہی ہو۔
سیف اور عزیر گھر کے باہر کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ ایک گاڑی آ کر ان کے قریب رکی۔
دونوں کی نظریں بے اختیار گاڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ اگلے ہی لمحے گاڑی کی ہیڈ لائٹس بند ہوئیں، دروازہ کھلا اور شہریار باہر نکلا۔

اسے دیکھتے ہی سیف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
شہریار نے گاڑی لاک کی اور ان کی طرف بڑھ آیا۔
السلام علیکم!
اس نے قریب آکر پہلے عزیر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
وعلیکم السلام!
عزیر نے مسکراتے ہوئے مصافحہ کیا۔
اس کے بعد شہریار نے سیف سے ہاتھ ملایا۔
آج کہیں راستہ تو نہیں بھول گئے؟ سیف نے ہلکے پھلکے انداز میں چھیڑا۔
شہریار اور عزیر دونوں مسکرا دیے۔
آؤ اندر چلتے ہیں۔
سیف نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اچھا، میں چلتا ہوں۔ عزیر فوراً بولا۔
کیوں؟ ہم کھانا کھانے جا رہے ہیں، تم بھی ساتھ چلو۔
سیف نے اسے روکنے کی کوشش کی۔
نہیں، میں کھانا کھا چکا ہوں۔ عزیر نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔
کھانا نہ سہی، ویسے ہی ہمارے ساتھ آجاؤ۔ اس بار شہریار نے کہا۔
نہیں، تم لوگ جاؤ۔
عزیر، آجاؤ نا۔ سیف نے ایک بار پھر اصرار کیا۔
عزیر ہلکا سا مسکرایا۔
پھر کبھی پکا۔
مرضی ہے تمہاری۔ سیف نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
اللہ حافظ۔ عزیر نے جواب میں کہا۔
اللہ حافظ۔

سیف اور شہریار نے ایک ساتھ کہا۔
عزیر مڑا اور آہستہ آہستہ اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔
سیف اور شہریار بھی گھر کے اندر داخل ہو گئے۔
تم بیٹھو، میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔ سیف نے کہا۔
ٹھیک ہے۔
شہریار بیڈ پر بیٹھ گیا۔
سیف نے اپنا موبائل اور والٹ بیڈ پر رکھا اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔
دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔
شہریار نے جیب سے اپنا موبائل نکالا، مگر اگلے ہی لمحے اس کی نظر بیڈ پر رکھے سیف کے موبائل پر جا ٹھہری۔ وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا۔
پھر اس نے نظریں واش روم کے دروازے کی طرف اٹھائیں۔ اندر سے پانی چلنے کی ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔
شہریار نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا اور سیف کا موبائل اٹھا لیا۔ اسکرین روشن ہوئی۔ موبائل پر کوئی پاس ورڈ نہیں لگا تھا۔
اس کے دل کی دھڑکن بے اختیار تیز ہو گئی۔ اس نے ایک بار پھر واش روم کے بند دروازے کی طرف دیکھا اور پھر واٹس ایپ کھول لی۔
شہریار نے میرال کی چیٹ اوپن کر لی۔ اس کی نظریں تیزی سے پیغامات پر چلنے لگیں۔
جتنا وہ پڑھتا گیا، اتنا ہی اس کے چہرے پر حیرت بڑھتی گئی۔
میرال کے بے شمار میسجز تھے — مگر سیف کے جواب نہ ہونے کے برابر تھے اور جو چند جوابات تھے بھی، وہ زیادہ تر یونیورسٹی کے کام کے متعلق تھے۔
نہ کوئی غیر ضروری گفتگو — نہ کوئی خاص دلچسپی — نہ کوئی ایسی بات، جس سے میرال کی اہمیت ظاہر ہوتی ہو۔
شہریار چند لمحوں تک خاموشی سے سکرین کو دیکھتا رہا۔
پھر اس نے گہرا سانس لیا اور فوراً موبائل بند کر کے وہیں رکھ دیا جہاں سے اٹھایا تھا۔ اس نے سر بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا۔ اس کے دل میں عجیب سا سکون اترنے لگا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔
شہریار نے فوراً سر اٹھایا۔
سیف باہر نکلا۔ اس کے بال ہلکے سے نم تھے اور وہ تولیے سے اپنا چہرہ خشک کر رہا تھا۔
اس نے تولیہ کرسی کی پشت پر پھیلایا اور شہریار کی طرف دیکھا۔
چلیں؟
ہاں، چلو۔۔۔
شہریار فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ سیف نے اپنا موبائل اور والیٹ جیب میں رکھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
شہریار بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔دونوں کمرے سے نکل گئے۔
شہریار۔۔۔
مسز اسد کی آواز لانج میں گونجی۔ وہ ٹیبل پر کافی کے کپ رکھ رہی تھیں۔
جی ممی۔۔۔
شہریار نے اونچی آواز میں جواب دیا۔ وہ اس وقت باہر پورچ میں کھڑا تھا۔
مسز اسد صوفے پر بیٹھ گئیں۔
بیٹا، کافی لے لو۔
چند لمحوں بعد شہریار لاؤنج میں داخل ہوا۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا آیا اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔
دونوں ماں بیٹا ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔
شہریار نے کافی کا کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا۔ کافی کی کڑواہٹ اس کے حلق سے اتر گئی۔
وہ چند لمحے خاموشی سے کپ کو دیکھتا رہا، پھر اس کی نظریں اپنی ماں کے چہرے پر جا ٹھہریں۔
ممی مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔
اس کی آواز معمول سے زیادہ دھیمی تھی۔
مسز اسد نے شہریار کو دیکھا۔
شہریار اپنی جگہ سے اٹھا اور آکر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔
مسز اسد نے بے اختیار اپنا رخ اس کی جانب کر لیا۔

شہریار نے اپنے ہاتھ میں پکڑا کافی کا کپ میز پر رکھا، پھر نرمی سے اپنی ماں کے ہاتھ سے بھی کپ لے کر میز پر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

چند لمحے وہ خاموش رہا، جیسے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو، پھر آہستہ سے بولا۔

ممی، میں کسی کو پسند کرتا ہوں۔ مسز اسد کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

کون ہے وہ؟

انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

میرال۔۔۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔

میرال؟ تمہاری کلاس فیلو؟ مسز اسد نے پوچھا۔

شہریار نے ہلکے سے سر ہلا دیا۔

کیا تم نے اسے بتایا؟ انہوں نے فوراً اگلا سوال کیا۔

نہیں ممی۔

کیوں؟

شہریار خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔ اس نے نظریں جھکا لی۔

کیا بات ہے شہریار؟ انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

ممی۔۔۔

شہریار الفاظ ادا کرنے میں جھجک محسوس کر رہا تھا۔

بولو شہریار۔

مسز اسد کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ نرم ہو گیا۔

شہریار نے گہرا سانس لیا۔

مجھے لگتا ہے کہ وہ سیف کو پسند کرتی ہے۔

اور تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟ انہوں نے سکون سے پوچھا۔

وہ اکثر سیف کو دیکھتی رہتی ہے — اسے میسج کرتی رہتی ہے — وہ اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتی رہتی ہے اور

شہریار کہتے کہتے رک گیا۔

اور۔۔۔؟

مسز اسد نے نرمی سے پوچھا۔

ایک بار نور نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا تم سیف کو پسند کرتی ہو – مگر اس نے جواب نہیں دیا تھا۔

لاؤنج میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

مسز اسد اپنے بیٹے کے چہرے پر پھیلی بے یقینی اور خوف کو صاف محسوس کر سکتی تھیں۔

کیا تم نے سیف کی طرف سے بھی کچھ ایسا محسوس کیا۔۔۔؟

نہیں ممی۔۔۔

شہریار نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

پھر تمہیں اسے اپنے دل کی بات بتانی چاہیے۔

شہریار نے فوراً سر اٹھایا۔

مگر ممی۔۔۔

شاید حقیقت وہ نہ ہو جو تم سوچ رہے ہو۔

اور اگر وہ واقعی سیف کو پسند کرتی ہے تو بھی تمہیں کم از کم اپنے دل کا بوجھ تو نہیں رہے گا۔

شہریار خاموش ہو گیا۔

وہ جانتا تھا کہ ممی کی بات غلط نہیں تھی، مگر دل میں چھپا خوف اب بھی اپنی جگہ موجود تھا۔

کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

مسز اسد نے ماحول ہلکا کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے کہا۔

شہریار نے ان کے ہاتھ چھوڑ دیے اور کافی کا کپ اٹھا لیا۔

مسز اسد نے بھی اپنا کپ تھام لیا۔

شہریار نے ایک گھونٹ لیا۔ اس بار کافی اسے پہلے سے کہیں زیادہ کڑوی محسوس ہوئی – شاید اس لیے کہ اس کے دل میں چھپا خوف، کافی کی کڑواہٹ سے بھی زیادہ تلخ تھا۔

طلبہ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

کوئی کلاس سے نکل رہا تھا تو کوئی جلدی جلدی اندر جا رہا تھا۔ اردگرد قدموں کی چاپ، ہنسی مذاق اور گفتگوؤں کا شور پھیلا ہوا تھا۔

میرال کلاس کے باہر کھڑی تھی۔ اس کی نظریں موبائل کی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور انگلیاں مسلسل اس پر چل رہی تھیں۔

اسی دوران شہریار کلاس روم سے باہر نکلا۔ اس کی نظر فوراً میرال پر جا ٹھہری۔ وہ اس کی جانب بڑھا۔

اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر دل میں عجیب سا خوف بھی موجود تھا۔ دل کی دھڑکن معمول سے کہیں زیادہ تیز ہو چکی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرال کے قریب آگیا۔

میرال نے ایک لمحے کے لیے موبائل سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ابھر آئے۔

میرال مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔

شہریار نے بمشکل اپنے دل کی دھڑکنوں کو قابو کرتے ہوئے کہا۔

ہمم۔۔۔

میرال نے بے دلی سے جواب دیا اور دوبارہ موبائل کی طرف متوجہ ہو گئی۔

میرال۔۔۔

شہریار ایک لمحے کو رکا۔ اس کے گلے میں جیسے الفاظ اٹک گئے تھے۔ مگر پھر اس نے ہمت جمع کی۔

میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔

اس کی آواز بہت دھیمی تھی، مگر اس کے لیے یہ الفاظ ادا کرنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک تھا۔

میرال نے فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں واضح حیرت تھی۔

شہریار کو محسوس ہوا جیسے اس کا دل سینے سے باہر نکل آئے گا۔

مگر میں تمہیں بالکل بھی پسند نہیں کرتی۔ میرال نے بے حد سرد لہجے میں کہا۔

یہ چند الفاظ شہریار کے دل پر کسی تیز دھار وار کی طرح لگے۔ اس کے چہرے پر سایہ سا گزرا۔ دل میں ایک عجیب سا درد اٹھا۔

میرال ایک قدم آگے بڑھی، مگر پھر اچانک رک گئی۔ اس نے شہریار کے پیچھے سیف اور نور کو کھڑے دیکھا۔ دونوں کے چہروں کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ ساری بات سن چکے تھے۔

شہریار کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

میرال نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔

میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔

اس کی آواز میں کوئی نرمی نہیں تھی۔

اس لیے آئندہ مجھ سے اور اس سے دور رہنے کی کوشش کرنا۔ اس نے نگاہوں ہی نگاہوں میں سیف کی طرف اشارہ کیا۔

پھر وہ مڑی اور بغیر ایک لمحہ رکے وہاں سے چلی گئی، جیسے کسی کے جذبات اور دل کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

شہریار اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہاں موجود تمام آوازیں اچانک ختم ہو گئی ہوں — صرف اس کے دل کے ٹوٹنے کی آواز باقی رہ گئی تھی۔

نور اور سیف اس کے آگے آکھڑے ہوئے۔ دونوں کے چہروں پر افسوس اور دکھ نمایاں تھا۔

شہریار۔۔۔

سیف نے نرمی سے اس کا نام لیا۔

اچانک — شہریار ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کی سانسیں تیز چل رہی تھیں۔

اسے گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے فوراً اپنے اوپر سے کمبل ہٹا دیا۔ آنکھوں کے کناروں پر نمی ابھر آئی تھی۔

اس نے ہاتھ پھیر کر آنکھیں صاف کیں اور بیڈ سے نیچے اتر آیا۔ شہریار آگے بڑھا اور ہیٹر بند کر دیا۔ ہیٹر کی مدھم روشنی بھی ختم ہو گئی۔ کمرہ مکمل تاریکی میں ڈوب گیا۔

وہ چند لمحوں تک خاموش کھڑا رہا، پھر واپس آکر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس بار اس نے کمبل نہیں اوڑھا۔

اسے اپنی زندگی کے گزرے کئی دن یاد آئے تھے، مگر تکلیف ٹھکرائے جانے والے دن پر ہوئی تھی۔

اس کی نظریں اندھیرے میں کہیں گم تھیں۔

✦ ✦ ✦

باب چہارم

قدر

میرال کا سر وانیہ کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے چمک رہی تھیں، جبکہ وانیہ کے چہرے پر گہری تکلیف کے آثار تھے۔

میرال۔۔۔

وانیہ نے آہستگی سے اس کا نام لیا۔

تمہیں اس حال میں دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔

میرال خاموش رہی۔

کیا تم پہلے جیسی نہیں ہو سکتیں؟

وانیہ کی آواز میں عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے—

میرال کی آواز لرز گئی۔

جب بھی میں سیف کے بارے میں سوچتی ہوں، میرے دل میں درد اٹھنے لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہرا ہوا پانی آخر بہہ نکلا۔

وہ کیوں چلا گیا؟

اس کی ٹوٹی ہوئی آواز سن کر وانیہ کا دل بھی بھر آیا۔ اس نے نرمی سے اس کے گالوں پر بہتے آنسو صاف کیے۔

میرال، پلیز۔۔۔

اس کی آواز میں التجا تھی۔

میرال نے آنکھیں بند کر لیں، مگر آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

اگر وہ میرے نصیب میں نہیں تھا تو پھر میری زندگی میں آیا ہی کیوں تھا؟

وانیہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے میرال کے چہرے کو دیکھا۔

شاید، وہ نہ جاتا اگر تم اپنے جذبات کو سنبھال لیتیں۔ اس نے نرمی سے کہا۔

تم نے جلد بازی میں اپنا ہی نقصان کیا ہے۔

میرال خاموش ہو گئی۔

اس کی نظریں کھڑکی سے باہر جم گئیں۔ آنسو بہنا تو رک گئے تھے، مگر دل کا شور اب بھی باقی تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کے دھندلے منظر ابھرنے لگے۔

میرال سے اس دن دل کی بات کے بعد شہریار پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ وہ خاموش اور گم سم رہنے لگا تھا۔ وہ اکثر خالی نظروں سے میرال کو دیکھتا رہتا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا درد تھا جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا تھا۔

سیف نے اسے اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ یونیورسٹی میں زیادہ تر شہریار کے ساتھ ہی رہتا۔ کبھی کسی بہانے اسے کیفیٹیریا لے جاتا، کبھی گراؤنڈ کی طرف نکل جاتا۔ وہ مسلسل اس سے باتیں کرتا رہتا تاکہ کم از کم کچھ دیر کے لیے شہریار کا ذہن بٹا رہے اور سب سے بڑھ کر سیف نے شہریار کو میرال سے دور رکھنا شروع کر دیا تھا۔

یہی بات میرال کو اندر ہی اندر جلا رہی تھی۔ اسے سیف پر غصہ آتا تھا، مگر اس سے کہیں زیادہ غصہ اسے شہریار پر آتا تھا۔

سیف اس کے میسجز کا جواب نہیں دیتا تھا۔ اس سے نظریں چرا لیتا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس سے مزید دور ہوتا جا رہا تھا۔

کلاس روم میں اس وقت چند ہی طلبہ موجود تھے۔

سیف اور شہریار درمیان والی قطار کی پہلی میز پر بیٹھے، کسی بات میں مصروف تھے جبکہ نور اور نورالعین ان کی دائیں جانب والی میز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

میرال درمیان والی قطار کی پانچویں میز پر بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں مسلسل سیف اور شہریار پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں باتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے اندر بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے کئی بار اپنی توجہ ہٹا لینے کی کوشش کی، مگر ناکام رہی۔

پھر آخر کار اس کا صبر جواب دے گیا۔ وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھی اور تیز قدموں سے سیڑھیاں اترتی ہوئی ان کی میز تک آپہنچی۔

نور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

سیف، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔

اس کی آواز میں دبی ہوئی ناراضی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

سیف اور شہریار دونوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

سیف کے چہرے پر فوراً سنجیدگی چھا گئی، جبکہ شہریار کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔

تم مجھے نظر انداز کیوں کر رہے ہو؟ میرال نے سیدھا سوال کیا۔

سیف کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی تلخ مسکراہٹ ابھری۔

میں ایسا کیوں کروں گا؟

اس نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

نور العین بھی پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

شہریار خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں نمی سے چمکنے لگی تھیں۔

تم مجھ سے بات نہیں کرتے، میرے میسجز کا جواب نہیں دیتے اور اگر یونیورسٹی میں کہیں نظر آجاؤں تو مجھے نظر انداز کر کے گزر جاتے ہو۔

میرال کی آواز بلند ہونے لگی تھی۔

ایسا کچھ نہیں ہے۔

سیف نے بے پروائی سے جواب دیا۔

تم یہ سب شہریار کی وجہ سے کر رہے ہو نا؟

میرال نے ذرا سا میز پر جھکتے ہوئے کہا۔

شہریار کے دل میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی۔ اس نے بے اختیار سیف کی طرف دیکھا۔

میرال، ایسا کچھ نہیں ہے۔

سیف نے نرمی سے کہتے ہوئے اپنا رخ شہریار کی جانب کر لیا۔

اگر شہریار مجھے پسند کرتا ہے تو میں کیا کروں۔ میرال کی آواز اب پوری کلاس میں گونجی تھی۔
کلاس روم میں موجود تمام طلبہ کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔
شہریار کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔
سیف نے حیرت سے میرال کو دیکھا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔
میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔
وہ الفاظ فضا میں گونجے تو جیسے چند لمحوں کے لیے وقت رک گیا۔ کلاس روم میں مکمل خاموشی چھا گئی۔
شہریار کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اس کی آنکھوں میں نمی بھر آئی۔
میرال، یہاں سین کریئیٹ کرنے کی کوشش مت کرو۔ سیف نے سختی سے کہا۔
میں جانتی ہوں تم یہ سب اس کی وجہ سے کر رہے ہو۔
میرال نے انگلی اٹھا کر شہریار کی طرف اشارہ کیا۔
شہریار نے نظریں جھکا لیں۔
میرال، کول ڈاؤن۔۔۔
نور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔
جسٹ شٹ اپ۔۔۔
میرال نے پلٹ کر اتنی بلند آواز میں کہا کہ نور اپنی جگہ پر ہی ساکت رہ گئی۔
میرال، بی ہیو یور سیلف۔۔۔
اس بار سیف کا لہجہ سرد تھا۔
کلاس روم میں موجود ہر شخص حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آج تک کسی نے سیف کو اس انداز میں بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔
میرال نے نم آنکھوں سے سیف کو دیکھا۔
مجھے اپنی بات کا جواب چاہیے۔
اس کی آواز اب بھی ضد اور غصے سے بھری ہوئی تھی۔
سیف آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ وہ چند قدم چل کر میرال کے سامنے آکھڑا ہوا۔

تمہیں اپنی بات کا جواب چاہیے نا؟
اس کی آواز نہ بلند تھی، نہ دھیمی – مگر اس خاموش کلاس روم میں ہر لفظ صاف سنائی دے رہا تھا۔ سب کی نظریں انہی پر جمی تھیں۔
شہریار کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر اس کے گال پر بہہ گیا۔
تو سنو۔۔۔
میں بھی تمہیں پسند نہیں کرتا۔
میرال کی سانس رک گئی۔ اس کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔
سیف کی آواز بدستور پرسکون تھی۔
اور میں بھی کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔
میرال کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
شہریار کی نم آنکھیں مسلسل سیف کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔
سیف نے ایک لمحے کے لیے شہریار کو دیکھا اور پھر میرال پر نظریں جما لیں۔
اور رہی نظر انداز کرنے کی بات۔۔۔
تو ہاں – میں اس کی وجہ سے کر رہا ہوں کیونکہ وہ مجھے بہت عزیز ہے۔
چند لمحوں کے لیے وہاں مکمل خاموشی چھا گئی۔
پھر سیف نے اپنا اور شہریار کا بیگ اٹھایا۔
چلو، شہریار۔۔۔
اس نے نرمی سے شہریار کا ہاتھ پکڑا۔ شہریار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔
تم لوگ بھی آجاؤ۔ یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔
سیف نے نور، نورالعین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
نور نے خاموشی سے سر ہلایا اور اپنا بیگ اٹھایا۔ نورالعین نے اپنی ڈائری بیگ میں رکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
چند لمحوں میں چاروں کلاس روم سے باہر جا چکے تھے۔
میرال وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر چکے تھے۔ اس کا دل پہلی بار واقعی ٹوٹا تھا۔

کلاس روم کی خاموشی اب دھیمی دھیمی سرگوشیوں میں بدل رہی تھی۔
میرال نے بمشکل ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس کی ٹانگیں جیسے اس کا ساتھ چھوڑ رہی تھیں۔
وہ چلتے ہوئے ایک لمحے کے لیے لڑکھڑائی، مگر خود کو سنبھال لیا—پھر سر جھکائے خاموشی سے کلاس روم سے باہر نکل گئی۔
میرال گھر واپس آچکی تھی۔
وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی چال میں ایسی تھکن تھی جیسے وہ کئی میل چل کر آئی ہو۔
وانیہ بیڈ پر چادر بچھا رہی تھی، جیسے ہی اس کی نظر میرال پر پڑی، اس کے ہاتھ وہیں رک گئے۔
میرال کی آنکھیں سرخ تھیں، جبکہ آنسو مسلسل اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔
وانیہ کے چہرے پر فوراً پریشانی ابھر آئی۔ اس نے جلدی سے چادر چھوڑی اور تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھی۔
میرال، کیا ہوا؟
اس نے گھبرا کر اس کے بازو تھام لیے اور آہستگی سے اسے صوفے تک لے آئی۔
میرال نے خود کو صوفے پر گرا دیا۔ اس کے اندر مزید سنبھلنے کی ہمت باقی نہیں رہی تھی۔
میرال، کچھ بولو۔۔۔
وانیہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کا اپنا دل بھی بے چینی سے دھڑکنے لگا تھا۔
میرال کے رونے میں اور اضافہ ہو گیا۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ وانیہ کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔
میرال، میرا دل بیٹھ رہا ہے۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ ایسا لگ رہا تھا جیسے اگلے ہی لمحے وہ خود بھی رو پڑے گی۔
سیف۔۔۔
میرال کے ہونٹ بمشکل ہلے۔
وانیہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
سیف، وہ مجھے پسند نہیں کرتا—
وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا—
وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وانیہ کا دل درد سے بھر گیا۔ اس نے فوراً میرال کو اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔
مگر اس وقت اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ کون سے الفاظ کسی ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ سکتے تھے؟
بس میرال۔۔۔
وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکی۔
اچانک میرال اس سے الگ ہوئی اور جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔
نہیں۔۔۔
اس کی آواز بلند ہو گئی۔
وہ جھوٹ بول رہا ہے۔۔۔
اس نے نم آنکھوں سے وانیہ کو دیکھا۔
وہ صرف شہریار کی وجہ سے انکار کر رہا ہے۔
اس کے لہجے میں درد سے زیادہ ضد تھی۔
وانیہ فوراً سے کھڑی ہوئی اور اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر میرال جیسے سننے کی حالت میں ہی نہیں تھی۔
سیف نے کہا کہ شہریار اس کو بہت عزیز ہے۔
میرال کی آواز کانپ رہی تھی۔
میں شہریار کو اس سے دور کر دوں گی۔
وانیہ کا دل ڈوبنے لگا۔
میرال، خاموش ہو جاؤ۔
میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔
میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔
میرال کی طاقت جواب دے گئی۔ اس کے گھٹنے مڑ گئے اور وہ آہستگی سے زمین پر بیٹھ گئی۔
وانیہ بھی فوراً اس کے ساتھ فرش پر بیٹھ گئی۔ اس نے میرال کو مضبوطی سے اپنے ساتھ لگا لیا۔
میرال اس کے کندھے سے لگی مسلسل رو رہی تھی۔ کمرے میں اس کے سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔
اور وانیہ خاموش بیٹھی اسے تھامے ہوئے تھی۔

اگلے دن میرال کلاس روم میں داخل ہوئی۔
آج وہ کل والی میرال نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر آنسوؤں کا نام و نشان نہیں تھا۔ آنکھیں خشک تھیں، مگر ان کی گہرائی میں ایک عجیب سی سختی اتر آئی تھی۔
کلاس میں موجود طلبہ کی نظریں بے اختیار اس پر جا ٹھہریں۔ چند لمحوں بعد سرگوشیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، مگر میرال نے کسی کی طرف توجہ نہ دی۔
اس نے ایک سرسری نظر پوری کلاس پر دوڑائی، جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو — مگر اسے وہاں موجود نہ پا کر وہ خاموشی سے مڑی اور دوبارہ کلاس سے باہر نکل گئی۔
باہر طلبہ کی آمدورفت جاری تھی۔ میرال ابھی چند قدم ہی چلی تھی کہ سامنے سے آتے شہریار پر اس کی نظر پڑی۔
شہریار نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اس کے قدم بے اختیار سست پڑ گئے — مگر میرال اپنی رفتار سے چلتی رہی۔
چند لمحوں بعد وہ اس کے سامنے آ کر رک گئی۔
اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، جبکہ شہریار کے چہرے پر سنجیدگی بدستور قائم تھی۔
شہریار، تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گے کہ میں تمہیں پسند کیوں نہیں کرتی؟
اس کی آواز نرم تھی، مگر اس نرمی میں عجیب سی چبھن تھی۔
شہریار نے چند لمحے اسے دیکھا۔
کیوں؟
اس کی آواز دھیمی تھی۔
میرال کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
تمہارے پاس ہر وہ چیز ہے جو شاید ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے۔
وہ آہستہ سے بولی۔
تم امیر بھی ہو اور خوبصورت بھی۔
شہریار خاموشی سے سنتا رہا۔
اور یہ سب سیف کے پاس بھی ہے۔
وہ لمحہ بھر کو رکی۔ اس کی نظریں سیدھی شہریار کی آنکھوں میں جا ٹھہریں۔

فرق جانتے ہو کہاں ہے؟
شہریار کا دل بے اختیار زور سے دھڑکا، مگر وہ خاموش رہا۔
کردار میں۔۔۔
یہ ایک لفظ شہریار کے سینے میں تیر کی طرح پیوست ہوا۔
سیف کا کردار صاف ہے، جبکہ تمہارا کردار صاف نہیں ہے۔
شہریار کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
ک۔۔۔ کیا مطلب؟
اس کی آواز لرز گئی تھی۔
میرال کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
مطلب تم اچھی طرح جانتے ہو، لیکن پھر بھی میں تمہیں یاد دلا دیتی ہوں۔
وہ ایک ایک لفظ پر زور دے رہی تھی۔
تم لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتے ہو اور پھر انہیں ٹشو پیپر کی طرح یوز کر کے پھینک دیتے ہو۔
شہریار کو یوں محسوس ہوا، جیسے کسی نے اس کے سینے پر پوری قوت سے وار کر دیا ہو۔ اس کی سانس اٹکنے لگی۔
آنکھوں میں خوف اتر آیا۔
ت۔۔۔ تمہیں یہ سب کس نے کہا؟
وہ بمشکل بول پایا۔
میرال کے چہرے پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔
تمہارے سب سے اچھے دوست نے۔۔۔
شہریار کے قدموں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔ اس کا وجود یکدم خالی سا ہو گیا۔ وہ صرف میرال کو دیکھ رہا تھا۔
ن۔۔۔
میرال ایک قدم پیچھے ہٹی۔
ت۔۔۔
ایک اور قدم۔

ا۔۔۔
اس کی آواز دھیمی تھی۔
ہر حرف شہریار کے دل پر ہتھوڑے کی طرح لگ رہا تھا۔
ش۔۔۔
میرال کے لبوں پر فتح کی مسکراہٹ تھی۔
شہریار کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔
میرال نے آخری حرف ادا کیا۔
ا۔۔۔
لفظ مکمل ہوا۔
نتاشا۔
شہریار کے چہرے کا آخری رنگ بھی اڑ گیا۔
میرال مڑی اور بغیر پیچھے دیکھے وہاں سے چل دی۔
شہریار وہیں کھڑا رہ گیا۔ اس کے اردگرد چلتی ہوئی دنیا جیسے اچانک خاموش ہو گئی تھی۔ وہاں کی آوازیں مدھم پڑ گئی تھیں۔ لوگ آجا رہے تھے، مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے کانوں میں صرف میرال کے الفاظ گونج رہے تھے۔
تم لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتے ہو۔۔۔
تمہارے سب سے اچھے دوست نے۔۔۔
اس کی نظر دھندلانے لگی۔ وہ بمشکل خود کو سنبھالے کھڑا تھا۔
شہریار۔۔۔
حماد نے قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
شہریار چونک کر مڑا۔
حماد کے چہرے پر فوراً تشویش ابھر آئی۔
تم رو کیوں رہے ہو؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔

شہریار کو خود احساس نہیں ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر اپنے گال کو چھوا۔ انگلیوں پر نمی محسوس ہوئی۔

وہ چند لمحے اپنے ہاتھ کو دیکھتا رہا، پھر اچانک مڑا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

شہریار۔۔۔

حماد بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔

مگر شہریار کی رفتار مسلسل تیز ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے بہتے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

شہریار۔۔۔

حماد نے دوبارہ آواز دی، مگر شہریار نے جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

اسی دوران سیف کی نظر دور جاتے ہوئے شہریار پر پڑی، پھر اس نے اس کے پیچھے آتے حماد کو دیکھا۔

دل میں انجانا سا خدشہ جاگا۔

کیا ہوا؟

حماد قریب پہنچا تو سیف نے فوراً پوچھا۔

پتہ نہیں — شہریار رو رہا تھا۔

سیف کے چہرے کا رنگ یکدم بدل گیا۔

میں دیکھتا ہوں۔

وہ اتنا کہہ کر تیزی سے شہریار کے پیچھے بھاگا۔

شہریار۔۔۔

اس نے آواز دی، مگر شہریار نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

چند لمحوں بعد وہ پارکنگ ایریا میں پہنچ گیا۔ وہ سیدھا اپنی گاڑی کے پاس جا کر رکا۔ اس کے کندھے بری طرح ہل رہے تھے۔

شہریار۔۔۔

سیف بھی آخرکار اس تک پہنچ گیا۔ دوڑنے کی وجہ سے اس کی سانسیں پھول رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر شہریار کا بازو پکڑا۔

شہریار، کیا ہوا ہے؟
شہریار نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا۔
سیف ساکت رہ گیا۔
دور رہو مجھ سے۔
شہریار چیخا تھا۔ اس کی آواز درد سے بھری ہوئی تھی۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔
شہریار، ہوا کیا ہے؟
سیف نے پہلے سے بھی نرم لہجے میں پوچھا۔
شہریار نے جواب دینے کے بجائے گاڑی کے ساتھ سر ٹکا دیا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ بے آواز رو رہا تھا۔
سیف کا دل بری طرح ڈوبنے لگا۔ اس نے احتیاط سے آگے بڑھ کر شہریار کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لینا چاہا۔
شہریار نے فوراً اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس نے شرٹ کی آستین سے اپنے آنسو صاف کیے اور گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا۔
شہریار، مجھے بتاؤ تو سہی۔۔۔
سیف کی آواز میں بے بسی تھی۔
کیا بتاؤں؟ شہریار اچانک پلٹا۔
کیا بتاؤں تمہیں؟
وہ بلند آواز میں بولا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔
تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟
سیف کے چہرے پر الجھن پھیل گئی۔
تمہاری—
تمہاری وجہ سے سب کچھ ہوا ہے۔
شہریار کے الفاظ لرز رہے تھے۔ ہر لفظ کے ساتھ اس کے دل کا درد باہر نکل رہا تھا۔
سیف خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ شہریار کو اس حال میں دیکھ کر اس کے اپنے دل میں بھی درد اٹھ رہا تھا۔
میں نے کیا کیا ہے؟

سیف نے دھیرے سے پوچھا۔

شہریار جیسے ٹوٹ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کے درمیان اپنا سر چھپا لیا۔ اس کے کندھے مسلسل لرز رہے تھے۔

سیف بھی فوراً اس کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔

شہریار۔۔۔

مگر جواب میں صرف سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ شہریار روئے جا رہا تھا۔

سیف نے ہمت کر کے اس کا سر اوپر کیا۔

شہریار کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور آنسوؤں نے پورا چہرہ بھگو دیا تھا۔

اس نے بمشکل سیف کی طرف دیکھا۔

میرال نے۔۔۔

میرال نے میرا اعمال نامہ میرے منہ پر دے مارا۔

سیف کے دل پر جیسے کسی نے بھاری پتھر رکھ دیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی سانس رک گئی۔ وہ جان گیا تھا کہ بات کہاں تک پہنچ چکی ہے۔

شہریار، میری طرف دیکھو۔۔۔

اس نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔

شہریار نظریں چرا رہا تھا۔ بار بار اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیتا، مگر سیف ہر بار نرمی سے اس کا رخ اپنی طرف موڑ دیتا۔

میری طرف دیکھو، شہریار۔۔۔

اس بار سیف کی آواز میں درد بھی تھا اور التجا بھی۔

تم نے اسے کیوں بتایا؟ شہریار کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔

سیف نے جواب دینے کے بجائے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

شہریار کے دل کا درد جیسے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا دل باہر آنے کو تھا۔

میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

وہ سب جانتی ہے — اس نے کہا کہ تمہارا کردار صاف نہیں ہے۔

شہریار کی آواز میں درد تھا۔
سیف نے آنکھیں بند کر لیں۔
وہ اسے خاموش کروانے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ بس اسے اپنے سینے سے لگائے بیٹھا تھا اور رونے دے رہا تھا۔
پارکنگ ایریا میں اس وقت صرف وہ دونوں موجود تھے۔ فضا پر ایک عجیب سی خاموشی طاری تھی۔ اس خاموشی میں صرف شہریار کی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی اور ہر سسکی سیف کے دل پر خنجر کی طرح لگ رہی تھی۔
کافی دیر تک شہریار روتا رہا، پھر آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں مدھم ہونے لگیں۔
سیف نے جیب سے رومال نکالا اور نہایت نرمی سے اس کے چہرے پر بہتے آنسو صاف کرنے لگا۔
شہریار نے یہ منظر دیکھا تو اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔ وہ دوبارہ رونے لگا۔
سیف نے ایک بار پھر اس کی آنکھیں صاف کیں، پھر اس کا بازو تھام کر آہستگی سے اسے کھڑا کیا۔ وہ اسے گاڑی کی دوسری جانب لے آیا۔
دروازہ کھولا اور اسے اندر بٹھا دیا۔
شہریار خاموشی سے سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں خالی خالی سی تھیں۔ اس کے اندر کی تمام طاقت ختم ہو چکی ہو۔
سیف نے دروازہ بند کیا اور دوسری طرف جا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔
اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ انجن کی آواز خاموش پارکنگ میں گونج اٹھی۔ چند لمحوں بعد گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ پارکنگ ایریا پیچھے رہ گیا۔
گاڑی سڑک پر آ چکی تھی۔ پورے راستے دونوں خاموش رہے۔ شہریار کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کے آنسو تو رک چکے تھے، مگر اس کی آنکھوں میں درد اب بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔
سیف وقفے وقفے سے اس کی طرف دیکھ لیتا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے زخموں پر کون سے الفاظ مرہم رکھ سکتے ہیں۔ کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔
کچھ دیر بعد گاڑی شہریار کے گھر کے سامنے جا رکی۔
سیف نے ہارن بجایا۔
اندر سے گارڈ نے فوراً گیٹ کھول دیا۔
گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ سیف نے گاڑی بند کی اور باہر نکل آیا۔ وہ گھوم کر دوسری جانب گیا اور دروازہ کھولا۔

اس نے احتیاط سے شہریار کو سہارا دے کر باہر نکالا۔
شہریار کی حالت ایسی تھی جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ ہو۔
گارڈ حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
سیف آہستہ آہستہ اسے سہارا دیتا ہوا اندر لے آیا۔ لاؤنج کا دروازہ کھلا اور سامنے مسز اسد نظر آئیں۔
انہوں نے شہریار کو اس حالت میں دیکھا تو فوراً ان کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی۔
کیا ہوا اسے؟
وہ جلدی سے قریب آتے ہوئے بولیں۔
اسے کہاں لٹاؤں؟ سیف نے فوراً سے سوال کیا۔
کمرے میں لے آؤ۔
مسز اسد نے فوراً کہا اور جلدی سے شہریار کے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔
سیف اسے اندر لے گیا۔ اس نے احتیاط سے شہریار کو بستر پر لٹا دیا۔
مسز اسد فوراً جھکیں اور اس کے جوتے اتارنے لگیں۔
نیند کی دوا دے دیجیے – اسے آرام کی ضرورت ہے۔
میں ابھی لے کر آتی ہوں۔ مسز اسد نے فوراً کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔
سیف بستر کے کنارے بیٹھ گیا۔
اس نے شہریار کے بکھرے ہوئے بالوں پر نظر ڈالی۔
شہریار، مجھے نہیں معلوم میرال نے تم سے کیا کہا ہے، لیکن اس کی باتوں کے بارے میں مت سوچو۔
شہریار خاموش چھت کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں پھر نمی اترنے لگی تھی۔
مسز اسد واپس کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں پانی کا گلاس اور دوا تھی۔
سیف نے آہستگی سے شہریار کو سہارا دے کر اٹھایا۔
مسز اسد نے فوراً دوا دی اور پھر پانی پلا دیا۔
شہریار نے کوئی مزاحمت نہیں کی، کوئی سوال نہیں کیا، جیسے اس کے اندر بحث کرنے کی بھی طاقت باقی نہ رہی ہو۔
سیف نے نرمی سے اسے دوبارہ بستر پر لٹا دیا اور چادر اس پر درست کر دی۔

مسز اسد نے ایئر کنڈیشنر آن کر دیا۔ کمرے میں ایئر کنڈیشنر کی ٹھنڈی ہوا پھیلنے لگی۔ چند لمحے بعد دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ سیف نے دروازہ آہستہ سے بند کر دیا۔

اندر شہریار نے آنکھیں موند لیں۔

باہر آتے ہی مسز اسد نے سیف کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں واضح پریشانی تھی۔

سیف، بیٹا مجھے بتاؤ، کیا بات ہے؟ وہ کئی دنوں سے ٹھیک نہیں لگ رہا۔

سیف چند لمحوں تک خاموش رہا۔ وہ الفاظ چننے کی کوشش کر رہا تھا۔

شہریار، میرال کو پسند کرتا ہے، مگر میرال اسے پسند نہیں کرتی۔

اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

میرال نے اس سے یہ بھی کہا ہے کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے۔

مسز اسد خاموش رہیں۔ شہریار یہ بات پہلے بھی ان سے کر چکا تھا۔

وہ اسی وجہ سے تکلیف میں ہے۔ سیف نے نظریں جھکا لیں۔

اس کی کنڈیشن بتا رہی ہے کہ وہ صرف پسند ہی نہیں بلکہ محبت کرتا ہے۔

مجھے نہیں معلوم آج ان دونوں کے درمیان کیا بات ہوئی ہے، لیکن جب میں یونیورسٹی پہنچا تو وہ پہلے ہی رو رہا تھا۔

بہت مشکل سے اسے سنبھال کر لایا ہوں۔

مسز اسد نے بے اختیار اپنا ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔

ابھی اسے آرام کرنے دیں، پھر میں اس سے بات کروں گا۔

سیف بات مکمل کر کے خاموش ہوا۔

مسز اسد نے ہلکا سا سر ہلایا۔

میں اب چلتا ہوں۔

بیٹھ جاؤ بیٹا۔

مسز اسد نے نرمی سے کہا، مگر سیف نے نفی میں سر ہلا دیا۔

نہیں، ابھی مجھے جانا ہے۔

مسز اسد نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ سیف نے احترام سے سر پر پیار لیا۔

سیف دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

شہریار نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں، مگر اسے تاریکی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔

وہ دھیرے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سونے سے پہلے کے خیالات ایک بار پھر اس کے ذہن میں ابھرنے لگے۔ میرال کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

تمہارا کردار صاف نہیں ہے۔

شہریار کی پلکیں لرز گئیں۔

اور پھر اگلے ہی لمحے ایک اور جملہ اس کے ذہن میں گونجا۔

تمہارے سب سے اچھے دوست نے۔۔۔

اس کی آنکھیں بے اختیار نم ہونے لگیں۔ دل کا درد ایک بار پھر جاگ اٹھا۔

اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کیں، پھر سائیڈ ٹیبل پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کا ہاتھ موبائل سے ٹکرایا۔ اس نے موبائل اٹھا کر اسکرین روشن کی۔

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

اس نے موبائل کی ٹارچ آن کی اور آہستہ سے بستر سے نیچے اترا، مگر جیسے ہی وہ کھڑا ہوا، اسے شدید چکر آیا۔ وہ فوراً دوبارہ بستر پر بیٹھ گیا۔

ممی۔۔۔

اس نے آواز دی، مگر جواب میں خاموشی تھی۔

چند لمحوں بعد اس نے دوبارہ ہمت کی۔ وہ آہستہ سے اٹھا اور دیوار کا سہارا لے لیا، پھر دھیرے دھیرے دروازے تک پہنچا اور اسے کھول دیا۔

باہر ٹی وی لاؤنج کی روشنی اس کی آنکھوں میں پڑی۔ اس نے پل بھر کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر آہستہ سے کھول دیں۔

وہ کمرے سے باہر نکلا تو مسٹر اور مسز اسد لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔

مسز اسد کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی، وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

شہریار۔۔۔

وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں اور اسے سہارا دیا۔

مسٹر اسد بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آ گئے۔ دونوں اسے سہارا دے کر صوفے تک لے آئے۔

صوفے پر بیٹھتے ہی شہریار اپنی ماں کے ساتھ لگ گیا۔

مسز اسد نے فوراً اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور پھر شہریار ٹوٹ گیا۔ اس کے ضبط کا بندھن ایک بار پھر بکھر گیا تھا۔ وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔

مسٹر اسد خاموشی سے اس کی پشت سہلاتے رہے۔ شہریار کا ہر آنسو ان کے دل میں اتر رہا تھا۔

شہریار، میرے بیٹے۔۔۔

مسز اسد نے نرمی سے کہا۔

مجھے بتاؤ، کیا چیز تمہیں پریشان کر رہی ہے؟

مسز اسد نے اس کا دل ہلکا کرنے کے لیے پوچھا۔

مگر شہریار انہیں اپنا اعمال نامہ کیسے بتاتا؟

وہ کیسے بتاتا کہ اسے اس کے اپنے ماضی نے آج لہولہان کر دیا۔۔۔؟

وہ بس روتا رہا۔ اس کی سسکیاں لاؤنج میں گونج رہی تھیں۔

مسز اسد نے نم آنکھوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ دونوں کے چہروں پر ایک جیسی تکلیف تھی۔

شہریار، ہم ہیں نا تمہارے ساتھ۔۔۔

مسٹر اسد نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

مگر شہریار جیسے ان کی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ وہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔

شہریار، بچے۔۔۔

مسٹر اسد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

تم تو بہت بہادر ہو۔ تم میرے بہادر بیٹے ہو۔

میرے بہادر مجھے بتاؤ، میں تمہارے ساتھ ہوں۔

وہ اسے کسی چھوٹے بچے کی طرح بہلا رہے تھے، مگر شاید وہ نہیں جانتے تھے کہ دل پر لگنے والی چوٹ بہادروں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔

اور شہریار—

وہ تو پہلے ہی ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔

مسز اسد نے اس کا چہرہ اپنی طرف کرنے کی کوشش کی، مگر شہریار نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ بس اپنا چہرہ چھپائے روتا رہا۔

اگلے دن شہریار کمرے میں اکیلا لیٹا ہوا تھا۔

اس کی آنکھیں بخار اور مسلسل رونے کی وجہ سے سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ رات سے اسے تیز بخار تھا، مگر جسم کی یہ تپش بھی اس درد کے سامنے کچھ نہیں تھی جو اس کے دل میں بھڑک رہی تھی۔

میرال کی آواز اب بھی اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

تمہارا کردار صاف نہیں ہے۔

وہ ایک ہی جملہ تھا، مگر جیسے اس کی روح میں پیوست ہو گیا ہو۔

اگلے ہی لمحے ماضی اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔

وہ اسکول یونیفارم میں ایک لڑکی کے ساتھ کلاس روم میں بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اس لڑکی کا ہاتھ تھا۔

منظر بدل گیا۔

وہ کالج یونیفارم میں ایک اور لڑکی کے ساتھ سڑک پر چل رہا تھا۔ دونوں کبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور پھر شرما کر نظریں جھکا لیتے۔

ایک اور منظر ابھرا۔

وہ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھا تھا۔ سامنے ایک اور لڑکی بیٹھی تھی۔ دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ شہریار نے جیب سے پھول نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

مناظر بدلتے جا رہے تھے اور آنکھوں میں نمی اتر رہی تھی۔ درد بڑھ رہا تھا۔

منظر پھر سے بدلہ۔

وہ ایک شاپنگ مال میں لڑکی کے ساتھ گھوم رہا تھا۔ شاپنگ کے بعد وہ اسے اپنے گھر لے آیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھے تھے۔ شہریار نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

پھر منظر بدل گیا۔
شہریار، میں پریگننٹ ہوں۔
ریسٹورنٹ میں بیٹھی لڑکی اس سے کہہ رہی تھی۔
اس کی سانس ایک لمحے کے لیے رک گئی۔
منظر ایک بار پھر بدلا۔
ریسٹورنٹ میں بیٹھی وہی لڑکی اب رو رہی تھی۔
تم میرے کردار پر کیچڑ اچھال رہے ہو۔
شہریار کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔ اس نے بے اختیار آنکھیں بند کیں۔
مناظر تو غائب ہو گئے، مگر آوازیں اب بھی باقی تھیں۔
پھر اچانک ایک دل دہلا دینے والی چیخ اس کے کانوں میں گونجی اور اگلے ہی لمحے لوگوں کا شور ابھرنے لگا۔
شہریار گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہنے لگے۔
آنکھوں کے سامنے منظر ابھرا۔
ایک لڑکی ہسپتال کے فرش پر بیٹھی رو رہی تھی اور ایک آدمی اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اگلے ہی لمحے وہ لڑکی اٹھ کر شہریار کی طرف بڑھی۔ لڑکی نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔
شہریار چونک کر پیچھے ہٹا۔
اسے یوں محسوس ہوا جیسے ابھی کسی نے اس کا گریبان پکڑ لیا ہو۔
آنسو اس کے چہرے پر بہتے جا رہے تھے۔
تم نے ایک معصوم دل کے ساتھ کھیلا ہے۔
وہ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔
اللہ دلوں کے ساتھ کھیلنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتا۔
شہریار نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ وہ ان آوازوں سے بھاگ جانا چاہتا تھا، مگر وہ آوازیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

تمہیں شرم نہیں آتی؟ تم نے ایک لڑکی کی عزت کے ساتھ کھیلا۔ اس کے کردار کو گندا کیا اور پھر اسے دنیا کے سامنے ذلیل ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔

شہریار بے بس ہو کر بستر پر گر گیا۔ اس نے اپنا چہرہ تکیے میں چھپا لیا، مگر تکیہ بھی ان آوازوں کو نہ روک سکا۔

تمہارا کردار صاف نہیں ہے۔

اس کا جسم کانپ اٹھا۔

جتنا ضروری لڑکی کے کردار کا صاف ہونا ہے، اتنا ہی ضروری مرد کے کردار کا صاف ہونا بھی ہے۔

ممی۔۔۔

وہ اچانک چیخ اٹھا۔ اس نے تکیے سے چہرہ باہر نکال لیا تھا۔

تمہارے سب سے اچھے دوست نے۔۔۔

ایک اور جملہ اس کے کانوں میں گونجا۔

ممی۔۔۔۔

اس بار اس کی آواز رونے سے بھری ہوئی تھی۔

اگلے ہی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور مسز اسد تیزی سے اندر داخل ہوئیں۔ وہ فوراً اس کے قریب آئیں۔

شہریار کسی خوفزدہ بچے کی طرح ان سے لپٹ گیا۔

ممی۔۔۔

اس کی آواز بری طرح لرز رہی تھی۔

مجھے کہیں دور لے جائیں۔۔۔

وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

مسز اسد کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

انہوں نے فوراً اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

شہریار ان کے سینے سے لگا ہوا بچوں کی طرح رو رہا تھا اور مسز اسد بے بسی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔

رات گہری ہو چکی تھی۔

شہریار اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔ نیند کب کی اس کی آنکھوں سے روٹھ چکی تھی اور دل ہر چیز سے بیزار ہو گیا تھا۔ باہر آسمان پر چمکتا چاند اپنی مدھم روشنی بکھیر رہا تھا اور اسی روشنی میں شہریار کے چہرے کی سنجیدگی اور بھی نمایاں ہو رہی تھی۔

نہ جانے کیوں میرال کے کہے ہوئے الفاظ بار بار اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

تمہارا کردار صاف نہیں ہے۔

یہ جملہ اسے اس کے ماضی کی طرف دھکیل دیتا تھا۔

تمہارے سب سے اچھے دوست نے۔۔۔

اور یہ جملہ اسے ایک ایسے اندھیرے میں لے جاتا تھا جہاں سے واپسی ممکن دکھائی نہیں دیتی تھی۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے چاند کو دیکھتا رہا، جیسے کسی گہری سوچ میں گم ہو۔ پھر آہستہ سے مڑا اور بیڈ کے ساتھ رکھی سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

اس کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں۔ اس نے موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔

چند لمحے وہ وقت کو دیکھتا رہا، پھر اس کی انگلیاں اسکرین پر چلنے لگیں۔ اس نے ایک نمبر ملایا اور موبائل کان سے لگا لیا۔

بیل بجتی رہی، مگر کال وصول نہ ہوئی۔

شہریار نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ واپس کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

چند لمحوں بعد اس نے دوبارہ کال ملائی۔

اس بار فون اٹھا لیا گیا۔

ہیلو۔۔۔

دوسری طرف سے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

شہریار ایک لمحے کے لیے خاموش رہا۔

ہیلو، کون؟

دوسری جانب سے دوبارہ آواز آئی۔

شہریار بات کر رہا ہوں۔

اس کے جواب کے بعد دوسری طرف پراسرار خاموشی چھا گئی۔
شہریار کی نظریں بدستور کھڑکی سے باہر جمی ہوئی تھیں۔
مجھے ایک کام کروانا ہے۔
اس کی آواز بے حد سرد تھی۔
میں تمہیں تصویر اور تفصیل بھیج رہا ہوں۔
خاموشی اب بھی برقرار تھی۔
کل تک کام مکمل ہو جانا چاہیے۔
اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔
چند لمحوں بعد اس کی انگلیاں دوبارہ موبائل پر چلنے لگیں۔ اس نے مطلوبہ معلومات بھیج دیں اور پھر موبائل بے دلی سے بیڈ پر پھینک دیا۔
وہ دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے خاموشی سے کھڑا رہا۔ اسی لمحے ایک بار پھر میرال کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔
تمہارا کردار صاف نہیں ہے۔
مگر اس بار اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ آیا۔ وہ بالکل ساکت کھڑا رہا، جیسے اس کے اندر کی ہر کیفیت مر چکی ہو۔
اگلے دن میرال کلاس روم میں داخل ہوئی۔
حسبِ معمول اس کی نظریں سب سے پہلے کسی کو تلاش کرنے لگیں، مگر جب وہ اسے نظر نہ آیا تو اس کے چہرے پر ایک لمحے کو خالی پن اتر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی درمیان والی قطار کی دوسری میز تک گئی اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔
کلاس میں موجود کئی نظریں اس کی طرف اٹھیں، مگر اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔
اس کی نظریں بار بار دروازے کی جانب اٹھ جاتی تھیں، جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہی ہو۔
کچھ دیر بعد پروفیسر کلاس میں داخل ہوئے اور لیکچر شروع کر دیا۔
وقت گزرتا رہا اور ایک کے بعد ایک لیکچر ختم ہوتا گیا۔
طلبہ آتے اور جاتے رہے، مگر میرال کی بے چینی کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس کی نظریں اب بھی وقفے وقفے سے دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔
آخری لیکچر بھی ختم ہو گیا۔

طلبہ آہستہ آہستہ اپنی نشستوں سے اٹھنے لگے اور کچھ ہی دیر میں کلاس روم خالی ہونا شروع ہو گیا۔ میرال بھی خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے بیگ کندھے پر لٹکایا اور بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ بے چینی، انتظار اور خالی پن اس کے دل میں موجود تھا۔

کچھ دیر بعد وہ گھر پہنچ چکی تھی۔

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی، وانیہ کی نظر فوراً اس کے چہرے پر جا ٹھہری۔

میرال کے چہرے پر پھیلی اداسی اور آنکھوں میں جھلکتی بے چینی کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

تم کچھ اداس اداس سی لگ رہی ہو۔

وانیہ نے نرمی سے پوچھا۔

میرال نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، پھر نظریں ہٹا لیں۔

تین دن سے سیف یونیورسٹی نہیں آ رہا۔

اس کی آواز میں بے اختیار تشویش شامل ہو گئی تھی۔

تو اسے میسج کر کے پوچھ لو۔

میرال کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ آئی۔

وہ میرے میسجز کا جواب ہی نہیں دے رہا۔

کال کر کے دیکھ لو۔

وانیہ نے فوراً کہا۔

تمہیں کیا لگتا ہے، میں نے کال نہیں کی ہو گی؟

میرال نے قدرے جھنجھلاہٹ سے جواب دیا۔

وانیہ چند لمحے خاموش رہی، پھر بولی۔

تم نے شہریار سے پوچھا؟

یہ سنتے ہی میرال کی نظریں تیزی سے وانیہ کے چہرے پر جم گئیں۔

وہ بھی یونیورسٹی نہیں آ رہا۔

میرال نے مختصر سا جواب دیا اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

وانیہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی جبکہ میرال کمرے سے باہر نکل گئی۔
سیف موبائل کان سے لگائے ٹیرس پر کھڑا تھا۔
شام آہستہ آہستہ اپنے رنگ بکھیر رہی تھی اور آسمان پر ہلکی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔
تم یونیورسٹی کیوں نہیں آرہے؟
دوسری طرف سے نور کی آواز سنائی دی۔
سیف نے ریلنگ پر کہنی ٹکاتے ہوئے گلی کی جانب دیکھا۔
جس دن شہریار آئے گا، میں بھی اسی دن آؤں گا۔ اس نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔
اور شہریار کس دن آئے گا؟ نور نے فوراً سوال کیا۔
سیف ہلکا سا مسکرایا۔
اس بارے میں تو مجھے بھی کوئی اندازہ نہیں۔
اس کی طبیعت اب کیسی ہے؟
نور کی آواز میں فکر نمایاں تھی۔
پہلے سے کافی بہتر ہے۔ دو دن سے میری آنٹی سے بات ہو رہی ہے۔ وہ مجھے اس کی حالت کے بارے میں بتاتی رہتی ہیں۔
ایگزامز قریب ہیں، تمہیں یہ مسئلہ جلد حل کرنا چاہیے۔
آج یا کل میں اس سے بات کرنے جاؤں گا۔
سیف نے نرمی سے جواب دیا۔
ٹھیک ہے۔
نور نے مختصر سا کہا۔
کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد کال ختم ہو گئی۔ سیف نے موبائل جیب میں رکھا اور خاموشی سے سامنے پھیلی گلی کو دیکھنے لگا۔
شام ڈھل رہی تھی اور ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔
وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا، پھر نیچے اپنے کمرے میں آگیا۔ کمرے میں حبس سا محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے بیڈ پر رکھی کتاب اٹھائی اور دوبارہ ٹیرس پر آگیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور کتاب کھول کر پڑھنے لگا۔ اس کی توجہ لفظوں پر نہیں تھی۔ اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔

سیف۔۔۔

سامنے والے ٹیرس سے اچانک آواز آئی۔

سیف نے چونک کر سر اٹھایا۔

عزیر ریلنگ کے پاس عزیر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً ہاتھ ہلایا۔

یار، کبھی تو کتابوں کا پیچھا چھوڑ دیا کرو۔ عزیر نے ذرا بلند آواز میں کہا۔

میں اتنا بھی نہیں پڑھتا جتنا تم سمجھ لیتے ہو۔ سیف نے فوراً جواب دیا۔

عزیر ہنس پڑا۔

اچھا، میرے ساتھ بازار چلو، کچھ سامان لینا ہے۔

ابھی جانا ہے؟

سیف نے کتاب بند کرتے ہوئے پوچھا۔

ہاں، ابھی۔

عزیر نے مختصر سا جواب دیا۔

کچھ دیر بعد چلتے ہیں۔

میں نیچے جا رہا ہوں، تم بھی جلدی سے باہر آجاؤ۔

عزیر کہتے ہوئے ٹیرس سے نیچے چلا گیا۔

سیف نے اثبات میں سر ہلایا، پھر آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور واپس کمرے میں آگیا۔ اس نے کتاب رکھی، پھر سائیڈ ٹیبل سے اپنا والٹ اور گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور باہر نکل آیا۔

عزیر پہلے ہی گھر کے باہر کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

چلیں؟

سیف نے پوچھا۔

عزیر نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

دونوں گاڑی کی طرف بڑھے۔ سیف نے لاک کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ عزیر بھی دوسری جانب سے آکر ساتھ بیٹھ گیا۔ اگلے ہی لمحے گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور آہستہ آہستہ سڑک پر رواں ہو گئی۔

دوسری جانب شہریار اپنے کمرے میں صوفے پر خاموش بیٹھا تھا۔

اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ گزشتہ چند دنوں سے مختلف آوازیں اور جملے اس کے ذہن میں گونجتے رہے تھے، مگر کل رات کے بعد جیسے سب کچھ مٹ گیا تھا۔

اب صرف ایک ہی جملہ تھا جو مسلسل اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

تمہارا کردار صاف نہیں ہے۔

بار بار—

بار بار—

ہر لمحہ—

یہ الفاظ اس کے دل و دماغ پر دستک دے رہے تھے۔ وہ چاہ کر بھی ان سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہا تھا۔

اسی دوران کمرے کا دروازہ کھلا اور مسز اسد اندر داخل ہوئیں۔ ان کی نظر شہریار پر پڑی تو ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ پہلے سے کافی بہتر لگ رہا تھا۔

شہریار نے فوراً دروازے کی طرف دیکھا۔

ممی۔

اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

مسز اسد آکر اس کے برابر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

میرے بیٹے کو کچھ چاہیے؟

انہوں نے محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

شہریار نے نفی میں سر ہلا دیا۔

شہریار نے آہستہ سے اپنی ممی کی طرف دیکھا۔

ممی، میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟

اس کی آواز غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھی۔

مسز اسد مسکرا دیں۔
ایک نہیں، تم جتنی مرضی باتیں پوچھ سکتے ہو۔
ان کے جواب پر شہریار کے لبوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی، مگر وہ فوراً ماند پڑ گئی۔
ممی اگر کسی کا کردار صاف نہ ہو تو اسے کیا کرنا چاہیے؟
یہ سوال سن کر مسز اسد چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گئیں۔ انہوں نے غور سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔
شہریار کی آنکھوں میں عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ واقعی جواب جاننا چاہتا تھا۔
مسز اسد نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔
اسے چاہیے کہ وہ اپنے ماضی میں کی گئی غلطیوں کا اعتراف کرے اور یہ عہد بھی کرے کہ آئندہ ایسی غلطیاں نہیں دہرائے گا۔
مسز اسد کی آواز بے حد نرم تھی۔
ماضی میں ہونے والی غلطیوں کو ہم بدل نہیں سکتے، مگر ان سے سیکھ کر اپنے آنے والے کل کو ضرور بہتر بنا سکتے ہیں۔
شہریار غور سے سن رہا تھا۔
ماضی کی غلطیوں نے اگر اس کے کردار پر داغ لگا بھی دیا ہے، تو اب اسے چاہیے کہ وہ اپنے آج اور آنے والے کل کو بہتر بنائے، اپنی خامیوں پر کام کرے اور اپنے کردار کو سنوارنے کی کوشش کرے۔
انہوں نے اس کے ہاتھ کو ہلکے سے دبایا۔
اچھا کردار ایک دن میں نہیں بنتا، بلکہ ہر دن صحیح فیصلے کرنے سے بنتا ہے۔
شہریار خاموش بیٹھا رہا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر لفظ اس کے دل میں کہیں اترتا جا رہا ہو۔
اسی لمحے فضا میں مغرب کی اذان گونجی۔
اللہ اکبر— اللہ اکبر—
آواز کھڑکی سے ہوتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ کمرے میں ایک عجیب سا سکون پھیل گیا۔
نماز کا وقت ہو گیا ہے۔
مسز اسد نے آہستہ سے کہا۔
شہریار نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

مسز اسد اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ دروازہ آہستگی سے بند ہو گیا۔

شہریار چند لمحے وہیں بیٹھا رہا، پھر اس نے اپنی قمیض کی آستینیں موڑیں اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد جب وہ باہر آیا تو اس کے چہرے اور بازوؤں پر پانی چمک رہا تھا۔ کپڑوں پر بھی پانی کے چند قطرے بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے الماری سے جائے نماز نکالی اور اسے قبلہ رخ بچھا دیا۔

مغرب کی اذان کی آواز ابھی بھی فضا میں گونج رہی تھی۔ شہریار آہستہ سے بستر پر بیٹھ گیا اور آذان مکمل ا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

اسی دوران مسز اسد کی باتیں اس کے ذہن میں پھر سے گونجنے لگیں۔

ماضی میں ہونے والی غلطیوں کو ہم بدل نہیں سکتے، مگر ان سے سیکھ کر اپنے آنے والے کل کو ضرور بہتر بنا سکتے ہیں۔

ماضی کی غلطیوں نے اگر اس کے کردار پر داغ لگا بھی دیا ہے، تو اب اسے چاہیے کہ وہ اپنے آج اور آنے والے کل کو بہتر بنائے، اپنی خامیوں پر کام کرے اور اپنے کردار کو سنوارنے کی کوشش کرے۔

شہریار انہی الفاظ میں کھو گیا۔ اذان ختم ہوئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اللہ اکبر—

اس نے ہاتھ باندھ لیے۔ لب آہستہ آہستہ تلاوت کرنے لگے اور دل کئی دنوں بعد اللہ کے حضور جھک گیا۔ کچھ دیر بعد نماز مکمل ہوئی تو وہ خاموشی سے جائے نماز پر بیٹھا رہا۔

پھر اچانک میرال کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

تمہارا کردار صاف نہیں ہے۔

اس کا دل بے اختیار سکڑ گیا— لیکن اگلے ہی لمحے مسز اسد کی آواز ابھری۔

ماضی کی غلطیوں نے اگر اس کے کردار پر داغ لگا بھی دیا ہے، تو اب اسے چاہیے کہ وہ اپنے آج اور آنے والے کل کو بہتر بنائے، اپنی خامیوں پر کام کرے اور اپنے کردار کو سنوارنے کی کوشش کرے۔

شہریار کی آنکھیں یکدم پھیل گئیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے دل پر جمی دھول ہٹا دی ہو۔

میرا کردار صاف نہیں ہے اور میں اسے بہتر بنانے کے بجائے مزید گندا کرنے جا رہا ہوں۔

وہ سرگوشی میں بولا۔

اگلے ہی لمحے وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا لیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔۔۔؟

اس کے ہونٹ لرزے۔ اس کی انگلیاں تیزی سے اسکرین پر چلنے لگیں۔

میں اتنا کیسے گر سکتا ہوں؟

اس نے خود سے کہا اور فون کان سے لگا لیا، مگر کال وصول نہ ہوئی۔

یا اللہ، میری مدد فرما۔

اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے دوبارہ نمبر ملایا، مگر اس بار بھی کال نہ اٹھائی گئی۔

یا اللہ، میری مدد فرما۔

اس کے دل سے بے اختیار نکلا رہا تھا۔ ہ اللہ کو مدد کے لیے پکارا رہا تھا اور اس سے بہتر تو کوئی مدد کرنے والا ہے ہی نہیں—

دوسری طرف سیف نے سڑک کے کنارے ڈیوائیڈر کے ساتھ گاڑی روک دی۔

تم جا کر لے آؤ، میں یہیں گاڑی میں انتظار کرتا ہوں۔

اس نے عزیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بس ایک کیک لینا ہے، تم بھی ساتھ چلو۔ عزیر نے اصرار کیا۔

سیف نے سامنے سڑک پر نظر ڈالی۔

ہم نے گاڑی غلط جگہ کھڑی کی ہے، تم جلدی سے لے آؤ۔

دو منٹ کا کام ہے۔ عزیر نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

میرے ساتھ چلو۔

سیف نے گاڑی بند کی اور دونوں ایک ساتھ باہر نکل آئے۔ سڑک پار کرتے ہوئے وہ بیکری کی طرف بڑھ گئے۔

بیکری میں داخل ہوتے ہی ان کی نظریں شیشے کے اندر سجے مختلف کیکس پر جا ٹھہریں۔

کون سا فلیور لوں؟

عزیر نے کیکس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔
جو تمہیں پسند ہے، وہی لے لو۔
سیف نے نرمی سے جواب دیا۔
اسی لمحے اس کے موبائل کی رنگ ٹون بج اٹھی۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا۔ اسکرین پر شہریار کا نام جگمگا رہا تھا۔ سیف نے فوراً کال وصول کر لی۔
سیف، تم کہاں ہو؟
دوسری طرف سے شہریار کی بے چین آواز سنائی دی۔
میں عزیر کے ساتھ باہر آیا ہوا ہوں۔
باہر کہاں؟
شہریار نے فوراً سوال کیا۔
ابھی ہم ایک بیکری میں ہیں۔
تم وہیں رہنا۔ شہریار کی آواز میں عجیب سی گھبراہٹ تھی۔
سیف کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔
کیا ہوا؟
سیف، تم وہاں سے ایک قدم بھی نہیں ہٹانا۔
اس بار شہریار کی آواز بھرا گئی تھی۔
مجھے اپنی لوکیشن شیئر کرو۔ میں ابھی وہاں آ رہا ہوں۔
سیف نے حیرت سے عزیر کی طرف دیکھا، جو خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
اچھا، میں لوکیشن بھیج دیتا ہوں۔
جلدی شیئر کرو اور وہاں سے ہلنا مت۔
یہ کہہ کر شہریار نے کال کاٹ دی۔
سیف نے فوراً اپنی لوکیشن اسے بھیج دی۔
کیا ہوا؟

عزیر نے پوچھا۔
پتہ نہیں۔ شہریار کی کال تھی۔
سیف نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔
کہہ رہا تھا جہاں ہوں وہیں رہنا، میں آرہا ہوں۔
عزیر کی آنکھوں میں حیرت ابھری، مگر اس نے مزید کچھ نہ پوچھا۔
اچھا، تم کیک تو لو۔ سیف آہستہ سے بولا۔
وہ دونوں دوبارہ کیکس کی طرف متوجہ ہو گئے۔
یہ چیز کیک پیک کر دیں۔
عزیر نے ایک کیک کی طرف اشارہ کیا۔
سیلز مین نے کیک احتیاط سے نکالا اور ڈبے میں رکھنے لگا۔
سر، اوپر کچھ لکھوانا ہے؟ اس نے عزیر سے پوچھا۔
نہیں۔
عزیر نے مختصر جواب دیا۔
چند لمحوں بعد کیک پیک ہو کر کاؤنٹر پر آگیا۔
عزیر ادائیگی کرنے لگا۔ اچانک اس کی نظر شیشے سے باہر گئی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔
سیف۔۔۔
اس نے فوراً آواز دی۔
وہ لفٹر تمہاری گاڑی کی طرف جا رہا ہے۔
سیف نے چونک کر باہر دیکھا۔
واقعی ایک فورک لفٹ آہستہ آہستہ اس سمت بڑھ رہی تھی جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔
تم بل دے کر آجاو۔
سیف کہہ کر تیزی سے بیکری سے باہر نکل گیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور جلدی سے سڑک پار کرنے لگا۔ چند ہی لمحوں میں وہ اپنی گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔ لفٹر ابھی کچھ فاصلے پر تھا۔

سیف نے جیب سے چابی نکالی اور گاڑی کا لاک کھول دیا۔

سیف۔۔۔

اچانک ایک بلند آواز فضا میں گونجی.

اسی لمحے ایک تیز رفتار ٹرک بے قابو ہو کر سڑک پر جھپٹا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔ ٹرک پوری رفتار سے آکر گاڑی سے ٹکرا گیا۔

دھماکے کی شدت سے گاڑی بری طرح اچھل گئی۔

سیف ابھی ڈیوائیڈر کے پاس کھڑا تھا۔ وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ یک دم اڑ گیا۔ وقت جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا تھا۔

اسی دوران عزیر بھی بیکری سے باہر نکل آیا۔ اس کی نظریں سامنے کے منظر پر جا ٹھہریں۔

ٹرک گاڑی کو روندتا ہوا آگے نکل چکا تھا۔

سڑک پر بریکوں کی چیخ، لوگوں کی آوازیں اور دھوئیں کی بو پھیل گئی۔ پیچھے آنے والی گاڑیاں ایک ایک کر کے رکنے لگیں اور چند لمحوں کے لیے ہر شخص اسی منظر کو دیکھتا رہ گیا۔

سیف کی گاڑی میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ شعلے آہستہ آہستہ گاڑی کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے جبکہ سیاہ دھواں فضا میں پھیلنا شروع ہو چکا تھا۔

سیف ابھی تک وہیں ساکت کھڑا تھا۔ اس کی نظریں جلتی ہوئی گاڑی پر جمی تھیں، جیسے اس کے اردگرد ہونے والی ہر چیز اس کی سماعت اور شعور سے دور ہو چکی ہو۔

عزیر اور شہریار دوڑتے ہوئے اس تک پہنچے۔

تم ٹھیک ہو؟

عزیر نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھے۔

سیف نے اس کی طرف دیکھا، مگر جواب نہ دے سکا۔

اگلے ہی لمحے شہریار نے آگے بڑھ کر اسے مضبوطی سے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں، مگر وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ آنسو باہر نہ آئیں۔

تم ٹھیک ہو نا؟

اس کی آواز بری طرح لرز رہی تھی۔

سیف نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

یہ جواب شہریار کے لیے کافی نہیں تھا۔ وہ ایک بار پھر آگے بڑھا اور اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ اس بار سیف نے مزاحمت نہیں کی۔

چند لمحوں بعد جب شہریار دوبارہ اس سے الگ ہوا تو سیف کی نظریں اس کی آنکھوں میں جا ٹھہریں — سیف نے وہاں حقیقت جان لی۔

فورک لفٹ کا ڈرائیور تیزی سے ان کے قریب آپہنچا۔

آپ لوگوں نے یہاں گاڑی کھڑی ہی کیوں کی تھی؟

وہ تلخ لہجے میں بولا۔

عزیر فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شہریار بھی اس سے بات کرنے لگا۔

وہاں بحث اور سوالات کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اردگرد لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ آگ ابھی بھی جل رہی تھی۔ آتی جاتی گاڑیاں رفتار کم کر کے رکتی تھیں، لوگ حیرت سے جلتی ہوئی گاڑی اور جمع ہجوم کو دیکھتے، پھر آگے بڑھ جاتے۔ فضا میں کئی آوازیں ایک ساتھ گونج رہی تھیں۔

مگر سیف کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، جیسے اس کی سماعت وقتی طور پر ختم ہو گئی ہو۔ وہ شہریار کی آنکھوں کی حقیقت میں کھو گیا تھا۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔ ساکت — بے حس — اس کی نظریں اب بھی جلتی ہوئی گاڑی پر جمی ہوئی تھیں۔

کمرے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ تینوں پوری رات ساتھ تھے۔

عزیر چند لمحے پہلے ہی اپنے گھر جا چکا تھا۔ سیف بستر پر لیٹا ہوا تھا جبکہ شہریار خاموشی سے اس پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ دونوں کے درمیان ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہیں ہوا تھا۔

وہ رات عجیب حد تک بھاری تھی۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ پوری رات آنکھوں میں ہی کٹ گئی۔

پھر فجر کی اذان کی آواز ہوا کے دوش پر پھیلنے لگی اور آہستہ آہستہ سورج اپنی روشنی بکھیرنے لگا۔ صبح ہوتے ہی شہریار وہاں سے چلا گیا تھا۔ سیف نے اسے روکنے کی کوشش کی، مگر وہ رکا نہیں اور گھر واپس آ گیا تھا۔

گھر پہنچتے ہی وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد مسز اسد اس کے لیے ناشتے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئیں۔ شہریار بستر کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں نیند کی کمی سے سرخ اور بوجھل تھیں۔ وہ جیسے زبردستی خود کو جاگتا رکھے ہوئے تھا۔

دروازے کی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا۔

مسز اسد ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے قریب آئیں اور ٹرے بستر پر رکھ دی، پھر خود بھی اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ جیسے ہی ان کی نظر شہریار کی سرخ آنکھوں پر پڑی، ان کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

شہریار، کیا تم سوئے نہیں؟

انہوں نے سادہ مگر فکر مند لہجے میں پوچھا۔

شہریار چند لمحے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے ناشتے کی ٹرے ایک طرف سرکا دی اور خود ان کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

ممی۔۔۔

اس کی آواز غیر معمولی طور پر دھیمی تھی۔

مسز اسد خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔

آپ نے مجھ سے کہا تھا نا کہ انسان کو اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔۔۔

وہ رکا۔

میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔

مسز اسد کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

شہریار نے نظریں جھکا لیں۔

ممی، میں نے اپنی زندگی میں بہت سے گناہ کیے ہیں۔

الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کا سر مزید جھک گیا۔

جب میں میٹرک میں تھا تو میری ایک۔۔۔

وہ رک گیا، جیسے زبان ساتھ نہ دے رہی ہو۔

مسز اسد خاموش بیٹھی رہیں۔

ممی، میں نے چار لوگوں کی زندگی برباد کر دی۔
مسز اسد کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔ کمرے کی فضا بوجھل ہو گئی۔
ممی۔۔۔ میری زندگی میں چار لڑکیاں آئیں۔
میں میٹرک میں تھا، جب ایک لڑکی میری زندگی میں ائی۔
مسز اسد کی دھڑکن بے اختیار تیز ہونے لگی۔
دوسری لڑکی کالج میں، فرسٹ ایئر کے دوران۔
مسز اسد کی انگلیاں بے اختیار آپس میں الجھ گئیں۔
تیسری بھی فرسٹ ایئر کے دوران۔۔۔
اب مسز اسد کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔ وہ شاید اندازہ لگا چکی تھیں۔
شہریار ابھی تک سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس میں سر اٹھا کر اپنی ماں کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔
چوتھی لڑکی میری زندگی میں کالج کے بعد آئی تھی۔
اس کی آواز لرز گئی۔
میں نے۔۔۔
میں نے ان سب کی زندگیاں برباد کر دیں۔
کمرے میں خاموشی چھا گئی۔
مسز اسد فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ بے اختیار ان کا ہاتھ اپنے سینے پر جا ٹکا۔ ان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔
شہریار نے پھر بھی سر نہیں اٹھایا۔
مجھ سے غلطی ہو گئی، ممی۔۔۔
وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بولا۔
تم اسے غلطی کہتے ہو؟
مسز اسد کی آواز بلند ہوئی۔ ان کے لہجے میں صدمہ، درد اور بے یقینی سب شامل تھے۔
یہ غلطی نہیں — گناہ ہے گناہ —
ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

شہریار، میں نے تمہاری ایسی تربیت تو نہیں کی تھی۔
مسز اسد کی آواز درد سے بھری ہوئی تھی۔
شہریار کے ہونٹ ہلے مگر وہ بول نہ سکا۔
تم نے تو اپنی ماں کو ہی شرمندہ کر دیا۔
ممی۔۔۔
شہریار کی بھیگی ہوئی آواز بمشکل اس کے حلق سے نکلی۔ اس نے سر اٹھا کر اپنی ممی کو دیکھا۔
ان کے گالوں پر آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے۔ اپنی ممی کو اس طرح ٹوٹتے ہوئے دیکھ کر شہریار کے دل میں اٹھنے والی تکلیف کئی گنا بڑھ گئی۔ وہ بے اختیار بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔
ممی، میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کر رہا ہوں۔
وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پایا۔
شہریار، تم ایسا کیسے کر سکتے تھے؟
مسز اسد اس کے قریب آگئیں۔
اگر یہ سب میرے ساتھ ہوا ہوتا یا میں نے ایسا کیا ہوتا تو کیا تم اسے برداشت کر سکتے تھے؟ انہوں نے کسی اور کی مثال دینے کے بجائے خود اپنی مثال دی تھی۔
وہ آواز شہریار کے کانوں سے ٹکرائی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے شیشے کے نوکیلے ٹکڑے اس کے دل میں پیوست ہو گئے ہوں۔
ممی۔۔۔
شہریار نے کہتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے تھے۔
ممی، آپ مجھے معاف کر دیں۔
مجھ سے کس بات کی معافی مانگ رہے ہو؟
ان کی آواز بلند تھی جبکہ شہریار کا لہجہ مسلسل دھیمے پڑتا جا رہا تھا۔
ممی، میں ان سب سے بھی معافی مانگ لوں گا۔
مسز اسد کی آنکھوں میں درد مزید گہرا ہو گیا۔

معافی مانگ لینے سے ان کے کردار پر لگا داغ صاف نہیں ہو جائے گا اور نہ ہی ان کے دلوں پر لگے زخم اتنی آسانی سے بھر جائیں گے۔

ان کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور شہریار بے بسی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

وہ آہستہ سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

ممی۔۔۔

شہریار بھی ان کے قریب آگیا۔

آپ ہی مجھے بتائیں، میں کیا کروں؟

وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اس کے سوال کا جواب مسز اسد کے پاس نہیں تھا۔ کچھ نقصان ایسے ہوتے ہیں جن کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔

شہریار، پانی سر سے گزر چکا تھا۔

انہوں نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

اللہ کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔

شہریار کے ہونٹ کانپ گئے۔

ممی، میری پکڑ ہو چکی ہے۔

یہ کہتے ہوئے اس نے نظریں جھکا لیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

مسز اسد خاموش ہو گئیں۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ کمرے میں صرف شہریار کے رونے کی آواز گونج رہی تھی۔

اگلے دن شہریار جب کلاس روم کے دروازے تک پہنچا تو سامنے پروفیسر کھڑے تھے۔ وہ طلبہ کو سلیبس کے بارے میں ہدایات دے رہے تھے۔ شہریار کو دیکھ کر انہوں نے خاموشی سے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

شہریار نے ہلکا سا سر ہلایا اور کلاس میں داخل ہو گیا۔ اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے پورے کلاس روم پر گھومیں، پھر وہ خاموشی سے جا کر پہلی قطار کی تیسری میز پر بیٹھ گیا۔

پروفیسر اپنی بات میں مصروف رہے۔

شہریار کی نظر دوسری قطار کی پہلی میز پر بیٹھی میرال پر جا ٹھہری۔ میرال پروفیسر کی بات سن رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

شہریار نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔ کچھ دیر بعد لیکچر ختم ہوا۔ پروفیسر کلاس روم سے باہر نکل گئے اور طلبہ بھی آہستہ آہستہ جانے لگے۔

شہریار اپنی جگہ سے اٹھا اور میرال کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے سامنے آکر رک گیا۔

میرال نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر بے اعتنائی سے نظریں پھیر لیں۔

کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟

شہریار کی آواز دھیمی تھی۔

میرال نے اپنا بیگ اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔

مجھے تم سے بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔

وہ سرد لہجے میں بولی اور آگے بڑھنے لگی، مگر شہریار اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

کلاس روم تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ باہر جاتے ہوئے چند طلبہ نے تجسس سے ان دونوں کو دیکھا، پھر اپنی راہ لے لی۔

میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہوں۔

شہریار کی آواز میں پچھتاوا صاف محسوس ہو رہا تھا۔

میرال کے چہرے پر کوئی تاثر نہ آیا۔

مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔

وہ بے رخی سے بولی اور چند قدم چلنے کے بعد اچانک رکی۔ اس نے مڑ کر شہریار کو دیکھا۔

شہریار کی نم آنکھیں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

سیف کہاں ہے؟

میرال نے پوچھا۔

مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔

یہ کہہ کر وہ کلاس روم سے باہر نکل گیا۔

میرال کا چہرہ فوراً غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔

نور کیفے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے کافی کا کپ رکھا تھا۔ آج اس کے چہرے پر ایک الگ ہی چمک تھی۔ آنکھوں میں خوشی جھلک رہی تھی اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔

اس نے کافی کا کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا۔ کافی کی تلخی اس کے حلق سے اتر گئی، مگر وہ تلخی بھی اس کے دل کی خوشی کو مدھم نہ کر سکی۔

نور نے اپنا بیگ کھولا، موبائل نکالا اور چند لمحے اسکرین پر انگلیاں چلانے کے بعد کال ملا لی۔

السلام علیکم!

دوسری طرف سے آواز آئی۔

وعلیکم السلام!

نور نے خوش دلی سے جواب دیا۔

تم کہاں ہو؟ پھر اس نے فوراً پوچھا۔

اپارٹمنٹ میں۔

دوسری طرف سے مدھم آواز سنائی دی۔

یونیورسٹی کیوں نہیں آئے؟

بس، ایسے ہی۔

مختصر سا جواب ملا۔

اچھا، مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ کیا ہم مل سکتے ہیں؟

خیریت تو ہے؟

ہاں، سب خیریت ہے۔

کیا آج ہی ضروری ہے؟

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

ہاں، بالکل۔

نور نے فوراً جواب دیا۔

ٹھیک ہے، پھر وقت اور جگہ بتا دو۔ میں آجاؤں گا۔

پھر طے رہا، آج لنچ ساتھ کریں گے۔ نور نے کہا۔

اوکے۔

یہ کہہ کر کال منقطع ہو گئی۔
اسی لمحے نور کی نظر کیفے کے دروازے کی طرف گئی جہاں شہریار اندر داخل ہو رہا تھا۔
شہریار۔۔۔
نور نے فوراً اسے آواز دی۔
شہریار نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔
نور نے ہاتھ بلند کر کے اپنی طرف اشارہ کیا۔
شہریار کی نظر پہلے نور کے بلند ہاتھ پر گئی، پھر اس کے چہرے پر ٹھہر گئی۔ آج نور واقعی مختلف لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسی خوشی تھی جو چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔
شہریار آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
کیسے ہو؟
نور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
ٹھیک ہوں۔
شہریار نے نرمی سے جواب دیا۔ نور کے چہرے کی چمک دیکھ کر اس کے اپنے چہرے کی سنجیدگی بھی مدھم پڑ گئی تھی۔
چائے یا کافی؟ نور نے پوچھا۔
چائے۔
نور نے ہاتھ کے اشارے سے ویٹر کو بلایا۔
ایس میم؟
وہ ادب سے ان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔
ایک چائے۔۔۔
ویٹر سر ہلا کر واپس چلا گیا۔
نور نے دوبارہ شہریار کی طرف دیکھا۔
آج لنچ بھی ہم ساتھ کریں گے اور وہ میری طرف سے ہوگا۔

شہریار کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
خیریت تو ہے؟ آج اتنی مہربانی۔۔۔
نور ہنس پڑی۔
میرا دل ہمیشہ سے مہربان رہا ہے۔ اس نے شوخی سے پلکیں جھپکائیں۔
ایسی بھی کیا خاص بات ہے؟
شہریار نے تجسس سے پوچھا۔
وہ میں تمہیں کھانے کی میز پر بتاؤں گی۔ نور نے رازدارانہ انداز میں کہا۔
مگر میں تو گھر جا رہا تھا۔
ابھی تو ایک ہی کلاس ہوئی ہے۔ باقی کلاسز نہیں لینی کیا؟
نور نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔
نہیں۔
شہریار نے نفی میں سر ہلایا۔
کیوں؟
اس بار نور کی آواز میں سنجیدگی شامل تھی۔
ممی کی ڈاکٹر کے ساتھ اپائنٹمنٹ ہے۔ مجھے انہیں لے کر جانا ہے۔ اس کے لہجے کی نرمی اچانک اداسی میں بدل گئی۔
ان کو کیا ہوا؟
نور نے فوراً فکر مندی سے پوچھا۔
رات سے طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔
شہریار نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔
اسی دوران ویٹر چائے لے آیا۔ اس نے کپ احتیاط سے میز پر رکھا اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔
نور نے چند لمحے شہریار کو دیکھا، پھر نرمی سے بولی۔
فکر مت کرو۔ ان شاء اللہ وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔
شہریار نے خاموشی سے سر ہلا دیا، مگر اس کی آنکھوں میں موجود فکر ابھی بھی واضح دکھائی دے رہی تھی۔

سیف رکشے سے اترا تو دوپہر کی تیز دھوپ اس کے چہرے پر پڑی۔ اس نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر آنکھوں پر سایہ کیا اور اردگرد نظر دوڑائی۔ چند قدم کے فاصلے پر موجود ریسٹورنٹ پر اس کی نظر جا ٹھہری۔ اس نے ایک لمحے کے لیے عمارت کو دیکھا، پھر جیب سے وائلٹ نکال کر رکشے والے کو کرایہ ادا کیا۔ رکشے والے نے شکریہ ادا کرتے ہوئے پیسے جیب میں رکھے اور رکشہ آگے بڑھا دیا۔

سیف آہستہ آہستہ ریسٹورنٹ کی طرف چل پڑا۔ دروازہ کھولتے ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس سے ٹکرایا۔ اس کی نظر فوراً سامنے بیٹھی نور پر جا ٹھہری۔

نور کھڑکی کے قریب والی میز پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک۔

سیف آہستہ قدموں سے اس کی طرف بڑھا اور سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ نور کی مسکراہٹ بدستور قائم تھی۔

آج تو کوئی خاص بات لگ رہی ہے۔ اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

نور کے لبوں کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

ہاں، بالکل۔ آج واقعی بہت خاص بات ہے۔

اس کی آواز میں خوشی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

اور اس خوشی کی وجہ؟

میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ میں نے ایک این جی او میں اپلائی کیا تھا؟ مجھے وہاں جاب مل گئی ہے۔۔۔

سیف کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں چمک اتر آئی۔

اور میں بہت زیادہ خوش ہوں۔ نور کی آواز جذبات سے بھر گئی۔ اس کی آنکھیں نمی سے چمکنے لگیں۔

سیف خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

میں واقعی بہت زیادہ خوش ہوں۔

نور نے دوبارہ کہا، جیسے ابھی تک اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ یہ سب حقیقت ہے۔ اس کی خوشی اتنی سچی تھی کہ سیف بھی اسے محسوس کر سکتا تھا، اگرچہ اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا شاید ممکن نہیں تھا۔

یہ خوشخبری میں نے سب سے پہلے تمہیں دی ہے۔

نور نے اپنی نم آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔
نور کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔
نہیں، اس کا حقدار میں نہیں ہوں۔
سیف نے آہستہ سے سر ہلایا۔ اس کی آواز ہمیشہ کی طرح نرم تھی۔
یہ سب اللہ نے تمہیں تمہاری محنت کا پھل دیا ہے۔ جو کچھ تم نے پایا اور جو کچھ کھویا، سب اسی کی طرف سے ہے۔
نور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔
میں جانتی ہوں۔۔۔
اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد ہی میں تمہارا شکریہ ادا کر رہی ہوں۔
اس بار اس کی آنکھیں پھر سے بھیگ گئیں، مگر یہ آنسو شکر کے تھے۔
سیف کے دل میں سکون کی ایک نرم سی لہر دوڑ گئی۔
تمہیں بہت بہت مبارک ہو۔
اس نے خلوص سے کہا۔
نور مسکرائی۔
میں تمہیں کوئی گفٹ دینا چاہتی ہوں۔ تم مجھے بتاؤ، تمہیں کیا پسند ہے؟
نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سیف نے فوراً انکار کیا۔
تم مجھے یہ مت بتاؤ کہ ضرورت ہے یا نہیں۔ میں نے جو پوچھا ہے، صرف اس کا جواب دو۔
سیف بے اختیار ہنس پڑا۔
مجھے کیا پسند ہے؟
سیف نے دھیمی آواز میں کہا۔
مجھے تو پھول بہت زیادہ پسند ہیں— تم مجھے پھول گفت کر سکتی ہو۔
سیف نے انتہائی نرمی اور محبت بھرے انداز میں کہا۔ اس کے لہجے میں وہی ملائمت تھی جو کھلے ہوئے پھولوں کی پنکھڑیوں میں محسوس ہوتی ہے۔
کیا، تمہیں سچ میں پھول پسند ہیں؟

نور نے ذرا سی حیرت کے ساتھ پوچھا۔

سیف نے آہستہ سے سر ہلایا۔

تمہیں پھول کیوں پسند ہیں؟

مجھے پھول کیوں پسند ہیں؟ سیف نے دھیرے سے جیسے خود سے سوال دہرایا۔

مجھے پھول اس لیے پسند ہیں کیونکہ وہ اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں۔ انہیں دوسروں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

سیف نرمی سے بول رہا تھا۔ وہ جتنی خوبصورتی سے بات کرتا تھا، نور اتنی ہی توجہ اور انہماک سے اسے سنتی تھی۔

اگر تم ایک شاخ سے ایک پھول توڑ لو، تب بھی باقی پھول اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ کھلے رہتے ہیں۔ وہ اپنے حصے کی خوشبو بانٹتے رہتے ہیں، بغیر یہ سوچے کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

نور کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

مگر ان کے حصے میں تو ہمیشہ ٹوٹ جانا یا مرجھا جانا آتا ہے۔ نور نے آہستہ سے کہا۔

ہاں، بالکل۔۔۔

ان کی قسمت ایسی ہی ہوتی ہے — مگر اس کے باوجود وہ کھلتے ہیں، مہکتے ہیں اور دوسروں کو خوشی دیتے ہیں۔

اس کی آواز میں گہرائی تھی۔

نور بے اختیار اس کی بات سے متاثر ہوئی۔ اس نے چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھا، پھر ہلکا سا مسکرا دی۔

ٹھیک ہے، پھر میں تمہارے لیے تازہ پھول لے کر آؤں گی۔

وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

اور تم تازہ پھول کہاں سے لاؤ گی؟

سیف نے پوچھا۔

میرے گھر میں بہت سارے پھولوں کے پودے ہیں۔

نہیں، ایسا مت کرنا۔ سیف نے فوراً کہا۔

انھیں مت توڑنا۔

اس کے لہجے میں بے اختیار تشویش اتر آئی تھی، جیسے وہ واقعی ان پھولوں کی فکر کرتا ہو۔

اگر مجھے پھول دینا چاہتی ہو تو تم بازار سے لے کر دے سکتی ہو، جو پہلے ہی کسی دکان پر موجود ہوں۔

نور چند لمحے سوچتی رہی، پھر مسکرا کر بولی۔
ٹھیک ہے، جیسے تم کہو۔
وہ دوبارہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
کیا اب کھانا آرڈر کریں؟
مجھے بھی تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔
سیف کی آواز سن کر نور نے مینیو کارڈ سے نظریں اٹھائیں۔
میں اب یونیورسٹی نہیں آیا کروں گا۔
وہ صرف ایک جملہ، نور کے چہرے کی ساری رونق چھین لے گیا۔ اس کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔
میں واپس جا رہا ہوں۔
نور یکدم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی ایک ساتھ ابھر آئی۔
کیا مطلب؟
میں تم سے رابطے میں رہوں گا۔ تم مجھے سلیبس اور پیپرز کی تفصیلات بتا دیا کرنا۔ میں صرف پیپرز دینے آیا کروں گا۔
چند لمحے پہلے کی ساری خوشی اچانک کہیں گم ہو گئی تھی۔
مگر، ایسا کیوں؟
اس نے بمشکل پوچھا۔
سیف نے گہرا سانس لیا۔
ابو سے کام سنبھالا نہیں جا رہا، میں واپس جا رہا ہوں تاکہ ان کا ہاتھ بٹا سکوں۔
مگر سیف۔۔۔
ضرورت کے وقت اگر میں ان کے کام نہیں اؤں گا تو پھر کون آئے گا؟
نور خاموش ہو گئی۔
سیف نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔
میں نے اپنا نمبر تبدیل کر لیا ہے، یہ نیا نمبر ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم یہ نمبر کسی کو بھی نہ دو۔
نور نے کاغذ تھاما، مگر اس کی نظریں اب بھی سیف کے چہرے پر جمی تھیں۔

سیف، مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں آ رہا۔
اس کی آواز میں بے یقینی صاف محسوس ہو رہی تھی۔
سیف نے جواب نہیں دیا اور نور کو یقین ہو گیا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔
دونوں کے درمیان ایک عجیب سی خاموشی پھیل گئی۔ نور اسے خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی، جبکہ سیف کی نظریں میز پر جھک گئی تھیں۔

✦ ✦ ✦

گاڑی آ کر دروازے کے باہر رکی۔
سیف کی نظر بے اختیار آدھے کھلے دروازے پر جا ٹھہری، جبکہ مومنہ نے ایک لمحے کے لیے سیف کو دیکھا۔
سیف نے دروازے پر ایک سرسری نگاہ ڈالی، پھر گاڑی بند کر دی۔ وہ سیٹ بیلٹ کھول کر باہر نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔ مومنہ نے گاڑی کے شیشے میں خود کو دیکھا اور آہستگی سے اپنا دوپٹہ درست کیا۔
اسی لمحے ایک اور گاڑی آ کر بالکل ان کے سامنے رکی۔
سیف کی نظریں گاڑی کے اندر بیٹھے شہریار پر جا ٹھہریں۔
دونوں کی نظریں ایک لمحے کے لیے آپس میں ملیں، پھر شہریار نے سیٹ بیلٹ کھولی اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔ اس نے گاڑی لاک کی اور ان کی طرف بڑھنے لگا۔
آج وہ کچھ مختلف لگ رہا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے چہرے پر پہلے جیسی بے فکری تو نہیں تھی، مگر ایک عجیب سا ٹھہراؤ ضرور آ گیا تھا۔
سیف اور مومنہ بھی گاڑی سے باہر نکل آئے۔
سیف نے سفید شلوار قمیض کے اوپر ہلکے بھورے رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا، جبکہ مومنہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ اس نے سر پر دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اور کندھوں پر بھورے رنگ کی شال بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی تھی۔ دونوں ایک ہی رنگ کے امتزاج میں نہایت خوبصورت لگ رہے تھے۔
شہریار آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب آیا۔
السلام علیکم!
شہریار کہتے ہوئے آگے بڑھا اور سیف کے گلے لگ گیا۔

وعلیکم السلام!

سیف اور مومنہ نے ایک ساتھ جواب دیا۔

سیف کے گلے لگتے ہی شہریار کو عجیب سی راحت محسوس ہوئی۔ ان کے درمیان بہت کچھ بدل چکا تھا۔ وقت نے ان دونوں کو آزمائشوں سے گزارا تھا، مگر اس کے باوجود ایک دوسرے کو دیکھ کر دل میں جو سکون اترتا تھا، وہ آج بھی ویسا ہی تھا — شاید یہی دوستی کی خاصیت ہوتی ہے۔

شہریار سیف سے الگ ہوا اور مومنہ کی طرف متوجہ ہوا۔

آپ کیسی ہیں؟

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

الحمدللہ، ٹھیک۔ آپ کیسے ہیں؟

مومنہ نے نرمی سے جواب دیا۔

میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کے سامنے کھڑا ہوں، آپ دیکھ سکتی ہیں۔

شہریار نے ہلکی سی شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اس کی بات پر تینوں ہنس دیے۔

سیف آگے بڑھا اور دروازے کے قریب جا کر رک گیا۔ آدھے کھلے دروازے سے اندر کھڑی گاڑی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

مومنہ اور شہریار بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔

سیف نے ڈور بیل بجائی۔ چند لمحے گزر گئے، مگر اندر سے کوئی ردِ عمل نہ آیا۔

اس نے دوبارہ بیل بجائی۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور وانیہ باہر نکلی۔ سامنے کھڑے تینوں افراد کو دیکھتے ہی وہ جیسے پتھر کی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لب ہلکے سے کھلے، مگر الفاظ حلق میں ہی اٹک کر رہ گئے۔ وہ بس خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

سیف، مومنہ اور شہریار بھی خاموش کھڑے تھے، مگر ان کی آنکھوں میں وانیہ جیسی حیرت نہیں تھی۔

اچانک وانیہ جیسے ہوش میں آئی۔ وہ پلٹی اور تقریباً بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔

سیف اور شہریار نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ مومنہ ان دونوں کی نظروں کا تبادلہ خاموشی سے دیکھ رہی تھی، پھر سیف نے ہلکے سے قدم بڑھایا اور گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

میرال۔۔۔

وانیہ اس کا نام لیتی ہوئی جلدی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی اور چہرے پر غیر معمولی سی گھبراہٹ۔

دیکھو کون آیا ہے؟

وہ تقریباً جلدی میں بولی تھی۔

میرال، جو بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، چونک کر سیدھی ہو گئی۔

دروازے پر سیف نمودار ہوا۔ مومنہ اس کے ساتھ کھڑی تھی جبکہ شہریار ان دونوں کے پیچھے خاموشی سے کھڑا تھا۔

میرال کی نظریں سیف پر پڑیں۔

بس ایک نظر اور اسی ایک نظر میں جیسے اس کے اندر بند تمام جذبات بکھر گئے۔ اس کی آنکھوں میں فوراً نمی اتر آئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی سیف کی طرف بڑھی۔

اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھ پاتا، وہ سیف کے گلے لگ چکی تھی۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ سب حیران رہ گئے۔

میرال نے دونوں ہاتھوں سے سیف کے کوٹ کو مضبوطی سے پکڑ لیا، جیسے ڈر ہو کہ وہ دوبارہ کہیں چلا نہ جائے۔ اس کے رونے کی آواز پورے کمرے میں گونجنے لگی۔ وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔

سیف، میں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔

سیف ساکت رہ گیا۔ اس نے چاہا کہ میرال کو آہستگی سے پیچھے ہٹا دے، مگر پھر خاموش کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر الجھن اور بے بسی ایک ساتھ نمایاں تھی۔

تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟

مومنہ کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔ اس کی نظریں میرال پر جمی تھیں، مگر وہ مکمل خاموش بیٹھی رہی۔

وانیہ فوراً آگے بڑھی۔

میرال، خود کو سنبھالو۔

اس نے نرمی سے کہا اور اسے سیف سے الگ کرنے کی کوشش کی۔

مگر میرال نے کوٹ کو اس قدر مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا کہ چند لمحوں تک وہ الگ ہی نہ ہو سکی۔
وانیہ نے بڑی مشکل سے اسے پیچھے کیا۔
سیف سے الگ ہوتے ہی میرال کی سسکیاں مزید گہری ہو گئیں۔
سیف نے بے اختیار ایک گہری سانس لی۔
میرال دوبارہ اس کی طرف بڑھنا چاہتی تھی، مگر وانیہ نے اسے تھام لیا۔ وانیہ نے آہستگی سے اسے سنبھالتے ہوئے بیڈ پر بٹھا دیا۔
میرال بیٹھتے ہی جھک گئی۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں میں چھپا لیا۔ اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔
کمرے میں کھڑے سب لوگ خاموش تھے۔ صرف میرال کی دبی دبی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔
وانیہ نے خود کو سنبھالا اور پھر تینوں کی طرف دیکھا۔
آپ لوگ بیٹھ جائیں۔
اس نے دھیرے سے کہا۔
سیف نے ہلکا سا سر ہلایا اور جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔
مومنہ خاموشی سے اس کے برابر آ بیٹھی۔ اب اس کے چہرے پر پہلے والی نرمی اور اطمینان نہیں تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا اور آنکھوں میں خاموش سوال تیر رہے تھے۔
شہریار بھی آہستگی سے آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔
کمرے کی فضا عجیب حد تک بوجھل ہو چکی تھی۔ اس بوجھ کی سب سے بڑی وجہ وہ آنسو تھے جو ابھی تک میرال کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔
چند لمحوں تک کمرے میں گہری خاموشی چھائی رہی۔ سب کی نظریں میرال پر جمی ہوئی تھیں، جبکہ میرال سر جھکائے اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ اس کی سسکیاں اب دھیمی ہو چکی تھیں، مگر آنسو اب بھی اس کی انگلیوں کے درمیان سے گزر کر دامن میں گر رہے تھے۔
آخرکار سیف نے خاموشی توڑی۔
مجھے میرال سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔
اس کی آواز نرم تھی، مگر لہجے میں ایسی سنجیدگی تھی کہ کسی کے لیے بھی انکار کرنا ممکن نہ تھا۔

وانیہ، مومنہ اور شہریار تینوں نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ سیف کی نظریں بدستور میرال پر جمی ہوئی تھیں۔
میرال نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔
وانیہ آہستگی سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ اسی کے ساتھ شہریار بھی اٹھ کھڑا ہوا۔
مومنہ نے ایک لمحے کے لیے سیف کو دیکھا، پھر میرال کی طرف نگاہ دوڑائی۔ اس کے دل میں عجیب سی بے چینی جاگ اٹھی تھی۔ وہ سیف کو اکیلا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی، مگر اس وقت خاموش رہنے کے سوا اس کے پاس کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور آہستگی سے کھڑی ہو گئی۔
تینوں خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھے۔ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کسی نے کوئی بات نہیں کی۔
دروازہ بند ہونے کی مدھم سی آواز پورے کمرے میں گونج گئی۔
سیف نے ایک لمحے کے لیے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی نظریں واپس میرال کی جانب موڑ لیں۔ اب کمرے میں صرف وہ دونوں تھے۔ خاموشی پہلے سے کہیں زیادہ گہری محسوس ہو رہی تھی۔
دوسری طرف ٹی وی لاؤنج میں آ کر مومنہ اور شہریار صوفے پر بیٹھ گئے۔
دونوں خاموش تھے۔ شہریار کی نظریں سامنے دیوار پر جمی تھیں، جبکہ مومنہ کے ذہن میں بے شمار سوال گردش کر رہے تھے۔
وانیہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی، پھر کچن کی طرف چلی گئی۔
میرال، تم شہریار کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو؟
سیف نے آہستہ مگر سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ اس کی نظریں مسلسل میرال پر جمی ہوئی تھیں۔
میرال نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ سیف کے سوال پر اس کے آنسو رک گئے تھے۔
جو کچھ بھی ہو رہا ہے، اس سب کی وجہ وہ ہے۔
اس نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔
اس کی وجہ سے کیا ہو رہا ہے؟
سیف نے پرسکون لہجے میں دوبارہ سے سوال کیا۔
وہ ہمارے درمیان آیا۔ اس نے تمہیں مجھ سے دور کر دیا۔ تم اس کی وجہ سے چلے گئے۔
میرال کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

اس کی وجہ سے کچھ بھی نہیں ہوا۔
سیف کی آواز مدھم تھی۔
تم اسے ذمہ دار ٹھہرانا چھوڑ دو۔
پھر کس کی وجہ سے ہوا سب کچھ؟ میرال کی آواز ہلکی سی بلند ہو گئی۔
کس کو ذمہ دار ٹھہراؤں؟
خود کو۔۔۔
سیف نے بغیر ہچکچاہٹ کے جواب دیا۔
میرال کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
خود کو؟
اس نے بے یقینی سے دہرایا۔
ہاں، خود کو۔۔۔
کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ میرال خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔
اگر تم ہمارے درمیان اختلاف پیدا نہ کرتیں تو شاید آج حالات مختلف ہوتے۔
سیف کی آواز اب پہلے سے نرم تھی، مگر ہر لفظ حقیقت کا وزن لیے ہوئے تھا۔
سیف، تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو؟
میرال کی آنکھوں میں پھر نمی اتر آئی۔
کیونکہ حقیقت یہی ہے۔۔۔
نہیں، یہ حقیقت نہیں ہے۔
اس نے فوراً جواب دیا۔
تم نے اس کی وجہ سے مجھ سے جھوٹ بولا۔ تم نے اس کی وجہ سے مجھے چھوڑ دیا۔
میرال نے خود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ سیف نے صاف لہجے میں کہا۔
اور نہ ہی میں نے تمہیں شہریار کی وجہ سے چھوڑا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے رکا۔
میں مومنہ سے محبت کرتا تھا، کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔
اب وہ میری بیوی ہے اور وہ میرے ساتھ ہے۔ میں اس کے ساتھ اپنی ساری زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ ہی جینا اور مرنا چاہتا ہوں۔
یہ کہتے ہوئے اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔
میرال کی پلکوں پر پھر آنسو لرزنے لگے۔
سیف، تم جانتے تھے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔
اس کی آواز میں دکھ صاف محسوس ہو رہا تھا۔
سیف نے چند لمحے خاموش رہ کر اسے دیکھا۔
میرال، یہ ضروری نہیں کہ اس دنیا میں، ہم جس چیز کی خواہش کریں، وہ ہمیں مل جائے۔
اگر تمہیں، تمہاری محبت نہ ملتی تو تم کیا کرتے؟
میرال نے فوراً سوال کیا۔
میں خاموش رہتا۔
اس نے آہستہ سے کہا۔
اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے دوسروں کے درمیان اختلافات پیدا نہ کرتا، دوسروں کو قصوروار نہ ٹھہراتا۔
دونوں کی نظریں ایک دوسرے پر جمی تھیں۔
شہریار نے بھی کسی کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ اسے احساس تھا کہ یہ سب، اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔
تمہیں ابھی بھی شہریار درست لگتا ہے؟
ہاں۔۔۔
سیف نے بغیر ہچکچاہٹ کے جواب دیا۔
پھر تم یہاں کیوں آئے ہو؟
میرال کے چہرے پر الجھن اور ناگواری کی لکیریں ابھر آئیں۔
میں شہریار کے لیے آیا ہوں۔

یہ الفاظ میرال کے دل پر بوجھ بن کر گرے۔ اس کی آنکھوں میں نمی مزید گہری ہو گئی۔

تمہیں ابھی بھی اس کی پرواہ ہے؟

ہاں بلکل، مجھے ابھی بھی اس کی پرواہ ہے۔

سیف، تمہیں سب کی پرواہ ہے، سوائے میرے۔

تم میرے لیے اتنے بے رحم کیسے ہو سکتے ہو؟

نہیں، ایسا نہیں ہے۔

سیف نے فوراً کہا۔

جس طرح تمہارے دل میں میرے لیے محبت نہیں ہے، اسی طرح شہریار کے لیے بھی میرے دل میں کوئی محبت نہیں ہے۔ یرال نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

تم اپنے دل کو بدلنے کی کوشش تو کر سکتی ہو – ہر چلتی ہوئی چیز کو ایک دن راکھ ہونا ہوتا ہے۔

سیف نے نرمی سے کہا۔

میرال نے سر جھکا لیا۔

میں اپنے دل سے تمہارا خیال کبھی نہیں نکال سکی۔

سیف نے ایک گہری سانس لی اور پھر بولا۔

دل میں بس جانے والے خیالات کبھی بھی نہیں نکلتے اور نہ ہی ہم ان کو نکال سکتے ہیں۔۔۔

شہریار تمہیں خوش رکھے گا۔ وہ تم سے سچی محبت کرتا ہے اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ تم بھی اس سے محبت کرنے لگو گی۔

میں اس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کروں گی۔ وہ ایک دھوکے باز انسان ہے۔

میرال نے فوراً جواب دیا۔

اس نے اپنی ہر غلطی کا اعتراف کیا ہے۔ ہر بات کی معافی مانگی ہے۔

سیف رکا۔۔۔

اس کا دل بدل چکا ہے۔ اگر تم تعصب کے بغیر اس کے بارے میں سوچو گی تو تمہارا دل بھی نرم ہو جائے گا۔

میرال نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں بے شمار ٹوٹے ہوئے خواب تیر رہے تھے۔
میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی – کیا تم میرے لیے اپنا دل نرم نہیں کر سکتے؟
سیف چند لمحے خاموشی سے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھتا رہا۔
میرال، احساسات دھوکہ ہوتے ہیں۔ تم ڈھائی سال سے میرے بغیر رہ رہی ہو۔۔۔
سیف نے نرمی سے جواب دیا۔
مرد کو تو چار شادیوں کی اجازت ہے – تم مجھے بھی اپنا لو۔
یہ کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سیف کے قدموں میں آبیٹھی۔
سیف فوراً کھڑا ہو گیا اور چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔
میرال نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔
میرال، اگر چار کی جگہ چار سو شادیوں کی بھی اجازت ہوتی، تب بھی میں دوسری شادی نہ کرتا۔
اس کی آواز میں غیر معمولی سنجیدگی اتر آئی تھی۔
اور یہ صرف مومنہ کی وجہ سے نہیں ہے۔ مومنہ کی جگہ میری پہلی بیوی کوئی اور بھی ہوتی، تب بھی میرا جواب یہی ہوتا۔
کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔
میرال، میں چاہتا ہوں کہ تم خود کو کھونے نہ دو۔ سیف پھر نرمی سے بولا۔
اچھی زندگی گزارنے کے لیے انسان کو آگے بڑھنا پڑتا ہے۔۔۔
کبھی کبھی زندگی کے کچھ لمحے ہمیں روک لیتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ سکتے ہیں، اپنے زخموں کو محسوس کر سکتے ہیں اور اپنے دل کو پرسکون کر سکتے ہیں، مگر ہمیشہ وہیں نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ ایک ہی جگہ رکے رہ کر ہم خود کو مزید تکلیف دیتے ہیں۔ ہم اپنے زخموں کو بھرنے کے بجائے بار بار کریدتے رہتے ہیں۔ ہم خود کے ساتھ بہت غلط کرتے ہیں۔
ہمیں اٹھنا پڑتا ہے، خود کو سنبھالنا پڑتا ہے اور آگے بڑھ جانا پڑتا ہے۔
مجھے امید ہے کہ تم اس بارے میں ضرور سوچو گی۔
سیف مڑا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
میرال نم آنکھوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

سیف نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہونے کی ہلکی سی آواز گونجی۔

میرال کی ٹانگوں میں جیسے جان نہ رہی ہو۔ وہ آہستہ سے زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کے آنسو خاموشی سے بہتے رہے، جبکہ کمرے میں پھیلتی خاموشی اس کے ٹوٹے ہوئے دل کی گواہی دے رہی تھی۔

سیف کمرے سے باہر نکلا تو اس کی نظر سب سے پہلے مومنہ اور شہریار پر پڑی۔ دونوں کی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ بے صبری سے کسی نتیجے کے منتظر ہوں۔

وانیہ ان کے سامنے چائے رکھ رہی تھی۔ قدموں کی آہٹ سن کر اس نے سر اٹھایا اور سیف کو دیکھتے ہی سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

سیف آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر دل غیر معمولی بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔

ہمیں اب چلنا چاہیے۔

اس کی آواز میں ہمیشہ والی نرمی تھی۔

مومنہ اور شہریار بھی فوراً کھڑے ہو گئے۔

میں کھانا بنا رہی ہوں، کھانا کھا کر جائیں۔

وانیہ نے خلوص سے کہا۔

سیف نے نفی میں سر ہلایا۔

نہیں، پھر کبھی سہی—

اس کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ اب بھی موجود تھی۔

چائے تو پی لیں۔ وانیہ نے اصرار کیا۔

بہت شکریہ، مگر اب ہمیں نکلنا چاہیے۔ اس وقت میرال کو تمہاری ضرورت ہے۔

مومنہ، شہریار اور وانیہ کی نظریں بے اختیار میرال کے کمرے کے بند دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔

ایک منٹ، میں ابھی آیا۔

سیف کی آواز پر تینوں نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔

وہ مڑا اور آہستہ قدموں سے باہر نکل گیا۔
تینوں خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ چند لمحوں بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں تین شاپنگ بیگز تھے۔ وہ سیدھا وانیہ کے پاس آیا اور بیگز اس کی طرف بڑھا دیے۔
وانیہ نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔
یہ تمہارے اور میرال کے لیے ہیں۔
وانیہ کی نظریں چند لمحے اس کے چہرے پر ٹھہری رہیں۔
اس کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔
سیف ہلکا سا مسکرایا۔
جب بھائی کوئی تحفہ دے تو اس سے ضرورت کی وجہ نہیں پوچھی جاتی۔
وانیہ کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ اس نے خاموشی سے شاپنگ بیگز تھام لیے۔
سیف نے ایک نظر مومنہ اور شہریار کو دیکھا، وہ دونوں آگے بڑھے۔
مومنہ آگے بڑھی اور وانیہ کو گلے لگا لیا۔
وانیہ نے بھی محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔
اپنا اور میرال کا خیال رکھنا۔
سیف نے جاتے جاتے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
وانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
تینوں آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ گئے جبکہ وانیہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی باہر تک آئی۔
شہریار اپنی گاڑی میں جا بیٹھا جبکہ سیف اور مومنہ دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے۔
چند لمحوں بعد دونوں گاڑیوں کے انجن اسٹارٹ ہوئے۔
وانیہ دروازے پر کھڑی خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ گاڑیاں آہستہ آہستہ آگے بڑھیں اور پھر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔
وہ چند لمحے یونہی کھڑی رہی، پھر ایک گہرا سانس لے کر واپس اندر آگئی۔ اس کے قدم خود بخود میرال کے کمرے کی طرف اٹھ گئے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ میرال اب بھی فرش پر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں میں چھپا رکھا تھا اور اس کے کندھے مسلسل لرز رہے تھے۔ وہ خاموشی سے رو رہی تھی، جیسے اس کے آنسوؤں کے ساتھ اس کے سارے خواب بھی بہہ گئے ہوں۔

✦ ✦ ✦

کچن میں برہان کی امی چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھیں۔ گرم توے سے اٹھتی بھاپ اور تازہ روٹی کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ برہان اور اس کے ابو فرش پر بچھی چٹائی پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

عمیرہ اور ہادی کہاں ہیں؟

برہان کے ابو نے نوالہ توڑتے ہوئے پوچھا۔

آپی، ہادی کے کپڑے بدل رہی ہیں۔

جواب برہان نے دیا۔

میں بلا کر لاتا ہوں۔

اس کے ابو اٹھنے لگے تو برہان فوراً کھڑا ہو گیا۔

ابو، میں بلا لیتا ہوں، آپ بیٹھیں۔

وہ دوبارہ بیٹھ گئے جبکہ برہان کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر دو سالہ ہادی پر پڑی۔ وہ بیڈ کے ساتھ کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ اپنی ننھی انگلیوں سے وہ کتاب کا صفحہ پھاڑنے میں مصروف تھا۔ دو صفحات پہلے ہی زمین پر گرے پڑے تھے جبکہ تیسرا صفحہ آدھا اکھڑ چکا تھا۔ یہ وہی کتاب تھی جو سیف نے اسے دی تھی۔

ہادی۔۔۔

برہان کی آواز بے اختیار بلند ہوئی۔

ہادی چونک گیا۔ ڈر کے مارے اس کے ہاتھ سے کتاب چھوٹ کر نیچے گر گئی۔

برہان تیزی سے آگے بڑھا اور کتاب اٹھا لی۔ ہادی سہم کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کی معصوم آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔ وہ خاموشی سے برہان کو دیکھ رہا تھا جبکہ برہان زمین پر بیٹھ کر پھٹے ہوئے صفحات سمیٹنے لگا۔

اس نے احتیاط سے صفحات اکٹھے کیے اور کتاب میں رکھنے لگا، جیسے کسی بکھری ہوئی چیز کو دوبارہ جوڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔

ہادی آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

برہان نے ایک لمحے کے لیے اسے جاتے دیکھا، پھر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس نے صفحات کو ان کی اصل جگہ پر رکھنے کی کوشش کی، مگر اس کے چہرے پر فکر کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔

چند لمحوں بعد وہ اٹھا، سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی اور وہاں سے ٹیپ نکال لی، پھر نہایت احتیاط سے پھٹے ہوئے صفحات جوڑنے لگا۔

پہلا صفحہ جوڑنے کے بعد وہ کچھ حد تک درست دکھائی دے رہا تھا، مگر پہلے جیسا نہیں بن سکا تھا۔ اس نے دوسرا صفحہ بھی بڑی احتیاط سے جوڑ دیا۔ اب اس کی توجہ تیسرے صفحے پر تھی۔

وہ ابھی اسے درست کر ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک جملے پر ٹھہر گئی۔

فیضان، تم میرے چھوٹے بھائی ہو اور تمہیں سمجھانا میرا فرض ہے۔

برہان کی نظریں اس جملے پر جم گئیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹک گیا۔

دل نے اسے آگے پڑھنے پر مجبور کر دیا۔

فیضان نے اپنے بھائی عثمان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شکوے بھرے ہوئے تھے، جبکہ عثمان کی آنکھیں عجیب سکون سے لبریز تھیں، ہر گلے اور ہر شکایت سے خالی۔

ہمارے ابو نے ہمیں بڑی محنت سے پالا ہے۔ اپنی خواہشوں کو مار کر ہماری خواہشیں پوری کی ہیں۔ اپنے حصے کی آسائشیں قربان کر کے ہمیں سکون دیا ہے۔

عثمان کی آواز میں نرمی اور اپنائیت تھی۔

ہم ایک لوئر مڈل کلاس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم اپنی خواہشات ابو کے سامنے رکھتے ہیں جو خواہش ان کے بس میں ہوتی ہے، وہ فوراً پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن جو ان کے اختیار سے باہر ہو، اس کے جواب میں خاموش ہو جاتے ہیں۔

برہان کی نظریں الفاظ پر جمی رہیں۔

کمرے کی خاموشی میں اسے یوں محسوس ہوا جیسے کتاب کے کردار اس کے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہوں۔

فیضان کی نظریں عثمان پر جمی ہوئی تھیں، جبکہ عثمان اندھیرے میں خاموش بیٹھا سامنے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا سکون تھا، جیسے وہ کسی گہری حقیقت کو جان چکا ہو۔

کیا تم نے کبھی ابو کی خاموشی میں شکست دیکھی ہے؟

عثمان نے دھیرے سے سوال کیا۔

فیضان خاموش رہا۔

برہان جوں جوں پڑھتا جا رہا تھا، اس کے چہرے کی سنجیدگی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

تم نے ابو سے سائیکل مانگی تھی، مگر وہ تمہیں سائیکل لے کر نہیں دے سکے۔ ان کی حیثیت ابھی اتنی نہیں تھی۔ تم یہ بات جانتے بھی تھے، لیکن پھر بھی ان سے ناراض ہو کر اس کمرے میں آ گئے۔ تم نے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیں اور خود کو اس اندھیرے میں قید کر لیا۔

عثمان چند لمحے رکا، پھر اس نے فیضان کی طرف دیکھا۔

برہان کا دل عجیب سا دھڑکا۔ وہ بھی تو کبھی کبھی اسی طرح ناراض ہو کر کمرے میں آ بیٹھتا تھا۔ دروازہ بند کر لیتا تھا اور خاموشی کو اپنا ساتھی بنا لیتا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کتاب کا کردار فیضان نہیں، وہ خود ہو۔

کیا واقعی وہ اور فیضان ایک جیسے تھے؟ یہ سوال بے اختیار اس کے دل میں ابھرا۔

بھائی سیف نے یہ کتاب مجھے کیوں دی؟

نہیں، انہوں نے یہ کتاب مجھے نہیں دی — یہ کتاب تو میں نے خود چنی تھی۔

وہ دھیرے سے خود ہی اپنے سوال کا جواب دے گیا۔

اس نے دوبارہ نظریں کتاب پر جما دیں۔

تمہیں معلوم ہے، ہم کبھی کبھی خود کو ایسے ہی کسی کمرے میں بند کر لینا چاہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اندھیرا ہمارے دکھوں کو سمجھ لے گا، ہماری نامکمل خواہشات کا بوجھ اٹھا لے گا۔

ہم کچھ دیر اس اندھیرے میں بیٹھ کر اپنی ادھوری خواہشوں کا ماتم کر سکتے ہیں، مگر ہمیشہ نہیں۔

اس نے ہلکا سا سر اٹھایا۔

آخرکار ہم دروازے یا کھڑکی کی طرف ضرور دیکھتے ہیں۔

فیضان نے بے اختیار دروازے اور کھڑکی کی جانب دیکھا۔

ہم جانتے ہیں کہ وہ بند ہیں، مگر پھر بھی ان کی طرف دیکھتے ہیں۔ دروازوں اور کھڑکیوں کی باریک دراڑوں سے روشنی کا ایک نہ ایک ذرّہ اندر ضرور داخل ہوتا ہے اور چاہے اندھیرا کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو، ہماری نظریں اسی روشنی کو تلاش کرتی ہیں۔

فیضان نے دروازے اور کھڑکی کی طرف دیکھا۔

بند دروازے اور کھڑکی کی لکڑیوں کے درمیان سے مدھم روشنی اندر آ رہی تھیں۔ وہ روشنی بہت کم تھی، مگر اتنی ضرور تھی کہ اندھیرے کو مکمل ہونے نہ دے۔

کبھی کبھی زندگی ہمیں روشنی نہیں دیتی، بلکہ صرف روشنی تک پہنچنے کا راستہ دکھاتی ہے۔ اس روشنی تک پہنچنے کے لیے قدم ہمیں خود اٹھانے ہوتے ہیں۔ ہمیں روشنی کی ضرورت ہر حال میں ہوتی ہے۔

عثمان کی آواز نرم تھی۔

اور جن چیزوں کے لیے آج تم اپنے دل اور دماغ کو تھکا رہے ہو، ایک دن تم انہی چیزوں سے بیزار ہو جاؤ گے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ سب تمہارے لیے بے معنی ہو جائے گا۔

عثمان یہ کہہ کر آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

فیضان خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ کمرے میں اندھیرا تھا، مگر وہ اب بھی عثمان کے وجود کو دیکھ سکتا تھا۔

کبھی کبھار ہمیں چیزوں کی نہیں، بس سکون کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمیں اپنے وجود کو سکون بخشنا چاہیے۔ ہم اپنے لیے اتنا تو کر ہی سکتے ہیں۔

عثمان کہتے ہوئے دروازے تک گیا۔ دروازہ کھلتے ہی باہر کی تیز روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ فیضان نے بے اختیار آنکھیں سکیڑ لیں۔

روشنی اتنی تیز تھی کہ چند لمحوں کے لیے عثمان کا وجود بھی دھندلا سا محسوس ہونے لگا۔

فیضان روشنی کو دیکھ رہا تھا — وہی روشنی جو چند لمحے پہلے دروازے کی باریک دراڑوں سے اندر آ رہی تھی، اب پورے کمرے میں پھیل چکی تھی۔

عثمان خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے دروازہ آہستہ سے بند کر دیا — روشنی سمٹ گئی — کمرہ دوبارہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

فیضان کی نظروں کے سامنے سب کچھ اوجھل ہو چکا تھا، مگر اس کی نظریں اب بھی اسی سمت جمی ہوئی تھیں جہاں کچھ دیر پہلے روشنی موجود تھی۔

اچانک فضا میں ایک زوردار آواز گونجی۔ بادل زور سے گرجے۔

برہان چونک گیا۔ اس نے کتاب سے نظریں ہٹا کر کھلے دروازے سے باہر دیکھا۔ آسمان پر سیاہ بادل چھا چکے تھے۔ بجلی بار بار چمک رہی تھی اور گرجتے بادلوں کی آواز پورے ماحول میں پھیلنے لگی تھی۔

برہان۔۔۔

اسی لمحے اس کے ابو کی آواز سنائی دی۔

برہان نے آہستہ سے کتاب بند کر دی۔ وہ بیڈ سے اٹھا اور کمرے سے باہر آگیا۔ باہر قدم رکھتے ہی ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے وجود سے ٹکرایا۔

بارش شروع ہو چکی تھی۔ بارش کی موٹی موٹی بوندیں تیزی سے زمین پر گر رہی تھیں۔ ان کے ٹکرانے سے شور پیدا ہو رہا تھا۔ ہوا کے ساتھ چند بوندیں اڑ کر برہان کے کپڑوں پر آگریں۔ اس نے ایک نظر اپنے بھیگتے ہوئے کپڑوں پر ڈالی۔

برہان، دروازے بند کر دو۔

کچن سے اس کی امی کی آواز آئی۔

برہان نے سر اٹھا کر کچن کی طرف دیکھا۔ کچن کے دروازے پر ہادی کھڑا تھا۔ اس کی معصوم آنکھیں برہان پر جمی ہوئی تھیں۔

برہان چند لمحوں کے لیے وہیں ٹھہر گیا۔ پھر وہ دروازہ بند کیے بغیر کچن کی طرف بڑھ گیا، جہاں اس کے اپنے لوگ اور ان کی سادہ سی محبت اس کی منتظر تھی۔

✦ ✦ ✦

کالے آسمان پر چاند اپنی مدھم سی روشنی بکھیر رہا تھا۔ درختوں کے سوکھے پتے ہوا کے ہلکے سے جھونکوں سے سرسراتے اور پھر دوبارہ خاموشی میں ڈوب جاتے۔ دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز اس ویرانے کی خاموشی کو اور بھاری بنا رہی تھی۔

ہر طرف مٹی کے ٹیلے اور بکھری ہوئی قبریں تھیں۔ یہ جگہ اندھیرے اور سناٹے میں لپٹی ہوئی تھی، جو کسی بھی دل میں خوف پیدا کر سکتی تھی — مگر ایشال کے چہرے پر خوف کا کوئی نشان نہ تھا۔ وہ تنہا، بے پرواہ وہاں کھڑی تھی، جیسے اس

ویرانی سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ چاند کی روشنی اس کے وجود پر پڑ رہی تھی اور قبروں پر اس کے سائے لرزتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے آہستہ سے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا۔ ایک پرانا سا درخت ہوا کے جھونکوں سے جھول رہا تھا۔ اس کی ایک شاخ پر الو بیٹھا تھا، جس کی چمکتی آنکھیں جیسے اندھیرے کو چیر کر اسے ہی دیکھ رہی ہوں۔

ایشال نے چند لمحے اسے دیکھا، پھر نظریں ہٹا کر قبرستان کے زنگ آلود دروازے کی طرف بڑھا دی۔ دروازہ لوہے کی زنجیروں سے بند تھا۔ وہ قدم بہ قدم آگے بڑھی۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک قبر کا کتبہ اس کی نظر میں آیا۔

زوجہ سیف الرحمان۔۔۔

یہ نام اس کی آنکھوں میں چمک کی طرح اترا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھری، جو خوشی اور سکون دونوں کا عکس تھی۔ وہ لمحہ بھر اس نام سے نظریں نہ ہٹا سکی۔

اسی قبر کے برابر ایک اور قبر بھی موجود تھی۔ وہ اس کے کتبے پر لکھا نام پڑھنے کے لیے ایک قدم اور آگے بڑھی۔ اس کا پاؤں کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جھک کر دیکھا تو ایک پتھر پڑا تھا۔ اس نے اسے اٹھایا اور چند قدم آگے جا کر درخت کے پاس رکھ دیا، جیسے ہی وہ واپس سیدھی ہونے لگی، اس کا ہاتھ درخت کی کھردری چھال سے ٹکرایا۔ ایک تیز سی چبھن اس کی ہتھیلی میں اتر گئی اور پھر سب کچھ دھندلا گیا۔

اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ایشال آنکھ کھلنے پر فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں تک وہ ساکت بیٹھی رہی، پھر اس کے ذہن میں قبرستان کا وہ خواب ایک ایک منظر کے ساتھ ابھرنے لگا۔

اگلے ہی لمحے اس کے دل و دماغ پر ایک عجیب سی راحت چھا گئی، جیسے کسی نے اس کے سینے سے بوجھ ہٹا دیا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ وہ خاموشی سے بیٹھی اپنی اس خوشی کو محسوس کرتی رہی۔

پھر آہستہ سے بیڈ سے نیچے اتری۔ فرش کی ٹھنڈک اس کے ننگے پاؤں سے ہوتی ہوئی پورے وجود میں اتر گئی، مگر اس وقت اسے اس ٹھنڈک سے بھی لطف محسوس ہو رہا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھی، دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ باہر آکر اس نے ایک گہری سانس لی۔

صبح کی نرم روشنی آسمان پر پھیلنا شروع ہو چکی تھی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی تو اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کچن میں پہنچی۔ لائٹ جلائی اور ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی کہنی میز پر ٹکائی اور گال ہتھیلی پر رکھ لیا۔ وہ اب بھی اپنی ہی سوچوں اور خوشی کے حصار میں گم تھی۔

چند لمحوں بعد عریشہ کچن میں داخل ہوئی۔ اندر آتے ہی اس کی نظر ایشال پر پڑی تو وہ ہلکا سا چونک گئی۔ اس کے قدم ایک لمحے کے لیے وہیں رک گئے۔ ایشال کو اس کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔

ایشال، کیا ہوا۔۔۔؟ کیا سوچ رہی ہو۔۔۔؟

عریشہ نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

عریشہ کی آواز سن کر ایشال چونکی نہیں، بلکہ آہستگی سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

ایک کھیل۔۔۔

اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جواب دیا۔

عریشہ کی بھنویں سکڑ گئیں۔

کیسا کھیل۔۔۔؟

اس نے حیرت سے پوچھا۔

ایشال کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ ابھری۔

تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔

وہ دھیمے مگر معنی خیز لہجے میں بولی اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

عریشہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

ایشال اسی پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ کچن سے باہر نکل گئی۔

عریشہ چند لمحوں تک دروازے کی طرف دیکھتی رہی جہاں سے وہ گئی تھی، پھر آہستہ سے اسی کرسی پر بیٹھ گئی جس پر ابھی کچھ دیر پہلے ایشال بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر الجھن اور بے چینی کے آثار نمایاں تھے۔

پتہ نہیں اب یہ کیا کرنے والی ہے۔۔۔

اس نے آہستہ سے خود سے کہا۔

جملہ ادا کرنے کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ کچن میں ایک بار پھر خاموشی پھیل گئی۔

صبح کی مدھم روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی، مگر اس کے دل کے اندر جیسے اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ اس نے دھیرے سے میز پر رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔

امی، میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔

اس کی آواز سرگوشی سے بھی دھیمی تھی۔

وہ اب خود سے نہیں، اپنی مرحوم ماں سے باتیں کرنے لگی تھی۔

جب آپ تھیں تو میرا کتنا خیال رکھتی تھیں۔ میری چھوٹی سے چھوٹی بات بھی آپ کی نظروں سے نہیں چھپتی تھی۔

اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

یہاں تو کسی کو میری فکر ہی نہیں ہے۔۔۔

اس نے بمشکل اپنے ہونٹ بھینچے۔ دل کے اندر چھپا ہوا درد آہستہ آہستہ جاگ رہا تھا۔

ایک آپ ہی تھیں جو مجھے سمجھتی تھیں، مگر آپ بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔

اس کی پلکوں پر آنسو لرزنے لگے۔

ابو۔۔۔

وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔

ان کو تو بس اپنی زمینوں کی فکر رہتی ہے۔ باقی سب چیزیں ان کے لیے بے معنی ہیں۔

فہدی بھائی۔۔۔

وہ بھی ابو جیسے ہی ہیں۔ ہر وقت انہیں خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں، شاید وہ سمجھتے ہیں کہ یہی ان کی ذمہ داری ہے۔

احمد بھائی۔۔۔

اس کے چہرے پر ہلکی سی نرمی ابھری۔ وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔

ہاں۔۔۔ وہ میرا خیال رکھتے ہیں۔ میں تو ان کا ذکر کرنا ہی بھول گئی تھی۔

چند لمحوں کے لیے اس کی آنکھوں میں اپنائیت سی چمکی۔

مگر کبھی کبھی وہ بھی اپنی دنیا میں اتنے گم ہو جاتے ہیں کہ میں ان تک پہنچ ہی نہیں پاتی۔

پھر اس کے ذہن میں ایشال کا خیال آیا۔

ایشال۔۔۔

اس نے گہری سانس لی۔
آپ تو اسے اچھی طرح جانتی ہیں، وہ کتنی ضدی ہے۔ اسے بس اپنی مرضی اور اپنی خواہشوں کی فکر رہتی ہے۔
عریشہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔
اس کی آنکھوں سے ایک آنسو نکل کر گال پر بہہ گیا۔
یہاں ہر کوئی ایک دوسرے کو جاننے کے باوجود ایک دوسرے سے انجام ہے۔
اس نے خالی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔
جب آپ تھیں تو یہ گھر، گھر لگتا تھا۔۔۔
وہ رک گئی۔
اس نے نم آنکھوں سے اردگرد دیکھا۔

✦ ✦ ✦

سیف اور مومنہ کمرے میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرے میں ہلکی سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ مومنہ کی نظریں سامنے دروازے پر جمی تھیں، جیسے وہ کسی اور ہی دنیا میں کھو گئی ہو۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے ہلکے ہلکے سائے تھے۔
سیف کافی دیر سے اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی خاموشی کو محسوس کر رہا تھا۔
کیا بات ہے؟
اس نے آخر نرمی سے پوچھا۔
سیف کی آواز پر مومنہ نے فوراً اپنا چہرہ جھکا لیا۔
ہم جب سے لاہور سے واپس آئے ہیں، آپ اسی طرح خاموش خاموش سی ہیں۔
سیف نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
کچھ نہیں۔
مومنہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
کیا آپ مجھے بھی نہیں بتائیں گی؟
سیف کی آواز میں شکوہ نہیں، اپنائیت تھی۔

مومنہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی الجھن اور اداسی تیر رہی تھی۔
آپ اپنے دل کی بات مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔ سیف نے نرمی سے کہا۔
مومنہ نے دوبارہ نظریں جھکا لیں اور اپنی انگلیوں سے کھیلنے لگی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دھیرے سے بولی۔
جب میرال آپ کے ساتھ لگی تھی تو آپ نے اسے خود سے الگ کیوں نہیں کیا؟
سیف کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔
آپ کو برا لگا کیا؟
اس نے نرمی سے پوچھا۔
مومنہ نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔
کیا برا نہیں لگنا چاہیے تھا؟
اس کے لہجے میں ہلکی سی ناراضی شامل تھی۔
سیف کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ اس نے چند لمحوں کے لیے نظریں جھکا لیں۔
مومنہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔
سیف نے دوبارہ سر اٹھایا۔ اب اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔
میرال کو وہ درخت مل گیا تھا جس کا سایہ وہ تلاش کر رہی تھی۔
اس کی آواز نرم تھی۔
سایہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہوتا — اُس لمحے اسے سائے کی اشد ضرورت تھی۔ اس لیے میں اسے خود سے الگ نہیں کر سکا۔
مومنہ خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی۔ وہ سیف کی بات سمجھ چکی تھی۔
آپ نے اس سے کیا بات کی تھی؟
اس نے چند لمحوں بعد پوچھا۔
سیف کے ہونٹوں پر پھر سے ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
میں نے اسے بتایا کہ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔
مومنہ کی پلکیں بے اختیار جھپکیں۔

میں نے اسے بتایا کہ میری سانسیں میری بیوی کی سانسوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ جب تک وہ سانس لے گی، تب تک میں سانس لیتا رہوں گا۔

سیف کی آواز میں عجیب سی نرمی تھی۔

مومنہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اور۔۔۔؟

اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

سیف ہلکا سا مسکرایا۔

اور یہ بھی کہ میری بیوی مجھے بچپن سے پسند کرتی ہے، اس لیے میں کبھی دوسری شادی نہیں کروں گا۔

کیا؟

مومنہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

سیف نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

آپ نے دوسری شادی کی بات بھی کی؟

اس نے حیرت سے پوچھا۔

نہیں۔۔۔

سیف نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

دوسری شادی کی بات تو میرال نے کی تھی۔

مومنہ کی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

آپ دوسری شادی کے بارے میں سوچ کر تو دیکھیں، پھر میں۔۔۔

وہ اپنی انگلی اس کی طرف اٹھا کر دھمکی دینے لگی تھی کہ اچانک سیف آگے جھکا اور اس کی انگلی پر ہلکا سا کاٹ لیا۔

آہ۔۔۔

مومنہ نے فوراً اپنی انگلی پیچھے کھینچ لی۔ اس نے حیرت سے اپنی انگلی دیکھی، پھر غصے بھری نظروں سے سیف کو گھورا۔

سیف۔۔۔ آپ۔۔۔

الفاظ اس کے لبوں پر آکر رک گئے۔

سامنے سیف بے حد معصومیت سے مسکرا رہا تھا اور اس کی یہی مسکراہٹ مومنہ کے غصے کو مزید بڑھا بھی رہی تھی۔

میں آپ سے ناراض ہوں۔

مومنہ نے بازو باندھ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

سیف ذرا سا اس کی طرف جھکا۔ اس کے ہونٹوں پر ابھی بھی ہلکی سی مسکراہٹ موجود تھی۔

آپ مجھ سے ناراض تو نہ ہوں۔

وہ نرمی سے بولا۔

مومنہ نے جواب دینے کے بجائے اپنی نظریں دوسری جانب کر لیں۔

اچھا، سوری نا۔۔۔

سیف کے لہجے میں محبت بھی تھی اور منانے کی معصوم سی کوشش بھی۔

مومنہ پھر بھی خاموش رہی۔

آپ بھی میری انگلی پر کاٹ لیں۔ حساب برابر ہو جائے گا۔

سیف نے شرارت سے کہا اور اپنی دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی اس کے سامنے کر دی۔

مومنہ نے پہلے انگلی کو دیکھا، پھر سیف کے چہرے کو۔

چند لمحے بعد وہ جھکی اور ہلکا سا اس کی انگلی پر کاٹ لیا۔

سیف بے اختیار ہنس دیا۔

مومنہ بھی اپنی سنجیدگی برقرار نہ رکھ سکی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی اور سارا غصہ ہوا ہو گیا۔

کمرے کی فضا ایک بار پھر نرم اور خوشگوار ہو گئی۔

ویسے سیف۔۔۔

مومنہ کو اچانک کچھ یاد آیا۔

آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کی، میرال اور شہریار کے ساتھ بات چیت بند ہو گئی تھی، لیکن آپ نے اس کی وجہ نہیں بتائی۔ آپ نے مجھے ابھی تک اصل بات نہیں بتائی۔

ایک چھوٹی سی غلط فہمی ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے بات چیت بند ہو گئی۔

اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

اگر میری کوئی دوست مجھ سے بات چیت بند کر دیتی تو میں تو اسے دوبارہ کبھی نہ بلاتی۔
اس نے سیدھے انداز میں کہا۔
اور آپ تو خود لاہور چلے گئے۔
سیف کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آ گئی۔
ہم سب نے ایک ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے۔ جس طرح میں انہیں یاد کرتا ہوں، وہ بھی مجھے اسی طرح یاد کرتے ہیں۔
اس کی آواز نرم تھی۔
اور آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے؟ مومنہ نے سوال کیا۔
میرال کو تو آپ نے دیکھا ہی تھا۔
سیف نے شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
مومنہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔
اور جس اپارٹمنٹ میں میں رہتا تھا، شہریار اس اپارٹمنٹ کے باہر پوری پوری رات گزار دیا کرتا تھا۔
آپ کو کیسے معلوم؟
مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔
مجھے میرے دوست عزیر نے بتایا تھا۔ سیف نے جواب دیا۔
اسے کیسے معلوم ہوا؟
مومنہ نے فوراً اگلا سوال کیا۔
کیونکہ وہ اپارٹمنٹ انہی کا تھا اور ان کا گھر بالکل سامنے تھا۔
مومنہ خاموش ہو گئی۔ اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔
میرا دل ان دونوں کے لیے ہمیشہ سے نرم رہا ہے اور ان کے دلوں میں بھی نرمی ٹھہری ہوئی ہے، بس ان کو معلوم نہیں۔۔۔
اگر میری ایک چھوٹی سی کوشش کسی کا دل جوڑ سکتی ہے، تو پھر اس میں برا کیا ہے؟
مومنہ خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

سیف نے نظریں جھکا لیں۔

میں نہیں جانتا کہ میری زندگی کا اختتام کیسا ہو گا، مگر میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ میں جو بھی کروں گا، وہ روزِ محشر میرے کام ضرور آئے گا۔

جملہ مکمل کر کے اس نے سر اٹھایا۔

مومنہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

سیف نے وہ مسکراہٹ دیکھی تو اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

دوسری طرف صفا کے کمرے میں رونق لگی ہوئی تھی۔ باتوں اور یادوں کی آوازیں فضا میں گھل رہی تھیں۔ بیڈ پر پرانی تصویروں اور البمز کا ڈھیر بکھرا ہوا تھا۔ وقت جیسے پلٹ کر برسوں پیچھے جا رہا تھا۔

خدیجہ بیگم اپنے قریب بیٹھی مریم کو پرانی تصویریں دکھا رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ تھی، جیسے ہر تصویر کے ساتھ کوئی بھولی بسری یاد دوبارہ زندہ ہو رہی ہو۔

زویا اور صفا بھی ان کے پاس بیٹھی تھیں۔ زویا کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی البم تھی۔ وہ تصویروں کو تیزی سے آگے پیچھے کیے جا رہی تھی۔ اسے تصویروں میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی، اس کا دھیان صرف صفحات پلٹنے میں تھا۔

اس کے برعکس صفا ہر تصویر کو بڑے غور سے دیکھتی، چند لمحے اس پر ٹھہرتی اور پھر اگلا صفحہ پلٹ دیتی۔

مریم خاموشی سے خدیجہ بیگم کی باتیں سن رہی تھی۔ خدیجہ بیگم ہر تصویر کے پیچھے چھپی کہانی اسے تفصیل سے بتا رہی تھیں۔

اچانک مریم کی نظر ایک پرانی تصویر پر جا ٹھہری۔ تصویر میں چند لوگ ایک ساتھ کھڑے تھے۔

خدیجہ بیگم نے مسکراتے ہوئے تصویر میں موجود ایک عورت پر انگلی رکھی۔

ایہہ میری امی اے۔

مریم غور سے تصویر دیکھنے لگی۔

پھر خدیجہ بیگم نے اس عورت کے ساتھ کھڑی ایک عمر رسیدہ خاتون کی طرف اشارہ کیا۔

تے ایہہ میری نانی۔

ان کی آواز میں بے اختیار اپنائیت اتر آئی تھی۔

اس کے بعد انہوں نے تصویر میں سب سے آگے کھڑی ایک کم عمر لڑکی کی طرف اشارہ کیا اور ہنس پڑیں۔

تے ایہہ میں آں۔ اوہدوں میں بڑی شرارتی ہُندی سی۔
پھر انہوں نے اپنے ساتھ کھڑی ایک اور لڑکی کی طرف انگلی کی۔
تے ایہہ میری نکی بہن اے۔ ساڈے دوہاں دی ہر ویلے لڑائی رہندی سی، پر اک دوجے توں بغیر وی نہیں رہ سکدے ساں۔
تے ایہہ دونے میرے پرانیں۔۔۔
خدیجہ بیگم نے اپنی نانی کے ساتھ کھڑے دو نوجوانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
مریم غور سے تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں اشتیاق جھلک رہا تھا۔ وہ ہر تصویر کے ساتھ جڑی کہانی کو دلچسپی سے سن رہی تھی۔
خدیجہ بیگم نے آہستہ سے ایک تصویر اٹھائی۔ اس تصویر میں ایک مرد تنہا کھڑا تھا۔
ایہہ میرے ابّا نیں۔۔۔
انہوں نے تصویر پر نظریں جمائے ہوئے دھیرے سے کہا۔ ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھری تھی۔ تصویریں اگرچہ پرانی اور دھندلی ہو چکی تھیں، مگر ان کے ساتھ جڑی یادیں آج بھی اتنی ہی روشن اور تازہ تھیں۔
پھر خدیجہ بیگم نے ایک اور تصویر نکالی۔ اس تصویر میں دو مرد ایک ساتھ کھڑے تھے۔
ایہہ سیف دے دادا نیں، تے ایہہ میرے ابّا۔
وہ کہہ کر تصویر کو دیر تک دیکھتی رہیں، جیسے برسوں پرانی یادوں کے دریچے ایک ایک کر کے ان کے سامنے کھل رہے ہوں۔
تینوں پتا اے مریم۔۔۔
انہوں نے تصویر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔
مریم فوراً ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
ساڈے کول بہت زیناں سی، بہت مال مویشی سی۔ میں اپنے گھر وچ کدی کوئی کم نئیں کیتا سی۔
مریم ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی، جبکہ صفا بھی اب پوری طرح ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ یہ قصہ وہ نہ جانے کتنی بار سن چکی تھی، مگر ہر بار اسے یوں سنتی جیسے پہلی مرتبہ سن رہی ہو۔
خدیجہ بیگم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ ہلکا سا مسکرائیں۔

میں بڑی عیش والی زندگی گزاری سی۔

فیر سیف دے دادا دا رشتہ آیا، اوہدوں اوہناں کول صرف اک ایکڑ اپنی زمین سی۔ باقی زمین اوہ ٹھیکے تے لے کے کاشت کردے سی۔ جیہڑا منافع ہوندا سی، اوہدے نال گھر دے سارے خرچے پورے ہوندے سی۔

انہوں نے پہلی بار تصویر سے نظریں ہٹا کر مریم کو دیکھا۔

مریم پوری توجہ سے ان کی بات سن رہی تھی۔

میرے کار والے رشتے توں خوش سی، پر کئی لوکاں نوں ایہہ گل پسند نئیں آئی سی۔ اوہ اکیندے کہ اینی خوشحال کڑی نوں ایدادے گھر کیوں بیاہ رہے او۔

خدیجہ بیگم کے ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ تھی۔

پر رب دی مرضی نوں کون بدل سکدا اے۔ جتھے نصیب لکھیا ہووے، بندہ اوتھے ہی پہنچ جاندا اے۔

یہ کہتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر تصویر کو دیکھا۔

میری امّی نے لوکاں دیاں گلاں سُن کے میرے ابو نوں منع کیتا کہ اوہ دے کول کوئی زمین نئیں، بس اک گھر اے۔ میری دھی اوتھے کیویں گزارا کرے گی؟

پر میرے ابو دا جواب ہمیشہ اگّو ہوندا سی۔

مُنڈا کردار دا بہت چنگا اے، باقی رزق تے اللہ دی دین وا۔

میرے ابو، اوہ اپنے فیصلے تے قائم رہے تے میری شادی سیف دے دادا نال کر دِتی۔

جدوں میں ایس گھر وچ آئی ساں، اوہدوں اتھے صرف دو کمرے تے اک واش روم ہوندا سی۔ باقی سارا صحن سی۔ اک کمرے وچ میرے ساس سسر رہندے سی، تے دوجے وچ میں تے سیف دے دادا۔

ان کی آنکھوں میں پرانی یادوں کی نمی اور مٹھاس ایک ساتھ اتر آئی تھی۔

میرے ساس سسر وی بہت چنگے سی۔

مریم پوری توجہ سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ صفا کبھی دادی کو دیکھتی اور کبھی مریم کو جبکہ زویا اب بھی اپنی ہی دنیا میں گم البم کے صفحات الٹ پلٹ رہی تھی۔

میں گھر دے کم کاج کردی، تے میری ساس وی میرا بہت ہتھ بٹاندی سی۔ سیف دے دادا تے میرے سسر روز زیناں تے چلے جاندے۔

سیف دے دادا مینوں بہت پیار کردے سی۔
انہوں نے محبت سے مریم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔
دوپہر نوں میں انہاں لئی کھانا لے کے زیناں تے جاندی سی تے او تھے اوہ مینوں پھل توڑ کے دیندے سی۔
مریم اور صفا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیں۔
فر اللہ دی کرنی ایسی ہوئی کہ ساڈا کم ایسا چلیا کہ اساں اپنی زمین خریدی۔
ان کی آواز میں شکر گھل گیا تھا۔
میرے ساس سسر دی خوشی دا کوئی ٹھکانہ نئیں سی۔ اوہ ہر ویلے اللہ دا شکر ادا کردے سی۔
تے میرے ابو اکثر میری امی نوں کہندے سی — ویکھیا؟ اللہ جدوں دیندا اے تے حساب نئیں کردا۔ اپنی دھی دے نصیب نوں ویکھ، کیویں بہار لگ گئی اے۔
میری امی کہندے سی کہ ہُن تسی نظر نہ لا دیو۔
تے میرے ابو ہنس پیندے۔
خدیجہ بیگم ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ یادوں میں کھو گئی تھیں۔
اسی آہستہ آہستہ بہت ساری زمین خرید لی۔ سیف دے دادا مینوں اکثر آکھدے سن، عورت اپنا رزق اپنے نال لے کے آندی اے۔ ایہہ سب تیری برکت اے۔ اللہ نے ساڈے رزق وچ برکت پا دِتی اے۔ اوہ مینوں بہت خوش قسمت سمجھدے سی۔
ان کے ہونٹوں سے مسکراہٹ جیسے چپک سی گئی تھی۔ وہ کبھی مریم کو دیکھتیں، کبھی پرانی تصویر میں موجود اپنے ماضی کو۔
اسی ایک دوجے دا ہر حال وچ ساتھ دِتا۔
وہ چند لمحے خاموش ہو گئیں، جیسے کوئی گہری یاد اندر سے ابھر آئی ہو۔
پھر اچانک ان کے چہرے پر روشنی سی آ گئی۔
تے ہاں۔۔۔
وہ جوش میں بولیں، جیسے کوئی پرانی بات اچانک یاد آ گئی ہو۔
سیف دے دادا نوں میرے ہتھاں دا حلوہ بہت پسند سی۔ میں اوہناں لئی ہر جمعے نوں سوجی دا حلوہ ضرور بنادی سی۔

دادی، اب تو آپ حلوہ بناتی ہی نہیں ہیں۔
صفا نے بات کاٹتے ہوئے معصوم سی شکایت کی۔
ہم سب کو بھی بنا کر کھلائیں۔
خدیجہ بیگم نے صفا کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں میں محبت اور نرمی تھی۔
کل ہی بنا کے سب نوں کھواں گی۔۔۔
انہوں نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔
مریم مسکرا دی، جیسے اس نے اس وعدے کو دل سے محسوس کیا ہو۔
خدیجہ بیگم نے تصویر کو تھوڑی دیر تک دیکھا، جیسے اس میں قید وقت کو دوبارہ جینا چاہ رہی ہوں۔ پھر آہستہ سے اگلی تصویر کی طرف بڑھ گئیں۔

✦ ✦ ✦

ایشال کمرے کے دروازے کے پیچھے خاموشی سے کھڑی تھی۔ وہ ذرا سا آگے جھک کر دروازے کے باہر جھانک رہی تھی۔ اس کی نظریں عبداللہ صاحب پر جمی تھیں۔ وہ ان کے گھر سے باہر نکلنے کا انتظار کر رہی تھی۔
عبداللہ صاحب خاموش قدموں سے عریشہ کے کمرے سے نکلے اور باہر چلے گئے۔ جیسے ہی مرکزی دروازہ بند ہونے کی آواز آئی، ایشال کے ہونٹوں پر ایک پراسرار، شیطانی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بے پروائی سے گلے میں پڑا دوپٹہ، سر پر اوڑھا اور عریشہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے صوفے پر بیٹھے فادی پر پڑی۔ فادی اور عریشہ، دونوں نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔
ایشال نے ایک لمحے کے لیے فادی پر نظر ڈالی، پھر اپنی نگاہ عریشہ کی طرف منتقل کر دی۔
میں چچا کے گھر جا رہی ہوں۔
اس کی آواز نرم تھی، مگر لہجہ فیصلہ کن تھا۔
کس لیے جا رہی ہو؟
فادی نے فوراً سوال کیا۔
ایشال نے اس کی طرف دیکھنے کے بجائے عریشہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

سیف سے ملنے۔۔۔

اس کے لہجے میں عجیب سا اطمینان تھا، جیسے وہ جانتی ہو کہ اس کے الفاظ کیا طوفان اٹھانے والے ہیں۔

فادی فوراً صوفے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

تم کہیں نہیں جاؤ گی۔

اس کی آواز سخت تھی۔

عریشہ نے بے اختیار فادی کے چہرے کی طرف دیکھا، پھر ایشال کی طرف۔

ایشال کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

آپ سے کسی نے اجازت مانگی ہے کیا؟

وہ بے نیازی سے کہہ کر پلٹی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

فادی بھی ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا اور تیز قدموں سے اس کے پیچھے چل پڑا۔

عریشہ کے دل کی دھڑکن یکدم تیز ہو گئی۔ وہ گھبراہٹ میں فوراً بیڈ سے اتری اور جلدی جلدی ان دونوں کے پیچھے باہر نکل آئی۔

ایشال ابھی دروازے کی طرف بڑھ ہی رہی تھی کہ فادی نے پیچھے سے اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف موڑ لیا۔

تمہیں کہا ہے نا کہ تم وہاں نہیں جاؤ گی۔

فادی کی آواز پورے صحن میں گونج اٹھی۔ اس کے چہرے پر غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ماتھے کی رگیں تن گئی تھیں اور شکنیں گہری ہو چکی تھیں۔ اس کی انگلیاں ایشال کے بازو پر اس قدر مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں کہ ان کا دباؤ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

ایشال کے چہرے پر درد کے آثار نمایاں ہونے لگے، مگر اس نے اپنی تکلیف کو غصے کے پیچھے چھپا لیا۔

میرا ہاتھ چھوڑیں۔۔۔

وہ جھنجھلا کر بولی اور اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

اسی لمحے عریشہ گھبرائی ہوئی بھاگتی ہوئی ان دونوں کے قریب پہنچی۔

فادی بھائی، آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ چھوڑ دیں اسے۔۔۔

اس کی آواز بے بسی سے کانپ رہی تھی۔
یہ سوال تمہیں مجھ سے نہیں، اس سے کرنا چاہیے کہ یہ کیا کرنے جا رہی ہے؟
فادی نے نظریں ایشال سے ہٹائے بغیر جواب دیا۔ اس کی نظریں ایشال کی آنکھوں میں پیوست تھیں۔
ایشال نے بھی اسی شدت سے اس کی طرف دیکھا۔
ایسا بھی کیا کرنے جا رہی ہوں جو آپ اس طرح پیش آ رہے ہیں؟
اس کی آواز اب پہلے سے بلند ہو چکی تھی۔
ابھی بھی پوچھ رہی ہو؟ تمہیں شرم نہیں آتی؟ وہ اب ایک شادی شدہ انسان ہے، تمہیں کوئی احساس نہیں ہے کیا؟
فادی کے لہجے میں غصے کے ساتھ نفرت بھی گھل چکی تھی۔
وہ شادی شدہ ہے تو میں کیا کروں؟ اور شادیاں ٹوٹ بھی جایا کرتی ہیں۔
ایشال نے فوراً پلٹ کر جواب دیا۔
ایشال، تم ہی خاموش ہو جاؤ۔
عریشہ نے التجا بھرے لہجے میں کہا، مگر ایشال نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔
ان کی بلند آوازیں سن کر احمد بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آیا، جیسے ہی وہ دروازے تک پہنچا، اس کی نظر سیدھی صحن میں کھڑے تینوں پر جا ٹھہری۔
میرا ہاتھ چھوڑیں۔۔۔
ایشال نے ایک بار پھر پوری قوت سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی۔
فادی، چھوڑ دو اسے۔
احمد کی مضبوط آواز دروازے سے ہی بلند ہوئی۔
فادی نے ایک لمحے کو احمد کی طرف دیکھا، مگر اس کی گرفت ڈھیلی نہ ہوئی۔
تم وہاں ہرگز نہیں جاؤ گی۔
اس نے دانت بھینچتے ہوئے دوبارہ کہا۔
آپ ہوتے کون ہیں مجھے روکنے والے؟
ایشال کی آنکھوں میں بغاوت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے پوری طاقت سے فادی کو دھکا دیا۔

فادی کا توازن ذرا سا بگڑا اور اسی لمحے ایشال اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کروانے میں کامیاب ہو گئی۔
صحن کی فضا میں پھیلا تناؤ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔
احمد اپنی وہیل چیئر کو تیزی سے چلاتا ہوا ان کے قریب پہنچ رہا تھا۔
تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔۔۔
فادی نے پوری شدت سے ایشال کے گال پر تھپڑ رسید کیا۔
اس کی آواز پورے صحن میں گونج اٹھی۔
فادی۔۔۔
احمد کی گرج دار آواز پہلے سے کہیں زیادہ بلند ہوئی۔
ایشال کا جسم لڑکھڑا گیا۔ وہ زمین پر گرنے ہی والی تھی کہ عریشہ نے اسے سنبھال لیا۔
ایشال نے اپنا جلتا ہوا گال تھاما۔ اس کی آنکھوں میں درد سے زیادہ بے عزتی کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے سر سے دوپٹہ اتر چکا تھا۔
آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے تھپڑ مارنے کی؟
اس کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔
جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے بھی پوری قوت سے ایک تھپڑ فادی کے چہرے پر دے مارا۔
عریشہ دم بخود رہ گئی۔
فادی کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا۔ اس کی سانسیں تیز ہو گئیں۔
تمہاری، اتنی ہمت۔۔۔
وہ غرایا اور اگلے ہی لمحے ایشال کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔
درد کی ایک سسکی ایشال کے لبوں سے نکل گئی۔ وہ بے اختیار اس کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔
بھائی، چھوڑ دیں اسے۔۔۔
عریشہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بے بسی سے فادی کا بازو پکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اس کی گرفت مزید سخت ہوتی جا رہی تھی۔
اسی دوران احمد ان تک پہنچ گیا۔

چھوڑو اسے۔۔۔

اس نے وہیل چیئر کا سہارا لیتے ہوئے خود کو کھڑا کیا اور فادی کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

فادی نے غصے میں ایک ہی جھٹکے سے اسے دھکا دے دیا۔

احمد اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور زور سے زمین پر گر پڑا۔

بھائی۔۔۔

عریشہ کی چیخ نکل گئی۔ وہ فوراً احمد کی طرف لپکی۔

احمد نے اٹھنے کی کوشش کی، مگر اس کی ٹانگوں نے ساتھ نہ دیا۔ درد نے اس کے چہرے کو شکن آلود کر دیا تھا۔

یہ منظر دیکھتے ہی ایشال کی آنکھوں میں غصہ دہک اٹھا۔ اس نے پوری طاقت سے اپنا سر موڑا، فادی کی گرفت کے باوجود ایک اور زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارا۔

ایشال کے دوسرے تھپڑ پر فادی نے اس کو پوری قوت سے زمین پر گرا دیا۔

ایشال کی دونوں کہنیاں زور سے فرش سے ٹکرائیں۔ ایک تیز درد اس کے پورے وجود میں دوڑ گیا۔ اس کے لبوں سے بے اختیار ایک چیخ نکل گئی۔

احمد بے بسی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ کئی بار اٹھنے کی کوشش کر چکا تھا، مگر اس کا وجود اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ درد اس کے چہرے پر صاف جھلک رہا تھا۔

عریشہ گھبرا کر فوراً ایشال کے قریب پہنچی۔

بھائی، خدا کے لیے رک جائیں۔

عریشہ فادی کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگی، مگر فادی جیسے کچھ سن ہی نہیں رہا تھا۔

وہ دوبارہ ایشال کے قریب آیا، اس کے بالوں کو کھینچ کر اسے آدھا اٹھایا اور یکے بعد دیگرے اس کے چہرے پر کئی تھپڑ رسید کر دیے۔

بھائی، خدا کے لیے رک جائیں۔۔۔

عریشہ، اس کو کھینچ کر ایشال سے دور کر رہی تھی۔

تم، مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گی؟

وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔

ایشال کے ناک سے خون بہنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر بھی سرخی پھیل گئی۔
احمد نے اپنی تمام تر ہمت جمع کی اور خود کو گھسیٹتے ہوئے ان دونوں تک پہنچا۔ اس نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے فادی کو دھکا دیا۔
فادی چند قدم پیچھے ہٹا۔
تمہیں شرم نہیں آتی؟
احمد کی آواز درد کے باوجود مضبوط تھی۔ غصے میں اس نے فادی کے چہرے پر تھوک دیا۔
فادی کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا۔ اس نے اپنے چہرے سے تھوک صاف کیا، پھر اگلے ہی لمحے احمد پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے احمد کو زور سے دھکا دیا، جس سے اس کا سر زمین سے جا ٹکرایا۔
بھائی۔۔۔
عریشہ چیختی ہوئی اس کی طرف بڑھی، مگر فادی نے اسے بھی ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا دیا۔
فادی نے پوری قوت سے اپنے پاؤں کا وار احمد کے پیٹ پر کیا۔
اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ لیے۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں، مگر شدید تکلیف کے باوجود اس کے لبوں سے ایک آہ تک نہ نکلی۔
تم سب کو مسل کر رکھ دوں گا۔
فادی کی آواز نفرت سے بھری ہوئی تھی۔
عریشہ مسلسل روتے ہوئے اسے پیچھے کھینچنے کی کوشش کرتی رہی، مگر وہ کسی کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔
وہ مڑا، پھر دوبارہ ایشال کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔
اس نے سختی سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا زخمی چہرہ اوپر کیا۔
اب معلوم ہوا میں کون ہوں؟
ایشال کے ہونٹ ہلے، مگر آواز باہر نہ آ سکی۔ اس کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔
فادی نے حقارت سے اسے چھوڑ دیا اور مڑ کر گھر کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز پورے گھر میں گونج اٹھی۔

صحن میں ایک خوفناک خاموشی چھا گئی۔ احمد اور ایشال دونوں زمین پر پڑے تھے۔ احمد کی پیشانی سوج چکی تھی، جبکہ ایشال کے ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے پھٹے ہوئے لب کانپ رہے تھے اور آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے۔

عریشہ سکتے کے عالم میں کبھی احمد کو دیکھتی، کبھی ایشال کو۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ پہلے کس کو سنبھالے۔

عریشہ نے خود کو سنبھالا اور ہمت کر کے آگے بڑھی۔ وہ احمد کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اسے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی، مگر وہ اپنی کوشش میں ناکام رہی۔

اس نے بے اختیار اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کیے اور دوبارہ پوری طاقت لگا کر احمد کو سنبھالنے کی کوشش کی، مگر احمد درد کی شدت سے نڈھال پڑا تھا۔ اس کے جسم میں اتنی طاقت بھی نہیں بچی تھی کہ وہ خود کو سنبھال سکے۔

عریشہ کی بے بسی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ احمد کو وہیں چھوڑ کر جلدی سے ایشال کی طرف بڑھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھی اور اسے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی، مگر ایشال بھی نیم بے ہوشی کی حالت میں بے جان سی زمین پر پڑی تھی۔ اس کے چہرے پر خون پھیلا ہوا تھا اور اس کی سانسیں مدھم چل رہی تھیں۔

عریشہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ وہ دونوں کو بے بسی سے دیکھتی رہی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

عبدالرحمن ہاؤس کے کچن میں خوشگوار رونق لگی ہوئی تھی۔

خدیجہ بیگم اپنے سامنے رکھا سلنڈر چولہا سنبھالے سوجی کا حلوہ بھون رہی تھیں۔ بھنی ہوئی سوجی کی خوشبو پورے کچن میں رچی ہوئی تھی۔

دوسری طرف مومنہ چولہے پر کھیر پکا رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چمچ چلا رہی تھی اور اٹھتی ہوئی بھاپ کے ساتھ پھیلتی خوشبو کو خاموشی سے محسوس کر رہی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پر صفا، مریم اور زویا بیٹھی تھیں۔ زویا موبائل میں مگن تھی، جبکہ صفا اور مریم بادام باریک کاٹتے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔

کام کے ساتھ ساتھ ہنسی مذاق کا سلسلہ بھی جاری تھا، جس سے پورا کچن زندگی سے بھرپور محسوس ہو رہا تھا۔

اسی لمحے دروازے کی گھنٹی بجی۔

لگتا ہے بھائی آ گئے ہیں۔

صفا نے مسکراتے ہوئے چھری ایک طرف رکھی اور فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
سب نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، مگر وہ کچھ کہے بغیر کچن سے باہر نکل گئی۔ اس نے جا کر مرکزی دروازہ کھولا۔
دروازہ کھلتے ہی اس کے چہرے کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔
سامنے عریشہ کھڑی تھی۔ اس کا دوپٹہ بے ترتیبی سے سر پر پڑا تھا۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، سانسیں بے قابو تھیں اور چہرہ خوف سے سفید پڑ چکا تھا۔
صفا۔۔۔
عریشہ بمشکل اس کا نام لے سکی۔
صفا کے چہرے کا رنگ یکایک اڑ گیا۔
عریشہ، کیا ہوا؟
اس نے گھبرا کر فوراً عریشہ کا بازو تھاما اور اسے اندر لے آئی۔
عریشہ کی سانسیں ابھی تک بحال نہیں ہو رہی تھیں۔
ایشال اور بھائی۔۔۔
اس نے کانپتے ہاتھ سے اپنے گھر کی سمت اشارہ کیا، مگر الفاظ اس کے گلے میں اٹک گئے۔
صفا کی دھڑکن بھی تیز ہو چکی تھی۔ اس کا دل کسی انجانے خوف سے بیٹھتا جا رہا تھا۔
تم میرے ساتھ چلو۔۔۔
عریشہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور فوراً صفا کا بازو تھام لیا۔ وہ اسے باہر لے آئی۔
جیسے ہی دونوں گھر سے باہر نکلیں، سامنے سیف کھڑا تھا۔
سیف کی نظر پہلے عریشہ کی آنسوؤں سے بھیگی آنکھوں پر پڑی، پھر صفا کے زرد پڑتے چہرے پر۔ اس کے چہرے پر لمحہ بھر میں پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے۔
کیا ہوا۔۔۔؟
اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
پتہ نہیں، بھائی۔۔۔

صفا نے مختصر سا جواب دیا، مگر اس کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔

عریشہ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ وہ صفا کو گھر کی طرف لے گئی۔

سیف بھی خاموشی سے ان دونوں کے پیچھے چل دیا۔

صحن میں قدم رکھتے ہی دونوں کے قدم جیسے وہیں جم گئے۔

ایشال بے جان سی زمین پر پڑی تھی۔ اس کے ناک اور ہونٹوں سے بہتا خون اب بھی اس کے چہرے پر پھیلا ہوا تھا، جبکہ احمد درد سے کراہتے ہوئے خود کو سنبھال کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

صفا اور سیف دونوں کے چہروں پر خوف اتر آیا۔

دونوں فوراً ان کی طرف لپکے۔ سیف نے سب سے پہلے احمد کی وہیل چیئر اس کے قریب کھینچی، پھر احتیاط سے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور وہیل چیئر پر بٹھا دیا۔

صفا اور عریشہ نے مل کر ایشال کو سہارا دیا۔ وہ اپنے پیروں پر ٹھیک سے کھڑی بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کا سارا جسم درد سے کانپ رہا تھا اور وہ مکمل طور پر دونوں کے سہارے پر کھڑی تھی۔

یہاں کیا ہوا ہے؟

سیف نے احمد کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا — مگر کسی کے پاس جواب دینے کی ہمت نہیں تھی۔

چاروں طرف ایسی خاموشی تھی، جیسے الفاظ بھی اس منظر کو دیکھ کر سہم گئے ہوں۔

سیف نے ایک گہری سانس لی اور صفا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ان کو گھر لے چلتے ہیں۔

صفا نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سیف وہیل چیئر کو دھیرے دھیرے آگے بڑھانے لگا، جبکہ صفا اور عریشہ مشکل سے ایشال کو سنبھالے اس کے پیچھے چل پڑیں۔

وہ ان کو گھر لے آئے تھے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی عریشہ اور صفا نے احتیاط سے ایشال کو سہارا دے کر صوفے پر بٹھایا، جبکہ سیف احمد کی وہیل چیئر بیڈ کے قریب لے آیا۔ اس نے پوری احتیاط سے احمد کو وہیل چیئر سے اٹھایا اور آہستہ سے بیڈ پر لٹا دیا۔

احمد نے ایک ہاتھ اب بھی اپنے پیٹ پر رکھا ہوا تھا۔ درد کے آثار اس کے چہرے سے صاف جھلک رہے تھے۔ اس کی سانسیں ابھی تک بے ترتیب تھیں۔

صفا، پانی لے کر آؤ۔

سیف نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

صفا نے خاموشی سے سر ہلایا اور فوراً کمرے سے باہر نکل گئی۔

سیف کھڑا دونوں زخمیوں کو دیکھ رہا تھا، جبکہ عریشہ، ایشال کے ساتھ صوفے پر بیٹھی اس کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

سیف نے فوراً اپنی جیب سے موبائل نکالا۔ اس کی انگلیاں بے چینی سے اسکرین پر چلنے لگیں۔ اس نے موبائل کان سے لگایا۔ چند لمحوں بعد دوسری طرف سے کال ریسیو ہوئی۔

ہیلو۔۔۔

اختر، فوراً ڈاکٹر کو لے کر گھر آؤ۔

سیف کی آواز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔

جی بھائی۔

اختر نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کال ختم کر دی۔

ادھر صفا تیزی سے کچن میں داخل ہوئی۔ اس نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھا جگ اٹھایا اور کاؤنٹر سے گلاس لینے لگی۔ اسی لمحے مومنہ کی نظر اس کے ہاتھ پر پڑی۔

صفا، تمہارے ہاتھ پر یہ خون۔۔۔؟

مومنہ نے گھبرا کر پوچھا۔

صفا نے بے اختیار اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ اس کی ہتھیلی پر خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔

کچن میں موجود سب کی نظریں ایک ساتھ اس کے ہاتھ پر جم گئیں۔ ہر چہرے پر پریشانی اور ہر آنکھ میں ایک ہی سوال تھا۔

صفا نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری اور مشکل سے بولی۔

احمد بھائی اور ایشال، دونوں زخمی ہیں۔

ہائے میرے اللہ۔۔۔
خدیجہ بیگم کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ انہوں نے گھبرا کر اپنا ہاتھ سینے پر رکھا۔
کیا ہوا ہے؟
مومنہ نے بے چینی سے پوچھا۔
پتہ نہیں۔۔۔
صفا نے مختصر سا جواب دیا۔ اس کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔ وہ پانی کا جگ اور گلاس اٹھا کر فوراً کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
خدیجہ بیگم فوراً کھڑی ہو گئیں۔ وہ اور مومنہ جلدی سے اس کے پیچھے چل پڑیں۔
مریم نے بھی ہاتھ میں پکڑی چھری ایک طرف رکھی اور گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
ماما، کہاں جا رہی ہیں؟
زویا نے سب کو ایک ساتھ باہر جاتے دیکھ کر پوچھا۔
بیٹا، یہیں بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔
مریم نے نرمی سے کہا۔ اس نے جلدی سے دونوں چولہے بند کیے اور کچن سے باہر نکل گئی۔
زویا بے پروائی سے دوبارہ موبائل میں مصروف ہو گئی۔
صفا تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے فوراً گلاس میں پانی ڈالا اور عریشہ کی طرف بڑھا دیا۔
عریشہ نے کانپتے ہاتھوں سے گلاس تھام لیا۔ صفا نے جگ ایک طرف رکھا اور ایشال کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے بڑی نرمی سے اسے سہارا دے کر ذرا سا سیدھا کیا، جبکہ عریشہ آہستہ آہستہ اسے پانی پلانے لگی۔
ایشال نے مشکل سے دو تین گھونٹ پانی پیا۔ چند قطرے اس کے ہونٹوں سے پھسل کر اس کی قمیض پر گر گئے۔
صفا نے دوبارہ گلاس میں پانی بھرا۔
سیف نے احتیاط سے احمد کو سہارا دے کر بٹھایا، تو صفا نے اسے بھی پانی پلایا۔
احمد نے بھی صرف چند گھونٹ ہی پیے۔ ہر گھونٹ کے ساتھ اس کے چہرے پر درد کی ایک نئی لہر دوڑ رہی تھی۔
صفا واپس گئی۔ اس نے ٹشو پیپر اٹھایا اور بڑی احتیاط سے ایشال کے ناک سے بہتے خون کو صاف کرنے لگی۔
اسی لمحے خدیجہ بیگم اور مومنہ جلدی جلدی کمرے میں داخل ہوئیں۔

یا اللہ۔۔۔
خدیجہ بیگم کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ وہ ہمت کر کے ایشال کے قریب آئیں اور لرزتے ہاتھوں سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
کی ہویا اے؟
ان کی آواز دکھ اور گھبراہٹ سے لرز رہی تھی۔
پھر وہ فوراً احمد کی طرف بڑھیں۔ انہوں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیا۔
اس کے بعد ان کی نظریں عریشہ پر جا ٹھہریں۔
عریشہ، کی ہویا اے؟
عریشہ کے لب کپکپانے لگے۔
دادی۔۔۔
وہ بمشکل بولی۔ پھر اس نے ایک بے بس نظر احمد اور سیف پر ڈالی۔
میرا دل بیٹھیا جاندا اے۔۔۔
خدیجہ بیگم بولی۔
دادی، فادی بھائی نے مارا ہے۔
سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کمرے میں ایک لمحے کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی۔
مریم بھی دروازے کے قریب آ کر رک گئی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی صدمہ صاف نظر آ رہا تھا۔
کتنی بے رحمی نال ماریا اے۔۔۔
خدیجہ بیگم کی آواز درد سے بھر گئی۔ وہ دوبارہ احمد کی طرف متوجہ ہوئیں۔
احمد کی پلکوں پر آنسو ٹھہرے ہوئے تھے، مگر وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ وہ بہہ نہ پائیں۔
دادی، آپ فکر نہ کریں۔ اختر ڈاکٹر کو لینے گیا ہے۔ وہ بس ابھی پہنچنے والا ہو گا۔
سیف نے خود کو سنبھالتے ہوئے نرمی سے کہا۔
کمرے کی فضا مکمل طور پر سوگوار ہو چکی تھی۔ ہر چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ کسی کی زبان پر ایک لفظ بھی نہیں تھا، مگر سب کی آنکھیں بے شمار سوالوں سے بھری ہوئی تھیں۔

چند ہی لمحے گزرے تھے کہ مرکزی دروازے کی بیل بجی۔

اگلے ہی لمحے اختر ایک ڈاکٹر کے ساتھ تیزی سے اندر داخل ہوا۔ مریم نے جیسے ہی اختر کو آتے دیکھا، بے اختیار اپنا دوپٹہ چہرے پر درست کیا اور ایک طرف ہٹ گئی۔

اختر اور ڈاکٹر فوراً کمرے میں داخل ہوئے۔

عریشہ نے جلدی سے ایشال کا دوپٹہ اس کے سر پر درست کر دیا جبکہ خدیجہ بیگم، صفا اور مومنہ نے بھی اپنے سروں پر دوپٹے اچھی طرح اوڑھ لیے۔ مومنہ اور صفا خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ڈاکٹر پہلے احمد کے قریب گیا۔ اس نے اس کے سر، ماتھے اور جسم کا بغور معائنہ کیا، پھر ایشال کے زخم دیکھے۔ ناک اور ہونٹ سے بہتا خون صاف کیا، زخموں پر دوا لگائی اور احتیاط سے ناک پر پٹیاں باندھ دیں۔

خدیجہ بیگم، عریشہ، سیف اور اختر خاموشی سے یہ سب دیکھتے رہے۔ ہر گزرتا لمحہ ان پر بھاری ہو رہا تھا۔ معائنہ مکمل ہونے کے بعد ڈاکٹر نے چند ضروری ہدایات دیں اور باہر چلا گیا۔ اختر، ڈاکٹر کو واپس چھوڑنے کے لیے ساتھ چلا گیا۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی مومنہ اور صفا دوبارہ کمرے میں آ گئیں۔

صفا، ایشال کو بھی بیڈ پر لٹا دو۔

سیف نے نرمی سے کہا۔

صفا اور عریشہ نے احتیاط سے ایشال کو سہارا دیا اور آہستہ سے بیڈ پر لٹا دیا۔

انہیں کچھ دیر آرام کرنے دیتے ہیں۔

سیف نے کہا، پھر اس نے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھا۔

دادی، ہم سب باہر چلتے ہیں۔ آپ ان دونوں کے پاس رہیں۔

خدیجہ بیگم نے خاموش نظروں سے سیف کو دیکھا، پھر سر ہلا کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ان کی نظریں بار بار احمد اور ایشال پر جا ٹھہرتی تھیں۔ سیف، صفا، مومنہ، مریم اور عریشہ کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئے۔

عریشہ کی حالت اب کچھ سنبھل گئی تھی۔

عریشہ کو پانی دو۔ سیف نے دھیمے لہجے میں کہا۔

مومنہ نے فوراً گلاس میں پانی بھر کر عریشہ کی طرف بڑھایا۔

صفا، سیف اور عریشہ ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھ گئے، جبکہ مریم خاموشی سے کاؤنٹر کے پاس کھڑی ہو گئی۔
عریشہ نے گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں پورا پانی پی گئی۔
سیف نے خالی گلاس کی طرف دیکھا۔
اور پانی لے آؤ۔
نہیں، بس۔
عریشہ نے آہستہ سے سر ہلاتے ہوئے اپنا چہرہ صاف کیا۔
چند لمحے خاموشی رہی، پھر سیف نے نہایت نرمی سے پوچھا۔
عریشہ، اب بتاؤ، ہوا کیا تھا؟
عریشہ نے نظریں اٹھا کر سیف کو دیکھا، مگر اگلے ہی لمحے نظریں جھکا لیں۔
اس کے ذہن میں ایشال کے وہ الفاظ گونجنے لگے جنہیں وہ کسی کے سامنے دہرانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
ایشال، آپ سب سے ملنے کے لیے یہاں آ رہی تھی، مگر فادی بھائی نے روک لیا۔ پھر دونوں کے درمیان بحث شروع ہو گئی۔
عریشہ نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔
غصے میں آ کر ایشال نے فادی بھائی کو تھپڑ مار دیا۔
سب خاموشی سے سنتے رہے۔
فادی بھائی نے بھی جواب میں اس کو مارا۔ شور سن کر احمد بھائی اپنے کمرے سے باہر آ گئے۔ انہوں نے بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کی، مگر۔۔۔
اس کی آواز بھرّا گئی۔
مگر فادی بھائی نے انہیں بھی مارنا شروع کر دیا۔
اور تایا ابو کہاں تھے؟
سیف نے سنجیدگی سے پوچھا۔
وہ، گھر پر نہیں تھے۔

عریشہ نے آہستہ سے جواب دیا۔
میں نے بہت روکنے کی کوشش کی، منتیں کیں، مگر وہ میری ایک بھی بات نہیں سن رہے تھے۔
اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو بہنے لگے۔
سیف نے چند لمحے خاموش رہ کر ایک اور سوال کیا۔
اب فادی کہاں ہے؟
وہ، گھر سے نکل گئے تھے۔
عریشہ نے دھیمی آواز میں کہا۔
سیف خاموش ہو گیا۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی اور چند لمحے نظریں جھکائے بیٹھا رہا۔ کچن میں ایسی خاموشی چھا گئی جیسے ہر شخص اپنے اپنے خیالوں میں گم ہو۔
سب کے لیے کھانا نکالو۔۔۔
اس کی آواز میں تھکن تھی، مگر لہجہ بدستور نرم تھا۔
جی بھائی۔
صفا نے آہستہ سے جواب دیا۔
سیف اپنی جگہ سے اٹھا اور خاموش قدموں سے کچن سے باہر نکل گیا۔ باقی سب بھی ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھنے کے بعد اپنے اپنے کام میں لگ گئے، مگر ان کے دلوں پر چھائی بے چینی ابھی تک کم نہ ہوئی تھی۔

✦ ✦ ✦

شام کے سائے آہستہ آہستہ آسمان پر پھیل رہے تھے اور ہر طرف ایک عجیب سی اداسی اتر آئی تھی۔
عبداللہ صاحب دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ہوئے مرکزی دروازے تک پہنچے۔ انہوں نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، دروازہ ہلکے سے دھکیلتے ہی اندر کی طرف کھل گیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک گئے۔ دروازہ پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔
وہ آہستہ آہستہ اندر داخل ہوئے۔ پورا گھر غیر معمولی طور پر سنسان تھا۔ کمروں کی لائٹیں بند تھیں اور ہر طرف ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ اپنے قدموں کی چاپ بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ صحن کے بیچ آ کر رک گئے۔ ان کی نظریں بے اختیار پورے گھر میں گھومنے لگیں۔

عریشہ۔۔۔

انہوں نے قدرے بلند آواز میں پکارا، مگر جواب میں صرف خاموشی تھی۔ ان کے دل میں خوف نے جگہ بنا لی۔

عریشہ۔۔۔ ایشال۔۔۔

وہ دوبارہ آواز دیتے ہوئے ایشال کے کمرے کی طرف بڑھے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے سوئچ دبایا۔ لائٹ جلتے ہی پورا کمرہ روشن ہو گیا، مگر وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ ان کی بے چینی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

عریشہ۔۔۔ ایشال۔۔۔ احمد۔۔۔

وہ ایک ایک کا نام پکارتے ہوئے عریشہ کے کمرے میں گئے۔ وہ کمرہ بھی خالی تھا۔ اب ان کی سانسیں قدرے تیز چلنے لگی تھیں۔

وہ جلدی جلدی احمد کے کمرے کی طرف بڑھے — لائٹ جلائی، مگر وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ انہوں نے فوراً کچن کا رخ کیا، مگر وہاں بھی خاموشی کے سوا کچھ نہ ملا۔ اس کے بعد وہ ایک ایک کر کے گھر کے تمام کمروں میں گئے، لیکن ہر جگہ ویرانی ان کا استقبال کر رہی تھی۔ مایوسی اور گھبراہٹ کے عالم میں وہ دوبارہ صحن میں واپس آئے۔

اسی لمحے ان کی نظر اچانک زمین پر پڑے چند خون کے دھبوں پر جا ٹھہری۔ ان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ لرزتے قدموں کے ساتھ ان دھبوں کے قریب آئے اور جھک کر انہیں دیکھنے لگے۔

اسی لمحے فہد اندر داخل ہوا۔ اس کی نظر سب سے پہلے صحن میں جھکے ہوئے عبداللہ صاحب اور ان کے سامنے پڑے خون کے دھبوں پر پڑی۔ وہ وہیں ساکت کھڑا رہ گیا۔

عبداللہ صاحب نے جیسے ہی فہد کو دیکھا، فوراً اس کی طرف بڑھے۔

گھر خالی ہے۔۔۔

کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔

فہد نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

عبداللہ صاحب نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور تیز قدموں سے باہر نکل گئے۔ فہد وہیں خاموش کھڑا رہ گیا۔ عبداللہ صاحب سیدھے عبدالرحمن ہاؤس کے دروازے پر پہنچے اور بے چینی سے بیل بجا دی۔ بیل بجانے کے بعد بھی ان کی نظریں بے اختیار اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔

چند لمحوں بعد دروازہ کھلا — سامنے سیف کھڑا تھا۔

عریشہ اور باقی سب یہاں ہیں؟

عبداللہ صاحب نے بے صبری سے پوچھا۔

جی۔۔۔

سیف نے مختصر مگر پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

یہ سنتے ہی عبداللہ صاحب نے گہرا سانس لیا۔ ان کے دل کا بوجھ کسی حد تک ہلکا ہوا۔

ان سب کو گھر بھیج دو۔

تایا ابو، آپ خود ہی انہیں لے کر جائیں۔ ان کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ خود جا سکیں۔

سیف نے نرمی سے کہا۔

عبداللہ صاحب چند لمحے خاموشی سے سیف کو دیکھتے رہے۔ سیف آہستہ سے دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا اور راستہ دے دیا۔

عبداللہ صاحب خاموش قدموں سے اندر داخل ہوئے۔

سیف نے دروازہ بند کیا اور خاموشی سے ان کے پیچھے چل پڑا۔ دونوں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔

احمد اور ایشال بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہروں پر چوٹوں کے واضح نشان تھے۔ احمد کا ماتھا سوجا ہوا تھا جبکہ ایشال کے ہونٹ اور ناک پر بندھی پٹی اس پر گزرنے والی اذیت کی گواہی دے رہی تھی۔

خدیجہ بیگم ان دونوں کے قریب بیٹھی خاموشی سے فروٹ کاٹ رہی تھیں۔

عریشہ اور مومنہ ایک صوفے پر بیٹھی تھیں، جبکہ صفا دوسرے صوفے پر بیٹھی تھی۔

عبداللہ صاحب دروازے ہی پر رک گئے۔ ان کی نظریں ایک ایک چہرے پر ٹھہرتی چلی گئیں۔

السلام علیکم!

صفا نے آہستہ سے کہا اور فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی عریشہ اور مومنہ بھی احتراماً کھڑی ہو گئیں۔

خدیجہ بیگم نے ایک لمحے کے لیے عبداللہ صاحب کو دیکھا، پھر خاموشی سے اپنا چہرہ موڑ لیا۔

عبداللہ صاحب دھیرے دھیرے آگے بڑھے۔ ان کی نظریں احمد پر جا ٹھہریں۔

یہ سب کیا ہوا ہے؟

ان کی آواز میں تشویش بھی تھی اور حیرت بھی، پھر انہوں نے ایشال کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔

یہ سب، آپ کے لاڈلے بیٹے نے کیا ہے۔

احمد نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا۔

کمرے میں ایک لمحے کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی۔ عبداللہ صاحب نے آہستہ سے احمد کی طرف دیکھا۔

وہ ایسا کیوں کرے گا؟

انہوں نے دھیمی آواز میں کہا۔

احمد کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ آئی۔

یہ سوال آپ، اپنے بیٹے سے جا کر پوچھیے۔

عبداللہ صاحب خاموش ہو گئے۔ کچھ لمحوں تک ان کے پاس کہنے کو کوئی لفظ نہ تھا۔ پھر انہوں نے احمد اور ایشال دونوں کی طرف دیکھا۔

میرے ساتھ گھر چلو۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

چلو عریشہ۔۔۔

اس بار انہوں نے عریشہ کو مخاطب کیا۔

عریشہ نے بے اختیار ایک نظر خدیجہ بیگم کی طرف دیکھی۔

جی۔۔۔

وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکی۔

کوئی نئیں جاؤ گا۔

خدیجہ بیگم کی مضبوط آواز نے پورے کمرے کی خاموشی توڑ دی۔ سب کی نظریں فوراً ان کی طرف اٹھ گئیں۔

انہوں نے سیدھا عبداللہ صاحب کی طرف دیکھا۔

پہلاں اپنے اوپُتر نوں لگام پا، فیر ایناں نوں گھر لے کے جائیں۔

عبداللہ صاحب کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ انہوں نے خاموش نظروں سے کمرے میں موجود سب لوگوں کو دیکھا۔ کسی کی آنکھوں میں ان کے لیے حمایت نہ تھی۔

ہُن جا، کھڑا کیوں ایں؟ خدیجہ بیگم بولی۔

وہ خاموشی سے پلٹے اور تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

جا سیف، دروازہ بند کر دے۔

ان کے لہجے کی سختی ابھی تک برقرار تھی۔

جی دادی۔۔

سیف نے آہستہ سے جواب دیا اور فوراً کمرے سے باہر نکل گیا۔

عبداللہ صاحب نے جاتے وقت دروازہ پوری قوت سے بند کیا۔

دھڑام۔۔۔

دروازہ بند ہونے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ سیف نے وہ آواز سنی تو بے اختیار ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

فہد۔۔۔

عبداللہ صاحب نے بلند آواز میں پکارا دی۔ وہ تیز قدموں سے صحن میں آ چکے تھے۔

فہد۔۔۔

دوسری بار ان کی آواز پہلے سے بھی زیادہ بلند تھی۔

فہد گھبرایا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ اس کے چہرے پر پریشانی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

عبداللہ صاحب ایک لمحہ بھی رکے بغیر اس کے قریب پہنچ گئے۔

یہ سب کیا کیا ہے؟

ان کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

کیوں کیا تم نے یہ سب؟

فہد نے نظریں جھکا لیں۔

ابو۔۔۔ ایشال، سیف سے ملنے جا رہی تھی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی، مگر اس نے میرے منہ پر تھپڑ مارا۔

وہ ایک لمحہ رکا۔
پھر مجھے غصہ آگیا۔
جاہل انسان، اس طرح کون روکتا ہے؟
ابو، غلطی ہو گئی۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔
بے وقوف انسان، وہ یہ سب کچھ ہی کرنا چاہتی تھی۔ اس نے یہ سب جان بوجھ کر کیا ہے۔
عبداللہ صاحب نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر انگلی اس کے سینے پر رکھ دی۔
فہد نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
عبداللہ صاحب کی سانسیں تیز چل رہی تھیں۔
اور اب دیکھو — وہ آرام سے سیف کے گھر بیٹھی ہوئی ہے۔
فہد خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔
اور یہ سیف۔۔۔
عبداللہ صاحب نے غصے سے مٹھی بھینچ لی۔
پتا نہیں، یہ کیا چیز ہے؟
انہوں نے تلخی سے سر جھٹکا، پھر پلٹے اور تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔
فہد وہیں صحن میں خاموش کھڑا رہ گیا۔

✦ ✦ ✦

آسمان پر رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ اپنی چادر پھیلا رہا تھا۔ صحن میں ہلکی سی خنک ہوا چل رہی تھی۔
سیف، احمد کا بازو مضبوطی سے تھامے، اسے آہستہ آہستہ چلنے میں مدد دے رہا تھا۔ احمد کے قدم لرز رہے تھے۔ ہر قدم جیسے اس کے لیے ایک نئی آزمائش تھا۔ اس نے پوری قوت سے سیف کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا تاکہ توازن برقرار رکھ سکے۔
اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں، ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے، مگر اس نے ہمت نہ ہاری تھی۔
مجھے لگتا ہے، جب سے تم واپس آئے ہو، تم نے ایک دن بھی باقاعدگی سے واک نہیں کی۔
سیف نے نرم لہجے میں کہا، مگر اس کی آواز میں ہلکی سی شکایت بھی شامل تھی۔
نہیں۔۔۔

احمد نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔
ایک دو بار کوشش کی تھی، مگر چلا ہی نہیں گیا۔
وہ رک رک کر قدم اٹھا رہا تھا اور سیف خاموشی سے ہر قدم پر اس کا سہارا بنے ہوئے تھا۔
بس ایک دو بار؟
سیف نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔
احمد نے جواب نہیں دیا۔
کل صبح سے ڈاکٹر روز گھر آئے گا۔ وہ تمہاری ورزش کروائے گا اور شام کو تم میرے حوالے ہو گے۔
احمد نے بے بسی والی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔
کیا تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟
سیف ہلکا سا مسکرایا۔
اگر تم اس طرح چلتے ہوئے مرو گے تو مجھے اس سے زیادہ خوشی ہوگی۔
احمد نے مصنوعی ناراضی سے منہ بنایا۔
اچھا اب بس کرو، میں واقعی تھک گیا ہوں۔ اس کی سانس اب خاصی تیز چل رہی تھی۔
ابھی تو صرف دو چکر ہوئے ہیں۔ سیف نے شرارت سے کہا۔
سیف، کچھ تو رحم کر لو۔
اچھا جناب۔۔۔
احمد نے مزید چند قدم اٹھائے اور آخرکار ویل چیئر تک پہنچ گیا۔ سیف نے نہایت احتیاط سے اسے سہارا دے کر ویل چیئر پر بٹھا دیا۔
ویل چیئر پر بیٹھتے ہی احمد نے ایک لمبی، گہری سانس لی، جیسے کسی لمبی جنگ کے بعد ذرا سا سکون ملا ہو۔ اس نے ماتھے کا پسینہ صاف کیا اور آسمان کی طرف دیکھ۔
آج گرمی محسوس ہو رہی ہے۔
ہاں، آج موسم واقعی کچھ گرم ہے۔

وہ احمد کی ویل چیئر آہستہ آہستہ دھکیلتا ہوا سیڑھیوں تک لے آیا۔ اس نے احتیاط سے ویل چیئر کو اٹھا کر سیڑھیاں عبور کی اور پھر اس کو کچن میں لے آیا۔

کچن میں باتوں کی آوازیں ان کے کانوں سے ٹکرائیں۔ اندر کا ماحول چند لمحوں کے لیے گھر کے تمام دکھ درد بھلا دینے والا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پر خدیجہ بیگم، ایشال، عریشہ اور زویا بیٹھی تھیں۔ مریم سلاد تیار کر رہی تھی، مومنہ چولہے پر چاول دم پر لگا رہی تھی، جبکہ صفا اس کے برابر کھڑی تھی۔

سیف اور احمد کو دیکھ کر مریم نے بے اختیار اپنا دوپٹہ چہرے پر ذرا سا اور کھینچ لیا۔ وہ خاموشی سے ایک طرف ہو گئی اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

آج تو بڑی مزیدار خوشبو آ رہی ہے۔

سیف نے گہری سانس لیتے ہوئے شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ صفا کی طرف دیکھا۔

صفا نے اس کی آنکھوں میں جھلکتی شرارت فوراً پڑھ لی۔ اس کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

جی جی، آج تو آپ کو ہر چیز ہی مزیدار لگے گی۔ آخر آج آپ کی بیگم نے جو کھانا بنایا ہے۔

صفا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

ارے، میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ سیف نے فوراً دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

ارے، میرا بھی وہ مطلب نہیں تھا۔ صفا نے فوراً جواب دیا۔

کچن میں ہنسی کی نرم سی آواز گونج اٹھی۔ اسی دوران مرکزی دروازے کی بیل بجی۔ سیف مڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے اختر کھڑا تھا۔

السلام علیکم!

اختر نے ہمیشہ کی طرح نرم لہجے میں سلام کیا۔

وعلیکم السلام!

سیف نے مسکرا کر جواب دیا۔

اختر نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

باغ کے ساتھ والی زمین سے سارا پانی نکلوا دیا ہے اور یہ ٹیوب ویل والے کمرے کی چابیاں۔

سیف نے چابیاں لیتے ہوئے اسے دیکھا۔
ابھی اس کے کیا ضرورت تھی، صبح پکڑا جاتے۔
ادھر سے گزر رہا تھا، سوچا آپ کو دیتا چلوں۔
اندر آؤ، کھانا کھا کر جانا۔ سیف نے محبت سے کہا۔
اختر نے نفی میں سر ہلایا۔
نہیں بھائی، اب گھر جا کر کھاؤں گا۔
یہ گھر نہیں ہے کیا؟
اختر مسکرایا۔
سکینہ میرا انتظار کر رہی ہے۔ دو مرتبہ کال بھی کر چکی ہے۔
دونوں نے مسکراتے ہوئے مصافحہ کیا۔ اختر موٹر سائیکل پر بیٹھا، انجن اسٹارٹ کیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔
سیف کچھ لمحے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر چابیاں جیب میں رکھ کر واپس اندر آگیا۔ کچن کے قریب پہنچا تو اس کی نظر سیڑھیوں کے پاس بیٹھی زویا پر پڑی۔
وہ زمین پر رکھے ایک چھوٹے سے برتن میں دودھ پیتی بلی کو پوری توجہ سے دیکھ رہی تھی۔
سیف کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔
اچھا، تو تمہاری میاؤں واپس آگئی؟
زویا نے فوراً اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے زور سے سر ہلا دیا۔
سیف کچن کے اندر داخل ہو گیا، جہاں ابھی بھی ہنسی، باتوں اور تازہ پکتے کھانے کی خوشبو نے پورے گھر کو ایک عجیب سی اپنائیت میں لپیٹ رکھا تھا۔
اگلے دن صبح سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر چمک رہا تھا۔ اس کی سنہری کرنیں دور دور تک پھیلے سرسبز کھیتوں پر بکھر رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، جس سے فصلیں آہستہ آہستہ لہرا رہی تھیں۔
سیف اور اختر ڈیرے کے قریب پرانے درخت کے سائے تلے کھڑے تھے۔ درخت کے ساتھ بہنے والے نالے میں پانی تیزی سے بہہ رہا تھا اور اس کی مسلسل آواز اردگرد کے سکون میں ایک دلکش سا ردھم پیدا کر رہی تھی۔ دونوں سامنے والی زمین کا جائزہ لے رہے تھے۔

اس میں سے بھی پانی نکلوا دوں؟
اختر نے سامنے والے کھیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔
سیف نے زمین پر ایک نظر ڈالی۔
نہیں، زمین کافی پانی جذب کر چکی ہے۔ اب اس میں زیادہ پانی نہیں کھڑا۔
اس کی آواز ہمیشہ کی طرح نرم اور پُرسکون تھی۔
ویسے بھی ابھی مزید بارشیں ہونی ہیں۔
اختر نے بھی خاموشی سے آسمان کی طرف دیکھا۔
اسی دوران سیف کی نظر دور سے آتے ہوئے برہان پر پڑی۔ برہان ایک ننھے بچے کو اٹھائے ان کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سیف کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ چند ہی لمحوں بعد برہان ان کے قریب آ گیا۔
السلام علیکم!
اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔
وعلیکم السلام!
سیف نے اسی محبت سے جواب دیا۔
اس کی نظر بچے پر گئی۔ وہ معصوم سی آنکھوں سے سیف کو دیکھ رہا تھا، مگر جیسے ہی سیف نے اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا، وہ شرما کر فوراً اپنا چہرہ برہان کے سینے میں چھپا گیا۔
سیف ہلکا سا مسکرا دیا۔
یہ عمیرہ آپی کا بیٹا ہے نا؟
جی بھائی۔
ماشاء اللہ۔۔۔
سیف نے محبت بھری نظروں سے بچے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
کیا نام ہے اس کا؟
مدرس۔
گھر میں رو رہا تھا، اس لیے سوچا باہر لے آؤں۔

مدرس نے ایک بار پھر آہستہ سے اپنا چہرہ اٹھا کر سیف کو دیکھا، پھر فوراً نظریں جھکا لیں۔

گھر میں دل نہیں لگ رہا ہوگا؟

سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مدرس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

مدرس نے ایک بار پھر اپنی بڑی بڑی معصوم آنکھوں سے سیف کو دیکھا۔ اس کی نظریں چند لمحے سیف کے چہرے پر ٹھہری رہیں۔

سیف نے محبت سے اس کی ننھی سی بند مٹھی اپنے ہاتھ میں لی اور آہستگی سے اسے کھول دیا۔ پھر اس کی ننھی ننھی انگلیوں کو اپنی انگلیوں میں سمیٹ کر پیار سے سہلانے لگا۔

مدرس خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی چھوٹی سی انگلیاں سیف کی ہتھیلی میں جیسے گم ہو گئی تھیں۔

بھائی سیف، آپ نے جو کتاب مجھے دی تھی، اس کے چند صفحات پھٹ گئے ہیں۔

اسی دوران برہان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

سیف نے برہان کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر نہ حیرت تھی، نہ ناراضی۔

کوئی بات نہیں، میں انہیں دوبارہ جوڑ لوگا۔

اس نے نرمی سے برہان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ آہستہ آہستہ ڈیرے کی طرف چلنے لگے، جبکہ نالے کے بہتے پانی کی آواز ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

آپ نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ صفحات کیسے پھٹے؟ برہان الجھن بھرے لہجے میں بولا۔

اس میں پوچھنے والی کون سی بات ہے؟

مجھ سے بھی کئی بار کتابوں کے صفحات پھٹ جاتے ہیں، پھر میں انہیں جوڑ لیتا ہوں۔ کتاب کا صفحہ پھٹ جانا کوئی بڑی بات نہیں، اصل بات یہ ہے کہ اسے پڑھا جائے۔

سیف نے برہان کی طرف دیکھا۔

اس لیے یہ بتاؤ کہ تم کتاب پڑھ رہے ہو یا نہیں؟

جی پڑھ رہا ہوں، بس چند صفحات رہ گئے ہیں۔ برہان نے فوراً جواب دیا۔

تم مجھ سے اور بھی کتابیں لے سکتے ہو۔

برہان نے آہستہ سے سر ہلایا۔

ویسے، تم کل کیا کر رہے ہو؟

کچھ نہیں۔

برہان نے مختصر سا کہا۔

تو پھر کل صبح ڈیرے پر آجانا، ہم کہیں چلیں گے۔

برہان نے تجسس سے اس کی طرف دیکھا۔

ہم، کون کون؟

میں، تم، اختر اور عمر۔

میں آجاؤں گا۔

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اختر اور مدرس کی نگاہیں ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

✦ ✦ ✦

نیلے آسمان پر بادلوں نے ہلکا سا بسیرا کر رکھا تھا۔ سورج ان کے پیچھے چھپا ہوا تھا، موسم میں خوشگوار سی ٹھنڈک گھلی ہوئی تھی۔

سیف ڈیرے کے باہر اپنی گاڑی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کی نظریں سامنے والی پگڈنڈی پر جمی ہوئی تھیں، جہاں سے برہان تیز تیز قدموں سے اس کی طرف آرہا تھا۔ سیف اسی کا انتظار کر رہا تھا، جیسے ہی برہان قریب پہنچا، سیف نے ڈیرے کا دروازہ بند کیا اور واپس گاڑی کے پاس آگیا۔

السلام علیکم!

برہان نے قریب آتے ہی مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

وعلیکم السلام!

سیف نے نرمی سے جواب دیا۔

میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔

یہ کہتے ہوئے اس نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

اختر اور عمر تو پہلے ہی نکل چکے ہیں۔ برہان نے بھی گاڑی کا دوسرا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔

سیف نے انجن اسٹارٹ کیا۔ چند لمحوں بعد گاڑی کچی سڑک پر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

ہم کہاں جا رہے ہیں؟

سیف کی نظریں سڑک پر جمی رہیں۔

آج پھر کچھ ضرورت مند لوگوں تک راشن اور دوسری ضروری اشیا پہنچانی ہیں۔

برہان نے خاموشی سے ایک نظر سیف کو دیکھا، پھر کھڑکی سے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگا۔

گاڑی کے اندر چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی، پھر سیف نے ہی گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔

تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟

برہان نے اس کی طرف دیکھا۔

ٹھیک جا رہی ہے۔

کون سا سبجیکٹ سب سے زیادہ پسند ہے؟

اسلامیات لازمی اور اسلامیات اختیاری۔

ان دونوں کے پروفیسرز کون ہیں؟

اسلامیات لازمی کے پروفیسر عبدالسلام ہیں اور اسلامیات اختیاری کے پروفیسر نعیم۔

برہان کے لہجے میں احترام صاف محسوس ہو رہا تھا۔

مجھے دونوں ہی بہت اچھے لگتے ہیں۔ وہ پڑھاتے بھی بہت اچھا ہیں۔

سیف خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔

وہ مثالوں سے سمجھاتے ہیں، اس لیے ہر بات آسانی سے سمجھ آ جاتی ہے۔

برہان بولتا جا رہا تھا اور سیف درمیان درمیان میں ہلکا سا سر ہلا دیتا۔ برہان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

ایک دن میں پروفیسر نعیم کے پاس ایک سوال لے کر گیا تھا۔

انہوں نے پہلے میرے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھا، پھر وہیں کھڑے ہو کر میرے سوال کا پورا جواب دیا۔ انہوں نے اتنی نرمی اور اطمینان سے سمجھایا کہ مجھے بہت اچھا لگا۔ ان کی آواز ہمیشہ نرم رہتی ہے۔ وہ ہر طالب علم سے بڑے احترام سے بات کرتے ہیں۔

اس نے سیف کی طرف دیکھا۔

کبھی کبھی تو وہ مجھے بالکل آپ جیسے لگتے ہیں۔

سیف کے لبوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے برہان کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ نظریں سڑک پر جما دیں۔

اچھا، کیا میں ان کے جیسا ہوں؟ اس نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

مجھے تو آپ بالکل ان جیسے ہی لگتے ہیں۔

اس نے سادگی سے کہا۔

سیف چند لمحے خاموش رہا۔ اس کی مسکراہٹ برقرار تھی، مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

گاڑی اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک سڑک کے کنارے ایک چھلی والے پر سیف کی نظر پڑی۔ اس نے رفتار آہستہ کی اور گاڑی اس کی ریڑھی کے قریب روک دی۔

برہان نے بھی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سیف نے شیشہ نیچے کیا اور ہاتھ کے اشارے سے چھلی والے کو بلایا۔ وہ فوراً گاڑی کے قریب آیا۔

دو گرم گرم چھلیاں دے دیں۔

سیف نے ہمیشہ کی طرح نرم لہجے میں کہا۔

جی، ابھی لایا۔

وہ واپس اپنی ریڑھی کی طرف چلا گیا۔

سیف اور برہان خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ اس نے ریڑھی سے دو مکئی کے بھٹے اٹھائے، ان کے اوپر کے پتے احتیاط سے اتارے، پھر انگاروں میں لکڑی کے چند ٹکڑے ڈال کر آگ کو مزید بھڑکایا۔ تھوڑی ہی دیر میں بھٹوں سے بھننے کی خوشبو اٹھنے لگی۔

خاموشی کے اس وقفے میں سیف نے برہان کی طرف دیکھا۔

برہان، تمہیں کھانے میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟

برہان نے چونک کر اسے دیکھا۔

مجھے؟

سیف نے اثبات میں سر ہلایا۔

مجھے کچن پلاؤ بہت پسند ہے۔
لیکن امی اور ابو کو وہ زیادہ پسند نہیں۔
پھر انہیں کیا پسند ہے؟ سیف نے دلچسپی سے پوچھا۔
امی کو تو آلو انڈے بہت پسند ہیں۔
یہ کہتے ہوئے برہان خود بھی مسکرا دیا۔
وہ ہمیشہ کہتی ہیں کہ اگر تازہ لہسن ڈال کر آلو انڈے بنائے جائیں تو ان کا ذائقہ ہی الگ ہوتا ہے۔
اگلے ہی لمحے وہ ذرا سا سنجیدہ ہو گیا۔
لیکن وہ بناتی بہت کم ہیں، کیونکہ میں اور آپی اتنے شوق سے نہیں کھاتے۔
اسی دوران چھلی والا دوبارہ گاڑی کے پاس آگیا۔ اس کے ہاتھوں میں دو گرم گرم بھٹے تھے، جن سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔
سیف اور برہان دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔ چھلی والے نے بھٹے سیف کی طرف بڑھائے۔
سیف نے پہلے ایک بھٹا برہان کے ہاتھ میں دیا، پھر دوسرا خود لے لیا۔
کتنے ہوئے؟
اس نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
سو روپے۔ چھلی والے نے مختصر سا بتایا۔
سیف نے اپنی جیب سے والیٹ نکالا، اس میں سے رقم نکال کر اس کو دے دی۔
چھلی والا واپس اپنی ریڑھی کی طرف لوٹ گیا۔
سیف نے والیٹ گاڑی کے ڈیش بورڈ پر رکھا، پھر آہستہ سے گاڑی دوبارہ سڑک پر لے آیا۔
دونوں خاموشی سے بھنی ہوئی چھلی کھانے لگے۔ گاڑی کے اندر صرف ان کے چبانے کی ہلکی ہلکی آوازیں اور باہر چلتی ہوا کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔
کچھ دیر بعد سیف نے ایک اور سوال کیا۔
تمہیں اپنی امی اور ابو کی کون سی عادت سب سے زیادہ پسند ہے؟
برہان نے چند لمحے سوچا، پھر مسکرا دیا۔

یہی، کہ وہ ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں۔ وہ چھلی کی طرف دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔
میں یا آپی جس چیز کا بھی ذکر کریں، امی وہ ہمارے لیے بنا دیتی ہیں اور ابو، ہم ان سے جو بھی مانگیں، وہ منع نہیں کرتے۔ اگر اس وقت پر نہ بھی لا سکیں تو کچھ عرصے بعد ضرور لے دیتے ہیں۔
اس کے لہجے میں اپنے والدین کے لیے محبت صاف محسوس ہو رہی تھی۔
ابو نے ہمارا داخلہ شہر کے بہترین اسکول اور کالج میں کروایا۔
وہ مسکرایا۔
اور ہر سال عیدالاضحیٰ پر وہ مجھے اپنے ساتھ بکرا خریدنے کے لیے لے کر جاتے ہیں۔ وہ بکرا ہمیشہ میری پسند کا لیتے ہیں۔
اس کے چہرے پر بچپن جیسی معصوم خوشی پھیل گئی۔
سیف نے ایک نظر اس کی مسکراہٹ پر ڈالی، پھر خاموشی سے دوبارہ سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔
گاڑی اپنی رفتار سے آگے بڑھتی رہی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایک پرانی بستی میں پہنچ گئے۔ سیف نے گاڑی ایک مکان کے سامنے آہستہ سے روک دی۔ وہاں پہلے سے ایک بڑی گاڑی کھڑی تھی۔ اس کے قریب اختر اور عمر موجود تھے، جبکہ ان کے ساتھ ایک پولیس اہلکار بھی کھڑا تھا۔
آس پاس بستی کے بہت سے لوگ جمع تھے۔ ان کی نظریں بار بار سیف کی گاڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ سب اسی کے انتظار میں کھڑے ہوں۔
دونوں ایک ساتھ گاڑی سے باہر نکلے۔ سیف اور برہان نے ایک نظر وہاں جمع لوگوں پر ڈالی۔ بستی کے مرد، عورتیں اور چند بچے کھڑے تھے۔ ان کے چہروں پر ضرورت بھی تھی اور انتظار بھی۔
پولیس اہلکار اور عمر آگے بڑھے اور لوگوں کو ترتیب سے کھڑا کرنے لگے۔
سب لوگ قطار میں آجائیں، دھکم پیل نہ کریں۔
پولیس اہلکار کی آواز گونجی۔
سیف گاڑی کے پچھلے حصے کی طرف گیا اور دروازہ کھول دیا۔ گاڑی کے اندر راشن کے ڈبے ایک ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے برہان اور اختر کی طرف دیکھا۔
چلو، تم دونوں تقسیم کرنا شروع کرو۔

برہان نے حیرت سے سیف کی طرف دیکھا، شاید اسے توقع تھی کہ سیف خود یہ کام کرے گا۔
سیف نے اس کی حیرانی کو محسوس کیا اور خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ برہان اور اختر آگے بڑھے اور ایک ایک کر کے لوگوں کو راشن کے ڈبے دینے لگے۔
شروع میں قطار قائم رہی، مگر کچھ ہی دیر بعد ہجوم میں بے چینی پھیلنے لگی۔ وہ ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلنے لگے۔
برے حالات میں انسان زندگی سے کچھ سیکھے یا نہ سیکھے، مگر خود غرضی ضرور سیکھ لیتا ہے۔
کچھ ہی دیر میں تمام ڈبے تقسیم ہو چکے تھے۔ لوگ راشن کے ڈبے اٹھائے خاموشی سے واپس جانے لگے۔ گاڑی اب خالی تھی۔
سیف آگے بڑھا اور پولیس اہلکار سے مصافحہ کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پولیس اہلکار بھی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اختر اور عمر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر واپس چل دیے۔ سیف اور برہان بھی دوبارہ اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔ سیف نے جاتے جاتے ایک بار پھر اس پرانی اور خستہ حال بستی پر نظر ڈالی، پھر خاموشی سے گاڑی واپس موڑ دی۔
بھائی، آپ یہ سب چیزیں کب دیتے ہیں؟
سیف نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔
میرا مطلب، کون کون سے مہینوں میں؟ برہان نے اپنی بات واضح کی۔
یہ فکس نہیں ہے۔۔۔ وہ نرمی سے بولا۔
میں جو چیزیں بیچتا ہوں، جب وہ فروخت ہو جاتی ہیں تو اس سے جو منافع ملتا ہے، اس میں سے ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہوں۔
برہان سامنے سڑک کو دیکھنے لگا۔
تم بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔
لیکن میں تو ابھی کماتا ہی نہیں ہوں۔
سیف مسکرا دیا۔
کمانا ضروری نہیں ہوتا۔ تم اپنی پاکٹ منی سے اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتے ہو—دس، بیس، پچاس، جتنے تم آسانی سے دے سکو، اتنا ہی کافی ہے۔
اللہ بس اپنے بندے کی نیت کو دیکھتا ہے۔

برہان خاموش ہو گیا۔ اس نے کھڑکی سے باہر نظریں جما دیں، مگر سیف کی آخری بات اس کے دل میں اتر چکی تھی۔

برہان، جب میں اسکول میں پڑھتا تھا، تب میرا ایک دوست ہوا کرتا تھا۔

سیف نے گاڑی چلاتے ہوئے خاموشی توڑی۔ برہان نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔ سیف چند لمحوں کے لیے خاموش رہا، جیسے ماضی کی کسی یاد میں کھو گیا ہو۔

اس کے پاس ہر وہ چیز ہوتی تھی جو ایک بچے کی خواہش ہو سکتی ہے۔ نئے بیگ، مہنگی گھڑیاں، اچھے جوتے، نئے نئے گیجٹس۔ جب بھی میں اسے دیکھتا، میرا بھی دل چاہتا کہ کاش یہ سب میرے پاس بھی ہوتا۔

برہان خاموشی سے اسے سنتا رہا۔

میں اپنے پیسے جمع کرتا اور پھر ویسی ہی چیزیں خرید لیتا۔ اس وقت مجھے لگتا تھا کہ شاید انہی چیزوں میں خوشی ہے۔

سیف کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

پھر آہستہ آہستہ مجھے احساس ہوا کہ یہ صرف فضول خرچی ہے۔ آج بھی بہت سی چیزیں مجھے اچھی لگتی ہیں، مگر میں انہیں نہیں خریدتا۔

کیوں؟

برہان نے بے اختیار پوچھا۔

کیونکہ اب میں صرف ضرورت کی چیز خریدتا ہوں اور ابھی تم نے دیکھا نا کہ جو چیزیں ہمارے گھر موجود ہیں، لوگ ان کے لیے بھی ترس رہے ہیں۔

کچھ لمحوں کے لیے گاڑی میں پھر خاموشی چھا گئی۔

پھر مجھے ایک اور بات سمجھ آئی۔

سیف نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

ہم سب کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا شخص ضرور ہوتا ہے، جسے دیکھ کر ہم خود کو کم تر محسوس کرنے لگتے ہیں۔ میری زندگی میں وہ شخص، میرا دوست تھا۔

اب وہ کہاں ہے؟ برہان نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

سیف نے ایک گہری سانس لی۔

چار سال پہلے وہ اس دنیا سے چلا گیا۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔

برہان کے چہرے پر افسوس کے آثار نمایاں ہو گئے۔
میرے ابو نے بھی مجھے اچھے اسکول، اچھے کالج اور اچھی یونیورسٹی میں داخل کروایا تھا۔
سیف نے ایک لمحے کے لیے برہان کی طرف دیکھا۔
اور تم نے بھی مجھے بتایا کہ تمہارے والدین نے تمہیں بہترین اداروں میں پڑھایا ہے۔
برہان نے اثبات میں سر ہلایا۔
والدین ہمیشہ اپنی اولاد کے لیے بہترین ہی چاہتے ہیں — وہ چاہتے ہیں کہ ہم اچھی تعلیم حاصل کریں، اچھے ماحول میں رہیں اور زندگی میں آگے بڑھیں۔
سیف کی نظریں دوبارہ سڑک پر جم گئیں۔
لیکن وہ یہ نہیں سوچ پاتے کہ ایسے ماحول میں جا کر، بچے احساسِ کمتری کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کی زندگی، ان کی چیزیں اور ان کی آسائشیں دیکھ کر دل میں ایسی خواہشیں جنم لینے لگتی ہیں جن کی حقیقت میں کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔
برہان کے دل کی دھڑکن بے اختیار تیز ہوئی۔
مگر اس میں ان کا بھی کوئی قصور نہیں کیونکہ وہ آئینے کا صرف ایک رخ دیکھتے ہیں، دوسرا نہیں۔ ہم سب بھی یہی کرتے ہیں۔ ہم ہر معاملے کو صرف اسی زاویے سے دیکھتے ہیں جو ہمیں بہتر لگتا ہے اور دوسرے زاویے سے سوچنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ زندگی کے ہر معاملے کو مختلف زاویوں سے دیکھنا چاہیے۔ جب انسان ہر پہلو پر غور کرتا ہے تو اس کے فیصلے بھی زیادہ پختہ، زیادہ متوازن اور زیادہ درست ہوتے ہیں۔
سیف کی نظریں سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ گاڑی دھیمی رفتار سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔
مجھے آج بھی یاد ہے، میری امی کے ہاتھ بہت نرم تھے۔
سیف نے آہستہ سے کہا۔ اس کے چہرے کا رنگ مدھم پڑ چکا تھا۔ یادوں کی ایک لہر اس کے دل میں اٹھی اور اس کے ساتھ ہی درد کی ایک خاموش ٹیس بھی جاگ اٹھی۔
برہان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کا اپنا دل بھی بوجھل ہونے لگا تھا۔
اور میری امی کی نسبت میرے ابو کے ہاتھ ذرا سخت تھے۔

مگر جب میرے ابو میرا ہاتھ تھامتے تو پوری دنیا مجھے نرم محسوس ہونے لگتی تھی اور جب میری امی میرا ہاتھ پکڑتی تھیں تو یوں لگتا تھا جیسے پوری دنیا میں مجھے کوئی ہلا ہی نہیں سکتا۔ وہ میرے لیے ایک مضبوط دیوار تھیں۔

سیف چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

جس دن میں اپنی امی کو دفنا کر گھر واپس آیا تھا۔ اس دن ہمارے گھر میں بہت سے لوگ موجود تھے، مگر پھر بھی مجھے پورا گھر خالی محسوس ہو رہا تھا۔

سیف کی آواز ہلکی سی لرز گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے منظر دھندلا گیا۔ اس نے فوراً پلکیں جھپکائیں، آنکھوں کی نمی چھپائی اور گہرا سانس لے کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

برہان کی آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔ وہ خاموشی سے سیف کی باتیں سنتا رہا۔

والدین ہماری زندگی میں بہت اہم اور بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔ میں آج بھی اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر ان کو یاد کرتا ہوں۔

میری امی کا دوپٹہ آج بھی میرے پاس ہے۔ اس میں سے ان کی خوشبو آتی ہے۔

اس کی آواز پھر بھرانے لگی۔

برہان نے محسوس کیا کہ سیف کے ہر لفظ کے ساتھ اس کے دل کا درد بھی باہر آ رہا تھا۔

سیف نے خود کو سنبھالا اور دھیرے سے مسکرانے کی کوشش کی۔

اور میرے پاس میرے ابو کا سر پر باندھنے والا رومال بھی ہے۔ جب میں کام کرتا ہوں تو اسے اپنے کندھے یا سر پر باندھ لیتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ آج بھی میرے ساتھ ہیں۔

اس نے ایک لمحے کے لیے برہان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں پانی چمک رہا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ نظریں سڑک پر جما دیں۔ گاڑی اب گاؤں کی حدود میں داخل ہو رہی تھی۔

تم اب بڑے ہو رہے ہو۔ اب تمہیں اپنے ابو کے ہر کام میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر نرمی سے بولا۔

تمہیں معلوم ہے کہ چچا بیمار رہتے ہیں۔

برہان کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے جان کھینچ لی ہو۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہری نمی ایک آنسو بن کر خاموشی سے اس کے گال پر بہہ نکلی۔ وہ آنکھوں میں حیرت لیے سیف کو دیکھتا رہا۔

دل کی ڈوریں بہت نازک ہوتی ہیں۔ جب تک وہ ٹوٹیں نہیں، انہیں الجھنے نہیں دینا چاہیے۔

سیف نے نرمی سے کہا اور گاڑی آہستہ سے روک دی، مگر برہان کو گاڑی رکنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ وہ خاموشی سے سیف کے چہرے کو دیکھے جا رہا تھا۔

سیف نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

برہان، گھر آگیا ہے۔

برہان چونک کر شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔ گاڑی واقعی اس کے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے خاموشی سے دروازہ کھولا اور آہستہ سے گاڑی سے اتر گیا۔

برہان۔۔۔

سیف کی آواز پر وہ دروازہ بند کرتے ہوئے رک گیا۔

خود کو کبھی اکیلا مت سمجھنا۔ جب بھی تمہیں، کسی بھی چیز کی ضرورت ہو یا صرف دل کی بات کرنی ہو تو تم اپنے اس بڑے بھائی کے پاس بلا جھجک آجانا۔

برہان نے پلٹ کر سیف کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، مگر وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اس نے خاموشی سے دروازہ بند کیا اور دھڑکتے دل، بوجھل قدموں اور نم آنکھوں کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

سیف اس وقت تک اسے دیکھتا رہا، جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا اور گاڑی آہستہ سے آگے بڑھا دی۔

برہان سیدھا کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں اس کے ابو اور امی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ عمیرہ بھی وہیں بیٹھی تھی جبکہ ننھا مدرس اپنی ماں کی گود میں کھیل رہا تھا۔

برہان نے سرخ اور نم آنکھوں سے سب کی طرف دیکھا۔

جیسے ہی سب کی نظریں اس پر پڑیں، ان کے چہروں پر فکر کے آثار نمایاں ہو گئے۔

برہان۔۔۔

سب سے پہلے اس کے ابو گھبرا کر اٹھے اور تیزی سے اس کے قریب آ گئے۔ انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اسی ایک لمس نے برہان کے ضبط کی آخری دیوار بھی گرا دی۔ وہ زار و قطار رونے لگا۔

مدرس اپنی معصوم آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اچانک کمرے کا بدلتا ماحول محسوس کر کے وہ بھی سہم گیا۔ برہان کی امی اور عمیرہ بھی گھبرا کر اس کے قریب آ گئیں۔

برہان،۔۔۔

دونوں نے لرزتی ہوئی آواز میں اس کا نام لیا۔

اس کے ابو نے فوراً اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کی پشت سہلانے لگے۔

ابو۔۔۔

آپ بیمار ہیں اور آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں۔

برہان روتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز میں شکوہ بھی تھا، غصہ بھی، اور بے پناہ فکر بھی۔

برہان کی امی اور عمیرہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر خاموشی سے اس کے ابو کو۔

نہیں بیٹا، میں بالکل ٹھیک ہوں۔

اس کے ابو نے نرمی سے کہا اور اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے چارپائی پر بیٹھ گئے۔

نہیں، آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔

برہان کی آواز پہلے سے بلند ہو گئی۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر مدرس بھی رونے لگا۔ کمرے میں سسکیوں اور رونے کی آوازیں گونجنے لگیں۔

برہان کے ابو خاموشی سے اسے سینے سے لگا کر بیٹھے رہے۔ انہوں نے برہان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

✦ ✦ ✦

شہریار آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی، جس پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ چلتے ہوئے اس کی نظریں کبھی راہداری پر دوڑتیں اور کبھی آس پاس کے ماحول کا جائزہ لیتیں۔

یونیورسٹی کی راہداری طلبہ سے بھری ہوئی تھی۔ کوئی کلاس روم سے باہر نکل رہا تھا، کوئی جلدی جلدی اندر جا رہا تھا۔ ہر طرف باتوں، قہقہوں اور قدموں کی چاپ کا شور سنائی دے رہا تھا۔ شہریار آہستہ قدموں سے چلتا ہوا آخرکار آفس کے سامنے آ کر رک گیا۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

یس۔۔۔

اندر سے آواز آئی۔

شہریار کے ہونٹوں پر ہلکی سی شرارتی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے دروازہ کھولا۔
میم، مے آئی کم اِن۔
وہ اندر جھانکتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی شرارت شامل تھی۔
میز کے پیچھے بیٹھی نور نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ شہریار وہیں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ نور کے ہونٹوں پر بھی بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔
آپ ہمیشہ کی طرح لیٹ ہیں۔ اس نے نرمی سے کہا۔
میں تو ہر کام میں دیر کر دیتا ہوں۔۔۔
شہریار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، دروازہ بند کیا اور اندر آگیا۔
کیسے ہو؟ نور نے پوچھا۔
شہریار نے فائل میز پر رکھی اور سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو؟ اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔
میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔
نور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، پھر ذرا سا آگے جھکی۔
کیا لوگے؟ چائے یا کافی؟
تھینک یو، میں ابھی ابھی بریک فاسٹ کر کے آیا ہوں۔ شہریار نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔
کافی یا چائے؟
نور نے اس کا جواب نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ وہی سوال کیا۔
شہریار بے اختیار ہنس دیا۔
چائے۔۔۔
اس نے گہری سانس لیتے ہوئے ہار ماننے والے انداز میں کہا۔
نور نے فوراً فون اٹھایا اور دو کپ چائے لانے کا کہہ دیا۔
شہریار خاموشی سے آفس کا جائزہ لینے لگا۔ دیواروں پر لگی فریمز، کتابوں سے بھری شیلف اور کھڑکی سے آتی ہلکی دھوپ آفس کو ایک پرسکون سا احساس دے رہی تھی۔

آفس تو اچھا ہے تمہارا۔ وہ مدھم آواز میں بولا۔
نور نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور ہلکا سا مسکرائی۔
مگر تمہارے آفس جیسا نہیں ہے۔
شہریار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس نے فائل آہستہ سے نور کی طرف بڑھا دی۔
یہ تمہاری فائل، سیف نے کہا تھا کہ یہ تمہیں پہنچا دوں۔
نور نے فائل اپنے ہاتھ میں لے لی۔
کیا تم اوکاڑہ گئے تھے؟
نہیں، سیف خود یہاں آیا تھا۔ شہریار نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔
کب؟
کچھ ہفتے۔
دیکھو، مجھ سے ملے بغیر ہی چلا گیا۔ نور نے شکوہ کیا۔
وہ اور مومنہ دونوں آئے تھے۔ ممی نے انہیں بہت روکا، مگر وہ رکے نہیں۔
شہریار نے نرمی سے کہا، پھر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔
نور نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔
وہ میرال سے بھی ملا تھا۔ شہریار نے آہستہ سے کہا۔
کیا؟
نور کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔
اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔
یس۔۔۔
دونوں نے ایک ساتھ دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک نوجوان ٹرے میں دو کپ چائے لیے اندر داخل ہوا۔ وہ خاموشی سے ان کے قریب آیا، ایک کپ شہریار کے سامنے رکھا اور دوسرا نور کے سامنے، پھر مؤدبانہ انداز میں سر جھکا کر باہر نکل گیا۔
کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

شہریار نے چائے کے کپ کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔
وہ، میرال کے پاس میری خاطر گیا تھا۔
نور خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، جیسے الفاظ تلاش کر رہی ہو۔
مجھے نہیں معلوم کہ میں خوش قسمت ہوں یا بد قسمت۔۔۔
اس نے نور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
سیف اُس درخت کی مانند ہے، جو خود دھوپ میں رہ کر بھی دوسروں کو ہمیشہ اپنی چھاؤں عطا کرتا ہے۔
اس نے گہرا سانس لیا۔
سیف وہ انسان تھا جس نے میرے سارے عیب جاننے کے باوجود میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اس نے ہمیشہ مجھے سپیشل فیل کروایا۔ اس کی آواز ہلکی سی بھر آئی۔
وہ میرے لیے یہاں سے گیا اور پھر میرے لیے واپس بھی آگیا۔
جملہ مکمل کرتے ہی وہ خاموش ہو گیا۔
وہ ایسا ہی ہے — اس کے دل میں ہر انسان کے لیے نرمی ہے۔ نور نے پُرسکون لہجے میں کہا۔
اور مجھے یقین ہے کہ میرال کا فیصلہ بھی تمہارے حق میں ہوگا۔
شہریار نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔
نور نے مسکرا کر چائے کی طرف اشارہ کیا۔
چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔
شہریار کی نظریں کپ پر گئیں۔ اس نے خاموشی سے کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا۔ نور نے بھی اپنا کپ اٹھایا اور چائے کا ایک گھونٹ بھر لیا۔
کمرے میں ایک بار پھر خاموشی اتر آئی، مگر اس بار اس خاموشی میں بے چینی نہیں، ایک مدھم سی امید شامل تھی۔
کچھ دیر بعد شہریار اپنے آفس پہنچ گیا۔ وہ مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوا، رِسپشنسٹ نے فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
گڈ مارننگ، سر۔
اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

گڈ مارننگ۔
شہریار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور سیدھا اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے موبائل فون اور چابیاں میز پر رکھیں، پھر اپنی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔ اسی لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔
یس۔
شہریار نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے اجازت دی۔
دروازہ کھلا اور اس کی سیکرٹری اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چند فائلیں اور ایک آئی پیڈ تھا۔
گڈ مارننگ، سر۔
اس نے میز پر فائلیں رکھتے ہوئے کہا۔
گڈ مارننگ۔ شہریار نے نرمی سے جواب دیا۔
لڑکی نے آئی پیڈ پر نظر ڈالی۔
سر، آج آپ کی دو میٹنگز ہیں — پہلی بارہ بجے اور دوسری چار بجے۔
شہریار خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا، جبکہ اس کی نظریں میز پر رکھی فائلوں پر تھیں۔
اور سر، ان فائلوں کو چیک کر کے ان پر دستخط بھی کر دیجیے۔
اوکے۔
شہریار نے مختصر سا جواب دیا۔
سیکرٹری خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔
شہریار نے ایک لمحے کے لیے اس کو جاتے ہوئے دیکھا، پھر ایک ایک کر کے فائلیں اپنے سامنے کھولنے لگا۔ اس نے سرسری نظر ڈالتے ہوئے تمام فائلوں پر دستخط کر دیے۔ پھر اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ اس کی نظریں سامنے دیوار پر جم گئیں، مگر اس کا ذہن کہیں اور بھٹک چکا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی ابھرنے لگا تھا۔
کلاس روم طلبہ سے بھرا ہوا تھا۔ سب کی نظریں کلاس کے سامنے کھڑے کامران اور نورالعین پر جمی تھیں۔ دونوں ایک ساتھ پوری کلاس کی طرف متوجہ تھے۔ کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، صرف باہر راہداری سے آتی طلبہ کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میم نے ہمارا سلیبس کم کر دیا ہے۔ نورالعین نے بلند آواز میں اعلان کیا۔
اگلے ہی لمحے پوری کلاس کے چہروں پر خوشی پھیل گئی۔ دبے دبے قہقہے اور سرگوشیاں گونجنے لگیں۔
اور۔۔۔
نورالعین نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بلند کیا، جیسے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ دے رہی ہو۔
کلاس دوبارہ خاموش ہو گئی۔
میم سے میں نے پریزنٹیشن کے بارے میں بھی بات کی تھی، انہوں نے کہا ہے کہ رہنے دو۔
پوری کلاس خوشی سے شور مچانے لگی۔
کامران اور نورالعین نے ایک دوسرے کی طرف مسکرا کر دیکھا۔
اور ایک آخری بات۔۔۔
اب کی بار کامران بولا۔
سب کی نظریں بے اختیار اس پر جم گئیں۔
اگلے ہفتے کلاس بھی نہیں ہو گی۔ اس ایک جملے پر کلاس خوشی سے گونج اٹھی۔
نورالعین نے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ لیے۔ وہ دونوں واپس اپنی اپنی نشستوں پر آ کر بیٹھ گئے۔
میرال خاموشی سے اپنا بیگ اٹھا کر کلاس روم سے باہر نکل گئی۔ شہریار کی نظر اس پر پڑی تو اس نے بھی فوراً اپنا بیگ اٹھایا اور تیز قدموں سے باہر آ گیا۔
نور نے شہریار کو جاتے دیکھا تو وہ بھی اٹھنے لگی، مگر نورالعین اس کے پاس آ گئی۔ وہ اس سے بات کرتے ہوئے وہیں بیٹھ گئیں۔
کلاس سے باہر نکلتے ہی شہریار نے راہداری میں ایک نظر دوڑائی۔ کچھ فاصلے پر سیف ہاتھ میں چند کتابیں لیے لائبریری کی طرف جا رہا تھا۔ غالباً وہ کتابیں واپس کرنے آیا تھا۔ شہریار نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، پھر اس کی نظر میرال پر جا ٹھہری جو اسی سمت جا رہی تھی۔ وہ فوراً اس کے پیچھے چل پڑا۔
میرال۔۔۔
اس نے قدرے بلند آواز میں پکارا۔

میرال کے قدم رک گئے۔ وہ آہستہ سے پلٹی اور شہریار کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر اس مسکراہٹ میں نیازی چھپی ہوئی تھی۔

شہریار اس کے قریب آکر رک گیا۔

میرال، میں مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ کیا تم اسے بھول نہیں سکتی؟

اس کی آواز میں ندامت صاف محسوس ہو رہی تھی۔

نہیں۔۔۔

میرال نے مختصر مگر دوٹوک جواب دیا۔

میرال، میں۔۔۔

ویسے شہریار، انسان کو اتنا بھی بے شرم نہیں ہونا چاہیے۔

اس نے شہریار کی بات کاٹتے ہوئے نہایت سرد لہجے میں کہا۔ یہ الفاظ شہریار کے دل پر لگے تھے۔

میرال، میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس نے بے اختیار کہا۔

مگر میں نہیں کرتی۔

میرال نے بغیر ایک لمحہ ضائع کیے بغیر جواب دیا اور دوبارہ مڑ گئی۔

میرال، میری بات تو سنو۔۔۔

شہریار بھی اس کے پیچھے چل پڑا، مگر میرال نے جیسے اس کی آواز سنی ہی نہ ہو۔

میرال۔۔۔

میرال کو روکتے ہوئے شہریار نے انجانے میں اس کا بازو پکڑ لیا۔

میرال ایک جھٹکے سے پلٹی۔ اس کی آنکھوں میں غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک زوردار تھپڑ شہریار کے چہرے پر دے مارا۔ تھپڑ کی آواز پوری راہداری میں گونج اٹھی۔

شہریار بے اختیار لڑکھڑا سا گیا۔ اس نے فوراً اپنا ہاتھ اپنے گال پر رکھا اور چند لمحوں تک خاموش کھڑا رہا۔ راہداری میں موجود طلبہ کے قدم یک دم رک گئے۔ سب کی نظریں انہی دونوں پر جم گئیں۔ چند ہی لمحوں میں اردگرد سرگوشیاں پھیلنے لگیں۔

آئندہ مجھ سے دور ہی رہنا، ورنہ جان سے مار دوں گی۔

میرال نے انگلی اٹھا کر نہایت تلخ لہجے میں کہا۔
شہریار نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں نمی سے بھر چکی تھیں۔
تو پھر ٹھیک ہے، تم آج مجھے مار ہی دو۔
اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا اور اپنے بیگ میں ہاتھ ڈال کر ایک گن نکال لی۔ اس کو دیکھتے ہی وہاں کھڑے تمام طلبہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کئی طلبہ گھبرا کر چند قدم پیچھے ہٹ گئے، جبکہ کچھ وہاں سے بھاگنے لگے۔
میرال بھی بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔
شہریار نے گن اس کی طرف بڑھا دی۔
لو، مجھے بار بار اس طرح مارنے سے بہتر ہے ایک ہی بار ختم کر دو۔
میرال کی نظریں چند لمحے گن پر ٹکی رہیں۔
اسی دوران سیف لائبریری سے باہر نکلا۔ اس کی نظر پہلے میرال پر پڑی، پھر شہریار کی طرف گئی، مگر وہ میرال کے سامنے کھڑے ہونے کی وجہ سے ٹھیک سے شہریار کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔
اگر تمہیں میری بے رخی سے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے تو اپنی جان خود کیوں نہیں لے لیتے؟
میرال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔
شاید تب مجھے تمہاری محبت پر یقین آ جائے۔
یہ کہہ کر وہ مڑنے لگی۔
شہریار نے آہستہ سے گن لوڈ کی اور اسے اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔
اسی لمحے سیف نے واضح طور پر شہریار کو دیکھ لیا۔ وہ دیکھتے ہی پوری رفتار سے اس کی طرف دوڑ پڑا۔
شہریار نے آنکھیں بند کیں اور ٹریگر پر انگلی رکھ دی۔ راہداری میں کھڑے طلبہ خوف زدہ ہو کر ادھر اُدھر ہٹنے لگے۔
عین اسی لمحے سیف دوڑتا ہوا ان کے درمیان پہنچا۔ جیسے ہی شہریار نے ٹریگر دبایا، سیف نے لپک کر اس کا ہاتھ اوپر کی طرف جھٹک دیا۔
فائر کی آواز کے ساتھ راہداری میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہر طرف چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔ طلبہ خوفزدہ ہو کر مختلف سمتوں میں بھاگنے لگے۔
میرال بھی پلٹ کر رک گئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا۔

سیف نے جھٹکے سے شہریار کے ہاتھ سے گن چھین لی۔
تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ اس نے غصے سے کہا۔
شہریار کی آنکھوں میں رکے آنسو بہنے لگے۔
وہ یہ سب تمہاری وجہ سے کر رہی ہے، تم چلے کیوں نہیں جاتے؟ وہ روتے ہوئے بولا۔
یونیورسٹی کے سیکیورٹی گارڈز بھی تیزی سے اسی طرف بڑھنے لگے۔ سیف نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ اس نے شہریار کا بازو مضبوطی سے پکڑا اور اسے وہاں سے لے جانے لگا۔
میرا ہاتھ چھوڑو۔
شہریار نے جھٹکنے کی کوشش کی۔
شہریار، خاموش ہو جاؤ۔
سیف کی آواز بلند ہوئی تھی۔
شہریار خاموش ہو گیا۔ سیف اسے تیزی سے پارکنگ کی طرف لے جانے لگا۔
سیف۔۔۔
میرال نے انہیں جاتے دیکھا تو بے اختیار ان کے پیچھے بڑھ گئی۔
سیف نے پیچھے سے آتی آواز سنی تو اس نے بے اختیار اپنے قدم اور تیز کر دیے۔
سیف۔۔۔
میرال مسلسل اسے پکار رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ جلد بازی میں کئی بار لوگوں سے ٹکرا جاتی، مگر اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ اس کی تمام توجہ صرف سیف پر تھی۔
سیف تیزی سے پارکنگ ایریا میں پہنچا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور شہریار کو اندر بٹھایا۔ پھر دوسری جانب جا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے گن پچھلی سیٹ پر رکھ دی، گاڑی اسٹارٹ کی اور بغیر ایک لمحہ ضائع کیے تیزی سے یونیورسٹی سے باہر نکل گیا۔
سیف۔۔۔
میرال اب بھی اس کی گاڑی کے پیچھے آوازیں دے رہی تھی۔

کچھ دیر بعد سیف نے گاڑی، شہریار کے گھر کے سامنے روکی۔ وہ فوراً باہر نکلا، دوسری جانب جا کر دروازہ کھولا اور شہریار کو گاڑی سے اتارا۔ دونوں خاموشی سے گھر کے اندر داخل ہو گئے۔

ٹی وی لاؤنج میں مسز اسد چائے کا کپ ہاتھ میں لیے بیٹھی تھیں۔ سیف اور شہریار کو اس حالت میں دیکھتے ہی انہوں نے فوراً کپ میز پر رکھ دیا اور گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

سیف نے شہریار کو آہستہ سے صوفے پر بٹھایا، پھر اس نے سخت نظروں سے شہریار کو دیکھا۔

آئندہ سوسائڈ کرنے سے پہلے، سو بار اپنے پیرنٹس کے بارے میں ضرور سوچ لینا۔

اس کی آواز میں غصہ بھی تھا اور درد بھی۔

مسز اسد پریشانی سے اس کے قریب آئیں۔

شہریار، یہ تم کیا کرنے جا رہے تھے؟

ان کی آواز دکھ سے بھر گئی تھی۔ وہ اس کے برابر بیٹھ گئیں اور محبت سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

شہریار اب مزید خود کو سنبھال نہ سکا۔ وہ خاموشی سے ان کے سینے سے لگ کر رونے لگا۔

سیف نے ایک لمحہ انہیں دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔

اور رہی بات میری، تو میں جا رہا ہوں۔

مسز اسد نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

سیف بیٹا، آرام اور تحمل سے کام لو۔

آنٹی، میں اس کی وجہ سے نہیں جا رہا۔ ابو کافی دیر سے مجھے بلا رہے ہیں۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں، اس لیے جانا ضروری ہے۔

سیف نے نرمی سے جواب دیا۔

اچھا، ابھی تو بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے محبت سے کہا۔

آنٹی، ابھی آپ شہریار کو سنبھالیں۔ میں بعد میں آجاؤں گا۔

پکا۔۔۔؟

جی آنٹی، ضرور۔

سیف نے نرمی سے جواب دیا۔ اس نے ایک نظر شہریار پر ڈالی، پھر خاموشی سے مڑا اور باہر آگیا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے گہری سانس لی۔
یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کوئی بڑا حادثہ نہیں ہوا۔
وہ چند لمحے وہیں بیٹھا اللہ کا شکر ادا کرتا رہا۔
سیف نے جیب سے موبائل نکالا اور فوراً نور کو کال ملائی۔ کافی دیر تک رنگ بجتی رہی، مگر کال ریسیو نہ ہوئی۔ کال ختم ہوتے ہی نور کا میسج آگیا۔
سیف نے فوراً میسج کھولا۔
میں ابھی کلاس میں ہوں، یہاں سب سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔
ایک نئی مصیبت۔۔۔
سیف نے خود سے کہا۔
گھر جا کر مجھے کال کرنا۔ سیف نے جواب میں کہا۔
اوکے۔
نور نے بھی فوراً جواب دیا۔
سیف نے موبائل برابر والی سیٹ پر رکھا، گاڑی اسٹارٹ کی اور آہستہ آہستہ سڑک پر بڑھا دی۔
کلاس روم میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کسی کے چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ تھی، کسی کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور کوئی دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا۔
نور پہلی قطار کی پہلی میز پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر غیر معمولی سکون تھا۔ دوسری قطار کی پہلی میز پر میرال بیٹھی تھی۔ وہ بے چینی سے بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔
پروفیسر ایک ایک کر کے سب طلبہ میں امتحانی شیٹس تقسیم کر رہے تھے۔ جنہیں شیٹس مل چکی تھیں، وہ ان پر اپنا نام اور رول نمبر لکھنے میں مصروف تھے۔
شہریار آہستہ آہستہ کلاس روم میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی نظر سب سے پہلے میرال پر جا کر ٹھہری۔
میرال نے بھی اسے دیکھ لیا۔ وہ بے اختیار ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
نور نے بھی شہریار کو دیکھا تو ہلکا سا مسکرا دی۔

شہریار نے ایک لمحے کے لیے میرال کو دیکھا، پھر نظریں ہٹا کر پہلی قطار کی آخری میز پر جا کر بیٹھ گیا۔ میرال نے ایک بار مڑ کر اسے دیکھا، پھر خاموشی سے اپنا رخ سامنے کر لیا۔

پروفیسر نے تمام طلبہ کو سوالیہ پرچے بھی تقسیم کر دیے۔ پرچہ دیکھتے ہی کئی چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پیپر ان کی توقع سے آسان تھا۔ کلاس روم میں صرف قلموں کے چلنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پروفیسر ایک ایک طالب علم کے پاس جا کر حاضری شیٹ پر دستخط کروا رہے تھے۔

ہر کوئی پوری توجہ کے ساتھ اپنا پرچہ حل کرنے میں مصروف تھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا اور قلموں کی رفتار بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد پروفیسر بورڈ کے سامنے آ کر رکے۔

آپ سب کے پاس صرف دس منٹ باقی ہیں۔

ان کی آواز گونجی تو کئی طلبہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا، پھر فوراً دوبارہ اپنے پرچوں پر جھک گئے۔ اب کلاس روم میں ہر ہاتھ پہلے سے زیادہ تیزی سے چل رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے آخری دس منٹ بھی گزر گئے۔ پروفیسر نے ایک ایک کر کے سب سے امتحانی شیٹس جمع کر لیں۔ پھر وہ ڈائس پر کھڑے ہو کر شیٹس گننے لگے۔

کلاس روم میں آہستہ آہستہ سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ کوئی اپنے دوست سے سوال پوچھ رہا تھا، کوئی اپنا جواب بتا رہا تھا۔ کسی کا جواب درست نکلتا تو اس کے چہرے پر اطمینان آ جاتا اور جب کسی کا جواب غلط نکلتا تو وہ ایک لمحوں کے لیے افسردہ سا ہو جاتا۔

شیٹس کی گنتی مکمل کرنے کے بعد پروفیسر خاموشی سے کلاس روم سے باہر نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی طلبہ بھی اپنی اپنی نشستوں سے اٹھنے لگے اور آہستہ آہستہ کلاس روم سے باہر نکلنے لگے۔

شہریار بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آنے لگا۔

میرال اپنی نشست سے اٹھی اور نور کے قریب آ گئی۔ نور پہلے ہی اپنا بیگ کندھے پر لٹکائے کھڑی تھی۔

نور، سیف کیوں نہیں آیا؟ میرال نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

سیف اب نہیں آئے گا۔

یہ جواب نور نے نہیں، شہریار نے دیا تھا۔

دونوں بے اختیار مڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔

کیا مطلب؟
میرال نے الجھن بھرے لہجے میں شہریار کی طرف دیکھا۔
شہریار کے ہونٹوں پر، دل میں چبھنے والی مسکراہٹ تھی۔
مطلب تو صاف ہے کہ سیف اب نہیں آئے گا۔
میرال حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی جبکہ نور کا چہرہ پہلے کی طرح پرسکون تھا، جیسے وہ پہلے ہی سب کچھ جانتی ہو۔
شہریار آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا۔ اس کی نظریں سیدھی میرال کی آنکھوں میں جمی تھیں۔
تم نے مجھ سے کہا تھا نا کہ میرا کردار صاف نہیں ہے۔
اس کی آواز غیر معمولی طور پر ٹھنڈی تھی۔
ہاں، نہیں ہے—
اور تم بھی یہ سن لو کہ تمہارا کردار بھی صاف نہیں ہے۔۔۔
میرال کی بھنویں تن گئیں۔
تم لوگوں کے درمیان نفرت اور پھوٹ ڈالتی ہو۔
کم از کم میں کسی کا فائدہ تو نہیں اٹھاتی۔
میرال نے فوراً جواب دیا۔ اب اس کے چہرے پر ناگواری صاف دکھائی دے رہی تھی۔
شہریار نے تلخی سے ہنکارا بھرا۔
لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کرنا بھی فائدہ اٹھانا ہی ہوتا ہے۔
اس نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔
میرال کے الفاظ جیسے ختم ہو گئے۔
اور تم نے مجھ سے کہا تھا کہ انسان کو اتنا بھی بے شرم نہیں ہونا چاہیے۔۔۔
وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔
تو آج میں بھی تم سے یہی کہتا ہوں کہ میرال، انسان کو اتنا بے شرم بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف ہی نہ کر سکے۔
میرال کے لب سختی سے بھنچ گئے، مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

شہریار نے گہری سانس لی۔
اور جہاں تک رہی میری بات تو میں نے شرم کر لی ہے۔ آج کے بعد میں کبھی تم سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کروں گا۔
یہ سن کر میرال کی پلکیں بے اختیار جھپکیں۔
جس انسان کے لیے تم نے یہ سب کیا۔۔۔
شہریار نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
وہ یہاں سے جا چکا ہے۔ اب وہ واپس نہیں آئے گا۔
اس نے میرال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آخری وار کیا۔
ایک دن تم اسے ڈھونڈتی ہوئی میرے پاس آؤ گی اور اُس دن، میں تمہاری انا کو ٹوٹتے ہوئے دیکھوں گا۔
اپنی بات مکمل کر کے وہ فاتحانہ انداز میں مڑا اور آہستہ آہستہ کلاس روم سے باہر نکل گیا۔
میرال کی نظریں بے اختیار نور کی طرف اٹھیں۔ اس کی آنکھوں میں بے شمار سوال تیر رہے تھے۔
مگر نور نے کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے اپنا بیگ سنبھال کر کلاس روم سے باہر نکل گئی۔
میرال وہیں ساکت کھڑی رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ اس کے پاس نہ کوئی جواب تھا اور نہ ہی کسی سے کوئی سوال کرنے کی ہمت۔
شہریار، میرال کے منہ پر تماچہ مار کر گیا تھا۔ اس نے اپنا حساب برابر کیا تھا۔

✦ ✦ ✦

خدیجہ بیگم، عریشہ اور ایشال بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ ایشال کی ناک اور ہونٹ پر لگی چوٹوں کے نشان اب بھی واضح دکھائی دے رہے تھے۔
احمد صوفے کے قریب اپنی ویل چیئر پر بیٹھا تھا۔ مومنہ اور سیف دروازے کے سامنے والے صوفے پر بیٹھے تھے، جبکہ دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پر عبداللہ صاحب بیٹھے تھے۔ کمرے میں گہری سنجیدگی تھی۔
میں تم لوگوں کو لینے آیا ہوں۔ عبداللہ صاحب نے دھیمی آواز میں کہا۔
تم سب میرے ساتھ گھر چلو۔ فہد دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ میں اسے اچھی طرح سمجھا چکا ہوں۔
وہ خدیجہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

خدیجہ بیگم نے ٹھنڈی نگاہ ان پر ڈالی۔

کوئی وی نئیں جاوے گا۔

ان کا لہجہ دوٹوک تھا۔

امی، یہ کب تک یہاں رہیں گے؟ عبداللہ صاحب نے فوراً کہا۔

کمرے میں موجود سب کی نظریں کبھی خدیجہ بیگم پر جاتیں تو کبھی عبداللہ صاحب پر۔

جدوں تک اوہناں دا دل کرے گا۔

خدیجہ بیگم نے بےنیازی سے جواب دیا۔

عبداللہ صاحب نے عریشہ اور ایشال کی طرف دیکھا۔ عریشہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی، جبکہ ایشال خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

عریشہ، ایشال، چلو اٹھو۔

عبداللہ صاحب کی آواز نسبتاً سخت تھی۔

عریشہ آہستہ سے بیڈ سے نیچے اتری۔ عبداللہ صاحب بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

دادی، میں نہیں جانا چاہتی۔ ایشال نے فوراً کہا۔

سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

خدیجہ بیگم نے فوراً عریشہ کی طرف دیکھا۔

عریشہ، تُوں وی نئیں جاویں گی۔

ان کی آواز میں فیصلہ صاف جھلک رہا تھا۔

سیف، تم ہی امی کو سمجھاؤ، ضد لگا کر بیٹھی ہیں۔

عبداللہ صاحب نے سیف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تایا ابو، اگر یہ لوگ نہیں جانا چاہتے تو میں ان پر زبردستی نہیں کروں گا۔ اس کی آواز نرم مگر پُراعتماد تھی۔

عبداللہ صاحب کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔

خدیجہ بیگم نے ایک بار پھر دوٹوک انداز میں کہا۔

تو جا، ایتھوں کوئی وی نئیں جاوے گا۔

عبداللہ صاحب کے چہرے پر غصہ نمایاں ہونے لگا۔
تم لوگوں کو سمجھ نہیں آرہی؟ میں کہہ رہا ہوں گھر چلو۔ وہ بلند لہجے میں بولے۔
میں ایشال کے ساتھ یہیں رہنا چاہتا ہوں۔
احمد نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔
عبداللہ صاحب نے غصے بھری نظروں سے احمد کو دیکھا، پھر ایک لفظ کہے بغیر مڑے اور تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔
عبداللہ صاحب گھر پہنچے تو وہ سیدھا فہد کے کمرے کی طرف چلے گئے۔
فہد بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی صاف جھلک رہی تھی، جیسے ہی اس کی نظر عبداللہ صاحب پر پڑی، اس کے قدم وہیں رک گئے۔
عبداللہ صاحب خاموش، مگر سخت قدموں سے اس کے قریب آئے۔
فہد کے چہرے پر گھبراہٹ مزید نمایاں ہو گئی۔
یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ عبداللہ صاحب کی بلند آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔
فہد نے بے اختیار اپنا لعاب نگلا۔
وہ وہیں بیٹھی ہے۔ سب کے سامنے اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ گھر واپس نہیں جانا چاہتی۔
فہد نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔
نظریں جھکا لینے سے کچھ نہیں ہوگا۔
میں اسے کل تک اُسے، اس گھر میں دیکھنا چاہتا ہوں۔
فہد نے دوبارہ سر اٹھا کر اپنے والد کو دیکھا۔ عبداللہ صاحب کی آنکھوں میں غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔
اب یہ میری عزت کا مسئلہ ہے۔
انہوں نے سخت لہجے میں اپنا آخری جملہ ادا کیا، پھر مڑے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔
فہد دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں بے شمار خیالات گردش کر رہے تھے۔
آج آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، جس سے موسم خوشگوار محسوس ہو رہا تھا۔
اسی دوران فہد عبدالرحمٰن ہاؤس میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

صحن میں زویا جھولے پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پلیٹ اور چمچ تھا۔ وہ مزے سے انار کھا رہی تھی۔ احمد بھی صحن میں اپنی ویل چیئر پر موجود تھا۔ صفا انار کو دو حصوں میں تقسیم کر رہی تھی۔ اس نے تقسیم کر کے انار احمد کی طرف بڑھایا۔ احمد نے خاموشی سے انار تھام لیا۔ اس کے ہاتھ پر انار کے رس کے چند قطرے گر پڑے۔

چارپائی پر خدیجہ بیگم، ایشال اور عریشہ بیٹھی تھیں۔

ایشال۔۔۔

فہد کی بلند آواز صحن میں گونجی۔

سب کی نظریں ایک ساتھ اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ صحن کے درمیان آچکا تھا۔

گھر چلو، میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی ایشال بے اختیار خدیجہ بیگم کے پیچھے سرک گئی، جبکہ عریشہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

فہد بھائی، وہیں رک جائیں۔

صفا کی مضبوط آواز پر فہد کے قدم وہیں تھم گئے۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کر صفا کی طرف دیکھا۔

ایشال یہاں سے نہیں جانا چاہتی۔

صفا نے صاف اور دوٹوک انداز میں کہا۔

فہد نے ایک نظر ایشال کو دیکھا، پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

نہیں، آج وہ میرے ساتھ ہی گھر جائے گی۔

نہیں، میں نہیں جاؤں گی۔

ایشال نے بلند آواز میں کہا۔

اس کی آواز سن کر مومنہ اور مریم بھی کچن سے باہر نکل آئیں۔ مریم دروازے کے قریب آکر رک گئی، جبکہ مومنہ سیڑھیاں اتر کر صحن میں آگئی۔

فہد کی نظر مومنہ پر پڑیں تو اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

ویسے، کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ یہ یہاں کیوں رہنا چاہتی ہے؟

وہ سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

صحن میں موجود ہر چہرے پر حیرت پھیل گئی۔ احمد، عریشہ اور ایشال کے چہروں پر گھبراہٹ صاف نمایاں ہو گئی۔ تینوں نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

صحن میں خاموشی چھا گئی۔ کسی نے فہد کی بات کا جواب نہ دیا۔

چلو، میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔

فہد کی آواز میں طنز گھلا ہوا تھا۔ اس نے نظریں مومنہ پر جما دیں، پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

کیونکہ یہ سیف کو پسند کرتی ہے اور صرف سیف کی خاطر یہاں آ کر بیٹھی ہے۔

یہ الفاظ سنتے ہی جیسے صحن کی فضا منجمد ہو گئی۔ سب کے چہروں کا رنگ ایک دم اڑ گیا۔ مومنہ اور صفا نے ایشال کو دیکھا۔

اب بھی تم لوگ اسے اپنے گھر میں رکھنا چاہو گے؟

فہد نے اردگرد موجود سب کو دیکھتے ہوئے کہا اور وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

مگر صفا نے فوراً اپنا بازو اس کے سامنے کر دیا اور اس کا راستہ روک لیا۔

آپ یہاں سے چلے جائیے، وہ واپس نہیں جانا چاہتی۔ صفا نے مضبوط لہجے میں کہا۔

فہد کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

مجھے تو لگتا ہے کہ اس گھر میں سب ہی بے غیرت ہیں۔

اس نے صفا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ صفا کے چہرے پر غصہ نمایاں ہونے لگا۔

فہد، اپنی زبان سنبھال کر بات کرو۔

احمد کی بلند آواز پورے صحن میں گونج اٹھی۔

فہد نے احمد کی طرف دیکھا، پھر زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

تمہیں اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟ تم بھی تو ان کے ساتھ ہو۔

فہد بھائی، آپ یہاں سے جا رہے ہیں یا میں بھائی سیف کو بلاؤں؟ صفا نے سخت لہجے میں کہا۔

بلا لو اپنے اس بے غیرت بھائی کو۔

فہد نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

جس نے پہلے اپنی بہن کی دوست پر ڈورے ڈالے اور اس سے شادی کی، شادی کے باوجود اب اپنی کزن پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

مومنہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

فہد بھائی، اپنی زبان کو لگام دیں۔ صفا کی آواز پہلے سے کہیں زیادہ بلند تھی۔

فہد نے حقارت سے اسے دیکھا۔

اور تم بھی اپنے ہی کزن پر ڈورے ڈال رہی ہو۔

اس نے معنی خیز انداز میں احمد کی طرف اشارہ کیا۔

اگلے ہی لمحے صفا نے زوردار تماچہ فہد کے گال پر رسید کیا۔

ایک لمحے کے لیے پورا صحن ساکت ہوگیا۔ زویا خوف زدہ نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ فہد کا گال سرخ ہو چکا تھا۔ وہ غصے سے کانپنے لگا۔

تمہاری اتنی ہمت۔۔۔

اس نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ صفا نے اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی۔ پھر ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے دھکیل دیا۔

میں عریشہ یا ایشال نہیں ہوں، جسے جب چاہو جانوروں کی طرح مار دو۔

اس کی آواز میں غیر معمولی سختی تھی۔ صفا نے فوراً احمد کی پلیٹ سے چھری اٹھا لی۔ وہ چھری کی نوک فہد کے چہرے کے قریب لے گئی۔

آئندہ اپنی زبان سنبھال کر بات کیجیے گا۔ مجھے میرے بھائی نے اپنے خلاف چلنے والی زبان کو کاٹنا اور اپنے خلاف اٹھنے والے ہاتھ کو روکنا سکھایا ہے۔

فہد حیرت سے اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ واہ۔۔۔

سیف کی تالیوں کی آواز صحن میں گونجی۔

بھئی، آج تو مزہ آگیا۔

سب نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

سیف نہ جانے کب وہاں آکر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا صفا اور فہد کے درمیان آکھڑا ہوا۔ اس نے گہری، مگر ٹھنڈی سانس لی۔ اس کے چہرے پر مکمل سکون تھا۔

فہد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

سیف نے پرسکون انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

آج کے لیے اتنی بے عزتی کافی ہے یا اب دھکے دے کر گھر سے باہر بھی نکالوں۔

فہد نے ایک ایک کر کے سب کے چہروں پر نظر ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں شکست، غصہ اور نفرت ایک ساتھ جمع ہو چکے تھے۔

دیکھ لوں گا، تم سب کو۔

وہ دانت پیستے ہوئے بولا، پھر مڑا اور تیز قدموں سے وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی صحن کی فضا میں ایک عجیب سا سکون پھیل گیا۔

مومنہ خاموشی سے آگے بڑھی، صفا کے ہاتھ سے چھری لی اور واپس پلیٹ میں رکھ دی۔

صفا خاموشی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ مومنہ بھی اس کے پیچھے اندر چلی گئی۔

سیف کی نظر زویا پر پڑی۔ وہ جھولے پر سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف صاف دکھائی دے رہا تھا۔

سیف آہستہ آہستہ اس کے قریب چلا گیا۔

خدیجہ بیگم خاموش بیٹھی رہیں۔ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ عریشہ اور احمد نے نظریں جھکا رکھی تھیں، جبکہ ایشال کے دل میں سکون اور خوشی کی لہر اتر آئی تھی۔

صفا کچن میں ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کا سہارا لیے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے۔

مریم آہستہ سے اس کے قریب آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ صفا نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

صفا۔۔۔

مریم نے نرمی سے اس کا نام لیا۔

صفا کی حالت دیکھ کر اس کا دل بھی درد سے بھر گیا۔ اس نے محبت سے صفا کے گالوں پر بہتے آنسو صاف کیے۔

یہاں بیٹھو۔

اس نے کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے مومنہ بھی کچن میں داخل ہوئی۔ اس کی نظر صفا پر پڑی، جو بے آواز رو رہی تھی۔ مومنہ کے دل میں بھی بے چینی سی جاگ اٹھی۔

مریم نے صفا کو آہستہ سے کرسی پر بٹھا دیا۔

مومنہ آگے بڑھی، جگ اٹھایا اور گلاس میں پانی ڈالا۔ پھر اس نے گلاس صفا کی طرف بڑھایا۔ صفا نے روتے ہوئے چند گھونٹ پانی پیے۔

مومنہ نے گلاس واپس میز پر رکھا اور ایک کرسی کھینچ کر صفا کے سامنے بیٹھ گئی۔

تم رو نہیں۔ تمہاری تو اس میں کوئی غلطی نہیں تھی۔

اس نے نہایت نرمی سے کہا۔

مریم کی آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔ وہ پریشان چہرے کے ساتھ صفا کے قریب کھڑی تھی۔

میں، اپنے پر لگے الزام کی وجہ سے نہیں رو رہی۔

صفا نے بڑی مشکل سے کہا۔

تو پھر کیوں رو رہی ہو؟

صفا نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

میں، بھائی کی وجہ سے رو رہی ہوں۔

مومنہ کے چہرے پر حیرت ابھری۔ مریم بھی خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

مجھے جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی تھی، میں بھائی سیف کے پاس چلی جاتی تھی۔

اس کی آواز مزید بھاری ہو گئی۔

میں ان سے کہتی تھی — بھائی، مجھے یہ چیز چاہیے۔

اس نے اپنی ناک کا پانی اندر کھینچا۔

اور بھائی ہمیشہ مسکرا کر کہتے تھے کہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔

صفا نے مریم کی طرف دیکھا۔ مریم کی نظریں مسلسل اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

بھائی کا یہ ایک جملہ، مجھے بے حد پسند تھا۔

وہ روتے ہوئے بول رہی تھی، جبکہ مومنہ اور مریم خاموشی سے اس کی ہر بات سن رہی تھیں۔

میں جان بوجھ کر بار بار ان کے پاس جاتی تھی – صرف یہ جملہ سننے کے لیے۔
اس کے ہونٹوں پر درد بھری مسکراہٹ ابھری۔
اور وہ، ہر بار محبت سے یہی کہتے کہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔
وہ جملہ سنتے ہی میرا دل خوشی سے بھر جاتا تھا۔
اس نے آنسو پونچھنے کی ناکام کوشش کی۔
پھر ایک دن میں نے بھائی سے پوچھ لیا – آپ ہر بار ایسا کیوں کہتے ہیں؟
اس نے ہچکی لیتے ہوئے کہا۔
بھائی نے نرمی سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔
صفا نے اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر اس کے ہاتھ پر آگرا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔
پھر بھائی نے کہا کہ میرا بس چلے تو میں سب کچھ تم پر قربان کر دوں۔ یہ پوری دنیا تمہیں دے دوں کیونکہ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔
یہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم مسکراہٹ سی اتر آئی۔
اور آج، مجھے ایسا لگ رہا ہے، جیسے بھائی نے ساری دنیا میرے نام کر دی ہو۔ سب کچھ مجھے دے دیا ہو۔
وہ ابھی بھی اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہی تھی۔
اور میں تمہیں ساری دنیا کیوں نہ دوں؟ اچانک سیف کی آواز کچن میں گونجی۔
تینوں نے ایک ساتھ دروازے کی طرف دیکھا۔
مریم نے فوراً اپنا دوپٹہ سر پر درست کیا اور چہرہ اس سے ڈھانپ لیا۔ مومنہ اور صفا کی نظریں دروازے کے پاس کھڑے سیف پر جم گئیں۔
اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب آیا۔
مومنہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔
سیف اس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے نرمی سے صفا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

میرے پاس تو بس یہی دنیا ہے جو میں تم پر لٹا سکتا ہوں۔ اس کی آواز نم ہو چکی تھی۔
میں آج بھی تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔
صفا کے لب لرز گئے۔ اس کے آنسو بے قابو ہو کر بہنے لگے۔ ہمیشہ کی طرح وہ آگے بڑھی اور اپنے بھائی کے بازوؤں کو مضبوطی سے تھام لیا۔
سیف ہلکا سا مسکرایا۔
صفا نے اپنا چہرہ اس کے بازو پر رکھ دیا۔
سیف نے نم آنکھوں کے ساتھ جھک کر اس کے ماتھے پر پیار سے بوسہ دیا۔
مومنہ اور مریم کے دلوں میں بھی ایک عجیب سا سکون اترنے لگا۔
چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔
صفا۔۔۔
سیف نے دھیمی آواز میں اسے پکارا۔
صفا کے آنسو تھم گئے، مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
میں چاہتا ہوں، تمہارا اور احمد کا نکاح ہو جائے۔
صفا فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت صاف جھلک رہی تھی۔
مومنہ اور مریم نے ایک لمحے کے لیے صفا کو دیکھا، پھر خاموشی سے کچن سے باہر نکل گئیں تاکہ دونوں بہن بھائی اطمینان سے بات کر سکیں۔
کیا آپ۔۔۔ فہد۔۔۔
صفا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہنا چاہا۔
میں، ڈر گیا ہوں۔
سیف نے صفا کی بات کاٹتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔
صفا کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔ اس کی آنکھیں دوبارہ نم ہونے لگیں، اور دل میں ایک عجیب سا درد جاگا۔
کیا آپ کو مجھ پر یقین نہیں؟ اس نے بڑی مشکل سے پوچھا۔
مجھے تم پر خود سے بھی زیادہ یقین ہے۔

پھر، کس بات کا ڈر ہے؟

اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

سیف نے دونوں ہاتھ بڑھا کر محبت سے اس کا چہرہ اپنی ہتھیلیوں میں لے لیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

میں، اپنے چاند کے کردار کے لیے ڈر گیا ہوں۔

مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی میرے چاند پر داغ لگانے کی کوشش نہ کرے۔ میری بہن ایک صاف کردار کی مالک ہے۔ اس کا کردار بے داغ ہے۔

اس نے گہری سانس لی۔

آج جو کچھ ہوا، میں اس سے ڈر گیا ہوں۔

اس کے لہجے میں درد صاف محسوس ہو رہا تھا۔

میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی میری بہن کے کردار پر کیچڑ اچھالے۔

صفا کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ آگے بڑھی اور سیف کے گلے سے لگ گئی۔ اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سیف نے اسے مضبوطی سے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کا اپنا دل بھی درد سے بھر چکا تھا۔ وہ کبھی بھی صفا کو اس حال میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

بھائی۔۔۔

صفا نے کہنا چاہا، مگر رونے کی شدت سے اس کی آواز گلے ہی میں اٹک گئی۔

وہ مزید کچھ نہ کہہ سکی۔

سیف نے خاموشی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ کافی دیر بعد صفا نے ہچکیوں کے درمیان ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا۔

بھائی، آپ میرے لیے ہمیشہ اچھا ہی فیصلہ کریں گے۔۔۔

سیف نم آنکھوں کے ساتھ مسکرایا۔

احمد کمرے میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں سامنے دیوار پر جمی ہوئی تھیں، مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دیوار کو نہیں، اپنے خیالات کو دیکھ رہا ہو۔

دروازہ آہستہ سے کھلا۔ سیف دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کی چال میں معمول والی مضبوطی نہیں تھی۔

احمد نے اسے دیکھا۔ سیف خاموشی سے اس کے قریب آیا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔

احمد۔۔۔ اس نے دھیمی آواز میں اسے پکارا۔

احمد کی نظریں اس کے سنجیدہ چہرے پر ٹک گئیں۔

مجھے، تم سے بات کرنی ہے۔ نہیں، بلکہ ایک بات پوچھنی ہے۔ سیف کی آواز میں ہچکچاہٹ صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ہاں، بولو۔ احمد نے فوراً نرمی سے کہا۔

سیف چند لمحے خاموش بیٹھا رہا۔ کمرے میں عجیب سی خاموشی اتر آئی۔

کیا بات ہے، سیف؟ احمد نے محبت بھرے لہجے میں دوبارہ پوچھا۔

سیف نے ایک گہرا سانس لیا۔

میں چاہتا ہوں کہ تمہارا اور صفا کا نکاح۔۔۔ سیف نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔

احمد خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ چند لمحوں تک وہ کچھ کہہ ہی نہ سکا۔

سیف نے بھی نظریں اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔

کیا تم نے صفا سے بات کی؟ آخرکار احمد نے آہستہ سے پوچھا۔

سیف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ دونوں کئی لمحوں تک خاموش بیٹھے رہے۔

ٹھیک ہے۔۔۔

اگر صفا کو کوئی اعتراض نہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔

سیف نے پہلی بار سر اٹھا کر احمد کو دیکھا، پھر دوبارہ نظریں جھکا لیں۔ ان دونوں کے درمیان ایسی خاموشی شاید پہلے کبھی آئی ہو۔

سیف آہستہ سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
سیف۔۔۔ احمد کی آواز پر وہ رک گیا اور مڑ کر اسے دیکھا۔
کیا تم ایشال کو میرے پاس بھیج دو گے؟
بھیجتا ہوں۔ سیف نے مختصر سا جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔
احمد کی نظریں ایک بار پھر سامنے دیوار پر جا ٹھہریں۔ کچھ دیر بعد ایشال اندر داخل ہوئی۔
جی بھائی؟ وہ بیڈ کے قریب آکر رک گئی۔
احمد نے چند لمحے خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔
ایشال، تمہیں یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کی آواز میں درد بھی تھا اور شکوہ بھی۔
ایشال نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
اب آپ مجھے کس بات کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں؟ اس نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔
ایشال، زیادہ معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔ احمد نے نظریں اس پر جماتے ہوئے کہا۔
آپ پہلے بتائیں تو سہی کہ بات کیا ہے؟ ایشال کے لہجے میں اب بھی سنجیدگی برقرار تھی۔
تم نے یہاں آنے کے لیے فہد والا تماشا جان بوجھ کر کیا۔ احمد نے واضح الفاظ میں کہا۔
بھائی، آپ کو کیا ہو گیا ہے؟
تمہاری وجہ سے اس گھر کے لوگوں پر کیا گزر رہی ہے، تم اس بات کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔ احمد کی آواز میں دکھ نمایاں تھا۔
میری وجہ؟ ایشال نے حیرت سے کہا۔
کیا میں نے فہد بھائی سے کہا تھا کہ وہ یہ سب کریں؟ اس نے سیدھی نظروں سے احمد کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
احمد نے ایک گہری سانس لی۔
ایشال، ہم واپس گھر چلتے ہیں۔ اس کی آواز میں نرمی بھی تھی اور بے بسی بھی۔
میں اس گھر میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گی، جہاں میرے جذبات کی کوئی قدر نہ ہو۔ ایشال نے دوٹوک انداز میں کہا۔
تم اپنی قدر یہاں بھی کھو دو گی۔ اس لیے ضد چھوڑ دو اور میرے ساتھ واپس چلو۔
میں نہیں جانے والی۔ اس نے پورے یقین کے ساتھ کہا، پھر وہ مڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ایشال۔۔۔ احمد کی آواز پر اس کے قدم ایک لمحے کے لیے رکے۔

سیف تمہاری آزمائش ہے۔ وہ مر جائے گا، مگر تمہارا نہیں ہو گا۔

ایشال نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

کمرے سے نکل کر وہ ٹھہر گئی۔ اس کی نظر سامنے پڑی۔ سیف، خدیجہ بیگم کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ ایشال کی آنکھوں میں ضد تھی۔

سیف میرا ہے اور میں اسے حاصل کر کے رہوں گی۔ اس نے سرگوشی کی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

خدیجہ بیگم بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ سیف ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

دادی، میں نے صفا اور احمد کے نکاح کا فیصلہ کیا ہے۔ اس نے نرمی سے کہا۔

بہت چنگا فیصلہ اے۔ خدیجہ بیگم نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ان کے چہرے پر رونق نہیں تھی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی اور سیف یہ بات محسوس کر رہا تھا۔

آپ کی حارث سے دوبارہ بات ہوئی؟

ہاں، ہوئی سی۔

عائشہ شادی لئی راضی اے۔

مریم کی عدت بھی ختم ہونے والی ہے۔ آپ اس کی عدت ختم ہونے کے بعد اس سے بات کریں۔

ٹھیک اے۔ خدیجہ بیگم نے مختصر سا جواب دیا۔

اگر مریم راضی ہو گئی، تو میں صفا اور مریم دونوں کا نکاح ایک ہی دن کر دوں گا۔ سیف نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

خدیجہ بیگم نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سیف اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

خدیجہ بیگم دیر تک اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔

سیف اپنے کمرے میں داخل ہوا۔

مومنہ بیڈ کے کنارے خاموش بیٹھی تھی۔ اس نے سیف کو دیکھا تو فوراً اس کے چہرے کے تاثرات پڑھ لیے۔

سیف خاموشی سے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ مومنہ بھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس نے محبت سے سیف کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

آپ پریشان نہ ہوں، میں آپ کے ساتھ ہوں نا۔

اس کی آواز میں خالص فکر تھی۔

سیف نے اس کی طرف دیکھا۔

مومنہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خود بخود ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

آپ پریشان بالکل اچھے بھی نہیں لگتے۔

مومنہ نے نرمی سے کہا، پھر اس نے آہستگی سے سیف کا سر اپنے کندھے پر ٹکا دیا۔

کمرے میں خاموشی تھی، مگر اس خاموشی میں سکون تھا۔

✦ ✦ ✦

صفا، مریم اور مومنہ کچن میں تھیں۔ صفا چولہے کے سامنے کھڑی کھانا بنا رہی تھی۔ مریم اس کی مدد کر رہی تھی۔ مومنہ برتن نکال کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

صفا، ایک بات پوچھوں؟ مریم نے دھیمے لہجے میں کہا۔

ہمم۔۔۔ صفا نے چولہے سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

دادی، تمہارے تایا ابو سے بات کیوں نہیں کرتیں؟

صفا کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رک گئے۔ اس نے مریم کی طرف دیکھا، پھر ایک گہری سانس لے کر کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگا لی۔

پہلے، جب میری امی اور میری تائی امی زندہ تھیں، تب ہم سب ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔

مومنہ برتن رکھ کر خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی توجہ صفا کی باتوں پر تھی۔

مریم بھی خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

جب میں پیدا ہوئی تھی، اسی دن میری امی اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں۔

صفا کی آواز دھیمی ہو گئی۔ اس کی نظریں کہیں دور ماضی میں کھو گئی تھیں۔

پھر کچھ ہی عرصے بعد تائی امی بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

مریم اور مومنہ دونوں سنجیدہ چہروں کے ساتھ اسے سن رہی تھیں۔

تائی امی کی وفات کے بعد تایا ابو نے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا، لیکن دادی اور دادا ایسا نہیں چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم سب ایک ساتھ رہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تائی امی اس دنیا میں نہیں تھیں تو عریشہ لوگوں کے لیے زندگی مشکل ہوتی۔

صفا آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

مگر تایا ابو نہیں مانے۔ آخر کار دادا نے ان کا حصہ انہیں دے دیا۔ دادی اور دادا نے ہمارے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد کبھی وہ ہمارے گھر آجاتے، کبھی ہم ان کے گھر چلے جاتے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہم سب بڑے ہو گئے۔

اس نے ایک لمحے کو خاموشی اختیار کی۔

دادا نے اپنی کچھ زمین اپنے نام ہی رکھی ہوئی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک زندہ ہوں، وہ زمین میرے پاس ہی رہے گی۔

لیکن تایا ابو نے اس زمین میں بھی اپنا حصہ مانگنا شروع کر دیا۔ دادا ہرگز تیار نہیں تھے۔ اسی بات پر اکثر ان دونوں کے درمیان بحث ہوتی رہتی تھی۔

پھر میرے ابو نے بہت سمجھایا اور بہت مشکل سے دادا کو راضی کیا۔ وہ راضی تو ہو گئے، مگر دونوں اس فیصلے سے خوش نہیں تھے۔ صفا کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

پھر ایک دن، دادی، دادا اور میرے ابو زمین تایا ابو کے نام کروانے کے لیے تحصیل جا رہے تھے۔ احمد نے کہا کہ وہ ساتھ جائے گا تو وہ انہیں بھی ساتھ لے گئے۔ اس کی آواز بھرانے لگی۔

راستے میں ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔

مریم کی آنکھیں دکھ سے بھر آئیں۔ مومنہ خاموشی سے صفا کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سب کچھ پہلے سے جانتی تھی، مگر ہر بار یہ داستان اتنی ہی تکلیف دیتی تھی۔

صفا چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے نمی چھلک پڑی۔

دادا اور ابو دونوں اس دنیا سے چلے گئے۔ احمد کی ٹانگوں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ وہ ویل چیئر کے محتاج ہو گئے۔

اور دادی، وہ کوما میں چلی گئی تھیں۔ بھائی سیف کی شادی سے صرف چند دن پہلے انہیں ہوش آیا تھا۔ وہ ڈھائی سال تک کوما میں رہیں۔

مریم کے چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا۔ وہ خاموشی سے صفا کو دیکھ رہی تھی۔
دادا کے انتقال کے بعد ان کی ساری زمین تایا ابو نے اپنے نام کروا لی۔ پھر وہ احمد کے علاج کا بہانہ بنا کر بیرونِ ملک چلے گئے۔ صفا نے نم آنکھوں سے مریم کو دیکھا۔
بس، اسی لیے دادی آج تک ان سے بات نہیں کرتیں۔ اس نے ایک تلخ سانس لی۔
اور لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ ایکسیڈنٹ بھی تایا ابو نے ہی کروایا تھا۔
کچن میں ایک گہری خاموشی اتر آئی۔
مریم کے چہرے پر دکھ اور بے یقینی ایک ساتھ نمایاں تھے، جبکہ مومنہ خاموش بیٹھی صفا کے درد کو محسوس کر رہی تھی۔
صفا، دادی کہہ رہی ہیں کہ مجھے کھانا دے دو۔ ایشال کی آواز کچن میں گونجی۔
سب نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔
مریم لے کر آ رہی ہے۔ صفا نے فوراً جواب دیا۔
تم احمد اور عریشہ کو بھی بلا لاؤ۔
ٹھیک ہے۔ ایشال مختصر سا جواب دے کر واپس پلٹ گئی۔
مریم نے برتن نکالے اور ان میں کھانا نکالنے لگی۔ صفا نے ایک ٹرے نکالی، اس میں پانی کا جگ، گلاس رکھے۔ مریم نے سالن اور روٹیاں ٹرے میں رکھیں، پھر اسے اٹھا کر باہر چلی گئی۔
صفا باقی سب کے لیے کھانا نکالنے میں مصروف ہو گئی۔
اسی دوران سیف، احمد کی ویل چیئر دھکیلتا ہوا کچن میں داخل ہوا۔ وہ آہستہ سے ویل چیئر کو ڈائننگ ٹیبل کے قریب لے آیا۔ پھر اس نے ایک کرسی کھینچی اور احمد کے ساتھ بیٹھ گیا۔
صفا نے دونوں کے سامنے کھانا رکھ دیا۔ سیف نے پہلے احمد کے لیے کھانا اس کی پلیٹ میں رکھا، پھر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔
مومنہ نے خاموشی سے گلاس میں پانی ڈالا اور احمد کی طرف بڑھا دیا۔
سیف نے مسکرا کر اس کو دیکھا۔

صفا، ایشال اور عریشہ بھی آکر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئیں۔ سب خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے دوران ایشال نے ایک نظر سیف پر ڈالی، پھر مومنہ کو دیکھا۔

سیف، تمہیں کب معلوم ہوا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں؟ اس نے بغیر کسی جھجک کے پوچھا۔

اس کے الفاظ سنتے ہی سب کے ہاتھ رک گئے۔ کچن میں ایک لمحے کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی۔ سب کی نظریں بے اختیار ایشال پر جم گئیں۔

اس سوال پر مومنہ اور صفا کے چہروں پر ناگواری نمایاں ہو گئی۔ احمد اور عریشہ شدید شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔ دونوں نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

سیف نے سکون سے ایک نوالہ نگلا، پھر بغیر کسی جھجک کے بولا۔

جس دن میں یونیورسٹی چھوڑ کر واپس آیا تھا، اسی دن مجھے معلوم ہوا تھا۔

مومنہ اور صفا نے ایک ساتھ سیف کی طرف دیکھا۔ سیف نے اپنے برابر بیٹھی مومنہ کی طرف محبت بھری نظر ڈالی۔

مگر میرے دل میں جس کے لیے محبت تھی، اللہ نے اسی کو میرے نصیب میں لکھ دیا اور میں اپنے کریم پروردگار کا بے حد شکر گزار ہوں۔

مومنہ کے لبوں پر بھی بے اختیار ایک نرم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

ایشال کے سینے میں جیسے آگ سی بھڑک اٹھی۔

صفا نے اس کا چہرہ دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ ماحول میں چھائی خاموشی کو توڑتے ہوئے مومنہ نے نوالہ لیتے ہوئے کہا۔

سیف، میں سوچ رہی تھی کہ آج رات ہم گھڑ سواری کرنے چلیں۔

جی، بالکل، ہم رات کو جائیں گے۔ سیف نے مسکراتے ہوئے فوراً جواب دیا۔

ایشال نے بے اختیار مومنہ کو دیکھا۔ اسے ہرگز توقع نہیں تھی کہ مومنہ اس قدر سکون اور اعتماد سے بات کرے گی۔ اس کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

احمد نے آہستہ سے سر اٹھایا اور خاموش نظروں سے ایشال کو دیکھا۔

سب خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔

رات اپنی خاموش چادر اوڑھ چکی تھی۔ آسمان پر بے شمار ستارے جگمگا رہے تھے، جبکہ آدھا چاند اپنی مدھم روشنی زمین پر بکھیر رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا درختوں کی شاخوں کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی۔

سیف اصطبل سے سفید گھوڑے کی لگام تھامے اسے باہر لے آیا۔

مومنہ آہستہ سے اس کے قریب گئی اور گھوڑے کی گردن پر نرمی سے ہاتھ پھیرا۔

گھوڑا بالکل پرسکون کھڑا رہا، جیسے وہ بھی اسے پہچانتا ہو۔

لگتا ہے اسے آپ سے بہت محبت ہے۔ سیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آخر میں، اس کی مالکن ہوں۔ مومنہ نے ہلکی سی شوخی سے جواب دیا۔

سیف مسکرا دیا۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ ڈیرے سے باہر نکلتے ہی مومنہ نے مڑ کر دروازہ بند کیا، پھر دوبارہ سیف کے ساتھ آملی۔

چلے بیٹھیں۔۔۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

نہی، ہم بس ایسے ہی چلتے ہیں۔

لیکن کیوں؟

روڈ پر جا کر بیٹھ جاؤں گی۔ ابھی تھوڑی دیر پیدل چلتے ہیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

جیسے آپ کی مرضی۔ سیف نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

دونوں خاموشی سے کچے راستے پر چلنے لگے۔ سیف کے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام تھی، جبکہ دوسرے ہاتھ میں مومنہ کا ہاتھ۔ ہلکی ہلکی مٹی ان کے قدموں سے اڑ کر ان کے پاؤں کو چھو رہی تھی، مگر انہیں اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ اس لمحے میں اس قدر مگن تھے کہ جیسے دنیا میں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور موجود ہی نہ ہو۔

سیف، آپ مجھے ایک بات بتائیں؟

سیف نے چاندنی میں اس کی طرف دیکھا۔ مومنہ کے ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری۔

آپ پر اور کتنی لڑکیاں مرتی ہیں؟

سیف بے اختیار مسکرا دیا۔

مجھے نہیں معلوم اور اس بات کا جواب میں کیسے دوں؟ اس نے نرمی سے کہا۔

مجھ سے جھوٹ نہیں بولے۔ مومنہ نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

سیف ہنس پڑا۔
میں کسی کے دل میں تو نہیں جھانک سکتا۔
اچھا، یہ تو معلوم ہوگا کہ آپ کتنی لڑکیوں پر مرتے ہیں؟ اس نے آنکھیں ذرا سی سکیڑتے ہوئے پوچھا۔
سیف نے ایک لمحے کے لیے قدم روکے۔ پھر محبت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
میرا دل تو بس آپ پر مرتا ہے۔
مومنہ کے دل میں جیسے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی، مگر اس نے فوراً اپنے چہرے کے تاثرات سنبھال لیے۔
چند لمحوں بعد اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔
اچھا، میرا موبائل دیں، میں سنیپ بناتی ہوں۔
آپ کا موبائل تو میرے پاس نہیں ہے۔ سیف نے معصومیت سے اسے دیکھا۔
مومنہ فوراً رک گئی۔
سیف، میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرا موبائل اٹھا لیں۔
مجھے، یاد نہیں رہا۔ سیف نے ہلکے سے افسوس کے ساتھ کہا۔
اف، سیف۔ مومنہ نے بے بسی سے ماتھے پر ہاتھ مارا۔
چلیں، پھر آپ اپنا موبائل دے۔
میرے موبائل میں واٹس ایپ کے علاوہ اور کوئی ایپ نہیں ہے۔
اب گھر جا کر سب سے پہلے، میں آپ کے موبائل میں ساری ایپس ڈاؤن لوڈ کروں گی۔
ٹھیک ہے۔ سیف نے معصوم سا منہ بنایا۔
وہ سڑک پر آ گئے۔
سیف کے قدم اچانک رک گئے تو مومنہ بھی اس کے ساتھ رک گئی۔ اگلے ہی لمحے سیف نے پہلے کی طرح اچانک مومنہ کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔
سیف۔۔۔
مومنہ گھبرا سی گئی۔ اس نے بے اختیار اس کی قمیض مضبوطی سے پکڑ لی۔

سیف نے مسکراتے ہوئے نہایت احتیاط سے اسے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ مومنہ نے فوراً گھوڑے کی ایال مضبوطی سے تھام لی۔

پھر سیف خود بھی اس کے پیچھے سوار ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا دھیمی رفتار سے چلنے لگا۔

مومنہ کا دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ رات کی ٹھنڈی ہوا بار بار اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔

گھوڑے کے سموں کی آواز سنسان سڑک پر گونج رہی تھی۔ دونوں جانب نہر اور لمبے لمبے درخت تھے، جن کی وجہ سے فضا میں خوشگوار ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی۔

سیف نے گھوڑے کی رفتار کچھ اور تیز کر دی۔ ٹھنڈی ہوا کے باعث دونوں کی ناک ہلکی سرخ ہونے لگی۔ درختوں کی شاخوں سے چھن کر آتی چاندنی کبھی ان کے چہروں پر پڑتی، تو کبھی گھنے پتوں میں گم ہو جاتی۔

دونوں کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ تھی۔ مومنہ نے آہستہ سے اپنے دونوں بازو پھیلا دیے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ہوا اس کے وجود سے لپٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے کناروں پر نمی اتر آئی۔

کچھ دیر بعد وہ نہر کے پل کے قریب پہنچ گئے۔ سیف نے گھوڑے کی رفتار آہستہ کر دی۔ پل کے ساتھ بائیں جانب ایک کھلی سی جگہ تھی، جہاں ایک پرانا اور گھنا درخت کھڑا تھا۔

سیف نے گھوڑے کو وہیں روک دیا۔ وہ پہلے خود نیچے اترا، پھر احتیاط سے مومنہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

مومنہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔ سیف نے نرمی سے اسے نیچے اتارا۔ زمین پر قدم رکھتے ہی مومنہ چند قدم آگے بڑھی اور بہتے ہوئے پانی کو دیکھنے لگی۔

نہر کا پانی تیز رفتاری سے بہہ رہا تھا۔ اس کے بہاؤ کی آواز اردگرد پھیلی خاموشی میں ایک عجیب سا سکون گھول رہی تھی۔

مومنہ نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی، جیسے وہ اس لمحے کو اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتی ہو۔

سیف نے گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا مومنہ کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا۔

مومنہ نے آنکھیں کھولیں اور مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

یہ سب کتنا خوبصورت ہے۔

بالکل، آپ کی طرح۔۔۔ سیف نے فوراً سے کہا۔

مومنہ بے اختیار ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی سن کر سیف بھی مسکرا دیا۔

اسی دوران مومنہ کی نظر درخت کے نیچے بنی ایک چھوٹی سی چار دیواری پر پڑی۔
سیف، یہ کیا ہے؟ اس نے تجسس سے پوچھا۔
سیف نے بھی ادھر دیکھا۔
یہ نماز پڑھنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس نے نرمی سے جواب دیا۔
مومنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اس کی نظر سڑک کی دوسری جانب ہونے والے تعمیراتی کام پر گئی۔
یہ کیا بن رہا ہے؟ اس نے غور سے پوچھا۔
چڑیا گھر۔ سیف نے مختصر سا جواب دیا۔
چڑیا گھر؟ مومنہ نے حیرت سے دہرایا۔
بورڈ تو یہی بتا رہا ہے۔ اس نے سڑک کے کنارے لگے بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔
مومنہ نے بھی بورڈ کو دیکھا۔
یہ مکمل کب ہوگا؟
معلوم نہیں۔
مومنہ دوبارہ نہر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ پل کی دیوار پر اپنے دونوں بازو رکھ کر بہتے ہوئے پانی کو دیکھنے لگی۔
سیف، آپ کو براؤن رنگ ہی کیوں پسند ہے؟ چند لمحوں بعد اس نے اچانک پوچھا۔
سیف بھی اس کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے نہر کے بہتے پانی کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
کیونکہ میری امی کو براؤن رنگ پسند تھا۔
اور انہیں براؤن رنگ کیوں پسند تھا؟
کیونکہ میری آنکھیں براؤن ہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
مومنہ فوراً اس کے قریب آگئی۔
ذرا میری طرف دیکھیے۔ وہ تجسس سے بولی۔
سیف نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
مومنہ نہایت غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔
سیف کو اس کی معصوم حرکت پر ہنسی آرہی تھی، مگر وہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک رہا تھا۔

ہاں، یہ تو واقعی براؤن ہیں۔
وہ کہتے ہوئے دوبارہ دیوار کے سہارے کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آدھا چاند خاموشی سے آسمان پر جگمگا رہا تھا اور اس کی دودھیا روشنی نہر کے پانی پر بکھر رہی تھی۔ رات اپنی خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ صرف بہتے پانی کا شور، درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ اور ان دونوں کی دھیمی آوازیں اس سکوت کو توڑ رہی تھیں۔
سیف، آپ کو چاند پسند ہے؟ اس نے نظریں آسمان پر جمائے پوچھا۔
جی، بہت زیادہ۔۔۔
سیف نے آہستہ سے جواب دیا۔
ہر عاشق اپنے محبوب کو چاند سے تشبیہ دیتا ہے۔ کیا میں بھی آپ کا چاند ہوں؟ اس نے سوال کرتے ہوئے سیف کی آنکھوں میں دیکھا۔
نہیں۔ سیف نے بغیر توقف کے جواب دیا۔
مومنہ کے ماتھے پر فوراً شکنیں ابھر آئیں۔
میرے لیے، صفا میرا چاند ہے۔ اس نے نرمی سے کہا۔
اور میں۔۔۔؟ مومنہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
آپ، ایک خوبصورت تتلی کی طرح ہیں۔
مومنہ نے بے اختیار اپنی کلائی میں پہنی بریسلیٹ کی طرف دیکھا۔ وہی تتلی والی بریسلیٹ جو سیف نے اسے دی تھی۔
سیف خاموشی سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔
اچانک مومنہ کو صفا کی چاند والی بریسلیٹ یاد آگئی۔ اس نے فوراً سر اٹھا کر سیف کو دیکھا۔
آپ تتلیوں کی طرح خوبصورت ہیں۔ ان کی طرح آپ کے اندر بے شمار رنگ ہیں اور ان کی طرح آزاد ہیں۔
سیف کی آنکھیں اپنے لفظوں کی سچائی بیان کر رہی تھیں۔
مومنہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا دل آہستہ آہستہ پگھلتا جا رہا ہے۔
اسی لیے آپ نے صفا کو چاند والی اور مجھے تتلی والی بریسلیٹ دی تھی؟
سیف نے نرمی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اللہ۔۔۔ مومنہ بے اختیار خوشی سے بول اٹھی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھی اور پیار سے سیف کے دونوں گال کھینچے۔ سیف ہنس پڑا اور اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیے۔ سیف کے گال ہلکے سے سرخ ہو گئے تھے۔

سیف، آپ کتنے اچھے ہیں۔ وہ معصوم سا منہ بنا کر بولی۔

آپ سے زیادہ نہیں۔۔۔

سیف، آپ میرا نام کیوں نہیں لیتے؟

وہ کہتے ہیں نا کہ محبت سے پہلے احترام ضروری ہے اور میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔

مومنہ نے دونوں ہاتھ اپنے گال پر رکھ لیے۔

سیف، آج آپ مجھے خوشی سے مار دیں گے یا میں آج خوشی سے پاگل ہو جاؤں گی۔

اس کی بات پر سیف بے اختیار ہنس دیا۔

مومنہ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے آسمان کی وسعت کو دیکھ رہے تھے۔ چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور اس کی روشنی میں نہر کا پانی چاندی کی طرح دمک رہا تھا۔

سیف، میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ صفا کتنی خوش قسمت ہے۔

کہ اس کا بھائی، اس کا کتنا خیال رکھتا ہے۔ اسے ہر چیز سکھاتا ہے۔

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئی۔

جس دن صفا، فہد بھائی کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہوئی تھی، اگر اس کی جگہ میں ہوتی تو شاید کبھی اتنی مضبوطی سے کھڑی نہ ہو پاتی۔

وہ واقعی بہت خوش قسمت ہے۔

سیف خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

میں جب، آپ کے بارے میں یہ سب ہارون بھائی اور ارحم کو بتاتی تھی تو وہ کہتے تھے کہ ہم ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں، مگر فہد بھائی والے واقعے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ بعض اوقات صرف ساتھ ہونا کافی نہیں ہوتا، آپ کو خود بھی کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

انہوں نے مجھے ہمیشہ بہت محبت دی، میری ہر خواہش پوری کی، میرا خیال رکھا، مگر جس طرح آپ نے صفا کو اپنے لیے لڑنا سکھایا، وہ کسی نے مجھے نہیں سکھایا۔

یہ کہتے ہوئے اس نے آہستہ سے اپنا سر سیف کے کندھے پر رکھ دیا۔

سیف نے بھی محبت سے اپنا سر اس کے سر سے ٹکا دیا۔ ان دونوں کی نظریں نہر کے بہتے پانی پر تھیں، جس کے دوسری طرف لہلہاتی فصلیں چاندنی میں نہا رہی تھیں۔

ہر انسان کی سوچ مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے ہم ہارون بھائی یا ارحم کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔ انہوں نے اپنی سمجھ کے مطابق ہمیشہ وہ کیا جو ان کو بہتر لگا۔ سیف نے نرمی سے کہا۔

میں انہیں کسی بات کا قصوروار نہیں ٹھہرا رہی، بس اپنے احساسات بیان کر رہی ہوں۔

آپ فکر نہ کریں، آپ جو سیکھنا چاہیں گی، میں آپ کو سب سکھاؤں گا۔

سیف نے اس کا ہاتھ تھوڑا مضبوطی سے تھاما۔ اس کی آواز میں ہمیشہ کی طرح نرمی، یقین اور اپنائیت تھی۔

مومنہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔

دونوں نے ایک ساتھ گہری سانس لی۔ وہ دونوں چاند کی روشنی میں ایک ساتھ چمک رہے تھے۔ اس خاموش رات میں، بہتی نہر، ٹھنڈی ہوا اور چاندنی، ان دونوں کی خاموش خوشیوں کی گواہ بنی ہوئی تھی۔

✦ ✦ ✦

مومنہ اور صفا کچن میں ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھی باتیں تھیں۔ کچن میں سکون پھیلا ہوا تھا۔

آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔

مومنہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ اس کے لہجے میں تھکن صاف محسوس ہو رہی تھی۔

کیوں؟ کیا ہوا؟

صفا نے فوراً تشویش سے پوچھا۔

صبح سے بار بار چکر آرہے ہیں، سمجھ نہیں آرہی کیوں۔

اسی لمحے زویا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی۔ وہ سیدھی صفا کے پاس آکر رک گئی۔

آپی، میاؤں کا دودھ؟ اس نے معصومیت سے پوچھا۔

میاؤں کہاں ہے؟ صفا نے فوراً سے پوچھا۔

اوپر۔۔۔ زویا نے جواب دیا۔

اچھا، ابھی چلتے ہیں۔

نہیں، ابھی جانا ہے۔ زویا نے ضد کرتے ہوئے صفا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اچھا، زویا۔۔۔ صفا کرسی سے اٹھی۔

میں بھائی کو کال کرتی ہوں، وہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائے گے۔ وہ کہتے ہوئے فریج کھول کر ایک چھوٹے برتن میں دودھ ڈالنے لگی۔

زویا پلٹ کر کچن سے باہر جانے لگی۔

زویا، آپی کے ساتھ جانا۔ مومنہ نے پیچھے سے آواز دی۔

صفا نے بھی ایک نظر دروازے کی طرف دیکھا، مگر زویا مومنہ کی آواز سنے بغیر ہی باہر جا چکی تھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی چھت پر پہنچ گئی۔ سیڑھیوں سے کچھ فاصلے پر، دیوار کے ساتھ ایک ننھا سا بلی کا بچہ گول ہو کر بیٹھا تھا۔

میاوں۔۔۔

زویا کو دیکھتے ہی اس نے ہلکی سی آواز نکالی۔

زویا کے چہرے پر فوراً خوشی پھیل گئی۔ وہ دوڑ کر اس کے قریب بیٹھی اور محبت سے اس کی پیٹھ سہلانے لگی۔

میرا پیارا میاؤں۔۔۔ وہ معصوم سی آواز میں بولی۔

دوسری طرف، برابر والی چھت پر فہد ٹہل رہا تھا۔ اتفاقاً اس کی نظر زویا پر پڑی۔ وہ آہستہ آہستہ دیوار کے قریب آیا اور خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

زویا پوری طرح بلی کے بچے میں مگن تھی۔ اسے اندازہ بھی نہ تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

فہد کے ذہن میں اپنی بے عزتی کا منظر ایک بار پھر تازہ ہو گیا۔ اس کے جبڑے بھینچ گئے۔ آنکھوں میں نفرت اور انتقام کی سرخی اتر آئی۔ اس نے ایک نظر ارد گرد ڈالی۔ وہاں پر کوئی موجود نہیں تھا۔

اس نے گہرا سانس لیا، پھر دیوار پر ہاتھ رکھا اور ایک ہی جھٹکے میں دیوار پھلانگ کر عبدالرحمن ہاؤس کی چھت پر آ گیا۔ اس کے قدم نہایت آہستگی سے زویا کی طرف بڑھ رہے تھے۔

زویا اب بھی بلی کے بچے کو پیار کر رہی تھی۔

اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ زویا چونک کر پلٹی۔ سامنے فہد کو دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ خوف سے پیچھے ہٹنے ہی لگی تھی کہ فہد نے جھپٹ کر اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

زویا کی گھبراہٹ چیخ میں بدلنے لگی۔

مگر فہد نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی چیخ حلق ہی میں دب کر رہ گئی۔

زویا بری طرح تڑپنے لگی۔ وہ پوری طاقت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھ فہد کے بازوؤں پر پڑ رہے تھے، ٹانگیں بے چینی سے حرکت کر رہی تھیں، مگر فہد کی گرفت پتھر کی طرح مضبوط تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی رحم، کوئی نرمی، کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ صرف غصہ اور انتقام۔ اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو چکی تھیں۔

زویا کا سانس رکنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا جبکہ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

ننھا سا بلی کا بچہ یہ منظر دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ وہ فوراً آگے بڑھا اور اپنی ننھی ننھی پنجوں سے فہد پر جھپٹنے لگا، جیسے اپنی ننھی سی مالکن کو بچانا چاہتا ہو۔

فہد نے جھنجھلا کر اسے گردن سے پکڑا۔ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس نے اسے زور سے اوپر اٹھایا اور اگلے ہی لمحے پوری قوت سے چھت سے نیچے پھینک دیا۔

بلی کے بچے کی ہلکی سی آواز گونجی اور پھر بند ہو گئی۔

اسی دوران فہد کی گرفت ذرا سی ڈھیلی پڑی تو زویا نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا، مگر اگلے ہی لمحے اس نے دوبارہ اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ اس کی انگلیاں پھر زویا کے منہ اور ناک پر جم گئیں۔ زویا کا سانس ایک بار پھر رکنے لگا۔

صفا، جو دودھ کا برتن ہاتھ میں لیے ابھی سیڑھیوں پر قدم رکھ ہی رہی تھی، اس کی نظر سامنے کے منظر پر پڑی۔

زویا۔۔۔

اس کے منہ سے چیخ نکلی اور اس کے ہاتھ سے دودھ والا برتن چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔

اچانک فضا میں ایک تیز چیخ نما آواز گونجی۔

فہد نے چونک کر آسمان کی طرف دیکھا۔

رنگ برنگے پروں والا مکاؤ اپنے پر پوری طرح پھیلائے نہایت تیز رفتاری سے اس کی طرف جھپٹ رہا تھا۔ اس کے پنجوں کا سیدھا نشانہ فہد کی آنکھیں تھیں۔

فہد عین وقت پر ایک قدم پیچھے ہٹا، جس کی وجہ سے مکاؤ کے پنجے اس کی آنکھوں کی بجائے اس کی بھنوؤں کے اوپر لگے۔ اس کے چہرے پر فوراً خون کی باریک لکیریں ابھر آئیں۔ اگر وہ ایک لمحہ بھی دیر کر دیتا تو شاید اس کی آنکھیں شدید زخمی ہو جاتیں۔

اسی لمحے زویا اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔

صفا دوڑتی ہوئی اس تک پہنچی اور فوراً اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ زویا بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس کی ہچکیوں بھری سسکیاں فضا میں گونج رہی تھیں۔

مکاؤ مسلسل فہد پر حملے کر رہا تھا۔ کبھی اپنے پنجوں سے وار کرتا، کبھی اپنی چونچ سے اس کے سر پر ضرب لگاتا۔

فہد نے جھنجھلا کر اپنا چہرہ بچایا اور جلدی سے دیوار پھلانگ کر واپس اپنے گھر کی چھت پر جا پہنچا۔ مکاؤ اب بھی اس کے پیچھے تھا۔

صفا نے ایک لمحے کے لیے فہد کے خون آلود چہرے کو دیکھا، پھر زویا کو مضبوطی سے سینے سے لگایا اور تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

زویا کے رونے کی آواز سن کر مومنہ فوراً کچن سے باہر نکلی۔ اس نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا تو صفا گھبرائی ہوئی حالت میں زویا کو اٹھائے نیچے اتر رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔

جیسے ہی وہ نیچے پہنچی، مومنہ نے فوراً زویا کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ وہ دونوں جلدی سے کچن میں داخل ہو گئیں۔

صفا کے ہاتھ اب بھی لرز رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

زویا مسلسل سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔ اس کا ننھا سا وجود خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا۔

مومنہ نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور نرمی سے اس کی پیٹھ سہلانے لگی۔

صفا نے کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس میں پانی ڈالا اور خاموشی سے مومنہ کی طرف بڑھا دیا۔

مومنہ نے زویا کو اپنی گود میں بٹھایا اور نرمی سے پانی پلانے کی کوشش کی، مگر زویا نے فوراً اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ ایک گھونٹ بھی نہ پی سکی۔ مومنہ نے گلاس واپس میز پر رکھ دیا اور دوبارہ اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

زویا کے رونے کی آواز سن کر مریم بھی جلدی سے کچن میں آ گئی۔ زویا کی حالت دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ فوراً مومنہ کے قریب آئی۔

مومنہ نے خاموشی سے زویا کو اس کی گود میں دے دیا۔

مریم نے اسے مضبوطی سے اپنے ساتھ لگا لیا اور آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے پورے کچن میں چہل قدمی کرنے لگی تاکہ وہ پرسکون ہو جائے۔

صفا خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اس کے ذہن میں ابھی تک چند لمحے پہلے کا منظر گردش کر رہا تھا۔

مومنہ بار بار صفا کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل میں بے شمار سوال تھے، مگر وہ جانتی تھی کہ اس وقت سوال کرنے کا وقت نہیں تھا۔

کچھ لمحوں بعد زویا کی زور سے کھانسنے کی آواز آئی۔ مریم نے فوراً اسے سیدھا کیا اور نرمی سے اس کی پیٹھ سہلائی۔ کافی دیر تک وہ سسکیوں کے ساتھ روتی رہی۔ بڑی مشکل سے اس کا رونا تھما۔ جب وہ کچھ پرسکون ہوئی تو مریم نے دوبارہ اسے پانی پلایا۔

اس بار زویا نے خاموشی سے چند گھونٹ پانی پی لیے۔

مریم اسے اپنی گود میں لیے کرسی پر بیٹھ گئی۔ زویا نے فوراً اپنا چہرہ مریم کے سینے میں چھپا لیا، جیسے وہ اب بھی خوف سے باہر نہ نکل پائی ہو۔

کچن میں گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

زویا، مریم کی گود میں ہی سو چکی تھی۔ اس کی سانسیں ابھی بھی بے ترتیب تھیں اور کبھی کبھار نیند میں اس کے ہونٹ ہلکے سے کانپ جاتے تھے۔

صفا، کیا ہوا تھا اسے؟

مریم نے خاموشی توڑی اور نہایت نرمی سے پوچھا۔

صفا نے گہرا سانس لیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار ابھی تک واضح تھے۔

میں دودھ نکال رہی تھی، مگر یہ مجھ سے پہلے ہی اوپر چلی گئی تھی۔ صفا کی آواز دھیمی تھی۔

مومنہ نے اسے روکا تھا، کہا تھا کہ آپی کے ساتھ جانا۔

جب میں اوپر پہنچی تو فہد۔۔۔

وہ ایک لمحے کے لیے رک گئی۔

مومنہ اور مریم کے دل جیسے ایک ساتھ دھڑکنا بھول گئے۔

فہد اس کا سانس روک کر، اسے مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔
مومنہ نے بے اختیار اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ مریم تو جیسے ساکت ہی رہ گئی۔ اس کے ہاتھ بے اختیار زویا کے سر پر رک گئے۔
کسی کے پاس ایک لفظ بھی نہ تھا۔
کچھ دیر بعد وہ تینوں زویا کو لے کر کمرے میں آگئیں۔ مریم نے نہایت احتیاط سے زویا کو بیڈ پر لٹا دیا۔ نیند میں بھی اس کے لبوں سے ایک ہلکی سی سسکی نکلی۔
مریم فوراً اس کے قریب بیٹھ گئی اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔
مومنہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی، جبکہ صفا کمرے سے باہر نکل آئی۔
کمرے سے نکلتے ہی اس کی نظر صحن میں پڑی۔
زمین پر، بلی کا ننھا سا بچہ پڑا تھا۔
صفا گھبرا کر اس کی طرف بڑھی۔ اس کے اردگرد خون پھیلا ہوا تھا۔ صفا کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔
کانپتے ہاتھوں سے اس نے بلی کے بچے کے نرم بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ وہ مر چکا تھا۔
صفا کی آنکھیں نم تھیں۔
اسی لمحے سیف باہر سے گھر میں داخل ہوا۔ صحن میں صفا کو اس حالت میں بیٹھا دیکھ کر وہ فوراً رک گیا۔ اس کی نظر زمین پر پھیلے خون پر پڑی تو وہ تیزی سے صفا کے پاس آیا اور اس کے برابر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔
صفا۔۔۔
سیف نے اس کا نام لیا۔
صفا نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ سیف کی نظر بلی کے مردہ بچے پر گئی۔
یہ، سب کیسے ہوا؟ اس نے آہستہ سے پوچھا۔
صفا نے اسے پوری بات بتا دی۔
ایک ایک لفظ کے ساتھ سیف کے چہرے کا رنگ بدلتا چلا گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں فکر، غصہ اور بے بسی ایک ساتھ اتر آئے۔

وہ فوراً اٹھا اور تیز قدموں سے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

صفا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا، پھر نہایت احتیاط سے بلی کے بچے کو اپنی بانہوں میں اٹھایا۔ وہ اسے اندر لے آئی اور زمین پر ایک صاف کپڑے پر لٹا دیا، پھر فوراً اختر کو فون ملانے لگی۔

سیف نے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔

مریم نے اسے دیکھا تو خاموشی سے اپنا دوپٹہ درست کیا اور ایک طرف ہو گئی۔

سیف سیدھا بیڈ کے قریب آیا۔ اس کی نظریں زویا کے معصوم چہرے پر ٹھہر گئیں۔ رونے کے نشانات اب بھی اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

سیف کا دل بری طرح کٹ گیا۔ اس نے نہایت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر آہستہ سے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر تشویش ابھر آئی۔

اسے تو بخار ہو رہا ہے۔ اس نے فکر بھرے لہجے میں کہا۔

اسے ہسپتال لے کر چلتے ہیں۔ سیف نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ مومنہ نے فوراً کہا۔

میں گاڑی نکالتا ہوں۔ اتنا کہہ کر سیف تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

مریم بے چینی سے زویا کے قریب آئی اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ ماتھا تپ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فکر نمایاں ہو گئی۔

مریم، پریشان نہ ہوں، دوا مل جائے گی تو یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ مومنہ نے نرمی سے اسے تسلی دی۔

مریم نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

مومنہ نے زویا کو احتیاط سے اپنی بانہوں میں اٹھایا اور باہر آ گئی۔ سیف پہلے ہی گاڑی اسٹارٹ کیے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ مومنہ کو آتے دیکھ کر وہ فوراً باہر نکلا، گاڑی کا دروازہ کھولا اور زویا کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ پھر مومنہ کے بیٹھنے کے بعد زویا دوبارہ اس کی گود میں دے دی۔

چند لمحوں بعد گاڑی ہسپتال کی جانب رواں تھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ ہسپتال پہنچ گئے۔

زویا نیم غنودگی میں تھی۔ سیف نے اسے نرمی سے اٹھایا اور تینوں ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہو گئے۔

ڈاکٹر نے زویا کا چیک اپ کیا اور پھر میڈیسن لکھ دی۔
گھبرانے کی ضرورت نہیں، معمولی بخار ہے۔ دوا سے جلد ٹھیک ہو جائے گی۔
اسی دوران زویا کی آنکھ کھل گئی۔ سامنے سیف کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ رونے لگی۔
اوہ، نہیں میری گڑیا، رونا نہیں۔
سیف نے پیار سے اس کے آنسو صاف کیے اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔
میری طبیعت بھی آج کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ دل گھبرا رہا ہے اور ایک دو مرتبہ چکر بھی آیا تھا۔ مومنہ نرمی سے کہا۔
آپ بھی ذرا چیک اپ کروا لیں۔
مومنہ چیک اپ کے لیے بیڈ پر لیٹ گئی۔ چند منٹ بعد ڈاکٹر اپنی کرسی پر واپس آکر بیٹھ گئیں۔
مومنہ بھی واپس آکر بیٹھ گئی۔
مبارک ہو، آپ ایکسپیکٹ کر رہی ہیں۔
ڈاکٹر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
ایک لمحے کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔
سیف اور مومنہ نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر دونوں کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی۔
ان کا دل زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ پریشانی بل بھر میں دور ہو گئی۔ سیف نے فوراً مومنہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی صاف جھلک رہی تھی، مگر وہ اپنے جذبات کو لفظوں میں بیان نہیں کر پا رہا تھا۔
یہ دوائیں وقت پر استعمال کیجیے اور اپنا بہت خیال رکھیے۔ بچے کی صحت کے لیے آرام اور اچھی غذا بہت ضروری ہے۔
ڈاکٹر نے چند دوائیں لکھتے ہوئے کہا۔
جی۔۔۔ مومنہ نے ممنونیت سے کہا۔
وہ دونوں باہر آ گئے۔ سیف نے ابھی تک مومنہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔
میں بہت خوش ہوں۔
میں بھی۔۔۔
مومنہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد وہ سب گھر واپس پہنچ گئے۔

سب لوگ صفا کے کمرے میں جمع تھے۔ سیف اور مومنہ اندر داخل ہوئے تو سب کی نظریں بے اختیار ان پر جم گئیں۔

سیف آگے بڑھا اور زویا کو صفا کی گود میں دے دیا، جبکہ مومنہ نے دوا اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

ڈاکٹر نے کہا ہے کہ فکر کی کوئی بات نہیں، دوا لینے سے زویا جلد ٹھیک ہو جائے گی۔

مریم نے سکون کا سانس لیا اور ہلکا سا مسکرا دی۔ زویا کی نظریں مسلسل مومنہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔

تبھی خدیجہ بیگم نے محبت سے دونوں بازو پھیلائے۔

میری دھیئے، میرے کول آ۔

زویا فوراً ان کی طرف چلی گئی۔ خدیجہ بیگم نے اسے سینے سے لگا لیا، اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور ماتھے پر بوسہ دیا۔

دادی، میں گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔

عریشہ نے مدھم آواز میں کہا۔

اس کی بات سنتے ہی کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سب کی نظریں بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئیں۔

کیا ہم میں سے کسی نے کچھ کہا ہے؟ سیف نے نرمی سے پوچھا۔

کوئی دقت ہے تو مجھے بتاؤ؟

عریشہ نے ایک لمحے کے لیے سیف کی طرف دیکھا، پھر دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

نہیں بھائی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

پھر اچانک واپس جانے کا کیوں کہہ رہی ہو؟ صفا نے اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

عریشہ نے نظریں جھکا لیں۔ کمرے میں موجود ہر شخص اس کے لیے پریشان ہونے لگا۔

فہد بھائی کو میری ضرورت ہوگی۔ عریشہ لرزتی آواز میں بولی۔

وہ جیسے بھی ہیں، آخر میرے بھائی ہیں۔

یہ کہتے ہی اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

نئیں، تُوں کِتھے وی نئیں جاویں گی۔ خدیجہ بیگم نے فوراً دوٹوک لہجے میں کہا۔

دادی۔۔۔
عریشہ ان کے قریب آگئی۔
مجھے جانے دیں۔ بھائی کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں اور ابو بھی وہاں اکیلے ہیں۔
خدیجہ بیگم خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ پھر محبت سے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھا۔
دھیاں نوں ایویں تھوڑی رحمت آکھیا جاندا اے۔ ان کی آواز نمی سے بھری ہوئی تھی۔
عریشہ نے نم آنکھوں کے ساتھ سیف کی طرف دیکھا۔
بھائی سیف، آپ نے احمد بھائی، ایشال اور میرا جس طرح خیال رکھا، میں ہمیشہ آپ کی شکر گزار رہوں گی۔
کیا کوئی اپنے بہن بھائیوں پر احسان کرتا ہے؟ سیف ہلکا سا مسکرایا۔ اس کی نرم آواز میں اپنائیت تھی۔
عریشہ بھی بے اختیار مسکرا دی۔
سیف نے آگے بڑھ کر محبت سے اس کی ٹھوڑی اوپر کی۔
یہ گھر تمہارا اپنا ہے۔ اس کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔
عریشہ نے بھیگی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا اور جانے لگی۔
عریشہ۔۔۔
سیف کی آواز پر وہ رک گئی۔
ادھر آؤ، تمہیں ایک خوش خبری سنانی ہے۔
سب کی نظریں اب سیف پر تھیں۔
عریشہ واپس آئی تو سیف نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر ایک نظر کمرے میں موجود سب لوگوں پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے بولا۔
تم پھوپھو بننے والی ہو۔
ایک لمحے کے لیے عریشہ جیسے حیرت سے ساکت رہ گئی۔
کمرے میں موجود سب لوگ مومنہ کو دیکھنے لگے۔ پھر عریشہ نے بھی فوراً مومنہ کی طرف دیکھا۔
مومنہ شرماتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ عریشہ کے چہرے پر خوشی کی چمک پھیل گئی۔
سچ؟ اس نے بے اختیار پوچھا۔

سیف نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔
عریشہ خوشی سے آگے بڑھی اور مومنہ کو مضبوطی سے گلے لگا لیا۔
بہت، بہت مبارک ہو۔ اس کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔
مومنہ نے بھی مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ چند لمحوں بعد عریشہ الگ ہوئی اور سیف کی طرف دیکھ کر بولی۔
آپ کو بھی بہت بہت مبارک ہو، بھائی۔
خیر مبارک۔ سیف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
کمرے کا اداس ماحول یکدم خوشیوں میں بدل گیا۔ ہر کوئی سیف اور مومنہ کو مبارکباد دینے لگا۔
لیکن ان تمام مسکراتے چہروں کے درمیان ایک چہرہ ایسا بھی تھا، جس کی مسکراہٹ صرف ہونٹوں تک محدود تھی۔
وہ ایشال تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر خوشی کی ایک مصنوعی مسکراہٹ سجا رکھی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں چھپی بے چینی، نفرت اور تکلیف کو غور سے دیکھنے والا آسانی سے محسوس کر سکتا تھا۔

✦ ✦ ✦

مریم کی عدت ختم ہوئے چند دن گزر چکے تھے، اسی لیے ہاجرہ بی اس سے ملنے آئی تھیں۔
خدیجہ بیگم بیڈ پر بیٹھی تھیں، جبکہ ہاجرہ بی اور مریم سامنے رکھے صوفے پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔
اسی لمحے صفا ہاتھ میں موبائل لیے کمرے میں داخل ہوئی۔
دادی۔۔۔ اس نے نرمی سے آواز دی۔
تینوں کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔
خالہ عائشہ کی کال آئی تھی۔ وہ سب کل یہاں آ رہے ہیں۔ صفا کی آواز میں خوشی تھی۔
سو بسم اللہ۔۔۔ خدیجہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اسی وقت گھر کی ڈور بیل بجی۔
میں دیکھتی ہوں۔ صفا کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔
سیف بھی دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ صفا اسے دیکھ کر ٹھہر گئی۔

سیف نے دروازہ کھولا تو سامنے برہان کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ناول تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

السلام علیکم!

وعلیکم السلام!

سیف نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا، برہان نے بھی مسکراتے ہوئے ہاتھ ملا لیا۔

کیسی طبیعت ہے؟

بالکل ٹھیک۔ آپ سنائیں؟

میں بھی الحمدللہ خیریت سے ہوں۔

برہان نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کی طرف بڑھا دی۔

میں یہ کتاب واپس کرنے آیا تھا۔

اندر آؤ۔ سیف نے راستہ چھوڑ دیا۔

برہان اندر داخل ہوا تو سیف نے دروازہ بند کیا اور دونوں آہستہ آہستہ اسٹڈی روم کی طرف بڑھنے لگے۔

ناول کیسا لگا؟

بہت اچھا تھا۔

دونوں اسٹڈی روم میں داخل ہوئے۔ برہان صوفے پر بیٹھ گیا جبکہ سیف نے کتاب واپس بک شیلف میں رکھ دی۔

تم ان میں سے کوئی اور بھی لے سکتے ہو۔

برہان نے سامنے قطار میں سجی کتابوں پر ایک نظر دوڑائی۔

ضرور۔۔۔ وہ مسکرا دیا۔

میں ابھی آیا۔ سیف کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ سیدھا کچن میں پہنچا۔ وہاں زوہا اور ایشال ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھیں جبکہ مومنہ اور صفا کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔

صفا، برہان کے لیے کچھ کھانے پینے کا انتظام کر دو۔

جی بھائی۔ صفا نے فوراً جواب دیا۔

سیف واپس اسٹڈی روم کی طرف چلا گیا۔ اسی دوران زویا بھی اپنی کرسی سے اتری اور اپنی ننھی ننھی چال سے اس کے پیچھے چل دی۔

ایشال خاموشی سے مومنہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خاموشی تھی، مگر دل کے اندر طوفان برپا تھا۔

یہ سب کیا ہو گیا۔۔۔ وہ دل ہی دل میں خود سے سوال کر رہی تھی۔

میں تو مومنہ کو سیف کی زندگی سے نکالنے والی تھی، مگر اب یہ بچہ۔۔۔

اس نے بے اختیار اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

سب کچھ تو میرے پلان کے مطابق چل رہا تھا، اچانک یہ سب کیسے بدل گیا؟

اس کی آنکھوں میں حسد اور نفرت کی چمک اتر آئی۔

آخر سیف کو اس میں ایسا کیا نظر آتا ہے۔۔۔؟ کیوں وہ آج بھی اسی سے اتنی محبت کرتا ہے؟ یہ سوچ کر اس کا دل مزید جلنے لگا۔

وہ مومنہ کو دیکھتی رہی۔

مگر، خیر یہ مرنے ہی والی ہے۔ میں نے خواب میں اس کی قبر دیکھی تھی اور وہ خواب جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بچے کو میں اپنے ہاتھوں سے ماروں گی۔

اسی خیال نے وقتی طور پر اس کے دل کو سکون دیا۔ وہ خود کو تسلی دینے لگی۔

سیف دوبارہ اسٹڈی روم میں پہنچا تو برہان اپنے لیے ایک اور ناول منتخب کر چکا تھا۔ سیف صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس نے ہاتھ بڑھایا تو برہان نے کتاب اس کے حوالے کر دی۔ سیف نے سرسری نظر سے کتاب دیکھی اور مسکرا دیا۔

یہ بھی بہت اچھا ناول ہے۔ میں خود بھی پڑھ چکا ہوں۔

کیا آپ نے یہ ساری کتابیں پڑھی ہیں؟ برہان نے حیرت سے پوچھا۔

ساری تو نہیں، مگر زیادہ تر پڑھ رکھی ہیں۔ سیف نے بک شیلف کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اتنے میں زویا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اسٹڈی روم میں داخل ہوئی۔ برہان اس کو دیکھنے لگا، جبکہ سیف اس کو دیکھ کر بے اختیار مسکرایا۔

زویا کی نظر فوراً ایک کونے میں کھڑی اپنی کالی گاڑی پر پڑی تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ وہ اس کی طرف بھاگی۔ وہ اپنی گاڑی کو بھول گئی تھی۔ وہ فوراً گاڑی پر بیٹھ گئی اور کھیلنے لگی۔

سیف نے دوبارہ برہان کی طرف دیکھا۔

چچا کی طبیعت اب کیسی ہے؟

الحمدللہ، اب کافی بہتر ہیں۔

جب میں گھر پر ہوتا ہوں تو انہیں کوئی کام نہیں کرنے دیتا، لیکن جیسے ہی میں باہر جاتا ہوں، وہ پھر کام میں لگ جاتے ہیں۔ زیادہ محنت کرتے ہیں تو طبیعت خراب ہونے لگتی ہے۔

سیف نے گہرا سانس لیا۔

میرے ابو اور دادا بھی بالکل ایسے ہی تھے۔ آرام سے زیادہ انہیں کام عزیز تھا۔ میں بہت روکتا تھا، مگر وہ میری بات کہاں مانتے تھے۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تو تھی، مگر آنکھوں میں بچھڑے اپنوں کی یاد صاف جھلک رہی تھی۔

مریم پتر، میرے کول آ۔ خدیجہ بیگم نے نہایت نرمی سے کہا۔

مریم خاموشی سے اٹھی اور آکر ان کے برابر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

میں تُہاڈے دواں نال اِک ضروری گل کرنی اے۔

خدیجہ بیگم نے ایک نظر مریم پر ڈالی، پھر ہاجرہ بی کی طرف دیکھا۔

جی دادی۔ مریم نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

خدیجہ بیگم نے ایک گہرا سانس لیا، پھر محبت سے مریم کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

تینوں پتہ اے عائشہ کل کیوں آ رہی اے؟

مریم نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

اوہ، تیرے واسطے آ رہی اے۔

خدیجہ بیگم کا چہرہ پر سکون تھا، مگر آنکھوں میں ہلکی سی سنجیدگی۔

میرے لیے؟ مریم بے اختیار چونک اٹھی۔ اس کی نظریں فوراً ہاجرہ بی کی طرف اٹھیں، مگر وہ بھی اتنی ہی حیران بیٹھی تھیں۔

ہاں، حارث تیرے نال ویاہ کرنا چاہندا اے۔ خدیجہ بیگم نے آہستہ سے کہا۔

الفاظ ختم ہوتے ہی پورا کمرہ خاموش ہو گیا۔ مریم کا دل بے قابو ہو کر دھڑکنے لگا۔ اس نے ایک نظر ہاجرہ بی پر ڈالی، پھر دوبارہ خدیجہ بیگم کی طرف دیکھا۔

کچھ لمحے یوں ہی خاموشی میں گزر گئے، پھر خدیجہ بیگم نے دھیرے سے بات آگے بڑھائی۔

حارث بڑا چنگا مُنڈا اے۔ اوہدا خاندان وی بڑا چنگا اے، اپنا کاروبار اے، تے سب توں وڈی گل ایہہ اے کہ اوہ تینوں عزت تے سکون دی زندگی دے گا۔

مریم خاموش بیٹھی رہی، مگر اس کے دل میں جیسے کوئی پرانا زخم دوبارہ تازہ ہو گیا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے وہاب کا چہرہ آیا۔ اس کی پلکیں نم ہونے لگیں۔

تینوں اک نویں زندگی مل جاوے۔ خدیجہ بیگم محبت سے بولتی رہیں۔

لیکن مریم اب کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ خدیجہ بیگم کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

میں، شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اس کی آواز روتے روتے ٹوٹ گئی۔

خدیجہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ وہ مریم کے دل کا بوجھ سمجھ سکتی تھیں۔

اور زویا، میں اسے کبھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتی۔ یہ کہتے ہی وہ جلدی سے بیڈ سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

کمرے میں گہری خاموشی اتر آئی۔ خدیجہ بیگم نے آہستہ سے نظریں جھکا لیں۔ ہاجرہ بی خاموش بیٹھی انہیں دیکھتی رہیں۔ وہ جانتی تھیں کہ مریم کے لیے یہ فیصلہ اتنا آسان نہیں تھا۔

مریم تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ بار بار اپنے آنسو صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

برہان جا چکا تھا اور سیف واپس اندر آ رہا تھا۔ سیف کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

مریم کے چہرے پر دکھ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ کمرے میں چلی گئی اور کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔

سیف اس کے پیچھے چل دیا۔ کمرے کے دروازے تک پہنچ کر اس نے آہستہ سے دستک دی۔

اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

اس نے دوبارہ دستک دی اور دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس کی نظر فوراً سامنے صوفے پر بیٹھی مریم پر پڑی۔

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ پر اس نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے اور سر اٹھایا۔

سیف کو سامنے دیکھ کر اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، مگر اس کی سرخ آنکھیں اور بھیگا ہوا چہرہ سب کچھ بیان کر رہے تھے۔

سیف خاموشی سے چلتا ہوا سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

مریم نے دوبارہ اس کی طرف نہیں دیکھا، جبکہ سیف اسے کوئی سوال کرنے کے بجائے خاموش بیٹھا رہا۔

سیف چند لمحے خاموش بیٹھا رہا۔ مریم نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، مگر اس کی سانسیں اب بھی بے ترتیب تھیں۔

کیا بات ہے، مریم؟ سیف نے نہایت نرمی سے پوچھا۔

مریم کے ضبط کا بندھن ایک بار پھر ٹوٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس کی سسکیاں خاموش کمرے میں صاف سنائی دینے لگیں۔

یہ اچھی بات نہیں ہے کہ تمہارا بھائی زندہ ہو اور تم یوں رو رہی ہو۔

مریم نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ سیف کی نظریں بدستور اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

میں دوبارہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔

سیف سمجھ گیا کہ دادی نے اس سے شادی کی بات کر لی تھی۔

میں دوبارہ وہ سب نہیں جھیل سکتی جو پہلے جھیل چکی ہوں۔ مریم نے دونوں ہاتھ مضبوطی سے آپس میں بھینچ لیے۔ اس کے لہجے میں خوف، بے بسی اور ٹوٹا ہوا اعتماد صاف محسوس ہو رہا تھا۔

سیف نے گہرا سانس لیا۔

حارث، وہاب جیسا انسان نہیں ہے۔

مریم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

تو، آپ بھی یہی چاہتے ہیں؟ اس نے بمشکل پوچھا۔

میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو۔ اگر حارث اچھا انسان نہ ہوتا تو یقین کرو، میں کبھی اس بات پر راضی نہ ہوتا۔

کیا میں آپ پر بوجھ بن گئی ہوں؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں یہ گھر چھوڑ دوں؟
سیف کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔
ایسی بات دوبارہ کبھی مت کہنا۔ اس کی آواز میں عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔
بہنیں اپنے بھائیوں پر بوجھ نہیں ہوتیں، وہ تو ان کے گھر کی رونق ہوتی ہیں۔ ان کا اپنے بھائیوں پر حق ہوتا ہے۔
مریم نے اسے دیکھا۔
میں یہ بات صرف تمہارے اور زویا کے مستقبل کے لیے کر رہا ہوں۔
مریم کے آنسو اب بھی بہہ رہے تھے، مگر وہ پوری توجہ سے سیف کی بات سن رہی تھی۔
مریم، وقت کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ یہ کب کس کے لیے بدل جائے، کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔
وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر بولا۔
تم اپنے ماضی کو دیکھو، زویا کو دیکھو۔
مریم کی نظریں جھک گئیں۔
زویا آہستہ آہستہ بڑی ہو رہی ہے۔ تم پیچھے مڑ کر دیکھو گی تو تمہیں وہ لمحہ یاد آئے گا جب تم نے پہلی بار زویا کو اپنی گود میں لیا ہوگا۔
مریم کو بے اختیار وہ لمحہ یاد آیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بے اختیار ایک اداس سی مسکراہٹ آگئی۔
سیف نے اس کی کیفیت محسوس کر لی۔
جب کبھی تم پیچھے مڑ کر دیکھو گی، تو تمہیں یوں لگے گا جیسے یہ سب کل ہی کی بات ہو۔
وقت رکتا نہیں ہے۔ ہمیں اس کے ساتھ آگے بڑھنا ہوتا ہے۔
پھر اس کی آواز میں گہرائی اتر آئی۔
جس دن تم وہاب کے گھر سے نکلی تھی، تمہیں خود بھی نہیں معلوم تھا کہ اللہ تمہارے لیے کون سا راستہ کھولنے والا ہے۔
مریم کی آنکھوں کے سامنے، گھر سے نکلنے کا منظر ایک فلم کی طرح گزرنے لگا — وہاب کو کمرے میں بند کرنا — وہاب کی ماں کے تلخ الفاظ اور نگینہ کا اس کے ہاتھ میں پیسے رکھنا۔
کبھی کبھی زندگی میں ہجرت کرنا ضروری ہو جاتا ہے، چاہے منزل تک پہنچنا کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔

مریم نے سر اٹھایا۔ اس کی نظریں سیف سے ملیں۔
سیف آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب آگیا۔ اس نے محبت سے مریم کے سر پر ہاتھ رکھا۔
تم حارث کے بارے میں سکون سے سوچ سکتی ہو۔
اگر تمہارا دل ہاں کہے، تو ہاں کر دینا۔ اگر دل ناں کہے، تو انکار کر دینا۔
تم پر کوئی زبردستی نہیں۔ یہ فیصلہ صرف تمہارا ہوگا اور ہم سب تمہارے فیصلے کا احترام کریں گے۔
مریم نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔
سیف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سر پر ایک بار پھر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور مڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔
مریم خاموشی سے وہیں بیٹھی رہی۔ اس کے آنسو اگرچہ خشک ہو چکے تھے۔

✦ ✦ ✦

آسمان پر سیاہ بادلوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ تیز ہوا مسلسل چل رہی تھی، بارش کسی بھی لمحے برسنے والی ہو۔
سیف کھیتوں کے درمیان بنی پگڈنڈی پر خاموش کھڑا فصل کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے قریب کدال رکھی تھی۔ ہوا کے جھونکے سے پورا کھیت لہروں کی طرح ہلنے لگتا۔
گاؤں کے بچے خوشی خوشی اپنے گھروں سے نکل آئے تھے۔ کوئی تیز ہوا میں دوڑ رہا تھا تو کوئی آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔
سیف نے جھک کر کدال اٹھائی اور کھیت میں پانی کی نکاسی کے لیے نالیاں بنانے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے کدال دوبارہ کندھے پر رکھی اور آہستہ آہستہ پگڈنڈی پر آگے بڑھنے لگا۔ وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ اس کی نظر سامنے کھڑے فہد پر جا ٹھہری۔
سیف کے قدم خود بخود اسی طرف بڑھ گئے۔
فہد بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ دونوں آمنے سامنے آکر رک گئے۔
سیف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جبکہ فہد کی نظریں بے چینی سے اس کے چہرے کو پڑھ رہی تھیں۔ سیف کی نظر فہد کے ماتھے پر بندھے رومال پر گئی، جس سے وہ اپنے زخم چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

فہد نے بے اختیار تھوک نگلا۔ نجانے کیوں، سیف کی خاموش مسکراہٹ اس کے دل میں عجیب سا خوف پیدا کر رہی تھی۔

سیف نے دھیرے سے اپنے کندھے سے کدال اتار کر زمین پر رکھ دی۔ تیز ہوا ان کے کپڑوں سے ٹکرا رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیا اور پرسکون لہجے میں کہا۔

میں آج تمہیں ایک کہانی سنانے آیا ہوں۔

فہد خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

سیف کی آواز میں نہ غصہ تھا، نہ نفرت، صرف عجیب سا سکون تھا۔

جو تم نے صفا کے ساتھ کیا تھا، صفا اس کا حساب تم سے برابر کر چکی ہے۔

وہ رکا۔۔۔

اور جو تم نے زویا کے ساتھ کیا، اس کا حساب میرے دوست مکاؤ نے لے لیا۔ سیف کی نظریں بدستور فہد پر جمی تھیں۔

اب، میں اپنا حساب برابر کرنے آیا ہوں۔

فہد کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے، مگر وہ خاموش رہا۔

سیف کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

میں اپنا حساب تمہیں ایک کہانی سنا کر برابر کروں گا۔

ہوا کا ایک تیز جھونکا دونوں کے درمیان سے گزرا۔

ایک عورت، جس کا نام امل تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف ایک شخص سے شادی کی۔ اس شخص کا نام عبداللہ رحمن تھا۔

نام سنتے ہی فہد کے دل میں جیسے کسی نے خنجر اتار دیا۔ اس کے چہرے کی سختی لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگی، مگر سیف بغیر رکے بولتا رہا۔

عبداللہ نے اپنے گھر والوں سے یہ شادی چھپا کر رکھی تھی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس کی ایک بیوی بھی ہے۔

فہد کی مٹھی بے اختیار بھینچ گئی۔ سیف کی آواز اب بھی ویسی ہی پرسکون تھی۔

پھر اللہ نے انہیں ایک بیٹا عطا کیا۔ دونوں اپنی چھوٹی سی دنیا میں خوش تھے۔

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا۔
لیکن پھر عبداللہ کی زندگی میں ایک اور عورت آگئی اور اس نے اپنی پہلی بیوی اور اپنے معصوم بیٹے کو تنہا چھوڑ دیا۔
یہ الفاظ سیدھے فہد کے دل میں اترتے چلے گئے۔
امل اپنے بیٹے فہد عبداللہ کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔ سیف نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
فہد کی آنکھیں پھیل گئیں۔
ان کے اپنے گھر والوں نے انہیں گھر تو دے دیا، مگر قبول کبھی نہ کر سکے۔ وہ اپنے ہی گھر میں اجنبی بن کر رہ گئی۔
ہوا اور تیز ہو گئی۔
وہ ہر روز اپنے فیصلے پر پچھتاتی تھی، مگر وقت کبھی واپس نہیں آتا۔
فہد کی سانسیں اب بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔
ادھر عبداللہ نے دوسری شادی کر لی۔ ایک نئی زندگی شروع کر لی۔
عبداللہ نے کبھی پلٹ کر یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی کہ اس کا بیٹا زندہ بھی ہے یا نہیں۔
فہد کے جبڑے سخت ہو گئے۔ اس کی آنکھوں میں غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن سیف رکا نہیں۔
وقت گزرتا گیا — پھر ایک دن امل کے گھر والوں نے فیصلہ کیا کہ اس کی دوبارہ شادی کر دی جائے۔
فہد کے چہرے پر غصے کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ سیف، وہ اس کے باپ کی زندگی کا وہ باب کھول رہا تھا، جسے برسوں سے سب نے دفن کر رکھا تھا۔
امل کے ہونے والے شوہر نے ایک شرط رکھ دی۔
وہ امل کو قبول کرنے کے لیے تیار تھا، مگر اس کے بیٹے کو نہیں۔
فہد کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے، مگر وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔
آخرکار امل مجبور ہو کر اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر عبداللہ کے گھر واپس آگئی۔ اسی دن امل نے عبداللہ کے گھر والوں کے سامنے برسوں سے چھپی ہوئی ساری حقیقت بیان کر دی۔
سیف کی نظریں اب بھی فہد پر جمی ہوئی تھیں۔
پہلے تو عبداللہ ہر بات سے انکار کرتا رہا، لیکن جب اس کے پاس کوئی راستہ نہ بچا تو اسے سب کچھ ماننا پڑا۔
فہد کی مٹھی اور زیادہ بھنچ گئی۔ سیف نے آہستہ سے اگلا جملہ کہا۔

پھر عبداللہ کی دوسری بیوی نے، اس بچے فہد پر ترس کھایا۔ اس نے اسے اپنی اولاد کی طرح سینے سے لگایا، اس کی پرورش کی، اسے ماں جیسی محبت دی۔

فہد کا صبر جواب دے رہا تھا۔

جانتے ہو، اس عورت کا نام کیا تھا؟

فہد نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس عورت کا نام ماورا تھا۔

اپنی بکواس بند کرو۔ نام سنتے ہی فہد آپے سے باہر ہو گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھا اور سیف کا گریبان پکڑ لیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو چکی تھیں۔

سیف نے پہلے فہد کے چہرے کی طرف دیکھا، پھر اپنے گریبان کی طرف اور ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس کی پر سکون مسکراہٹ فہد کے غصے کو اور بھڑکا رہی تھی۔

تم نے پوری زندگی ایک جھوٹ کے ساتھ گزاری ہے۔ سیف کی آواز میں عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

کہ تم اپنی خالہ کے بیٹے ہو۔

میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔ فہد غصے سے چیخا۔

لیکن سیف کے چہرے پر سکون ویسے ہی قائم رہا۔

کبھی سوچا، تائی امی دوسروں کے گھروں میں کیوں نہیں جاتی تھیں؟ وہ تمہیں کسی سے ملنے کیوں نہیں دیتی تھیں؟

فہد خاموش ہو گیا۔

کبھی یہ سوال خود سے کیا؟

چلو، میں ہی بتا دیتا ہوں۔ وہ سچ کو چھپانا چاہتی تھیں۔ اس نے فہد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

اور وہ کامیاب بھی رہیں۔ سب کی نظروں میں تم انہی کے بیٹے بن کر رہے۔

فہد نے پوری قوت سے سیف کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ سیف ایک قدم پیچھے لڑکھڑایا مگر وہ مسکراتا رہا۔ اس نے آہستہ سے اپنا چہرہ سیدھا کیا۔

جاؤ، اپنے باپ سے جا کر پوچھو کہ حقیقت کیا ہے۔

تم جھوٹ بول رہے ہو۔ فہد تقریباً چیخ پڑا۔

سیف نے خاموشی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹا سا کارڈ نکالا۔ اس نے کارڈ فہد کی طرف بڑھایا۔
اس پر تمہاری ماں کا پتا لکھا ہے۔
فہد کے ہاتھ بے اختیار لرز گئے۔ اس کے ہونٹ ہلے، مگر آواز نہ نکل سکی۔ آنکھوں میں پانی اتر آیا۔
سیف نے خاموشی سے وہ کارڈ اس کی شرٹ کی جیب میں رکھ دیا۔ پھر جھک کر اپنی کدال اٹھائی اور مڑ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ پگڈنڈی پر چلنے لگا۔
پیچھے فہد پتھر کے مجسمے کی طرح وہیں کھڑا رہ گیا۔ اس کی نظریں مسلسل سیف کی پشت پر جمی ہوئی تھیں۔
آسمان پر زوردار گرج سنائی دی اور اگلے ہی لمحے موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ چند لمحوں میں دونوں بھیگ گئے۔ فہد پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ وہ بس خاموش کھڑا تھا، اس کی پوری دنیا ایک ہی لمحے میں بکھر گئی ہو۔
سیف بارش میں بھیگتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ کیچڑ اس کے قدموں سے لپٹ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے خود کلامی کرنے لگا۔
مجھے معاف کرنا، فہد۔۔۔
اس کی آواز بارش میں گھل گئی۔
میں تمہیں یہ سچ کبھی نہ بتاتا، لیکن میں تمہیں تایا ابو جیسا بنتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔
اس نے ایک لمحے کے لیے قدم روکے، پھر مڑ کر پیچھے دیکھا۔ بارش کے پردے میں فہد کا وجود دھندلا ہو چکا تھا۔
وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ سیف نے گہرا سانس لیا، نظریں واپس سامنے کیں اور خاموشی سے آگے بڑھ گیا، جبکہ بارش مسلسل برس رہی تھی، جیسے آسمان بھی برسوں سے چھپے اس راز پر آنسو بہا رہا ہو۔
رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ آسمان پر اپنی چادر پھیلا رہا تھا۔ بارش تھم چکی تھی، مگر مٹی کی بھیگی ہوئی خوشبو اب بھی فضا میں رچی ہوئی تھی۔
سیف گھر واپس آیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر صحن میں ٹہلتی ہوئی مومنہ پر پڑی، جو موبائل کان سے لگائے کسی سے بات کر رہی تھی۔
اسی لمحے صفا کے کمرے سے قہقہوں اور باتوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ سیف ہلکا سا مسکرایا۔
لگتا ہے خالہ عائشہ آ گئی ہیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
مومنہ نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، پھر اپنی بات مکمل کر کے فون بند کر دیا۔

سیف کمرے میں داخل ہوتے ہی سیدھا واش روم چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ نہا کر باہر آیا۔ اس کے بھیگے ہوئے بالوں سے پانی کے قطرے اب بھی ٹپک رہے تھے۔ اس نے تولیہ بیڈ پر رکھا اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے بال سنوارنے لگا۔

مومنہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

خالہ کب آئیں؟ سیف نے آئینے میں اس کا عکس دیکھتے ہوئے پوچھا۔

شام کو ہی آگئی تھیں۔ مومنہ نے دھیرے سے جواب دیا۔

سیف نے اثبات میں سر ہلایا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔

سیف، میں ابھی اماں سے بات کر رہی تھی۔ ان کو میں نے بے بی کے بارے میں بتایا۔

سیف نے مسکراتے ہوئے آئینے سے ہی اس کی طرف دیکھا۔

وہ بہت خوش ہوئیں۔ مومنہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

سیف نے محسوس کیا کہ مومنہ کے چہرے پر وہ خوشی نہیں تھی جو ہونی چاہیے تھی اور وہ اپنے دوپٹے کے کنارے کو بے چینی سے انگلیوں میں مروڑ رہی تھی۔

سیف اس کی طرف مڑا۔

کیا بات ہے؟ اس نے نرمی سے پوچھا۔

مومنہ نے نظریں جھکا لیں۔

سیف، میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔

سیف اس کے قریب آیا۔ اس نے محبت سے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا اور اس کا چہرہ اپنی طرف اٹھایا۔

میں سن رہا ہوں۔ اس کی آواز ہمیشہ کی طرح پرسکون تھی۔

مومنہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

میں، اپنا پہلا بے بی ہارون بھائی کو دینا چاہتی ہوں۔

ان کی شادی کو کافی عرصہ ہو گیا ہے اور ان کا بے بی نہیں ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سیف کی آنکھوں میں دیکھا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

سیف نے ایک لمحہ بھی اس کی نظریں اپنے چہرے سے ہٹنے نہ دیں۔
یہ فیصلہ آپ نے اپنی خوشی سے کیا ہے؟
مومنہ نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
سیف نے دونوں ہاتھوں سے مومنہ کے ہاتھ تھام لیے۔
اگر یہ آپ کے دل کا فیصلہ ہے تو میری خوشی بھی اسی میں ہے۔
مومنہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے شاید اتنی آسانی سے جواب ملنے کی توقع نہیں تھی۔
واقعی۔۔۔؟ اس نے دھیرے سے پوچھا۔
ہمم۔۔۔ آپ کی خوشی سے بڑھ کر میرے لیے کوئی چیز نہیں۔
سیف نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔
سیف، آپ بہت اچھے ہیں۔ مومنہ نے محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔
مگر آپ سے زیادہ نہیں۔ اس نے شرارت سے جواب دیا۔
مومنہ بے اختیار ہنس پڑی۔
آپ کے لیے کھانا لگا دوں؟ اس نے نرمی سے پوچھا۔
آپ کھانا لگا دیں، میں خالہ سے مل کر آتا ہوں۔ سیف نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔
مومنہ بھی اس کے ساتھ باہر آئی، پھر دونوں کے راستے الگ ہو گئے۔ سیف صفا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا، جبکہ مومنہ کچن کی جانب چلی گئی۔
جیسے ہی سیف نے کمرے میں قدم رکھا، سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ کمرے میں خوب رونق تھی۔ کوئی بیڈ پر بیٹھا تھا تو کوئی صوفے پر۔
السلام علیکم!
سیف نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔
وعلیکم السلام!
سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔
خالہ عائشہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سیف آگے بڑھا اور احترام و محبت سے انہیں گلے لگا لیا۔

کیسی ہیں، آپ؟
میں تو بالکل ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟ انہوں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔
میں بھی بالکل ٹھیک، آپ کے سامنے۔
اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی امان میں رکھے، خوش رکھے اور ہر بری نظر سے بچائے۔ انہوں نے دل سے دعا دی۔
آمین۔ سیف نے مسکرا کر کہا۔
اس کے بعد وہ آگے بڑھا اور حارث سے گرمجوشی سے ملا۔ پھر مومل اور زوحل سے ملا۔
سیف بھائی، آپ تو موٹے ہوتے جا رہے ہیں۔
مومل نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
سیف نے حیرانی سے پہلے مومل کو دیکھا، پھر اپنے آپ پر ایک نظر ڈالی۔
واقعی؟ اس نے مصنوعی سنجیدگی سے پوچھا۔ پھر اپنے پیٹ کو دیکھا۔
کوئی بات نہیں، شادی کے بعد انسان موٹا ہو ہی جاتا ہے۔ خالہ عائشہ نے فوراً سے کہا۔
ان کی بات سنتے ہی پورا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

✦ ✦ ✦

مریم اسٹڈی روم میں خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے برابر میں اس کی باجی بیٹھی تھیں۔ کمرے میں عجیب سا سکون پھیلا ہوا تھا۔
مریم نے تلاوت مکمل کی، پھر نہایت احترام سے قرآنِ پاک بند کیا اور آہستگی سے میز پر رکھ دیا۔
اس کی باجی اپنا حجاب درست کرنے لگیں۔ وہ جانے کی تیاری کرنے لگی۔
معاف کرنا کیسا ہوتا ہے؟ مریم نے اچانک سوال کیا۔
اس کی باجی نے چونک کر مریم کی طرف دیکھا۔ مریم کی نظریں انہی پر جمی ہوئی تھیں۔
ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
معاف کرنا ایک بہت خوبصورت احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔
جب کوئی ہمیں تکلیف دیتا ہے، ہمیں رلاتا ہے یا ہمارے ساتھ ظلم کرتا ہے، تو اس کا درد ہمارے دل میں ٹھہر جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ درد ایک بوجھ بن جاتا ہے۔ ہم اس بوجھ کو خود اپنے دل پر اٹھائے رکھتے ہیں۔

مریم خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔ اس کی باجی کی آواز میں عجیب سا سکون تھا۔

ہمیں لگتا ہے کہ اگر ہم اسے معاف کر دیں گے تو شاید انصاف نہیں ہوگا۔ اس لیے ہم دل میں یہ امید لیے بیٹھے رہتے ہیں کہ ایک دن اللہ اس شخص سے ہمارا بدلہ ضرور لے گا۔ اسی امید کے ساتھ ہم صبر کرتے رہتے ہیں۔

انہوں نے مریم کی آنکھوں میں دیکھا۔

لیکن جب انسان اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ تب اللہ ہمارے دل میں صبر کے ساتھ راحت بھی عطا کرتے ہیں۔ دل میں سکون اترنے لگتا ہے اور انسان محسوس کرتا ہے جیسے بوجھ اس کے دل سے اتر گیا ہو۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر انہوں نے محبت سے بولنا شروع کیا۔

معاف کرنا کمزوری نہیں، یہ بہت مضبوط لوگوں کا وصف ہے۔ جو اللہ کی خاطر معاف کر دیتا ہے، اللہ اس کے دل کو ایسی راحت عطا کرتا ہے جو دنیا کی کوئی چیز نہیں دے سکتی۔

مریم خاموش بیٹھی رہی۔

اس کی باجی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مریم بھی آہستہ سے کھڑی ہو گئی۔

اب میں چلتی ہوں، اپنا خیال رکھنا۔ انہوں نے محبت سے کہا۔

مریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دونوں کمرے سے باہر نکل آئیں۔ مریم سٹڈی روم کے دروازے پر ہی رک گئی، جبکہ اس کی باجی آگے بڑھ گئیں۔

مریم نے اسٹڈی روم کی لائٹس بند کیں، ایک آخری نظر کمرے پر ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔

مریم۔۔۔

صفا کی آواز پر اس کے قدم رک گئے۔ اس نے مڑ کر صفا کی طرف دیکھا۔

کھانا کھا لو۔

تھوڑی دیر بعد کھاؤں گی، ابھی دل نہیں کر رہا۔ اس کی آواز مدھم تھی۔

صفا کے چہرے پر تشویش ابھری۔

طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟

ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔

اچھا، میں زویا کو کھانا کھلا دیتی ہوں۔

یہ کہہ کر وہ کچن کی طرف چلی گئی۔ مریم خاموشی سے اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔

کچن میں مومنہ، حارث اور زویا موجود تھے۔ مومنہ سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ حارث ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا تھا، جبکہ زویا اس کے برابر بیٹھی تھی۔

صفاپیار سے اسے نوالے بنا بنا کر کھلا رہی تھی۔ کھانا ختم ہوتے ہی زویا اپنی ننھی ٹانگوں سے چلتی ہوئی کمرے کی طرف روانہ ہو گئی۔ زویا کمرے میں داخل ہوئی تو کمرے میں خاموشی تھی۔ مریم نماز ادا کر رہی تھی۔

زویا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جائے نماز کے قریب آئی۔ بغیر کوئی آواز کیے وہ مریم کے سامنے بیٹھ گئی — پھر محبت سے اپنا سر مریم کی گود میں رکھ کر لیٹ گئی۔

مریم خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کر رہی تھی۔ اس کے لب آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے۔ اس نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور اللہ کی وحدانیت کی گواہی دی۔

پھر سلام پھیرتے ہوئے پہلے دائیں، پھر بائیں جانب رخ کیا۔ نماز مکمل ہوئی تو اس نے بے اختیار زویا کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

زویا کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ سکون سے اس کی گود میں سو چکی تھی۔

مریم نے انگلیوں پر تسبیح شروع کی۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ اس کی ہر حرکت میں ٹھہراؤ تھا۔

تسبیح مکمل ہوئی تو اس نے نگاہ اٹھائی۔ اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

وہ دھیرے دھیرے اللہ سے باتیں کرنے لگی۔

یا اللہ، میں نے اس ایک زندگی میں کئی زندگیاں جی لی۔۔۔

سب سے پہلے، میں نے مریم اعجاز کی زندگی جی۔۔۔

ایک اداس مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔

وہ زندگی جس میں، میری ماں کی محبت تھی، ان کی گود تھی، ان کی دعائیں تھیں، مگر میں نے اس نعمت کی کبھی قدر نہیں کی۔ میں ہمیشہ ان سے شکوے ہی کرتی رہی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اس نے انہیں صاف کیا اور دوبارہ بولنے۔

پھر میں نے، مریم کی زندگی جی۔۔۔

اس زندگی میں میرے خواب تھے، میرے ارمان تھے۔ میں جاگتی اور سوتی آنکھوں سے خواب دیکھتی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

لیکن خواب، خیال یہ سب تو ٹوٹنے کی چیزیں ہیں۔ ان کا ٹوٹنا لکھا ہوتا ہے اور وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان کا بکھر جانا بھی تقدیر کا حصہ ہوتا ہے۔

اس نے گہرا سانس لیا۔

پھر میں نے مریم وہاب کی زندگی جی۔۔۔

یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھر آئی۔

اس زندگی میں، ہر وقت خوف میرے ساتھ رہا، ہر سانس میں ڈر تھا۔ اپنی بیٹیوں کے لیے، اپنے وجود کے لیے، اپنی عزت کے لیے۔ اگر سچ کہوں تو وہ زندگی کسی جہنم سے کم نہ تھی۔

اس نے اپنی گود میں سوئی زویا کو دیکھا۔ اس کے ننھے چہرے پر سکون بکھرا ہوا تھا۔

پھر، یا اللہ، تو نے مجھے ایک اور زندگی عطا کی۔ اس نے کمرے کی دیواروں پر نظر دوڑائی۔

ایک ایسی زندگی جس میں میرے خواب کسی قید میں نہیں تھے، میرا دل ہر وقت کے خوف سے آزاد رہتا تھا۔

یہ گھر، میرا نہ ہونے کے باوجود بھی میرا تھا۔ میں نے یہاں، سیف کی بہن بن کر زندگی گزاری۔

اس کی آنکھوں سے ایک اور آنسو ٹپک گیا۔

اس زندگی میں، میں آزاد تھی۔ اس زندگی میں، میں اپنے ساتھ تھی اور یہ زندگی بہت خوبصورت زندگی تھی۔

اب شاید۔۔۔

ایک اور زندگی میرا انتظار کر رہی ہے۔ وہ سرگوشی میں بولی۔

ہم انسان ایک زندگی میں کتنی زندگیاں گزارتے ہیں۔۔۔؟

وہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد مریم نے دوبارہ لب کھولے۔ اس کی آواز دھیمی تھی، مگر دل کی گہرائیوں سے نکل رہی تھی۔

یا اللہ، میں اپنے ساتھ کیے گئے ہر ظلم کو معاف کرتی ہوں۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

آج، میں سب کو معاف کرتی ہوں۔

ایک گرم آنسو اس کی پلک سے ٹوٹا، اس کے رخسار پر بہتا ہوا زویا کے نرم بالوں میں کہیں گم ہو گیا۔
اچانک اس کے ذہن کی اسکرین پر ایک پرانا منظر روشن ہوا۔ وہ گھر سے نکل رہی تھی. دل خوف سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ اسی لمحے اپنے ہی الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔
یا اللہ میری مدد فرما۔ مریم کے آنسو شدت سے بہنے لگے۔
یا اللہ میری اور میری بیٹی کی حفاظت فرما۔ اس نے اپنی گود میں سوئی زویا کو دیکھا۔ اس کے لب کپکپا رہے تھے۔
یا اللہ مجھے میری منزل تک پہنچا دے۔ یہ یاد آتے ہی وہ ٹوٹ کر رو پڑی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس کے کندھے مسلسل لرز رہے تھے۔
یا اللہ۔۔۔ اس نے سسکیوں کے درمیان اپنے رب کو پکارا۔
اللہ میں نے آپ سے مدد مانگی تھی اور آپ نے میری مدد کی – آپ مجھے لاہور تک لے آئے ۔
اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔
اللہ میں نے آپ سے اپنی اور اپنی بیٹی کی حفاظت مانگی تھی اور آپ نے ہماری حفاظت فرمائی۔ آپ نے سیف کو ہمارے لیے سبب بنا دیا۔
وہ بمشکل اپنے الفاظ ادا کر پا رہی تھی۔ ہر جملے کے ساتھ اس کا دل جیسے ہلکا ہوتا جا رہا تھا۔
اللہ میں نے آپ سے اپنی منزل مانگی تھی اور آپ نے مجھے میری منزل تک پہنچا دیا۔
اس کے رخسار پر بہتے آنسو اب شکر کے آنسو تھے۔
میں اپنی منزل تک پہنچ گئی ہوں۔ میں نے اپنے رب کو پا لیا۔
اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر اپنے اللہ سے مانگا تھا تو اس کا اللہ اس کو خالی ہاتھ کیسے چھوڑ دیتا۔ وہ تو اپنے بندوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔
اس کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔ وہ اپنے پروردگار کا شکر ادا کر رہی تھی۔
صبح سب ناشتہ کر رہے تھے۔ کچن میں تازہ پراٹھوں، انڈوں اور چائے کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔
صفا چولہے کے سامنے کھڑی چائے بنا رہی تھی، جبکہ سکینہ کپ نکال کر ترتیب سے کاؤنٹر پر رکھ رہی تھی۔
چائے کو اُبال آگیا۔ صفا نے فوراً چولہا بند کیا اور احتیاط سے چائے کپوں میں انڈیلنے لگی۔ اس نے تین کپ ایک ٹرے میں رکھے، پھر سکینہ کی طرف مڑ کر بولی۔

سکینہ، میں دادی کو چائے دے کر آتی ہوں۔ باقی سب کو تم دے دینا۔
جی باجی۔ سکینہ نے فوراً جواب دیا۔
صفا ٹرے اٹھائے کمرے کی طرف چل دی، جبکہ سکینہ باقی کپوں میں چائے ڈالنے لگی۔
صفا کمرے میں داخل ہوئی تو خدیجہ بیگم اور خالہ عائشہ بیڈ پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔
مریم خاموشی سے ناشتے کے برتن سمیٹ رہی تھی۔ صفا نے ٹرے بیڈ پر رکھی اور آگے بڑھ کر مریم کا ہاتھ بٹا دیا۔ دونوں نے برتن اٹھائے اور کمرے سے باہر نکل آئی۔
صفا۔۔۔
مریم کی مدھم آواز سنائی دی۔
صفا فوراً رک گئی اور مڑ کر اسے دیکھا۔
مریم نے ایک گہری سانس لی۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
بھائی سیف سے کہہ دینا، میرا جواب ہاں میں ہے۔
کس بات کے لیے۔۔۔؟ صفا حیران ہوئی، لیکن اگلے ہی لمحے اسے سب سمجھ آگیا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔
سچ۔۔۔؟ وہ بے اختیار خوشی سے اس کے قریب آگئی۔
میں تو تمہیں گلے بھی نہیں لگا سکتی۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے برتنوں کی طرف دیکھ کر کہا۔
مریم کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ آگئی۔
میں بھائی سے کہہ دوں گی۔ صفا نے خوشی سے کہا۔
دونوں دوبارہ کچن کی طرف بڑھ گئیں، جیسے ہی انہوں نے برتن کاؤنٹر پر رکھے، صفا نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر مریم کو مضبوطی سے گلے لگا لیا۔
میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں۔ اس نے محبت سے کہا۔
مریم شرما کر فوراً اس سے الگ ہوئی اور نظریں جھکائے کچن سے باہر نکل گئی۔ اس کے دل کی دھڑکن معمول سے کہیں زیادہ تیز ہو چکی تھی۔
کچن میں موجود سب لوگ حیرت سے صفا کو دیکھ رہے تھے۔

صفا تیزی سے سیف کے قریب آئی۔ سیف کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ صفا اس کے کان کے پاس جھک کر آہستہ سے بولی۔

بھائی، مریم نے ہاں کر دی ہے۔

سیف کے لبوں پر ایک گہری، مطمئین مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے خاموشی سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ کیا بات ہو رہی ہے؟ ہمیں بھی تو بتاؤ۔ حارث بے چینی سے بولا۔

خالہ کو بتا دو۔ سیف نے مسکراتے ہوئے صفا کی طرف دیکھا۔

جی۔۔۔ صفا خوشی سے تقریباً دوڑتی ہوئی کمرے کی طرف چلی گئی۔

سیف نے حارث کی طرف دیکھا۔

حارث، تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے۔

حارث فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

کیا؟ جلدی بتاؤ۔۔۔ وہ بے تابی سے بولا، مگر سیف صرف مسکرا دیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھا، کمرے کی طرف چل دیا۔

بھائی سیف، بتا کر جائیں۔۔۔

پیچھے سے مومل کی آواز آئی، مگر سیف صرف مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہاں کا منظر بدل چکا تھا۔ خالہ عائشہ نے مریم کو اپنے ساتھ بٹھا رکھا تھا۔ مریم نظریں جھکائے بیٹھی تھی، جبکہ صفا خدیجہ بیگم کے پاس بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ کمرے میں خاموش مگر بے حد خوبصورت خوشی بکھری ہوئی تھی۔

آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو۔ سیف نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

مریم نے شرم سے مزید نظریں جھکا لیں۔

تمہیں بھی بہت مبارک ہو۔ خالہ عائشہ نے خوشی سے جواب دیا۔

سیف صوفے پر بیٹھ گیا۔

تو ہم کل ہی نکاح رکھ لیتے ہیں۔

بالکل، اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ خالہ عائشہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

یہ سنتے ہی مریم کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔ مریم اور صفا شرماتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئیں۔

سب نے محبت بھری نظروں سے دونوں کو جاتے دیکھا۔
چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر سیف آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا۔
میں تایا ابو کو بھی دعوت دے آتا ہوں۔ اس کی آواز پر سکون تھی۔
آج خدیجہ بیگم نے اسے نہیں روکا۔ انہوں نے صرف خاموشی سے اسے دیکھا۔ سیف کمرے سے باہر نکل گیا۔
سیف آہستہ آہستہ چلتا ہوا عبداللہ رحمن ہاؤس کے سامنے آکر رکا۔ مرکزی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے ہلکی سی دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔
صحن میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ دھیمے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا کہ سامنے والے کمرے سے عریشہ باہر نکلی۔
سیف کو دیکھتے ہی وہ چونک گئی۔ پھر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔
السلام علیکم!
وعلیکم السلام!
تایا ابو کہاں ہیں؟ اس نے نرمی سے پوچھا۔
کمرے میں ہیں۔ عریشہ نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔
سیف نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر عبداللہ صاحب اور فہد پر پڑی۔ دونوں صوفے پر خاموش بیٹھے تھے۔ سیف کو دیکھتے ہی ان کے چہروں پر حیرت پھیل گئی۔
السلام علیکم!
سیف نے احترام سے سلام کیا۔
کمرے میں خاموشی برقرار رہی۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ عریشہ بھی دروازے کے قریب خاموش کھڑی تھی۔
کل صفا اور احمد کا نکاح ہے۔
عبداللہ صاحب فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ ہی فہد بھی اٹھ کھڑا ہوا۔
میں آپ سب کو دعوت دینے آیا ہوں۔ امید ہے، آپ ضرور آئیں گے۔
جب سب کچھ ہمارے بغیر ہو گیا تو نکاح بھی ہمارے بغیر ہی ہو جائے گا۔ عبداللہ صاحب نے تلخ لہجے میں کہا۔
سیف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ برقرار رہی۔
آپ آئیں گے تو ہمیں خوشی ہوگی۔

پہلے تمہارے باپ نے میرے باپ کو میرے خلاف کیا، پھر تم نے میری ماں اور میرے بیٹے کو بھی مجھ سے دور کر دیا۔ عبداللہ صاحب کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سیف نے ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے آہستہ سے نظریں فہد کی طرف اٹھائیں۔

فہد، تم تو آؤ گے نا، اپنے بھائی کے نکاح پر؟ اس نے لفظ بھائی پر ہلکا سا زور دیا۔

فہد کے چہرے کے تاثرات بدل گئے مگر وہ خاموش کھڑا رہا۔

سیف نے پھر عریشہ کی طرف دیکھا۔

عریشہ، تم نے ضرور آنا ہے۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر بغیر کسی اور بات کے مڑا اور آہستہ آہستہ باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی عبداللہ صاحب غصے سے بھری سانس لیتے ہوئے دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ کمرے میں عجیب سی خاموشی چھا گئی۔

فہد نے ایک لمحہ دروازے کی طرف دیکھا، جہاں سے سیف ابھی ابھی گیا تھا، پھر وہ بھی خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ عریشہ اس کے پیچھے تھی۔

سیف گھر واپس آیا تو گھر کے ہر کونے میں ایک نئی شروعات کی خوشبو پھیل چکی تھی۔ ہر طرف نکاح کی تیاریوں کا شور تھا۔

سیف مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ مومنہ اس کے قریب آئی۔

سیف، آپ بھی جلدی سے کپڑے بدل لیں۔ ہم سب بازار جا رہے ہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سیف نے اثبات میں سر ہلایا، پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا۔

آپ نے انکل کو دعوت دے دی؟ اس نے مومنہ سے پوچھا۔

اوہ، نہیں، یہ تو میرے ذہن سے ہی نکل گیا۔ وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔

آپ تیار ہو، میں ابھی انہیں فون کر دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ اپنا موبائل نکالتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

✦ ✦ ✦

عریشہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ہلکی کڑھائی والا خوبصورت سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے لمبے، سیاہ بال کھلے ہوئے تھے جو کندھوں سے پھسلتے ہوئے کمر تک بکھر رہے تھے۔ آج وہ غیر معمولی طور پر خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنی کلائیوں میں چوڑیاں پہن رہی تھی کہ فہد اندر داخل ہوا۔ اس کی نظر عریشہ پر پڑی جو آئینے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔

عریشہ نے آئینے میں اس کا عکس دیکھا تو آہستہ سے پلٹ گئی۔

ابو بہت غصہ ہو گے۔ فہد نے مدھم آواز میں کہا۔

میں اپنے بھائی کی زندگی کا اتنا خاص دن مس نہیں کرنا چاہتی۔

فہد خاموش رہا۔ عریشہ چند قدم چل کر اس کے قریب آگئی۔ اس نے محبت سے اس کا بازو تھام لیا۔

بھائی، آپ بھی چلیں۔ اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

فہد نے خاموشی سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔ بغیر کچھ کہے وہ پلٹا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

عریشہ چند لمحے وہیں کھڑی دروازے کو دیکھتی رہی۔

فہد پورچ میں آیا۔ اس نے دروازہ کھولا، گاڑی باہر نکالی اور گیٹ سے باہر لے جا کر روک دی۔ پھر واپس آیا، گیٹ بند کیا اور دوبارہ گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔ چند لمحے وہ خاموش بیٹھا رہا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ایک مڑا تڑا کارڈ اس کے ہاتھ میں آگیا۔ کارڈ کی حالت خراب ہو چکی تھی، مگر اس پر لکھے ہوئے الفاظ اب بھی پڑھے جا سکتے تھے۔

اس کی آنکھوں میں ایک انجانا خوف اتر آیا۔ دل جیسے کسی ان دیکھی بے چینی سے بھر گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کارڈ دوبارہ جیب میں رکھا۔ پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک میدان کے کنارے آکر رک گئی۔ آگے کی گلیاں اتنی تنگ تھیں کہ وہاں گاڑی لے جانا ممکن نہیں تھا۔ فہد نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور پیدل چلنے لگا۔

جیسے ہی وہ پہلی گلی میں داخل ہوا، ایک ناگوار بدبو نے اس کا استقبال کیا۔ کھلی نالیوں کا پانی گلی میں بہہ رہا تھا۔ ادھر اُدھر بکھرا ہوا کچرا ماحول کو مزید بوجھل بنا رہا تھا۔ مکان شکستہ حال تھے، جن کی دیواریں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ چند بچے گھروں کے باہر بیٹھے اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

فہد نے بے اختیار اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور اپنے کپڑوں کو بچاتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ کئی تنگ گلیاں عبور کرنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے خستہ حال مکان کے سامنے جا کر رک گیا۔

اس نے ایک گہری سانس لی، پھر آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

کون ہے؟ اندر سے ایک نوجوان لڑکی کی آواز آئی۔

فہد نے جواب دینا چاہا، مگر الفاظ اس کے حلق میں ہی اٹک گئے۔ اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو چکی تھی۔

چند لمحوں بعد دروازہ آہستہ سے کھلا۔ ایک نوجوان لڑکی باہر جھانکی۔

جی؟ اس نے سوالیہ نظروں سے فہد کو دیکھا۔

فہد نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

ا۔۔۔ امل ہیں؟ اس نے بمشکل پوچھا۔

کون آیا ہے؟ اندر سے ایک عورت کی آواز سنائی دی۔

امی، آپ کا کوئی پوچھ رہا ہے۔ لڑکی نے اندر کی طرف مڑ کر کہا۔

فہد کی سانس جیسے سینے میں ہی رک گئی۔ اگلے ہی لمحے دروازہ مزید کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر خاتون باہر آئیں، جیسے ہی ان کی نظر فہد پر پڑی، وہ ساکت رہ گئیں۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فہد کے نین نقش بہت حد تک ان سے ملتے تھے۔

فہد کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔

فہد۔۔۔ خاتون کے لبوں سے بے اختیار اس کا نام نکلا۔ وہ آہستہ آہستہ دروازے سے باہر آئیں۔ کانپتے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیے۔

مگر فہد ایک لمحہ بھی وہاں نہ ٹھہر سکا۔ وہ تیزی سے پلٹا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔

فہد۔۔۔ پیچھے سے خاتون کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

فہد۔۔۔ وہ اسے بار بار پکارتی رہیں، مگر فہد نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

دوسری گلی میں پہنچتے ہی فہد کے قدم اچانک رک گئے۔ اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ سانس بے ترتیب ہو چکی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دل سینہ چیر کر باہر آ جائے گا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

فہد کچھ دیر وہیں کھڑا روتا رہا، پھر دوبارہ اسی گلی کی طرف چل پڑا۔ وہ خاتون اب دروازے کے باہر موجود نہیں تھیں۔ اس نے اپنے چہرے پر بہتے آنسو صاف کیے اور آہستہ آہستہ واپس اسی مکان کے سامنے آگیا۔

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ اندر سے ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ آخر اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ اس بار بھی دروازہ اسی لڑکی نے کھولا۔

امی، وہی لڑکا واپس آیا ہے۔ لڑکی نے اندر کی طرف دیکھ کر آواز دی۔

اگلے ہی لمحے امل تیزی سے باہر آئیں۔ فہد کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں پھر سے بھر آئیں۔ وہ آگے بڑھیں اور اسے اپنے ساتھ لگا کر رونے لگیں۔

فہد خاموش کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ انہیں سہارا دے کر گھر کے اندر لے آیا۔ گھر کے اندر ایک پرانی سی چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ امل اس پر بیٹھ گئیں جبکہ فہد سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ کافی دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں، جیسے برسوں کی جدائی کو چند لمحوں میں پورا کر لینا چاہتی ہوں۔

فہد بھی انہیں دیکھ رہا تھا، مگر اب اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جگہ ایک عجیب سی خاموشی تھی۔

تمہارے چہرے پر یہ نشان کس چیز کے ہیں؟

آخرکار امل نے خاموشی توڑی۔ ان کے ساتھ بیٹھی لڑکی بھی فہد کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

فہد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تمہیں یہاں کا پتا کس نے بتایا؟ امل نے دوبارہ پوچھا۔

آپ یہاں کیسے رہ رہی ہیں؟

اس بار فہد نے سوال کے جواب میں سوال کر دیا۔ اس کی نظریں گھر کی خستہ حالت پر تھیں۔

جب انسان مجبور ہو تو وہ کہیں بھی رہ لیتا ہے۔ اس بار امل کے بجائے لڑکی نے جواب دیا۔

عریشہ کیسی ہے؟ امل نے پوچھا۔

وہ اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہے یا اپنے باپ کے ساتھ؟

فہد کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ فہد نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

کیا مطلب؟

امل کی آنکھوں میں درد اتر آیا۔

عبداللہ نے مجھے چھوڑ کر اس کی ماں سے دوسری شادی کی تھی۔
فہد انہیں دیکھتا رہا۔
وہ میری بہن ہے تو آپ کی بیٹی ہوئی۔ اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔
امل نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔
لگتا ہے تمہیں آدھا سچ معلوم ہے۔
فہد کی نظریں ان پر جم گئیں۔
تمہارے باپ نے تین شادیاں کی تھیں۔
فہد کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔
پہلی دو شادیاں اس نے گھر والوں سے چھپا کر کی تھیں۔ عریشہ اس کی دوسری بیوی کی اولاد ہے۔
فہد جیسے پتھر کا ہو گیا۔
اس نے اپنی دوسری بیوی کو بھی چھوڑ دیا تھا۔
فہد کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔
ماروا کیسی ہے؟ اور اس کے بچے؟ پھر کچھ لمحوں بعد امل نے پوچھا۔ ان کی آواز میں درد تھا۔
فہد نے نظریں جھکا لیں۔
وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی اور ان کے بچے، وہ خوش ہیں۔ فہد نے دھیمی آواز میں کہا۔
احمد کا تو آج نکاح ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ایک درد بھری مسکراہٹ ابھری۔
تم نہیں گئے؟
فہد خاموش رہا۔
جس عورت نے تمہیں اپنے سینے سے لگایا، تمہیں محبت دی — کیا اس کے بچوں کا اتنا بھی حق نہیں تھا؟
فہد نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا، مگر اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔
صحن میں خاموشی چھا گئی۔ چند لمحوں بعد فہد آہستہ سے کھڑا ہو گیا۔
آپ میرے ساتھ چلیں، یہ جگہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔
امل بھی اٹھ گئیں، مگر ان کے چہرے پر انکار واضح تھا۔

میں یہاں خوش ہوں۔ انہوں نے نرمی سے کہا۔
میں یہاں اپنا ماضی دفن کر کے آئی تھی۔ اگر باہر گئی تو لوگوں کے سوال ختم نہیں ہوں گے۔
میں سب کے منہ توڑ دوں گا۔ فہد نے سخت لہجے میں کہا۔
آمنہ ہلکا سا مسکرائیں۔
کتنے لوگوں کے منہ توڑو گے؟
سب کے۔۔۔ فہد نے جواب دیا۔
آئندہ یہاں کبھی مت آنا۔ آمنہ نے تلخی سے کہا۔
فہد چونک گیا۔
تم اپنی زندگی گزارو اور ہمیں اپنی زندگی گزارنے دو۔ تمہارے یہاں آنے سے لوگوں کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوں گے اور میں اپنے کردار پر مزید انگلیاں اٹھتی نہیں دیکھ سکتی۔ یہ کہہ کر انہوں نے فہد کا ہاتھ تھاما، اسے دروازے تک لے آئیں اور باہر نکال دیا۔
اگر تمہیں سب کچھ معلوم نہیں تھا تو اس کا مطلب عریشہ کو بھی معلوم نہیں ہو گا۔ وہ فہد کو دیکھ کر کہہ رہی تھیں۔
اس کو بتانا بھی نہیں۔ جس تکلیف سے تم گزر رہے ہو، اس تکلیف سے اس کو مت گزرنے دینا۔
اگلے ہی لمحے دروازہ بند ہو گیا۔ فہد دیر تک بند دروازے کو دیکھتا رہا۔ پھر خاموشی سے پلٹا اور اپنی گاڑی کی طرف چل دیا۔
کچھ دیر بعد گاڑی گھر کے سامنے آکر رکی۔ فہد گاڑی سے اترا۔ اس نے ایک نظر اپنے گھر کے دروازے پر ڈالی، پھر نظریں اٹھا کر عبدالرحمن ہاؤس کی طرف دیکھا۔
نہ جانے کیوں اس کے قدم خود بخود اسی طرف اٹھ گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اندر داخل ہوا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ اندر سب لوگ موجود تھے۔
فہد کے قدم اچانک رک گئے۔ تمام لوگ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بیٹھے تھے۔ نکاح ہو چکا تھا۔
فہد خاموشی سے دروازے پر کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ چند لمحوں بعد سب نے اپنے چہروں پر ہاتھ پھیرے اور پھر خوشیوں بھری آوازیں گونج اٹھیں۔ کوئی کسی کو مبارک باد دے رہا تھا، کوئی گلے مل رہا تھا، کوئی مسکرا رہا تھا۔ کمرہ خوشیوں سے بھر چکا تھا۔

اور فہد، وہ دروازے پر تنہا کھڑا تھا، اپنے دل میں درد لیے۔ چند لمحے سب کو دیکھنے کے بعد وہ خاموشی سے پلٹا اور واپس چلا گیا۔

فہد گھر واپس آیا تو سیدھا عبداللہ صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ خاموشی سے اندر داخل ہوا اور آہستہ آہستہ کمرے میں رکھی چیزوں کو دیکھنے لگا۔ ہر چیز جیسے اسے ماضی کی کسی یاد کی طرف دھکیل رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں کے سامنے منظر دھندلانے لگا۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

سب کے سامنے سخت نظر آنے والا فہد، آج خود سختی کا بوجھ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ چند قدم چل کر شیشے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے خود کو غور سے دیکھا۔ اسے اپنے ہی وجود سے نفرت ہونے لگی۔ وہ شخص، جس کے لیے اس نے سب کچھ کیا، جس کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ اسی شخص نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے اپنی مٹھی بھینچی اور پوری طاقت سے شیشے پر دے ماری۔

چھناااک۔۔۔ شیشہ چکنا چور ہو گیا، مگر وہ نہیں رکا۔

ایک بار۔ دوسری بار۔ تیسری بار۔

وہ پوری قوت سے شیشے پر مکے مارتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے۔ انگلیوں سے خون بہنے لگا۔

آآآہ۔۔۔ اس کی درد بھری چیخ پورے کمرے میں گونج گئی۔ غصے اور بے بسی میں اس نے سامنے رکھی چیزیں اٹھا اٹھا کر ادھر اُدھر پھینکنا شروع کر دیں۔

کمرے میں ہر طرف بکھرے ہوئے شیشے، الٹی پڑی کرسیاں اور ٹوٹی ہوئی چیزیں اس کے اندر مچی تباہی کا عکس پیش کر رہی تھیں۔ آخر کار اس کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ آہستہ سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ دل کا درد ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ بیڈ پر ہی لیٹ گیا۔ اس نے خود کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا، جیسے اپنے ہی وجود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ خون بہہ رہا تھا، سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح روتا رہا۔ آخر آنسو تو تھم گئے، مگر درد نہیں۔

باہر رات کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ عبداللہ صاحب اندر داخل ہوئے۔ کمرے کی بکھری ہوئی حالت اور فہد کے زخمی ہاتھ دیکھ کر ان کے چہرے پر پریشانی چھا گئی۔

فہد۔۔۔

انہوں نے گھبراہٹ سے اسے پکارا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔

فہد آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر رونے کے واضح آثار تھے۔ آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

فہد، یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ عبداللہ صاحب نے نرمی سے پوچھا۔

فہد کی آنکھوں میں غصہ اتر آیا۔

آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی آواز بھاری تھی۔

ک۔۔۔ کیا؟ عبداللہ صاحب بے اختیار بول اٹھے۔

فہد کھڑا ہو گیا۔ اس کے زخمی ہاتھوں سے بہنے والا خون اب خشک ہو گیا تھا۔ عبداللہ صاحب بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔

آپ نے میری ماں کو کیوں چھوڑا؟ فہد کی آواز بلند ہو گئی۔

عبداللہ صاحب کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

آپ نے ہمیں دنیا کے سامنے کیوں تنہا چھوڑ دیا؟ اس دنیا کے سامنے کیوں پھینک دیا؟ اس کی آواز ٹوٹنے لگی۔ پورا وجود کانپ رہا تھا۔

عبداللہ صاحب پھٹی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

آپ نے عریشہ اور اس کی ماں کو بھی چھوڑ دیا۔ اس بار فہد تقریباً چیخا تھا۔

عبداللہ صاحب کے چہرے سے رنگ اڑ گیا۔ ان کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہونے لگا۔

ت۔۔۔ تم سے یہ سب کس نے کہا؟ انہوں نے بمشکل پوچھا۔

سیف نے مجھے حقیقت بتائی۔۔۔

اس نے یہ سب جھوٹ کہا ہے۔ عبداللہ صاحب نے اپنے دفاع میں کہا۔

میں خود دیکھ کر آیا ہوں۔ میں نے اپنی ماں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔۔۔

وہ جس حالت میں رہ رہی ہیں۔ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم غلط سمجھ رہے ہو۔ عبداللہ صاحب نے نفی میں سر ہلایا، مگر اس لمحے فہد کے لیے ان کی ہر بات، ہر صفائی، بے معنی ہو چکی تھی۔

غلط سمجھتا تھا، مگر اب نہیں سمجھ رہا۔ فہد روتے ہوئے بولا۔

امی نے مجھے سہارا دیا – ماروا امی نے – اگر وہ مجھے اور عریشہ کو سہارا نہ دیتی تو شاید آج ہم دونوں زندہ بھی نہ ہوتے۔
اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔
فہد، میری بات سنو۔۔۔
عبداللہ صاحب نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالنے کی کوشش کی، مگر فہد نے جھٹکے سے ان کا ہاتھ اپنے اوپر سے ہٹا دیا۔
اب کچھ سننے کے لیے باقی نہیں رہا۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔
فہد، میری بات سنو۔ عبداللہ صاحب نے بے بسی سے اسے آواز دی، مگر وہ جا چکا تھا۔
کمرے میں ایک خوفناک خاموشی پھیل گئی۔ عبداللہ صاحب کا غصہ بے قابو ہو گیا۔ انہوں نے پوری طاقت سے سامنے رکھے صوفے کو ٹھوکر ماری۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگے۔
سیف – سیف – سیف –
انہوں نے دانت پیستے ہوئے اس کا نام لیا۔ ان کی آنکھوں میں نفرت تھی۔
اس کے باپ کو تو میں نے مروایا تھا، اب اسے میں خود اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔ ان کی آواز نفرت سے کانپ رہی تھی۔
یہ سب عریشہ نے سن لیا تھا۔ عریشہ ہاتھوں میں کھانے کے ڈبے لیے اندر داخل ہو رہی تھی، مگر الفاظ سنتے ہی اس کے قدم وہیں جم گئے۔ اس کے ہاتھوں سے ڈبے چھوٹ کر زمین پر گر گئے۔ کھانا فرش پر بکھر گیا۔
عبداللہ صاحب نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ان کی نظریں عریشہ سے ملیں۔
عریشہ آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔
آپ کو اپنے ہی بھائی کے ساتھ یہ سب کرتے ہوئے شرم نہیں آئی؟ اس کی آواز لرز رہی تھی۔
عبداللہ صاحب خاموش کھڑے رہے۔ وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔
ان پر اور ان کے بچوں پر، آپ کو ذرا بھی ترس نہیں آیا؟ عریشہ کی آواز ٹوٹ گئی۔
عریشہ۔۔۔
عبداللہ صاحب نے دھیمے لہجے میں اسے پکارا۔

ان پر نہ سہی، کم از کم اپنے ماں باپ کا ہی خیال کر لیتے۔ وہ بھی تو اسی گاڑی میں تھے۔ عریشہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی ان کا خیال نہیں آیا؟

عبداللہ صاحب نے نظریں جھکا لیں۔

عریشہ، اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ انہوں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

کیوں چلی جاؤں؟ عریشہ کی آواز بلند ہو گئی۔

عبداللہ صاحب کے چہرے پر غصہ نمایاں ہونے لگا۔

میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔ یہاں سے چلی جاؤ، ورنہ۔۔۔

ورنہ کیا؟

مجھے بھی مار دیں گے؟ وہ ایک قدم اور آگے بڑھ گئی۔

مارئیے۔۔۔ میں آپ کے سامنے کھڑی ہوں۔

عبداللہ صاحب نے غصے میں اسے زور سے دھکا دیا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

عریشہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ وہ زمین پر گر گئی۔

دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز آئی۔ عریشہ وہیں فرش پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

✦ ✦ ✦

سیف، زوحل اور حارث ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے، جبکہ صفا کاؤنٹر صاف کرنے میں مصروف تھی۔ اسی دوران مریم کچن میں داخل ہوئی۔ زویا بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ مریم نے فریج کھولا، پانی کی بوتل نکالی اور گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔

ماما، موبائل دے دیں۔ زویا نے معصومیت سے کہا۔

نہیں۔ مریم نے فوراً جواب دیا۔

ماما، موبائل۔۔۔ زویا نے ضد کرتے ہوئے پھر کہا۔

مریم کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور پانی پینے لگی۔ زویا خاموشی سے صفا کے پاس چلی گئی۔

آپی، موبائل دے دو۔ اس نے معصوم سا منہ بنا کر کہا۔

صفا ہلکا سا مسکرائی، کاؤنٹر پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا اور اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

زویا، موبائل واپس کرو۔ مریم نے فوراً کہا۔

کوئی بات نہیں۔ صفا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہر وقت موبائل پر لگی رہتی ہے۔ مریم نے ناگواری سے کہا۔

اتنی سی دیر سے کچھ نہیں ہوتا۔ صفا نے جواب دیا۔

زویا موبائل ہاتھ میں لیے ڈائننگ ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

کیوں کچھ نہیں ہوتا؟ ہر وقت موبائل استعمال کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ سیف نے اسے دیکھا اور نرمی سے بولا۔

حارث نے زویا کی طرف دیکھا۔

زویا، موبائل رکھ دو۔ ماما ناراض ہو رہی ہیں۔

زویا نے فوراً موبائل میز پر رکھ دیا۔

ماما، میں نے رکھ دیا۔ وہ معصومیت سے بولی، لیکن اسی وقت اپنی ننھی انگلی سے موبائل کی اسکرین پر آہستہ آہستہ اسکرول بھی کرتی رہی۔

یہ منظر دیکھ کر سب بے اختیار ہنس پڑے۔

ماما، میں نے رکھ دیا ہے۔ زویا نے ایک بار پھر معصومیت سے کہا۔

اسی لمحے سکینہ دروازے پر آ کر کھڑی ہوئی۔

مریم باجی، ایک بار اپنا سامان دیکھ لیں۔

اچھا، آتی ہوں۔ مریم اپنی جگہ سے اٹھی اور کمرے کی طرف چلی گئی۔

حارث اور سیف بھی اس کے پیچھے باہر نکل گئے۔

کچھ دیر بعد سیف مریم کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سی چھوٹی ڈبی تھی۔ حارث باہر گاڑی میں سامان رکھنے چلا گیا تھا۔

کمرے میں صفا، مومنہ اور زویا پہلے سے موجود تھیں۔ سیف آہستہ آہستہ مریم کے قریب آیا۔

مریم۔۔۔ اس نے نرمی سے اسے پکارا۔

مریم نے اس کی طرف دیکھا۔ سیف نے ڈبی اس کی طرف بڑھائی۔

یہ میری طرف سے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔

یہ کیا ہے؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

سیف نے خاموشی سے ڈبی کھولی۔ اندر سونے کا ایک نہایت نفیس بریسلیٹ رکھا تھا۔ اس کے درمیان ایک چھوٹا سا سرخ پھول بنا ہوا تھا، جبکہ اس کے اوپر پانی کی علامت تراشی گئی تھی۔ ہلکی سی روشنی پڑتے ہی بریسلیٹ خوبصورتی سے چمک اٹھا۔

سیف نے بریسلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تم بالکل اس پھول کی طرح ہو، خوبصورت، نرم مزاج اور زندگی بانٹنے والی۔

پھر اس نے زویا کی طرف دیکھا۔

اور زویا پانی کی طرح ہے۔

وہ چند لمحے رکا۔

جس طرح ایک پھول کو ہمیشہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح زویا کو ہمیشہ تمہاری ضرورت رہے گی۔

مریم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

میں، یہ نہیں لے سکتی۔

سیف ہلکا سا مسکرایا۔

تحفے سے کبھی انکار نہیں کیا جاتا۔ اس کی آواز میں بے حد اپنائیت تھی۔

خود کو کبھی مرجھانے مت دینا۔ پھول مرجھائے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔

مومنہ خاموشی سے آگے بڑھی۔ اس نے ڈبی میں سے بریسلیٹ نکالا، مریم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور محبت سے وہ بریسلیٹ اس کی کلائی میں باندھ دیا۔

سیف بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تحفے سے کبھی انکار نہیں کرتے۔ مومنہ مسکراتے ہوئے بولی۔

صفا نے مریم کی کلائی تھامی اور بریسلیٹ کو غور سے دیکھا۔

بھائی سیف کو اپنے سے جڑے لوگوں کو نام دینا آتا ہے۔

سیف کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

صفا نے مسکراتے ہوئے بات جاری رکھی۔

دیکھو، مجھے چاند والی بریسلیٹ دی، مومنہ کو تتلی والی اور تمہیں پھول والی۔
میں، آپ سب کی بہت احسان مند ہوں۔ مریم دھیمی آواز میں بولی۔
ایسی باتیں مت کرو۔ مومنہ نے فوراً نرمی سے کہا۔
مریم کی پلکوں سے آنسو جاری ہو گے۔
میں آپ سب کو بہت یاد کروں گی۔ میرا آپ سب کو اور اس گھر کو چھوڑ کر جانے کا بالکل دل نہیں کر رہا۔
صفا آگے بڑھی اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔
آپ سب نے میرا اور زویا کا جس طرح خیال رکھا ہے، میں شاید کبھی اس کا بدلہ نہ چکا سکوں۔ آپ لوگوں نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ اس کی آواز رونے سے ٹوٹ رہی تھی۔
میں جب اس گھر میں ائی تھی تو میرے پاس کچھ نہیں تھا، مگر اب میں جب یہاں سے جا رہی ہوں تو میرے پاس بہت کچھ ہے۔
اسی لمحے پیچھے سے حارث کی آواز آئی۔
یہ میری بیوی کو کون رُلا رہا ہے؟
سب نے اس کو دیکھا۔ حارث دروازے پر کھڑا تھا۔
سیف نے فوراً اس کی طرف اشارہ کیا۔
یار، پہلے اس کو باہر نکالو۔
یہ کیا طریقہ ہے؟ میں کوئی معمولی انسان ہوں؟ حارث حیران ہو کر بولا۔
ہاں، معلوم ہے، تم معمولی نہیں مولی ہو۔ سیف نے فوراً جواب دیا۔
سب بے اختیار ہنسے۔ مریم بھی آنسوؤں کے درمیان ہنس دی۔
ماحول کی اداسی کچھ ہلکی ہو گئی۔ سب کمرے سے باہر نکل آئے، مگر ان کے قدم اچانک رک گئے۔
سامنے سے فہد آرہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں، چہرہ بجھا ہوا تھا اور قدم غیر معمولی طور پر بوجھل لگ رہے تھے۔
اس کے زخمی ہاتھ پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی۔
دوسرے کمرے سے بھی گھر کے باقی افراد باہر آ گئے۔

فہد کی نظر حارث اور مریم پر پڑی۔ زویا نے اسے دیکھا تو فوراً ڈر کر مریم کے پیچھے چھپ گئی۔ فہد کی آنکھوں میں ایک لمحے کو درد لہرا گیا۔ اس نے گہرا سانس لیا۔

میری طرف سے نکاح کی بہت بہت مبارک ہو۔ الفاظ اس کے ہونٹوں سے نکل تو گئے، مگر ہر لفظ کے ساتھ اس کے دل کا درد بھی جھلک رہا تھا۔

میں نے زویا کے ساتھ جو کچھ کیا۔۔۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔

اس کے لیے میں دل سے معافی مانگتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ مریم کے سامنے جوڑ دیے۔

مریم فوراً آگے بڑھی۔ اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ نیچے کر دیے۔

میں آپ کو پہلے ہی معاف کر چکی ہوں۔ اس کی آواز میں صرف نرمی تھی۔

فہد نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ پھر اس کی نظر احمد اور صفا پر گئی۔

صفا احمد کی ویل چیئر کے ساتھ کھڑی تھی، جبکہ ایشال خاموشی سے ان کے پیچھے کھڑی تھی۔

فہد آہستہ آہستہ ان کے قریب آیا۔

تم دونوں کو بھی نکاح کی بہت بہت مبارک ہو۔

احمد نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

فہد احمد کی ویل چیئر کے سامنے نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے ایک بار پھر اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔

میں، تم دونوں سے اور ایشال سے بھی، معافی مانگتا ہوں۔

احمد نے فوراً اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

ہمیں آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ صفا نے نرم سے کہا۔

فہد کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

ایشال چند لمحے خاموش اس رہی، پھر دھیرے سے بولی۔

میں نے بھی آپ کو معاف کیا۔ یہ کہہ کر وہ خاموشی سے واپس کمرے میں چلی گئی۔

فہد نے ایک نظر وہاں موجود سب لوگوں کو دیکھا۔

اگر میری کسی بات یا عمل سے آپ میں سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو، تو میں دل سے آپ سب سے معافی مانگتا ہوں۔

اگلے ہی لمحے سیف آگے بڑھا اور اسے مضبوطی سے گلے لگا لیا۔

ہم میں سے کسی کے دل میں تمہارے لیے کوئی شکایت نہیں ہے۔ سیف نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
فہد کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ سیف کے کندھے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس کا دل ابھی تک جل رہا تھا۔
فہد نے خاموشی سے اپنے آنسو صاف کیے، پھر خدیجہ بیگم کے قریب آگیا۔ اس نے جھک کر ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور ادب سے ان پر بوسہ دیا۔
دادی، میں واپس جا رہا ہوں۔ اس کی آواز بری طرح لرز رہی تھی۔
خدیجہ بیگم نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ فہد نے بھی خاموشی سے خود کو ان کی آغوش کے حوالے کر دیا۔
فضا میں عجیب سی خاموش اداسی چھا گئی تھی۔ کچھ لمحوں بعد فہد سب سے ملا، پھر سب لوگ باہر گاڑی تک آ گئے۔
حارث ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ خالہ عائشہ نے مریم کو آگے والی نشست پر حارث کے ساتھ بٹھایا، جبکہ مومل اور زوحل پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں۔
سیف نے زویا کو نرمی سے اٹھایا اور مریم کی گود میں بٹھا دیا۔ پھر اس نے دروازہ بند کر دیا۔
زویا نے حیرانی سے اردگرد دیکھا۔
ماما، ہم کہاں جا رہے ہیں؟
اس نے معصومیت سے پوچھا۔ مریم نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔
ہم اپنے نئے گھر جا رہے ہیں، میری جان۔
اسی لمحے خالہ عائشہ بھی گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ سیف نے دروازہ بند کیا۔
زویا کی نظریں باہر کھڑے سب لوگوں پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔
دادی، آپی اور بھائی؟ اس نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔
مریم نے محبت سے اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔
ان کا گھر یہی ہے، وہ یہیں رہیں گے۔ مریم نے شیشے میں سے باہر گھر کو دیکھا۔
یہ سنتے ہی زویا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ گاڑی کے شیشے سے باہر سب کو دیکھنے لگی۔
ماما، ہم نے بھی نہیں جانا۔

مریم نے فوراً اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔
ماما، ہم نے نہیں جانا۔۔۔ اس کی روتی ہوئی آواز سن کر باہر کھڑے ہر شخص کے چہرے پر اداس سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ سیف نے شیشے پر ہلکی سی دستک دی۔
حارث نے فوراً شیشہ نیچے کر دیا۔ زویا بے اختیار سیف کی طرف لپکی، مگر مریم نے اسے نرمی سے سنبھال رکھا تھا۔
بھائی۔۔۔ اس نے روتے ہوئے پکارا۔
سیف نے آگے بڑھ کر اس کے آنسو صاف کیے۔
میری پیاری گڑیا، پہلے میری بات سنو۔
زویا اسے دیکھنے لگی، اگرچہ آنسو اب بھی اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔
میں نے نہیں جانا۔ وہ سسکتے ہوئے بولی۔
ہم سب تم سے ملنے آئیں گے اور پھر تمہیں اور ماما کو اپنے ساتھ واپس بھی لے آئیں گے۔ سیف نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔
ایسا ہی کریں گے نا؟ اس نے مسکرا کر پوچھا۔
جی۔۔۔ خالہ عائشہ، مومل اور زوحل نے ایک ساتھ مسکراتے ہوئے کہا۔
سیف نے دوبارہ زویا کو دیکھا۔
اب میری بہادر گڑیا نہیں روئے گی۔ اگر تم روؤ گی تو پھر ہم تم سے ملنے نہیں آئیں گے۔
زویا نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اور نم آنکھوں کے ساتھ سر ہلا دیا۔
ایک اور بات۔۔۔ اس نے جان بوجھ کر قدرے بلند آواز میں کہا۔
کسی نے بھی میری گڑیا کو تنگ نہیں کرنا۔ سب کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
سیف جھکا، زویا کے ماتھے پر محبت سے بوسہ دیا اور آہستہ سے سیدھا ہو گیا۔
حارث نے سب کو خاموش نظروں سے الوداع کہا، پھر شیشہ اوپر کر دیا۔
زویا، میں آپ کو موبائل دیتی ہوں۔ مومل نے کہا۔
مگر زویا نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ وہ اور مریم خاموشی سے گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھتی رہی۔ اس کی نم آنکھیں مسلسل عبدالرحمن ہاؤس کے دروازے پر کھڑے اپنے لوگوں کو دیکھ رہی تھیں۔

گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

مریم نے محبت سے اس کے آنسو صاف کیے۔ اگلے ہی لمحے زویا اس کے سینے سے آلگی۔

مریم نے اسے مضبوطی سے اپنی آغوش میں لے لیا۔ گاڑی میں بیٹھے باقی سب لوگوں کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ ہر کوئی خاموشی سے اپنے آنسو چھپا رہا تھا۔

اسی دوران ایک اور گاڑی آکر عبداللہ ہاؤس کے دروازے پر رکی۔ اس گاڑی میں فہد کا دوست آیا تھا۔

فہد نے گاڑی کی طرف دیکھا، پھر گہرا سانس لیا۔

میرے جانے کا وقت بھی آگیا ہے۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ وہ آہستہ سے اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا، جبکہ باقی سب وہیں خاموش کھڑے رہے۔

کچھ ہی دیر بعد فہد اپنا سامان لے کر باہر آیا۔ اس کا دوست ڈگی کھول کر سامان گاڑی میں رکھنے لگا۔

اسی وقت عریشہ بھی اپنا بیگ اٹھائے باہر آگئی۔ وہ بھی فہد کے ساتھ جا رہی تھی۔ فہد نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے بیگ لیا اور گاڑی میں رکھ دیا۔

عریشہ نے سب کی طرف دیکھا، پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے قریب آگئی۔ وہ ایک ایک کر کے سب سے ملی۔

خدیجہ بیگم نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔

عریشہ پتر، اپنا تے فہد دا بہت سارا خیال رکھیں۔ انہوں نے محبت سے کہا۔

عریشہ نے نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر سر ہلا دیا۔

ایشال کہاں ہے؟ اس نے پوچھا۔

وہ اندر ہے، جا کر مل لو۔ صفا نے جواب دیا۔

عریشہ خاموشی سے گھر کے اندر چلی گئی۔ کچھ لمحوں بعد وہ واپس آئی۔ اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو چکی تھیں۔

احمد نے سر اٹھا کر فہد کی طرف دیکھا۔

عریشہ کو کبھی اکیلا مت چھوڑنا۔

فہد نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

تم فکر مت کرو۔ میں اس کا سہارا بنوں گا — ہم دونوں، ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے۔ اس کی آواز میں پہلے والی سختی نہیں، بلکہ ایک عجیب سی نرمی تھی۔

احمد نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ فہد کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

فہد نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ اور عریشہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ باپ کے ہوتے ہوئے وہ آج دوسری بار یتیم ہوئے تھے۔

انجن اسٹارٹ ہوا۔ گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

سب لوگ خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ چند ہی لمحوں بعد گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

ایک گہری خاموشی اتر آئی۔ ہر چہرہ اداس تھا، ہر آنکھ نم تھی اور ہر دل کسی اپنائیت کے بچھڑنے کا بوجھ لیے ہوئے تھا۔

آخر کار سب آہستہ آہستہ مڑ گئے اور بھاری قدموں کے ساتھ واپس گھر کے اندر داخل ہو گئے۔

✦ ✦ ✦

رات کا اندھیرا آسمان پر پھیل چکا تھا۔ شہر کی روشنیاں اندھیرے کو چیرتی ہوئی سڑکوں پر بکھری ہوئی تھیں۔

شہریار اپنے آفس سے باہر نکلا اور گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک ہاتھ میں موبائل تھا جبکہ دوسرے ہاتھ میں گاڑی کی چابیاں تھیں۔ اسی لمحے اس کے موبائل پر نوٹیفکیشن آیا۔

اس کے قدم آہستہ ہو گئے۔ اس نے موبائل کی اسکرین پر نظر ڈالی۔ وہ میرال کا پیغام تھا۔ صرف نام دیکھتے ہی اس کے قدم خود بخود رک گئے۔ اس نے میسج کھولا۔

میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔

وہ چند الفاظ تھے، مگر ان الفاظ نے اس کے دل کی دھڑکن بدل دی۔ اس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

اسی کے ساتھ میرال نے لوکیشن بھی بھیج دی تھی۔

شہریار نے ایک گہری سانس لی، جیسے دل میں چھپی ہوئی کسی خوشی کو محسوس کر رہا ہو۔ پھر وہ تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھا۔ وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ کچھ ہی لمحوں بعد گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اس کا دل آج عجیب سی خوشی سے بھرا ہوا تھا۔

وہ ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے گاڑی پارک کی اور باہر نکل آیا۔ اس نے موبائل پر وقت دیکھا۔ وہ صرف پانچ منٹ میں یہاں پہنچ گیا تھا۔

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ریسٹورنٹ کے باہر کھڑا ہو کر میرال کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر خوشی صاف نظر آ رہی تھی۔ دل جیسے بے قابو ہو کر دھڑک رہا تھا۔

وہ سامنے سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر سڑک کے دوسری جانب موجود ایک مسجد پر پڑی۔ مسجد کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دروازے کے باہر ایک آدمی خاموش کھڑا اندر دیکھ رہا تھا۔

شہریار کی نظر اس پر ٹھہر گئی۔ وہ چند لمحے تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سڑک پار کر کے اس کے قریب چلا گیا۔ شہریار اس کے برابر میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے آدمی کا چہرہ دیکھا۔ آدمی کے چہرے پر الجھن اور پریشانی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

آپ اندر جا سکتے ہیں۔ شہریار نے نرمی سے کہا۔

آدمی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

میں مسلمان نہیں ہوں۔ اس نے چند لمحوں بعد دھیمی آواز میں کہا۔

آپ پھر بھی جا سکتے ہیں۔

آدمی نے دوبارہ مسجد کے اندر دیکھا۔

وہ، جس کو چاہے یہاں لے آتا ہے۔ شہریار نے مسجد کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

آدمی نے پھر سے شہریار کو دیکھا۔

کیا تمہارا اللہ میرے اندر جانے سے ناراض نہیں ہوگا؟ شہریار نے نرمی سے نفی میں سر ہلایا۔

آدمی کی آنکھوں میں ایک سوال ابھرا۔

کیا وہ میری بات سن لے گا؟

بے شک، وہ سب کی بات سنتا ہے۔ شہریار نے یقین سے جواب دیا۔

آدمی کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی، جیسے وہ کسی نئے احساس کے دروازے پر کھڑا ہو۔

شہریار خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

وہ آدمی مسجد کے دروازے تک پہنچا، اپنے جوتے اتارے اور آہستہ سے اپنا دایاں قدم اندر رکھا۔ اس لمحے اس کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون اتر آیا۔

وہ خاموش قدموں سے آگے بڑھا اور پہلی صف میں جا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے۔
شہریار خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔
روڈ کراس کرتے ہوئے اچانک شہریار کی نظر میرال کی گاڑی پر پڑی۔ اس کے قدم بے اختیار تیز ہو گئے۔ وہ جلدی سے سڑک پار کر کے ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ گیا۔
گاڑی کا دروازہ کھلا اور میرال باہر نکلی۔
شہریار کی نظریں سب سے پہلے میرال کے چہرے پر ٹھہریں، پھر آہستہ سے اس کی نظر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف گئی جہاں وانیہ بیٹھی ہوئی تھی۔
میرال نے بھی دروازے پر کھڑے شہریار کو دیکھ لیا۔ چند لمحوں کے لیے دونوں کی نظریں ملیں۔ وہ لمحہ جیسے وقت کو روک گیا تھا۔
پھر میرال آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی۔ وہ شہریار کے قریب آ کر رک گئی۔ دونوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بہت کچھ کہنا چاہتے تھے، مگر الفاظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔
آخر شہریار نے ریسٹورنٹ کا دروازہ کھولا۔ میرال اندر داخل ہو گئی اور شہریار بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔
اندر کھانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ اپنی اپنی میزوں پر بیٹھے باتوں اور کھانے میں مصروف تھے۔ کہیں ہنسی کی آوازیں تھیں تو کہیں ہلکی موسیقی کی دھنیں۔
مگر ان دونوں کے درمیان ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ وہ ایک کونے کی میز پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کچھ لمحوں تک دونوں صرف ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر میرال نے نظریں جھکا لیں۔
میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ اس کی آواز بہت مدھم تھی۔
شہریار نے گہری سانس لی۔ وہ کچھ کہنے والا تھا، مگر میرال نے بات شروع کر دی۔
میری ماما اور بابا کی پسند کی شادی تھی۔ جس کی وجہ سے میرے بابا اور ماما کے دونوں خاندانوں نے ان سے تعلق ختم کر لیا۔
وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی، جیسے ہر لفظ کے ساتھ ایک پرانی تکلیف دوبارہ محسوس کر رہی ہو۔
میں اکثر ان سے پوچھا کرتی تھی کہ کوئی ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ کیا محبت کی اتنی بڑی سزا ہوتی ہے؟
میرال کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر اس مسکراہٹ میں درد چھپا ہوا تھا۔

تو میری ماما مسکرا دیا کرتی تھیں۔ ان کی مسکراہٹ میں ایک عجیب سا درد ہوتا تھا۔
اس کی آواز لرزنے لگی۔ شہریار خاموش بیٹھا اس کے ہر لفظ کو محسوس کر رہا تھا۔
وہ مجھے کہتی تھیں کہ زندگی انسان کے ساتھ کھیل، کھیل جاتی ہے اور محبت بھی اسی کھیل کا ایک حصہ ہے۔
میرال چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔
مجھے یہ بات تب سمجھ نہیں آتی تھی۔ اس کے رخسار پر ایک آنسو بہہ نکلا۔
مگر مجھے یہ بات تب سمجھ آئی جب زندگی نے میرے ساتھ بھی کھیل کھیلا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔
زندگی نے میرے ساتھ بھی محبت کا کھیل کھیلا۔
شہریار کا دل اس کے درد سے بھر گیا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ اس درد کی تکلیف جانتا تھا کیونکہ زندگی نے یہی کھیل اس کے ساتھ بھی کھیلا تھا۔
اس نے میرے دل کو زنجیروں سے باندھ دیا۔ میرال کی آواز بھرا گئی۔
میرا دل سیف کے نام کی زنجیروں سے بندھ گیا۔ یہ وہ زنجیریں ہیں جو شاید کبھی نہیں کھل سکتیں۔
وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔
ہر کھیل میں ہار اور جیت ہوتی ہے اور میں اس کھیل میں ہار گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔
محبت کی ڈور اگر کچی بھی ہو تو وہ روح کو باندھ دیتی ہے۔ سیف نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی۔ یہ کہنا کتنا آسان ہے، مگر اس حقیقت کا درد شاید کوئی نہیں سمجھ سکتا۔
شہریار نے نظریں جھکا لیں۔
اپنا پیار کھو دینا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ دل خالی ہو جاتا ہے، مگر انسان پھر بھی اسے بھرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔
وہ درد بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
میں چاہتی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرے اور اس کا اظہار کرے، مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔
شہریار کے دل میں درد کی ایک لہر اٹھی۔ آج اسے سیف کے نام سے نفرت نہیں ہو رہی تھی۔ آج وہ صرف ایک ٹوٹے ہوئے دل کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ایسے دل کو، جو محبت میں ہار گیا تھا۔
آپ جیسا سوچتے ہیں، ویسا کبھی نہیں ہوتا۔
سیف صحیح کہتا تھا، احساسات دھوکہ ہوتے ہیں۔

اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں شہریار کے بارے میں سوچوں گی تو مجھے اس سے بھی محبت ہو جائے گی۔ اس نے اپنی انکھیں صاف کی۔

میں آج بہت تکلیف میں ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں مرجاؤں گی۔

شہریار نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہرا پانی آخرکار رخسار پر بہہ نکلا۔

میں آج اپنے ارمانوں کا قتل کر کے آئی ہوں۔ جس کا خون ابھی بھی میرے اندر رس رہا ہے۔

شہریار نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

میں سیف کے نام کی زنجیروں کے ساتھ اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنے کے لیے تیار ہوں۔

میرال کا چہرہ ابھی بھی جھکا ہوا تھا۔

شاید، میں تم سے بھی محبت کرنے لگوں گی اور سیف کے نام کی زنجیریں زنگ آلود ہونے لگیں گی۔

میں اپنی ساری زندگی کی وفا تمہارے نام کرتی ہوں۔ میں اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ جینے کے لیے تیار ہوں۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی، مگر اس کی خاموشی میں بھی بہت سے آنسوؤں کی آواز تھی۔

میں تمہیں، اللہ کی طرف سے ملا ہوا انعام سمجھتا ہوں۔ شہریار کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔

میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔

میں تمہیں، تمہاری ہر تکلیف، ہر زخم اور ہر ادھورے پن کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔

یہ کہتے ہوئے وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

میرال نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

شہریار اس کے قریب آیا۔

میں تمہارا مرہم بنوں گا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

میرال نے پہلے شہریار کے چہرے کو دیکھا۔ پھر اس کی نظریں اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر آٹھہریں۔

چند لمحوں تک وہ خاموش رہی۔ پھر اس نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ آہستہ سے شہریار کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

شہریار نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا، جیسے وہ اسے یقین دلا رہا ہو کہ اب وہ کبھی تنہا نہیں رہے گی۔

میرال بھی خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔

ہم اپنے سب سے بڑے ہمدرد کے پاس چلتے ہیں۔ شہریار نے دھمی آواز میں کہا۔

وہ دونوں خاموشی سے ساتھ چلنے لگے۔ آنسو، دونوں کی آنکھوں سے مسلسل بہہ رہے تھے۔
ریسٹورنٹ کے مینجر نے خاموشی سے دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں باہر نکل آئے۔ سڑک پار کرتے ہوئے وانیہ کی نظر ان دونوں پر پڑی۔ وہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے خاموش کھڑی تھی۔
اس نے شہریار کو میرال کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے دیکھا اور خاموشی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔
شہریار میرال کو مسجد کے سامنے لے آیا۔ مسجد کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا تھا۔
اس نے آہستہ سے میرال کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ خود گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
میرال حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
شہریار نے نہایت ادب سے اس کے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے آہستہ آہستہ اس کے جوتے اتار دیے۔
میرال کی آنکھوں سے گرنے والے آنسو شہریار کے بالوں پر گر رہے تھے اور شہریار کے آنسو، میرال کے قدموں میں۔۔۔
کسی نے کچھ نہیں کہا۔ بس خاموشی ہی ان کے درمیان سب کچھ کہہ رہی تھی۔
پھر اپنے جوتے اتارنے کے بعد شہریار کھڑا ہوا۔ اس نے نہایت احترام سے میرال کے دوپٹے کو درست کیا اور اسے اس کے سر پر اوڑھ دیا۔
میرال کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس کا دل مزید بھر آیا۔
شہریار نے دوبارہ اس کا ہاتھ تھاما اور دونوں آہستہ آہستہ مسجد کے اندر داخل ہو گئے۔
وہ دوسری صف تک پہنچے۔ وہاں آکر شہریار رک گیا۔ اس نے خاموشی سے میرال کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
پھر ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنے رب کے حضور سجدے میں گر گیا۔ اس کے رونے کی آواز مسجد کی خاموش فضا میں گونج اٹھی۔
یا اللہ۔۔۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔
میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح رو رہا تھا۔
تو نے میری جھولی میری اوقات سے بڑھ کر بھر دی۔ اس کے آنسو صف کو بھگو رہے تھے۔
میرال، آہستہ سے ایک صف پیچھے چلی گئی اور اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گئی۔

اس کے لبوں سے کوئی آواز نہ نکل رہی تھی۔ صرف آنسو تھے جو مسلسل بہتے جا رہے تھے۔

اس رات مسجد کی خاموش فضا دو ٹوٹے ہوئے دلوں کی سسکیوں سے بھر گئی تھی۔ ایک دل شکر میں رو رہا تھا اور دوسرا صبر مانگ رہا تھا، مگر دونوں ایک ہی در پر جھکے ہوئے تھے۔

یہیں پر سب تمام ہوا تھا۔ وہ دونوں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھے۔ شہریار اور میرال کی آزمائش اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

شہریار۔۔۔

جس نے اپنی زندگی میں بہت سی زندگیاں برباد کیں، بہت سے گناہ کیے اور پھر انہی گناہوں کی آگ میں جلتا رہا۔ اس نے اپنے رب سے رحم کی التجا کی اور اس کے رب نے اس پر رحم فرمایا۔

میرال۔۔۔

جس سے بہت سی غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں۔ وہ اپنی محبت کے پیچھے بھاگتی رہی، مگر اس کی قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا اور آخر وہی اس تک پہنچ گیا۔

اللہ سے مانگنے والے کب خالی ہاتھ لوٹتے ہیں؟ وہ اپنے بندوں کو ضرور عطا کرتا ہے، مگر وہی عطا کرتا ہے جو ان کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

✦ ✦ ✦

رات اپنی سیاہ چادر زمین پر بچھا چکی تھی۔ آسمان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور دور کہیں چند ستارے مدھم روشنی کے ساتھ چمک رہے تھے۔

ایشال صحن میں موجود جھولے پر بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں کالے آسمان پر جمی ہوئی تھیں جبکہ انگلیاں بے خیالی میں اپنے بالوں کی ایک لٹ سے کھیل رہی تھیں۔ وہ گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

فہد بھائی اور عریشہ یہاں سے چلے گئے۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

اب آگے کیا کروں؟ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

اب ابو کو کون سنبھالے گا؟ اگر فہد بھائی نہ جاتے تو وہی ابو کے سامنے کھڑے ہو جاتے۔

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی، پھر اچانک اس کے ماتھے پر شکن ابھری۔

لیکن، فہد بھائی ابو کو چھوڑ کر جا کیسے سکتے ہیں؟ ابو تو اپنے سب سے زیادہ فرمانبردار بیٹے کو کبھی جانے نہ دیتے۔ اس کی آنکھوں میں سوچ گہری ہونے لگی۔

ضرور، ان دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہے اور فہد بھائی کے ہاتھ پر پٹی بھی بندھی ہوئی تھی۔

پھر اچانک اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔

مگر میرا تو سارا پلان خراب ہو گیا نا۔ اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

میں تو ان دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کرنا چاہتی تھی، اب کیا کروں؟

اس نے گہری سانس لی۔

مریم اور زویا بھی چلی گئیں، صفا کا بھی نکاح ہو گیا۔ اس کے چہرے پر حسد صاف دکھائی دینے لگا۔

اور میں، میرا پیار کسی اور کا ہو گیا۔ وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی۔

سب اپنی اپنی زندگی میں خوش ہیں۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے۔

مگر میں سیف کو حاصل کر کے رہوں گی۔ آخر بچپن سے محبت کی ہے، میں نے اس سے۔ وہ میرے علاوہ کسی اور کا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے ذہن میں ایک کے بعد ایک خیال جنم لینے لگا۔

اچانک اس کے ہونٹوں پر ایک خطرناک مسکراہٹ ابھری۔

سب سے پہلے، مومنہ کا پتہ کاٹنا ہوگا۔

وہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر اس کی آنکھوں میں چمک آئی۔

میں، ابھی جا کر گولیاں لے آتی ہوں۔

وہ فوراً چونک کر پیچھے مڑی۔ اس نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

سب سو چکے ہیں اور ابو بھی سو چکے ہوں گے۔ اس نے خود سے کہا۔

وہ آہستہ سے جھولے سے اٹھی اور دبے قدموں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ چند لمحوں بعد وہ چھت پر تھی۔ اس نے ایک نظر اردگرد دوڑائی۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔

اس نے سامنے موجود عبداللہ ہاؤس کی چھت کو دیکھا، پھر بغیر کوئی آواز کیے دیوار پھلانگی اور دوسری طرف اتر گئی۔ وہ نہایت احتیاط سے سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچی۔ گھر میں موت جیسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

لیکن،، فہد کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ ایشال کے قدم خود بخود رک گئے، پھر وہ دبے پاؤں کھڑکی کے قریب گئی اور اندر جھانکا۔

بستر پر عبداللہ صاحب بیٹھے تھے۔ ان کی نظریں پورے کمرے میں گھوم رہی تھیں۔ چہرے پر صرف نفرت تھی۔

میں تم سے اس ہر چیز کا بدلہ ضرور لوں گا۔ وہ آہستہ سے بڑبڑائے۔

ایشال کے ذہن میں فوراً فہد کا خیال آیا۔ اسے لگا یہ سب وہ فہد کے لیے کہہ رہے ہیں۔

اس نے انہیں نظر انداز کیا اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے لائٹ نہیں جلائی۔ اندھیرے میں ہاتھوں کے سہارے راستہ ٹٹولتے ہوئے وہ بیڈ کے ساتھ رکھی سائیڈ ٹیبل تک پہنچی۔

اس نے نہایت احتیاط سے دراز کھولی۔ اندر ہاتھ پھیرنے لگی۔ چند لمحوں بعد اس کی انگلیوں کو ایک چھوٹی سی ڈبی محسوس ہوئی۔ اس نے فوراً وہ ڈبی نکال لی۔ ڈبی ہاتھ میں آتے ہی اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آہستگی سے دراز بند کی اور واپس دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

مگر جیسے ہی باہر قدم رکھنے لگی، اس کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ صحن میں عبداللہ صاحب کھڑے تھے۔ ایشال کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ فوراً پلٹ کر دوبارہ کمرے کے اندر آ گئی۔ اس کے ماتھے پر پسینہ نمودار ہو چکا تھا۔

وہ دروازے کی اوٹ سے باہر دیکھنے لگی۔ اسی لمحے اس کی نظر عبداللہ صاحب کے ہاتھ پر پڑی۔ ان کے ہاتھ میں گن تھی۔

ایشال کے وجود میں سنسنی دوڑ گئی۔

تمہیں تو میں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔ عبداللہ صاحب نفرت بھرے لہجے میں خود سے کہہ رہے تھے۔

وہ چند لمحے خاموش رہے۔ پھر ان کی نظریں پورے گھر میں گھومیں۔

تمہارا گھر بھی ایسے ہی ویران ہوگا، جیسے میرا ہو گیا ہے۔ ان کی آواز میں ایسی نفرت تھی کہ سننے والے کا دل کانپ جائے۔ اس کے بعد ہر طرف پھر خاموشی چھا گئی۔

ایشال خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ وہ صرف اسی انتظار میں تھی کہ عبداللہ صاحب واپس اپنے کمرے میں کب جائیں گے۔

کافی دیر تک وہ صحن میں کھڑے اپنے ویران گھر کو دیکھتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اندر چلے گئے۔ مگر وہ اپنے کمرے میں نہیں گئے۔ وہ سیدھا فہد کے کمرے میں داخل ہو گئے۔

ایشال نے سکون کا سانس لیا۔ اس نے فوراً ہاتھ میں پکڑی ڈبی مضبوطی سے تھامی اور تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ چند لمحوں بعد وہ دوبارہ چھت پر تھی۔ اس نے دیوار پھلانگی، عبدالرحمن ہاؤس کی چھت پر اتری اور جلدی جلدی نیچے آگئی۔

نیچے آنے کے بعد اس نے ہاتھ میں موجود ڈبی کو غور سے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار، خطرناک مسکراہٹ تھی۔

پھر وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔

اگلے دن کچن میں احمد، سیف، مومنہ اور صفا موجود تھے۔ مومنہ ڈائننگ ٹیبل سے برتن سمیٹ رہی تھی جبکہ صفا فریج سے دودھ نکال کر چائے بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ سیف احمد کی ویل چیئر آہستہ آہستہ دھکیلتا ہوا کچن سے باہر نکلا اور اسے کمرے میں لے گیا۔

اسی دوران ایشال کچن میں داخل ہوئی۔ اس کی نظریں سیدھی صفا پر جا ٹھہریں۔

صفا، دادی بلا رہی ہیں۔ اس نے بالکل معمول کے انداز میں کہا۔

صفا نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

اچھا، تم چائے بنا لو، میں دادی کی بات سن کر آتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ جلدی سے کچن سے نکل گئی۔

ایشال خاموشی سے چولہے کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی نظریں بار بار مومنہ پر جا رہی تھیں۔ مومنہ برتن دھو کر واپس آئی اور ڈائننگ ٹیبل کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

چند ہی لمحوں بعد چائے تیار ہو گئی۔ ایشال نے چائے کپوں میں انڈیلنی شروع کی۔

مومنہ، تم یہیں چائے پیو گی یا کمرے میں جا کر؟ اس نے بظاہر بے پروائی سے پوچھا۔

یہیں دے دو۔

اس نے دو کپ اٹھا کر مومنہ کے سامنے رکھ دیے۔

یہ دوسرا کپ کس کا ہے؟ مومنہ نے دوسرے کپ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرا۔

ایشال نے مختصر سا جواب دیا۔

اس کے بعد اس نے باقی کپ ٹرے میں رکھے اور مومنہ کی طرف بڑھا دیے۔

یہ کمرے میں دے آؤ گی؟

مومنہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے ٹرے ہاتھ میں لی اور کمرے کی طرف چل دی۔ مومنہ کچن سے باہر نکلی، ایشال نے تیزی سے اپنے دوپٹے کے کونے میں بندھی گرہ کھولی۔

گرہ کے اندر چار، پانچ گولیاں تھیں۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ماتھے پر پسینے کے ننھے قطرے ابھر آئے۔ اس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا اور فوراً سے دو گولیاں ایک کپ میں ڈال دیں، مگر اگلے ہی لمحے جیسے اس کا ارادہ بدل گیا۔ اس نے باقی گولیاں بھی اسی کپ میں انڈیل دیں۔

اس کا دل اتنی شدت سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے ابھی سینے سے باہر آجائے گا۔ وہ تیزی سے کاؤنٹر کی طرف گئی، دراز کھولی اور ایک چمچ نکال لائی۔ کانپتے ہاتھوں سے وہ چائے میں گولیاں گھولنے لگی۔ چند ہی لمحوں میں گولیاں مکمل طور پر چائے میں حل ہو چکی تھیں۔ اس نے فوراً چمچ اٹھایا، سنک میں رکھ دیا اور گہری سانس لی۔ چہرے پر خوف ابھی بھی نمایاں تھا، مگر اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

مومنہ ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی تو سیف سامنے کھڑا اے سی آن کر رہا تھا۔ احمد صوفے کے قریب بیٹھا تھا جبکہ صفا، خدیجہ بیگم کو دوا دے رہی تھی۔

مومنہ نے چائے کی ٹرے میز پر رکھی اور خاموشی سے واپس کچن کی طرف چل دی۔ وہ کچن میں داخل ہوئی، اس نے ایشال کو سنک کے پاس کھڑی دیکھا۔ وہ برتن دھو رہی تھی اور ساتھ ساتھ چائے کے گھونٹ لے رہی تھی۔ اب اس کے چہرے پر گھبراہٹ کا کوئی نشان نہیں تھا۔ وہ بالکل پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

مومنہ اس کے قریب آگئی۔

ایشال، رہنے دو، میں دھو لوں گی۔

ایشال نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

نہیں، کوئی بات نہیں۔ اب میں بھی اس گھر کا حصہ ہوں، تو مجھے بھی کام کرنا چاہیے۔ اس کی آواز میں نرمی تھی۔

تم چائے پی کر، کپ مجھے دے دو۔

مومنہ نے ہلکا سا سر ہلایا اور ڈائننگ ٹیبل کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ خاموشی سے چائے پینے لگی۔

ایشال برتن دھوتے ہوئے وقفے وقفے سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی نگاہوں میں انتظار بڑھتا جا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے نل بند کیا، ہاتھ خشک کیے اور آکر مومنہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

مومنہ نے بے چینی سے اپنا سینہ تھاما۔ اس کے دل کی دھڑکن اچانک بے ترتیب ہونے لگی۔ اس نے کپ میز پر رکھ دیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

اگلے ہی لمحے اس کے معدے میں شدید مروڑ اٹھا۔ وہ فوراً جھک گئی۔ اسے اچانک بہت تیز قے آئی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

ایشال خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے ہونٹوں پر آہستہ آہستہ ایک پراسرار مسکراہٹ ابھرنے لگی۔

مومنہ کو دوبارہ شدید قے آئی۔ اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ اس نے مشکل سے سر اٹھایا۔

س۔۔۔ سیف کو بلاؤ۔۔۔ اس کی آواز بمشکل سنائی دی۔

ایشال کے چہرے پر شیطانی اطمینان پھیل گیا۔

سیف؟ سیف تو نہیں آئے گا بلکہ یہاں کوئی بھی نہیں آئے گا۔

مومنہ کے پیٹ میں ناقابلِ برداشت درد اٹھنے لگا۔ اسے سانس لینے میں دشواری محسوس ہونے لگی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ پکڑے سسک اٹھی۔

مجھے، بہت درد ہو رہا ہے۔۔۔ اس کی آواز رونے سے ٹوٹ رہی تھی۔

ایشال آہستہ آہستہ اپنی کرسی سے اٹھی اور اس کے قریب آگئی۔ اس نے فرش پر پھیلی قے کی طرف دیکھا۔ چہرے پر ایک لمحے کو سختی ابھری۔

اور اس درد کا کیا جو میں نے برداشت کیا تھا؟ وہ دھیمی مگر زہریلی آواز میں بولی۔

مومنہ نے لرزتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

ی۔۔۔ یہ سب۔۔۔ تم نے کیا ہے؟ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

ایشال کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

ہاں۔۔۔ اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا۔

مومنہ کو ایک اور شدید قے آئی۔ اس بار اس میں خون بھی شامل تھا۔ قے کے چند قطرے اچھل کر ایشال کے کپڑوں پر جا گرے۔ وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

مومنہ نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس نے پوری ہمت جمع کی اور دوسری طرف سے کھڑی ہونے لگی۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ سانسیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور کپڑے قے سے آلودہ ہو چکے تھے۔ اس نے کرسی کا سہارا لے کر کھڑے ہونے کی کوشش کی، مگر اگلے ہی لمحے اس کی ٹانگوں نے جواب دے دیا۔ وہ بے جان سی واپس فرش پر گر پڑی۔

ایشال آہستہ آہستہ اس کے قریب آئی اور گھٹنوں کے بل اس کے برابر بیٹھ گئی۔ اس نے مومنہ کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

تم ایسے ہی تڑپ تڑپ کر مرو گی۔ وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

اور اس کے بعد، سیف صرف میرا ہو گا۔

چائے میں چینی نہیں۔۔۔

سیف کی آواز کچن کے دروازے سے سنائی دی۔ وہ جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ اس کی نظر سامنے کے منظر پر پڑی، اس کے قدم وہیں جم گئے۔ ایک لمحے میں اس کی دنیا جیسے رک گئی۔

ایشال گھبرا کر فوراً کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا۔ خوف اس کی آنکھوں میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔

فرش پر پڑی مومنہ نے بڑی مشکل سے سر اٹھایا۔ اس کی نظریں سیف سے ملیں۔

مومنہ۔۔۔

آج سیف نے اس کا نام اس شدت سے پکارا تھا۔ وہ دوڑ کر اس کے پاس آیا اور فوراً اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ مومنہ کی حالت دیکھ کر اس کا دل درد سے بھر گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔

ایشال ساکت کھڑی یہ سب دیکھتی رہی۔

سیف۔۔۔

مومنہ نے بڑی مشکل سے ایشال کی طرف اشارہ کیا۔

سیف نے فوراً ایشال کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ دہک رہا تھا۔

کیا کیا ہے تم نے؟ اس کی بلند آواز پورے کچن میں گونج اٹھی۔

ایشال نے گھبرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کی زبان سے الفاظ نہیں نکلے تھے۔

سیف نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ وہ جھکا، مومنہ کو احتیاط سے اپنی بانہوں میں اٹھایا۔

اسی لمحے مومنہ کو ایک بار پھر شدید قے آئی۔
سیف کے کپڑے بھی قے سے بھر گئے، مگر سیف نے پرواہ نہ کی۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، مگر اس نے خود کو سنبھالے رکھا۔
کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ اس کی آواز بری طرح لرز رہی تھی۔
میں ہوں نا۔۔۔ وہ مومنہ کو اٹھائے تیزی سے کچن سے باہر نکل گیا۔
سیف۔۔۔
ایشال اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی چیخی، مگر سیف نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ باہر پہنچتے ہی اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور بڑی احتیاط سے مومنہ کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ دل خوف سے بوجھل ہو چکا تھا۔
وہ فوراً ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، گاڑی اسٹارٹ کی اور پوری رفتار سے اسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔
ایشال دروازے پر کھڑی رہ گئی۔ دل اتنی شدت سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے سینہ چیر کر باہر آجائے گا۔ ایشال جالی ہاتھ رہ گئی تھی۔
سیف بار بار ریئر ویو مرر میں پچھلی سیٹ پر لیٹی مومنہ کو دیکھ رہا تھا۔
مومنہ کی سانسیں ٹوٹ ٹوٹ کر آرہی تھیں۔ اس کا وجود لمحہ بہ لمحہ بے جان ہوتا جا رہا تھا۔ درد اب بھی تھا، مگر وہ بے بس ہو گئی تھی۔
گاڑی ابھی گاؤں کی حدود سے باہر نکل ہی رہی تھی کہ اسی لمحے عبداللہ صاحب کی نظر تیزی سے گزرتی ہوئی سیف کی گاڑی پر پڑی۔
ان کی آنکھوں میں نفرت کی چمک ابھر آئی۔ وہ فوراً اپنی گاڑی میں بیٹھے۔ انہوں نے ڈیش بورڈ کے خانے سے گن نکالی، میگزین چیک کیا اور ہتھیار لوڈ کر لیا۔
گن کو اپنی برابر والی سیٹ پر رکھتے ہی انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پوری رفتار سے سیف کی گاڑی کے تعاقب میں نکل پڑے۔
دوسری طرف، مومنہ کو ایک بار پھر خون کی قے آئی۔ اس کا سانس بری طرح اکھڑ رہا تھا۔

سیف بار بار ریئر ویو مرر میں اسے دیکھ رہا تھا۔ ہر نظر اس کے دل کو چیر رہی تھی۔ وہ مومنہ کو اس حال میں کبھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر خون کے دھبے پھیل چکے تھے۔ اس کا بے جان سا وجود پچھلی سیٹ پر پڑا تھا اور سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔

سیف نے بے اختیار ایکسیلیٹر مزید دبا دیا۔ گاڑی تیزی سے گاؤں کی سڑک چھوڑ کر پل کراس کر کے مین روڈ پر آ گئی۔

عبداللہ صاحب ابھی بھی اس کے پیچھے تھے۔ انہوں نے گاڑی کی کھڑکی نیچے کی، ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ میں گن تھام لی۔

انہوں نے سیف کی گاڑی کے پچھلے ٹائر پر نشانہ لیا۔ اگلے ہی لمحے گولی سیدھی جا کر ٹائر میں لگی۔ زوردار دھماکے کے ساتھ ٹائر پھٹ گیا۔

گاڑی کا توازن بگڑ گیا۔ اسٹیئرنگ سیف کے ہاتھوں میں بری طرح کانپنے لگا۔ گاڑی پوری رفتار سے سڑک پر لہرانے لگی۔

عبداللہ صاحب نے اپنی گاڑی آہستہ کر دی۔ وہ دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

سیف پوری قوت سے گاڑی کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے بریک پر پاؤں رکھا۔ ٹائروں کی رگڑ سے ایک تیز چیختی ہوئی آواز فضا میں گونج اٹھی۔

سامنے اور پیچھے آنے والی گاڑیوں نے بھی فوری بریک لگائیں اور خود کو بچانے کی کوشش کرنے لگیں۔

سیف کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا۔ وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا، مگر گاڑی اس کے قابو سے نکل چکی تھی۔

اسی لمحے اس کی نظر ایک بار پھر پچھلی سیٹ پر پڑی۔ مومنہ کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو رہی تھیں۔ وہ منظر دیکھ کر سیف کا دل جیسے رک سا گیا۔

مومنہ۔۔۔

اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

بے قابو گاڑی سڑک سے اتر گئی اور نہر کے کنارے کھڑے ایک مضبوط درخت سے جا ٹکرائی۔

دھڑام—ٹکر اتنی شدید تھی کہ پورا درخت لرز اٹھا۔ اس کی شاخوں سے بے شمار پتے ٹوٹ کر گاڑی کے اوپر بکھر گئے۔ نہر کا پانی اپنی روانی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

گاڑی کا اگلا حصہ بری طرح پچک چکا تھا۔ گاڑی کا شیشہ چٹخ گیا تھا۔ انجن سے گاڑھا دھواں اٹھنے لگا، جو آہستہ آہستہ پوری گاڑی کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔

ٹکر کی شدت سے سیف کا سر زور سے اسٹیئرنگ سے جا ٹکرایا۔ اس کے ماتھے سے خون کی ایک باریک لکیر بہتی ہوئی رخسار تک آگئی۔

اس نے مشکل سے اپنی نیم وا آنکھیں کھولیں۔ اس کے سر میں شدید درد شروع ہو چکا تھا۔ پوری قوت جمع کر کے اس نے گردن موڑی اور پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا۔ اسے اب بھی اپنی پرواہ نہ تھی۔

مومنہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اس کے لبوں کے کناروں سے خون بہہ رہا تھا۔ آنکھوں سے خاموشی سے آنسو رواں تھے۔ وہ ٹوٹتی ہوئی سانسوں کے ساتھ صرف سیف کو دیکھ رہی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر سیف کا دل جیسے اندر ہی اندر بکھر گیا۔ اس کی اپنی سانسیں بھی بے ترتیب تھیں۔ آنکھوں کا پانی آخر کار پلکوں کی قید توڑ کر بہہ نکلا۔ وہ ہمیشہ اپنے آنسو دفن کر دیتا تھا، مگر آج اس کے پاس اتنی طاقت بھی نہیں بچی تھی۔

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے مومنہ کا ہاتھ تھام لیا۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔

گاڑی کے باہر لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ وہ شیشے توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دور گاڑی میں سے عبداللہ صاحب کی نظر ابھی بھی اس کی گاڑی پر جمی ہوئی تھی۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

مگر گاڑی کے اندر، جیسے وقت ٹھہر گیا تھا۔

مومنہ کی پلکیں آہستہ آہستہ بوجھل ہونے لگیں۔ اس کی بینائی دھندلا رہی تھی، مگر آخری لمحوں تک اسے صرف سیف کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے کانوں میں سیف کی آواز گونجی۔

میری سانسیں میری بیوی کی سانسوں سے جڑی ہیں۔ جب تک وہ سانس لے گی، تب تک میں بھی سانس لیتا رہوں گا۔

اسے سیف کے الفاظ یاد آئے تھے۔ مومنہ کے لبوں پر ایک ہلکی، مطمئن اور پُرسکون مسکراہٹ ابھری۔ وہ اس کی زندگی کی آخری مسکراہٹ تھی۔

اس کی پلکیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔ اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اس کا دل خاموش ہو گیا۔

سیف نے مومنہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھی دھیرے دھیرے بند ہونے لگی تھیں۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک منظر روشن ہوا۔

وہ اور مومنہ، پل پر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے تھے۔ مومنہ نے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ دونوں چاند کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔

سیف نے حقیقت میں بھی اپنی انگلیوں کی گرفت محسوس کی۔ مومنہ کا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

اس نے آخری بار مومنہ کو دیکھا۔ اس کے لبوں پر ایک پُرسکون سی مسکراہٹ آئی۔ اس نے ایک گہری سانس لی، جیسے اپنی پوری زندگی کا درد اسی ایک سانس میں چھوڑ دینا چاہتا ہو۔

پھر اس کی آنکھیں بھی بند ہو گئیں۔ اس کا دل بھی، مومنہ کے دل کی طرح خاموش ہو گیا۔

دو دل ایک ہی خواہش کے اسیر
اور یہ خواہش ایک آشیا ویران کر گئی

✦ اختتام ✦